بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ — اَحْمَدُ — حَامِدٌ — مَحْمُوْدٌ — قَاسِمٌ

عَاقِبٌ — فَاتِحٌ — شَاهِدٌ — حَاشِرٌ — رَشِيْدٌ — مَشْهُوْدٌ — بَشِيْرٌ — نَذِيْرٌ

دَاعٍ — شَافٍ — هَادٍ — مَهْدٍ — مَاحٍ — مُنْجٍ — نَاهٍ — رَسُوْلٌ

نَبِيٌّ — اُمِّيٌّ — تِهَامِيٌّ — هَاشِمِيٌّ — اَبْطَحِيٌّ — عَزِيْزٌ — حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ — رَءُوْفٌ

رَحِيْمٌ — طٰهٰ — مُجْتَبٰى — طٰسٓ — مُرْتَضٰى — حٰمٓ — مُصْطَفٰى — يٰسٓ

اَوْلٰى — مُزَّمِّلٌ — وَلِيٌّ — مُدَّثِّرٌ — مَتِيْنٌ — مُصَدِّقٌ

مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم

طَيِّبٌ — نَاصِرٌ — مَنْصُوْرٌ — مِصْبَاحٌ

اٰمِرٌ — حِجَازِيٌّ — نِزَارِيٌّ — قُرَشِيٌّ

مُضَرِيٌّ — نَبِيُّ التَّوْبَةِ — حَافِظٌ — كَامِلٌ

صَادِقٌ — اَمِيْنٌ — عَبْدُ اللّٰهِ — كَلِيْمُ اللّٰهِ — حَبِيْبُ اللّٰهِ — نَجِيُّ اللّٰهِ

صَفِيُّ اللّٰهِ — خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ — حَسِيْبٌ — مُجِيْبٌ — شَكُوْرٌ — مُقْتَصِدٌ — رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ — قَوِيٌّ

حَفِيٌّ — مَامُوْنٌ — مَعْلُوْمٌ — حَقٌّ — مُبِيْنٌ — مُطِيْعٌ — رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ — اَوَّلٌ

اٰخِرٌ — ظَاهِرٌ — بَاطِنٌ — نَبِيُّ الرَّحْمَةِ — يَتِيْمٌ — كَرِيْمٌ — حَكِيْمٌ — خَاتِمُ الرُّسُلِ

سَيِّدٌ — سِرَاجٌ — مُنِيْرٌ — مُحَرَّمٌ — مُكَرَّمٌ — مُبَشِّرٌ — مُذَكِّرٌ — مُطَهَّرٌ

قَرِيْبٌ — خَلِيْلٌ — مَدْعُوٌّ — جَوَّادٌ — خَاتَمٌ — عَادِلٌ — شَهِيْرٌ — شَهِيْدٌ

بسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سیرت سرورِ کونین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جلد دوم

تاریخ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

رانا محمد سرور خاں

رانا محمد سرور خاں پبلی کیشنز
103-A کینال ویو کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی۔ لاہور (پاکستان)

سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اشاعت اول ---- 27 رمضان المبارک 1428ھ
(10 اکتوبر 2007ء)

مؤلف ---- رانا محمد سرور خاں

ناشر ---- رانا محمد سرور خاں پبلی کیشنز

تعداد ---- 1100

مطبع ---- شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

ہدیہ (مکمل سیٹ) ---- 8800 روپے

ISBN 9789699116-04-9 Vol. 2

حسن ترتیب

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ کیا ہے

یا

علم تاریخ

سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دوسری جلد میں صرف تاریخ عرب کے میدان میں سیر حاصل بحث موجود ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ متلاشیان علم کے علمی ذوق کی خاطر پہلے علم تاریخ کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

علم تاریخ دنیا کا ایسا واحد علم ہے جس کے بغیر کوئی دوسرا علم مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ علم ہونے کے ساتھ ساتھ باقاعدہ ایک مکمل فن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے دیگر تمام فنون اسی فن کی مدد سے مکمل ہوتے ہیں۔ یہ میرا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ دنیا میں بسنے والے جس قدر صاحب علم وفن حضرات گزر چکے ہیں اور موجود ہیں سب اس حقیقت کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ انہوں نے اس علم وفن پر کتب بھی تحریر کی ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے غیر مسلم تاریخ دان بھی بابائے تاریخ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے لکھ کر یہ نام حاصل کیا۔ علامہ نے اپنے اس مقدمہ تاریخ میں تحقیق و دریافت کے اصول متعین کیے۔ اس پر سیر حاصل بحث کی غلط اور صحیح روایت کی شناخت کا طریقہ بتایا۔ تاریخ کو کیا ہونا چاہیے اس پر بھرپور روشنی ڈالی اسطرح پہلی بار علامہ ابن خلدون کی اس علمی تحقیق کے ذریعے دنیا پر اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے علم تاریخ سامنے آیا۔ علامہ نے جس عمدہ انداز سے حالات وواقعات کو سپرد قلم کیا ہے انکی روشنی میں پوری دنیا نے انہیں فلسفہ تاریخ کا بانی اور جدید تاریخ نویسی کا امام وموسس تسلیم کیا ہے۔

عرف عام میں علم تاریخ سے صرف یہ مراد لی جاتی ہے کہ ماضی کے حالات وواقعات کو بیان کر دینا یا تحریر کر دینا علم تاریخ ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کا علم ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے حالات کو بیان کرتا ہے۔ یہ وہ واحد علم وفن ہے جسکی روشنی میں گزرے ہوئے واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جو اسکی اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آخری وحی ہے اس کے ایک حصہ میں ماضی کے وقائع اور قصص کا ذکر فرمایا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے حالات تعلیمات انکی اقوام اور مختلف حکمرانوں کے حالات اور تہذیبوں کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کا انداز گو موجودہ زمانے کی رائج تاریخ کی طرح مربوط کہانی کا نہیں ہے مگر قرآن کریم کا اصل مقصد تزکیہ عبرت اور نصیحت کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام قصص کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی انداز سے یوں بیان فرمائے ہیں کہ ہر پہلو اجاگر ہوتا گیا ہے۔ ان

واقعات وحالات میں گذشتہ اقوام کی زندگیوں کے بارے میں بڑے ہی سبق آموز تاریخی حقائق سامنے آتے ہیں۔ جس قوم نے اپنے نبی ورسول کے حکم کو مانتے ہوئے اس پر عمل کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت قدر ومنزلت کی حق دار ٹھہری اور جن اقوام نے اپنے نبی ورسول کی تعلیمات کا مذاق اڑایا انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو ایسے ایسے سخت عذابوں میں مبتلا کیا جن کے بارے میں پڑھ کر ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر وہ اقوام نیست ونابود ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کا ایندھن بن گئیں۔ ماضی میں گزر جانے والی ان اقوام کے حالات وواقعات اور ان کے انجام کو پڑھ کر زمانہ حال میں زندہ اقوام کے لیے اپنے مستقبل کو بچانے کے لیے لاتعداد مواقع موجود ہیں۔ ماضی میں گزر جانے والی نافرمان اقوام کے انجام بد کو سامنے رکھتے ہوئے امت محمدیہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ وآلہٖ وسلم کے تمام احکامات کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل کرے تو اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور عنایتیں اسکو حاصل ہوں گی اور یوں مستقبل نہ صرف تابناک ہی ہوگا بلکہ جنت کی تمام راحتیں اسے عطا کی جائیں گی اور یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اگر اُمت ان احکامات الٰہی اور فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کرنا ترک کر دے گی تو اسکا مستقبل تو تاریک ہوگا ہی حال بھی ذلت ورسوائی سے گزرے گا۔

اسلام وہ مذہب حق ہے جس نے دنیا کے مختلف علوم وفنون کی ترویج اور انکی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اسلام نے علم الرجال کی بنیاد ڈالی اور یوں تاریخی حالات وواقعات بیان کرنے والوں کے ذاتی حالات وکوائف کی چھان بین کی تاکہ انکے مستند وقابل اعتماد یا غیر مستند وناقابل اعتماد ثابت ہو جانے کے بعد بیان شدہ حالات وواقعات کے درست یا غلط ہونے کا علم ہو سکے۔ علم الرجال کی مدد سے مؤرخ کی تحریر پر تنقیدی روشنی ڈالی، سیرت سوانح اور تذکرہ نگاری کے اصول وضع کیے جو تحریر ان اصول وقواعد کی پابند ہوتی تھی سوانح کا روشن باب کہلاتی۔ تاریخ کو اس کے حقیقی معنوں کے ساتھ سمجھا گیا یوں اہل عرب کے ہاں باقاعدہ مستند تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ تاریخ نویسی کی دنیا میں یہ اہل عرب کا ہی طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے جس قدر تاریخی کتب تحریر کی ہیں مذکورہ طریقہ کار اور اصولوں کے عین مطابق تحریر کی ہیں۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ عرب مؤرخین نے واقعات بیان کرنے میں تحقیق ودریافت کے کن کن دشوار گزار راستوں کو طے کیا۔ کون کون سی غور وفکر کی پر پیچ وادیوں کی خاک چھانی تب کہیں جا کر حالات و واقعات کو تحریری شکل دینے میں کامیاب ہوئے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی قوم کی تاریخ سننے بیان کرنے اور تحریر کرنے کو پسند کرتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اسکی قوم کے وہ جواہر جو پردہ گمنامی یا پردہ اخفا میں پڑے ہوتے ہیں کھل کر سامنے آجاتے ہیں دوسری اقوام ان جواہر سے باخبر ہو کر اسکی قوم کے لئے تعریفی کلمات کہتی ہے اور یہی امر تاریخ بیان کرنے، تحریر کرنے یا سنانے والے کے لئے باعث راحت وفخر ہوتا ہے۔

قرون ماضیہ میں عربوں پر بہت سے بیرونی حملے ہوئے مگر وہ کسی کے ماتحت نہ رہے۔ چنانچہ مصری شیشک

ان کو زیر نہ کر سکا۔ قیروش فارسی (متوفی 529 قبل مسیح) نے عرب کے بعض شمالی حصوں کو مغلوب کیا مگر مورخ ہیرودوتس (متوفی 424 قبل مسیح) ہمیں یقین دلاتا ہے کہ شہنشاہ دارا اول (521-485ق م) شاہ فارس جس نے سلطنت فارس کی بہت توسیع کی تھی کے عہد میں عرب خراج سے بری تھے۔ بخت نصر (605-562ق م) بابل کے بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کے بہت سے شہر فتح کیے۔ سکندر کا جانشین انطیفوس (متوفی 301 قبل مسیح) ان پر حملہ آور ہوا مگر اسے ان کے ساتھ ان ہی کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ رومی فاتح پومپے (پیدائش 106 قبل مسیح) نے ملک عرب کے ایک حصے کو تاخت وتاراج کیا مگر اسکی فوج پسپا ہوئی تو عربوں نے شدت سے تعاقب کیا اور وہ کچھ عرصہ تک شام میں رومیوں کو تنگ کرتے رہے۔ 23 قبل مسیح میں رومی سپہ سالار الیوس گالس بحیرہ قلزم تک آیا اس نے چاہا کہ عربوں کو فتح کرلے مگر ناکام رہا۔ طراجان رومی نے 120 عیسوی میں ان پر حملہ کیا اور شہر حجر کا محاصرہ کرلیا مگر رعد و ژالہ اور مکھیوں کے جھنڈ کے سبب اس کا لشکر کامیاب نہ ہوا۔ جب وہ حملہ کرتے تو یہی آفتیں پیش آتیں۔ تقریباً 200 عیسوی میں سیواروس نامی رومی نے لشکر کثیر اور سامان حرب کے ساتھ شہر حجر کا دوبارہ محاصرہ کیا۔ مگر لشکر اور شاہ کے درمیان ایک تنازعہ پیدا ہو جانے کے باعث شاہ محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہو گیا۔ شاہ فارس شاہ پور ذوالاکتاف نے عرب پر حملہ کیا تو بحرین وحضر و یمامہ میں کشت وخون کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا۔ سردارانِ عرب جو گرفتار ہو کر آتے تھے وہ ان کے کندھے نکال دیتا تھا اس لیے اسے ذوالاکتاف کہتے تھے مگر اسی بادشاہ نے 360 عیسوی میں تکریت پر جو خود مختار عربوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا حملہ کیا تو ناکام رہا۔

دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق اور بدکردار بادشاہ مالک نام تھا۔ باکرہ عورتوں کو بلا کراں کی آبروریزی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی چچازاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا۔ بلقیس نے کہا کہ میرے محل میں آجانا۔ اور اس کے قتل کرنے کے لیے اپنے اقربا میں سے دو آدمی مقرر کیے۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اہل یمن نے اسی سبب سے بلقیس کو اپنا حکمران بنایا ورنہ وہ عورت کی حکومت پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ (محققین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ 982-932ق م تحریر کیا ہے)

بلقیس کے بعد خاندان حمیر کے بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے جب اہل یمن نے خداتعالیٰ کی نافرمانی کی تو ان پر سیل عرم بھیجا گیا جس سے ان کے باغات وغیرہ برباد ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے وہ رزق معاش میں مختلف اطراف کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے چنانچہ بنولخم بن عدی کی ایک جماعت خراسان کی طرف نکلی۔ انہوں نے دریائے فرات کے قریب شہر حیرہ کی بنیاد ڈالی جو بعد میں اسی خاندان کا دارالسلطنت رہا۔ ملوک لخمیہ ومناذرہ 634 عیسوی تک اکاسرہ (کسریٰ فارس) کی طرف سے عراق پر گورنر ہوتے رہے اس کے بعد یہ خطہ اسلام کی نورانی کرنوں سے منور ہو گیا۔

بنولخم کی طرح بنوقحطان کی ایک جماعت نے ہجرت کر کے دمشق کے قریب ایک چشمہ جسے غسان کہتے تھے جا ڈیرہ لگایا اور آخر کار شام کے حکمران بن گئے۔ ملوک غسان جنہیں مورخین عرب عرب متنصرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قیصر روم کی طرف سے قریباً 200 عیسوی سے 236 عیسوی تک ملک شام پر حکمرانی کرتے رہے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا جو بھاگ کر قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ملک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

بنوقحطان میں سے قبیلہ ازد کے دو بھائی اوس وخزرج مدینہ منورہ میں آ بسے۔ انصاری ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قحطانیوں میں سے بعض اندرون جزیرہ عرب چلے گئے چنانچہ ملوک کندہ نے نجد میں اپنی سلطنت قائم کی۔ سیل عرم کے بعد جو لوگ یمن میں رہ گئے ان پر بنوقحطان بدستور حکمرانی کرتے رہے۔ ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام شمر بن افریقیس بن ابرہہ تھا۔ روایت ہے کہ شمر مذکور بڑا عالی ہمت تھا۔ اس نے عراق پر لشکرکشی کی اور اسے فتح کر کے چین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ صغد پہنچا تو اس کے باشندے ایک قریبی مقام میں پناہ گزیں ہو گئے۔ شمر نے چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان کو قتل کیا اس واسطے اس مقام کو شمر قند کہنے لگے جسے عرب معرب کر کے سمرقند بولتے تھے۔ شمر وہاں سے چین کی طرف بڑھا مگر وہ اور اس کی فوج پیاس سے ہلاک ہو گئی۔

تبابعہ (تبع) یمن میں سے بتان اسعد ابوکرب تھا۔ وہ بلاد مشرق کو فتح کر کے واپس آتے ہوئے مدینہ میں آیا جہاں وہ جاتے ہوئے اپنے بیٹے کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر اس کو کسی نے ناگہاں قتل کر دیا۔ اس لیے تبع مذکور نے مدینہ اور اہل مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر یہود بنوقریظہ سے دو عالموں نے تبع کو منع کیا۔ اس نے وجہ دریافت کی تو عالموں نے کہا کہ آخر زمانہ میں قریش میں سے ایک پیغمبر پیدا ہو گا جس کی ہجرت اسی شہر میں ہو گی۔ یہ سن کر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس نے مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبع مذکو مدینہ سے اپنے وطن یمن کی طرف روانہ ہوا راستے میں اس نے مکہ مکرمہ میں چھ دن تک قیام کیا اور طواف کر کے کعبہ پر برد یمانی چڑھائی۔ یہ تبع پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے بیت اللہ شریف پر پردہ چڑھایا۔ مکہ سے وہ یمن آیا۔ تبعان اسعد کے بیٹے حسان کو عمرو بن تبان اسعد نے ملک پر حکمرانی کے لالچ میں قتل کر دیا۔ عمرو مذکور بھی جلد ہی ہلاک ہو گیا۔

ہمارا موضوع کیونکہ تاریخ عرب ہے تاریخ عالم نہیں اس لئے تاریخ کی مذکورہ تشریح کے بعد اپنے اصل موضوع کی تشریح تحریر کر رہا ہوں۔ جسے پڑھ کر اس میدان میں اسلام سے پہلے اور ظہور اسلام کے بعد آج تک تحریر کی جانے والی تاریخ عرب کے بارے میں ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ اسلام سے پہلے کس طرح تاریخ عرب تحریر کی گئی اور اس کے ماخذ کیا تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اس دولت لازوال اور مذہب حق کے ماننے والوں نے عرب کی تاریخ کو کس قدر احتیاط اور اصول وضوابط کے تحت تحریر کر کے دنیا کی ہر

Marfat.com

قوم کی طرف سے اٹھنے والے سوالات کے نہ صرف شافی جوابات ہی تحریر کیے بلکہ اہل یورپ، یونانی، رومی یا رومانی اور دیگر مؤرخین کی ان تحریروں کے دندان شکن جوابات تحریر کیے جن کی بدولت وہ لوگ قرآن میں نازل ہونے والے واقعات وقصص کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مدتوں سے سازش کرتے چلے آرہے تھے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سرزمین عرب کی تاریخ ظہور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جس قدر تاریک ہے آپ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد سے لے کر آج تک اتنی ہی روشن ہے۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب اقوام تصنیف وتالیف سے ناآشنا تھی۔اہل عرب بدویانہ زندگیاں بسر کرتے کھلی فضاء میں رہتے ہوئے ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد تھے۔قبیلہ کا سردار ہی انکی ہر حرکت کا نگران ہوتا مسائل کے حل کے لئے اسکا فیصلہ حتمی ہوتا جس پر وہ لوگ ہر حال میں عمل کرتے علم نام کی ان کے ہاں کسی چیز کا وجود نہ تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے قوم و ملک کے سیاسی، مذہبی، اقتصادی، جغرافیائی اور دیگر حالات کے متعلق تحریر کرنے کی ہمت کی ان کی ماخذ کتب اسرائیلیات اور زبانی روایات ہی تھیں۔انکے مقابلے میں یونانی، رومی یعنی رومانی اور یورپی سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات اور مختلف اقوام کے ہاں سے دستیاب شدہ کتبات ونقش کی عبارات اور آثار قدیمہ کی مدد سے حاصل ہونے والی معلومات زیادہ پراثر تھیں۔ادھر علمائے یہود ونصاریٰ کی ہمت کو دیکھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ ان لوگوں نے ہزاروں ناموں، اقوام اور مقامات کے نام جو ہزاروں سال گذر جانے کی وجہ سے ناپید ہوچکے ہیں ان کو اپنے انسائیکلو پیڈیا آف بائبل کے ذریعے اپنی مسیحائی اور خودساختہ تشریحات کی مدد سے زندہ رکھا ہوا ہے۔گو یہ سب کچھ محض افسانوں اور قصے کہانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔یہ ایک عجیب بات ہے کہ جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور انگریز مستشرقین ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید کی تحقیق میں نہایت محنت اور جانفشانی سے مصروف ہیں۔ان لوگوں نے ''تاریخ عرب قبل اسلام'' پر کئی کتب تحریر کی ہیں۔قرآن کریم فرقان حمید نے جن جن اقوام وممالک کا ذکر فرمایا ہے ان لوگوں نے ان جگہوں پر جاکر کھنڈرات کا مشاہدہ کیا وہاں موجود کتبات کی تحریروں کو حاصل کرنے کے بعد انکو پڑھا مگر افسوس ان عبارات سے تعصب اور علمی خیانت کی بنا پر ایسے عجیب وغریب نتائج اخذ کرکے بیان کیے جنہیں پڑھ کر سخت حیرت وافسوس ہوتا ہے۔بعض اوقات تو ان کی جہالت پر رونے کو دل چاہتا ہے۔یہ عیسائی اور یہودی مستشرقین نہایت ہی متعصب لوگ ہیں۔ان لوگوں نے قرآن مجید کے فوائد کو نہایت ہی بے دردی سے پامال کرتے ہوئے اپنی حاصل شدہ معلومات کے زور پر قرآن کریم کی مخالفت پر شب روز صرف کردیے ہیں۔اکثر پادری ایسے ہیں جو قرآن کے تاریخی اغلاط کو پیش کرتے ہیں ایسا کرتے ہوئے شاید انکی عقل کام نہیں کرتی یا پھر تعصب کی وجہ سے وہ لوگ اندھے ہوجاتے ہیں۔دوسرے کی آنکھ کا تنکہ تو انکو نظر آجاتا ہے مگر افسوس اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھ سکتے۔تورات وانجیل جو اپنی اصل حقیقت میں موجود نہیں انکی خود ساختہ کہانیوں پر مشتمل ہیں انکے بارے میں ایک حرف اعتراض بھی استعمال نہیں کرتے۔اب ہمارے لیے نہایت

ضروری ہے کہ ہم اپنے ان دین کے دشمنوں کی فراہم شدہ جدید معلومات کو سامنے رکھتے ہوئے ان لوگوں کو دنداں شکن جوابات دے کر انکی معلومات سے ہی اپنا دین حق ثابت کریں۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالف تمام مستشرقین ابتدائے اسلام سے ہمارے مذہبی اعتقادات پر شب وروز اعتراضات کی بارش کرتے ہوئے سخت مخالفت پر کمربستہ تھے مگر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ عقائد اسلام کی مضبوطی اور ان کے عین فطرت کے مطابق ہونے کی بنا پر ذلیل و رسوا ہو کر خاموش ہوگئے انہیں یقین ہوگیا کہ یہ عقائد اسقدر مضبوط ہیں کہ ان سے ٹکرانے والا خود ہی پاش پاش ہو جائے گا۔ مخالفین کا یہ گروہ اس میدان میں ناکام ہوگیا تو انہوں نے ہمارے تمدن وتاریخ کے میدان میں سابقہ عادات کے مطابق مورچے قائم کر لئے ہیں۔ مسلمان علماء وتمام صاحب علم وبصیرت حضرات کو چاہیے کہ جس طرح یورپی ودیگر مؤرخین کی اسلام دشمن تحریروں، تقریروں اور تصانیف کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری جن کا زمانہ 281ھ ہجری ہے یا علامہ ابن جریر طبری المتوفی 310 ہجری اور ابن قیتبہ ومحمد بن اسحٰق المتوفی 150 ہجری نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق میں گراں قدر محنت وکوشش کی ہے۔ یہ لوگ جدید مخالفین اسلام اور خاص طور پر یورپین تاریخی تحقیقات و انکشافات کی غلطی کا پردہ چاک کرتے ہوئے خود انہی مخالفین کے تیار شدہ ہتھیاروں سے انہیں ناکام ونامراد کر دیں تاکہ دنیا کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ثابت ہو جائے۔ ہم اپنی تصنیف کے اس حصہ میں عرب کی تاریخ، جغرافیہ انکے سیاسی، نسبی، قومی اور تمدنی حالات قرآن مجید، اسرائیلیات، ادب یونان ورومانوی اور دور حاضر کے انکشافات کی روشنی میں بیان کریں گے جن کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا کہ قوم عرب نے ظہور اسلام سے پہلے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ انکی تہذیب وتمدن نے یمن، عراق وشام میں کس حد تک وسعت حاصل کی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب اہل یورپ، اہل یونان اور روم وغیرہ سیاسی معاشی نسبی اور تمدنی اصولوں سے تو کیا واقف ہوتے انہیں تو شب وروز بسر کرنے کے اصولوں کا بھی علم نہیں تھا۔ یہ لوگ اندھیروں میں رہتے ہوئے اندھوں کی طرح زندگیاں بسر کرتے تھے۔

علم تاریخ عربوں کی سب سے زیادہ موثر اور طاقت ور قوت تھی۔ اس میدان میں کوئی قوم بھی اہل عرب کی حریف نہ تھی اور نہ ہی انکے مقابل کوئی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب نے ان عربوں سے ہی تاریخ نویسی کا سبق سیکھا ورنہ یہ لوگ اس فن سے واقف ہی نہیں تھے۔ ان کے ہاں لکھی جانے والی کتب تاریخ محض قصے کہانیاں مافوق الفطرت داستانوں اور کذب بیانی کے مجموعہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھیں۔ یہ لوگ عقلی، خود پرستی اور ذاتی انا کے اسقدر شکار تھے کہ ان لوگوں کو اپنے میر افسانہ وحکمرانوں کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا تھا جو کہ حقائق کے ہی خلاف امر ہے۔ اگر عرب تاریخ وجغرافیہ نویس اپنی قلموں کو جنبش نہ دیتے۔ انکی شب وروز کی سخت محنت وتحقیق کے بعد تحریر شدہ کتب وتصانیف منظر عام پر نہ آتیں تو یقیناً تاریخ کا مزاج ہی کچھ اور ہو چکا ہوتا۔ لوگ حقائق واصل واقعات تک پہنچ

ہی نہ سکتے۔ اہل عرب نے علم تاریخ کی مدد سے اپنی تہذیب، کلچر (تمدن) اور اپنے قابل فخر اقدار کو زندہ رکھتے ہوئے انہیں دنیا سے روشناس کرایا۔ مذکورہ وہ تمام خوبیاں جنہیں گردش زمانہ نے بھلا دیا تھا اور وہ سب کچھ مردہ ہو کر ناپید ہو چکا تھا اہل عرب کے تاریخ وجغرافیہ نویسوں نے اس مردہ جسم میں جان ڈال کر انکے دلوں کو پھر شگفتہ و تروتازہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عرب اپنے تاریخی سرمایہ پر فخر کرنے کے حق دار ٹھہرے۔

وہ تواریخ عرب جو اہل عرب نے تحریر کی ہیں انکا مطالعہ کیجئے تو صاف طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مؤرخین نے اپنی تصانیف میں زمانوں کے تسلسل کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ تاریخ کی ہر کتاب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر مبارک سے شروع ہوتی ہے پھر زمانے کے حالات وواقعات کا بیان برابر اس زمانے تک چلا جاتا ہے جس زمانے میں لکھنے والا موجود ہوتا ہے۔ تقریباً تمام حالات، تصورات اور واقعات بھی ایک ہی ہوتے ہیں البتہ کہیں کہیں جزوی اختلافات ضرور ملتے ہیں یہ اختلافات ہرگز اس قسم کے نہیں ہوتے کہ پڑھنے والے کو تحریر کے مقصد میں کسی قسم کا شک وشبہ نظر آتا ہو۔ عرب تاریخ دانوں نے تاریخ نویسی کو اس قدر عام کر دیا کہ ہر دور زمانے اور ہر علاقے کے حالات قلم بند کیے۔ اسلام کی ابتداء کے وقت اہل ایمان عرب تاریخ نویسوں نے جو کتب تحریر کیں اسکا دائرہ بڑا محدود تھا۔ ان حضرات نے ظہور اسلام اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو ہی اپنا فکری وتحقیقی موضوع بنایا اس سلسلے میں وہ تمام مستند ذرائع اور ماخذ استعمال کیے جن پر ان کو مکمل اعتماد اور یقین کامل تھا۔ تاریخ عرب کے سلسلے میں علم وتحقیق کے جو ذرائع پہلے موجود تھے مسلم مصنفین نے انکی روشنی میں ہی کتب تاریخ تحریر کیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے ذرائع اور جدید تحقیقی میدان میں ترقی ہو رہی ہے اسکی روشنی میں لکھنے والوں کے لئے بھی بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ دور جدید نے معلومات حاصل کرنے کے جو ذرائع پیدا کر دیئے ہیں انکی کچھ تفصیل تحریر کر رہا ہوں جسکی روشنی میں علم تاریخ پر کام کرنے والوں کو بڑی دوررس مدد ملے گی۔

اسلامی ماخذ

اقوام عرب کی تاریخ کے میدان میں قرآن مجید نے ان لوگوں کی زندگیوں کا ذکر محض عبرت وبصیرت کے لئے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم فرقان حمید نے ان اقوام کی تاریخی جغرافیائی اور سیاسی حالات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ قرآن کریم کے موضوع کا ان حالات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خطہ عرب کی بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کی زندگیوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں صرف انکے نام ہی بیان کر دیئے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے ملک وقوم کی تاریخ سے خوب واقف تھے۔ دوسرا تاریخ عرب سے اسلام کو مذہبی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے قرآن کریم نے اس تاریخی حصے پر کوئی بحث نہیں کی اور نہ ہی اسکی ضرورت تھی۔

تاریخ عرب وقت کا تقاضہ

مذہب اسلام نے بڑے ہی قلیل وقت میں اپنی نورانی کرنوں سے اطراف کو منور کر دیا۔ عہد نبوی و خلفاء راشدین میں جب اہل حق قرآن کریم کی نورانی کرنوں سے دور دراز کے ملکوں کو منور کرنے لگے تو ان علاقوں کی اقوام کو خطہ عرب کے تاریخی، سیاسی، مذہبی، معاشرتی، معاشی، جغرافیائی، اقتصادی اور دیگر حالات سے باخبر کرنے کے لئے اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ مذکورہ موضوعات پر کتب تحریر کی جائیں تاکہ دور دراز کی اقوام جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئی ہیں ان حالات سے باخبر ہوسکیں۔ اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جو ذرائع ہاتھ آسکے وہ درج ذیل ہیں۔ یہ وہ ذرائع تھے جن کی مدد سے مؤرخین نے تالیف و تصنیف کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

1. قرآن مجید میں بیان کردہ اقوام کے حالات
2. قرآنی آیات کی جو تفاسیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائیں پھر حضور علیہ السلام کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں مفسرین نے جو تشریحات بیان کیں۔
3. گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات معلوم کرنے کے لئے ایک ماخذ تورات ہے جسے اسرائیلیات بھی کہا جاتا ہے۔ گذشتہ اقوام میں سے اکثر کا ذکر ان کے ہاں ملتا ہے۔ مفسرین نے ان روایات کی مدد سے بھی تاریخ عرب میں بہت کچھ تحریر کیا ہے۔
4. تاریخ نویس کا ایک ذریعہ سینہ بہ سینہ چلی آنے والی خاندانی روایات ہیں۔ یہ روایات نسل در نسل اپنے تقریباً اصل معنوں و حالات کے مطابق اہل عرب کے ہاں محفوظ چلی آرہی تھیں۔ ظہور اسلام کے بعد یہ سب کچھ کتابی شکل میں منتقل ہوگیا۔ مسلمانوں نے علم الرجال کے جو قواعد مرتب کیے تھے گو یہ روایات ان کے مطابق زیادہ محفوظ نہیں لیکن اہل عرب کے ہاں خاندانی روایات بالاتفاق اور کسی شک وشبہ کے بغیر عام طور سے مشہور تھیں جنکا ہر جگہ فخریہ انداز میں اظہار و بیان کیا جاتا۔ سننے والے لوگوں نے ان روایات کی کبھی بھی نفی یا انکار کی کوئی وجہ نہیں پائی۔ یوں یہ تمام روایات متواتر بیان ہونے کی وجہ سے سچی اور حقیقی تسلیم کی جاتی تھیں یہی اصول اب بھی قائم ہے اور دنیا کی ہر قوم ان خاندانی روایات کو سچ تسلیم کرتے ہوئے فخریہ بیان کرتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت تواتر ہے جس کا اصول تاریخ نویسی کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یوں یہ خاندانی روایات تاریخ کا بڑا ہی اہم ماخذ ہیں۔
5. قدیم ادوار سے عربوں کی تجارت مصر و شام کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرا دیا تو انہوں نے دیکھا کہ گلعاد سے اسماعیلیوں کا قافلہ آرہا ہے جن کے اونٹوں پر

Marfat.com

ادویہ وبلسان دمرلدے ہوئے ہیں اور وہ مصر کو جارہے ہیں۔ یہ چیزیں لاشوں کو معطر بنانے میں مصریوں کے کام آیا کرتی تھیں۔ اس کے مدتوں بعد وہ اہائی صور کے ساتھ مویشیوں اور ادویہ اور بیش بہا پتھروں اور سونے کی تجارت کرتے دیکھے جاتے ہیں۔

مختصراً تاریخ عرب کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) منائین (Minaean) شاہی دور حکمرانی 1200 قبل مسیح تا 650 قبل مسیح۔

(2) قوم سبا (Sabaean) شاہی دور حکمرانی 930 قبل مسیح تا 115 قبل مسیح۔

(3) حمیری (Himyarite) شاہی دور حکمرانی 115 قبل مسیح تا 525 عیسوی۔

رومیوں نے مسالہ جات کی تجارت پر قبضے کے لیے 24 قبل مسیح میں عرب پر حملہ کیا مگر ناکام رہے۔ ایبے سینا (حبشہ) نے جنوبی عرب پر 340 تا 378 عیسوی اور 525 تا 575 عیسوی حکمرانی کی اور 579 عیسوی میں جنوبی عرب پر شاہان فارس کی حکمرانی قائم ہوگئی۔

6. خاندانی روایات کے علاوہ تاریخ نویسی کا ایک اور نہایت ہی اہم ذریعہ اہل عرب کی شاعری ہے۔ عرب کے شعراء نے اشعار اور امثال کی زبان میں گذشتہ اقوام کی مدح وستائش، شجاعت، سخاوت، رسم ورواج، عادات، نشست وبرخاست، اقتصادی، مذہبی، سماجی غرض دوسرے کئی پہلوؤں کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ زمانے کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ فن شاعری کیونکہ ظہور اسلام سے چند صدیاں پہلے ہی وجود میں آئی تھی اس لئے حقائق وحالات کا یہ محفوظ سرمایہ عرب میں بسنے والی تمام اقوام کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کرتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قبل اسلام گذرنے والے بہت سے خاندانوں اور اقوام کے حالات اس ذریعے سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

7. تاریخ نویسی کا ایک نہایت ہی قابل اعتبار ماخذ انساب عرب بھی ہے۔ تورات کو الگ کردیا جائے تو دنیا میں بسنے والی اقوام میں صرف عرب قوم ہی ایسی ہے جس نے سلسلہ نسل وانساب کا اسقدر لحاظ رکھا ہے کہ اسے باقاعدہ ایک فن بنادیا۔ اہل عرب کے ہاں شرافت نسب سب سے اہم ترین چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے ہاں بچے بچے کے لئے بھی اپنے نسب کو یاد رکھنا ضروری تھا۔ یہ لوگ اظہار فخر کے موقع پر اپنے اعلیٰ نسب ہونے کا ہی ثبوت پیش کرتے تھے۔ شعراء عرب اپنے قبائل کے نسب کو اشعار کی صورت میں محفوظ رکھتے تھے تاکہ کسی کی مدح یا ہجو کہنی ہو تو اس نسب کے حوالے سے ہی کہی جائے۔ ظہور اسلام سے پہلے اور بعد بھی عرب کے ہاں علمائے انساب کی ایک جماعت موجود تھی جو انساب کے علم میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ یہ علماء قبائل عرب کے مشاہیر کے نسب سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ظہور اسلام کے بعد جب تالیف وتصنیف کا باقاعدہ رواج ہوا تو نساب کو بھی الگ فن کے طور پر علوم میں شامل کیا گیا اور یوں اس میدان میں بہت سی

کتب تحریر کی گئیں۔دغفل بکری، لسان الحمرۃ، عبیدہ بن شریہ، ابن کوا، عوانہ بن حکم، ابوالفطان، قبر قتھی، ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مصعب بن عبداللہ، خاکبانی، زبیر بن بکار، اصمعی، ابن ہشام، امام عبدالرزاق، بلاذری، علامہ ابن حزم، سمعانی اور قلقشندی، علم الانساب کے ماہر امام تھے۔ان میں سے اصمعی، ابوعبیدہ اور ابن ہشام نے انساب قریش پر تفصیلی کام کیا اور معلومات کا بے پناہ ذخیرہ چھوڑا۔

مورخ مبرد اور ازرقی نے قوم حمیر وملوکھا کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کیں۔اس طرح علم نساب کے میدان میں متاخرین صاحب فن میں بلاذری، سمعانی، علامہ ابن حزم اور قلقشندی نے گراں قدر تحقیقی علمی ذخیرہ چھوڑا ہے۔

آیات قرآنی کی روشنی میں تاریخ عرب

جن مفسرین نے قرآنی متعلقہ آیات کی روشنی میں تاریخ عرب کے بارے میں معلومات تحریر کی ہیں ان تفسیروں اور مفسرین کے نام مختصراً تحریر کر رہا ہوں جن کے مطالعہ کے بعد متلاشیان علم کو معلوم ہوگا کہ ہمارے اسلاف نے علم کے میدان میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جو ہمارے لئے باعث صد عزت وافتخار ہے۔

1. تفسیر مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 103ھ
2. تفسیر مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 150ھ
3. تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 295ھ
4. تفسیر دیلمی رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 305ھ
5. تفسیر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 310ھ
6. تفسیر ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 327ھ
7. تفسیر ابن ابی حبان رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 369ھ
8. تفسیر امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 410ھ
9. تفسیر بغوی رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 516ھ
10. تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی 774ھ وغیرہ

مذکورہ مفسرین نے قرآن مجید فرقان حمید جو کائنات کے جملہ علوم وفنون کا سرچشمہ ہے اسکے بیانات کی روشنی میں فن تاریخ بیان کرنے کے کام کی ابتداء کی پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے اپنی معارف پروری کی وجہ سے اس علم کو لازوال فن بنا ڈالا۔علم التاریخ جو آج ایک فن کے طور پر ہمارے سامنے ہے وہ ادبیات کی ایسی اصطلاح ہے جس میں سالنامے اور سیر دونوں شامل ہیں۔اہل علم نے عربی فارسی تاریخ نگاری کے لمحہ بہ لمحہ حالات اور

Marfat.com

اسکے ادوار متعین کر رکھے ہیں اوران سب پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے جو کہ یقیناً ہمارے لئے علم وعرفان کے سمندر بے کراں کی مانند ہے۔اب یہ پڑھنے والے کی محنت، دلچسپی اور علم سے محبت ولگن پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تاریخ عرب کے مصنفین کا مختصراً بیان

پہلی صدی ہجری کا آخری دوراور دوسری صدی ہجری کا ابتدائی دور وہ تھا جب مملکت اسلامیہ میں بنوامیہ بلا شرکت غیرے حکمران تھے۔اس خاندان کی معارف پروری اور علمی خدمات کا دور دور تک چرچا تھا۔شعروسخن کے قدیم ذخیروں میں سے خاص طور پر وہ حصہ جو پچھلے مجموعوں میں سے باقی رہ گیا تھا بنوامیہ کے اس دور میں استعمال میں لایا گیا یوں علم تاریخ کی شاندار خدمات سرانجام دی گئیں۔ابتدائی مورخین جن کا سلسلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوگیا تھا۔ان لوگوں نے تاریخ نویسی کے میدان میں بڑا کام کیا۔ان مورخین نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی جو آئندہ آنے والے مورخین کے لئے چراغ راہ ثابت ہوئی۔ذیل میں ان مورخین کے نام اورانکی تصنیفات کے بارے میں کچھ عرض کررہا ہوں۔

عبید بن شریہ،ابوعبیدہ،عوانہ بن حکم،ہشام کلبی،قاضی ابوالبختری،ابن ہشام وغیرہ

1. عبید بن شریہ

عبید بن شریہ نے کتاب اخبار الملوک الماضیین یعنی گذشتہ بادشاہوں کے حالات نامی کتاب تحریر کی۔اس کتاب میں گذشتہ بادشاہوں کے حالات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔تاریخ نویسی کے میدان میں یہ کتاب خاصی اہمیت رکھتی ہے۔

2. ابوعبیدہ

ابوعبیدہ نے لگ بھگ دوسو رسائل فن تاریخ پر تحریر کیے۔یہ الگ بات ہے کہ آج ان رسائل میں سے کوئی بھی اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ بعد کے مجموعوں میں انہی رسائل کا کثیر مواد نظر آتا ہے۔رسائل کے علاوہ ابوعبیدہ نے بہت سی کتب تاریخ بھی تحریر کیں جن میں سے چیدہ چیدہ کے نام یہ ہیں۔

i. کتاب مفارات قسیس والیمین
ii. کتاب خبر عبدالقیس
iii. کتاب مناقب باہلہ
iv. کتاب مکہ والحرام
v. کتاب بیوتات العرب

vi. کتاب ماثر العرب

vii. کتاب ماثر غطفان

viii. کتاب قعتہ الکعبہ

ix. کتاب الاوس والخزرج

x. کتاب الحمس من قریش وغیرہ

3. ہشام کلبی

ہشام کلبی نے تاریخ عرب کے موضوع پر جو کتب تحریر کیں ان کے نام درج ذیل ہیں۔

i. کتاب من نقل من عاد وثمود وعمالیق وجراہم وبنی اسرائیل من العرب

ii. کتاب ملوک کندہ

iii. کتاب طسم وجدلیس

iv. کتاب عاد الاولیٰ وعاد الثانیہ

v. کتاب تفرق عاد

vi. کتاب اصحاب الکہف

vii. کتاب الحیرۃ وغیرہ

4. ابن ہشام

ابن ہشام سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ''مغازی'' کے نام سے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کتاب تحریر فرما چکے تھے۔ سیرت مقدسہ پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو تقریباً 93ھ میں تحریر ہوئی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے۔ ابن ہشام نے اپنے زمانہ میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام ''سیرۃ ابن ہشام'' رکھا یعنی سیرت مقدسہ کی کتاب جسے ابن ہشام نے تحریر کیا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ابن ہشام نے عرب کی قدیم تاریخ لکھی۔ اس کے علاوہ تاریخ عرب کے موضوع پر ابن ہشام نے ایک اور کتاب لکھی جو نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا نام ''کتاب التیجان'' ہے۔

پیدائش ارض مکہ

تاریخ عرب کا بیان جاری ہے۔ صوبہ حجاز میں وہ مقدس و محترم مقامات یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ موجود ہیں جو کائنات ارض پر سب سے زیادہ پاک اور معظم شہر ہیں۔ ان متبرک ترین مقامات کی خصوصی تاریخ اہل ایمان کے

لئے نہایت ہی اہم اور معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوگی پھر اپنے آقا و مولا فخرِ رُسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے جس شہر نے شرف حاصل کیا اس کا بیان اہل محبت کے لئے کیا درجہ رکھتا ہے یہ عشاقِ مصطفیٰ علیہ السلام ہی جانتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی سرزمین کو زمین کے دوسرے اجزاء کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ اور اس کے چار رکن یعنی بنیادیں زمین کی ساتویں گہرائی تک رکھیں''۔ اس روایت کو حضرت امام واقدی رحمتہ اللہ علیہ نے بسیط میں حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

از تفسیر کبیر۔ جلد۔ 3، صفحہ۔ 6

اس روایت کی تشریح میں حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پانی کی سطح پر ابھرنے والا یہ مقدس خطہ یعنی بیت اللہ شریف جسے خالق کائنات نے زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا یوں یہ شرف مکہ معظمہ کی سرزمین کو حاصل ہوا۔ یہ زمین پانی کے اوپر جھاگ کی شکل میں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس جھاگ کے نیچے زمین کا فرش بچھا دیا۔ پھر اس کا دائرہ پھیلا کر اطراف عالم تک وسیع فرما دیا۔ حضرت امام فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے مذکورہ تشریح کا یہ قول سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت قتادہ اور حضرت سدی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے نقل کیا ہے۔

از تفسیر کبیر۔ جلد۔ 3، صفحہ۔ 6۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف کو پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کیا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اسکے نیچے سے پھیلا دی گئی۔

المصنّف عبد الرزاق۔ جلد۔ 5، صفحہ۔ 92 از امام ابوبکر عبد الرزاق رحمتہ اللہ علیہ

تفسیر طبری۔ ج۔ 1، صفحہ۔ 547 از امام ابن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ

ارض مکہ مکرمہ کی پیدائش کے سلسلے میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمتہ اللہ علیہ مؤلف صحیح بخاری کے استادِ محترم حضرت امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصفانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف میں حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہوگئی۔ پھر قدرت کاملہ نے اس ہل چل کے بعد بیت اللہ شریف کی جگہ ایک قبلہ نما ٹیلہ پیدا فرمایا۔ اور یوں دو ہزار سال بعد اس جگہ بیت اللہ شریف بنایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر مقدس کو اُم القریٰ کہا جاتا ہے۔

المصنّف عبد الرزاق۔ جلد۔ 5، صفحہ۔ 90 از امام عبد الرزاق رحمتہ اللہ علیہ بن ہمام (المتوفی 211 ہجری)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر کبیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ '' مکہ مکرمہ بیت

المعمور کا سایہ ہے۔ یہ کرہ ارض کے وسط میں واقع ہے اور زمین کی ناف ہے اس لئے اس شہر کو ام القریٰ کہا جاتا ہے''۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بہت عرصہ پہلے جب دنیا ابھی سائنسی دور میں بھی داخل نہیں ہوئی تھی یہ ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے شہر میں بیت اللہ شریف یعنی اللہ کا گھر کرۂ ارض یعنی زمین کے وسط میں واقع ہے۔ حضرت کی اس بات کو آج کی ترقی یافتہ سائنس نے بھی سچ ثابت کر دیا ہے۔ پھر مزید ارشاد کہ یہ پاک جگہ زمین کی ناف ہے کس قدر عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ناف انسان کے جسم میں عین وسط میں ہوتی ہے۔ بعض تفاسیر میں یوں بھی آتا ہے کہ بیت اللہ شریف عین بیت المعمور کے نیچے واقع ہے۔ یاد رہے آسمانوں پر بیت المعمور وہ مقام ہے جہاں فرشتے ہر وقت طواف میں مصروف رہتے ہیں۔ گویا وہ مقام فرشتوں کا بیت اللہ ہے۔

تفسیر کبیر۔ جلد۔3، صفحہ۔9 از امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امام ابوبکر عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ

كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ

ترجمہ: ''اسکا عرش پانی پر تھا''۔ (سورۃ ھود آیت 7)

آیت کی تفسیر کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ''کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی پیدائش سے پہلے پانی پیدا فرمایا اور پھر پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ پانی سے بخارات اڑتے رہتے تھے جس طرح دریاؤں سے اڑتے ہیں۔

تاریخ القویم میں حضرت علامہ طاہر کردی رحمتہ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ ''مکہ مکرمہ دنیا کا دل ہے اور زمین کے وسط میں واقع ہے۔ کعبہ معظمہ اس نقطہ کی مانند ہے جو کسی دائرہ کے عین درمیان میں ہوتا ہے''۔

تاریخ القویم از علامہ طاہر کردی رحمتہ اللہ علیہ

آخر میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو ارشادات تحریر کرنے کے بعد اس موضوع کو سمیٹ رہا ہوں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جسے تفصیل کے ساتھ امام ابن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ نے سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی قریباً اول کتاب تاریخ طبری میں یوں لکھا ہے۔

ترجمہ: ''روئے زمین پر اللہ کی عبادت کے لئے سب سے پہلے گھر کعبہ معظمہ بنایا گیا۔ اگرچہ لوگوں کی بود و باش کے لئے بے شمار مکانات موجود تھے۔ یوں کرہ ارض پر سب سے پہلا عبادت کے لئے جو خیر و برکت والا گھر بنایا گیا وہ بیت اللہ شریف تھا''۔

ایک دوسری روایت میں یوں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا۔ کیا اس گھر

سے پہلے مکانات نہیں تھے؟ پھر قوم نوح اور قوم عاد کہاں رہتی تھیں؟ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ''کہ برکت اور ہدایت کے لئے سب سے پہلا گھر بیت اللہ بنا ہے''

تاریخ طبری، جلد۔4، صفحہ۔6 از امام ابن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ

محل وقوع مکہ مکرمہ

دور حاضر کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی تصنیف رحمت اللعالمین میں جغرافیائی اعتبار سے کرہ ارض کی عرض بلد اور طول بلد واطراف کی تقسیم کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ دنیا کے وسط میں واقع ہے اور بیت اللہ شریف عین وسط میں ہے۔ وہ لکھتے ہیں

کرہ ارض پر آبادی کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ 40 عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ 80 درجے تک آباد ہے۔

اب دونوں کا مجموعہ 120 درجے بنے گا جس کا نصف 60 درجے ہوتا ہے۔

اب 60 کو 80 درجے شمال میں سے نفی کریں تو باقی 20 درجے رہ جاتا ہے۔

اسی طرح 60 درجے سے 40 درجے جنوبی کو نفی کریں تو باقی 20 درجے شمال رہ جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ $21\frac{1}{2}$ پر آباد ہے جو کہ جدید تحقیق کے مطابق ہے۔ یوں ثابت ہوا کہ کل رقبہ ارض میں جو مقام وسط نکلے گا درجہ کے حساب سے یہی مقدس مقام بیت اللہ ہی ہے۔

آئمہ مجتہدین کا یہ ارشاد کہ یہ مقدس مقام دنیا کا وسطہ ہے پھر لغات کی کتب میں اسے ناف دنیا کہنا کسی دلیل یا ثبوت کے بغیر نہیں ہے مذکورہ جغرافیائی وضاحت کو ذہن میں رکھیں اور پھر دنیا کے قدیم نقشہ پر نظر ڈالیں حقیقت حال خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ قدیم دنیا کے نقشہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ:

ایشیاء، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ مرکز ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی یورپ اور افریقہ سے بہت قریب ہے۔ ان دونوں براعظموں کو تہذیب وتمدن کے میدان میں مصر اور روما سے خصوصی مرکزیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مرکز عرب مکہ معظّمہ کو زمین کی ناف کہا جاتا ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے اور یوں ہی کسی بھی جگہ پہنچنا مرکز ہی سے آسان تر ہوتا ہے۔ کسی بھی علاقے کی آب وہوا کا اثر وہاں کے باشندوں کے اخلاق اور طبیعتوں پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔

مثلاً سرد علاقوں میں رہنے والے لوگ اور یوں ہی صحرائی باشندے نہایت جفاکش ہوتے ہیں جبکہ زرخیز علاقوں میں آباد لوگ تمدنی معاشرتی اور اقتصادی قوانین قدرت کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ تمام خوبیاں اپنے اس مقدس شہر میں رکھ دی ہیں۔ اس پاک شہر میں مذکورہ اقسام اور ہر طرح کی خوبیاں رکھنے والے

لوگ دین ودنیا کی تمام ترقیاں اور رفعتیں حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے قربان جائیں اس مقدس شہر کو زمین کی ناف میں پیدا فرما کر بنی نوع انسان کی ہدایت کا ایسا مرکز بنا دیا جہاں سے پھوٹنے والے چشمۂ ہدایت نے پورے عالم کو منور کر دیا۔ یہ مقدس شہر تینوں براعظموں کے وسط میں واقع ہے اس لئے تبلیغ حق کی تحریک کے لئے سب سے زیادہ بہتر اور موزوں ترین مرکز ہے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے اسی شہر سے علم وعرفان کے وہ چشمے جاری فرمائے جنہوں نے پوری کائنات کو دین ودنیا کے میدان میں سیراب کر دیا اور یہ سلسلۂ رشد وہدایت تا قیامت جاری رہے گا۔ گو مکہ مکرمہ کا محل وقوع سب سے پہلے بطلیموس المتوفی 283 ہجری نے یوں بیان کیا ہے۔

''طول بلد 78 درجے اور عرض بلد 3 درجے ہے''۔

مشہور عرب جغرافیہ دان علامہ فریدی وجدی کہتے ہیں کہ بطلیموس نے مکہ مکرمہ کا جو طول وعرض بلد بیان کیا ہے وہ غلط ہے اصل میں جغرافیائی جدید تحقیق کے مطابق محل وقوع یہ ہے۔

طول بلد 27، 54 درجے طول بلد شرقی اور عرض بلد 21 درجے 28 دقیقہ جبکہ سطح سمندر سے بلندی قریباً 330 میٹر ہے۔ یہ محل وقوع ہی درست ہے۔

علامہ طاہر کردی نے اس مقدس شہر کے بعض دوسرے مقامات کا ارتفاع بھی تحریر کیا ہے جو متلاشیان علم کے لئے عرض کر رہا ہوں۔

نام جگہ	سطح سمندر سے بلندی (میٹروں میں)
محلّہ معابدہ	311 میٹر بلند ہے
محلّہ جرول	278 میٹر بلند ہے
جبل ابی قبیس	425 میٹر بلند ہے
جبل قعیقعان	435 میٹر بلند ہے
جبل حراء بالائی حصہ میں	639 میٹر بلند ہے
جبل ثور نشیبی علاقہ میں	759 میٹر بلند ہے
جبل رخم بالائی حصہ میں	883 میٹر بلند ہے
جبل رحمت	395 میٹر بلند ہے
جبل سعد بطرف مشرق	736 میٹر بلند ہے
میدان عرفات	338 میٹر بلند ہے
صفا مروہ	375 میٹر بلند ہے

حدود اربعہ

علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے اپنی تصنیف مراۃ الحرمین میں مکہ مکرمہ کا حدود اربعہ یوں تحریر کیا ہے لکھتے ہیں۔

مکہ معظّمہ شہر مغرب سے مشرق تک طول میں تقریباً 3 کلومیٹر کی مسافت اور عرض میں 1½ کلومیٹر ہے۔ ایک وادی میں جو شمال سے جنوب کی طرف جارہی ہے پھیلا ہوا ہے اور پہاڑوں کے دو سلسلوں سے جو مشرق مغرب اور جنوب یعنی شہر کے تینوں دروازوں پر قریب قریب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آدمی اس کے دروازوں تک نہ پہنچ جائے بیت اللہ شریف کی عمارت نظر نہیں آتی۔

مراۃ الحرمین۔ جلد۔1، صفحہ۔203 از علامہ ابراہیم رفعت پاشا

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مصنفین کے مطابق مکہ مکرمہ کا حدود اربعہ کچھ یوں ہے۔

''مکہ مکرمہ شہر کی حدود اندازاً ایک ہیرے کی صورت میں ہے۔ اس شہر کا طول اشماس سے بازان تک 25 میل ہے۔ جبکہ (جدہ روڈ پر واقع) تنعیم سے باب اقصیٰ (یہ باب مسفلہ کی جانب یمن جانے والی سڑک پر ہے) تک 12 میل ہے۔ اور اشماس (یہ وہ مقام ہے جہاں صلح حدیبیہ ہوئی) شہر سے مغرب میں 14 میل کے فاصلے پر ہے''۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا۔ جلد۔15، صفحہ۔35

مذکورہ بالا تفصیلات جو ہم نے تحریر کی ہیں 1977ء تک تحریر شدہ کتب کے مطابق ہیں۔ اس کے بعد سعودی حکومت نے اس مبارک شہر میں جدید انداز کے مطابق بڑی توسیع کر دی ہے۔ فلک بوس عمارات و دیگر جدید سہولتوں کی بنا پر اس مبارک شہر کی تعمیر میں بڑی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ حجاج کرام اور مقامی لوگوں کی رہائش و دیگر ضروریات کے لئے بڑا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس مبارک شہر میں شائد ہی کوئی ایسی جدید سہولت ہو جو پوری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال لاکھوں مسلمان اطراف عالم سے عمرہ اور حج کی سعادت و فریضہ نہایت آرام و سکون سے ادا کرتے ہیں۔

مکہ معظّمہ کے مبارک شہر میں داخل ہونے یا باہر جانے کے لئے زمانہ قدیم میں صرف تین ہی راستے تھے۔ یہ راستے صدیوں سے چلے آرہے تھے۔ موجودہ سعودی حکومت نے شہر کی توسیع کی وجہ سے ایک مزید راستے کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس طرح اب اس مبارک شہر میں داخل ہونے اور باہر جانے کے لئے چار راستے بن گئے ہیں۔ ان راستوں کا کتب قدیم کے حوالے سے مختصر حال قلم بند کیا جارہا ہے۔

مکہ مکرمہ کی جغرافیائی کیفیت کے بارے میں علامہ ارزقی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب اخبار مکہ میں تحریر کرتے ہیں کہ اس شہر میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لئے جو راستے ہیں انکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1. طریق کدا

طریق عربی زبان میں سڑک یا راستے کو کہتے ہیں۔ یہ مذکورہ راستہ یا سڑک عراق، طائف اور میدان عرفات

کی طرف جاتی ہے۔ فخر کونین تاجدار عرب وعجم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز اسی راستے سے اس مبارک شہر میں تشریف لائے تھے۔

2. طریق جدہ

یہ راستہ یا سڑک مدینہ منورہ، جدہ، شام اور مصر کی طرف جاتی ہے۔

3. طریق یمن

یہ سڑک مکہ مکرمہ سے یمن کی طرف جاتی ہے۔اس سڑک کے علاوہ ایک اور راستہ بھی ہے جسے الجوں کہتے ہیں۔اس راستے کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔

اخبار مکہ۔صفحہ۔3

تاریخ عرب

تاریخ قدیم وجدید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا ہر تاریخ دان اس بات پر متفق ہے کہ جزیرۃ العرب میں جس قدر اقوام آباد ہیں یا تھیں ان میں سے اکثریت کا تعلق امم سامیہ سے ہے۔دوسرا یہی وہ خطہ ہے جہاں سے نسل انسانی کی آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا۔اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ نسل انسانی نقل مکانی کرتے ہوئے کرہ ارض پر پھیل گئی۔میرے خیال میں جب تک اس ابتدائی نسل یعنی امم سامیہ کی تفصیلی تاریخ بیان نہ کی جائے تاریخ عرب کا سمجھ لینا مشکل ہوگا۔یہ الجھن بدستور موجود رہے گی کہ امم سامیہ کس چیز کا نام ہے یہ لوگ و نسل کون تھے ان کی ابتداء کیا تھی اور یہ قوم کس طرح زندگیاں بسر کرتی رہی نیز امم سامیہ جزیرۃ العرب میں ہی کیوں آباد ہوئی وغیرہ۔میں یہاں اس قوم کی مختصر تاریخ پیش کرنے کی سعی کر رہا ہوں کہ تاریخ کا طالب علم خصوصی طور پر اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کتاب کا قاری عمومی اعتبار سے امم سامیہ کی حقیقت اور تاریخ سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کر سکے۔اس تفصیل کا دوسرا عظیم فائدہ یہ ہوگا کہ نبی نوع انسان کی تاریخ کا مطالعہ ایک کھلی کتاب کی شکل میں موجود ہوگا جسے پڑھ کر آئندہ آنے والی نسلیں گزشتہ واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے خود کو سابقہ اقوام کی طرح شرک، کفر، ضلالت، گمراہی اور اللہ کریم کے احکامات کی نافرمانی جیسے ناقابل معافی افعال سے محفوظ رکھیں گی۔حقیقت پر مبنی یہ چند تاریخی صفحات ہم پر ظاہر کر دیں گے۔کہ دنیا کو محض ایک تماشا گاہ اور عیش و عشرت کی جگہ خیال کرنے والی نسلیں و اقوام جو اللہ کریم کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے منہ موڑ کر باطل نظریات پر زندگیاں بسر کرتی رہیں یا کر رہی ہیں کیسے کیسے عبرتناک انجام سے دوچار ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔

یہ بات عین حق ہے کہ آخرت پر نظر رکھنے والا اور آخرت کا منکر کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ان دونوں کے درمیان بڑا ہی عیاں اور واضح فرق ہوتا ہے۔پہلا شخص گزشتہ اقوام کے عبرتناک انجام کو دیکھ کر اخلاقی و عملی سبق حاصل

Marfat.com

کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور یوں وہ زندگی سے ماوراء حقیقتوں کو پالیتا ہے جبکہ دوسرا منکر شخص محض تماشا دیکھتا رہتا ہے اور ان عبرتناک واقعات سے کسی قسم کا اخلاقی یا عملی سبق حاصل نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کو ہنسی مذاق میں ٹال دیتا ہے یوں وہ اپنے بدانجام کو پاتا ہے۔

تاریخ عالم کا اول سے آخر تک مطالعہ کر لیجئے آپ ہر جگہ اسی حقیقت کو پائیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے اللہ کریم نے جن پاک و برگزیدہ ہستیوں کو پیدا فرمایا وہ سب انہی بستیوں کے رہنے والے تھے۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے اپنی قوم کو دعوت حق دی جن لوگوں نے اس دعوت کو صدق دل سے عملی طور پر قبول کر لیا ان کا انجام اس دنیا میں تو بہتر ہوا ہی اس کے علاوہ آخرت میں تو بہت ہی اچھا انجام ہوگا۔

دوسری طرف جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق کو قبول نہ کیا اور بدستور گمراہی۔ کفر وشرک اور ضلالت پر قائم رہے ان کا انجام اسی دنیا میں اس قدر عبرتناک ہوا کہ پڑھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں آخرت میں ان کا انجام کس قدر عبرتناک ہوگا انسانی عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم سبا، قوم لوط اور اسی طرح کی دوسری اقوام کا عبرتناک انجام ہمارے سامنے کھلی کتاب کی مانند موجود ہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ گزشتہ جتنی اقوام تباہ و برباد ہوئیں۔ صرف اور صرف اسی وجہ سے کہ ان لوگوں نے احکامات خداوندی کو ماننے سے انکار کیا انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں۔ اللہ کریم نے ان لوگوں کو اپنی کثیر نعمتوں سے اس حد تک نوازا کہ وہ خوشحالی و ترقی کے میدان میں اوج ثریا تک پہنچ گئیں۔ اس خوشحالی کا شکرادا کرنے کی بجائے ان لوگوں نے خود کو گمراہی وضلالت کے گہرے کھڈوں (گڑھوں) میں گرالیا اور پھر عذاب خداوندی نے ان کا ایسا احاطہ کیا کہ ان اقوام کا دنیا سے نام ونشان تک ہی مٹا دیا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں کفر و گمراہی پر گامزن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک مخصوص ذہنیت کے مطابق ہی سلوک کیا سب کی ذہنیت ایک جیسی ہی تھی۔ ان سب کے اعتراضات ایک جیسے اور ایمان نہ لانے کے بہانے بھی یکساں تھے۔ آخر کار سب لوگ ایک جیسے انجام سے ہی دوچار ہوئے۔ دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کا طرز تبلیغ اور طریقہ دعوت حق و تعلیمات اور حسنِ اخلاق بھی یکساں تھا۔ جس نے ان کی تبلیغ حق کو مان لیا وہ دین ودنیا میں کامیاب ہو گیا جبکہ منکر دین و دنیا دونوں میں ذلیل و رسوا ہوا اور ہوتا رہے گا اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مسلمان قوم کو اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کو راہ حق پر گامزن رہتے ہوئے دین حنیف پر قائم رکھے اور ہمارے حکمرانوں کو اس پاک سرزمین پر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام رائج کرنے کی عملی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

تاریخ عرب کی اہمیت وضرورت

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ اصل میں خداوند قدوس کے پیغام کا عملی نمونہ ہے۔

اللہ کریم کے اس پیغام حق کو فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خلق خدا کے سامنے عملی طور پر پیش فرمایا۔اس طرح برسوں سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر حق وصداقت کی روشن راہ پر گامزن کیا۔ بنی نوع انسان کی کشتی کو ظلم، گناہ، قتل وغارت، لوٹ مار اور ایسی ہی لاتعداد برائیوں سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈالا۔ انسان کو انسان کی غلامی و بندگی سے نکال کر معبود برحق کی بندگی واطاعت پر گامزن فرمایا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کو بیان کرنے کا اس وقت تک حقیقی معنوں میں حق ادا نہیں ہوسکتا جب تک پیغام ربانی کے نزول سے پہلے اس علاقے کے خاص طور پر اور ساری دنیا کے عمومی حالات کا نقشہ پیش نہ کیا جائے۔ پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات مقدسہ نے اِس خطے میں ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی جو تقدیریں بدل ڈالیں ان کا گزشتہ واقعات وحالات سے تقابل کرنا بھی اشد ضروری ہے اس لئے ان حالات وواقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن حالات واقعات میں فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت مقدسہ ہوئی اللہ کریم اپنے رسول علیہ السلام کے صدقے میری اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اس ناچیز کا نام اپنے حبیب پاک صاحب لولاک علیہ السلام کے غلاموں کی فہرست میں شامل فرما کر میرے سب گناہ معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

قبل از اسلام قدیم حکمران اور پرانے زمانے کی سلطنتیں

5500ق م — میسوپوٹامیہ (Mesopotamia) کے زرخیز خطہ سے عرب کے مشرقی ساحلی علاقوں اور بحرین ویمن تک تجارتی روابط موجود تھے ابقائق کے آثار قدیمہ سے بھی اس کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ میسوپوٹامیہ موجودہ عراق ہی کا حصہ تھا۔

4000ق م — تقریباً 4000 میں بابل (Babylon) کی بنیاد رکھی۔

3000ق م — دریائے دجلہ اور فرات کے اتصال اور خلیج عرب کے سرے پر اعلیٰ درجہ کا شہر اُر (UR) واقع تھا سمیری قوم نے میسوپوٹامیہ کے جنوبی علاقہ سمیر میں قدیم تہذیب کی بنیاد رکھی۔

3000ق م — تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس (31) خاندان مصر پر حکمران رہے سب سے آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا جو 332 قبل مسیح میں سکندر کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندان عمالقہ کے خاندان سے تھا جو دراصل عرب خاندانوں کی ہی ایک شاخ تھی۔

2600ق م 2350ق م سارگون اوّل، بابل میں واقع عکاد کی سامی شہنشاہیت کا بانی تھا اور عکاد کا شہر تعمیر کرایا۔

Sargon-I,

Founder of the Semitic Kingdom of Akkad in Babylonia. Build Akkad, Semitic, concerning the Simites, belonging to the group of languages including Eastern Semetic (Akkadian), North Western Semitic (Phoenician, Punic, Aramis, Hebrew, Modern Hebrew etc. and South Western Semitic (Arabic, Aramic). Babylonia, an ancient Kingdom on the Tigris and Euphrates, in South Mesopotamia (now Iraq), with its capital at Babylon, now ruins, on the Euphrates 55 miles south of Baghdad, probably founded 4000 B.C.

2360ق م کہا جاتا ہے کہ معلوم تاریخ کی پہلی سلطنت عکاد (Akkad) قائم ہوئی جو کہ بعد میں بابل کی سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی۔

2300ق م ابلا (تل مردخ) کا عروج وغلبہ

Ascendancy of Ebla (Tel Mardikh)

2233-2270ق م Reign of Naram Sin of Sumer سمیر کے بادشاہ نارسن کا دورحکومت (Sumer an ancient region in south Mesopotamia, Masters of Metal working and pottery, developed a cuneiform system of writing).

2200ق م Decline of old Pharaonic kingdom قدیم فرعونی سلطنت کا زوال

2000ق م مشرقی عرب میں دلمون تہذیب کا عروج

Zenith of civilization of Dilmun Modern Bahrain in eastern Arabia.

1991-1792ق م فرعونی وسطی سلطنت کے شاہی خاندان کی بارہویں پشت

(12th Dynasty of middle Kingdom of Pharaohs)

1728-1686ق م حمورابی کا دورحکومت (بابل کا بانی)

(Hammurabi reigns Founder of Babylon)

1700ق م حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُر سے فلسطین کو نقل مکانی کی پیشوائی کی

(Abraham leads migration to Palestine from Ur.)

1600ق م یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں داخل ہوئے تو یہ فراعنہ کے سولھویں خاندان کا زمانہ تھا اور فرعون کا نام ''ابابی الاول'' تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یوسف علیہ السلام سے تقریباً چارسوسال بعد کا ہے۔

1570-1545ق م اہموس نے دریائے نیل کے کنارے واقع تھیبس میں اٹھارہویں سلسلہ شاہی کی بنیاد رکھی جس کے آثار قدیمہ کے قریب آج کل لکسر اور کرناک (Luxor and Karnak) کے قصبہ جات واقع ہیں۔

(18th Egyptian dynasty founded in Thebes, in upper Egypt on the River Nile, by Ahmose or Amasis-I King of Egypt. He freed the Egypt from Hykksos. Hykksos were Asian invaders who ruled Egypt between the 13th and 17th dynasties (1785-1570 B.C.) Thebes , ancient of upper Egypt on the Nile, the site of two modern village Luxor and Karnak)

1545-1525ق م مصر کے بادشاہ اپنہوتپ نے اپنا دارالحکومت اختاتن (تل الامرنا) منتقل کرلیا۔

1530ق م ہتائی سلسلہ شاہی نے بابل پر یلغار کر کے عمورائی سلسلہ شاہی کا خاتمہ کر دیا۔

Amorite a race of Semitic, who dominated most of the Middle East, i.e. 2200 - 1700 B.C., until defeated by the Hittites. Hittites, ancient people who flourished in Asia Minor and Syria i.e. 2000 - 1200 B.C. The Hittites build up an empire centered on Bogazkoy, situated in central Turkey , who dominated the Middle East in 14th B.C., but which fell to the Assyrians in the late 12th centurey B.C.

1502-1448ق م تھتموس سوم (فرعون مصر) کی زیر سرکردگی مصریوں نے شمالی نوبیا یعنی خرطوم سے اسوان تک اور بحر روم کے ساحل کے آس پاس کے علاقے فتح کئے۔

Egyptian conquest of North Nubia and neighbouring Mediterranean coast under Thutmose-III, Egyptian pharaoh i.e. 1490-1436 B.C. of the 18th dynasty, son of Thutmose-I. He ruled jointly until 1469 B.C. with his wife and half sister Hatshepsut. He firmly established rule in Syria and built up an empire stretching to Euphrates. Nubia a region and ancient country of North Africa extending along both sides of river Nile from Khartoum to Aswan. Modern Nubia includes the Nubia desert the part of the Sahara elevation, 1200-9000 ft in the N.E. Sudan between the Nile and the Red Sea.

1397-1360ق م ایمنہوتپ سوم مصر کے اٹھارہویں سلسلہ شاہی (فرعونی) کا حکمران اس نے آثار قدیمہ کے مقام تھیبس ممنن میں واقع دیوہیکل مجسمہ تعمیر کرایا اور لکسر کے بیشتر معبد تعمیر کرائے۔

(Memnon, a huge statue of Amenhotep at Thebes, Egypt, said to have emitted musical sounds at day break. Amenhotep-III of the 18th Egyptian Pharaohs. He built the colossus of Memnon and most of the temple of Luxor.

1370-1353ق م ایمنھوتپ چہارم۔ مصر کے اٹھارہویں سلسلہ شاہی کا فرعون۔ اس نے سولہویں صدی قبل مسیح کا امون کا مصری عقیدہ چھوڑ کر اتاتون کا عمومی وحدت پرستانہ عقیدہ اختیار کر کے اپنے لئے اخناتون کا لقب اختیار کرلیا اور تل الامرنا دارالحکومت بنا کر اس کی تعمیر نو کی۔

(Amenhotep-IV, Egyptian pharaoh of the 18th dynasty. He abandoned the cult of Ammon for the monotheistic, universal religion of Aton, took the name of Ikhnaton and founded the capital at Tell-el-Amarna . Tell-el-Amarna an ancient city of upper Egypt in the Nile valley with impressive remains of the palaces of Amenhotep-IV. Many tablets have been recovered from its archives).

1361-1352ق م توتنخامون کا دور حکمرانی

Tutankhamun, Egyptian King of the 18th dynasty . His tomb discovered in 1922 A.D. almost intact near Thebes, yielded furniture and other funerary objects of great splendour, throwing new light on the art and life of ancient Egypt.

1300-1200ق م جنوبی عرب (یمن وحضرموت وغیرہ میں ملکہ سباء کی زیر حکمرانی قوم سبا کو عروج حاصل ہوا۔ سباء عرب کا ایک قبیلہ ہے جو اپنے جداعلیٰ کے نام سے مشہور ہے اور وہ جداعلیٰ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے)۔

(Rise of Sabaeans under the queen of Sheba (Sabia) in South Arabia. Saba, an ancient country of South Arabia, including modern Yemen and Hadhramaut. The Sabaeans developed a flourishing Kingdom (930-115 B.C.) and acquired great wealth from a monoply of spice trade through south Arabia. Many inscriptions from the 7th B.C. in an alphabet resembling the Phoenician have been found. The Phoenicians , a Semitic people , settled in Phoenicia (3000 B.C.). Centred on Byblos (modern Jubail inLebanon), important for the cult of Adonis, Isis and Osiris. The tomb of Ahiram (13th century B.C. contemporary of Ramses-II), has been excavated. Tyre modern Sur, (Lebanon - ancient seaport) and Sidon (an ancient seaport, modern Saida - Lebanon), they were at the height of their power in 1200-800 B.C. trading through out the Mediterranean. They founded trading stations and colonies notably at Carthage (814 B.C.). Phoenician seamen sailed into the Atlantic and have thought to have reached Britain and to have explored the west coast of Africa. The Phoenicians were the first to devise an alphabet. Phoenicia was conquered by Persia in 6th B.C. and Phoenicians made an important contribution to Persian sea power and craftsmanship.

1290-1223ق م ریمسس دوم(Ramses-II) قصص القرآن (جلد اوّل صفحہ362-3) میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ "جس فرعون نے بنی اسرائیل کو مصائب میں مبتلا کیا وہ یہی "ریمسس دوم(Ramses-II) ہو سکتا ہے یہ مصر کے حکمرانوں کا انیسواں خاندان تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے زمانے میں پیدا ہوئے اور اسی کی آغوش میں پرورش پائی ریمسس دوم اس زمانہ میں بہت معمر ہو چکا تھا اس لیے اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بڑے بیٹے منفتاح کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ ریمسس کی ڈیڑھ سو اولاد میں سے یہ تیرھواں لڑکا تھا۔ لیکن منفتاح ہی وہ

فرعون ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور اسی کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور یہی غرق دریا ہوا۔ چونکہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں پرورش پاتے دیکھا تھا اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پیغام سنایا تو قرآن عزیز کے مطابق اس نے طعنہ دیا۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''بولا کیا ہم نے تمہیں یہاں بچپن میں نہ پالا اور تم نے ہمارے یہاں اپنی عمر کے کئی برس گزارے'' (سورۃ الشعراء آیت 18)

مفسرین نے کہا تورات میں ہے کہ خروج سے تیس برس پہلے مصر کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا اس سے مراد ریمسس دوم ہے جو منفتاح کا باپ تھا۔ علامہ فلانڈرس نے ایک حجری کتبہ دریافت کیا ہے جس پر سیاہ حروف کندہ ہیں اور وہ 599 مصری میں لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ایک بڑی چٹان ہے جس کی بلندی 3 میٹر اور 14 سینٹی میٹر ہے یہ کتبہ دو وجہ سے معرض تحریر میں آیا تھا ایک یہ کہ ان تفصیلات کو بیان کیا جائے جو اٹھارہویں خاندان کے بادشاہ ''امنحتب'' نے ''معبد امون'' کی خدمات کے متعلق انجام دی تھیں اور دوسرے یہ کہ انیسویں خاندان کے بادشاہ ''منفتاح'' بن ریمسس دوم کی تعریف میں کچھ لکھا جائے۔ منفتاح نے یوعین پر جو فتح حاصل کی تھی اس کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور عسقلان۔ جیرز، بانوعیم جو فلسطین کے علاقہ کے مشہور شہر تھے ان کے سقوط کی جانب اشارات کیے گئے ہیں اس کے ضمن میں بنی اسرائیل کے متعلق بھی مختصر عبارت میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اور یہ سب سے پہلا اثری نقش اور حجریات مصری کا پہلا کتبہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

''لَقَدْ اِسْحَقَ بَنُو اِسْرَائِيلَ وَلَهَا لَهُمْ بَزْرٌ''

بنی اسرائیل تمام ہلاک ہو گئے اور اب ان کی نسل کا خاتمہ ہو گیا مصری کاہنوں کو اس واقعہ ہائلہ کی ہرگز توقع نہ تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ غرق فرعون کی شکل میں ظاہر ہوا اور منفتاح کی موت کے لئے اس عجلت کے متوقع نہ تھے اس زمانہ کی عمر طبعی کے لحاظ سے ابھی کافی زمانہ تھا کہ منفتاح کے کاہن مصری دستور کے

مطابق اس انیسویں (19) خاندان کے بادشاہ کے حالات کو مرتب کر کے لوح پر محفوظ کر دیں تا کہ وہ بادشاہ کے مقبرہ پر کندہ ہو سکے اب جبکہ یہ واقعہ ہائلہ پیش آ گیا تو اصل حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی تا کہ آئندہ قبطی نسلیں اس ذلت ورسوائی کو معلوم نہ کر سکیں جو ان کے دینی عقائد پر خدا کی طرف سے سخت عذاب کا باعث بن چکی تھیں۔ مصری دستور کے مطابق ہر ایک بادشاہ کا مقبرہ جدا ہوتا تھا اور اس کے تمام حالات اور خصوصی نمایاں امتیازات کی تاریخ اور اس کے زمانہ کی بعض شاہی اشیاء اور جواہرات اس کی قبر کے ساتھ ہی محفوظ کر کے رکھے جاتے تھے لیکن منفتاح کی اس شان کے باوجود جس کا مذکورہ بالا کتبہ میں اشارہ کیا گیا نہ اس کا علیحدہ مقبرہ بنایا گیا اور نہ وہ تمام رسوم انجام پا سکیں جو ہمیشہ بادشاہوں کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھیں بلکہ اسکو عجلت کے ساتھ ''امنحتب'' کے مقبرہ ہی میں دفن کر دیا گیا اور اٹھارہویں خاندان کے بادشاہ اور انیسویں خاندان کے بادشاہ کی نعشیں ایک ہی جگہ جمع کر دی گئیں (قصص الانبیاء صفحہ 241-239) مصری عجائب خانہ میں نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن کریم کے اس کلام بلاغت نظام کی تصدیق کر رہی ہے۔ (سورۃ یونس آیت 92)

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۹۲

ترجمہ: "پس آج کے دن ہم (تیری روح کو نہیں صرف) تیرے جسم (لاش) کو دریا سے نجات دیں گے تا کہ وہ تیرے بعد آنے والوں کے لئے (خدا کا) نشان (عبرت) رہے اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں"۔ محمد احمد عدوی کتاب ''دعوۃ الرسل الی اللہ'' کی (صفحہ 18) میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حیوان کا کھایا ہوا ہے۔ غالبًا ''دریائی مچھلی'' نے خراب کیا ہے اور پھر اس کی نعش خدائی فیصلہ کے مطابق کنارہ پر پھینک دی گئی۔

یورپین مؤرخین نے رامسس دوم کے متعلق یوں تحریر کیا ہے۔

Ramses-II(d.1223 B.C.),King of Egypt from 1290 to 1223 B.C., of the 19th dynasty. He extended Egyptian Rule over Ethiopia and a part of Arabia and was at war with the Hittites for 15 years. He had many monuments built, especially at Thebes.

Encyclopaedia Britannica (Vol 3, 6 & 15) have mentioned the Early Dynastic period (3100-2686 B.C.). The history of Egypt traditionally begins with the union of Upper and Lower Egypt by the Menes about 3100 B.C. The first Dynastry; Menes conducted operations in the Eastern desert; Aha, his successor, waged a campaign against the Nubians, the third King, Djer, sent expeditions to Sinai; Den, the fifth and the last King of 1st Dynasty. The 2nd dynasty; The first King of 2nd Dynasty, Hetepsekhemui, gained power in about 2890 B.C. The 4th King Peribisen and last King Khasekhemui.

The old Kingdom (2686 - 2160 B.C.) The 3rd Dynasty; Sanakht, Djoser, Sekhemkhet, Khaba and Huni. The 4th Dynasty; Snefru became King in about 2613 B.C. and was the first builder of Pyramid Age, he was succeeded by Khufu, followed by Redjedef, Khafre and Mankaure.

The 6th Dynasty 2345 to 2160 B.C.

The first intermediate Period (2160-2040 B.C.) i.e. 7th to 11th Dynasty.

The Middle Kingdom (2040 - 1786 B.C.) 12th Dynasty.

The second intermediate Period (1786 - 1567 B.C.) 13th to 17th Dynasty.

The 18th Dynasty.

King Ahmose 1570-1546 B.C.

Amenhotep-I 1546-1526 B.C.

Thutmose-I 1525-1512 B.C.

Thutmose-II 1512-1504 B.C.

Thutmose-III joint with Hatsheput 1504-1450 B.C.

Amenhotep-II 1450-1425 B.C.

Thutmose-IV 1425-1417 B.C.

Amenhotep-III 1417-1379 B.C.

Amenhotep-IV 1379-1362 B.C.

The 5th Dynasty 2494 to 2344 B.C.
Amenhotep-IV altered his name to Akhenaton in his fifth year of rule.

1361-1352 B.C. Tutankhamen
1352-1348 B.C. Ay
1348-1320 B.C. Horemheb

The 19th and 20th dynasties: Having no son, the aged Horemheb selected his general and vizier, Ramses, to succeed him.

1320 - 1318 B.C. Ramses-I
1318 - 1304 B.C. Seti-I
1304 - 1237 B.C. Ramses-II or 1290 - 1223 B.C.
(1364-1361 B.C. Smenkhkre)

Marneptah:
Ramses-II's 13th son Merneptah (ruled 1236 to 1223 B.C.) was his successor, Several of Merneptah's inscriptions, of unusual literary style, treat an invasion of the western delta in his fifth year by Libyans, supported by a number of group of Sea People who had travelled from Anatolia (the part of Turkey in Asia) by sea to Libya in search of new homes. The Egyptians defeated this confedertion and settled captives in military camps to serve as Egyptian mercenaries. One of the inscriptions concludes with a poem of victory, famous for its words **"Israel is desolated and has no seed".**

This is the earliest documented mention of Israel; and on the basis of it, many have assumed that Ramses-II was the pharaoh of the oppression and Merneptah the King at time of the departure (migration) of the people of Israel led by Moses (Exodus) in the 13th cnetury B.C. Certain cities in Syria, such as Tyre (an ancient seaport) and Simyra, were still in Egyptian hands , but nomadic movements in southern Palestine were a source of concern for Egypt. Early in his reign Merneptah asserted Egyptian suzerainty in Palestine and destroyed Gezer.

Upon the death (Drowning) of Merneptah, competing factions contended for the succession - possibly an unfortunate consequence or Ramses-II's immense family. Following a five year reign of a usurper, Amenmesse (ruled 1222 - 1217 B.C.), Merneptah's son Seti-II (ruled 1216 - 1210 B.C.) acquired the throne.

1209 - 1203 B.C. Siptah:

Tausert wife of Siptah 1202 - 1200 B.C.

1200 - 1198 B.C. (founder of the 20th dynasty), Setnakht

1198 - 1166 B.C. Ramses-III

1166 - 1160 B.C. Ramses-IV

1160 - 1156 B.C. Ramses-V

1156 - 1148 B.C. Ramses-VI

1148 - 1140 B.C. (Ramses two obscure rulers)

1140 - 1121 B.C. Ramses-IX

1121 - 1113 B.C. Ramses-X

1113 - 1085 B.C. Ramses-XI

1086 - 946 B.C. The 21st dynasty:

945 - 817 B.C. The 22nd dynasty:

817 - 730 B.C. The 23rd dynasty:

The 24th & 25th dynasty 720-714 & 716-656 B.C.

664 - 525 B.C. The 26th dynasty:

As founder of the Persian 27th dynasty (525-404 B.C.), Cambyses assumed the full titulary of an Egyptian pharaoh and paid honour to the goddess Neith of Sais.

Cambyses successor was Darius-I. (521-480 B.C.)

Xerxes 480-465 B.C.

Artaxerxes-I 465-424 B.C.

Darius-II i.e. Cyrus 424-401 B.C.

Artaxerxes-II 404-358 B.C.

Artaxerxes-III 358-338 B.C.

Dariius-III 336-330 B.C.

The 28th, 29th and 30th dynasties: 404-399 B.C., 399-380 B.C. and 380-343 B.C.

The 31st dynasty. Artaxerxes founded the 31st dynasty; he dealt harshly with Egypt, razing city walls, rifling temple treasures and removing sacred books. Persia acquired rich booty in its determination to prevent Egypt from further rebelling.

After the murder of Artaxerxes, in 338 B.C. , there was a brief obscure period during whcih a Nubian prince Khababasha, seems to have gained control over Egypt but Persian domination was re-established in 335 B.C. under Daruis-III. In 333 B.C. Alexander of Macedonia defeated the Persian at Issus, and , although Gaza resisted his advance, Egypt was handed over to him in 332 B.C. by the Persian Satrap.

1280-BC معاہدہ صلح نامہ طے پایا جس کی رو سے شمالی شام کا علاقہ ہتائت (Hittite) کی زیر حکمرانی قرار پایا اور جنوبی شام (فلسطین) پر مصری حکمرانی تسلیم کی گئی۔

1234-1215-BC اسرائیلیوں (بنی اسرائیل) کا مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرپرستی میں اخراج (Exodus) اور فرعون مصر کا دریا میں غرق ہونا۔

-1200 BC دمشق پر آرامیوں کا تسلط

Aramaeans i.e. inhabitants of ancient syria and mesopotamia

1100-888-BC سدونی (Sidonian) سلطنت کا آغاز و عروج۔

1020-BC پہلے اسرائیلی (Hebrew) بادشاہ سول (Saul) کی تخت نشینی

First King of the Hebrews (1040-1012 B.C.) a Benjamite, he was anointed King by Samuel and successfully united the Hebrews against the Philistines. He committed suicide after a military defeat and was succeeded by his son-in-law David (1012-972 B.C.).

945-BC لیبیا کے ششک (Shushak) نے فرعونوں کے اقتدار کا خاتمہ کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

936-923-B.C. حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد نبوت اور بادشاہت حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام۔

932-972 ق م — (.986-932-B.C) کو مغربی مورخین نے دورِ سلیمانی (حضرت سلیمان علیہ السلام بن حضرت داؤد علیہ السلام بن عبشا بن عوبد بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عونیاذب بن ارم بن مصرون بن فارض بن یہودا ابن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام) تحریر کیا ہے۔

900-842 B.C — دمشق کا آغاز عروج

884-859 B.C. — آشور نصرپل (Ashur -Nasir -Pal) کا عروج اور شامیوں کی ابتدائی فتح

875-B.C. — دمشق نے اسرائیل کو غلام بنا لیا۔

814 B.C. — تیونس میں واقع کارتھیج کو فونیشائی قوم نے تعمیر کرایا۔

Carthage founded by Phoenicians. The Phoenicians, a Semitic people settled in Phonenicia (3000 B.C.). Centred on Byblos, Tyre and Sidon. They were at the height of their power 1200 to 800 B.C. trading throughout Mediterranean.

806-732 B.C. — دمشق سے آرامیوں کا زوال۔

733 B.C. — شام کی بادشاہت پر تگلتھ پلسر (Tiglath-pileser) نے بالجبر قبضہ کر لیا اور 746 تا 728 ق م حکومت کی۔ اس نے 733 میں اسرائیلیوں کو شکست دی اور 732 ق م میں دمشق پر سے آرامیوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

727-722-B.C. — شام کے حکمران شلم نصر (Shalmanser) نے طائر (قدیمی بندرگاہ۔ موجودہ سور .Sur لبنان) کو فتح کر لیا۔

722-705 B.C. — سرگوند (Sargonid) شاہی سلسلہ حکمرانی شام پر قبضہ۔ شمالی عرب کے قبائل کے خلاف یلغار یعنی مہم جوئی (دیکھیں 226 ق م۔)

705-B.C. — شام کے آخری سلسلہ حکمرانی کے بانی سرگون دوم نے اسرائیلی بادشاہت (705-721 ق م) کا خاتمہ کر دیا۔

سمیریا (Sumaria) کو (721-717 ق م) میں فتح کر لیا۔

اور آرمینیا (Armenia) کو تباہ و برباد کر دیا۔

Marfat.com

705-681-B.C.	سرگون کے بیٹے شام کے بادشاہ سناچریب (Sennacherib) (705-681ق م) نے جودہ (Judah) پر 701ق م میں یلغار کی اور بابل کو 689 ق م میں تباہ و برباد کیا اس نے نینوا (قدیم عراق) کو دوبارہ تعمیر کرایا۔
671-B.C.	شامیوں نے ایتھوپیا (ایبے سینیا۔حبشہ) کے سلسلہ شاہی کے حکمران ترہاک (Tirhak) کو مصر میں شکست دی۔
668-663-B.C.	اسراحدون (Esarhaddon) کا بیٹا اور شام کا آخری حکمران اشر بنی پل (Ashurbanipal) جس نے نینوا میں محل اور لائبریری تعمیر کرائی۔
612-B.C.	میڈ (Medes) بابل (Babylonians) اور فارس (Persia) کی متحدہ افواج سے اسیرین (Assyria= an ancient-kingdom in N.Mesopotamia mainly between the Tigris and Euphrate Rivers) کو شکست فاش دی اور نینوا کو تباہ و ویران کر دیا۔
600-593 B.C.	فونیشائی (Phoenicians) بحری ماہرین فرعون نیچو (Pharaoh necho) کی سرکردگی میں افریقہ کے گرد بحری جہاز میں چکر لگایا۔
605-562 B.C.	بابل کے بادشاہ نبو چندرردوم یعنی بخت نصر (Nebuchadnezzar-II) کا دورِ حکومت اس نے بابل کی از سر نو تعمیر کی اور بابل کے "لٹکتے ہوئے یعنی معلق باغ" (Hanging Gardens) تعمیر کرائے وہ 586ق م میں یروشلم کو تباہ و برباد کر کے بہت سے یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔ اس نے 572ق م میں طائر (Tyre) کو فتح کیا۔ 562ق م میں بخت نصر نے عرب پر قبضہ کرلیا۔
550-540 B.C.	بابل کے حکمران نبن دس (Nabonidus) نے بابل کی شاہی سلطنت کا دارالحکومت (پایہ تخت) بابل کی بجائے عرب میں واقع تیمہ (Tayma) منتقل کر لیا۔
550-529-B.C.	ایلام میں انشان کے سائرس (Cyrus of Anshan in Elam) (600-529 B.C.) شہنشاہ سائرس نے فارس کے اچمینی (Achaemenid) سلسلہ شاہی کی بنیاد رکھی۔ اس نے لیڈیا کے بادشاہ کروسس کو 546ق م میں شکست دی اور پایہ تخت سردس پر قبضہ کر لیا لیڈیا ممکنہ طور پر دنیا کی پہلی حکومت تھی۔ جس نے دھات کے سکے سب سے پہلے جاری کئے۔ نیز سائرس نے 539ق م میں بابل اور شام فتح کئے۔

Croesis, the last King of Lydia 560-546 B.C. Lydia an ancient Kingdom of Asia Minor and had a capital at Sardis. It was probably the First State to issue coins in 625 B.C. and to melt and work gold ore. Nabonidus abandoned Babylon in 550 B.C. and moved his royal residence to Tayma, in north west Arabia, where he stayed for Ten years.

539 B.C. بابل کے آخری بادشاہ کے بیٹے بلشذر (Belshazzar) کو 539 ق م میں شاہ فارس سائرس نے شکست دے کر بابل پر قبضہ کرلیا۔

539-332 B.C. فونیشیا (Phoenicia) پر شاہان فارس کی حکمرانی۔ فونیشیا کی قدیم سلطنت موجودہ لبنان کے ساحلی خطوں اور شام کے کچھ علاقائی حصوں پر مشتمل تھی۔

529-521 B.C سائرس کے بیٹے شاہ فارس کمبائسس (Cambyses son of Persian king Cyrus) نے 525 ق م میں مصر فتح کرلیا لیکن دیگر افریقی مہم جوئی میں ناکام رہا۔

521-485 B.C. شاہ فارس دارا اول (Darius-I,550-485 B.C.) ق م نے شہر پرسپولیس (Persepolis) آباد کیا۔ اس قدیم دارالحکومت کے کھنڈرات موجودہ شیراز (ایران) سے چالیس میل مشرق کی جانب واقع ہیں دارا اول نے حدود سلطنت کو مصر اور ہندوستان تک وسعت دی۔ 490 ق م میں یونان (Greece) پر حملہ کیا مگر ملٹیاڈس کے ہاتھوں شکست کھائی۔ 331 ق م میں سکندر نے پرسپولس کو تاخت وتاراج کیا۔

480 B.C. یونان میں سپارٹا (Sparta) کے حکمران ہوتھوں نے تھرموپائل (Thermopylae) کے مقام پر جو کہ لامیا (Lamia) کے جنوب مشرق میں نو (9) میل کے فاصلے پر ہے فارس کی شاہی افواج نے سپارٹا کی فوج کو شکست دی۔ سپارٹا کے قدیم شہر میں نویں چھٹی اور دوسری قبل مسیح کے معبد موجود ہیں۔

480 B.C. دارا اول کے بیٹے زائرس (Xerxes-I=519-465 B.C.) نے شاہ فارس کے طور پر 485 سے 465 ق م تک حکومت کی۔ اس نے 480 ق م میں یونان پر حملہ کیا تھرموپائل (اوتا سلسلہ کوہ۔ یونان) کے مقام پر سپارٹا والوں کو شکست دی لیکن یونان کے جزیرہ سلامس (Salamis) کے مقام پر بحری بیڑہ کی (480 ق م) تباہی کے بعد پسپائی اختیار کرلی۔

465-424 B.C.	زائر کے بیٹے شاہ فارس آرٹاز ائرس (Artaxerxes-I) نے 455ق م میں مصر دوبارہ فتح کر لیا446ق م میں اس نے یونانیوں سے صلح کر لی۔
424-404 B.C.	ارٹازائرس کے بیٹے دارادوم شاہ فارس کا دورِ حکومت (Daruis-II)
404-358 B.C.	دارا دوم (Durius-II) کے بیٹے آرٹازائرس(Artaxeres-II) نے سائرس خُرد (Cyrus the younger)اور صوبائی ناظمین کی یعنی گورنروں کی بغاوتوں کو پامال کیا۔
380-330 B.C.	ارٹازائرس سوم کے چچیرا بھائی دارا سوم شاہ فارس کا دورِ حکومت 336-330ق م۔
358-338 B.C.	شاہ فارس آرٹازائرس سوم (Artaxerxes-III) کو338ق م میں قتل کر دیا گیا اور اس کے بیٹے کو336ق م معزول کر دینے کے بعد دارا سوم(Darius-III) نے تختِ شاہی سنبھال لیا۔
330 B.C.	سکندر نے پرسپولس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور سلطنت فارس پر قبضہ کر لیا۔(334-323 ق م)
323 B.C.	سکندر نے بابل فتح کیا اور وہیں فوت ہو گیا۔
312-280 B.C.	سلیوکس اول(Seleucus-I) نے شام پہ حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ سلیوکس مذکور سکندر کے فوجی جرنیلوں میں سے ایک جرنیل (سپہ سالار) تھا۔ جب 312ق م میں یونانی سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو اس نے بابل کی حکمرانی حاصل کر لی۔ بعد ازاں اس نے سلطنت کو ایشیا مائنر(Asia Minor) یعنی ترکی کے زیادہ تر علاقوں اور شام پر بھی اپنی فرمانروائی قائم کر کے سیلیوکسی سلسلہ شاہی(Seleucid Dynasty) کی بنیاد رکھی۔ بغداد (عراق) کے قریب واقع سیلوسڈ (Seleucid) کو سیلوکس نے اپنے دارالحکومت کے طور پر 312 میں تعمیر کرایا۔ جو کہ بعد میں کچھ وقت کے لئے پارتھین (قدیم سلطنت فارس Parthian) سلسلہ شاہی کا بھی دارالحکومت رہا سیلوکس سلسلہ شاہی 312 سے 65ق م تک تھا۔ اس سیلیوکس کی حدودِ سلطنت دریائے سندھ کے مغربی علاقوں تک وسیع تھی۔ ہندوستان کے بادشاہ چندر گپت موریہ سے خونریز جنگ میں شکست کھانے کے بعد اُس سے صلح کر لی اور کابل قندھار سمیت دریائے سندھ کے مغربی علاقوں سے دستبردار ہو گیا۔ اور چندر گپت سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔

Marfat.com

312-106 ق م

نبطی عربی خاندان نے فلسطین میں واقع عکاد (Akkad) کو دارالحکومت بنایا اور 312 ق م سے 106 سن عیسوی تک حکمرانی کی۔

300 B.C.

نبطیوں نے پیٹرا (الحجر) کو اپنا مرکزی دارالحکومت بنایا۔

پیٹرا یعنی الحجر (Petra) جنوبی اردن میں واقع قدیم شہر ہے جو کہ عدومیوں (Edomites) اور نبطیوں (Nabataean) کا قدیم زمانے میں دارالسلطنت تھا۔

226 B.C.

ساسانیوں (Sassanids) نے پارتھیوں (Parthians) کو شکست دی پارتھیا (Parthia) شمال مشرقی ایران کی ایک قدیم سلطنت تھی۔

Parthia, an ancient country of North-east Iran. It was successively part of the empire of Assyria, Persia, Macedon and Syria before rebelling, under the Arsacid dynastry (250 B.C. to 226 A.D.) to form the Parthian empire, which extended (1st B.C.) from Bactria and the Caspian sea to the Euphrates and India. The empire (centred on Ctesiphon) and the dynasty was overthrown (226 A.D.) by the Sassanids. Assyria, an ancient Kingdom in North Mesopotamia lying mainly between the Tigris and Euphrate Rivers, with its capital first at Assur (now a ruined city at Sharqat in North Iraq on the Tigris) and later at Nineveh (an ancient city on the Tigris). Linked culturally with Babylonia, Assyria expanded to form an empire (1950-1750 B.C.) but then declined until 1500 B.C. The reigns of Shalmaneser-III(858-824 B.C.) and Tiglath-pileser-III(746-728 B.C.), saw renewed conquests over neighbouring peoples. Assyria attained its greatest extent, reaching Armenia, Arabia and Egypt in the reigns of Sargon-II (721-705 B.C.), Sennacherib (705-681 B.C.), Esarhaddon (680-699 B.C.) and Ashurabanipal (668-633 B.C.). At Ashurbanipal's death, the empire fell to the Medes and Babylonians (616-606 B.C.)
Above said Ctesiphon, a city on the Tigris, now ruins. It was the capital of Parthia (250 B.C. to 226 A.D.) and of Sassanid empire (226 to 641 A.D.)

218 B.C. کارتھیج (Carthage in Tunis) کے ہنی بل (Hannibal) نے دشوار گزار اونچے پہاڑوں (Alps) کو عبور کیا۔

Alps, greatest mountain range in Europe passing through France, Switzerland, Italy, Germany, Austria, Yugoslavia. Hannibal (247-182 B.C.) Carthaginian General, son of Hamilcar Barca. Commander of the Carthaginian army in Spain, he precipitatd the 2nd Punic War by attacking Saguntum, a Roman ally in Spain (219 B.C.). With a vast army and 40 elephants, he made a crossing of the Alps (218 B.C.) and defeated the Romans at Trasimene (217 B.C.) and Cannae (216 B.C.). After further campaigns in Italy he returned to Africa (203 B.C.) to defend Carthage and was defeated by Scipio Africanus at Zama (202 B.C) in North Africa.

169 B.C. شام کے حکمران اینٹوکس چہارم (Antiochus-IV) نے مصر کے حکمران پٹومی چہارم (Ptolemy-IV) کو شکست دی۔

(Ptolemy-I, King of Egypt 304-283 B.C, founder of Ptolemaic dynasty. He was General of Alexander. Ptolemy-II 308-246 B.C., King of Egypt 285 to 246 B.C., son of Ptolemy-I, Ptolemy-III King of Egypt 246 to 221 B.C., son of Ptolemy-II. Ptolemy-XI King of Egypt 80-58 B.C. and 55-51 B.C.)

133 B.C. اتالد راجدھانی (Attalid Kingdom) نے ایشیا میں ایک وسیع و عریض صوبہ کی بنیاد ڈالی۔

85 B.C. نبطیوں نے سیلوسیوں سے شام واپس حاصل کر لیا۔

115 B.C.-525 ہنارت یعنی حمیری (Hinyarite) قوم کی جنوبی عرب کی خوشحال مملکت پر فرمانروائی 115 ق م سے 525 سن عیسوی تک قائم رہی۔ AC.

83-69 B.C. آرمینیا (مغربی ایشیا کا قدیم ملک) کے تگرن (Tigranes) نے یونانی سلطنت کے کئی ایک علاقے فتح کر لئے۔

64 B.C. رومیوں نے شام فتح کیا۔

Rome (Capital of Italy) was traditionally founded by Romulus in 753 B.C. Rome extended its power to neighbouring peoples in Italy (5th - 3rd B.C.) defeated Carthage in the Punic wars (264-241 B.C., 218-201 B.C. and 149-146 B.C.) and gained territory in Spain, Sicily, Sardinia, Corsica and North Africa. Macedon was made a Roman province (146 B.C.) and the whole of Greece was subdued by 27 B.C.

Constantinople, an ancient city, now part of Istanbul (Turkey). It dominates the Golden Horn on the European side of the Bosporus. Constantine-I (280-337 A.D.), first Christian Roman emperor (306-337 A.D.), converted (312 A.D.) on the eve of a battle. He established toleration of Christianity throughout the empire (Edict of Milan, 313 A.D.) and dealt with the Donatist schism and the Arian heresy (Council of Nicea, 325 A.D.). He defeated the Eastern emperor (324 A.D.) and moved his capital to Constantinople (330 A.D) to face the Goths. Council of the second ecumenical council, convened (381 A.D.) by Theodosius-I at Constantinople. It confirmed the decisions of the Council of Nicaea (325 A.D.) and elaborated by Nicene Creed. The Christian creed based mainly on the profession of faith formulated at the council of Nicaea in 325 A.D.

51-30 B.C. قلوپطرہ (Cleopatra) کی مصر پر حکمرانی کا دور۔

Cleopatra, the name of seven queens of Egypt. The most famous was Cleopatra-VII (69-30 B.C.), queen (51-30 B.C.), mistress of Julius Caesar and later of Antony. After the battle of Actium she killed herself with an asp to avoid becoming the prisoner of Octavian, (Octavian the name of Augustus before he became emperor.

Augustus (63 B.C. -14 A.D.) first Roman Emperor (27 B.C. - 14 A.D.), great nephew and adopted son of Julius Caesar. After his victory over Antony at Actium (31 B.C.), he was the sole master of the Roman world. Octavian was granted the name "Augustus" as a title of honour. Actium, a promontory in N.W.Greece, near which the fleet of Octavian (Augustus) won a decisive victory over the forces of Antony and Cleopatra in 31 B.C. Antony (82-30 B.C) a Roman general, was Caesar's lieutenant in Gaul. After defeated at Actium (31 B.C.) he committed suicide.

48 B.C. قیصر روم جولیس (Julius Caesar) نے زیلا (Zela) کے مقام پر پامپی (Pompey) پر فتح حاصل کی۔

Pompey (106-48 B.C.), Roman soldier and statesman. He decisively defeated Mithridates-VI (66 B.C.) and annexed Syria and Palestine. He formed the first Trivimvirate (Supreme Council of three men of ancient Rome) with Crasus and Caesar (60 B.C.) but broke with Caesar (54 B.C.) was defeated by him (Caesar) at Pharralus (an ancient city of Thessaly - a region of north Greece) in 48 B.C. and assassinated on arrival in Egypt.

44-B.C. قیصر روم کو قتل کر دیا گیا۔

Caesar, Gaius Julius (101-44 B.C.), Roman statesman, general and historian. He joined Pompey and Crassus in the first Triumvirate (60 B.C.). He conquered Gaul (Cisalpine in North Italy and Transalpine Gaul, the area now comprising France, Switzerland, Belgium and the Netherlands) during 58-51 B.C., Overran Italy (49 B.C.) and defeated Pompey's army at Pharsalus, pursuing Pompey to Alexandria and later defeating the Pomperian force in Africa at Thapsus (46 B.C.). Brutus Cassius assassinated him in 44 B.C.

30 B.C. رومیوں نے مصر کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

Marfat.com

37-4-B.C. جنوبی فلسطین (Judaea) پر ہیروڈ (Herod) کی حکمرانی

(Herod Antipas 4 B.C. to 39 A.D., son of Herod. Herod Agrippa-I, King of Judaea 41-44 A.D., grandson of Herod. Herod Agrippa-II King of Judaea 50-93 A.D., son of Agrippa-I).

1-6 A.D. ایکسم (Axum) ایک قدیم راجدھانی (1-6 A.D.) جس میں ایتھوپیا (ایبے سینیا) اور سوڈان کے زیادہ تر علاقے شامل تھے۔ اس کا دارالحکومت ایکسم، ہندوستان۔عرب۔یونان اور روم کے درمیان ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔

6 B.C.-27 A.D. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش محققین ومورخین کے مطابق بیت اللحم میں ہوئی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت 55)

إِذْ قَالَ اللَّهُ
يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:۔"اس وقت کو یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا۔تجھ کو کافروں سے اور جو تیرے تابع ہیں۔ (یعنی مسلمانوں کو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے والے ہیں) غلبہ دوں گا ان لوگوں پر جو انکار کرتے ہیں۔قیامت کے دن تک"۔آل عمران آیت 55

قرآن کریم سورۃ النساء آیات 157-158 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

Marfat.com

ترجمہ:۔ ''اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسٰی بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا (یہود نے دعوٰی کیا کہ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قتل کر دیا اور نصاریٰ نے اس کی تصدیق کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تکذیب فرما دی) اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا (جس کو انہوں نے قتل کیا اور خیال کرتے رہے کہ یہ حضرت عیسٰی ہیں باوجودیکہ ان کا خیال غلط تھا) اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بے شک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا (ان کا دعوئے قتل جھوٹا ہے) بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

یہودیوں کا بزرگ شمعون نامی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مکان کے اندر سے پکڑ کر لانے کے لئے گیا۔ اس سے پہلے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر اونگھ جیسی کیفیت طاری ہوئی اس میں پروردگار عالم جَلَّ جَلَالُہٗ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیں۔ وہ شخص شمعون نامراد اندر گیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اس نے بہت بہت ڈھونڈا مگر آپ علیہ السلام اس ملعون کو نہ ملے۔ آخر مایوس ہو کر جب وہ باہر نکلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی صورت میں کر دیا۔ لوگوں نے پکڑ لیا وہ شور مچاتا رہا کہ میں شمعون ہوں مجھے چھوڑ دو میں تمہارا ہی آدمی ہوں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پکڑ کر اندر سے لانے کے لئے گیا تھا۔ بہرحال وہ بہت فریاد و زاری کرتا رہا مگر لوگ اس کو جبراً پکڑ کر شہر سے باہر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا پھر کافی دیر بعد لوگوں نے معلوم کیا کہ ہمارا بزرگ کہاں گیا۔ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے گیا تھا۔ اگر یہ عیسٰی علیہ السلام ہے تو ہمارا بزرگ کہاں گیا ہے۔ وہ ہمیشہ شک میں ہی رہے (قصص الانبیاء) اس وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی عمر تینتیس (33) سال کے قریب تھی۔

70 A.D. — شاہ روم ٹائٹس (Titus) نے اپنے باپ ویسپارسن (Vesparsian) کی جگہ بادشاہت سنبھالی اور 70 عیسوی میں یروشلم (Jerusalem) پر یلغار کر کے یہودیوں کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

106 A.D. — رومیوں نے نبطیوں کا دارالحکومت پٹرا (Petra in S. Jordan) کو تباہ و برباد کر دیا۔

114-116 A.D.	رومیوں اور پارتھیوں (Parthia, an ancient country of N. Iran) کے درمیان جنگ وجدال۔
123 A.D.	شاہ روم ہڈرین (Roman King, Hadrian, 117-138 A.D.) نے دریائے فرات کے خطہ سے دست برداری اختیار کر لی۔
195-199 A.D.	شاہ روم سیورس (Severus) (193-211 A.D.) نے بازنطینی حکومت کو شکست (196 A.D.) دی اور میسوپوٹمیا (Mesopotamia) یعنی دریائے دجلہ اور فرات کا درمیانی خطہ فتح کیا۔
226 A.D.	فارس کے ساسانی (Sassanid) سلسلہ شاہی کی نبیاد رکھی گئی۔
268-273 A.D.	پالمیر (Palmyra) نے شام، میسوپوٹمیا اور مصر کے کچھ علاقے فتح کیے۔
330 A.D	کانسٹنٹائن اول (Constantine-I) نے بازنطیم (موجودہ استنبول، ترکی) کو 330 عیسوی میں دوبارہ تعمیر کر کے اس کا نام کانسٹنٹی نوپل (Constantinople) رکھا اور رومن سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ یہ قدیم شہر بھی استنبول کا حصہ ہے۔ استنبول A.D.1923 تک ترکی کا دارالحکومت رہا۔
433-453 A.D.	ھُن (Hun) یعنی ایشیائی بادہ گرد قوم کے حکمران اتیلا (Attila) کی فرمانروائی (406-453 A.D.) جس نے اکثر بازنطینی یعنی مشرقی رومی سلطنت (دارالحکومت، استنبول) اور مغربی رومی سلطنت کے علاقے فتح کیے۔ 451 عیسوی میں گول میں واقع اورلین (Orleans in Gaul-France) تک اور 452 عیسوی میں اٹلی میں دریائے منشیو (River Mincio in Italy) تک پیش قدمی کی۔
525 A.D.	ابیسینیا یعنی ایتھوپیا (Abyssinia i.e. Ethiopia) نے یمن کا ملک فتح کر لیا۔
586-572 A.D.	رومی سلطنت کا زوال پذیر ہونا۔
571 A.D.	آنحضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی ختم المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت مبارک 12 ربیع الاول بروز پیر (دوشنبہ) (عام الفیل میں) مکہ مکرمہ ہوئی۔ مورخین و محققین کے مطابق اس روز 23 اپریل 571 سن عیسوی تھا۔ تاریخ انسانیت میں یہ دن سب سے زیادہ بابرکت سعید اور درخشاں وتابندہ ہے۔

تاریخ عرب یورپین محققین کے نقطہ نظر سے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا(Encylopaedia Britannica, 1980 A.D.Vol-1 P.P.1043-1061) کی تحریر کے مطابق جزیرہ نما عرب شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف زیادہ سے زیادہ 1600 میل(2600 کلومیٹر)طویل ہے اور شمال سے جنوب کی جانب لمبائی1400 میل(2300 کلومیٹر) جبکہ مشرق سے مغرب کی جانب عرض تقریباً1300 میل(2100 کلومیٹر) ہے اس طرح اوسط کل رقبہ 2450 کلومیٹر x 2100 کلومیٹر = 5,145,000 مربع کلومیٹر بنتا ہے۔)بحراحمر کے کنارے واقع رابغ کی بندرگاہ سے خلیج عرب کے کنارے واقع مناما کا فاصلہ 700 میل(1126 کلومیٹر ہے)اس طرح اگر اوسط عرض 1842 کلومیٹر ہو تو رقبہ 4789200 مربع کلومیٹر بنتا ہے۔

اس کی تین اطراف کافی اونچی ہیں یمن میں جنوب مغربی مقام حدور شعیب کی اونچائی1236 فٹ (376 میٹر) جبکہ اس کا سرزمین حجاز میں واقع شمال مغربی حصہ جبل ال آز کی اونچائی8562 فٹ(2580 میٹر)اور اومان میں واقع جنوب مشرقی کی ناالجبل الاخدر کی اونچائی9774 فٹ(2900 میٹر) ہے۔حجاز اور نجد میں سطح مرتفع کی اوسط اونچائی3600 فٹ(1100 میٹر) سے شاید ہی کہیں زیادہ ہو۔خلیج عرب کی طرف اوسط ڈھلان تقریباً 8 فٹ فی میل ہے۔

قبل از اسلام سے ساتویں صدی عیسوی تک کا زمانہ

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق قدیم خشک دریائی گزرگاہوں کی تہیں جن کے بہاؤ کا رخ مختلف اطراف سے سمندر کی طرف تھا نیز قبل از تاریخ وادیوں کے آثار قدیم زمانے میں جزیرہ نما عرب کے ایک زرخیز خطہ کی نشاندہی کرتے ہیں اس کرہ ارض کی تاریخ کو تین منطقوں یعنی جنوبی عرب۔شمالی، وسطی عرب اور مشرقی عرب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔جنوبی عرب سرسری طور پر موجودہ یمن کو کہا جاسکتا ہے۔جنوبی عرب کے متعلق 1950ء کے بعد کی گئی آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے ملنے والی قدیم پتھریلی سلوں۔ پرستش وعبادت گاہوں۔ پہاڑیوں پر کندہ تحریروں اور کانسی کی یادگار تختیوں سے کافی معلومات حاصل ہوئی ہیں اسی بات کا اطلاق عرب کے دوسرے حصوں پر بھی ہوتا ہے۔جنوبی عرب میں شمال سے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف چار سلطنتیں قائم ہوئیں۔ (1) مائین (مینان) (Main-Mineans) کا دارالحکومت خربہ مائین(Khirbah Main) تھا(2)سباء (Saba of the Sabaeans) کی حکومت مآرب اور اس کے گردونواح (موجودہ یمن) میں تھی (3) قطبان(Qataban) کے زیر قبضہ بیہان(Bayhan) کا علاقہ اور دارالحکومت طمنا (Timna) موجودہ حجر کہلان (Hajar

(Kuhlan) تھا جبکہ (4) حضر موت (Hadramawt) کا دارالحکومت شبوہ (Shabwah) تھا اور موجودہ سلطنت اومان میں واقع ضفار یا ظفار (Dhofar or Zuffar) تک کا علاقہ اس کی فرمانروائی میں شامل تھا۔

وسطی اور شمالی عرب

وسطی اور شمالی عرب حقیقی طور پر عربوں کے مسکن تھے۔ اس میں اور اس کے اطراف میں قدیم تہذیب کی سرزمین ہے۔ بابل کے آخری حکمران نبونائد (Nabunaid) (556-539 B.C.) نے شمال مشرقی عرب کے تیما خطہ میں دس سال کا عرصہ گزارا اور یہیں اپنا دارالحکومت بنایا اس کی فرمانروائی یثرب تک وسیع تھی اہل ثمود بحر احمر کے قریب شمالی عرب میں آباد تھے۔ ثمود کی جنوبی عرب کے طرز پر قدیم پہاڑی اور غاروں میں کندہ شکستہ تحریریں سارے عرب میں خصوصاً شمالی اور وسطی عرب میں پائی جاتی ہیں جن سے ان کی زبان اور مذہب میں مماثلت ثابت ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل ثمود کی لیہان شاخ کا تعلق حکمران طبقہ یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے حکمران طبقہ سے تھا۔ غالباً لیھان شاخ کی سلطنت کا چوتھی صدی عیسوی تک وجود باقی تھا اور اس قبیلہ کے افراد نے حیرہ (الحیر یعنی موجودہ عراق) پر 385-380 عیسوی میں اپنی حکمرانی قائم کر لی۔ یہ قبیلہ زمانہ اسلام کے وقت بھی پایا جاتا تھا۔ 273 عیسوی میں پلمیرا کے زوال سے سرزمین عرب میں بہت سے تغیر نے جنم لیا اور صحرائی علاقہ پر حاوران اور بیرونی اردن کا علاقہ لخمید (Lakhmid) قبیلہ کے زیر تسلط آ گیا۔ 325 عیسوی میں فارس کے بادشاہ شاپور نے مشرقی اور وسطی عرب پر قبضہ کر کے لخمید قبیلہ کے شہزادہ کو عرب کا حکمران بنا دیا۔ لخمید قبیلہ نے عربی کو سرکاری زبان کے طور پر اختیار کر لیا۔ جنوبی عرب کی کنداہ کی سلطنت پر 525 عیسوی میں ایبے سینیا - (Abyssinia i.e. Ethiopia - Habsha) نے قبضہ کر لیا جنوبی عرب یعنی یمن کی ایبے سینیا کی افواج کے سالار ابراہہ نے بغاوت کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اسی ابراہہ نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی جسارت کی تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کے ذریعے کنکریوں سے تباہ و برباد کر دیا۔ (سورۃ الفیل)

غسانی

شمالی عرب میں قداہ کے صالح بازنطینیوں کے باجگزار سلسلہ حکمرانی پر تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں غسانیوں نے قبضہ کر لیا۔ جب کنداہ 528 عیسوی میں مغلوب ہوئے تو غسانی بادشاہ الحارث ابن جبلہ (جبلہ) نے لخمید المند ہیر کو شکست دے کر بازنطینیوں سے اپنی حکمرانی کی توثیق حاصل کر لی۔ غسانیوں نے شامی صحرائی علاقہ کے علاوہ یثرب کے بیرونی نواح تک حکومت کی لیکن کبھی کبھی خاص موقع پر ہی یثرب اور مکہ مکرمہ کی سیاست میں مداخلت کی۔ چھٹی صدی کے آخر میں غسانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ جن میں سے کچھ شاہانِ فارس کے تابع فرمان آ گئیں۔ شمال مغربی عرب علاقہ میں غسانی حکومت کے زوال کو غنیمت خیال

کرتے ہوئے یہودیوں نے یثرب اور وادی القراء میں اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کا اچھا موقع جانا۔ اسی دوران لخمید کی طاقت بھی بکھر گئی۔ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں فارس اور بازنطینیوں (رومیوں) میں محاذ آرائی نے غسانیوں اور لخمید کی وقعت مزید کم کر دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عراق اور شام کی فتح نے مذکورہ دونوں قبائل کی سیاسی حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔ حرم مکہ کے خادم۔ حجاز کے پارسا۔ پاکباز اور عالی ظرف قبیلہ قریش نے تجارت کو فروغ دینے اور تجارتی راستوں کو محفوظ بنانے کے لئے شمالی، جنوبی، اور قرب وجوار کے قبائل وحکومتوں کے ساتھ معاہدے کئے تاکہ عدن، حضرموت اور بازنطینی علاقوں تک تجارت کو وسعت دی جا سکے اس کے علاوہ اقسم یا اکسم یعنی حبشہ (موجودہ ایتھوپیا ایبے سینیا) سے بھی افریقی تجارتی بندرگاہوں تک رسائی کے لئے معاہدے کئے گئے۔ علاوہ ازیں قریش کے سردار عبد مناف خاندان نے بازنطینی، فارس، یمن اور ایبے سینیا کی حکومتوں سے تجارتی فروغ کے لئے معاہدے کئے۔ عبد مناف خاندان مکہ مکرمہ کا معزز ترین اور خادم حرم ہونے کی بنا پر ایسے معاہدے کرنے کی حیثیت کا مکمل طور پر حق رکھتا تھا۔ خاندان عبد مناف کے جد قصی نے قریش کی فرمانروائی قائم کی اور حرم کعبہ کی مراعات اور خصوصی استحقاق کی بنیاد رکھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیدائش مبارک عبد مناف خاندان کی معزز ترین اور محترم وعالی منش وظرف ہاشمی شاخ میں 12 ربیع الاول 571 عیسوی ہوئی۔ 622 عیسوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔

محل وقوع

ملک عرب یا جزیرہ نمائے عرب ایک وسیع خطہ ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ جزیرہ نمائے عرب بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اندرونی طور پر یہ خطہ چہار جانب سے لق ودق صحرا اور خطرناک حد تک ریگستان سے گھرا ہوا ہے اس طرح جغرافیائی اعتبار سے قدرت نے اس جزیرہ نما کو بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے گویا ایک محفوظ قلعہ بنا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے باشندے زمانہ قدیم سے ہی مکمل آزاد اور خود مختار زندگیاں بسر کرتے چلے آرہے ہیں محل وقوع کچھ یوں ہے جزیرہ نما عرب کا ایک حصہ مکمل ریگستان ہے۔ جبکہ تین طرف سمندر موجود ہے۔ جس کا نقشہ یوں بنتا ہے۔

مشرق

خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ۔

مغرب

بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا۔

شمال

ملک شام اور کسی حد تک شمالی عراق۔

جنوب

جنوب میں بحر عرب اور بحر ہند ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے شمالی غربی جانب خاکنائے سویس تھی جہاں اب آبنائے سویس موجود ہے۔ شمالی حد کی ابتداء اس خطہ سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء ''غزہ'' ہے۔ پھر یہ خطہ بحیرہ بحریہ جسے بحر مردار کہتے ہیں گزرتا ہوا دریائے اردن کے مشرق میں پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دمشق سے بڑھ کر دریائے فرات پر سے ہوتا ہوا خلیج عرب یعنی خلیج فارس میں گر جاتا ہے۔ اس خطہ کو جزیرہ نمائے عرب کی شمالی حد کہتے ہیں۔

رقبہ

جزیرہ نمائے عرب کا کل رقبہ تقریباً دس لاکھ سے تیرہ لاکھ (13,00,000) مربع میل (یعنی تقریباً 3,367,000 مربع کلومیٹر) ہے۔ اس جزیرہ نما کا زیادہ سے زیادہ طول 1555 میل ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ عرض 622 میل کے قریب ہے۔ یہ علاقہ ملک فرانس اور جرمن کے کل رقبہ سے تقریباً چھ گنا بڑا ہے۔ (سعودی عرب کا رقبہ 900,000 مربع میل یعنی 2,300,000 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے)

آبادی

جزیرہ نمائے عرب کی آبادی صحیح طور پر تو معلوم نہیں البتہ ایک محتاط اندازے کے مطابق موجودہ آبادی قریباً 5 کروڑ ہے۔

جغرافیہ عرب

میری اس تصنیف ''سیرت مقدسہ فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم'' کی اس دوسری جلد کا عنوان ہی تاریخ عرب ہے اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ جغرافیہ عرب تحریر کرنے سے پہلے لفظ ''عرب'' کی مختصر سی تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ پڑھنے والا اس لفظ کی حقیقت اور معنوں سے آگاہی حاصل کر سکے اور یوں اس خطے کے حالات و واقعات اور تاریخ و جغرافیہ سمجھنے میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔

یہاں ہم لفظ عرب اور جغرافیہ عرب کے قدیم ماخذوں سے بحث کریں گے جو حقیقت میں تورات یونان اور

روما (روم) تین مختلف زمانوں سے متعلق ہیں۔

لفظ عرب

لفظ عرب حقیقت میں ہے کیا اس لفظ کو عرب کیوں کہتے ہیں اس کے مختلف جوابات کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ تمام جوابات یہاں بیان کرنا اس لئے ممکن نہیں کہ تحریر بہت طویل ہو جائے گی اس لیے یہاں لفظ عرب کے وجہ تسمیہ کے سلسلے میں چند جوابات ہی تحریر کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں یہ چند جوابات ہی انشاء اللہ اس لفظ کو سمجھنے میں کافی ہوں گے۔ ''عرب'' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان دانی اور اپنے خیالات و بیانات کو ظاہر کرنے کے ہیں باالفاظ دیگر مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کے ہیں۔ اہل عرب اپنی زباں دانی اور فصیح اللسانی میں اپنا جواب آپ تھے جس پر ان کو فخر تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا نام عرب رکھا اور اس کے علاوہ تمام دنیا کو ''عجم'' یعنی بے زبان گونگے کے نام سے پکارا۔ یہاں ایک اہم نکتہ عرض کر دوں کہ دنیا میں رہنے والی ہر قوم اپنی زبان میں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے یہ الگ بات ہے کہ عربوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم اہل عرب کی طرح اپنی اپنی زبانوں میں وہ فصاحت نہ رکھتی ہوں جو عربوں کے ہاں ہیں۔

لفظ عرب کے بارے میں ماہر انساب خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے اسی نسبت یعرب سے اس ملک کے رہنے والوں کو عرب اور علاقہ کو ملک عرب کہا جانے لگا۔

جغرافیہ داں حضرات نے لفظ ''عرب'' کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ حقیقت سے قریب تر اور صحیح ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام سامی زبانوں میں صحرا اور بادیہ کے لیے جو لفظ بیان کیا جاتا ہے وہ ''عربۃ'' ہے اسی طرح عبرانی زبان میں بیابان اور میدان کو ''عربا'' کہتے ہیں اس کے علاوہ خود اہل عرب کے ہاں اس قدیم لفظ کا مفہوم آج تک موجود ہے۔ عربی زبان میں صحرا نشینوں اور اہل بادیہ کو ''عرابۃ'' کہتے ہیں عرب کا ملک زیادہ تر بیابان بے آب و گیاہ ہے اور خاص طور پر جو حصہ حجاز سے بادیہ عرب و شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقے کو ''عربا'' کہا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے عربا میں رہنے والے باشندوں کو ''عرب'' کہا جانے لگا اور یوں ملک کا نام عرب مشہور ہو گیا۔ اہل عرب کے ہاں ابتداء میں کسی لغات کا وجود نہ تھا البتہ شعراء عرب کا کلام واحد ایسی قاموس کا کام ضرور دیتا ہے جس میں شعراء نے اسی لفظ کو استعمال کرتے ہوئے اس نام کی تصدیق کر دی ہے چنانچہ ابن منقد ثوری۔ اسد بن ضائل جیسے نامور عربی زبان کے شاعروں نے اپنے اشعار میں اس ملک عرب کے لیئے لفظ ''عربۃ'' استعمال کیا ہے اشعار کے مطالعہ کے لئے ان شاعروں کے کلام سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ظہور اسلام کے بعد ابوسفیان کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں ''بعربۃ'' نام لیا ہے۔

حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب کے مشہور قصیدہ کے ایک شعر میں بھی لفظ ''عربۃ'' استعمال ہوا ہے۔ ان مذکورہ دلائل کی روشنی میں اہل جغرافیہ نے لفظ ''عرب'' کی جو حقیقت بیان کی ہے وہی صحیح ہے۔

لفظ ''عرب'' کیا ہے اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں ہم تین وجوہات کا ذکر کر چکے ہیں جن میں سے تیسری وجہ جو اہل جغرافیہ نے بیان کی ہے حقائق کے مطابق ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے آخر میں قرآن کریم فرقان حمید کی روشنی میں مزید چند سطور درج کر رہے ہیں جسے پڑھ کر مزید کسی دلیل یا وجہ دریافت کرنے کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔ قرآن مجید کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اس پاک کتاب میں لفظ ''عرب'' ملک عرب کے لیے کہیں نہیں فرمایا گیا۔ اللہ کریم نے اپنے جلیل القدر پیغمبر سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سکونت کا ذکر کرتے ہوئے جائے سکونت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ ابراہیم آیت 37

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ

''ناقابل کاشت وادی''

قرآن کریم کے ان الفاظ میں ملک عرب کا ذکر نہیں فرمایا ''ناقابل کاشت وادی'' فرمایا ہے یہاں اکثر احباب ان مبارک الفاظ کو عرب کی طبعی حالت کا بیان خیال کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ بیان مذکورہ جس کی ہم تشریح کر چکے ہیں اس کی روشنی میں ارشاد خداوندی لفظ ''عرب'' کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عہد میں اس سرزمین غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا اس لئے خود لفظ ''غیر آباد ملک جس کی زمین ناقابل کاشت تھی'' اس کا نام ہی یہی پڑ گیا ہے جس کے معنی غیر آباد۔ ناقابل کاشت جگہ کے ہیں یوں یہ لفظ ''مدبار'' کا ترجمہ اور ''وادی غیر ذی زرع'' کے ہم معنی ہے۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ ''عربا'' عرب کے ایک خاص قطعہ زمین کے معنی میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زمین کی اس وسعت کے اظہار کے لئے استعمال نہیں ہوا جس وسعت کے ساتھ اب استعمال کیا جاتا ہے۔ تورات نے لفظ ''عربا'' سے مراد زمین کا وہ قطعہ لیا ہے جو حجاز سے شام و سینا تک پھیلا ہوا ہے جبکہ عام ملک عرب کے لیے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین مراد ہے اور بعض اوقات جنوب کی سمت بھی ملک عرب میں شامل کر دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک عرب فلسطین کے مشرق و جنوب دونوں گوشوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ''عرب'' کا لفظ سب سے پہلے قریباً 1000 ق م میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے مبارک عہد میں سننے میں آتا ہے۔ اس کے بعد عام طور پر اس کا استعمال روما (رومن) عبرانی اور یونانی تاریخوں میں کیا گیا۔ ان کتب میں موجودہ ملک عرب کا نام ''عربی'' استعمال ہوا جو یمن سے شام تک کے وسیع علاقے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

عرب میں قدیم حجری (Palaeolithic) اور جدید حجری (Neolithic) دونوں زمانوں میں لوگ

Marfat.com

آباد تھے عراق کے مسماری (cuneiform) کتبوں میں مگن، ملحّہ اور دِلمن کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ کتاب تکوین (Genesis) جسے تقریباً دسویں صدی قبل مسیح کی تصنیف سمجھا جاتا ہے میں Joktan اور Hazamaveth کے نام آتے ہیں جنہیں قحطان اور حضر موت سے شناخت کیا جا سکتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے زیہن - گعبر (Ezion-geber) کی بندرگاہ سے بحیرۂ احمر میں جہاز بھیجے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے حجاز مقدس یعنی مغربی عرب کو ایک منفرد مقام حاصل ہے اس لئے کہ یہی وہ سرزمین ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پیدا ہوئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے زندگی گزاری اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وصال ہوا یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر وحی کا نزول ہوا اور یہیں پر دنیائے اسلام کے سب حصّوں بلکہ دنیا کے ہر حصّے سے لاکھوں مسلمان مکّہ مکرمہ میں حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی اور روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ جہاں بھی کسی علاقے کے سیاسی سماجی اقتصادی، معاشی، مذہبی اور دیگر حالات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس علاقے میں آباد اقوام وقبائل کے نام سے ہی ذکر مذکور ہے مثلاً احقاف مسکن عاد، مسکن ثمود، مسکن عمالقہ، مسکن طسم وجدلیس، مسکن جریم۔ مسکن قحطان، مسکن سباء وغیرہ۔ عبرانیوں کو قربت کی وجہ سے عرب کے شمالی سے کسی قدر واقفیت تھی اس کے باوجود وہ اس شمالی حصہ کا کوئی خاص نام نہیں بتا سکتے تھے بلکہ عام طور پر اس علاقہ میں آباد اقوام یا قبائل کو ان کی اضافت یا نسبت سے ہی بیان کرتے اور ان کے امتیاز کا ذکر کرتے تھے۔ مثلاً ادوم کی زمین، عمالیق کا علاقہ، مواب کی زمین وغیرہ۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبارک عہد میں جب بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کر کے عرب کے شمالی علاقے سے گزرے تو ان کو وہاں حدنگاہ تک پھیلا ہوا بے آب وگیاہ صحرا گزرنا پڑا انہوں نے عرب کے اس شمالی علاقے کا نام ''عربا'' رکھ دیا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نام عربا کی بجائے عرب ہو گیا جبکہ دیگر علاقوں کا نام اقوام وقبائل کی نسبت سے ہی موسوم کیا جاتا تھا۔

جغرافیہ عرب بمطابق تورات

عرب کا جغرافیہ جاننے کے لئے ہمارے پاس قدیم ترین ماخذ تورات ہے۔ تورات کے مطابق عرب کا جغرافیہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔ عرب کی قدیم ترین قوم امم سامیہ ہے یہ خطہ اس قوم کا مولد ہے یہ قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریباً تین ساڑھے تین ہزار سال پہلے اس خطے میں آباد تھی یہ قوم عرب سے کن حالات کی وجہ سے ترک وطن کے بعد پورب (مشرق) کی سرزمین میں آباد ہوئی اس کے بارے میں تاریخ عالم خاموش ہے یہی وجہ ہے کہ یہ قوم پورب (مشرق) کی سرزمین کو ہی اپنا مولد بتاتی ہے ان کا یہ کہنا تعجب کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب اس قوم نے سرزمین عرب کو چھوڑا تو اس کو یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ یہ کس عہد کا واقعہ ہے کیونکہ یہ وہ دور تھا جب انسان عہد طفولیت کی طرح محض اشاروں کی زبان میں ہی اپنا کام چلاتا تھا۔ ایسے حالات میں اپنے حقیقی جائے مولد کو بھول جانا

عجیب نہیں ہے۔ بہر حال تورات کے مطابق عرب کا پہلا نام۔

(1) ''پورب (مشرق) کی زمین ہے'' ازسفر تکوین۔11

قدیم جغرافیہ از بیوان کے مطابق عرب کا دوسرا نام

(2) ''جنوب کی زمین ہے''

تورات کے مطابق پورب کی زمین سے مراد ''مشرق'' ہے جو فلسطین کے مشرق وشمال میں واقع ہے۔ کہیں اس سے مراد بابل واسیر یا بھی لئے گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب لوگوں نے قبائل کی شکل میں رہنا شروع کیا۔ شمالی عرب وہ علاقہ تھا جہاں مختلف قبائل یعنی عمالیق، بنوعمان، مدیانی، ادوم، عموانی اور مواب وغیرہ آباد تھے گو عبرانیوں کو قرب کی وجہ سے کچھ حد تک شمالی حصہ سے واقفیت ضرور تھی مگر وہ بھی اس حصے کو کسی خاص نام کی نسبت سے نہ تو جانتے ہی تھے اور نہ ہی اس حصے کا کوئی خاص نام ان لوگوں نے بھی رکھا تھا بلکہ وہ لوگ قبائل کی نسبت سے ہی اس حصہ کو یاد رکھتے اور پکارتے تھے۔

مثلاً:۔

سرزمین عمالقہ، ادوم کی زمین، سرزمین بنوعمان اور مواب کی زمین وغیرہ۔

جوں جوں وقت گزرتا رہا اس خطے میں آباد لوگوں میں شعور بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد زریں آ گیا یہ عہد عبرانیوں کے اوج شباب کا زمانہ تھا خشکی میں آپ علیہ السلام کی افواج عرب کے تمام شمالی ہی نہیں بلکہ بعض جنوبی ریاستوں سبا وغیرہ کو بھی اپنے زیرنگیں کر چکی تھیں آپ علیہ السلام کے بحری جہاز ساحل عرب کے چاروں طرف بحر احمر سے اوفر کی بندرگاہ تک تجارتی سفر کے لئے جایا کرتے تھے۔ ملوک اول 9۔26 اور 9-27 میں تحریر ہے کہ اس وقت یمن کی تجارتی منڈیوں پر انکا مکمل اختیار (کنٹرول) تھا اس طرح وہ لوگ عرب کی حقیقی حدود سے واقف ہو چکے تھے یوں عرب کا شمالی علاقہ ہی ان کے علم میں نہ رہا بلکہ وہ عرب کی موجودہ حدود تک واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ عرب کی تمام حدود کا علم ہو جانے کے باوجود ان لوگوں نے قبائل کے پرانے ناموں اور ان کی قبضہ شدہ زمین کو انہی ناموں سے یاد رکھنے اور پکارنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا گو عبرانی کسی حد تک حدود عرب سے تو واقف ہو چکے تھے مگر انہیں عرب کا کوئی منظم جغرافیائی علم نہ تھا۔ وہ لوگ عرب کے محض شمالی حصے سے ہی واقف تھے۔

اس شمالی عرب میں درج ذیل موجودہ حصے یا ممالک شامل تھے۔

1۔ عرب شام 2۔ حجاز مقدس 3۔ مقام سینا

4۔ عرب عراق 5۔ بحرین 6۔ اور خلیج فارس کے ساحل وغیرہ

عبرانیوں نے شمالی عرب کے پھر دو حصے کئے ہوئے تھے یعنی

1۔ مشرق کی زمین اور 2۔ جنوب کی زمین

Marfat.com

(1) مشرق کی زمین

اس حصے میں خلیج فارس کے ساحل، کنعان کے مشرق میں واقع ممالک موجودہ عرب ریاست بحرین اور عرب عراق شامل تھے جبکہ۔

(2) جنوب کی زمین

اس حصے میں بادیہ عرب۔ سینا کا علاقہ۔ ملک شام۔ حجاز مقدس اور سعودی عرب کے موجودہ صوبہ نجد کے کچھ علاقے شامل تھے۔ یہ تمام علاقے ملک کنعان کے جنوب میں واقع ہیں تورات اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں اہل یہود کے مطابق عرب کے مشرقی وجنوبی حصوں کا عبرانیوں نے محاورہ کی زبان میں جن مقامات کا ذکر کیا ہے اس کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ مقامات کی ترتیب کا ذکر جنوب تکوین، تخمیناً، یوشع، قضاۃ، سموال، شعیا، یرمیاہ، حزقیال، دانیال، عبیدہ اور حبقوق میں درج ہے جبکہ مشرق تکوین، قضاۃ، ملوک اول کے ابواب میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ عرب کے ان مشرقی وجنوبی حصوں میں جو مختلف قبائل آباد تھے۔ ہر حصے کا نام اس قبیلے کی نسبت سے ہی لیا جاتا تھا۔ مثلاً

سرزمین بنوعمان ومواب، عمودانیوں کی زمین اور اس کے آگے مدین اور نجد کے کناروں پر بنو اسماعیل (علیہ السلام) کے خیمے تھے۔

جنوبی عرب

کوہ سعیر کے دامن میں بنوادوم اور عمالیق آباد تھے اس لئے وہ علاقہ ہی سرزمین ادوم وعمالیق کہلاتا تھا۔ موجودہ خلیج عقبہ سے کافی دور تک بحراحمر کے سواحل پر مدیانی آباد تھے اس لئے وہ علاقہ ہی سرزمین مدین کہلاتا تھا۔ یہی علاقہ اب حجاز مقدس ہے۔

عرب کے شہر ومقامات قدیم از تورات ودیگر

یہاں ہم ان مشہور شہروں اور مقامات قدیم کا ذکر کر رہے ہیں جن کو تورات، جغرافیہ قدیم یرمیاہ، تکوین، ملوک، قضاہ، حزقیال، شعیا، دانیال، سموال وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

''سفار'' اور ''مشا''

تورات میں قدیم مقامات کا بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے جس مقام کا ذکر مذکور ہے وہ ''مشا'' ہے اس

کے بعد مقام ''سفار'' کا ذکر آتا ہے یہ جگہ بنو قحطان کی آبادی کی ابتدائی حد بھی تھی۔ اور آخری حد بھی (ازتکوین۔10-30)اہل تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ مقام ''سفار'' سے مراد موجودہ علاقہ ظفار (ضفار) ہے جو کہ ملک یمن موجودہ اومان (مسقط) میں واقع ہے جبکہ مقام ''مشا'' جس کا تورات میں ذکر موجود ہے اہل تاریخ اب اس مقام سے لاعلم ہیں کہ یہ کہاں ہے عین ممکن ہے پہلے یہ مقام اسی نام سے مشہور ہومگر صدیاں گزر جانے کی وجہ سے یہ مقام یاتو ناپید ہو چکا ہے یا پھراس کا نام تبدیل ہو چکا ہے جس کی وجہ سے کتب تاریخ میں اہل قلم معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مصنف جغرافیہ قدیم ریورنڈ لیوان لکھتا ہے کہ مقام "مشا" جس کا ذکر تورات میں ہے میرے خیال میں اب اس کا نام 'موزہ' ہے جو کہ ساحل عرب پر بحراحمر کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اسی طرح ایک اور مورخ بطلیموس نے عرب کا جو جغرافیہ لکھا ہے اس میں کھینچے گئے نقشہ کے مطابق ایک جگہ کا نام ''موسیٰ'' درج کیا ہے جو ساحل یمن پر واقع ہے مذکورہ تحریر کی روشنی میں اس مقام ''مشا'' کو مکہ کیوں نہ مان لیا جائے کیونکہ ہمارے اس خیال کو ثبوت خود تکوین اور تاریخ عالم سے بھی مل جاتا ہے جس میں تحریر ہے کہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ''مسا'' تھا عین ممکن ہے کہ اس کا آباد کیا ہوا مقام ہی تورات میں ''مسا'' کی بجائے ''مشا'' لکھا ہو کیونکہ زمانہ گزر جانے پر حالات و دوری کی وجہ سے اکثر تورات کی تحریر میں مقامات کا نام تبدیل کر دینے کی مثالیں موجود ہیں۔ اس لئے یہاں بھی یقیناً اسی وجہ سے مسا کو مشا کے نام سے لکھا گیا ہے۔

ادوم

تکوین40-32-31 میں ادوم کا ذکر کیا گیا ہے اس سرزمین میں جن آبادیوں کے نام مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔ فاعو، دنہابہ، تیمان، مسریقہ، بصورہ، عویت اور رحوبوت۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذکورہ آبادیاں سرزمین ادوم میں ہی واقع ہیں مگر ان کا محل وقوع تکوین نے بیان نہیں کیا۔ اس بیان کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مذکورہ آبادیاں عرب کے شمال ومغرب میں ہیں۔ کیونکہ ان کا محل وقوع معلوم نہیں اس لئے اہل علم کو چاہیئے کہ ان کا محل وقوع تلاش کریں تا کہ ادھوری معلومات مکمل ہو سکیں۔

بُصرہ وتیمان

یہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کا تورات میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ یہ یقیناً وہی شہر ہے جسے اہل عرب بصریٰ کہتے ہیں اور تاریخی اہمیت کی بنا پر آج تک یہ شہر اسی نام سے مشہور چلا آ رہا ہے موجودہ دور میں یہ ملک عراق کا مشہور شہر ہے۔ تیمان کی آبادی کا ذکر بھی تورات میں آتا ہے عین ممکن ہے کہ اس سے مراد بصریٰ کے قریب واقع مشہور آبادی ''تیما'' ہو یا پھر اسی جگہ اس کا تیما کی آبادی سے کوئی تعلق ہے۔

حصور

کتاب یرمیاہ (29-28) میں حصور کا ذکر آتا ہے۔اس کا تعلق سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار سے ہے۔اگر آپ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ''حصور'' نام کی کوئی آبادی یا مقام عرب میں نہیں ہے اب رہا سوال یہ کہ پھر حضرت یرمیا علیہ السلام کی کتاب میں جو حصور کا نام درج ہے اس سے مراد کونسا مقام یا چیز ہے جواباً عرض ہے کہ یہ نام مقصد کے بغیر نہیں آیا بس فرق صرف یہ ہے کہ اس سے مراد کوئی جگہ یا مقام نہیں بلکہ اس نام سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں۔یعنی وہ آبادی جو اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہو بادیہ کی طرح عارضی نہ ہو۔اسی لفظ حصور سے عربی لفظ ''حضر'' نکلا ہے۔موجودہ عربی زبان میں اسی لفظ سے ماخوذ ''حاضرہ'' بولا جاتا ہے جس کا معنی مشہور و عظیم الشان شہر کے ہیں۔

سلاع

تورات میں عرب کے ایک مشہور شہر ''سلاع'' کا نام کئی بار آیا ہے۔یہ مشہور شہر بھی ادوم کی حکومت کے زیر حکمرانی تھا۔سلاع کے معنی پتھر کے ہیں اس جگہ کیوں کہ پتھر نہایت کثرت سے پائے جاتے تھے شاید اس لئے اس کا نام سلاع مشہور ہوا یا پھر شاید کوئی اور وجہ بھی ہوسکتی ہے اہل عرب کے ہاں اس کا نام ''الحجر'' ہے جبکہ یونانی زبان میں اس کو ''پڑا'' کہتے ہیں۔عبرانی، یونانی اور عربی زبان میں گو اس مقام کے نام مختلف ہیں یعنی سلاع پڑا اور الحجر مگر معنی کے اعتبار سے ان تینوں کا مطلب پتھر ہی ہے۔عرب کے اس مشہور شہر میں صدیوں پہلے بڑی رونق تھی یہ مقام بڑی ہی اہمیت کا حامل تھا اس قدر مدت گزر جانے کے بعد بھی اس شہر کے نشان اب تک شام کے قریب شمالی عرب میں باقی ہیں جنہیں دیکھ کر اس شہر کی اہمیت رونق اور طرز تعمیر کا باخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عمیلات اور اوفر کی بندرگاہیں

جغرافیہ عرب دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ خلیج عقبہ کے پاس ایک بندرگاہ تھی جسے ملوک اوّل (9-26) میں بیان کیا گیا ہے اس زمانے میں اس بندرگاہ کی بڑی اہمیت وشہرت تھی۔اطراف سے بحری جہاز یہاں تجارتی سامان لے کر اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔اس بندرگاہ کا انتظام وانصرام اور دیگر مکمل اختیار (کنٹرول) حکومت ادوم کے پاس ہی تھا۔سیدنا حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہم السلام نے اس علاقہ کو فتح کر کے حکومت بنی اسرائیل میں شامل فرمالیا اور اس بندرگاہ میں اپنا بحری جہازوں کا کارخانہ یعنی بحریہ کا صدر مقام بنالیا تھا۔اس وجہ سے عمیلات کی بندرگاہ کی ضرورت واہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی تھی۔

عرب کے جنوبی حصے میں جہاں عدن واقع ہے ''اوفر'' نام کی ایک اور بندرگاہ تھی کتاب ملوک (9-28) میں

اس بندرگاہ کا ذکر موجود ہے۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بحری جہاز سامان تجارت اور فوجی مقاصد کے تحت مال واسباب لے کر عمیلات کی بندرگاہ سے یہاں آتے تھے۔ یہ بندرگاہ عمیلات کی بندرگاہ سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل تھی تورات میں اس بندرگاہ کا متعدد بار ذکر آتا ہے۔ اوفر کی یہ بندرگاہ تجارتی منڈی ہونے کی صورت میں نہایت ہی اہمیت کی حامل تھی۔ اس منڈی میں سب سے زیادہ سونے کا کاروبار ہوتا تھا عدن کی یہی مشہور تجارتی بندرگاہ حکومت کے لئے کثیر زرمبادلہ کا ذریعہ تھی۔ ملک عدن کی تجارت اب بھی مشہور ہے۔ اس بندرگاہ کو جو تاریخی اہمیت حاصل تھی صدیاں گزر جانے کے باوجود اس اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

مقامات سبا۔اوزال وحویلا

عرب کے مشہور شہر اور مقامات میں ''سباء'' کا نام تورات میں کئی مرتبہ آیا ہے۔ یہ یمن کے مشہور مقامات میں سے ایک اہم ترین مقام تھا۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کے ذریعے یہاں کی ملکہ سباء کی خبر پہنچی تو آپ علیہ السلام نے ملکہ سباء بلقیس کا تخت اپنے ایک وزیر آصف بن برخیا کے ذریعے اپنے دربار میں طلب فرمایا تھا بعد میں ملکہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی۔ تورات وملوک دوم (13-10) وغیرہ کے حوالے سے سیرت مقدسہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کتاب کے پہلے حصہ یعنی جلد اوّل میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات مبارک کے تحت ہم پہلے اسکا تفصیلی ذکر کر چکے ہیں ''سبا'' اس زمانے کا نہایت اہم مشہور ومعروف تجارتی شہر تھا یہاں کے رہنے والے بڑی خوشحال زندگیاں بسر کرتے تھے ذرائع آمدنی کا قریباً سارا دارومدار تجارت پر تھا۔

سبا کے علاوہ یمن کے تجارتی مقامات میں "اوزال" بھی بڑی ہی اہمیت کا حامل تھا تورات میں یہاں کے باشندوں کا دولت مندی کے میدان میں خصوصی ذکر آتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ جیسے حالات وواقعات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس طرح پرانے ناموں کی جگہ نئے نام آجاتے ہیں اس تغیر وتبدل کے تحت یمن کے اس مشہور شہر اوزال کا نام بھی تبدیل ہوگیا اور آج کا موجودہ نام صنعاء یا تو اوزال کی تبدیل شدہ شکل ہے یا پھر یہ شہر اسی جگہ آباد کیا گیا ہے جو کبھی شہر اوزال کے نام سے مشہور تھا۔

عرب کا شمالی حصہ جہاں صوبہ حجاز واقع ہے شہرت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس خطے میں ''حویلا'' نام کا مقام بھی بڑی شہرت رکھتا تھا اس مقام کی خاص وجہ شہرت یہ تھی کہ یہاں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد آباد تھی جو تجارت کے میدان میں کمال مہارت رکھتی تھی مختصراً ہمیں تورات، حزقیال، تکوین، تاریخ ثانی وغیرہ کے مطالعہ سے عرب کے جن جن مقامات، شہروں تجارتی مراکز اور دیگر جگہوں کے بارے میں معلومات مل سکیں درج کردی ہیں تا کہ اس زمانے کی کسی حد تک تاریخی وجغرافیائی معلومات متلاشیان علم تک پہنچ سکیں۔

قبائل عرب از تورات ودیگر

تورات ودیگر کتب قدیم کے حوالے سے جغرافیہ عرب کا بیان جاری ہے یہاں عرب کے قدیم قبائل کا مختصراً بیان تحریر کیا جارہا ہے۔ عبرانی لوگ عرب کے صرف ان قبائل سے واقفیت رکھتے تھے جن کے ساتھ انکے تجارتی یا سیاسی تعلقات تھے اس کے علاوہ کتنے اور قبائل عرب کے خطے میں آباد تھے عبرانیوں کو ان سے نہ ہی کوئی تعلق تھا اور نہ ان کو جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ تورات میں چند قبائل کے علاوہ کسی اور قبیلے کا ذکر نہیں آتا۔ عبرانیوں کے جن قبائل سے مذکورہ تعلقات تھے وہ نہ صرف ان کے ہمسایہ ہی تھے بلکہ برابر کے حریف بھی تھے ان قبائل کے نام درج ذیل ہیں۔

(1) بنومدیان (2) بنوعمان (3) بنومواب

(4) بنوعمالیق (5) بنوادوم وغیرہ

حزقیال (27-9) کے مطابق عرب کے اندرونی حصے میں دو قبائل آباد تھے جو عرب کی تاریخ، تجارت اور سیاسی میدان میں بڑی شہرت واہمیت کے حامل تھے ان قبائل کے نام یہ تھے۔

(1) قحطانی (2) اسماعیلی

عرب کے اندرونی حصے میں آباد ان قبائل میں سے قحطانیوں کے ہاں صرف سبا اور اوزال کا ہی ذکر آتا ہے وہ بھی محض اس لیے کہ بنوقحطان کے ان دونوں سے تجارتی تعلقات تھے اور اس بنا پر ان کا آپس میں میل جول رہتا تھا۔

عرب کے اندرونی حصے میں آباد قبائل میں سے اسماعیلیوں کے ہاں صرف ''قبائل اسماعیلیہ'' کا نام ہی تکوین (37-27) میں مذکور ہے۔ قبائل اسماعیلیہ عرب ومصر کے درمیان ہونے والی تجارت پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے اس بنا پر یہ قبائل اسماعیلیہ بڑی اہمیت وقدر رکھتے تھے۔ یہ وہ قبائل ہیں جو کبھی مدیانیوں کے ساتھ مل کر عبرانیوں کے ساتھ لڑے بھی تھے، انہی قبائل اسماعیلیہ کا تورات میں دوران نام ''ہاجریین'' یا ''بنوہاجرہ'' بھی آیا ہے۔ (از ایام اول 10-5) ہاجریین یا بنوہاجرہ میں سے دومزید قبیلے ''بنایوت'' یعنی نبطی اور ''قیدار'' بڑے ہی نامور اور مشہور تھے۔ تاریخ عرب اور تورات میں ان قبیلوں کا اکثر ذکر آتا ہے بنایوت وہی لوگ ہیں جن پر فرعون مصر کی خصوصی عنایات تھیں۔ یہ نبطی قوم فرعون کی سرپرستی میں اس حدتک منہ زور ہوچکی تھی کہ فرعون مصر کے علاوہ خود بھی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو شب وروز تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی قوم کے ایک شخص کو بنی اسرائیل کے ایک شخص پر ظلم کرتے دیکھا تو اس نبطی کے تھپڑ رسید کردیا تھا۔ یہ واقعہ ہم اس کتاب کی جلد اول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات مبارک کے بیان میں تحریر کر چکے ہیں۔ ویسے تو تورات اور دیگر کتب میں اس قبیلے یا قوم کے تفصیلی حالات موجود ہیں مگر میں نے یہاں موضوع کے اعتبار سے جو کچھ لکھ دیا ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

دوسرا قبیلہ ''قیدار'' تاریخ عرب میں خاص اہمیت کا حامل ہے یہ قبیلہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا

خاندان ہے قبائل عرب میں قیدار اہمیت قدر و منزلت ومقام و مرتبہ میں سب سے اونچا تھا کیونکہ اسی قبیلے میں آگے چل کر وجہ تخلیق کائنات شہنشاہ مدینہ ہمارے آقا و مولا فخر رسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اسی قبیلے کی ایک شاخ قریش اور خاندان ہاشم میں جلوہ گری ہونی تھی اس لیے خالق ارض وسماء نے بنوقیدار کو بڑی شہرت عطا فرمائی تھی سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریفہ سے قریباً ایک ہزار سال قبل بنوقیدار حجاز مقدس کا مختار کل خاندان تھا جو نہایت شان وشوکت سے حجاز مقدس پر حکمرانی کرتا تھا۔ یونانی زبان میں قیدار کا نام متعدد طریقوں سے لیا گیا ہے ان تمام ناموں میں ''کیدانی'' تلفظ قیدار کے زیادہ قریب ہے قبیلہ قیدار ایک مدت تک اس علاقے میں برسر اقتدار رہا پھر بنوقحطان نے بنوقیدار کی چند کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بزور شمشیر اس سرزمین سے باہر نکال دیا کافی عرصہ گزر جانے کے بعد قیدار قبیلے کے ایک شخص قصٰی نے تدبر حکمت عملی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس جگہ یعنی حجاز مقدس کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ یہی قصٰی قریش کے پدر اعلیٰ تھے۔ ان کے تدبر و حکمت نے قیدار خاندان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حجاز مقدس کا حکمران بنا دیا۔ قریش حجاز مقدس میں خاص طور پر مکہ ومکرمہ کی مکمل نظامت و دیکھ بھال کے مالک تھے۔

جغرافیہ عرب از یونانی ورومن (رومی) مصنفین

گزشتہ صفحات میں تورات و دیگر کتب کے حوالہ سے ہم جغرافیہ عرب بیان کر چکے ہیں یہاں یونانی اور رومن مصنفین کے بیانات اور تحقیقات کی روشنی میں عرب کا جغرافیہ بیان کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس عرب کا جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کے لیے یہ قدیم ماخذ ہیں۔ یہ ماخذ کس حد تک حقیقت کے قریب ہیں آپ ان کو پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یونان کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہومر غالباً وہ پہلا شخص تھا جس نے کرہ ارض کا علم حاصل کیا یعنی یہ معلوم کیا کہ زمین پر کون کون سے ممالک ہیں اور وہ کہاں کہاں ہیں وغیرہ بالالفاظ دیگر اس شخص نے علم جغرافیہ کی سوجھ بوجھ حاصل کی۔ اس شخص نے جن جن ممالک کے نام لکھے ان میں ایک ملک کا نام ''عیر میی'' بھی تحریر کیا۔ اس نام کو ''عربی'' سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یونانی زبان میں لفظ عربی کو شاید ''عیر میی'' کے تلفظ سے بولا اور پڑھا لکھا جاتا ہے اس طرح ہومر نے ایک اور ملک کا نام ''اریمی'' تحریر کیا ہے جس سے مراد ملک ''شام'' لی جاتی ہے یہاں بھی تلفظ کا ہی معاملہ ہے اس کے علاوہ ''تولیت'' نے ملک شام کو ''ارم'' کہا ہے۔ ہومر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریباً آٹھ سو یا ہزار سال پہلے گزرا ہے اس کی یہ معلومات اس وقت کی ہیں۔ ناموں کی حد تک تلفظ کے اختلاف کو سامنے رکھ کر اگر دیکھا جائے تو یہ معلومات اس لیے صحیح نظر آتی ہیں کہ عرب اور شام نام کے ملک اس وقت بھی موجود تھے اور اب بھی ہیں۔

اہل یونان ہیروڈوٹس کو اپنا سب سے پہلا مورخ اور جغرافیہ نویس کہتے ہیں یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے قریباً 450 برس پہلے گزرا ہے۔ اس نے پہلی دفعہ اپنے علم کے مطابق ملک عرب کے بارے میں اپنی معلومات بیان کیں۔ ان معلومات کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ہیروڈوٹس کی عرب کے بارے میں بیان شدہ جغرافیائی معلومات نہ صرف ناکافی ہی ہیں بلکہ نہایت ہی ناقص ہیں اس کی معلومات کے مطابق جنوب کی سمت آخری آبادی وملک عرب ہی ہے اور اسی طرح یہ صاحب دریائے نیل کو ملک عرب کی مغربی حد قرار دیتا ہے اس کی عجیب معلومات یہ ہیں کہ اس نے کوہستان سینا کو بھی اسی حد میں ہی شامل کر دیا ہے اس مصنف کو یہ بھی علم نہ تھا کہ عرب کے مشرق میں خلیج عرب یعنی خلیج فارس ہے جو عرب اور فارس (ایران) کو الگ کرتی ہے۔ یہ ''بحراحمر'' یا بحرقلزم کو خلیج عرب بتاتا ہے۔ اس نے یہیں ہی اپنی معلومات کو ختم نہیں کیا بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بحراحمر کی بعض شاخیں اندرون عرب بھی بہتی ہیں۔ مزید کہتا ہے کہ عرب میں ایک وسیع دریا بہتا ہے جس کا نام ''کوربس'' ہے یہ دریا عرب کی سرزمین سے بہتا ہوا آخر بحراحمر میں گر جاتا ہے۔ ہیروڈوٹس کی جغرافیہ عرب کے بارے میں معلومات یہاں درج کر دی ہیں اب آپ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ یہ تمام معلومات کس معیار کی ہیں اس مورخ کی فراہم شدہ معلومات میں اہل عرب کی تجارت کا ذکر بھی موجود ہے جسے اس نے بار بار بیان کیا ہے اہل عرب کیونکہ اہل یونان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے اس نسبت سے ان تجارتی تعلقات کا جا بجا ذکر کیا گیا ہے۔ یونانی ورومی (رومن) جغرافیہ نویسوں نے ہیروڈوٹس کے قریباً دوسو سال بعد یعنی تیسری صدی قبل مسیح میں سکندر کی فتوحات کے بعد جغرافیائی میدان میں معلومات حاصل کرنے میں بڑی مہارت حاصل کر لی اور یوں یہ لوگ عرب کی صحیح حدود اور دیگر معلومات کو بہت حد تک صحیح سمجھ گئے اس طرح ان کی تحریر شدہ معلومات بڑی مفید ثابت ہوئیں۔ میں مختصراً انکا تذکرہ کر رہا ہوں۔

یہ یونانی ورومانی جغرافیہ نویس جانتے تھے کہ عرب کے مشرق میں خلیج عرب، مغرب میں بحراحمر، شمال مشرق میں بحرفرات، شمال مغرب میں شام ومصر کی حدود اور جنوب میں بحرہند واقع ہیں۔ یوں جزیرہ نمائے سینا کے اکثر حصہ کو یہ لوگ عرب میں شامل سمجھتے تھے۔ جبکہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ عرب کے شمالی ومغربی گوشہ کی کوئی قدرتی حد بندی نہیں ہے اس لیے جغرافیہ دان حضرات مختلف آراء رکھتے ہیں۔

کچھ جغرافیہ نویس عرب کی حدود کو جزیرہ نمائے سینا بحرابیض یعنی مڈیٹرین سی (بحرالمتوسط سمندر یعنی بحیرہ روم) تک وسیع خیال کرتے ہیں۔ ہیروڈوٹس اور پلینی وغیرہ کا یہ خیال ہے جبکہ دوسرے جغرافیہ نویس (ڈیڈسی) بحر مردار یا بحرمیت سے بصریٰ اور (پالمائر) تدمر تک عرب کی حدود کو وسیع مانتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ کہ طرز حکومت۔ طبعی حدود۔ لوگ اور دیگر حالات کے مطابق یہ تمام حصے ہمیشہ عرب میں ہی شامل رہے ہیں۔

عرب کی حصوں میں تقسیم

جغرافیہ نویسوں نے عرب کو الگ الگ مختلف حصوں میں تقسیم کیا تھا قدیم یونانی ورومانی جغرافیہ نویسوں کے ہاں یہ تقسیم بھی اپنے اپنے اندازے کے مطابق مختلف ہے۔ مثلاً ایراستینوس۔ استرابو اور پلینی عرب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی (1) شمالی عرب (2) اور جنوبی عرب۔

اس کے برعکس دوسری صدی میں بطلیموس نے جو عرب کی اقطاع میں تقسیم کی ہے وہ حقیقت کے قریب تر ہے اس لیے وہ زیادہ مقبول ہے یورپین جغرافیہ دان وسیاح اسی تقسیم پر اتفاق کرتے چلے آرہے ہیں۔ بطلیموس نے پورے ملک عرب کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی۔

(1) عرب آبادان یا العرب المیمونتہ

(2) عرب ریگستان یا عرب الرمال

(3) عرب سنگستان یا عرب الحجر

(1) عرب آبادان

بطلیموس کے مطابق جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس ہے اس کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر مشرق میں خلیج فارس جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب پیٹرا (الحجر) اور عرب ڈزرٹ (صحرا) کو عرب آبادان کہتے ہیں اس حصے میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز۔ بحر احمر و ہند پر یمن۔ حضر موت اور خلیج فارس پر عمان۔ بحرین اور عرب کے وسط میں نجد اور یمامہ کے علاقے شامل ہیں۔

(2) عرب ریگستان

ملک عرب کے جنوب میں ریگستان ڈزرٹا (صحرا) واقع ہے عرب ریگستان کی مشرقی وشمالی حد نہر فرات اور الجزیرہ (میسوپوٹیما) سے شروع ہو کر مغرب وشمال میں عرب سنگستان یا عرب پیٹرا (الحجر) کی مغربی وشمالی حد پر ختم ہوتی ہے جبکہ جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس کا حصہ ہے۔

(3) عرب سنگستان

بطلیموس کی تقسیم کے مطابق عرب سنگستان یا عرب پیٹرا (الحجر) مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گزر کر مغرب میں بصرٰی پر ختم ہوتا ہے جو کہ عرب کا ایک قدیم شہر ہے شمال ومغرب میں تدمر تک اس کا گوشہ چلا جاتا ہے۔ اور اس کی پشت پر شمالی ومغربی یہودیہ اور فلسطین کا ملک ہے۔

Marfat.com

یونانی اور رومانی فاتحین کیونکہ عرب پیٹرا اور عرب ڈزرٹا کو فتح کر چکے تھے اس لیے وہ یہاں کے حالات جانتے تھے۔ دوسری طرف عرب فلکس کے صرف سواحل سے انکو آگاہی تھی یا پھر ایک اور کسی جگہ کے غلط سلط نام کو وہ جانتے تھے اس کے علاوہ ان جغرافیہ نویسوں نے جس قدر دوسرے مقامات عرب کے نام تحریر کیے ہیں ان کی خودساختہ سوچ کے علاوہ اور کچھ نہیں بطلیموس نے تولاتعداد مقامات اور ان کے مقاموں کا ذکر کیا ہے جو محض اس کی اپنی سوچ ہے۔ غیر معتقدین بطلیموس کہتے ہیں کہ عرب میں آبادی کا کبھی بھی باقاعدہ اصول مقرر نہیں رہا اس لئے بطلیموس نے جن علاقوں یا آبادیوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے حقیقت میں وہ نام مختلف مقامات پر واقع کنوئیں ونخلستان وغیرہ ہیں جہاں مسافر دوران سفر آرام کی غرض سے قافلوں کے ہمراہ خیمہ زن ہوتے تھے۔ مشہور مسلم جغرافیہ نویس ''مسعودی'' و ''یاقوت'' کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بطلیموس نے ملک عرب کے جن مقامات اور آبادیوں وغیرہ کے نام تحریر کیے وہ یونانی زبان میں اس قدر مشکل ہیں کہ انہیں سمجھنا ممکن نہیں اس کے علاوہ صرف پانچ دس نام ہی ایسے ہیں جواب بھی موجود ہیں باقی تمام نام غیر معروف ہو چکے ہیں۔ دسویں صدی ہجری کا جغرافیہ نویس ''چلپی'' لکھتا ہے کہ بطلیموس کے بتائے ہوئے مقامات عرب زیادہ تر مٹ چکے ہیں یا ان کے نام تبدیل ہو چکے ہیں اس لیے اب ان معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

(ازمروج الذہب صفحہ 103)

مقامات وقبائل عرب از مصنفین یونان ورومن (رومی)

یونانی اور رومانی یعنی رومن مصنفین نے عرب کے جن جن مقامات وقبائل کے نام بیان کیے ہیں یہاں ان سب کو ابواب کی ترتیب کے مطابق تحریر کر رہے ہیں تاکہ تاریخ وجغرافیہ عرب کا مطالعہ کرنے والے حضرات کرام کے علمی ذوق میں تشنگی باقی نہ رہے اور دوسری طرف بحیثیت مصنف ممکنہ حد تک جغرافیہ عرب بیان کرنے کا حق بھی ادا ہو جائے۔

عرب آبادان یا عرب فیلکس (Arabia Felix)

ملک عرب کے اس حصے عرب آبادان یا عرب فیلکس میں واقع وہ مقامات جو اب تک معروف اور قریباً قریباً زمانہ قدیم سے موجودہ دور تک صحیح ہیں حجاز مقدس سے بحر احمر۔ بحر ہند اور خلیج فارس کے کنارے عراق کے سواحل تک واقع ہیں۔ ترتیب کے اعتبار سے ان کا حال و بیان یوں ہے۔ مصنفین یونان ورومان عرب پیٹرا (الحجر) اور ڈزرٹا سے اس لیے واقف تھے کہ ان لوگوں یعنی یونانیوں نے یہ علاقے فتح کر لیے تھے اس فاتح قوم نے عرب کے ان مقامات کو فتح کرنے کے بعد عرب آبادیوں کو ختم کر دیا اور وہاں یونانی ورومانی ناموں سے شہر قائم کر لیے تھے اس کے باوجود بہت سے نام انکی پہلی کیفیت پر ہی رہنے دیے۔ ہمیں جن ناموں کی آبادیوں کا یونانیوں کے رکھے ہوئے ناموں سے

قدیم ناموں کے ساتھ اشتراک کا جو حال معلوم ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(1) الرقیم

اس مقام شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے تحت ایک دارالامارت تھا۔ اس کے نبطی عرب اس پر قابض ہو گئے اور یوں یہ مقام ان کا دارالحکومت بن گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب اہل روم برسر اقتدار آئے تو ان لوگوں نے گو اس مقام کو اپنا دارالحکومت تو نہ بنایا مگر اس مقام کو انکے ہاں بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس مقام کو یونانی ''پیٹرا'' (Patra) کہتے ہیں اور عبرانی میں اس کا نام ''سلاع'' ہے۔

(2) تدمر

عرب کے مقامات میں سے تدمر مشہور ترین مقام تھا۔ یہ عرب کے انتہائی شمال میں فلسطین کے قریب آخری شہر ہے۔ ملوک اول اسفار یہود میں ہے کہ اس شہر کو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا۔ یہ شہر عرب ریاست کا دارالحکومت تھا۔ رومیوں نے جب اس شہر کو فتح کیا تو اس کا نام ''پالمائر'' رکھ دیا۔ تاریخ عرب میں اس شہر کو خاص مقام حاصل ہے۔

(3) ربات مواب

عرب پیٹرا (الحجر) میں بحرمیت کے قریب واقع یہ شہر موابی عربوں کا دارالحکومت تھا۔ رومیوں نے جب اس شہر کو فتح کیا تو اس کا نام تبدیل کر کے اریوپولس رکھ دیا۔ اس شہر میں 1315ء میں اس قدر شدید زلزلہ آیا کہ اس نے ربات مواب کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس شہر میں بسنے والی آبادی کا اکثر حصہ مارا گیا اور تمام عمارات زمین بوس ہو گئیں۔

(4) رباعت عمون

رباعت عمون عمونی عربوں کا دارالحکومت تھا یہ مقام عرب ڈزرٹا کے شمالی و مشرقی حصہ میں تھا۔ یونانیوں نے اس کا نام ''فلاڈیفا'' رکھا تھا۔ تیسری صدی ق م (300 ق م) میں اسکوشاہ بطلیموس فلاڈلفیوس نے دوبارہ آباد و تعمیر کیا تھا۔

یونانی و رومانی (رومی) جغرافیہ نویس اور مورخین لوگوں کو عرب کے بعض ان جزائر اور سواحل سے بھی واقفیت تھی جہاں سے وہ اہل عرب و دیگر اقوام کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے پہلی صدی میں ایک یونانی مصری نے جہاز رانوں کی آسانی کے لیے ایک بحری جغرافیہ ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر جو ہند اور اسکندریہ کے راستے میں واقع ہیں روشنی ڈالی تھی۔ اس نے عرب کے جنوبی ساحل پر یودیمون کا ذکر کیا ہے یہ یودیمون ''عدن'' کا پرانا نام ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ مقام مصر و ہند کے درمیان ایک اہم تجارتی منڈی ہے عدن اب بھی بطور اہم تجارتی منڈی موجود ہے اس مورخ نے مزید تحریر کیا کہ ہندوستان کی طرف عرب کی ایک راس ہے جس کا یونانی نام

Marfat.com

''سیاگروس'' بتایا ہے۔اس راس کا موجودہ نام ''راس قرطق'' ہے اس مؤرخ کے بقول یہ دنیا کی سب سے بڑی راس ہے۔

قبائل عرب

اہل روما ن و یونان کے جغرافیہ نویسوں اور مورخین نے عرب کے جن مقامات کو تحریر کیا ہے ہم ان کا مختصر حال قلم بند کر چکے ہیں یہاں عرب کے ان قبائل کا ذکر کر رہے ہیں جو ان لوگوں کی کتب میں مذکور ہے اہل رومان و یونان عرب کے صرف ان قبائل سے واقفیت رکھتے تھے جن کو یا تو سیاسی قوت حاصل تھی یا پھر وہ تجارت کے میدان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ آتے جاتے رہتے تھے۔ان یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں نے ان قبائل عرب کے تقریباً پچاس،ساٹھ سے زیادہ نام بتائے ہیں مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ جب یہ نام یونانی یا رومی علاقوں میں گئے تو ان کی ایسی شکل وصورت تبدیل ہوگئی ہے کہ باوجود سخت کوشش کے چند قبائل کے علاوہ جو مذکورہ لوگوں سے بھی ہزاروں برس پہلے جن ناموں سے مشہور تھے آج بھی انہی ناموں سے مشہور ہیں باقی کسی قبیلے کا نام ومقام کو پہچاننا ہی ممکن نہیں، یہ چند قبائل اپنے حقیقی وطنی لب ولہجہ کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں ان چند قبائل کا مختصراً حال درج ذیل ہے۔

(1) قبیلہ عاد ارم

یہ عرب کا مشہور قدیم قبیلہ ہے سیرت مقدسہ کی ہماری اس کتاب کی جلد اول بعنوان ابتدائے نسل انسانی میں اس قبیلے کی تاریخ ابتداء ودیگر حالات بیان کر چکے ہیں۔یہ قبیلہ حضر موت کے قریب علاقے میں آباد تھا۔قبیلہ عاد ارم کا اکثر یونانیوں کے یہاں آنے سے بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا صرف ایک پیروان نامی ٹکڑا باقی رہ گیا تھا۔یونانی جغرافیہ نویس حضر موت کے ایک قبیلہ کا نام ''عادری ٹائی'' بتاتے ہیں لفظ ''ٹائی'' صرف قبیلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔حقیقت میں اصل لفظ ''عاڈرم'' ہے جو ''عاد ارم'' کی حقیقی شکل ونام ہے بعض اس کو ''حضر موت'' خیال کرتے ہیں جبکہ یونانی زبان میں حضر موت کی شکل کچھ اور ہے یعنی ''چیڑ اموٹی ٹائی'' اس نام پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ حضر موت نہیں اور نہ ہی یہ کسی ایک قبیلے کا نام ہے بلکہ یہ دو قبیلوں کے نام۔چیڑا ایک قبیلے کو کہتے ہیں جبکہ موٹی ٹائی دوسرے قبیلے کا نام ہے یوں ان لوگوں نے دو ناموں کو ایک نام بنانے کی کوشش کی ہے۔قبیلہ عاد کا ذکر قرآن کریم میں تقریباً تئیس (23) مرتبہ آیا ہے یعنی:۔سورۃ الاعراف آیات 65، 74،سورۃ التوبہ آیت 70 سورۃ ھود آیات 50، 59، 60،سورۃ ابراہیم آیت 9،سورۃ الحج آیت 42،سورۃ الفرقان آیت 38،سورۃ الشعراء آیت 123،سورۃ العنکبوت آیت 38، سورۃ ص آیت 12، سورۃ مومن آیت 31،سورۃ حم سجدہ آیات 13، 15،سورۃ الاحقاف آیت 21،سورۃ ق آیت 13،سورۃ الذریات آیت 41،سورۃ النجم آیت 50،سورۃ القمر آیت 18،سورۃ الحاقہ آیات 4، 6،سورۃ فجر آیت 4۔

قبیلہ ارم کا ذکر قرآن کریم کی آیت الفجر کی آیت 7 میں ہے۔

(2) قبیلہ ثمود

یہاں اس قبیلے کی بابت صرف اتنا ہی تحریر کر رہا ہوں کہ یہ صالح حجاز کے پاس مدین کے خطہ میں اپنی قدیم جگہ میں اس عہد تک موجود تھا۔ یونانی ورومانی جغرافیہ نویس اس کا ''تہماوی ٹائی'' تلفظ بیان کرتے ہیں۔ اس قبیلے کی تفصیلاً تاریخ ہم پہلی جلد میں بیان کر چکے ہیں اہل علم حضرات اس جلد سے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مراجعت فرما سکتے ہیں۔ قبیلہ ثمود کا ذکر قرآن مجید میں چھبیس (26) مرتبہ آیا ہے: یعنی سورۃ بنی اسرائیل آیت 59، سورۃ الاعراف آیت 73، سورۃ التوبہ آیت 70، سورۃ ھود آیات 61، 68 (دو دفعہ)، 95 سورۃ ابراہیم آیت 9 سورۃ الحج آیت 42 سورۃ الفرقان آیت 38، سورۃ الشعراء آیت 141، سورۃ النمل آیت 45، سورۃ العنکبوت آیت 38، سورۃ ص آیت 13، سورۃ مومن آیت 31، سورۃ حم سجدہ آیات 13، 17، سورۃ ق آیت 12، سورۃ الذریٰت آیت 43، سورۃ النجم آیت 51، سورۃ القمر آیت 23، سورۃ الحاقہ آیات 4، 5 سورۃ البروج آیت 18 سورۃ الفجر آیت 9، سورۃ الشمس آیت 11۔

(3) حضر موت

یہ علاقہ بحر ہند کے ساحل پر واقع ہے۔ نہایت ہی قدیم آبادی ہے قحطان کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام تورات کے مطابق حضر ماوت تھا اسی وجہ سے یہ قطعہ اپنے باشندہ اول حضر ماوت بن قحطان کی نسبت سے حضر موت کہلاتا ہے۔ اہل حضر موت نے یہاں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی تھی بقول بابائے تاریخ علامہ ابن خلدون عاد اور ثمود کے قبائل کا اصل مسکن یہی تھا۔ پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد قبیلہ عاد یہاں سے نقل مکانی کرنے کے بعد کچھ دور ہٹ کر احقاف کے مقام پر آباد ہو گیا جبکہ قبیلہ ثمود نے حجاز کے پار جا کر سکونت اختیار کر لی۔ قدیم عہد میں یہ مقام سیاسی و تجارتی دونوں حیثیتوں سے یمن کا ہم پلہ تھا۔ اہل یونان اس علاقے کو چیڑ اموٹی ٹائی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(4) نبط

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریباً دو تین سو سال پہلے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبط نامی ایک شخص کی نسبت سے اس علاقے کی حکومت اہل نبط کے ہاتھ میں تھی۔ یہ علاقہ نجد سے سواحل بحر احمر وعقبہ اور بادیہ شام تک پھیلا ہوا تھا۔ نبط واحد ہے جبکہ اس کی جمع انباط یا نبطین ہے۔ اہل یونان ورومان (روم) انباط سے سیاسی تعلقات رکھتے تھے ان کے ہاں اس علاقہ کا تلفظ نبط یا انباط نہیں بلکہ ''نباتھ یائی'' ہے پیڑا (الحجر) انکا دار الحکومت تھا۔ یونانی ورومانی (رومی) لوگوں کے ہاں یہ مقام پیڑا سیاسی، اقتصادی اور تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنی تصانیف میں بار بار اس مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اہل نبط تاریخ بنی

اسرائیل میں بھی خاصی شہرت کے حامل ہیں۔

(5) قیدار

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل بنو قیدار حجاز مقدس کا کلی مالک ومختار تھا۔ قیدار سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک مشہور اور اہم ترین شخص تھا آگے چل کر فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی خاندان کی ایک شاخ میں مبعوث ہوئے اور یوں رشتہ اسلام کی بدولت اس خاندان کو پوری دنیا کے خاندانوں پر برتری وعظمت حاصل ہوئی ہے۔ اہل یونان ویسے تو قیدار کے نام کو متعدد طریقوں سے لیتے ہیں مگر ان سب میں سے زیادہ صحیح نام ''کیدانی'' ہے بنو قیدار حجاز مقدس کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت برتری اور مقام ومرتبہ کے مالک تھے۔ مذکورہ قبائل کے علاوہ یمن کی حدود میں جو قبائل آباد تھے انکی مختصر تاریخ کچھ یوں ہے۔

اہل یونان واہل روم یمن کو ''مین آئی'' یعنی ''معین'' کہتے ہیں یہاں مشہور قبیلہ سبا آباد تھا جسے یہ لوگ ''سبا آئی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قبیلہ ''حمیر'' کو اہل یونان واہل روم ''حومرٹائی'' کہتے ہیں یہ قبیلہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اس طرح اس علاقے میں عمانی عرب بھی رہائش پذیر تھے جنہیں یہ لوگ ''عمانی ٹائی'' کہتے ہیں۔ اہل حیرہ اور مناذرہ قبائل جبکہ شام میں غماسنہ وغیرہ ایرانیوں اور رومانیوں کے تحت برسر حکومت تھے۔ یونان کی تاریخوں کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کا اکثر ذکر ایک خاص سیاسی اہمیت کے تحت کئی مرتبہ مذکور ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ قبائل قدیم زمانہ سے ہی اس وقت کی ان دو بڑی قوتوں کے درمیان دیوار کا کام دیتے تھے۔ اس وجہ سے ان قبائل کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی اگر ظاہری شکل کو دیکھا جائے تو یہ افریقہ کے صحرا کی مانند ایک عظیم الشان سطح میدان نظر آتا ہے یہاں افریقہ کے صحرا کی طرح جگہ جگہ سوکھے ریتلے اور پتھریلے خطے سرسبز وشاداب زرخیز خطوں کے ساتھ ملے جلے ہیں۔ جن کی ڈھلوان خلیج عرب یعنی خلیج فارس کی طرف ہے۔ اس سرزمین کے ختم نہ ہونے والے صحراؤں کے بیچوں بیچ ایسی وادیاں اور پہاڑی سلسلے پائے جاتے ہیں جہاں سینکڑوں شہر اور بستیاں آباد ہیں۔ یہاں کے رہنے والے زراعت کے پیشے سے منسلک ہیں۔ ریگستانی علاقوں میں رہنے والے ہر وقت سفر کی حالت میں رہتے ہیں جن کو عرف عام میں بدو کہا جاتا ہے یہ خانہ بدوش بدو شہروں کی آرام وآسائش سے بھرپور زندگیوں کو چھوڑ کر ریگستان کی سخت اور کٹھن زندگی کو بسر کرنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اس ملک کا تقریباً نصف حصہ غیر آباد اور خشک ہے جبکہ نصف کے قریب زرخیز اور شاداب ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں یہاں زندگی کی تقریباً سب سہولتیں موجود ہیں۔

جب سے انسانی تاریخ کی ابتداء ہوئی ہے جزیرہ نما عرب ہمیشہ خشکی گرمی اور کم زرخیزی میں مشہور ہے۔ یہاں بارشوں کی وجہ سے زرخیزی کا وجود ہے۔ اگر بارشیں نہ ہوں تو یہ خطہ بود وباش کے ہی قابل نہ ہو۔ جس خطے میں بارشیں نہ ہوں وہاں قحط سالی کی وجہ سے ہر طرف تباہی وبربادی کا راج ہوتا ہے۔ یہاں بہنے والی ندیاں سال میں اکثر

خشک ہی رہتی ہیں ان ندیوں کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں اور پورے ملک میں ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ جب بارشوں کا موسم آتا ہے تو یہ وادیاں پانی کی کثرت کی وجہ سے بڑی بڑی ندیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ جزیرہ نما عرب میں کوئی دریا نہیں مگر قدرت نے یہاں اہل عرب پر عجب احسان فرما رکھا ہے یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں۔ ان چشموں سے جاری پانی پہاڑوں کے دامن اور وادیوں کو ہر وقت سرسبز وشاداب رکھتا ہے۔ کبھی یہ چشمے پھیل کر ایک مصنوعی دریا کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں پھر یہ دریا چل کر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اتفاقاً یہ چشمے ابل کر سیلاب کی صورت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ عرب کے وہ صوبے جو ساحل سمندر کے قریب ہیں نہایت ہی سرسبز اور زرخیز ہیں۔ ان میں یمن کا صوبہ خاص طور پر قابل ذکر اور مشہور ہے۔

حدود طبعی کے اعتبار سے ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ مگر اہل عرب ہمیشہ اسے جزیرۃ العرب ہی کہتے ہیں۔ یہ ملک اصل میں دنیا کے قلب میں واقع ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے عرب کے قریب ترین ممالک کا نقشہ کچھ یوں ہے۔

1۔ مشرق میں فارس (ایران)

2۔ مغرب میں حبشہ۔ سوڈان اور مصر۔

3۔ شمال میں ملک شام۔ الجزیرہ اور عراق۔

4۔ جنوب میں برصغیر پاک وہند۔

جزیرہ نمائے عرب بیرونی طور پر دنیا کے جس قدر براعظم آج تک دریافت یا معلوم ہو سکے ہیں ان سب کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ یہ ملک ان تمام براعظموں کے ساتھ خشکی اور سمندری دونوں راستوں سے ملا ہوا ہے۔ جس کا نقشہ ایسے ہے۔

1۔ جزیرہ نمائے عرب کا مشرقی گوشہ

ایران، وسط ایشیا اور مشرق بعید کے دروازے کھولتا ہوا برصغیر پاک وہند اور چین کو جاتا ہے۔

2۔ جزیرہ نمائے عرب کا شمال مغربی گوشہ

براعظم افریقہ میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔

3۔ شمال مشرقی گوشہ

گویا یورپ میں داخلے کی کنجی ہے۔

[illegible]لی اور جنوبی علاقے

[illegible]لف قوموں کی آماجگاہ رہ چکے ہیں۔ یہ علاقے زمانہ قدیم میں تجارت مذاہب اور فنون وعلوم کے مراکز

Marfat.com

تھے۔

مذکورہ قدرتی تقسیم کے مطابق ہر براعظم سمندر کے راستے اس خطے سے ملا ہوا ہے جہاں اطراف عالم سے جہاز عرب کی بندرگاہ پر لنگرانداز ہوتے رہتے ہیں۔اس لیے یہ خطہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب اپنی نوعیت کا منفرد خطہ ہے۔

طبعی حالات

ملک عرب ایک وسیع خط ارض ہے۔جو حدود اور طبعی اعتبار سے ایک جزیرہ نما ہے اس سارے خطے کا زیادہ تر حصہ بے آب۔بے آباد خشک ویران اور ریگستان ہے۔یہاں پہاڑوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے قدرت نے اس ملک کو جہاں خشک اور ریتلا بنایا ہے وہاں اسے زرخیزی بھی عطا فرمائی ہے۔اس ملک کے باشندوں کی گزر اوقات چشموں وادیوں تالابوں میدانوں اور کنویں کے پانی پر ہوتی ہے جو قدرت انہیں سنگلاخ پہاڑوں سے مہیا کرتی ہے۔ملک عرب کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں ہے۔

یہ صحرا عرب وشام کا درمیانی ریگستانی میدان ہے۔اہل عرب کے ہاں یہ ریگستانی میدان عرب بادیہ شام اور غیر عرب کے ہاں بادیہ عرب کہلاتا ہے۔یہ وسیع وعریض صحرا حد نگاہ تک خشک اور ریت ہی ریت کا سمندر ہے باد سموم پوری آزادی سے اس صحرا میں حکمران ہے۔

جنوبی حد میں یمن۔عمان اور یمامہ کے درمیان ایک غیر آباد بے آب وگیاہ وسیع ترین دوسرا ریگستانی میدان ہے۔اس میدان کو دیانہ صحرائے اعظم بھی کہا جاتا ہے۔اس میدان کی ایک نوک یا کونہ بحرین سے گزر کر صحرائے شام میں شامل ہو جاتا ہے۔ان دونوں صحراؤں کا کل مجموعی رقبہ تقریباً دولاکھ پچاس ہزار مربع میل ہے۔

پہاڑی سلسلے

جزیرہ نمائے عرب میں پہاڑی سلسلے بھی پائے جاتے ہیں۔ان پہاڑی سلسلوں میں طویل ترین سلسلہ کوہ جبل الطّویق ہے۔یہ یمن کے جنوب سے شروع ہو کر شمال میں ملک شام تک چلا گیا ہے۔اس سلسلے میں بلند ترین چوٹی آٹھ ہزار (8000) فٹ ہے۔

1۔ صوبہ حجاز کا مشہور ترین پہاڑ جبل الہدیٰ ہے۔

2۔ طائف کے مشہور پہاڑ کا نام جبل الکرا ہے۔

3۔ صوبہ نجد کے مشہور پہاڑوں کے نام جبل عارض اور جبل طویق اور جبل شمر ہے۔

4۔ یمن کے مشہور پہاڑ کا نام جبل تھامر ہے۔اس پہاڑ کی بعض مقامات پر بلندی تین ہزار (3000) فٹ تک ہے۔جبکہ تہامہ سلسلہ کوہ کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی کی بلندی 12336 فٹ ہے۔

5۔ صوبہ جزان کا مشہور سلسلہ کوہ جبل الحجاز ہے۔

چند معروف پہاڑی مقامات کی سطح سمندر سے اونچائی درج ذیل ہے۔

1۔	مکہ مکرمہ	330 میٹر
2۔	جبل ابی قبیس	420 میٹر
3۔	جبل قیقعان (جبل ہندی)	430 میٹر
4۔	جبل حراء (بالائی حصہ)	634 میٹر
5۔	جبل ثور	759 میٹر
6۔	جبل رخم	883 میٹر
7۔	جبل سعد (عرفات کے مشرق میں)	736 میٹر
8۔	جبل رحمت	395 میٹر
9۔	صفاومروہ	375 میٹر
10۔	خوہ یعنی جبل سراۃ (طائف)	1524 میٹر
11۔	میدان عرفات	338 میٹر

آب وہوا

آب وہوا کے اعتبار سے ملک عرب کے اندرونی حصہ میں ہمیشہ شدید ترین گرمی رہتی ہے۔ جبکہ ساحلی علاقوں میں آب وہوا خوشگوار ہوتی ہے۔ بعض حصے جو کہ یورپ کے کئی ممالک سے رقبہ میں زیادہ ہیں وہاں آب وہوا نہایت پرکیف وخوشگوار ہوتی ہے۔ اور وہاں کی زمین زرخیز اور بہت ہی سیر حاصل ہے۔ ان میں نجد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

عرب کے ریگستان اور صحرا جو کہ اندرون ملک واقع ہیں۔ ہمیشہ شدید ترین گرمی کی لپیٹ میں رہتے ہیں۔ ان میدانوں میں بادسموم جب اپنی پوری جولانیوں سے چلتی ہے تو دور دور تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ فرانس کا مشہور سیاح موسیو دیورژے۔ جس نے عرصہ تک عرب میں رہ کر دور دراز کے سفر کیے لکھتا ہے۔

''جب ریت کا طوفان بادسموم کے ساتھ اڑتا ہے تو صحراء میں سفر کرنے والے قافلے پر اس کے آثار آمد فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان پر افق کی جانب پہلے سرخی نمودار ہوتی ہے پھر تاریکی اور زردی ہر سمت چھا جاتی ہے۔ سورج جو پہلے کائنات کو منور کر رہا ہوتا ہے اس کی شعاعیں ایک خونی کرہ کی مانند نظر آتی ہیں۔ ہر طرف باریک ریت ہوا میں اس طرح اڑنے لگتی ہیں جیسے سمندر میں طوفان جھاگ اڑاتا ہے۔ ہر ذی روح کے لیے سانس لینا تنگ ہو جاتا ہے۔

آنکھیں سرخ اور ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف عجیب افراتفری پھیل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اونٹ جسے صحرائی جہاز کہا جاتا ہے گھبرا کر کبھی دوڑنے لگتا ہے اور کبھی کھڑا ہو جاتا ہے۔ اپنی لمبی گردن کو ریت کے اندر چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جوں جوں طوفان کا زور بڑھتا جاتا ہے اونٹ اپنی تھوتنی کو زمین پر پٹکنے لگتا ہے تا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اپنی جان بچا سکے۔ اگر قافلہ خوش قسمت ہو اور وہ جلد ہی کسی پتھر کے نیچے یا کسی غار میں پناہ لینے میں کامیاب ہو جائے تو طوفان کے اس بے رحم ہاتھ سے بچ جاتا ہے۔ اور اگر قافلہ راستہ گم کر دے اور پناہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انسان بہت جلد اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور پھر چند لمحوں میں ہی ریت اس کو ہمیشہ کے لیے اپنی آغوش میں اس طرح لپیٹ لیتی ہے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ عرصہ گزر جانے کے بعد پھر ویسا ہی طوفان ریت کے اس سمندر کو اڑا کر دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے۔ اور یوں ریت کے اس جگہ سے ہٹ جانے پر اہل قافلہ کی ہڈیوں اور انسانی ڈھانچوں کا منظر عبرت ناک نظر آتا ہے۔ اس صحرائی طوفان سے بچنے کے لئے عرب میں کسی موسم و ہوا کے ماہر اور آبادی و صحرا کے راہنما کے بغیر سفر کرنا گویا خود کو زندہ در گور کرنا ہے۔"

درجہ حرارت

جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی حصہ میں سخت ترین گرمی پڑتی ہے۔ صحراؤں میں دن کے وقت درجہ حرارت ایک سو بیس (120) درجہ فارن ہائیٹ (49) ڈگری سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ جبکہ دن کی نسبت رات کے درجہ حرارت میں کچھ فرق رہتا ہے مگر پھر بھی ایک سو (100) درجہ فارن ہائیٹ سے کم نہیں ہوتا۔ پورے عرب میں درجہ حرارت کی کیفیت ایک جیسی نہیں ہوتی بعض علاقے جن میں پہاڑی سلسلے اور ساحلی علاقے شامل ہیں وہاں درجہ حرارت زیادہ نہیں ہوتا بلکہ موسم درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے نہایت خوشگوار رہتا ہے۔

پیداوار

ملک عرب کی پیداوار بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس ملک کے وہ مقامات اور صوبے جو ساحل بحر پر واقع ہیں نہایت سرسبز و شاداب ہیں ان صوبوں میں یمن جو کہ بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے پیداوار کے اعتبار سے امتیازی خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے۔ جہاں قدرت نے اہل یمن کو ہر قسم کی پیداوار سے نواز رکھا ہے۔ اس کے علاوہ عمان۔ حضر موت اور نجد کا سارا علاقہ اور حجاز مقدس میں طائف عرب کے بہترین زرخیز حصے ہیں۔ عرب کی مشہور پیداوار میں کھجور اور قہوہ قابل ذکر ہیں۔ کھجور اہل عرب کی مرغوب ترین غذا ہے جبکہ قہوہ کی پیداوار تجارتی اعتبار سے کثیر دولت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ مخصوص پیداوار میں لوبان۔ سنا۔ بلسان۔ تیج پات۔ مشہور ہیں جن کی عہد قدیم سے تجارت ہوتی چلی آ رہی ہے۔

ملک عرب کی آب و ہوا مختلف خطوں میں مختلف ہے اس لیے یہاں موسم گرما اور موسم سرما میں پیدا ہونے

والی دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کپاس۔ انجیر۔ ببول وغیرہ۔

یہاں جنگلی درختوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ کھجور کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور کھجور اہل عرب کی پسندیدہ غذا ہے۔ ملک عرب کے یہ خطے سرسبز وشاداب ہیں۔

یمن۔

عمان۔

حضرموت۔

نجد اور طائف۔

نجد اور طائف

ان خطوں میں غلے کے علاوہ عمدہ میوہ جات پیدا ہوتے ہیں جو دنیا کے کسی بھی دوسرے سرسبز وشاداب خطوں کے مقابلے میں کم نہیں ہیں۔ یہاں پیدا ہونے والے میوہ جات یہ ہیں۔

شفتالو۔ بادام۔ سیب۔ خوبانی۔ انجیر اور انگور وغیرہ۔

ملک عرب کے خطے یمن میں کافی زراعت ہوتی ہے مگر یہاں کاشت کاروں کو سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے بارش کا پانی مصنوعی کنوؤں اور حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ پھر کاشت کے وقت سخت محنت سے زمین کو قابل کاشت بنانے کے لیے اس پانی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں کی قابل ذکر پیداوار یہ ہیں۔

باجرا۔ گیہوں۔ جوار یعنی مکئی۔ جو۔ سیم اور تمباکو وغیرہ۔

زراعت کے جدید ذرائع سے سعودی عرب غذائی پیداوار خصوصاً گندم کی پیداوار میں خود کفیل ہو چکا ہے۔

معدنیات

ملک عرب اپنی معدنی دولت کی بنا پر بھی بڑی قدر ومنزلت اور اہمیت رکھتا ہے قدرت نے اس خطے کو معدنی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ زمانہ قدیم میں عرب سونے اور چاندی کی دولت کثیر رکھنے کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس کے علاوہ خوشبودار اشیاء پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ تاریخ عرب کی یونانی مؤرخین کے ہاں یہ نمایاں خصوصیت ہے۔ تورات کا مطالعہ کریں تو ملک عرب کے سونے چاندی اور بخورات کا ذکر جابجا ملتا ہے۔ خاص طور پر بحرین اور عمان کے ساحل تو موتیوں کی کانیں ہیں۔ ان مقامات سے قیمتی موتی حاصل کرنے کے لیے ہزاروں ہنرمند مصروف رہتے ہیں۔ یہاں سے حاصل ہونے والے موتیوں سے عرب کے تاجر بہت کم جبکہ یورپی تاجر بے پناہ سرمایہ حاصل کرتے ہیں۔ قدرت نے ملک عرب کو زیر زمین اور سمندر کی تہہ سے وہ لازوال دولت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے عرب

پوری دنیا پر چھا گیا ہے اور اگر چند قدم اور آگے بڑھیں تو دولت کی وجہ سے دنیا پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ زیر زمین اور پانی کی تہہ میں چھپی ہوئی صدیوں سے موجود دولت جس کو دریافت کر لیا گیا ہے تیل ہے۔ عرب کے پہاڑی سلسلے سونے اور چاندی کی ختم نہ ہونے والی عظیم دولت سے مالا مال ہیں۔ اہل عرب تیل سے حاصل ہونے والی دولت کو ہی نہیں سنبھال سکتے اس لیے ابھی تک ان معدنی ذخائر کی طرف انہوں نے توجہ ہی نہیں دی۔

حیوانات

حیوانات کے اعتبار سے بھی عرب بڑا خوش قسمت ملک ہے۔ یہاں نہایت ہی عمدہ قسم کے پالتو جانور پائے جاتے ہیں۔ جو اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان پالتو جانوروں میں:۔

گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا۔ بیل۔ بھیڑ اور بکری وغیرہ شامل ہیں۔

درندوں میں شیر۔ تیندوے۔ ببر شیر اور چیتے وغیرہ۔

اور شکار کے لیے ہرن۔ جنگلی بکرے بھی کثرت سے موجود ہیں۔ چند مؤرخین جن میں ہیروڈوٹس بھی شامل ہے انہوں نے سرزمین عرب پر سانپوں کی ایک خاص قسم کا ذکر کیا ہے جو اُڑنے والے قاتل سانپوں کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان اُڑنے والوں سانپوں کا تورات میں بھی ذکر آتا ہے۔ مگر جدید تحقیق کے مطابق سانپوں کی یہ قسم اب ناپید ہو چکی ہے۔ ملک عرب کے درندے اہل عرب کے لیے اس قدر نقصان کا باعث نہیں ہیں جتنے نقصان کا موجب وہ ظالم ٹڈی ہے جو یہاں پائی جاتی ہے۔ بعض اوقات تو اس ٹڈی کا حملہ ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ ٹڈی جہاں نقصان کا باعث ہے وہی مسافروں اور صحرا میں رہنے والوں کی غذائی ضروریات کو بھی پورا کرتی ہے۔ لوگ اس ٹڈی کو پکڑ کر کھاتے ہیں۔ یہ ٹڈی لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں لشکر کے انداز سے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر فصلوں اور درختوں پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کو ٹڈی دل کہا جاتا ہے جو کہ اردو زبان میں بطور محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

ملک عرب کے گھوڑے اپنی خوبصورتی، سبک رفتاری اور طاقت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ اونٹ تو اہل عرب کا خاص جانور ہے۔ اس کو ریگستان کا جہاز کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں جانور اہل عرب کے ہاں بڑی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ انسان جس قدر ان جانوروں سے فوائد حاصل کرتا ہے شاید کسی اور جاندار سے اس قدر فوائد حاصل نہیں کرتا۔

اونٹ

اونٹ عرب کا وہ مفید اور کارآمد جانور ہے جس کی مدد کے بغیر عرب کے عظیم بے آب وگیاہ وسیع ریگستانوں میں سفر کرنا ممکن نہیں ہے۔ گو جدید ترقی یافتہ دور میں وسائل اس قدر زیادہ اور آسان میسر آ چکے ہیں مگر پھر بھی اونٹ کی

Marfat.com

قدر اور افادیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہ جانور نہایت کم خوراک ہے اور لمبے عرصہ تک پانی کے بغیر سفر کر سکتا ہے اور زندہ رہ سکتا ہے۔ نہایت جفاکش۔ طاقت ور اور محنتی جانور ہے اہل عرب کے ہاں سواری اور بار برداری کے لیے اس جانور کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ قدرت نے اس جانور کی عجیب ہی ہیئت بنائی ہے جسے انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ ''اونٹ کی طرف دیکھو میں نے کیا ہی عجیب مخلوق پیدا کی ہے۔'' (سورۃ الغاشیہ آیت 17) یہاں سے اردو کا محاورہ بنایا گیا ہے۔ ''کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی''۔ اونٹ کی طاقت و ہمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ چھ من (225 کلوگرام) کے قریب وزن اپنی پشت پر اٹھا کر حلب سے بصرہ تک کا صحرائی سفر بہت ہی کم خوراک اور پانی کے بغیر طے کر سکتا ہے۔ ایک چیز خاص طور پر ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اتنی جسامت کا یہ جانور جس قدر کم خوراک سے زندہ رہ سکتا ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا جانور اتنی کم خوراک پر زندہ رہ نہیں سکتا۔ اہل عرب کے لیے اونٹ قدرت کا عظیم ترین عطیہ ہے۔

گھوڑا

عرب کے خوبصورت اور شہرہ آفاق گھوڑے کے بارے میں تاریخ عرب کے بہت سے مصنفین اور سیاحین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں تمدن عرب از سید علی بلگرامی کی کتاب سے گھوڑے کے بارے میں تحریر مشہور فرانسیسی سیاح دیورژے اور یورپی سیاح برک ہارٹ کے دو اقتباسات یا بیانات درج کر رہا ہوں۔ ''دیورژے لکھتا ہے۔ عربی گھوڑا نہایت طاقتور۔ مگر نازک مزاج اور چست و چالاک اپنی آزادی کے غرور میں ہمیشہ چور رہتا ہے۔ جب وہ آزادی کے ساتھ چراگاہ میں پھر رہا ہوتا ہے تو اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ یہ سادہ اور چھوٹا سا تیز پتلیاں۔ پھولے ہوئے نتھنے۔ اونچی گردن۔ پتلی کمر۔ کسے ہوئے پٹھے۔ کم خوراک تیز رفتار۔ جاندار اور پیچھے کو ابھری ہوئی دم والا پھرتیلا جانور اپنے ان اوصاف میں ثانی نہیں رکھتا۔ یہ عربی گھوڑا صرف شکل و صورت کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ سیرت کے اعتبار سے بھی دنیا کے دوسرے گھوڑوں کے مقابلے میں امتیازی شان رکھتا ہے۔ عرب کے بدو گھوڑے کی پانچ نسلوں کو بڑا ہی عزیز رکھتے ہیں اور اسے نہایت ہی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ نسلیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پانچ گھوڑیوں کی اولاد ہیں۔

تاریخ عرب اس بات کی گواہ ہے کہ اس سرزمین پر اکثر اوقات سپاہی صرف اپنے گھوڑے کی تیز رفتاری کی بدولت ہی جان بچا سکا۔ مشہور یورپی سیاح برک ہارٹ نے قبیلہ دروزون اور قبیلہ حوران کے درمیان لڑائی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جس میں ''دروزون گروہ نے حوران پر حملہ کیا اور پڑاؤ میں موجود ایک سپاہی کے علاوہ تمام حوران قبیلہ کے سپاہی قتل کر ڈالے۔ ایک حوران سپاہی اپنی تیز رفتار گھوڑی پر سوار ہو کر حملہ آوروں کے درمیان سے بھاگ نکلا۔ دروزون جن کو اپنے گھوڑوں کی سبک رفتاری پر فخر تھا ان میں سے چند سوار اس کے پیچھے لگ گئے۔ گھوڑوں کی تیز

رفتاری کی وجہ سے نشیب وفراز اور میدان پیچھے رہتے چلے گئے۔ مگر تعاقب کرنے والے بدستور تعاقب میں لگے رہے مگر اس گھوڑی نے کئی گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی تعاقب کرنے والوں کو قریب نہ آنے دیا۔ دروزون گھوڑی کی رفتار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ غصہ بھول کر با آواز بلند سوار سے کہنے لگے ہم نے تمہاری جان بخش دی گھوڑی کو روک لو تاکہ ہم اس کی پیشانی چوم سکیں۔ سوار ٹھہر گیا دروزون اس کے قریب آئے اور ضرب المثل کے یہ الفاظ کہے'' ''پہلے اپنے گھوڑے کے پاؤں دھولے پھر خود پانی پینا'' یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کے ہاں گھوڑے کی جو قدر ومنزلت ہے اس کو بیان کر دیا جائے۔

اگرچہ گھوڑا ملک عرب کا نہایت ہی کار آمد جانور رہا ہے لیکن یہ عرب میں عام نہیں پایا جاتا بلکہ یہ اس حصے یا خطوں میں پایا جاتا ہے جہاں چارہ عام ہوتا ہے اور زمین سرسبز اور قابل کاشت ہے۔ اس کے برعکس اونٹ عرب کے ہر حصہ میں عام پایا جاتا ہے۔ عراق اور نجد کے علاقے میں گھوڑا عام پایا جاتا ہے۔ اور یہاں کا گھوڑا قیمتی اور زیادہ پر الفت ہوتا ہے۔ عربی گھوڑا دو ہی چالیں چلتا ہے۔ یعنی قدم اور دوسری پوئی۔

جزیرہ نما عرب کی تقسیم

عرب جغرافیہ نویسوں نے عرب کی تقسیم یوں کی ہے کہ دنیا کا وسیع ترین صحرائے اعظم سعودی عرب میں واقع ہے جسے ''صحرائے ربع الخالی''(The Empty Quarter) کہا جاتا ہے جس کا رقبہ 250,000 مربع میل (647,500 مربع کلومیٹر) پر پھیلا ہوا ہے۔ خشک اور وسیع صحراؤں کے پیچھے جنوب میں ملک عرب کا حقیقی خطہ واقع ہے۔ جس کے آٹھ حصے ہیں۔ ذیل میں ان حصوں کے الگ الگ نام اور جغرافیائی حالت قدرے تفصیل سے عرض کر رہا ہوں۔

(1) نجد (2) یمن (3) الحسا (4) عمان

5) احقاف (6) مرہ (7) حضر موت (8) حجاز مقدس

(1) نجد

نجد جزیرہ نمائے عرب کا قدیم اور اہم حصہ ہے۔ زمانہ قدیم میں نجد، عدنانیہ قبائل کا مسکن تھا بعد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور شاخ بنو طے آ کر سلمٰی کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی۔ نجد جزیرہ نمائے عرب کے درمیان سرسبز وشاداب اور بلند وفراز قطعہ ہے۔ سطح سمندر سے بارہ سو (1200) میٹر بلندی پر واقع ہے۔ قدرت نے اس خطے کو اس انداز سے محفوظ فرما رکھا ہے کہ زمانہ قدیم وجدید میں اس خطے پر کسی بیرونی حملہ آور نے فوج کشی کی ہمت نہیں کی۔ اس خطے کے تین طرف حد نگاہ تک بے آب وگیاہ صحراؤں کا سلسلہ موجود ہے اس کا نقشہ کچھ اس طرح ہے یعنی شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے الدھنا اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔ نجد سب سے پہلے قبائل

Marfat.com

عدنانیہ کا مسکن تھا پھر عرصہ بعد کہلانی یہاں رہائش پذیر ہوئے ان کے بعد بکر بن وائل اس جگہ آباد ہوئے بکر بن وائل کو تاریخ عرب میں خاص مقام حاصل تھا۔ عربی زبان میں اس قبیلے کو جو مہارت تھی وہ شاید کسی اور قبیلے کو حاصل نہ تھی تاریخ عرب کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس قبیلے کا سردار کلیب اہل عرب کے ہاں نہایت ہی معزز اور سیاسی میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا زمانہ جاہلیت میں کلیب کو جو مقام ومرتبہ حاصل تھا وہ کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کلیب کو قتل کر دیا گیا تو اس کا انتقام لینے کے لیے قبیلہ بکر بن وائل اور قبیلہ تغلب میں چالیس سال تک جنگ وجدل کا بازار گرم رہا جس میں لاتعداد لوگ مارے گئے۔

نجد میں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم تھی ان لوگوں نے اس حکومت کو اتنے شاندار انداز میں قائم کر رکھا تھا کہ اس وقت کی طاقت ور وسیع حکومت ملوک حیرہ کی ہمسری کا دعوٰی رکھتی تھی اہل کندہ نے اپنی رعایا کو وہ تمام سہولتیں آرام اور سکون پہنچا رکھا تھا جو مناذرہ یعنی ملوک حیرہ کے باشندوں کو بھی حاصل نہ تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود کندہ کی یہ حکومت شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کی آرزو رکھتی تھی یہی وجہ ہے کہ جب نوشیروان کے باپ قباد نے ''مزدؔ'' کا مذہب اختیا کیا تو حکومت کندہ کے حکمرانوں نے بھی شاہ فارس قباد کا مذہب اختیار کر لیا۔ بعد میں اسی وجہ سے حکومت کندہ تباہی کا شکار ہوئی یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں جتنا بیان کر دیا ہے عنوان کے مطابق اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

نجد وہ خطہ تھا جس کی آب وہوا عربی زبان کے لیے عجیب وغریب مناسبت رکھتی تھی۔ اس علاقے نے عربی زبان کے ایسے ایسے قادر الکلام شاعر پیدا کیے جو اپنی مثال آپ تھے۔ ''مہلہل'' اہل عرب کے ہاں شاعری کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا یہ اسی خاک نجد سے ہی پیدا ہوا تھا یہ بکر بن وائل قبیلے کے سردار کلیب کا حقیقی بھائی تھا اس کے علاوہ ملک شعراء امراء القیس جو عربی شاعری کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں اسی حکومت کندہ کا ہی شہزادہ تھا۔ اس کی شاعری اہل عرب کے ہاں ضرب المثل کا بھی درجہ رکھتی ہے۔ یہاں کے رہنے والے کس حد تک عربی زبان پر عبور رکھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتے تھے اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود جب کہ زمانہ نے لاتعداد کروٹیں لی ہیں کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں زبانوں میں کئی تبدیلیاں آچکی ہیں فصیح عربی زبان کا ملک عرب میں دور دور تک وجود نہیں مگر اس علاقے کے وہ رہنے والے جو پہاڑوں پر رہتے ہیں آج بھی بلا اختلاط فصیح عربی زبان بولتے ہیں اور اس زبان کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

سرکار مدینہ سرور سینہ فخر کونین تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت نجد کے علاقے میں قبیلہ بنو غطفان رہائش پذیر تھا۔ اس قبیلے نے اہل حق کے ساتھ مخالفت اور شرارتوں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ جب ان کی یہ حرکات حد سے تجاوز کر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو قرار واقعی سبق سکھانے کے لیے 4 ھ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی اجمعین کی جماعت کو ہمراہ لے کر خود نجد

تشریف لے گئے تاریخ اسلام میں اسے غزوہ ذات الرقاع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نیز اس کو غزوۂ محارب، غزوۂ بنی ثعلبہ اور غزوۂ بنی انمار بھی کہا جاتا ہے۔ اسی علاقہ کے مغربی حصے پر قبیلہ ہوازن وقبیلہ سلیم قابض تھے اس کے علاوہ قبیلہ حطیم کی ایک شاخ بھی خطہ نجد میں آباد تھی۔ پہلے نجد کا علاقہ تین حصوں میں منقسم تھا یعنی شمر۔ قصیم۔ اور عارض یہ تینوں حصے دوشیوخ کے زیرِ حکومت تھے۔ اس خطے کا شمالی حصہ جو صحرائے شام۔ عراق اور صحرائے حجاز کی طرف تھا علاقہ شمر کہلاتا تھا۔ اس کا دارالحکومت حائل تھا اس لیے بعض مورخ اسے علاقہ حائل بھی تحریر کرتے تھے۔

اس کے علاوہ جبل سلمٰی۔ جبل شمر اور کچھ مزید علاقے اور وادیاں بھی اس تقسیم میں شامل تھیں۔ یہاں پہاڑوں سے بہہ کر آنے والے خودرو قدرتی ندیوں کے پانی نے پورے علاقے کو سرسبز شادابی عطا کر رکھی ہے۔ قصیم کا تقریباً نصف حصہ حکومت شمر میں شامل تھا۔ شمر کی حکومت پر آل رشید قابض تھے اس حکومت کے زیرِ اثر قبیلہ طے (طی) کی ایک شاخ آباد تھی یہی وجہ ہے کہ یہ علاقہ اسی نام سے مشہور ہوا گزشتہ صدی سے ملک عرب کیونکہ سعودی خاندان کی حکومت کے زیراثر ہے اس لیے اب علاقہ نجد میں کسی اور کی حکومت نہیں یہ سارا علاقہ سعودی حکومت کے زیرِ اقتدار میں ہونے کی وجہ سے حکومت کے ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

صوبہ نجد کا تیسرا حصہ ''عارض'' یمن کے صوبہ احقاف کے ساتھ ملا ہوا ہے اس کو نجد یمن کہا جاتا ہے یعنی صوبہ نجد کا وہ حصہ جو یمن کی طرف ہے موجودہ صوبہ نجد سے عام طور پر مراد یہ حصہ لیا جاتا ہے اس صوبے کا امیر آل سعود کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ حصہ قصیم کا جنوبی حصہ اسی امارت کے تحت ہے۔ قدرت نے نجد کے اس حصہ کو شمر کے علاقے سے زیادہ سرسبزی اور شادابی عطا فرما رکھی ہے۔ وہابیوں کا امام محمد بن عبدالوہاب نجدی اس علاقہ کا باسی تھا اس لیے تقریباً یہ سارا علاقہ نجدی خیالات کے زیراثر ہے۔ نجد کے پھول۔ گھوڑے اور اونٹ بڑی شہرت رکھتے ہیں گھوڑے اور اونٹ اپنی چستی ہمت خوبصورتی اور مزاج کے اعتبار سے دنیا بھر میں منفرد مقام رکھتے ہیں یہاں وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت خوب ہوتی ہے نجد کے علاقے میں قریباً ہر قسم کے پھل اور میوہ جات پائے جاتے ہیں جو یہاں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔

(2) یمن

یمن عرب کا قدیم مقام ہے یہ کب آباد ہوا اور کس نے آباد کیا تاریخ اس کا حتمی جواب دینے سے معذور ہے اس صوبہ کی تاریخ ابتداء تو معلوم نہیں البتہ اس قدر معلومات ضرور دستیاب ہیں کہ اس علاقہ میں وقتاً فوقتاً عمالیق۔ اہل معین۔ عاد۔ ثمود۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں قائم ہوئی تھیں۔ جنہوں نے اس علاقہ میں بڑی بڑی عظیم الشان عمارات تعمیر کیں۔ مدتیں گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک ان قدیم عمارتوں کے آثار موجود ہیں۔ ان اقوام نے زراعت کے میدان میں کمال درجے کی ترقی حاصل کر رکھی تھی۔ وادیوں کی زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے پانی روک کر چھوٹے بڑے بند (ڈیم) بنا رکھتے تھے۔ یہاں دنیا کا سب سے پہلا ڈیم ''سد مآرب'' بنایا گیا جس کا ذکر

قرآن کریم فرقان حمید (سورۃ سبا آیات 15، 16) میں بھی موجود ہے۔اس بند (ڈیم) سے حاصل شدہ پانی کی مدد سے حد نگاہ تک زمین کو سیراب کر کے ہر قسم کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں پھر جب یہ قوم احکامات خداوندی کو توڑ کر بت پرستی اور شرک کی لعنت میں گرفتار ہوئی تو اللہ کریم نے ایک معمولی چوہے کو حکم دیا کہ بند کی بنیاد میں سوراخ کر دے اس نے ایسا ہی کیا اور یوں اس بند کے پانی نے اپنی سرحدوں سے آزاد ہو کر اس پورے علاقہ کو تہہ و بالا کر دیا۔یوں عذاب الٰہی کی شکل میں اسی پانی نے جو وہاں کی سرسبزی وشادابی کا ذریعہ تھا چاروں طرف ایسی تباہی مچائی کہ پھر ہو سو ویرانی کا دیونا چنے لگا۔ ہندوستان۔فارس۔حبش۔مصر اور عراق کی تجارتیں یہاں رہنے والوں کے واسطے سے ہی قائم تھیں۔یہاں کی پہاڑیوں سے قیمتی پتھر اور جواہرات کثرت سے نکالے جاتے تھے۔سامان عطریات و بخورات اسی مقام سے دنیا کے دوسرے ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔

یمن زمانہ قدیم سے لے کر آج تک عرب کا مشہور۔تہذیب یافتہ۔مرکز علم۔سرسبز وشاداب۔سب سے زیادہ آباد۔سب سے زیادہ زرخیز نیز بڑا شہرت یافتہ اور متمدن صوبہ ہے یہ مقام اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی علمی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس صوبے میں قدیم شاندار عمارتوں کے آثار دیکھ کر اس وقت کی تہذیب و تمدن اور ترقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔یہ مردم خیز علاقہ ہے جہاں سے علم وعرفان کے کئی مشہور شہسوار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علم کی روشنی اطراف عالم میں پھیلائی اور انسانوں کو تاریکی کی دنیا سے نکال کر علم کی دنیا میں پہنچانے کا فریضہ ادا کیا۔اس علاقے کے قرب وجوار میں قائم حکومتوں مثلاً روم۔فارس (ایران) اور حبشہ نے کئی بار حملے کیے اور کبھی اس پر فتح بھی حاصل کی مگر یہاں مستقل حکومت قائم نہ کر سکے اور تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد واپس جانے پر مجبور کر دیئے گئے۔آخری بار حکومت حبشہ اس علاقے پر قابض ہوئی اور ستر (70) برس تک قابض رہی اسکے بعد حکومت فارس (ایران) نے بزور شمشیر حبشہ کی حکومت کا اس علاقہ سے اقتدار ختم کر کے خود اپنی حکومت قائم کر لی۔
سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس صوبہ پر باذان اہل فارس کی طرف سے ناظم مقرر تھا یا در ہے اللہ کریم نے اس ناظم (گورنر) باذان پر اپنی رحمت خاص کا نزول فرمایا اور یوں باذان 7 ہجری میں حلقہ بگوش اسلام ہوا اور یوں باذان سے باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم عہدے سے سرفراز ہوا۔اہل یمن کی اکثریت یہودی مذہب رکھتی تھی 10 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن روانہ فرمایا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یمن پہنچے تو تمام یہودی اپنا مذہب ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔
ہمدان یمن کا ایک مشہور طاقت ور قبیلہ تھا یہ قبیلہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر صرف ایک دن میں بیعت کرنے کے بعد اسلام کے دائرہ میں شامل ہو گیا۔

یمن قدیم ترین مقام ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں یہاں کے مشہور مقامات میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں مگر صدیاں گزر جانے کی وجہ یہ مقامات ویران ہو کر ریت کے سمندر میں غرق ہو چکے ہیں ان میں سے بعض

ابھی بھی موجود ہیں جبکہ کئی ایک کے ویران کھنڈر عمارت کی شان وشوکت کا پتہ دیتے ہیں۔اوزال۔ براقش۔معین، مارب، ظفار، شیبان۔نستق۔خولان۔سبوہ۔قرن۔صنعاء اور عمران وغیرہ یہ تمام نام موجودہ دور کے ہیں جبکہ ان مقامات کے قدیم نام متروک ہیں یہ علاقہ نہایت ہی سرسبز وشاداب ہے اس بات کا اندازہ ملک کی آبادی اور اسکے صوبوں کی تقسیم سے کیا جاسکتا ہے۔مشہور زمانہ مورخ یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی کی جلد 1 صفحہ 314 پر ان صوبوں کی تعداد چوراسی (84) بتائی ہے۔جس ملک کے صوبوں کی تعداد 84 ہو وہاں کی آبادی اور سرزمین کی زرخیزی کا متلاشی علم خود اندازہ لگا سکتا ہے۔کیونکہ یہ ایک حقیقی عمل ہے کہ جہاں انسانی زندگی کی ضروریات وافر مقدار میں موجود ہوں گی وہ علاقہ زیادہ آباد ہوگا۔۔مورخین نے ملک یمن کی بڑی بڑی تقسیم یوں کی ہے۔

(1) حضرموت
(2) احقاف
(3) صنعاء
(4) نجران
(5) عسیر

یہ علاقے اس ترتیب کے مطابق مشرقی وجنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوب مغربی حدود یعنی حجاز مقدس تک کے سواحل بحر احمر پر واقع ہیں یہاں میں صنعاء نجران اور عسیر کے حصوں کا مختصر حال تحریر کرنے کے بعد حضرموت اور احقاف کا حال ذرا تفصیل سے الگ تحریر کروں گا کیونکہ عرب جغرافیہ نویسوں نے خشک اور وسیع صحراؤں کے پیچھے جنوب میں ملک عرب کے حقیقی خطے کی تقسیم جن آٹھ حصوں میں کی ہے ان میں حضرموت اور احقاف کو الگ الگ حصہ بتایا ہے۔اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ ہم بھی ان حصوں کا حال الگ الگ تحریر کریں تا کہ جہاں ملک یمن کی تقسیم کا بیان بھی آجائے وہاں عرب جغرافیہ نویسوں کی تحقیق بھی بیان ہوجائے۔

صنعاء یمن

صنعائے یمن حقیقت میں ملک یمن کا قلب ہی نہیں بلکہ قدیم ترین تمدن کی آماجگاہ ہے یہ خطہ بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی ومغربی گوشہ میں واقع ہے۔اس علاقے میں سباء اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں اپنے اپنے وقت میں سیاہ وسفید کی مالک تھیں۔ ہر سُو انکا طوطی بولتا تھا۔صنعاء یمن وہ علاقہ ہے جہاں دنیا کا سب سے پہلا بند (ڈیم) ''سد مآرب'' تعمیر کیا گیا تھا۔اس بند سے حاصل ہونے والے پانی کی مدد سے اس علاقے کی وادیاں سرسبز وشاداب تھیں حدنگاہ تک پھلوں کے باغات جنت النظیر کا نقشہ پیش کرتے تھے۔ظفار۔مارب۔اوراوزال یہیں کے پایہ تخت تھے۔قصر غمدان۔قطر ناعط۔قصر صرواح۔قصر ریدہ اور قصر مدارسی وغیرہ اس سرزمین پر فن تعمیر کے شاہکار تھے۔ہمدانی لکھتا ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان محلات کو دیکھا تھا یاد رہے ہمدانی چوتھی صدی ہجری کا مورخ

تھا اس کے بیان سے ثابت ہو جاتا ہے چوتھی صدی ہجری میں بھی ان محلات کا وجود باقی تھا۔ ملکہ سباء اسی علاقے کی شہزادی تھی جس کا مفصل حال ہم اس کتاب کے پہلے حصہ ابتدائے نسل انسانی میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

صنعاء

صنعاء یمن کا مشہور مقام ہے اور موجودہ دور میں ملک یمن کا دارالحکومت بھی یہی شہر ہے۔ صنعاء یمن کے قدیم ترین شہر اوزال کے قریب اسلام سے کچھ عرصہ پہلے آباد ہوا تھا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس شہر کے رہنے والے 10 ہجری میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اب اس شہر کی زیادہ تر آبادی زیدی مسلک سے تعلق رکھتی ہے یہ لوگ معتزلہ عقائد کی شاخ ہیں اور ایک زیدی سادات کی امامت میں اپنے عقائد معتزلہ پر کاربند ہیں۔ اس علاقے کا قہوہ بڑا مشہور ہے۔ یہ شہر زید یمن کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

نجران

نجران بھی ایک قدیم شہر ہے اور اب سعودی عرب کے صوبہ نجران کا صوبائی صدر مقام۔ یہ شہر بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان ایک مختصر سی آبادی تھی۔ بقول یعقوبی زمانہ قدیم میں یہاں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنونزار آباد تھے۔ ظہور اسلام سے پہلے روم اور اہل حبشہ کی شب وروز کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ بعد میں جب یہودی طاقت میں آئے تو انہوں نے زبردستی بزور شمشیر یہاں کے لوگوں کو یہودی بنانا چاہا مگر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اہل یہود کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اہل نجران کو روم اور حبشہ کی ہمسایہ عیسائی حکومتوں کی مکمل حمایت اور مدد حاصل تھی۔ اہل نجران نے روم اور حبشہ کی حکومتی مدد سے یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کر رکھا تھا جسے عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے شہرت حاصل تھی یہاں کے لوگ عیسائیت پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قریش مکہ اور یہود کے کہنے پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر مناظرہ کرنا چاہا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نجران کے وفد سے فرمایا تھا کہ میں تم سے مناظرہ نہیں کروں گا بلکہ مباہلہ کرونگا۔ جس کا مجھے اللہ کی طرف سے حکم ہوا ہے۔ وفد کے لوگوں نے کچھ دیر کی مہلت مانگی تاکہ آپس میں مشورہ کر سکیں۔ وفد نجران نے اپنے عالم اور سب سے زیادہ صاحب الرائے شخص ''العاقب'' جسکو ''عبد المسیح'' کہتے تھے سے مباہلہ کے بارے میں مشورہ کیا تو اس نے جواب دیا ''اے گروہ نصاریٰ بے شک تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا برحق رسول ہے (ہیں)۔ اگر تم لوگوں نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو یاد رکھو تمہاری جڑیں تک اکھاڑ دی جائیں گی اور تم لوگ تباہ و برباد ہو جاؤ گے اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے صلح کر لو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ گروہ نصاریٰ نجران، سرکار

دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ سے مباہلہ نہیں چاہتے آپ اپنے دین پر قائم رہیں ہم اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے کسی صاحب الرائے صحابی کو ہمارے ساتھ نجران روانہ فرمادیں تاکہ وہ ہمارے مالی اختلافی امور میں ہمارے درمیان فیصلہ کیا کرے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ ہماری مرضی کے مطابق ہیں"۔ وفد نجران کی یہ درخواست سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا۔

روایت از محمد بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(عربی روایت) "اِیْتُوْنِی الْعَشَّةَ اَلْبعَثُ مَعَکُمُ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنَ"

ترجمہ "تم لوگ شام کو میرے پاس آؤ میں ایک قوی امانتدار کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا"

ارکان وفد نجران شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وفد کے ہمراہ نجران روانہ فرمایا۔ یہ وفد نجران 9 ہجری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ آیت دعوتِ مباہلہ اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔ سورۃ آل عمران آیت 61۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ
نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ
عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: "پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں"۔ (سورۃ آلِ عمران آیت 61)

(3) الحسا موجودہ بحرین

الحسا قدیم مقام و نام ہے اس کا موجودہ نام بحرین ہے یہ حصہ ارد گرد کے جزیرہ کی اہمیت کے پیش نظر بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے یہ ریاست عمان سے لے کر دریائے فرات تک خلیج عرب (خلیج فارس) کے کنارے کنارے چلا گیا ہے اس لئے بحرین کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ ایک مکمل ساحلی مقام ہے اس کے شمال میں سعودی عرب۔

کویت۔عراق اس کے جنوب میں قطر وعمان اس کے مغربی جانب سعودی عرب اور مشرقی جانب خلیج عرب (خلیج فارس) واقع ہے۔ موجودہ بحرین کو چھوڑ کر الحساء (الاحساء) کے باقی میدانی علاقے اب سعودی عرب کی مملکت کا حصہ ہیں۔

الحسا (بحرین) کے گرد واقع جزائر اور سواحل موتیوں کی کانیں ہیں یہاں سال بھر ہزاروں کشتیاں اور غوطہ خور قیمتی موتی تلاش کرنے میں مشغول رہتے ہیں قدرت نے یہ موتی سمندر کی تہہ میں پیدا فرما کر انسانی رزق کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔یہاں کے باشندے قدرت کی یہ پوشیدہ قیمتی دولت حاصل کر کے آرام وسکون کی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔

اس ریاست کی تاریخ نہایت ہی قدیم ہے اس مقام پر قبیلہ طسم آباد تھا اس قبیلے پر بنو جدلیس نے حملہ کرنے کے بعد فتح حاصل کی اور یوں تاریخ عالم میں بنو طسم مٹ کر رہ گیا۔بنو جدلیس اس مقام پر بنو طسم کو مٹا کر یمامہ کے مالک بنے تھے شاہ یمن حسان نے جب بنو جدلیس پر حملے کیے تو یہ لوگ وہاں سے بھاگ کر اسی مقام الحسا (الاحساء) یعنی بحرین میں پناہ گزیں ہوئے ان کے بعد عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبد القیس اس جگہ مقیم ہوا۔قبیلہ بنو ربیعہ کی بعض شاخیں بھی یہاں آ کر آباد ہوئیں۔تاریخی اعتبار سے الحسا بحرین بڑی اہمیت کا حامل ہے۔چھٹی صدی عیسوی میں اہل فارس یہاں قابض تھے اہل فارس کی طرف سے مناذرہ عراقی حیرہ اس مقام کی دیکھ بھال اور حکمرانی کے لیے مقرر تھے۔یعقوبی اپنی تصنیف میں تحریر کرتا ہے کہ الحسا میں اہل فارس کی طرف سے مناذرہ عراقی حیرہ بحرین کے حاکم تھے عرب کے مشہور شاعر ''طرفہ'' کو آل منذر کے اشارے پر یہیں قتل کیا گیا تھا۔چھ ہجری (6ھ) میں سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کو دعوت اسلام کا نامہ مبارک بھیجا جیسے ہی حاکم منذر بن ساوی کو آپ علیہ السلام کا نامہ مبارک ملا وہ اور اس کی عرب رعایا تمام کے تمام مسلمان ہوئے۔بحرین سے ہی بنو عبد القیس کا ایک وفد مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم نور مجسم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا تھا الحسا بحرین ہی میں وہ مقام ہے جہاں کے مجوسی جو کہ نیم مسلمان تھے جنہیں ''قرامطہ'' کہا جاتا ہے مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر حجر اسود کو اٹھا کر اپنے ہمراہ لے گئے جسے بعد میں اہل حق نے ان لوگوں سے بزور شمشیر حاصل کر کے دوبارہ بیت اللہ شریف کی عمارت میں اس کی اصل جگہ لگایا۔یہ واقع اس وقت پیش آیا جب اسلام اطراف عالم میں پھیل چکا تھا مگر باہمی چپقلشوں کی وجہ سے مرکز کمزور ہو چکا تھا۔مجوسی کیونکہ ایران کے باشندے تھے جب مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا تو یہ لوگ بظاہر تو مسلمان ہو گئے مگر دلی طور پر جن مجوسیوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ آہستہ آہستہ ایران سے نکل کر بحرین میں آباد ہوتے گئے کیونکہ یہ جگہ ایران کے قریب ہونے کی وجہ سے ان کے لیے آسان اور محفوظ جائے پناہ تھی۔بحرین قرامطہ کی اصل طاقت کا مرکز تھا بعد میں مسلمانوں نے اس فرقے کا صفایا کر دیا تھا۔بہر حال قرامطہ خود اور ان کا مذکورہ فعل تاریخ میں ایک بدنام دھبہ ہے۔

Marfat.com

عمان (اومان)

بحرین کے بعد اس کے جنوب کی طرف عمان ہے۔ یہ ریاست خلیج عرب (خلیج فارس) سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے اس کے جنوب مشرق اور شمال میں خلیج عمان بحر عرب اور بحر ہند ہے جبکہ مغرب کی طرف سعودی عرب اور یمن جنوبی مغربی سمت میں عرب امارات واقع ہیں۔ مورخین عرب کا بیان ہے کہ یہ جگہ عمان حقیقت میں عمان بن قحطان نے آباد کی تھی اور وہ لوگ اصل میں اس کے آباد کار ہیں۔ اس بیان کے برعکس اگر تورات کی روایت کو دیکھا جائے تو یہ علاقہ عمان بن لوط علیہ السلام کا آباد کردہ ہے۔ ہم نے دونوں روایات بیان کر دی ہیں یہ ریاست نہایت سر سبز شاداب ہے یہاں کے سب سے بلند پہاڑ کا نام جبل ''اخضر'' ہے جس کی بلندی 3018 میٹر کے قریب ہے۔ اس ریاست کے پہاڑ معدنیات کی دولت سے مالا مال ہیں جبکہ اس کے دریا موتیوں کا خزانہ اور وادیاں نہایت زرخیز اور خوشبودار لکڑیوں کا گھر ہیں۔ یہاں کے مویشی بڑے مشہور ہیں خاص طور پر گھوڑا۔ گائے اور بکریاں خصوصی اہمیت کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ظہور اسلام سے پہلے قبیلہ ازد جسے اسد بھی کہتے ہیں اسکی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ اوائل زمانہ اسلام میں یہاں دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی پہنچ چکی تھی اہل ریاست کی اکثریت اباضی طریقہ خارجی کی پیروکار ہے اس ریاست کا دارالحکومت مسقط ہے۔ تاریخی پس منظر معدنیات، زرخیزی، تیل کی دولت اور عمدہ مویشیوں کی وجہ سے یہ ریاست بڑی مشہور اور خاص اہمیت رکھتی ہے۔

احقاف

احقاف ''صحرائے اعظم الدہنا'' یا ''ربع خالی'' کے نام سے مشہور ہے یہ صحرا حضر موت۔ مغربی یمن۔ یمامہ۔ عمان اور بحرین کے درمیان واقع ہے۔ گویا یہ تمام علاقے اس صحرائے اعظم کے گرد ہیں۔ یہ علاقہ اگرچہ آبادی کے قابل نہیں کیوں کہ یہاں حد نگاہ تک ریت ہی ریت کی حکمرانی ہے سخت ترین گرمی پڑتی ہے اگر ہوا چلتی رہے تو اس شدت میں کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن جب ہوا بند ہو جائے تو اس مقام پر سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ ان حالات کی وجہ سے یہاں تو کوئی آبادی نہیں البتہ اس مقام کے اردگرد کچھ زمین آبادی کے لائق ہے مثلاً جیسے وہ حصہ جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے موجودہ دور میں تو یہ علاقہ بھی آباد نہیں کیونکہ اس دور کا انسان جو زندگی کی تمام سہولتوں کا عادی ہو چکا ہے یہاں کے سخت خراب موسمی حالات میں اس جگہ کیسے رہ سکتا ہے البتہ نجران اور حضر موت کے درمیانی حصے میں زمانہ قدیم میں قبیلہ عاد اور قبیلہ ارم جو زمانہ قدیم کے مشہور قبائل تھے اور تاریخ عالم میں اہم مقام رکھتے ہیں آباد تھے یہ وہ قبائل تھے جنہیں قدرت نے بڑی قدر و منزلت اور شان و شوکت عطا فرما رکھی تھی مگر یہ بدقسمت لوگ راہ حق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی پر کمربستہ ہو گئے تو قدرت نے ان قبائل پر عذاب مسلط فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا اور یوں انکا نام و نشان یوں مٹ گیا کہ گویا پہلے کبھی ان کا

وجود ہی نہ تھا۔

مرہ

مرہ یمن کے ساحلی مقامات میں سے ایک اہم مقام ہے اس کے علاوہ شجر۔ مکالہ لحج۔ الحدید۔ تعز۔ موریا اور بریم وغیرہ بھی اپنی اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں مرہ سمیت یہ تمام علاقے اوران کی حکومت الگ الگ شیوخ کے ماتحت ہے مرہ حضرموت کے مشرق میں واقع ہے۔

خطۂ حجاز

محل وقوع جغرافیائی اہمیت اور یہاں کے رہنے والوں کی نسبت سے یہ خطہ ہرلحاظ واعتبار سے سرزمین عرب کا انتہائی اہم حصہ ہے۔

اس خطے میں کوہ سینا کا سارا جزیرہ نما اور وہ ملک جو فلسطین سے بحراحمر تک واقع ہے شامل ہے حجاز شمالی سارا پہاڑی علاقہ ہے اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان واقع ہے۔ یہاں مشہور پہاڑ سینا موجود ہے اس کے اردگرد زمین پتھریلی ہے البتہ سمندر کے قریب یہ زمین ریتلی ہو جاتی ہے یہاں جس قدر بھی نباتات پائے جاتے ہیں وہ بڑی ہی پژمردہ حالت اور تعداد میں قلیل ہیں گو یہ خطہ بالکل ویران اور اجاڑ ہے مگر اس کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آسمانی کتاب تورات جو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اس کتاب میں اس خطے کا نام ادومیہ اور فاران آیا ہے۔ اس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحراحمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر (اردن اور شام) جبکہ جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سردات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جن میں بلند ترین چوٹی 8000 فٹ ہے۔ اسی سرزمین پر بنی اسرائیل نے مصر پہنچنے سے پہلے سالوں تک چکر کھائے۔ عمالقہ۔ مدیانیہ اور نطیہ اقوام جن کا ذکر تقریباً تمام عبرانی کتب میں موجود ہے اسی سرزمین کی باسی تھیں۔

اس سرزمین کا ذکر کرنا ہمارے لیے باعث اجر عظیم اور نہایت ہی دلکش ہے کیونکہ یہاں اہل ایمان کی وہ عظیم نشانیاں اور متبرک ترین شہر موجود ہیں۔ جن پر ہر مسلمان اپنی جان کا قیمتی سرمایہ تک قربان کرنے کو تیار ہے۔ فخر کونین تاجدار عرب وعجم ختم المرسلین سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جائے پیدائش اللہ کا گھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ وہاں ساری کائنات سے افضل واعلیٰ مقام روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم ہستی کے صدقے اس خطے کو ہی حجاز مقدس کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو زمانہ قدیم میں مکورابہ کہتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم کے ہجرت فرمانے سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہا جاتا تھا عربی زبان میں یثرب کے معنی بیماریوں کا گھر کے ہیں۔ مگر قربان جائیں رحمت دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قدم مبارکوں کے جیسے ہی ان عظیم قدموں نے سرزمین یثرب کو چھوا یہ زمین یثرب سے مدینہ منورہ میں تبدیل ہوگئی۔ اس مقدس شہر میں ہر سال

کروڑوں مسلمان اپنے پیارے آقا ومولا کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے انتہائی عقیدت واحترام سے سر کے بل چل کر آتے ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو روضہ مقدس کی حاضری نصیب فرمائے آمین۔
مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اردگرد زمین لوگوں کی رہائش کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے اب لوگ کافی دور دور تک آباد ہو چکے ہیں یہ علاقے قبائل عرب کے اصل مسکن ہیں۔ اس علاقے کے اردگرد بے شمار بستیاں آباد ہیں۔ نشیبی جگہوں پر کھیتی باڑی ہوتی ہے اور مویشیوں کے لیے چارہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں قدرتی چشمے موجود ہیں طائف اس علاقہ کا سرسبز صحت افزا اور پھلوں کی نسبت مشہور شہر ہے۔ ینبع اور جدہ اس خطے کے مشہور شہر ہیں جہاں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ ہر قسم کی ضروریات زندگی حاصل کرتے رہے ہیں۔ یہ نہایت ہی اہم ترین خطہ ہے۔

مکہ مکرمہ

خالق کائنات نے مکہ مکرمہ کی بستی کو بڑی عظمت تقدس اور قدرت عطا فرمائی ہے اس مقدس شہر کی عظمت و رفعت کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس مقدس شہر کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں باعث تخلیق ارض وسما فخر کونین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہ شہر 21.27 درجہ عرض بلد شمالی اور 39.49 درجہ طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ یہ شہر مبارک سطح سمندر سے 375 میٹر بلندی پر واقع ہے۔ پہاڑوں نے اس شہر کے اطراف میں قدرتی مضبوط دیواریں کھینچ دی ہیں۔ جبل طویق مدینہ طیبہ کے قریب 2800 فٹ (850 میٹر) بلند جبکہ اسی سلسلہ کوہ کی ریاض کے جنوب مغرب میں بلندی 3500 فٹ (1067 میٹر) تحریر کی ہے۔ اس مقدس شہر کے مشرق میں جبل خلیج (فلق) کا شمالی سلسلہ ہے جبکہ اسی سمت جبل قیقعان جبل ہندی۔ جبل لعلع اور جبل کدا واقع ہیں۔ آخر الذکر پہاڑ وہی ہے جس کے راستے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس مقدس شہر کے جنوبی سلسلہ کوہ میں جبل ابوحدیدہ۔ جبل کدی اور جبل ابی قبیس واقع ہیں مکہ مکرمہ کے مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل جندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہیں۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے ایک لمبی مدت تک یہاں کے دیگر قبائل پر اپنی بالادستی قائم رکھی۔ ان کے بعد قحطانی قبائل کافی عرصہ تک بنو اسماعیل پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد یہاں حکمران رہے آخر بنو اسماعیل میں سے قصیٰ نے قحطانیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد یہاں ایک مستقل ریاست قائم کی۔ یعنی قصیٰ قریش کے پدر اعلیٰ تھے۔ مکہ مکرمہ کے جنوبی پہاڑ قبیلہ ہذیل کا مسکن تھے۔ جنوب میں وادی القریٰ میں قدیم قبائل آباد تھے۔ جن میں بنو کنانہ اور بنو احابیش مشہور تھے۔
مکہ مکرمہ وہ چشمہ فیض وسخا ہے جہاں سے پورا عالم اور بنی نوع انسان دین ودنیا کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ یاد رہے اس عظیم ومقدس خطہ ارض کو اللہ تعالیٰ نے جو بدیع السمٰوات والارض ہے پوری زمین کی تخلیق کا سبب بنایا۔ مکہ مکرمہ کرہ ارض کا وہ واحد شہر مقدس ہے جو ابتداء سے آج تک آباد چلا آرہا ہے اور قیامت تک آباد رہے گا۔ اصحاب سیر اور تاریخ

نویسوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس پاک گھر کی بنیاد سیدنا حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔ یہ نیک کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ سے تقریباً 2200 سال پہلے سرانجام دیا گیا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک یہ مقدس شہر مذہبی۔ سیاسی اور تجارتی اعتبار سے پورے عالم کے لیے نہایت اہمیت کا حامل اور مرکز رہے گا۔ قربان جائیں خالق کائنات کی قدرت کے جس نے کرہ ارض پر کہیں سرسبز شاداب وادیاں۔ کہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے انواع اقسام کے چشمے کسی جگہ نہایت لذیذ پھلوں کے باغات اور کہیں حدنگاہ تک ہمیشہ آنکھوں کو فرحت بخشنے والے حسین مناظر پیدا کیے ہیں۔ ان تمام مذکورہ مقامات کو چھوڑ کر اپنے گھر کی تعمیر کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جہاں لق ودق صحرا۔ اجاڑ وادیاں اور سیاہی مائل بنجر وخشک پہاڑ تھے۔ جہاں۔ سرسبزی کا تو کیا ذکر گھاس کا ایک سبز تنکا بھی دیکھنے کو میسر نہ تھا۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا یہ وادی غیر ذی زرع ہے۔ اس وادی کے اردگرد میلوں تک لق ودق صحرا اور اجاڑ بیابان صحرا پھیلے ہوئے تھے۔ اردگرد کہیں انسانی آبادی کا وجود نہ تھا۔ اللہ کریم نے ایسی جگہ کو اپنے گھر کی تعمیر کے لیے منتخب فرما کر بنی نوع انسان کو بتادیا کہ وہ جس جگہ اور چیز کو چاہتا ہے اپنی خصوصی رحمت سے یوں نواز دیتا ہے کہ وہ پوری عالم انسانی کے لیے مرکز کی حیثیت بن جاتی ہے۔ اطراف عالم سے انسان اس متبرک جگہ پر فیضان خالق کائنات حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق چلے آتے ہیں اور پھر انسانی آنکھ رحمت۔ برکت۔ شفقت اور رعنائیوں کے ایسے روح پرور اور ایمان افروز مناظر دیکھتی ہے جس کا بیان احاطہ قلم سے باہر ہے۔ اللہ کریم نے اس جگہ کو یہ شرف قدر ومنزلت۔ مقام اور عالم اسلام کی مرکزیت کا شرف اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مبارک قدموں کے طفیل عطا فرمایا۔ قیامت تک اہل حق کے لیے مکہ مکرمہ میں برکتیں اور رحمتیں رکھ دیں۔ سبحان اللہ

مکہ مکرمہ کے مبارک نام

قدرت نے زمیں پر جتنے مقامات بنائے ہیں ان سب میں سے جہاں شرف۔ عزت۔ برکت۔ عظمت۔ رفعت شان۔ اور فیوض کمالات میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو یکتا اور منفرد بنایا ہے وہاں اسماء کے اعتبار سے بھی جس قدر کثرت ان دوشہروں کو عطا فرمائی ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کے جتنے نام ہوں گے وہ عزت وشرف وعظمت کے میدان میں اتنا ہی اہم اور مخصوص ہوگا۔ اللہ کریم نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو اتنے نام عطا فرما کر ان مقدس مقامات کی اہمیت دنیا پر ظاہر فرمادی ہے۔ قرآن کریم فرقان حمید میں متعدد مقامات پر ان مقدس شہروں کا ذکر فرمایا ہے۔ مکہ مکرمہ کے تمام ناموں کی تشریح بیان کرنا تو یہاں ممکن نہیں ہے کیونکہ اس طرح موضوع نہایت ہی طویل ہو جائے گا البتہ ان ناموں میں سے چند مشہور اور چیدہ چیدہ ناموں کا مختصر حال بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ سب سے پہلے مکہ مکرمہ کے قرآن کریم میں مذکور ناموں کی فہرست تحریر کی

Marfat.com

جارہی ہے۔ یہ نام قرآن کریم کے حوالوں سے عرض کررہا ہوں۔ مکہ مکرمہ کے یہ صفاتی نام ہیں ہر نام اپنے اندر معنی کا ایک ذخیرہ رکھتا ہے۔

1۔ بیت امن :سورۃ البقرآیت125
2۔ بلد امن: سورۃ البقرآیت126، سورۃ تین آیت 3، سورۃ ابراہیم آیت35۔
3۔ بکہ: سورۃ آل عمران آیت96۔
4۔ ام القریٰ :سورۃ الانعام آیت92، سورۃ الشوریٰ آیت 7۔
5۔ بیت: سورۃ البقرآیت 127، 158، سورۃ الانفال آیت35، سورۃ الحج آیت 26، سورۃ البقرآیت125، 127، 158، سورۃ آلِ عمران آیت94، 97، سورۃ قریش آیت3۔
6۔ بَلۡدَۃَ الَّذِیۡ حَرَّمَہَا: سورۃ النمل آیت91۔
7۔ بلد: سورۃ بلد آیت1، 2
8۔ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ: سورۃ ابراہیم آیت37
9۔ کعبہ: سورۃ المائدہ آیت95، 97۔
10۔ مکہ: سورۃ الفتح آیت24
11۔ بَیۡتُ الۡمُحَرَّمُ: سورۃ ابراہیم آیت37
12۔ بیت العتیق : سورۃ الحج آیت29، 33۔
13۔ بوادِ غیر ذی زرع: سورۃ ابراھیم آیت37۔
14۔ بیت الحرم: سورۃ المائدہ آیت2، 97، سورۃ ابراہیم آیت37۔
15۔ مسجد الحرام :سورۃ البقرہ آیت144، 149، 150، 191، 196، 217، سورۃ المائدہ آیت 2۔ سورۃ الانفال آیت34۔ سورۃ توبہ آیت7، 19، 28، سورۃ بنی اسرائیل آیت 1، سورۃ الحج آیت25۔ سورۃ الفتح آیت25، 27۔

''قرآن کریم میں مذکور مکہ مقدسہ کے اسمائے مبارکہ کی مختصر وضاحت رقم کی جارہی ہے۔''

مکہ مکرمہ

خالق کائنات نے اپنے اس مقدس شہر مکہ مکرمہ کا جہاں اس کا گھر اہل ایمان کے لیے ہزاروں نعمتیں اور برکتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہر گناہ گار کی بخشش کا سامان مہیا کرتا ہے وہاں اپنی آخری اور سچی کتاب میں ذکر فرما کر اس شہر کی عظمت کو ان الفاظ مبارکہ میں یاد فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الفتح آیت 24۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے وادی مکہ میں۔اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔'' (سورۃ فتح آیت 24)

مکہ مکرمہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے جو آج تک آباد چلا آرہا ہے۔اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں اس نام کا ذکر کیا جانا اور دوسرا اس کے نام کی قدامت ہے۔کیونکہ اس شہر کا نام ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی وہی ہے جو اس کے بعد معمار اوّل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا۔مکہ نہایت ہی قدیم ہے۔یہ لفظ مک سے مشتق ہے جس کے معنی جذب کرنے اور دھکیلنے کے ہیں۔دوران حج اور عام حالات میں یہاں لوگوں کا ہجوم کثیر ہوتا ہے اور دوسرا گناہ گاروں کے گناہ حج کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔اس لیے یہ مکہ کہلاتا ہے۔عربی زبان میں مکہ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مقناطیسی یا کھینچنے کی قوت والا۔یہاں اللہ کا گھر ہے جو پوری دنیا کے لیے باعث برکت اور افضل ترین مقام ہے۔اس لیے لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں۔تورات میں اس شہر کو ''مشا'' کہا گیا ہے۔عبرانی زبان میں مکہ کو مشا کہا جاتا تھا یا یوں کہہ لیں کہ عبرانی زبان میں مشا کہتے تھے جو عربی زبان میں مکہ کہلاتا ہے۔

بلد

قرآن کریم میں مکہ مکرمہ کے عظیم الشان شہر کو بلد کے نام سے بھی پکارا ہے جس کا معنی تو شہر ہی ہے مگر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خالق حقیقی سے مکہ مکرمہ کو امن والا شہر بنانے کی التجا کی جسے خالق کائنات نے قبول فرماتے ہوئے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا۔سورۃ النمل آیت 91۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

ترجمہ: مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ عبادت کروں اس شہر کے رب کی جس نے اسے حرمت والا کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے۔اور مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہوں۔(سورۃ النمل آیت 91)

لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾

ترجمہ: ''مجھے اس شہر کی قسم کہ اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔''

(سورۃ البلد آیت 1 تا 2)

خالق کائنات نے اس شہر (مکہ مکرمہ) کو حرمت والا کیا اور یوں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اس شہر میں رہتے ہوئے آپ علیہ السلام نے اپنے رب کی عبادت کا حکم بھی سنا اور اس پر عمل فرمایا۔ دوسری سورۃ مبارک البلد کی پہلی دو آیتوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے غور کرنے کی ضرورت ہے ان مبارک آیات میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کی عظمت وشان کو خالق کائنات نے کس انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ فرمایا مجھے اس شہر کی قسم۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس چیز یا نام کی قسم اٹھائی جائے وہ قسم اٹھانے والے کو محبوب ترین ہوتی ہے اسی لیے تو کہنے والا کہتا ہے مجھے اس چیز کی قسم۔ اس نام کی قسم وغیرہ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات نے سورۃ النمل میں بھی اسی مقدس شہر (مکہ مکرمہ) کا ذکر فرمایا ہے مگر اس شہر کی قسم نہیں اٹھائی جبکہ سورۃ البلد میں اسی شہر (مکہ مکرمہ) کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ سبحان تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جزو جان بنا کر سوچیں تو وجہ فوراً سمجھ میں آجائے گی اور عشاق کے ایمان میں ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ فخر کونین تاجدار رسل۔ بے کسوں کے کس۔ فخر موجودات۔ تاجدار عرب وعجم حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شان رفعت وعظمت اور مالک ارض وسماء کے ہاں آپ علیہ السلام کی محبوبیت ومقام کا پتہ چل جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں نے اس شہر (مکہ مکرمہ) کی قسم اس لیے اٹھائی ہے کہ تو یہاں جلوہ گر ہے۔''

معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کو یہ شان، رفعت اور عظمت ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صدقے حاصل ہے اور یوں یہ شہر اللہ کریم کو اس قدر محبوب اور پیارا ہو گیا کہ وہ اس شہر کی قسم اٹھاتے ہوئے اس کا ذکر فرمار ہا ہے۔

بَکَّہ

مکہ مکرمہ کو قرآن کریم میں بَکَّہ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ یہاں ہم مختصر الفاظ میں لفظ بکہ کی تشریح پیش کر رہے ہیں۔ اس شہر کو ''بکہ'' کیوں کہا جاتا تھا۔ سیرت ابن ہشام نے لفظ بکہ کی تشریح کرتے ہوئے چند روایات بیان کی ہیں جن کا خلاصہ تحریر کر رہا ہوں۔

(1) بکہ لفظ بک سے مشتق ہے جس کے معنی گردن توڑ دینا کے ہیں۔ جب کوئی بادشاہ یا حکمران مکّہ کی بے حرمتی کا ارادہ کرتا تو وہ فوراً تباہ و برباد ہو جاتا۔ بڑے سے بڑا سرکش اس شہر میں برائی کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کرتا تو اس کی گردن ٹوٹ جاتی اس لیے اس شہر کا نام بَکّہ پڑ گیا۔

(2) مکہ کے اندر ایک وادی ہے جس کو بَکّہ کہتے ہیں۔ اس وادی میں کیونکہ ہمیشہ لوگوں کا ہجوم کثیر رہتا تھا اس لیے اس وادی کا نام بکہ مشہور ہو گیا۔

(3) لفظ بکہ کے ایک معنٰی کثیر ہجوم کے بھی ہیں۔

(4) بکہ خصوصی طور پر کعبۃُ اللہ کی جگہ اور مسجد کو ہی کہا جاتا ہے۔

(5) اس شہر کو بکہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ یہاں ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ بڑے سے بڑا متکبر اور دنیاوی شان وشوکت رکھنے والا اس جگہ عاجز و مسکین نظر آتا ہے۔ جو اس مقدس شہر کی طرف بُرا ارادہ لے کر آیا وہ تباہ و برباد ہو گیا اس لیے اس شہرِ مقدس کو بکہ کہا جاتا ہے۔

(6) قرآن کریم میں اس شہر کو "بِبَكَّةَ مُبَارَكَةً" کے الفاظ سے پکارا گیا ہے۔ بکہ جمع ہونے کی جگہ کو کہا گیا ہے۔ اس لیے ابتداء میں یہ نام صرف خانہ خدا کے لیے ہی مختص تھا۔ مگر بعد میں یہ تخصیص برقرار نہ رہی۔ قصی کے زمانہ میں حجاج کا اجتماع عین مسجد الحرام کے سامنے ہوتا تھا۔ بعد میں یہ اجتماع میدان عرفات میں شروع ہوا کیونکہ حجاج کی کثرت مسجد الحرام کے سامنے ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے اس جگہ کا بکہ سے بہتر کوئی اور نام نہیں ہوسکتا تھا۔

بہر حال مذکورہ روایات میں اہم ترین دو ہی باتیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض اہل سیر لفظ بکہ کی پہلے روایت کے قائل ہیں جبکہ کچھ آخری روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے تمام روایات کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں خدائے بزرگ و برتر نے لفظ بکہ یوں استعمال فرمایا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت معہ ترجمہ تحریر کی جا رہی ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 96۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: "بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ (بکہ) میں ہے برکت والا سارے جہان کا راہنما۔" (آل عمران آیت 96)

یہاں ایک اہم بات کی وضاحت کر دینا اشد ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے ارد گرد کا علاقہ تو بکہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ مکرمہ ہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے علاوہ باقی پورا شہر مکہ ہے۔" بکہ وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جاسکتا ہے اور یہ طواف صرف حرم شریف کے اندر ہی جائز ہے باہر نہیں۔ کیونکہ باہر کا علاقہ مکہ میں شامل ہے بکہ میں شمار نہیں ہوتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بلد امین

مکہ مکرمہ جس کے مختلف صفاتی ناموں کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ مقدس ترین شہر ہے جو وجہ تخلیق کائنات

ہمارے آقا ومولا تاجدار عرب وعجم مولا کائنات بے کسوں کے کس۔یتیموں۔فقیروں۔غریبوں۔حاجت مندوں کے ملجا۔فخر کونین سید المرسلین تاج الانبیاء ختم الرسل سرکارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جائے پیدائش اور خالق ارض وسما کا گھر ہے۔اس شہر میں اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔جن کی زیارت کرنے سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں ایمان کو حلاوت و چاشنی نصیب ہوتی ہے یہاں اللہ کے گھر میں ادا کی جانے والی نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔اس شہر کے اردگرد تقریباً تین سو (300) برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات مقدسہ ہیں۔ اللہ کریم نے اس شہر کو بلدامین کہا ہے۔یہ وہ شہر مقدس ہے جہاں کی خاک پر نبی مکرم نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاؤں مبارک لگے تو وہ خاک اس قدر پاک۔عظمت والی اور متبرک ہوگئی کہ خود خالق کائنات نے قرآن کریم میں اس خاک کی قسم اٹھا کر ہمیں اس کی عظمت اور تقدس کا پتہ بتا دیا پھر جس ہستی کے قدم مبارک کا صدقہ یہ خاک مقدس ہوگئی اس ہستی کی تعریف کرنا اور عظمت بیان کرنا انسانی عقل وشعور سے باہر ہے۔اس مقدس ہستی کی تعریف کرنا خالق کو ہی زیبا ہے۔ہم تو محض تعریف کرنے والوں کی فہرست میں سب سے نیچے جگہ حاصل کرنے کے متلاشی ہیں اللہ کریم حضور علیہ السلام کے صدقے ہماری اس کوشش کو قبول ومقبول فرمائے (آمین ثم آمین)

اللہ کریم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔سورۃ البلد آیات 1،2۔

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”مجھے اس شہر کی قسم اے حبیب تم (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اس شہر میں تشریف فرما ہو“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔سورۃ التین آیت 1،2،3۔

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِۙ ﴿۱﴾ وَطُوۡرِ سِيۡنِيۡنَۙ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِۙ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”قسم ہے تین (انجیر) کی اور زیتون کی اور قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر مکہ کی“

اللہ کریم نے مکہ کو امن والا شہر فرمایا۔اس شہر میں جو مومن داخل ہوگا وہ امن میں آگیا۔اس شہر مقدس میں کسی کا خون بہانے کی ہرگز اجازت نہیں حلال جانور تو درکنار یہاں حرام جانور کا شکار بھی منع ہے۔یہاں تک کہ چیونٹی اور جوؤں تک کو نہیں مارا جاسکتا۔اس شہر میں چرند۔پرند۔حیوانات۔نباتات۔حجر وشجر غرض ہر چیز امن وسلامتی کے دائرے میں آجاتی ہے۔اس شہر کی بزرگی وعظمت کا جو مقام ہے اس کا اندازہ ہم کیا لگا سکتے ہیں۔جبکہ خود خالق کائنات اس شہر کی فضیلت اور عظمت کی قسمیں اٹھاتا ہے۔پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اس گھر والے شہر کو یہ شان وشوکت عطا فرمائی۔

اُم القریٰ

مکہ مکرمہ کا یہ صفاتی نام ام القریٰ زبان زد عام نہیں مگر اس کی برکتوں اور نعمتوں سے ہر مسلمان مالا مال ہو رہا

ہے۔ خود خالق کائنات نے قرآن کریم میں ام القریٰ کے نام کا ذکر فرمایا ہے۔ ام القریٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس شہر کو ام القریٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ کرۂ ارض کے عین وسط میں واقع ہے۔ اسے زمین کی ناف بھی کہتے ہیں۔

ام القریٰ تمام اہل زمین میں بسنے والے مسلمانوں کا قبلہ ہے اور یہ بڑی ہی شان و شوکت والا شہر ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جیسے بیت المعمور آسمانوں کے عین وسط میں ہے اسی طرح مکہ مکرمہ یعنی ام القریٰ زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ عین بیت المعمور کے نیچے زمین پر ہے۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ "شہر ام القریٰ عزت۔ شرف۔ تکریم اور عظمت میں دنیا بھر کے تمام شہروں سے افضل و بزرگ و برتر ہے۔ خالق کائنات نے اسی شہر کو پھیلا کر کرہ ارض بنا دیا۔ اس لیے اسے ام القریٰ کہا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام شہروں کو اسی کی برکت سے نام اور شہرت حاصل ہوئی ہے"۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ الانعام آیت 92

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۗ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: "اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو پہلے تھیں اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار (ام القریٰ) کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں"۔ (سورۃ الانعام آیت 92)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ آیت 7 میں ارشاد فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ
الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ﴿٧﴾

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن وحی کیا تا کہ تم (دنیا کے) سب شہروں کی اصل ام القریٰ مکہ والوں اور جتنے اس کے گرد ہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤ اکٹھے ہونے کے دن سے اور جس میں کوئی شک نہیں (اس دن) ایک گروہ (ایمان والا) جنت میں جائے گا اور ایک گروہ (کفر والا) دوزخ میں۔'' (سورۃ الشوریٰ آیت 7)

مسجد الحرام

مکہ مکرمہ کو خالق کائنات نے مسجد الحرام کے نام سے بھی یاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ابتداء میں سارا علاقہ ہی مسجد الحرام کی طرح متبرک خیال کرتے ہوئے وہاں سکونت کی اجازت نہ تھی مگر قصیٰ نے صدیوں

پرانی اس روایت کوختم کرتے ہوئے بیت اللہ شریف کے نزدیک رہائش رکھنے کی اجازت دے دی اوراس کی وجہ یہ بتائی کہ میرے اہل خاندان مقدس لوگ ہیں اس لیے ان کو یہاں رہنے کا حق پہنچتا ہے۔حضرت امام عبدالرزاق بحوالہ عطا لکھتے ہیں کہ مسجد الحرام سے مراد پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ ہے۔اس سے مراد صرف بیت اللہ شریف ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ شہر کی حدود میں غیر مسلم کا داخلہ قطعی منع ہے۔قرآن کریم فرقانِ حمید کی سورۃ توبہ میں اس کا واضح حکم موجود ہے۔سورۃ التوبہ آیت 28۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والومشرک نرے ناپاک ہیں۔تواس سال کے بعدوہ مسجد الحرام کے پاس نہ آنے پائیں۔اور اگرتمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند کردے گا اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ علم وحکمت والا ہے۔'' (سورۃ توبہ آیت 28)

(یادرہے یہ حکم 9ہجری میں حضور علیہ السلام پروحی کیا گیا۔)

مکہ مکرمہ شہر کواللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔یہاں کی زمینوں کوفروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔اس شہر میں مقامی اوردوردراز سے چل کرآنے والے لوگوں کو رہنے کی یکساں آزادی ہے مگر مسلمان ہونا شرط لازم ہے۔پھر مقامی اورآباد ہونے والے سب کے حقوق بھی یکساں ہیں۔اسی طرح اللہ کریم نے یہ سورۃ اس وقت نازل فرمائی۔جب سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ تحریر فرمایا۔ارشاد ہوا۔سورۃ التوبہ آیت 7۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

ترجمہ: ''مگر وہ جن لوگوں سے تمہارا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) معاہدہ مسجد الحرام کے قریب ہوا'' (سورۃ توبہ 7)

مکہ مکرمہ کے آبادی میں اس کی مذہبی۔تاریخی۔تجارتی اور سیاسی اہمیت کی وجہ سے روز بروز اضافہ ہونے لگا اب یہاں صرف بنی جرہم کے لوگ ہی آباد نہ تھے بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے قبائل بھی یہاں آکر سکونت اختیار کر چکے تھے۔لاتعداد لوگ ہر وقت بیت اللہ کی زیارت کے لیے موجود رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کا ذکر سورۃ الحج میں یوں فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔سورۃ الحج آیت 25۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں اور جو (لوگوں) کو اللہ کی راہ سے اور (ادب والی) مسجد الحرام سے روکتے ہیں۔ جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے۔ جس میں مقامی (وہاں کے رہنے والے) اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں اس میں جو بھی حق راستہ چھوڑ کر ظلم کا راستہ اختیار کرے گا ہم اسے دردناک عذاب دیں گے۔'' (سورۃ الحج آیت 25)

سورۃ الحج میں اللہ کریم نے "العاکف" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس سے مراد قیام کرنا ہے حضرت امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارشاد فرماتے ہیں یہاں بھی مسجد الحرام سے مراد پورا حرم پاک یعنی مکہ مکرمہ ہے۔ کیونکہ العاکف سے مراد قیام کرنا ہے اور یہ ایک آسان اور واضح بات ہے کہ قیام بیت اللہ شریف کے اندر نہیں ہوتا بلکہ مکہ مکرمہ شہر کے مکانات قیام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں مسجد الحرام سے مراد پورا شہر مکہ مکرمہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے بنو جرہم کو مکہ مکرمہ میں رہائشیں اختیار کرنے کی عام اجازت عطا فرمائی وہ اجازت مسجد الحرام کے اندر نہیں بلکہ شہر مکہ مکرمہ میں تھی۔ مسجد الحرام کرہ ارض پر بسنے والے تمام مسلمانوں کے لیے نہایت ہی متبرک اور افضل ترین عبادت کی جگہ ہے۔ سورۃ الفتح آیت 25۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''وہ کفار (مکہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا تمہیں مسجد الحرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کے جبکہ وہ روکے ہوئے تھے اپنی (قربانی کی) جگہ (منیٰ میں) پہنچنے سے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں (مکہ میں ہیں) جن کو تم نہیں جانتے کہیں (بے خبری میں) تم انہیں روند ڈالو پھر تمہیں بے خبری میں ان کی

طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز (خون بہا اور انکے مرنے کا غم بھی) پہنچے تو ہم تمہیں کافروں کے قتال کی اجازت دیتے۔ان کا یہ بچاؤ اس لیے ہے کہ تا کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر وہ (مکہ میں موجود مسلمان کافروں سے) جدا ہو جاتے ہیں تو ہم ان لوگوں کو جو مکہ والوں میں سے کافر ہوئے دردناک عذاب دیتے''۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الفتح آیت 27 میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ نے اپنے رسول کا سچا خواب سچ کر دکھایا (لیکن اس سال ٹھہر وا گلے سال) اگر اللہ نے چاہا تم امن کے ساتھ ضرور مسجد الحرام میں داخل ہو گے کچھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کچھ بال کتراتے ہوئے تمہیں کسی کا ڈر خوف نہ ہوگا تو اللہ نے (ازل سے) وہ جانا جو تم نے نہیں جانا تو اس نے اس سے پہلے (ایک اور) قریب کی فتح (خیبر تمہارے لیے) کر دی۔ (سورۃ الفتح آیت 27)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔سورۃ توبہ آیت 7

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: مشرکوں کے لیے اللہ اور اسکے رسول کے پاس کوئی عہد کیونکر ہوگا مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد الحرام کے پاس ہوا۔تو جب تک وہ تمہارے لیے عہد پر قائم رہیں تم ان کے لیے قائم رہو بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں۔

سورۃ توبہ آیت 19 میں ارشاد فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: تو کیا تو نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد الحرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔ (سورۃ توبہ آیت 19)۔

سورۃ الانفال آیت 34

وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِیَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے وہ تو مسجد الحرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں۔ اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو علم نہیں۔ (سورۃ انفال آیت 34)

سورۃ بنی اسرائیل آیت 1

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

ترجمہ: وہ (اللہ کی) ذات (ہر عیب و کمزوری سے) پاک ہے جس نے اپنے (خاص) بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے آس پاس ہم نے (دین و دنیا کی) برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی کچھ (قابل دید) نشانیاں دکھائیں بے شک وہی سننے دیکھنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: سورۃ البقرہ آیت 144

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: بے شک ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان (کی سمت) میں پلٹنا دیکھ رہے ہیں تو ضرور ہم تمہیں اس قبلے (کعبہ) کی طرف پھیرتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو تو (اب) اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اس کی (مسجد الحرام) کی طرف پھیر دو اور بے شک وہ لوگ جنہیں کتاب (تورات

وانجیل) دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ (قبلے کی تبدیلی) ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور وہ جو کام کرتے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 144)

ارشاد باری تعالیٰ سورۃ البقرہ آیات 149 تا 150

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: ''اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم (سفر کے لیے) جہاں سے بھی نکلو تو (نماز میں) اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور بے شک وہ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور (اے لوگو) تم جو کام کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ اے محبوب تم جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے مگر جو ان میں ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ اس لئے ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ۔ (سورۃ البقرہ آیت 149 تا 150)

ارشاد ربانی سورۃ البقرہ آیت 191۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾

ترجمہ: اور ان (کافروں) کو (جو تم سے لڑیں) جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں وہاں (مکہ) سے نکالو جہاں سے انہوں

نے تمہیں نکالا تھا اور (ان کا سازشی) فتنہ (تو) قتل سے بڑھ کر سخت ہے۔ اور ان سے مسجد الحرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں لڑیں۔ پھر اگر وہ تم سے (مسجد الحرام میں) لڑیں (جنگ کریں) تو تم بھی انہیں وہاں قتل کرو (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے۔'' (سورۃ البقرہ آیت 191)

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 196 میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۗ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

ترجمہ: اور (احرام باندھنے کے بعد) حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے انہیں پورا کرنے سے) روک دیئے جاؤ تو جو قربانی (تمہیں) آسانی سے حاصل ہو (اسے بھیج دو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی (کا جانور) اپنی (ذبح کی) جگہ پہنچ جائے پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اور وہ احرام میں سر منڈا دے) تو (اس پر تین دن کے) روزوں سے یا (چھ مسکینوں کے کھانے کا) صدقہ یا (ایک بکری کی) قربانی (ان تینوں) سے کوئی ایک معاوضہ دینا (لازم) ہے پھر جب (رکاوٹ نہ رہے اور) تم مطمئن ہو جاؤ تو جو حج کے ساتھ عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو (اسے) قربانی کا جو (جانور) آسانی سے ملے (شکرانہ میں اس کی قربانی دے) پھر جو شخص (قربانی کا جانور یا اس کی قیمت) نہ پائے تو حج (کے دنوں) میں (اس پر) تین دن کے روزے (لازم) ہیں اور جب تم (اپنے گھر) لوٹ آؤ (تو پھر باقی) سات دن کے روزے (لازم) ہیں۔ یہ پورے دس (روزے) ہیں یہ (حج کے ساتھ عمرہ ملانا) اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں (وہ مسافر ہو) اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب (دینے) والا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 196)

سورۃ البقرہ آیت 217 میں ارشاد فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾

ترجمہ: اور تم سے ماہ حرم میں (مسلمانوں سے اتفاقاً سرزد ہونے والی) لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں (تو) آپ فرما دیجئے اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد الحرام (میں عبادت) سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا۔ اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے۔ اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر بن پڑے اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا۔ (سورۃ البقرہ آیت 217)

سورۃ المائدہ آیت 2

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۗ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

ترجمہ: اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں۔ اپنے رب کا فضل اور اسکی خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت 2)

بلد امن

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 126 میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ:۔ ''اور جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں۔ فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دونگا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کر دوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی''

(سورۃ البقرہ آیت 126)

قرآن کریم کی سورۃ ابراہیم آیت 35 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا''۔ (سورۃ ابراہیم آیت 35)

البیت العتیق

مکہ مکرمہ کے صفاتی ناموں سے ایک نام البیت العتیق بھی ہے۔ العتیق سے مراد قربانی کرنے کی جگہ ہے۔

یہاں بھی ایک بات وضاحت طلب ہے کہ بیت العتیق سے مراد مکہ مکرمہ شہر کی حدود میں مسجد الحرام یعنی بیت اللہ شریف نہیں۔

قرآن کریم کی سورہ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الحج آیت 33

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''تمہارے لیے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر میعاد تک پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے۔'' (سورۃ الحج آیت 33)

قرآن کریم کے اس فرمان مبارک کے بارے میں فخر کائنات نور مجسم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کی تمام پہاڑیاں اور نشیبی جگہ قربانی کرنے کے مقامات ہیں۔ اس تشریح مبارکہ نے یہ بات واضح کر دی کہ بیت العتیق مکہ مکرمہ کو کہا گیا ہے۔ بیت اللہ شریف کو نہیں۔ پھر حضور علیہ السلام سے لے کر آج تک حجاج کرام بیت اللہ شریف میں قربانیاں نہیں کرتے بلکہ منیٰ کے مقام پر جانور قربان کرتے ہیں اور قیامت تک امت محمدیہ کے لئے یہی حکم واجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 125 میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسماعیل (علیہم السلام) کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لئے''۔ (سورۃ البقرہ آیت 125)

ہم نے مکہ مکرمہ کے تمام ناموں میں سے چیدہ چیدہ اور اہم ترین ناموں کی مختصر تشریح قرآن کریم کے حوالوں سے عرض کر دی ہے باقی اس شہر کے مقدس صفاتی نام بھی تحریر کر رہے ہیں۔ ان بقایا ناموں کی تشریح نہیں کریں گے کیونکہ سلسلہ کلام بہت ہی طویل ہو جائے گا۔ البتہ مذکورہ نام جن کی تشریح عرض کر دی اب ان ناموں میں سے مکہ مکرمہ کے نام کی تشریح کچھ مزید اسمائے مکہ مکرمہ تحریر کرنے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں عرض کر رہا ہوں۔

1 ام رحم

2 الحاطمۃ

3 بطحا

4 عروض
5 الراس
6 المعاد
7 قریۃ النمل
8 مقدسہ (المقدسہ)
9 یلبہ
10 الباستہ
11 معطشۃ (المعطشہ)
12 البلدۃ
13 القریۃ
14 معاد
15 الوادی
16 ناستہ
17 نساستہ
18 صلاح
19 العرش
20 العریش
21 فاران
22 البیتۃ
23 نقرۃ الغراب
24 القادس
25 القادستہ
26 الحرم
27 برۃ (البرۃ)
28 ام کوثی
29 قریۃ العمس

Marfat.com

30 الرتاج
31 ام صبح
32 ام روح
33 بساق
34 مخرج صدق
35 السیل
36 النابیۃ
37 المکتان
38 ام الرحمۃ
39 العرمۃ
40 العُرش
41 الحرمۃ
42 العرویش
43 نادرۃ
44 العذراء
45 المعطشۃ
46 طیبۃ
47 الناشۃ
48 البساسۃ
49 سبرحۃ
50 السلام
51 ام زحم
52 قریۃ الحمس
53 القرش
54 الماذراء
55 سبرحۃ

56 ام راحم

مکہ مکرمہ کے نام

کُوثی

مکہ مکرمہ کو کوثی بھی کہا جاتا ہے۔ اس مبارک شہر کے ساتھ جبل قعیقعان (قیقعان) واقع ہے جس کے دامن میں قبیلہ بنی عبدالدار رہائش پذیر تھے اسی نسبت سے اس شہر مکرمہ کا ایک نام کوثی بھی ہے۔

الراس

عربی زبان میں راس سر کو کہتے ہیں اس شہر کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی شکل انسان کے سر کی مانند ہے اس لئے الراس بھی کہا جاتا ہے۔

الباسّۃ

اس مقدس شہر کی یہ خوبی ہے کہ یہ مقدس شہر ملحدین کو ختم کر دیتا ہے اور یہاں کوئی غیر مسلم داخل نہیں ہوسکتا اس نسبت سے اسے الباسۃ کہتے ہیں۔

قریۃ النمل

مکہ مکرمہ جب آباد ہوا تو اس جگہ کثیر تعداد میں چیونٹیاں پائی جاتی تھیں۔ عرب زبان میں چیونٹی کو نمل کہا جاتا ہے اس لئے اس شہر مقدسہ کو قریۃ النمل یعنی چیونٹیوں کی بستی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

المعاد

اللہ کریم نے قرآن مجید فرقان حمید میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ:۔ ''جس (اللہ تعالیٰ) نے آپ (علیہ السلام) پر قرآن کا حکم بھیجا ہے۔ وہ پھر آپ (علیہ السلام) کو پہلی جگہ (الی معاد) میں لانے والا ہے۔''

العاطمۃ

العاطمۃ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ظالم کو برباد کرنے والا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے اس شہر مقدسہ میں کچھ ظالم و جابر لوگ بھی موجود تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس شہر کو ان

لوگوں سے پاک وصاف کردیا اور یوں یہ شہر العاطمۃ یعنی ظالم و جابر لوگوں کو تباہ و برباد کرنے یا ایسے لوگوں کو شہر سے باہر نکال دینے والا بھی ہے۔

احادیث کی روشنی میں مکہ کا بیان

یہاں مکہ مکرمہ کی فضیلت۔عظمت اور مقام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کرر ہا ہوں۔جن کو پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو یہ شہر کس قدر محبوب ومقبول تھا اور اس کی کس قدر قدر ومنزلت ہے اور کیوں نہ ہو جب حضور علیہ السلام نے خود اس شہر کی تعریف فرمائی ہے۔

مسجد الحرام میں فضیلت نماز

حدیث کی مشہور کتاب ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث مبارکہ نقل کی گئی ہے۔حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

''مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار (50,000) نمازوں کے برابر ہے جبکہ مسجد الحرام (بیت اللہ شریف) میں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔''

اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھیں تو بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات نے کرہ ارض پر مسجد نبوی اور مسجد الحرام کو جو عظمت وفضیلت عطا فرمائی ہے وہ کسی اور مسجد کو حاصل نہیں جس مسجد میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو اس کی رفعتوں اور برکتوں کو احاطہ قلم میں لانا انسانی عقل سے باہر ہے پھر یہی مسجد الحرام وہ پاک جگہ ہے جہاں ہر وقت اللہ کریم کی نعمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔اس حدیث شریف پر اجماع امت ہے۔

مسجد الحرام کی فضیلت

مسجد الحرام کی فضیلت اور عظمت کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا اس حدیث مبارکہ کو حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں نقل فرمایا ہے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا۔''فضل المسجد الحرام علی مسجد کفضل مسجدی علی سائر المساجد ''

(تفسیر کبیر 158:8)

ترجمہ: ''مسجد الحرام کو مسجد نبوی پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے باقی مساجد پر مسجد نبوی کو۔''

مسجد نبوی وہ متبرک و پاک جگہ ہے جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سجدہ کی جگہ اور آخری آرام گاہ بھی ہے اس کی عظمت کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مگر مسجد الحرام کو مسجد نبوی پر جو فضیلت ہے اسکے بارے میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرما کر دنیا کو بتا دیا کہ مسجد الحرام کائنات میں اللہ کے حضور جھکنے کی جگہوں میں سب سے افضل ترین

Marfat.com

ہے۔ پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:۔ ''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجد کی نسبت ایک ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد الحرام کے کیونکہ مسجد الحرام میں ایک نماز اس سے بھی دوگنا زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔''

کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو مسجد الحرام میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس ناچیز فقیر اور تمام اہل ایمان صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بھی مسجد الحرام میں بار بار نمازیں پڑھنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

مکہ مکرمہ کی اہمیت وافضلیت

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ شہر سے بے پناہ عقیدت ومحبت فرماتے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد تقریباً بارہ سال کا عرصہ حضور علیہ السلام نے مشرکین مکہ کو دعوت حق کی تبلیغ فرمائی مگر وہ بدقسمت ہٹ دھرم لوگ رحمت کے اس دریائے بے کراں سے کماحقہٗ فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ قریش مکہ کی طرف سے ہر روز اہل حق پر مظالم برداشت کی حد سے تجاوز کرتے گئے آخر اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ السلام کو حکم فرمایا اہل حق کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت فرما جائیں۔ حضور علیہ السلام نے تمام اہل حق سے ارشاد فرمایا کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق ہجرت کر جائیں اس طرح جب مسلمان آہستہ آہستہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر چکے تو ایک رات آپ علیہ السلام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کی خاموشی میں اس مقدس مقام بیت اللہ شریف اور حجر وشجر ورحمتوں والے شہر کی ساری فضا کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

مَا اَطْیَبَکَ مِنْ بَلَدٍ وَّ اَحَبَّکِ اِلَیَّ وَ لَوْ لَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ

ترجمہ: ''اے مکہ تو کتنی شان وعظمت والا شہر ہے۔ اور تو مجھے بڑا ہی محبوب و پیارا ہے اگر میری قوم میرے لئے یہاں سے ہجرت کرنے کے حالات پیدا نہ کرتی اور اللہ تعالیٰ کا حکم نازل نہ ہوتا تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار نہ کرتا۔''

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ کہتے ہیں ہجرت سے پہلے میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اونٹنی مبارکہ پر سوار الحزورہ (حرم شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام ہے) کے قریب دیکھا آپ علیہ السلام مکہ شریف کو مخاطت کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے۔

''واللہ انک لخیر الارض اللہ واحب ارض اللہ واللہ لولا انی اخربت منک ماخرجت۔''

ترجمہ: ''اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اسے تو بہت ہی پسند ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا

تو میں کبھی نہ نکلتا۔"

(سنن ابن ماجہ۔ صفحہ 222)

مکہ مکرمہ کی خصوصیات

حدیث شریف اور دیگر روایات میں مکہ مکرمہ کی بے شمار خصوصیات کا ذکر فرمایا گیا ہے تمام خصوصیات بیان کرنا تو تنگی موضوع کی وجہ سے ممکن نہیں البتہ چند خصوصیات رقم کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ مکہ مکرمہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اپنی آخرت کے لئے اس کی رحمتوں سے دامن بھر سکوں۔

مکہ مکرمہ اور رمضان المبارک

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک کی جو فضیلت بیان فرمائی اس حدیث کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں بیان کیا۔

"جس شخص نے مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک پانے کی سعادت حاصل کی اور پورے روزے تراویح کے ساتھ رکھے اس کو دوسرے کسی اور مقام کی نسبت یہاں ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر روز دن اور رات کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے اور دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔"

مکہ مکرمہ کے قبرستان کی فضیلت

مکہ مکرمہ کی فضیلت کے بارے میں تو بے شمار روایات موجود ہیں۔ اس شہر کے قبرستان کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے۔ اس روایت کو التاریخ القویم کی پہلی جلد میں نقل کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں اس مقدس شہر کے قبرستان جنت المعلٰی سے روز قیامت ستر ہزار (70,000) انسان اٹھائے جائیں گے۔ جو کسی حساب کتاب کے بغیر جنت میں چلے جائیں گے۔ ان اٹھائے جانے والے انسانوں میں سے ہر ایک انسان مزید ستر ہزار (70,000) انسانوں کی شفاعت کرے گا ان سب کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور یوں وہ سب انسان جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

مکہ مکرمہ کی گرمی کا مقام

آثار البلاد میں علامہ قزوینی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

''جس شخص نے مکہ مکرمہ کی شدید گرمی میں ایک ساعت بھی صبر کیا اسے جہنم کی آگ سے سوسال کی دوری پر رکھا جائے گا۔ اور جنت کی دوسو سالہ مسافت کو اس شخص کے قریب کر دیا جائے گا۔ یہ شہر (مکہ مکرمہ) نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد (جنگ کے لئے) کسی کے لئے حلال ہوگا۔ یہ شہر مقدس میرے لئے بھی دن میں تھوڑے سے وقت کے لئے حلال ہوا تھا۔''

مکہ مکرمہ میں بیمار کا اجر

الاعلام باعلام بیت الحرام۔ صفحہ 28 پر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت مروی ہے۔ فرماتے ہیں جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو گیا اور اپنے نیک اعمال ادا نہ کر سکا تو اللہ کریم اسے نہ صرف اس دن کے ادا شدہ اعمال کے برابر ہی اجر دے گا بلکہ مزید سات سال کے اعمال کے برابر اجر عطا فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی یہ بھی ہے۔ کہ ''جس مسلمان کو مکہ مکرمہ میں موت آئی اور وہ مر گیا تو سمجھ لیں وہ امن میں آ گیا''۔

مکہ مکرمہ سے چند معروف مقامات کا فاصلہ

نمبر	مقام	فاصلہ	نمبر	مقام	فاصلہ
1.	مدینہ منورہ	445 کلومیٹر	10	قسطنطنیہ	2595 کلومیٹر
2.	بیت المقدس	1352 کلومیٹر	11	غرناطہ	5250 کلومیٹر
3.	دمشق	1172 کلومیٹر	12	خیبر	629 کلومیٹر
4.	بغداد	1033 کلومیٹر	13	مراکش	4250 کلومیٹر
5.	طائف	65 کلومیٹر	14	تیونس	3340 کلومیٹر
6.	بدر	325 کلومیٹر	15	سمرقند	3650 کلومیٹر
7.	اصفہان	1513 کلومیٹر	16	غزنی	2800 کلومیٹر
8.	کابل	2645 کلومیٹر	17	جدہ	75 کلومیٹر
9.	قراقرم	8050 کلومیٹر	18	منیٰ	8 کلومیٹر (سرنگ سے 5 کلومیٹر)

مکہ مکرمہ کی تاریخ

مکہ مکرمہ کی تاریخ نہایت ہی قدیم ہے یہ وہ فضیلت والا بابرکت خطہ ہے جو پوری کائنات ارض کے وجود کا سبب ہے اس خطے سے ہی ساری زمین کو پھیلایا گیا۔ مکہ مکرمہ دنیا کا وہ واحد قدیم ترین شہر ہے جو ابتداء سے لے کر آج

تک اپنے حقیقی نام سے ہی قائم اور قیامت تک قائم رہے گا اس شہر کو زمین و آسمان کے مالک نے ارض وسماء کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار (2000) سال پہلے پیدا کیا۔ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا فرمایا پھر اس پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ پھر اس ہوا میں اس قدر تیزی پیدا فرمادی کہ جس نے پانی میں طوفان برپا کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بیت اللہ شریف والی جگہ ایک قبلہ نما ٹیلہ پیدا کیا جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا۔''

سرزمین عرب کے صوبہ حجاز میں جسے تورات میں فاران کہا گیا ہے مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہوا۔ مکہ مکرمہ کی مکمل اور مربوط تاریخ بیان کرنا تو ممکن نہیں البتہ قرآن۔ حدیث کتب سیر اور کتب تاریخ سے جس قدر معلومات ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں تحریر کی جارہی ہیں۔

مکہ مکرمہ اور قبیلہ جرہم

قدیم تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہونے سے پہلے اس جگہ پر قوم عمالقہ آباد تھی۔ بعد میں قبیلہ جرہم نے عمالقہ قوم کو بزور شمشیر وہاں سے نکال دیا۔ عمالیق کو نکالنے کے باوجود قبیلہ جرہم مکمل طور پر سرزمین مکہ پر قابض و آباد نہ ہو سکا بلکہ اسے بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یمن کا مشہور قبیلہ بنی ازد جسے بنی عک نے شکست دے کر یمن سے نکال دیا تھا۔ سرزمین مکہ مکرمہ کے قریب وادی بطن مہر میں آکر ٹھہرا۔ اس قبیلے کے سردار ثعلبہ بن عمرو نے قبیلہ جرہم کو پیغام بھیجا کہ سرزمین مکہ اس کے سپرد کر دی جائے۔ جرہم نے حکم ماننے سے انکار کر دیا جس پر ثعلبہ نے حملہ کر کے بزور شمشیر جرہم سے یہ علاقہ چھین لیا۔ جرہم کے لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ کچھ عرصہ تو ثعلبہ اس علاقے میں رہے مگر وسائل کی کمی اور معیشت کی تنگی سے گھبرا کر یثرب کو نقل مکانی کر گئے۔ اور یوں یہ میدان ویران ہو گیا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس میدان میں چھوڑ گئے تو پانی دیکھ کر قبیلہ جرہم جو قرب وجوار کی پہاڑیوں پر آباد تھا۔ نیچے اتر آیا اور یہاں آباد ہو گیا۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی قبیلے میں شادی فرمائی اور اللہ کریم نے ان کی نسل کو بہت پروان چڑھایا۔ اسی جگہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد بزرگ وار سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ شریف کی تعمیر فرمائی اور یوں مکہ مکرمہ کا شہر آباد کیا۔ لوگ ان بزرگ انبیا علیہم السلام کی دعوت پر خانہ خدا میں حج کے لئے آنے لگے۔ حج کی اس دعوت کو قبیلہ جرہم اور ارد گرد کے قبائل نے سب سے پہلے قبول کیا۔ یوں ہر سال ہزاروں زائرین طواف بیت اللہ کے لئے یہاں آنے لگے۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کی مجاورت بنی اسماعیل کے پاس تھی مگر جب ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور وہ لوگ معاش کی تلاش میں کثیر تعداد میں نقل مکانی کر گئے تو قبیلہ

جرہم نے تولیت خانہ کعبہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ قبضہ پرامن تھا۔ اولاد اسماعیل بدستور مکہ مکرمہ میں آباد رہی اس کی عزت و تکریم اور مرتبہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ کیونکہ یہ اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کی اولاد تھی اور سب ان کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے تھے۔ جرہم آل اسماعیل کے ننھیالی رشتہ دار تھے اس لئے یہ دونوں خاندان مکہ میں باہمی اتفاق سے رہتے رہے پورے عرب میں آل اسماعیل نہایت قابل عزت و احترام تھی۔ خاندان اسماعیل عرصہ تک خانہ کعبہ کے متولی رہے مگر کثرت آبادی کی وجہ سے جب سرزمین عرب میں نقل مکانی کر گئے تو قبیلہ جرہم مکہ مکرمہ پر قابض ہوئے اس طرح کافی عرصہ آلِ اسماعیل اور قریش جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے کتب تاریخ میں مکہ مکرمہ کی تاریخی حکومت کے بارے میں اختلاف ہے بہرحال اس سن تاریخ پر مورخین کا اتفاق ہے کہ 207 عیسوی میں بنی خزاعہ نے جرہم کو شکست دے کر مکہ مکرمہ پر قبضہ کرلیا یوں مکہ مکرمہ کی تاریخ کا پہلا دور ختم ہوگیا۔

بنی خزاعہ نے بزور شمشیر قبیلہ جرہم کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا اور یوں تولیت کعبہ خزاعہ کے ہاتھ آئی۔ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی تھا۔ جو کہ اپنے وقت کا ہر دل عزیز اور بااثر سردار تھا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ یہی وہ شخص ہے جس نے مکہ مکرمہ میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالی اور یوں روز بروز اہل مکہ بت پرستی کی اس گہری دلدل میں غرق ہوتے گئے بنی خزاعہ نے کچھ عرصہ مکہ مکرمہ پر حکومت کی اس خاندان کا آخری سردار حلیل تھا جسے قصیٰ بن کلاب نے شکست دے کر مکہ مکرمہ کی حکمرانی حاصل کی اور پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ظہور قدسی تک یہی خاندان قریش مکہ مکرمہ کا حاکم رہا۔

آلِ اسماعیل اور خاندان قریش

قبیلہ جرہم آل اسماعیل کے ساتھ ننھیالی رشتہ رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ بیت اللہ شریف کے متولی ہونا نہایت شرف اور وقار کا سبب ہے تو ان لوگوں نے مکہ مکرمہ پر مکمل قبضہ کرلیا آلِ اسماعیل رشتہ کی وجہ سے خاموش رہی دوسرا آل اسماعیل اس قدر پھیل چکی تھی کہ مجبوراً معاش کے لئے ان کو اطراف میں نقل مکانی کرنی پڑی اس طرح عرصہ دراز تک قبیلہ جرہم یہاں حکمرانی کرتا رہا۔ ابتداء میں جرہم کا دیگر لوگوں وقبائل سے سلوک بہت اچھا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے مظالم شروع کر دیئے جس کا ظاہری نتیجہ بغاوت اور بے دخلی کی صورت میں ہی نکلنا تھا۔ چنانچہ بنی بکر اور بنی عیشان نے مل کر قبیلہ جرہم کو شکست دی اور یوں یہ لوگ بھاگ کر یمن کی طرف چلے گئے۔ اس طرح پھر تولیت کعبہ اور مکہ کی سیادت پر آل اسماعیل مکمل طور پر قابض ہوگئے۔ اس طرح عدنان تک مکہ مکرمہ پر مذہبی اور سیاسی تسلط آل اسماعیل کو ہی حاصل رہا۔ پھر جب پانچ سو باسٹھ (562) ق م میں بخت نصر نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو عدنان ہی اس کے مقابلہ کو نکلے مگر میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے کام آئے۔ ان کا

بیٹا بچ گیا اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔اس طرح یہ خاندان ایک دفعہ پھر منتشر ہو گیا۔جلاوطنی کے اس زمانہ میں وہ شخص پیدا ہوا جو اصل معنوں میں قریش کا جداعلیٰ بنا یعنی فہر، پھر خاندان قریش کا وہ فرد جس نے قریش کو عملی طور پر تولیت کعبہ کا منصب دوبارہ حاصل کرا دیا اور یوں مکہ مکرمہ پر اس کے خاندان کی حاکمیت بحال ہوئی اسی جلاوطنی کے دور میں پیدا ہوا۔اس کا نام قصیٰ تھا۔

قصیٰ بن کلاب بن مرہ خاندان قریش کا وہ عظیم سپوت تھا۔جس نے بزور شمشیر مکہ کو فتح کیا اور خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کیا۔اس خاندان کے منتشر افراد کو مکہ مکرمہ کے گردونواح میں جمع کیا۔اسی لئے اس کا نام ہی مجمع پڑ گیا۔ قصیٰ کی والدہ فاطمہ بنت سہل کا پہلا نکاح کلاب سے ہوا اور یوں قصیٰ اور زہرہ دو بچے پیدا ہوئے اسکے بعد فاطمہ نے دوسرا نکاح ربیعہ بن حرام جو کہ شام کا باشندہ تھا اس سے کیا۔اس پورے واقعہ کو ہم تاریخ عرب کے باب میں بیان کر چکے ہے۔بہر حال ربیعہ بیوی کے ساتھ قصیٰ اور زہرہ کو بھی اپنے ہمراہ شام لے گئے۔قصیٰ کو بڑے ہو کر جب اپنے خاندان اور نسب کا علم ہوا تو وہ مکہ واپس آیا اور یہاں تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا۔بہت جلد قصیٰ تجارت کے مُیدان میں مشہور ہو گیا اور خوب دولت کمائی اس طرح قصیٰ کی شہرت اور دولت کو دیکھتے ہوئے بنوخزاعہ کے آخری سردار حُلیل بن حبشیہ الخزاعی نے اپنی بیٹی حُبی، قصیٰ کے عقد میں دے دی۔اور یوں قصیٰ بنی خزاعہ کا داماد بن گیا۔قصیٰ بیت اللہ شریف کا کلید بردار اور سردار مکہ مکرمہ کس طرح بنا اس سلسلے میں کئی تاریخی روایات تاریخ دانوں نے تحریر کی ہیں۔قصیٰ بیت اللہ شریف کا کلید بردار اور سردار مکہ مکرمہ بنا تاریخی اعتبار سے یہ تمام واقعات تشنہ جوابات ہیں۔ہم یہاں مورخین کے خیالات تحریر کر رہے ہیں۔

1۔ مکہ مکرمہ کا سردار حلیل جس کا تعلق بنی خزاعہ سے تھا جب فوت ہوا تو قصیٰ بن کلاب جو اس کا داماد تھا سردار مکہ بن گیا۔

از تاریخ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ 122

2۔ حُلیل سردار مکہ مکرمہ اہل عرب سے محصول لیا کرتا تھا۔قصیٰ نے حلیل یعنی اپنے سسر سے محصول حاصل کرنے کا پرمٹ خرید لیا اور یوں اس کے مرنے کے بعد قصیٰ مکہ مکرمہ کا سردار بن گیا۔یہاں ایک سوال بدستور تشنہ جواب ہے کہ آیا حُلیل اقتصادی طور پر دیوالیہ ہو گیا تھا کہ اسے محصول کا حق فروخت کرنا پڑا یا قصیٰ نے زبردستی سے وہ پرمٹ حاصل کر لیا تھا۔تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہے۔

از طبقات ابن سعد۔تاریخ طبری وغیرہ۔

حُلیل کے فوت ہو جانے کے بعد مکہ مکرمہ سیادت کے میدان میں زبردست کش مکش کا شکار ہو گیا۔اس موقعہ پر قصیٰ نے منتشر قریشی قبائل کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور شام سے اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے امداد کا طالب ہوا۔اس طرح قصیٰ کو بنی خزاعہ اور بنی بکر کے ساتھ کئی جنگیں لڑنا پڑیں مگر انجام کار قصیٰ کو فتح حاصل ہوئی اور یوں وہ مکہ مکرمہ کا حکمران

بن گیا۔ قصیٰ اور مخالفین میں کشمکش کا اختتام اصل میں ایک صلح نامہ کے ذریعے ہوا۔ یہ صلح نامہ یعمر بن عوف کی ذاتی کوششوں سے تحریر کیا گیا جس کے مطابق بنی خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا۔ یعمر بن عوف نے اپنے تدبر دانش اور عقل مندی سے دونوں فریقوں کے درمیان خون ریزی ختم کرائی تھی اس لئے یہ شخص اہل عرب کے ہاں شداخ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

قصیٰ نے گو مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر دیگر قبائل کی طرف سے جنگ کا خطرہ بدستور موجود تھا۔ اس لئے قصیٰ نے مکہ مکرمہ پر زبردستی قبضہ قائم کرنے کی بجائے ایک معاہدہ امن کے تحت مخالفین کو گراں قدر رقم خون بہا کے طور پر ادا کر کے باہمی رضا مندی سے مکہ مکرمہ کی حاکمیت اور تولیت کعبہ پر اپنا قانونی قبضہ جما لیا۔ اس طرح 225ء میں قصیٰ نے کعبہ شریف کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اپنے اہل خانہ کو شہر مکہ میں بسانے کی بجائے خانہ کعبہ کے اردگرد نئے شہر کی بنیاد رکھ کر آباد کیا۔ سب سے پہلے اپنا ذاتی مکان تعمیر کیا بعد میں یہی مکان دارالندویٰ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے مکہ کو بطور شہری ریاست اہل عرب کے سامنے پیش کیا اس ریاست میں عسکری۔ عدالتی، مذہبی اور سیاسی الگ الگ شعبے قائم کئے۔ قصیٰ نے جوانی کی عمر تک سرزمین شام میں ہی رہائش رکھی پھر مکہ مکرمہ آ کر تجارت شروع کی۔ قصیٰ جب مکہ مکرمہ آیا اس وقت تک اس کے اہل قبیلہ بدویانہ زندگیاں ہی بسر کر رہے تھے۔ یہ لوگ صحراؤں اور پہاڑوں پر رہائش پذیر تھے۔ دوسری طرف ملک شام تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔ قصیٰ ملک شام کی آب وہوا اور تہذیب میں جوان ہوا تھا اس لئے جب مکہ مکرمہ میں اس کو مکمل اقتدار حاصل ہو گیا تو اس نے حجاز اور شام کی تہذیبوں کو ملا کر ایسا نظم ونسق قائم کیا جس کی بدولت بہت جلد خاندان قریش کو پوری سرزمین عرب میں بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اور مکہ مکرمہ شہر تمام دیگر شہروں میں اہم ترین اور مرکز بن گیا۔ قصیٰ نے جو نظام مکہ مکرمہ میں رائج کیا وہ حجاز اور شام کا حسین امتزاج تھا۔ جو نہایت کامیاب رہا۔

مکہ مکرمہ کی تعمیر اور آبادکاری

یہاں ہم مکہ مکرمہ کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔ کہ یہ شہر کس نے آباد کیا اور کب کیا۔ اس کا تعمیری منصوبہ اور مقصد کیا تھا۔ پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پاک شہر میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ مکہ شریف دنیا کا وہ واحد قدیم ترین شہر ہے جو تعمیر ہونے سے لے کر آج تک آباد چلا آ رہا ہے اور قیامت تک آباد رہے گا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس پر تقریباً ''تمام مورخین وتاریخ دان متفق ہیں کہ مکہ مکرمہ کی آج سے تقریباً'' چار ہزار سال قبل یعنی 2200 قبل مسیح میں سیدنا حضرت ابراہیم وسیدنا حضرت اسماعیل علیہم السلام نے بنیاد رکھی۔ اس شہر کی قدامت کا سب سے بڑا ثبوت اس کا نام ہے جو ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود اسی نام سے آباد اور پکارا چلا آ رہا ہے۔ جو نام اس شہر کے بانی نے رکھا تھا۔ تورات میں اس شہر کا نام ''مشا'' ہے مگر اس بات کی وضاحت نہیں ملتی کہ آیا مشا سے مراد مکہ یا

بکہ ہے۔یا پھر یہ اس کی تحریف شدہ صورت ہے۔تورات اس شہر کی نسبت سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزند ''مسا'' کی طرف کرتی ہے۔خدا بہتر جانے یہ نسبت کس حد تک صحیح ہے۔

قرآن کریم میں اس شہر کے لئے بکہ اور مکہ کا نام بھی آیا ہے۔البتہ مکہ مکرمہ بعد میں آیا ہے اور یہی نام رائج ہے۔لفظ بکہ کی تشریح ہم گذشتہ اوراق میں کر چکے ہیں اس لئے یہاں اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے اس شہر نو آباد میں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر واقع تھا۔بیت اللہ شریف کے ساتھ کا علاقہ ''حرم'' کہلاتا تھا جہاں رہائشی مکانات بنانے ممنوع تھے۔عرصہ دراز تک یہی سلسلہ قائم رہا پھر قصٰی نے اس قدیم رسم کو توڑ کر بیت اللہ شریف کے اطراف میں مکانات تعمیر کرائے اور یوں مسجد الحرام کا مخصوص حصہ حرم قرار پایا۔اس بات کی تصدیق میں بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا کے سب سے بڑے آباد کار تھے۔آپ علیہ السلام نے ہزاروں میل کا سفر طے فرما کر مختلف اقوام کو حکم خداوندی پہنچایا۔اسی وجہ سے آپ کا نام ہی ابراہیم علیہ السلام یعنی قوموں کا باپ مشہور ہو گیا۔آپ علیہ السلام نے بہت سی نو آبادیاں آباد فرمائیں۔جن میں رملہ اور ایلیا کی آبادیاں مکہ مکرمہ کی طرح آج بھی موجود ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دور کے ماہر تعمیرات بھی تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شہر مکہ کی باقاعدہ ایک نقشہ کے مطابق محل وقوع کو سامنے رکھتے ہوئے بنیاد رکھی۔سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خداوند قدوس کے حکم سے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی اس کے بعد مکہ مکرمہ شہر کی بنیاد رکھی جو بعد میں ترقی کرتے کرتے مقدس شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔بیت اللہ شریف کے لئے بکہ نام بھی موسس اول نے ہی تجویز کیا اور پھر مکہ مکرمہ کے نام سے آج تک مشہور ہے۔اسی مبارک نام کی وجہ سے عربوں کو جو وحدت اور مرکزیت حاصل ہوئی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام جب اس پاک سرزمین پر تشریف لائے اس وقت وہاں آبادی کا دور دور تک نام ونشان بھی نہیں تھا۔گویا اس سرزمین پر سب سے پہلے آباد کار سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔البتہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں جو پہاڑیاں ہیں ان پر قبیلہ جرہم آباد تھا۔ان لوگوں نے جب اس وادی میں آب زم زم دیکھا تو پہاڑیوں سے اتر کر اس وادی میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اجازت سے آباد ہوئے۔بعد میں اس قبیلہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ کر رشتہ بھی قائم کر لیا۔اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ دور ونزدیک سے قبائل اس مقام کی طرف رجوع کرنے لگے اور یوں ایسا وقت بھی آ گیا کہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے حجاج کا تانتا بندھ گیا۔پھر آہستہ آہستہ اس شہر نے تجارتی اعتبار سے مرکز کی حیثیت حاصل کر لی۔

مکہ مکرمہ کا محل وقوع

مکہ مکرمہ کا محل وقوع کچھ یوں ہے۔وادی مکہ شمالاً جنوباً تقریباً پانچ میل لمبی ہے۔اس کا عرض کوہ ہیاد (جیاد)

سے لے کر کوہ قعیقعان تک تقریباً ایک میل ہے۔ جس جگہ وادی مکہ کی سطح زیادہ نشیبی ہے وہاں آج کل آبادی کا زیادہ حصہ آباد ہے۔ باقی وادی کے تنگ حصہ میں آبادی کا سلسلہ خطِ مستقیم کی شکل میں چلا گیا ہے۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں شہری آبادی شمال مشرق کی سمت کوہ قعیقعان (قیقعان) کے قریب واقع تھی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ بیت اللہ شریف اور اس کے اطراف میں رہائش رکھنا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب جس جگہ آبادی ہے اس کا زیادہ حصہ اس وقت حرم کہلاتا تھا۔ ان حرم کی جگہ کو صرف قربانی۔ حج۔ طواف اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہری آبادی حرم کی حدود میں شامل نہ تھی۔ اس طرح مکہ مکرمہ کا قدیم شہر دو حصوں میں تقسیم تھا یعنی اولاً مذہبی علاقہ اور ثانیاً شہری آبادی۔

مکہ مکرمہ کی یہ تقسیم عرصہ دراز تک مذکورہ ترکیب کے مطابق قائم رہی مگر قریش کے جد قصیٰ نے اپنے دور اقتدار میں اس تقسیم کو ختم کر کے اہل قبیلہ کو بیت اللہ شریف کے اطراف میں آباد کر دیا اور یوں حرم کی حد بیت اللہ شریف کے اندر تک رہ گئی اور آج تک اسی طرح ہے۔ قصیٰ نے قریش کے وہ قبائل جو منتشر تھے ان کو اکٹھا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی میں بسانے کی بجائے ان کے لیے نئی بستیاں آباد کرنا زیادہ بہتر خیال کیا۔ اسی لیے قصیٰ نے اطراف کعبہ مکرمہ میں اپنی ہی قوم کو قبیلہ وار آباد کیا۔ اِس میں شک نہیں کہ نئی بستیاں آباد کرنے میں قصیٰ کے پیش نظر دفاعی اور سیاسی مصلحتیں بھی تھیں۔ مگر قدیم پانی کے چشموں کا خشک ہو جانا بھی ایک خاص وجہ تھی۔ آب زم زم کا کنواں سابقہ حکمران قبیلہ جاتے ہوئے بند کر گیا تھا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ حضرت عبدالمطلب کے حالات میں بیان کروں گا۔ اس کے علاوہ عین ممکن ہے کہ خانہ کعبہ کے نزدیک پانی کا کوئی نیا چشمہ نکل آیا ہو۔ کیونکہ طبقات ابن سعد میں اس وقت مکہ مکرمہ کے اندر آٹھ کنوؤں کے وجود اور ان کے ناموں کا ذکر موجود ہے۔ پھر یہ آٹھ کنویں الگ الگ قبیلوں کی ملکیت تھے۔

قصیٰ نے جب مکہ مکرمہ کا اقتدار سنبھالا تو اس سے پہلے ہی مکہ مکرمہ کے قریب واقع پہاڑ پر موجود چشمے کا پانی اہل مکہ استعمال کیا کرتے تھے۔ جس کو شہر تک نالی کی شکل میں لایا گیا تھا۔ یاد رہے حرم پاک کے نزدیک قبیلہ لوی بن غالب نے سب سے پہلے پانی کے لیے کنواں کھدوایا تھا۔ ابتداء میں لوگ یعنی قریش صرف سیاہ رنگ کے خیموں میں رہائش پذیر تھے۔ اس کا ثبوت 1100 قبل مسیح میں قیدار آل اسماعیل کا ذکر خیمہ والے کے الفاظ کہہ کر کیا گیا تھا۔ خیمہ والے کہہ کر پکارنے کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ مکہ مکرمہ میں کوئی رہائشی مکان ہی نہیں تھا۔ مکان موجود تھے مگر اہل مکہ کی تعمیری روایات قابل فخر نہیں تھیں۔ اس کے باوجود قصیٰ کی آباد کی ہوئی بستی کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بستی کو آباد کرنے میں باقاعدہ ایک منصوبے سے کام لیا گیا تھا۔ کیونکہ آبادی کے لیے منتخب کی جانے والی جگہ سے پہلے جنگل صاف کیا گیا پھر عین اس جگہ پر بستی آباد کی گئی جہاں پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ پھر وادی کے نشیب کو مرکزی آبادی بنا کر خانہ کعبہ کے چاروں طرف قریش کے معزز قبائل کو آباد کیا گیا اور قصیٰ نے اپنا گھر دارالندوۃ کی خانہ

Marfat.com

کعبہ کے ساتھ ملحق تعمیر کیا۔ اور یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبہ کے تحت تعمیری نقشہ سامنے رکھتے ہوئے بنایا گیا۔

مکہ مکرمہ کے مرکز اور درمیان میں قریش کے معزز و محترم افراد رہائش پذیر تھے۔ اس حصے کو آبادی کا اندرونی حصہ کہنا چاہیے۔ آبادی کے بیرونی حصے میں جن لوگوں کو آباد کیا گیا وہ دوسرے درجے کے شہری تھے جبکہ مکہ مکرمہ شہر کے باہر جھگیوں اور خیموں میں عارضی طور پر رہنے والے بدو۔ مسافر اور زائرین تھے۔ جو کہ تیسرے درجے کے شہری کہلاتے تھے۔ اس طرح قصیٰ کے آباد کردہ شہر مکہ مکرمہ کو اگر خالص خاندان قریش کا شہر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

وادی مکہ مکرمہ کا نشیب شہر کا مرکز تھا۔ اس علاقے میں سکونت رکھنے والے شہری بطحا کی نسبت سے قریش بطحا کہلاتے تھے۔ اسکے علاوہ قریش کے کئی گروہ ابھی تک پہاڑوں اور وادیوں میں منتشر زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ ان کو قریش ''الظواہر'' کہا جاتا تھا۔ قریش ''بطحا'' عزت۔ مقام۔ رتبہ اور تکریم وغیرہ کے لحاظ سے قریش ''الظواہر'' سے افضل مانے جاتے تھے گو یہ تقسیم قریش کی خودساختہ تھی مگر اس پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ شہر مکہ مکرمہ کے عین وسط میں سے ایک کشادہ شاہراہ شمالاً جنوباً گزرتی تھی جو یمنی اور شامی تجارتی قافلوں کی آمد اور اخراج کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ بیت اللہ شریف کے عین سامنے زائرین کے جمع ہونے کے لیے ایک بڑا میدان یا دالان چھوڑ دیا گیا تھا۔ اہل مکہ کے مکانات قبیلہ وار اور فاصلے پر واقع تھے۔ اکثر مکانات کے درمیان دالان ہوتے تھے۔ اسی طرح کا ایک دالان سرکار مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آبائی مکان مبارک کے سامنے بھی تھا۔ ابتدائی ایام میں مکانات کی تعمیر واجبی سی ہوتی مگر جوں جوں شہر مکہ مکرمہ تجارتی میدان میں ترقی کرتا گیا اہل شہر تجارت کی وجہ سے اقتصادی میدان میں مضبوط ہوتے گئے تعمیری سلسلہ بھی اسی رفتار سے ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ شریف کی عمارت بھی باقاعدہ نقشہ کے مطابق تعمیر کی گئی۔ مختصراً زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں ہر میدان میں اہل مکہ مکرمہ ترقی کرتے رہے وہاں شہری آبادی اور تعمیری اعتبار سے بھی وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تعمیرات میں بھی ترقی ہوتی گئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

کعبہ مکرمہ کی تعمیر کے مختلف ادوار

مکہ مکرمہ کے بارے میں ہم قدرے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں اب ہم اس مبارک۔ عظیم اور مقدس گھر کا ذکر کر رہے ہیں۔ جس کی تعمیر میں اللہ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے خداوند کریم کے حکم کے مطابق حصہ لیا۔ یہ وہ پاک گھر ہے جو پوری کائنات ارض کے لیے منبع رشد و ہدایت و سرچشمہ فیض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم گھر کے بارے میں متعدد بار آخری کتاب قرآن کریم میں ذکر فرمایا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس گھر کی عظمت و برکات بیان فرمائیں۔ یہ وہ رحمتوں والی جگہ ہے جہاں ہم جیسے کروڑوں گناہ گاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس گھر کی حدود میں جو آ گیا اللہ فرماتا ہے وہ امن و سلامتی میں آ گیا۔ بیت اللہ شریف کو اللہ

کے جس جس نبی نے تعمیر کیا اور جن مراحل وادوار سے گزرا یہ مقدس گھر اب کائنات کے لیے چشمۂ فیض وکرم اور ذریعۂ بخشش ہے۔اس کا مختصر حال بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

محدثین اور اصحاب سیر نے احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ سے بیت اللہ شریف کی جو تاریخ اور ابتداء کا زمانہ نقل کیا ہے یہاں مختصراً بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔تاکہ اس مقدس گھر کی ابتداء اور زمانہ تخلیق سے واقفیت حاصل ہو سکے گو چند مؤرخین نے ان واقعات اور زمانہ تخلیق کی صحت سے اتفاق نہیں کیا مگر جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔پھر تاریخ کے میدان میں تمام مورخین ایک بات پر اتفاق نہیں کیا کرتے بہرحال اکثریت کے اقوال ہمیشہ حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔خاص طور پر علمی میدان میں اس کا یہاں ذکر کیا جار ہا ہے۔

تخلیق کعبہ مکرمہ۔حدیث شریف

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث شریف بیان کی ہے۔حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔"اللہ کریم نے اس زمین میں جس ٹکڑے کو سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ بیت اللہ کی جگہ ہے۔پھر اسی سے زمین کو پھیلایا۔اور سب سے پہلے زمین پر جس پہاڑ کو پیدا فرمایا وہ ابوقبیس ہے پھر اس پہاڑ سے ہی دوسرے پہاڑ پھیلائے۔"امام بیہقی نے اس حدیث شریف کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ کرہ ارض کئی ٹکڑوں کی شکل میں جوڑا ہوا ہے۔اسی لیے تو فرمایا زمین کا پہلا ٹکڑا جو اللہ نے پیدا کیا بیت اللہ شریف کی جگہ ہے بعد میں باقی زمین اسی ٹکڑے سے پھیلائی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے بیت اللہ شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔سورۃ آل عمران آیت 96۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: "بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا ضرور وہ ہے جو مکہ (بکّہ) میں ہے۔برکت والا اور سارے جہانوں کے لیے راہ نما"۔(آلِ عمران آیت 96)

قرآن کریم کے مذکورہ ارشاد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خالق کائنات نے دنیا میں سب سے پہلے جو گھر بنایا وہ کعبہ مکرمہ ہی تھا۔اس سے پہلے کسی بھی دوسرے گھر کا وجود نہ تھا۔کس قدر عظمت والا گھر ہے وہ جو اللہ نے سب سے پہلے بنایا اور ارشاد فرمایا یہ میرا گھر ہے۔اسی لیے اس گھر کا نام ہی بیت اللہ شریف ہے۔

Marfat.com

الحدیث

بیت اللہ شریف کی تخلیق کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یوں ارشاد فرماتے ہیں (اس حدیث شریف کو المصنف عبدالرزاق جلد 5 صفحہ 90 پر دیکھا جا سکتا ہے)۔ فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی کو پیدا فرمایا پھر پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسی تیز ہوا بھیجی جس نے پانی میں شدید طلاطم پیدا کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بیت اللہ کی جگہ پر قبلہ نما ایک ٹیلہ پیدا فرمایا جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ تعمیر کیا گیا۔'' بہت سے اصحاب سیر نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات اور حدیث شریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات نے سب سے پہلے کعبہ مکرمہ کو ہی زمین پر تعمیر کیا اور پھر اس زمین کو پھیلا دیا۔ یہاں ہم کعبہ مکرمہ کی تعمیر کے مختلف ادوار کا ذکر کر رہے ہیں۔

پہلا دور (1) تعمیر کعبہ از ملائکہ

سب سے پہلے دنیا میں کعبہ مکرمہ کی تعمیر ملائکہ نے کی اور اس مقدس گھر کے طواف کا شرف انسان کو حاصل ہوا۔ مشہور روایت ہے جس کو سیدنا حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زین العابدین بن حسین بن سیدنا حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے کسی نے عرض کیا کہ حضور اس بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا؟ انہوں نے ارشاد فرمایا جب خالق کائنات نے فرشتوں سے فرمایا۔ سورۃ البقرہ آیت 30۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

ترجمہ: ''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا حضرت جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ ''میں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں''۔ کے جواب میں عرض کیا۔ سورۃ البقرہ آیت 30۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ

ترجمہ: ''بولے کیا تو ایسے کو زمین پر نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔'' (سورۃ البقرہ آیت 30)

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: ''فرمایا۔میں وہ سب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' (سورۃ البقرہ آیت 30)

خداوند قدوس کا یہ فرمان سن کر جو اس نے بطور زجر ارشاد فرمایا تھا فرشتے غضب الٰہی سے ڈر کر عرش کا طواف کرنے لگے اور معافی مانگنے لگے۔ یہاں تک کہ اللہ کریم نے فرشتوں پر رحم فرما کر ان کو معاف کر دیا۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر ایک ایسا گھر تعمیر کرو جس کا طواف کرتے ہوئے گنہگار بندے اپنے گناہ بخشوالیں۔ اس طرح فرشتوں نے زمین پر بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔

پہلی روایت کے مطابق جب فرشتے اللہ کے غضب سے ڈر گئے تو انہوں نے عرش عظیم کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا اور نہایت عجز و انکساری سے معافی مانگنے لگے۔ اللہ کریم نے فرشتوں پر نظر رحمت فرمائی اور عرش عظیم کے عین نیچے حسن و جمال میں یکتا بنائے ہوئے گھر ''بیت المعمور'' کے طواف کا فرشتوں کو حکم فرمایا۔ اس طرح فرشتوں نے عرش عظیم کا طواف چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیت المعمور کا طواف شروع کر دیا۔ یاد رہے بیت المعمور وہ مقدس گھر ہے جس میں ستر ہزار فرشتے ہر روز داخل ہوتے ہیں۔ جو فرشتہ اس گھر میں ایک دفعہ داخل ہو گیا پھر قیامت تک اس کی باری دوبارہ نہیں آئے گی۔ جب فرشتے بیت المعمور کا طواف کرنے میں مصروف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس بیت المعمور کے عین نیچے میری انسانی مخلوق کے لیے اسی طرح کا عظمت و شرف والا گھر زمین پر تعمیر کرو۔ تا کہ بنی نوع انسان میرے اس گھر بیت اللہ شریف کا طواف کریں اور اپنے گناہوں کی مجھ سے بخشش طلب کریں۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ جو کہ دنیا میں سب سے پہلا گھر تھا۔ حضرت امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کو ملائکہ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے تعمیر کیا اور یوں زمین پر رہنے والے فرشتوں نے سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا حج اور طواف کیا۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کا یہ ابتدائی اور سب سے پہلا دور تھا۔ (ذکر بیت المعمور سورۃ الطّور آیت 4)

(2) دوسرا دور تعمیر بدست ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام

اللہ کریم نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام جن کو ابوالبشر یعنی انسانوں کے والد گرامی بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نسل انسانی آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوئی تھی زمین پر بھیجا تو حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خالق کائنات میں عرض کی اے میرے اللہ مجھے کوئی ایسی نعمت عطا فرما کہ میرا دل اس کی طرف مصروف ہو جائے۔ ارشاد فرمایا گیا اے آدم مکہ مکرمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کریں پھر اس کا طواف کریں اور عبادت کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے فرشتے عرش پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور میری عبادت کرتے ہیں۔ یہاں مکہ مکرمہ کے نام کی وضاحت کر دینا ضروری ہے اس وقت اس نام کا شہر یہاں آباد نہیں تھا کیونکہ زمین پر سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بیت اللہ شریف تھا اس نام سے مراد وہ خاص جگہ ہے جہاں بعد میں مکہ مکرمہ آباد ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام کی ہمراہی میں مکہ مکرمہ کی زمین پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو وہ جگہ ظاہر ہوگئی جہاں فرشتوں نے بیت اللہ شریف کی بنیادیں رکھی تھیں یہ بنیادیں نہایت گہری تھیں۔ پھر پانچ فرشتے نزدیک پہاڑوں سے بڑی وزنی چٹانیں اٹھا کر لائے جن میں سے ہر چٹان کا وزن اتنا تھا کہ تیس آدمی مل کر بھی اسے نہ اٹھا سکیں۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے ان چٹانوں یا پتھروں کی مدد سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ ہم نے مذکورہ روایت التاریخ القویم کی تیسری جلد سے نقل کی ہے۔ یہ روایت کہاں تک درست ہے۔ (واللہ اعلم)

بیت اللہ شریف کی تعمیر کس شان وعظمت سے ہوئی اس کا اندازہ سرکار دوعالم صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم کی اس حدیث پاک سے ہوسکتا ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی 65ھ) نے بیان کی ہے۔ کہتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ''خالق کائنات نے حضرت جبریل علیہ السلام کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا سلام اللہ علیہا کی طرف بھیجا اور حکم فرمایا کہ میرے لیے ایک گھر تعمیر کرو چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جگہ کی نشاندہی کی اور یوں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے مٹی کھودنا شروع کی حضرت حوّا سلام اللہ علیہا اس مٹی کو اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرتی رہیں یہاں تک کہ بنیاد کعبہ پانی کی سطح تک پہنچ گئی نیچے سے آواز آئی اے آدم علیہ السلام اب کھدائی بند کریں اتنی گہرائی کافی ہے۔ اس طرح جب تعمیر مکمل فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی کہ اب اس گھر کا طواف کرو تم پہلے انسان ہو جس کو زمین پر بھیجا گیا اور اس طرح یہ بیت اللہ وہ پہلا گھر ہے جو زمین پر تعمیر کیا گیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف کو تعمیر ہوئے عرصہ دراز گزر گیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا اور انہوں نے اس عظیم گھر کا حج کیا پھر مزید صدیاں گزر گئیں اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ مبارک آگیا۔ آپ علیہ السلام نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے تعمیر شدہ کعبہ مکرمہ کی بنیادوں کو دوبارہ اٹھایا اور اس گھر مبارک کی تعمیر مکمل کی''۔ حضور علیہ السلام کی مذکورہ حدیث مبارکہ کو علامہ حافظ عمادالدین ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف البدایہ والنہایہ کی جلد دوئم میں تحریر کیا ہے۔

(3) تعمیر کعبہ کا تیسرا دور بدست حضرت شیث علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی ان بنیادوں کو جن کی کھدائی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی مکمل کرتے ہوئے اس پاک گھر کی بنیادیں اٹھائیں۔ التاریخ القویم میں آتا ہے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بعد کرہ ارض پر جس شخصیت کو کعبہ مکرمہ تعمیر کرنے کی سعادت عظمٰی حاصل ہوئی وہ سیدنا حضرت شیث علیہ السلام کی ذات مبارکہ تھی۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر آپ علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند نے مٹی اور پتھروں سے کعبہ کی تعمیر فرمائی جو سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان تک قائم رہی اسی تعمیر شدہ عمارت

Marfat.com

بیت اللہ شریف کا حضرت نوح علیہ السلام نے طواف کیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ بنیادیں منہدم ہوگئیں جن کو بعد میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اٹھا کر تعمیر مکمل فرمائی۔

(4) تعمیر کعبہ کا چوتھا دور تعمیر بدست حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سرزمین فلسطین سے سرزمین مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے تھے۔ آپ علیہ السلام فلسطین سے چل کر مکہ مکرمہ زوجہ اور فرزند کی ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہتے تھے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تیسری دفعہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو اپنے فرزند ارجمند سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمزم کے کنویں کے قریب ایک درخت کے نیچے تیر تیار کرتے ہوئے دیکھا۔ تابع فرمان بیٹے نے جب لمبی جدائی کے بعد والد گرامی کے چہرے اقدس کی زیارت کی تو فرط مسرت ومحبت سے نہایت ہی تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کو سلام پیش کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ حال احوال اور خیریت دریافت کرنے کے بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے ارشاد فرمایا۔ ''بے شک تیرے رب نے مجھے اس کے گھر بیت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم دیا ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم اس تعمیر میں میری مدد کرو۔'' سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا والد بزرگوار میں اس حکم کی دل وجان سے اطاعت کرنے کو تیار ہوں آپ تعمیر کا کام شروع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں مقبول ترین نبی اس حقیقت حال کے منکشف ہونے کا انتظار فرما رہے تھے کہ تعمیر کی ابتداء کہاں سے کی جائے۔ کیونکہ عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے کعبہ مکرمہ کی بنیادیں ظاہری نگاہوں سے اوجھل تھیں۔ بیت اللہ شریف کے حدود اربعہ کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ التاریخ القویم میں آتا ہے کہ۔

اللہ کریم نے اپنی قدرت سے اپنے برگزیدہ بندوں کی راہ نمائی کے لیے اچانک ایک بدلی بھیج دی جس میں سے آواز آ رہی تھی کہ ''اس بدلی کا جس قدر طول وعرض ہے اس کے سایہ سے ظاہر ہے۔ بیت اللہ شریف کی یہاں ہی بنیادیں ہیں اس لیے ان بنیادوں پر دیواریں کھڑی کریں''۔ پس سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سرخ ٹیلے پر بنیادوں کی نشاندہی ہو جانے کے بعد بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ کھدائی کرتے ہوئے وہ قدیم ترین بنیادیں ظاہر ہوگئیں جن کی ابتداء ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ چنانچہ تعمیر کا کام انہی بنائے آدم علیہ السلام سے شروع فرما دیا۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لا کر والد گرامی کو دیتے جا رہے تھے جبکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے متبرک پاک اور مقدس ہاتھوں سے ان پتھروں کی مدد سے دیوار چن رہے تھے۔ کیا ہی عجیب شان کی تعمیر جاری تھی کہ نہ چونا ہے اور نہ ہی مٹی وگارا پتھر کے اوپر پتھر رکھتے چلے جا رہے تھے۔ پتھر اس قدر وزنی تھے کہ شاید تیس آدمی مل کر بھی ایک پتھر نہ اٹھا سکیں۔ یہ سب کچھ نبی کی مخصوص طاقت کی وجہ سے معجزہ کے طور پر ہو رہا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح

الباری کی آٹھویں جلد میں تحریر کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام وسیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سرخ ٹیلے پر ان بنیادوں پر دیواریں اٹھا رہے تھے جو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھیں۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں سے لائے گئے تھے۔ یعنی۔ طور۔ زیتا۔ طور سینا۔ کوہ لبنان۔ کوہ جودی اور کوہ حراء۔ یاد رہے بیت اللہ شریف کی بنیادوں میں استعمال ہونے والے پتھر کوہ حراء سے لائے گئے تھے۔ اتنے وزنی پتھر اور اتنے دور دراز اور وہ بھی مختلف پہاڑوں سے لا کر تعمیر کعبہ میں استعمال کرنا یقیناً نبی کی روحانی طاقت کا ہی اعجاز تھا۔ جب بیت اللہ شریف کی دیواریں اتنی بلند ہو گئیں کہ پتھر لگانے میں دشواری محسوس ہونے لگی تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا حضرت اسماعیل سے فرمایا کوئی ایسا ہموار پتھر تلاش کر کے لائیں جس پر کھڑے ہو کر چنائی کا کام آسانی سے جاری رکھا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لے کر آئے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی دیواروں کی چنائی مکمل فرمائی۔ قربان جائیں اس پتھر کے جس کی قسمت میں ''مقام ابراہیم'' بننا لکھا ہوا تھا جیسے ہی اس پتھر پر خلیل اللہ کے قدم مبارک لگے اس کی سختی جاتی رہی اور وہ اس قدر نرم ہو گیا کہ آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پر نقش ہو گئے اس طرح صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ پتھر نقش پا کے نشانوں کے ساتھ اسی طرح محفوظ چلا آتا ہے۔ اور قیامت تک اسی حالت میں رہے گا قرآن کریم نے اس پتھر کو قیامت تک ''مقام ابراہیم'' کا لقب عطا فرما دیا ہر سال خاص طور پر حج کے زمانہ اور عمومی طور پر سال بھر لاکھوں کروڑوں اہل ایمان اس پتھر کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ آیت 125۔

وَإِذْ جَعَلْنَا
الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾

ترجمہ: ''اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بنایا اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسماعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع وسجود والوں کے لیے'' سورۃ البقرہ آیت 125

پتھر کا مقام ابراہیم بن جانا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا معجزہ ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اگر کسی بے جان چیز کو ہی کیوں نہ شرف لمس بخشیں وہ جان داروں سے بھی افضل اور باعث اجر وثواب ہو جاتا ہے۔ کوئی بے جان چیز جیسے پتھر جب اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کا قرب حاصل کر لے تو اہل ایمان کے لیے روز قیامت تک زیارت اور ثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جب یہی مخلصین جانداروں خصوصی طور پر ہم جیسے گناہ گاروں پر نظر کرم فرما دیں یا اپنا قرب عطا فرما دیں تو ہماری قسمت اور خوش بختی کا کیا عالم ہوگا انسانی عقل اس کا

اندازہ ہی نہیں کر سکتی۔ دعا ہے اللہ کریم ہم سب پر ایسی برکت اور عنایت کی نظر فرمائے۔ آمین۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی دیواروں کو کافی بلند کر چکے اور تعمیر کا کام مکمل ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا بیٹا اب ایک ایسا پتھر لے کر آؤ جسے کعبہ مکرمہ کے ایک کونے میں نصب کر دوں تا کہ حاجی طواف کرتے وقت اس نشانی سے چکروں کا حساب یاد رکھا کریں اور یوں یہ طواف کی ابتداء کی علامت بن جائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حسب حکم ایک پتھر لے آئے مگر بیت اللہ شریف کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ والد گرامی نے ایک نہایت ہی شاندار پتھر اس جگہ نصب فرما دیا ہے جس کی نورانی چمک سے اطراف منور ہو رہا ہے۔ عرض کیا اے والد بزرگ وار یہ خوبصورت ونایاب پتھر جو آپ نے نصب فرما دیا ہے کہاں سے آیا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جبریل علیہ السلام یہ پتھر جنت سے لے کر آئے اور خالق کائنات کے حکم سے اس جگہ پر نصب کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موجودہ حطیم کی جگہ کو بیت اللہ شریف میں شامل کر دیا اور یوں مشرق کی جانب اس چار دیواری میں زمین کے برابر چوکھٹ نصب فرما کر دروازہ رکھ دیا۔ اس طرح چھت اور کواڑ کے بغیر اس عظیم الشان گھر کی تعمیر مکمل فرمائی جو بیت اللہ شریف ہے اور کرہ ارض پر بسنے والے اہل ایمان کے لیے قیامت تک سب سے افضل عبادت گاہ ہے۔ جس کی زیارت کرنے والا تمام گناہوں سے پاک ہو کر امن میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقدس گھر کا قرآن کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران 96۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: ''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا ضرور وہ ہے جو مکہ (بکّہ) میں ہے۔ برکت والا اور سارے جہاں کے لیے راہ نما۔'' (سورۃ آلِ عمران آیت 96)

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل ہو چکی تو سیدنا حضرت ابراہیم وسیدنا حضرت اسماعیل علیہم السلام نے خالق کائنات کے حضور بڑے عجز وانکساری کے ساتھ یہ دعا مانگی۔ اس عظیم دعا کو قرآن کریم میں بڑے دلکش اور حسین انداز سے خداوند قدوس نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 127۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار (رب) ہم سے یہ خدمت قبول فرما بے شک تو ہی خوب سننے، جاننے والا ہے۔''
(البقرہ آیت 127)

سیدنا حضرت ابراہیم وسیدنا حضرت اسماعیل علیہم السلام نے اللہ کریم کے حکم سے عرب کی تپتی ہوئی ریتلی

زمین پر سخت ترین جھلسا دینے والی دھوپ میں سارا سارا دن کھڑے ہو کر سخت محنت کے بعد اللہ کے اس عظیم ترین گھر کی تعمیر مکمل فرمائی خدا ہی بہتر جانتا ہے اس کٹھن کام کو سرانجام دینے میں کتنا عرصہ لگا۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد دونوں بزرگوں نے دامن طلب پھیلا کر اپنے خالق و مالک سے اپنے اور تمام جہان والوں کے لیے جو دعا مانگی اس کی عظمت کا اندازہ کرنا فہم وادراک سے باہر ہے۔ فدا جائیں کہ خلیل اللہ دعا مانگ رہے ہیں اور ذبیح اللہ آمین کہہ رہے ہیں اللہ کریم نے کائنات پر احسان فرماتے ہوئے اس دعا کا ایسا ثمرہ عطا فرمایا جس نے بنی نوع انسان کو ذلت گمراہی اور اندھیروں کے گہرے غاروں سے نکال کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دنیا میں مبعوث فرما کر قیامت تک اہل ارض پر وہ کرم اور احسان عظیم فرمایا جس کی تشریح و تفصیل عقل انسانی کیا کر سکتی ہے۔ اللہ کے مقبول بزرگ رسولوں نے جو دعا فرمائی قرآن کریم اس کو یوں بیان کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 129

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ان (اہل مکہ) میں سے ایک (عظیم الشان) رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''
(سورۃ البقرہ آیت 129)

(5) تعمیر کعبہ اور بنی جرہم

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کریم نے بارہ بیٹے عطا فرمائے جن کی آگے کثیر تعداد اطراف مکہ مکرمہ میں پھیل گئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد انکے فرزند نابت کعبہ کے متولی بنے اور اپنا یہ فرض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ نابت کے بعد اصولی طور پر تو کعبہ کے متولی اس کے بیٹے کو ہونا چاہیے تھا مگر نابت کے نانا جو بنی جرہم کے سردار تھے۔ اپنی طاقت اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسر ہونے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے متولی بن گئے۔ اولاد نابت نے سردار بنی جرہم مضاض بن عمر کو کعبہ مکرمہ کا متولی تسلیم کر لیا اور ان کے مطیع بن کر رہنے لگے۔ بنی جرہم جبل قیقعان پر رہائش پذیر تھے۔ کچھ عرصہ بعد ہی قوم عمالقہ کے بادشاہ سمیدع نے جو کہ نشیب مکہ مکرمہ میں رہائش پزیر تھا بنی جرہم کے سردار مضاض سے کہا کہ بیت اللہ کی کنجیاں میرے سپرد کر دو مضاض نے سمیدع کا کہنا ماننے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں دونوں قبیلوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی آخر بنی جرہم عمالقہ پر غالب آگئے۔ قوم عمالقہ نے راہ فرار اختیار کی اور اطراف میں بنی جرہم کا ہیبت اور رعب طاری ہو گیا۔ نتیجے میں بنی جرہم نے صدیوں مکہ مکرمہ پر حکومت جاری رکھی۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام بنی جرہم

سے مکمل تعاون کرتی رہی اور یوں اس سلسلے کو قصیٰ نے آ کر ختم کیا اور بیت اللہ شریف کا نظم و نسق بزور شمشیر بنی جرہم سے حاصل کر لیا۔ اس طرح صدیوں کے بعد یہ اعزاز دوبارہ اولادِ اسماعیل علیہ السلام یعنی قریش کو حاصل ہوا۔

بنی جرہم کے عہدِ حکومت میں ایک دفعہ مکہ مکرمہ شدید سیلاب کی لپیٹ میں آ گیا۔ پانی نے شہر میں سخت تباہی پھیلائی نشیب میں ہونے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ سیلاب کے بعد بنی جرہم نے بیت اللہ شریف کو پھر نئے سرے سے تعمیر کیا اس طرح یہ مقدس گھر پانچویں دفعہ تعمیر کیا۔ تعمیر گو پانچویں مرتبہ ہوئی مگر انہی بنیادوں پر جو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھیں۔

(6) تعمیر کعبہ مکرمہ اور قصیٰ

قصیٰ بن کلاب آلِ اسماعیل میں سے وہ اہم ترین شخصیت تھی جس نے نہایت مضبوط طریقے سے خاندان قریش کی حکومتی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ قصیٰ نے مکہ مکرمہ پر جب مکمل اختیار (کنٹرول) حاصل کر لیا تو اس نے خاندان قریش کو اکٹھا کرتے ہوئے یوں خطاب کیا "اے اہل قریش تم دیکھ رہے ہو بیت اللہ شریف عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے نہایت خستہ حالت کو پہنچ چکا ہے اس لیے ہمیں چاہیئے کہ مل کر اس عمارت مقدسہ کو نئے سرے سے تعمیر کریں"۔ اہل قریش نے قصیٰ کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے معقول چندہ اکٹھا کیا اور پھر کعبہ مکرمہ کی عمارت کو شہید کرنے کے بعد پرانی نبیادوں پر ہی نئی عمارت تعمیر کی۔ اہل قریش کی اس نئی تعمیر میں یہ اضافہ کیا گیا کہ بیت اللہ شریف پر کھجور کے تختوں اور ٹہنیوں کی چھت ڈالی گئی جبکہ اس سے پہلے کعبہ مکرمہ کی چھت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ عمارت کی دیواریں بھی قدرے اونچی بنائی گئیں۔ قصیٰ بن کلاب وہ پہلا قریشی حکمران تھا جس نے نہ صرف مکہ مکرمہ میں ایک مستحکم حکومت ہی قائم کی بلکہ پہلی دفعہ قریشی ہونے کی حیثیت سے کعبہ مکرمہ کی مضبوط بنیادوں پر خوبصورت تعمیر کرائی۔ یہ قصیٰ بن کلاب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اجداد میں سے تھا اس نے حضور علیہ السلام سے تقریباً سوا سو برس قبل مکہ مکرمہ میں قریش کی حکومت قائم کی تھی۔ جو بعد میں فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ مقدس تک قائم رہی۔ اہل سیر کے مطابق 431ء سے 473ء تک قصیٰ بن کلاب کی معاصرت کا عہد ہے۔

(7) تعمیر کعبہ مکرمہ اور قریش مکہ

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے تعمیر شدہ اشیاء بھی اتنی ہی پرانی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ موسم کی گرمی، سردی۔ ہوائیں، بارشیں اور طوفان غرض یہ تمام عوامل اپنا اثر دکھاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح قصیٰ کے زمانے میں تعمیر کعبہ گو نئے سرے سے ہوئی مگر عمارت میں وہ دیرپا سامان حالات کے مطابق استعمال نہ ہو سکا جس کی بدولت عمارت صدیوں تک قائم رہتی ہے چنانچہ اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے قریش مکہ نے قصیٰ سے تقریباً 160

سال بعد کعبہ مکرمہ کی از سر نو تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ انہی دنوں اتفاق سے قریش کی ایک عورت سے بے احتیاطی سرزد ہوگئی جس کے باعث حرم پاک میں آگ بھڑک اٹھی پھر بیت اللہ شریف کی عمارت بھی نشیب میں واقع تھی جہاں ہر سال بارشوں کا پانی عمارت کی دیواروں کو نقصان پہنچاتا رہتا تھا۔

زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل قریش کی بھی شدید خواہش تھی کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر نو شاندار طریقے سے حالات کے مطابق کی جائے۔ اس کی بنیادوں۔ عمارت اور چار دیواری کو پختہ بنایا جائے بیت اللہ شریف کی چھت مضبوط اور خوبصورت بنائی جائے۔ قریش کے چیدہ چیدہ سردار ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور باہمی مشورے سے تعمیر کعبہ پر اتفاق رائے ہوگیا۔ اب سب سے بڑا مسئلہ ان لوگوں کے سامنے یہ تھا کہ کعبہ شریف کی موجودہ عمارت کو گرانے کی ہمت کون کرے گا۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کو یہی عمارت پسند ہو اس لیے گرانے والے پر کوئی عذاب ہی نازل نہ ہو جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ان کے بزرگوں نے کہا کعبہ مکرمہ کو گرانے سے ان کی مراد و نیت کسی طرح بھی بری نہیں بلکہ وہ تو اس عظیم ترین گھر کو ایسی طرز پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے اس کی خوبصورتی و پختگی میں اضافہ ہو سکے۔ ان کی نیت اچھی ہے اس لیے کسی عذاب یا مصیبت کا ڈر ہرگز نہیں رکھنا چاہیے اور اس کام کو فوری شروع کر دینا چاہیے۔ اس وقت قدرت نے اپنے گھر کی تعمیر نو کے فوری اسباب بھی پیدا فرما دیئے۔ ہوا یوں کہ ایک رومی تاجر کا جہاز سمندری طوفان کی زد میں آ گیا اور موجوں کے تھپیڑے کھاتا ہوا جدہ کے ساحل پر آ لگا۔ جہاز سمندری طوفان کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ تاریخ عرب میں آتا ہے کہ اس جہاز میں شاہ روم نے حبشہ کے تباہ ہونے والے گرجا گھر کی تعمیر نو کے لیے سنگ مرمر۔ لوہا لکڑی و دیگر عمارتی سامان روم سے بھیجا تھا۔ صاحب البدایہ والنہایہ لکھتے ہیں کہ قدرت نے اس جہاز کو اپنے گھر کی تعمیر کے لیے جدہ کے ساحل پر پہنچا دیا تھا۔

قریش کو جب اس جہاز اور سامان کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے جہاز والوں سے وہ سامان خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ جہاز والے اچھی طرح جانتے تھے کہ جہاز اس قدر خستہ حالت کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی مرمّت کرنا یا واپس لے جانا ممکن ہی نہیں اس لیے انہوں نے سامان اور مال فروخت کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا چنانچہ تمام سامان مناسب قیمت ادا کر کے خرید کر لیا گیا۔ اب جبکہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر نو کا سارا بندوبست ہو چکا تھا تو کعبہ مکرمہ کے موجودہ ڈھانچے کو گرانے کا نازک ترین لمحہ آ گیا جس کے بارے میں اہل قریش خائف تھے۔ ان لوگوں کے دلوں میں یہ خوف گھر کر چکا تھا کہ جس نے کعبہ مکرمہ کی عمارت کو ڈھانے کی جسارت کی وہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس نازک مرحلے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ماموں ابو وہب جو قریش کے سرداروں میں سے نہایت عاقل، پرہیزگار اور ہر دل عزیز تھے انہوں نے آگے بڑھ کر ہمت سے کام لیتے ہوئے کعبہ مکرمہ کی عمارت سے ایک پتھر اکھاڑا جیسے ہی انہوں نے پتھر اکھاڑا وہ پتھر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ اپنی جگہ پر جا لگا۔ یہ صورت حال دیکھ کر قریش عذاب الٰہی کے نزول سے ڈر گئے۔ ابو وہب جو کہ نہایت ہی دور اندیش اور پرہیزگار تھے صورت حال کو

فوری سمجھ گئے اور قوم سے یوں خطاب کیا۔ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس خطاب کے الفاظ درج کئے ہیں یہاں اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

''اے اہل قریش تم لوگ وعدہ کرو کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر میں اپنا نیک مال خرچ کرو گے۔ تم میں سے کوئی شخص چوری، سود، بدکاری، ڈاکہ، جوا، یا کسی بھی اور طریقے سے ناجائز کمائے ہوئے مال سے ایک کوڑی بھی اس نیک کام پر خرچ نہیں کرے گا۔''

قبائل قریش کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کی طرف سے وعدہ کیا۔ اس طرح فیصلہ کیا گیا کہ قبائل تعمیر کے کام کو آپس میں تقسیم کر لیں اور نیک مال سے تعمیر شروع کر دیں۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی مدد سے تعمیری کام تقسیم کر لیا گیا۔ وہ تقسیم کچھ یوں تھی۔ حجر اسود سے حجر تک کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ نے تعمیر کرنا تھا۔ پھر حجر سے لے کر اس کے دوسرے کونے تک کی تعمیر بنو اسد اور بنو عبد الدار کے حصے میں آئی۔ حجر کے دوسرے کونے رکن یمانی تک کا حصہ بنو تمیم اور بنو مخزوم کے حصہ میں آیا۔ رکن یمانی سے حجر اسود تک کی تعمیر بنو سہم۔ بنو جمح اور بنو عدی کے ذمے ٹھہری۔ تعمیر کعبہ مکرمہ کی تقسیم ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ماموں ابو وہب دوبارہ آگے بڑھے اور بیت اللہ شریف کی عمارت میں سے پھر ایک پتھر اکھاڑا۔ اس دفعہ کوئی واقعہ پیش نہ آیا اب قریش نے دلی اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہمت سے کام لیتے ہوئے کعبہ مکرمہ کی عمارت کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ بنیادوں تک عمارت شہید کر دی گئی۔ لوگ جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ بنیادوں تک پہنچ گئے تو وہاں اونٹ کی کوہان نما نہایت ہی وزنی پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ بس قریش نے انہی بنیادوں پر تعمیر نو کا کام شروع کر دیا۔

قبائل قریش نے تعمیر نو میں خلوص عقیدت اور سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ تمام چھوٹے بڑے اس کام میں ہمہ تن مصروف تھے۔ کوئی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا کوئی گارا بنا رہا تھا۔ کچھ دیواروں کی چنائی میں مصروف تھے تو کچھ لکڑی کا کام کر رہے تھے۔ غرض ہر سو سب اس نیک کام میں مصروف تھے۔ چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ خود مالک کونین فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر لا لا کر اس تعمیری کام میں حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک تقریباً 35 سال تھی۔ حجر اسود آپ علیہ السلام ہی کی حکمت عملی سے نصب ہوا۔

(8) حضرت عبداللہ بن زبیر اور تعمیر کعبہ مکرمہ

ہم نے اوپر تفصیل سے کعبہ مکرمہ کی تعمیر کا ذکر کیا ہے۔ جس میں اہل قریش نے بڑے جذبہ اور شوق سے حصہ لیا۔ اس تعمیر کو ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی تھی کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر بیت اللہ شریف کی از سر نو تعمیر کرنا پڑی۔ اس دفعہ بیت اللہ شریف کی تعمیر عظمٰی کی سعادت سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حصہ میں

Marfat.com

آئی۔ان دنوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اہل مکہ نے بیعت کر لی تھی اور اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول علیہ السلام کے ساتھ ساتھ خلیفہ کے عہدے پر بھی فائز تھے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 62ھ سے 17 جمادی الثانی 73ھ تک مکہ مکرمہ کے خودمختار حاکم یعنی خلیفہ ہوئے ہیں۔

ملک شام میں بنوامیہ کی حکومت قائم تھی اور یزید تخت نشین تھا۔اس بدبخت انسان نے اہل مدینہ و اہل مکہ مکرمہ سے زبردستی اپنی بیعت لینا چاہی۔لوگوں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ یزید نے ایک بڑا شامی لشکر اہل مکہ و مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور ان شامی فوجوں نے جبل ابی قبیس اور جبل قیقعان پر منجنیقیں نصب کرنے کے بعد کئی ماہ تک شب و روز بیت اللہ شریف پر سنگ باری کی اور آگ برسائی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے پردے جل گئے اور عمارت کو شدید نقصان پہنچا دیواریں کمزور ہو گئیں۔یہ صورت حال بیت اللہ شریف کی نئی تعمیر کا تقاضہ کرتی تھی۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذاتی طور پر چاہتے تھے کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر نو کی جائے مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات جو بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بارے میں تھے جنہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا تھا ان کے پیش نظر تھے۔اس لئے انہوں نے کچھ دیر سوچ بچار کی تاکہ کسی حتمی نتیجہ تک پہنچ سکیں۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشاد گرامی کو سیّدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یوں بیان فرمایا۔

فرماتی ہیں:۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ شریف کی عمارت کو منہدم کرنے کا حکم دیتا۔اور جن چیزوں کو قریش نے کعبہ مکرمہ کی عمارت سے باہر نکال دیا ہے انہیں دوبارہ اس میں شامل کر دیتا۔اور دروازے کو زمین کے ساتھ برابر کر دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک بطرف مشرق اور دوسرا بطرف مغرب۔اس طرح میں یہ تعمیر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل کرتا''۔(یاد رہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بنیادوں کا آدھا حصہ اور حطیم عمارت بیت اللہ شریف میں شامل تھی مگر قریش نے تعمیر کرتے وقت ان کو عمارت میں شامل نہیں کیا تھا۔)

(از صحیح بخاری شریف۔جلد اوّل صفحہ 215)

اسی حدیث شریف کو امام مُسلم نے صحیح مسلم شریف میں سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔''اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اگر تیری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ شریف کو ضرور منہدم کر کے اس کے دروازے کو زمین کے برابر کر دیتا۔مشرق اور مغرب کی طرف دو دروازے بنا دیتا اور پھر حطیم کی جانب چھ ہاتھ جگہ کعبہ مکرمہ میں داخل کر دیتا کیونکہ قریش نے جب بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو یہ جگہ عمارت میں شامل نہیں کی تھی اسے باہر چھوڑ

دیا تھا۔''

(از صحیح مسلم شریف جلد اوّل صفحہ 430)

سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کو کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا کیونکہ ایام حج نزدیک تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ حج کے موقع پر لوگوں سے باہمی مشورہ کرنے کے بعد تعمیر بیت اللہ شریف کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ چنانچہ حج کے موقع پر لوگوں سے مشورہ طلب کیا گیا کہ بیت اللہ شریف کو منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے یا صرف مرمت کر دی جائے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مشورہ دیا کہ بیت اللہ شریف کی جو دیواریں شکستہ ہیں ان کی مرمت کر دی جائے باقی حصے کو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا اور کہا کہ اگر ہم میں سے کسی کے گھر کی دیواریں منہدم ہو جائیں اور مکان نذر آتش ہو جائے تو کیا ہم اس مکان کو اس حالت میں رہنے دیں گے یقیناً نہیں تو پھر بیت اللہ شریف کو اس حال میں کیوں چھوڑا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ میں تین یوم تک استخارہ کروں گا اس طرح جو مجھے سمجھ آئے گا اس پر عمل کروں گا۔ چنانچہ تین روز کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ بیت اللہ شریف کی باقی دیواروں کو بھی گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔

اس طرح بیت اللہ شریف کی پوری عمارت کو سب نے مل کر منہدم کرنا شروع کیا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر شدہ بنیادیں ظاہر نہ ہو گئیں۔ پھر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمان مبارک اور خواہش مقدسہ کے مطابق بیت اللہ شریف کے دونوں دروازوں یعنی مشرق میں داخلے اور مغرب کی طرف باہر جانے والے دروازوں کو بھی زمین کے برابر کر دیا۔ نیز چھ ہاتھ تقریباً نو (9) فٹ حطیم کی جگہ کو بھی بیت اللہ شریف میں شامل کر دیا۔ اس کام کو احسن طریقے پر سرانجام دے کر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ کریم کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا۔ اور بعد میں لوگوں کے جم غفیر کے ہمراہ بیت اللہ شریف کی نئی عمارت کا طواف کرتے ہوئے عمرہ ادا کیا۔

(9) حجاج بن یوسف اور تعمیر کعبہ مکرمہ

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام کی نشاندہی پر بیت اللہ شریف کی بنیاد رکھی۔ جس کو بعد میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ مل کر وزنی پتھروں کی مدد سے باقاعدہ بنیادوں میں تبدیل کیا اور کعبہ مکرمہ کی تعمیر مکمل فرمائی پھر صدیاں گزر جانے کے بعد عمارت بیت اللہ مختلف ادوار میں از سرِ نو حالات کے مطابق تعمیر ہوتی رہی آٹھویں مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت اللہ شریف کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خواہش کے مطابق تعمیر کرایا۔ یہ تعمیر دس سال تک

قائم رہی سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف گورنر مکہ بنا۔اس نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت اللہ شریف کو ایک نئی طرز پر قریش مکہ کی تعمیر کے خلاف بنا دیا ہے۔گو یہاں کے لوگوں نے گواہی دی ہے کہ یہ تعمیر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر ہی کی گئی ہے۔اور اکثر لوگ ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے ابراہیمی بنیادوں کی خود بھی زیارت کی ہے اب آپ حکم فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے خلیفہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قریش مکہ کی تعمیر کردہ عمارت میں اضافہ کرتے ہوئے زیادتی کی ہے۔اس لئے بیت اللہ شریف کا عرض اپنی اسی حالت میں چھوڑ کر باقی حصہ منہدم کر دیا جائے اور کعبہ مکرمہ کی تعمیر دوبارہ اسی طرز پر کی جائے جس پر قریش نے عمل کیا تھا۔یعنی حطیم کو عمارت سے باہر کرتے ہوئے الگ کر دیا جائے۔مشرقی دروازہ آدمی کے قد کے برابر بنایا جائے جبکہ دوسرا دروازہ پرانی تعمیر کے مطابق بند کر دیا جائے۔

خلیفہ کا حکم پڑھتے ہی حجاج بن یوسف نے سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعمیر شدہ عمارت بیت اللہ شریف کو منہدم کروا دیا۔اور حکم شاہی کے مطابق نئے سرے سے کعبہ مکرمہ کی تعمیر مکمل کرائی۔یہ تعمیر قریش مکہ کے نقشہ کے مطابق تھی۔ایک دروازہ بند کر دیا گیا اور دوسرا دروازہ قد آدم کے برابر رکھا۔حطیم کو عمارت سے الگ کر دیا گیا۔اس ظالم انسان نے ایک دفعہ پھر بیت اللہ شریف کو سنت ابراہیمی اور خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف تعمیر کر دیا۔گو اس نے عبدالملک کو لکھ بھیجا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت اللہ شریف کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کی ہے اور ان بنیادوں کی زیارت کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں پھر بھی عبدالملک کا یہ حکم دینا کہ کعبہ مکرمہ کو منہدم کر کے قریش کی طرز پر تعمیر کیا جائے اس بات کا عیاں ثبوت ہے عبدالملک سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث شریف سے لاعلم و بے خبر تھا۔اگر اس کو حدیث پاک کا علم ہوتا تو وہ کبھی اس کے خلاف حکم نہ دیتا۔ہماری اس بات کا ثبوت اصحاب سیر کے بیان کردہ اس واقعہ سے مل جاتا ہے جو حارث بن عبداللہ کے ذریعے عبدالملک کو پیش آیا۔

حارث بن عبداللہ ایک وفد کے ہمراہ شام تشریف لے گئے۔عبدالملک کے ساتھ گفتگو کے دوران تعمیر کعبہ مکرمہ کا ذکر شروع ہو گیا۔عبدالملک نے کہا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تعمیر کعبہ مکرمہ کے وقت قریش کی تعمیر میں زیادتی کرتے ہوئے اضافہ کر دیا تھا اس لئے میں نے بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے اور قریش کی تعمیر کے مطابق نئے سرے سے بنانے کا حکم دیا۔عبدالملک کی یہ گفتگو سن کر حارث بن عبداللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کو سنائی۔عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے۔عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث اپنی خالہ سے نہیں سنی ہو گی۔حارث بن عبداللہ نے جواب دیا ضرور یہ حدیث انہوں نے اپنی خالہ جان سے سنی ہو گی کیونکہ یہ حدیث تو میں نے بھی خود سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنی تھی۔حارث کی یہ بات سن کر عبدالملک نے کہا جو حدیث

آپ نے سنی تھی مجھے بھی سناؤ۔ حارث بن عبداللہ نے کہا اے عبدالملک۔

''میں نے سنا کہ سیّدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا''ایک دفعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے فرمایا۔ اے عائشہ تیری قوم نے بیت اللہ شریف کو تنگ کر دیا ہے۔ اگر تیری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ مکرمہ کی نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کمی کو پورا کر دیتا جو اس قوم نے پیدا کر دی ہے۔'' پھر فرمایا''عائشہ میرے ساتھ چل تجھے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیادیں دکھاتا ہوں۔ حطیم میں سے سات ہاتھ (تقریباً گیارہ (11) فٹ) اندر کا حصہ بیت اللہ شریف میں شامل تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے (یعنی بیت اللہ شریف) کے دروازے ایک بطرف مشرق اندر جانے کے لئے اور ایک بطرف مغرب باہر جانے کے لئے بنا دوں۔'' پھر مزید ارشاد فرمایا''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہیں علم ہے تمہاری قوم نے بیت اللہ شریف کا دروازہ اتنا اونچا کیوں بنایا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا''میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی جانتے ہیں'' تب حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا''ان لوگوں نے محض تکبر اور غرور کے اظہار کے لئے ایسا کیا ہے تاکہ وہ جسے چاہیں کعبہ مکرمہ میں داخل ہونے دیں جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں۔ اس طرح جس شخص کے اندر داخل ہونے کو وہ پسند نہ کرتے اسے اوپر سے نیچے گرا دیتے تھے۔ اور جس شخص کو چاہتے کہ وہ اندر داخل ہو جائے اس کی مدد کرتے۔''

عبدالملک نے جب یہ حدیث پاک سن لی تو کچھ دیر اپنی لاٹھی کے ساتھ ٹیک لگا کر کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ افسوس۔ اے کاش میں بیت اللہ شریف کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا اور اس کو منہدم کرانے کا حکم دے کر تعمیر میں ردوبدل کرنے کا فرمان جاری نہ کرتا مذکورہ طویل حدیث کو صحیح مسلم شریف کے باب''کتاب الحج''میں بیان کیا گیا ہے۔

(10) تعمیر کعبہ مکرمہ اور سلطان مراد

اموی خلیفہ عبدالملک کے حکم پر 74ھ (693ء) میں حجاج بن یوسف نے کعبہ مکرمہ از سر نو تعمیر کیا۔ اس وقت سے لے کر خلافت عثمانیہ کے سلطان مراد تک کعبہ مکرمہ کی عمارت کی کبھی کبھار تھوڑی بہت مرمت تو کی جاتی رہی مگر مکمل تعمیر تقریباً 966 سال گزر جانے کے بعد بھی اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی پھر اچانک مکہ مکرمہ اور اسکے آس پاس کا علاقہ اس قدر شدید بارشوں کی زد میں آ گیا جس کی مثال پہلے کم از کم تاریخ مکہ میں نہیں ملتی تھی۔ شدید ترین بارشوں کے بعد زبردست سیلاب آ گیا۔ جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ سیلاب کے بعد بیت اللہ شریف کی تعمیر ناگزیر ہوگئی۔ اس طرح اللہ کے گھر کی تعمیر کا یہ عظیم فریضہ عثمانی شاہ سلطان مراد کے حصہ میں آیا۔ 1040ھ میں سلطان مراد نے کعبہ مکرمہ کو نہایت خوبصورت انداز سے تعمیر کرایا اور یوں تقریباً 385 سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک یہ عمارت اپنے حسن وجمال اور تمام برکات کو دامن میں لئے گنہگاران امت محمدیہ کے گناہ معاف کرانے کے لئے چلی آ رہی ہے۔ کعبہ معظمہ کی یہ تعمیر 2 ذی الحج 1040 ہجری کو تقریباً چھ

ماہ کی شبانہ روز جدو جہد کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی اس تعمیر میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں جبل شبیکہ سے جسے جبل کعبہ بھی کہا جاتا ہے لائے گئے تھے جو خوش قسمت ایک دفعہ اس گھر کے سایہ میں پہنچ گیا اور اس نے اپنے تمام گناہوں سے تائب ہونے کا سچے دل سے اقرار کر لیا تو پھر اللہ کی رحمت اس کے تمام گناہ معاف کر دیتی ہے۔ دعا ہے اللہ کریم اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وسیلہ شریف سے ہم سب کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

امرائے مکہ مکرمہ

نمبر شمار	امراء مکۃ المکرّمہ	تاریخ امارت	جس دور میں امیر مکہ رہے
.1	عتاب بن اسید	اوائل شوال 8ھ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں (آپ تادم مرگ 14ھ تک امیر مکہ رہے۔ آپ اور حضرت صدیق اکبر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا وصال ایک ہی روز 14ھ میں ہوا)
.2	المحرز بن حارثہ بن ربیعہ	14ھ	یہ تمام حضرات
.3	قنفذ بن عمیر التیمی	14ھ	سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
.4	نافع بن الحارث الخزاعی		کے عہد مبارک میں
.5	خالد بن العاص المخزومی		(22 جمادی الثانی 13ھ تا 26 ذی الحجہ 23ھ)
.6	احمد بن خالد اور عبدالرحمن بن ابزی		تک امیر مکہ مکرمہ کے عہدے پر فائز رہے
.7	طارق بن المرتفع بن الحارث		
.8	الحارث بن نوفل بن حارث		
.9	علی بن عدی	24ھ	یہ حضرات سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ
.10	خالد بن العاص المتقدم	24ھ	تعالیٰ عنہ کے دور خلافت (24 تا 35ھ) میں
.11	الحارث بن نوفل		مکہ مکرمہ کی امارت کے عہد پر فائز رہے
.12	عبداللہ بن خالد بن اسید		
.13	عبد اللہ بن عامر الحضرمی		
.14	نافع بن الحارث الخزاعی		
.15	خالد بن العاص المتقدم	35ھ	

نمبر	نام	سن	کیفیت
16.	ابوقتادۃ الانصاری	36ھ	سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت (35ھ تا40ھ) میں امیر مکہ مکرمہ رہے تھے
17.	قثم بن العباس، معبد بن عباس		
18.	عتبہ بن ابی سفیان	39ھ	یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں 41ھ تا60ھ تک مکہ مکرمہ کے امیر رہے۔
19.	مروان بن الحکم		
20.	سعید بن العاص		
21.	عمرو بن سعید بن العاص	40ھ	
22.	خالد بن العاص المتقدم	42ھ	
23.	عبدالرحمٰن بن ابی بکر	44ھ	
24.	عبد اللہ بن خالد بن اُسید	53ھ	
25.	عمرو بن سعید بن العاص	61ھ	
26.	الولید بن عتبہ بن ابی سفیان		یہ حضرات خلافت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (62ھ تا 17 جمادی الثانی 73ھ) اور یزید (64 ہجری میں فوت ہوا) کے دور میں امیر مکہ مکرمہ رہے۔ (شہادت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما 73ھ)
27.	عثمان بن محمد بن ابی سفیان		
28.	الحارث بن خالد المخز ومی		
29.	عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب		
30.	یحیٰی بن حکیم بن عمرو		
31.	حجاج بن یوسف الثقفی	73ھ	
32.	مسلمۃ بن عبدالملک بن مروان		یہ حضرات عبدالملک بن مروان (73 تا82ھ) التوفی 86ھ کے دور میں امراء مکہ مکرمہ تھے
33.	الحارث بن خالد المخز ومی		
34.	خالد بن عبداللہ القسری	80ھ	
35.	نافع بن علقمۃ الکنانی		
36.	یحیٰی بن الحکم بن ابی العاص		
37.	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ	86ھ	الولید بن عبدالملک (86ھ تا96ھ) کے زمانہ میں تین سال تک امیر مکہ مکرمہ تھے
38.	خالد بن عبد اللہ القسری المتقدم	89ھ	ولید بن عبدالملک کے دور میں

.39	طلحہ بن داؤد الحضرمی	97ھ	سلیمان بن عبد الملک (96ھ تا99ھ) المتوفی 99ھ کے دور میں مکہ مکرمہ کے امیر تھے
.40	عبد العزیز بن عبد اللہ بن خالد بن اُسید		
.41	محمد بن طلحہ بن عبد اللہ	91ھ	یہ حضرات حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی 101ھ کے دور میں امارت مکہ مکرمہ کے عہدے پر فائز رہے
.42	عروۃ بن عیاض		
.43	عبد اللہ بن قیس بن مخرمۃ		
.44	عثمان بن عبید اللہ العدوی		
.45	عبد الرحمٰن بن الضحاک القرشی	101ھ	یزید بن عبد الملک المتوفی 105ھ کے دور میں امیر مکہ مکرمہ تھے
.46	عبد العزیز بن عبد اللہ بن اُسید	102ھ	
.47	عبد الواحد بن عبد اللہ النصری	104ھ	
.48	ابراہیم بن ہشام المخزومی	114ھ	ہشام بن عبد الملک المتوفی 125ھ کے دور میں امیر مکہ مکرمہ تھے
.49	محمد بن ہشام	125ھ	
.50	نافع بن عبد اللہ		
.51	یوسف بن محمد الثقفی	125ھ	الولید بن یزید بن عبد الملک 126ھ معمر کے دور میں قتل ہوا
.52	عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ	126ھ	مروان بن عبد العزیز المتوفی 132ھ کے عہد میں امراء مکہ مکرمہ تھے
.53	عبد الواحد بن سلیمان بن عبد الملک	127ھ	
.54	ابوحمزہ الخارجی	128ھ	
.55	عبد الملک بن محمد بن عطیۃ	129ھ	
.56	الولید بن عروۃ السعدی	130 تا 131ھ	مروان کے قتل 132ھ تک یہ دونوں مکہ مکرمہ کے امیر تھے
.57	محمد بن عبد الملک بن مروان	132ھ	
.58	داود بن علی بن عبد اللہ بن عباس	132ھ	دور عباسی کی ابتداء میں ابوالعباس السفاح عبد اللہ بن محمد بن علی المتوفی 136ھ کے زمانہ میں امیر مکہ مکرمہ تھے
.59	عمرو بن عبد الحمید		

نمبر	نام	سن	کیفیت
.60	العباس بن عبد اللہ بن معبد	136ھ	عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے عہد میں یہ حضرات امیر مکہ مکرمہ کے عہدے پر فائز تھے
.61	زیاد بن عبداللہ الحارثی	141ھ	
.62	الہیثم بن معاویہ العتکی		
.63	السری بن عبداللہ بن الحارث	143ھ	
.64	محمد بن الحسن بن معاویہ ابن عبداللہ بن جعفر	145ھ	النفس الزکیہ محمد بن عبداللہ سے پہلے امیر مکہ مکرمہ تھے
.65	السری بن عبداللہ بن الحارث	145ھ	ابوجعفر کے زمانہ میں امیر مکہ مکرمہ تھے۔ یہ سلسلہ 146ھ تا 157ھ تک جاری رہا
.66	عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس	146ھ	
.67	محمد بن ابراہیم الامام	149ھ	
.68	ابراہیم بن یحییٰ بن محمد	158ھ	عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور کے عہد میں 168ھ تک امیر مکہ مکرمہ رہے
.69	جعفر بن سلیمان بن علی	161ھ	
.70	عبیداللہ بن قثم بن علی	166ھ	
.71	الحسین بن علی بن الحسن بن المثنی	169ھ	عباسی خلیفہ ہارون الرشید (170-193ھ) المتوفی 193ھ کے دور میں امراء مکہ مکرمہ کے عہدے کے عہدے پر فائز رہے
.72	احمد بن اسماعیل بن علی بن عبیداللہ	178ھ	
.73	حماد البربری	186ھ	
.74	سلیمان بن جعفر بن سلیمان	169ھ	
.75	العباس بن موسیٰ بن عیسیٰ		
.76	العباس بن محمد بن ابراہیم الامام	184ھ	
.77	عبداللہ بن قثم بن عباس		
.78	علی بن موسیٰ		
.79	الفضل بن العباس		
.80	محمد بن عبداللہ بن سعید بن مغیرہ		
.81	موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد	191ھ	
.82	داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ	193ھ	
.83	الحسین بن علی بن علی	200ھ	عباسی خلیفہ مامون (198-218ھ)

Marfat.com

84.	علی بن محمد بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	200ھ	اُبی السریا کے قتل ہونے تک
85.	محمد بن عیسیٰ بن یزید الحلو دی	200ھ	عباسی خلیفہ مامون رشید (198-218ھ) کے وقت میں
86.	یزید بن محمد المخز ومی		
87.	ابراہیم بن موسیٰ الکاظم رحمۃ اللہ علیہ	202ھ	یمن سے تشریف لائے اور امیر مکہ رہے
88.	محمد بن جعفر الصادق	204ھ	یہ حضرات عباسی خلیفہ المامون رشید التوفی 218ھ کے دور میں مکہ مکرمہ کی امارت کے عہدے پر فائز رہے
89.	عبیداللہ بن الحسن بن عبیداللہ	210ھ	
90.	صالح بن العباس بن محمد	212ھ	
91.	سلیمان بن عبد اللہ بن سلیمان		
92.	ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر	214ھ	
93.	محمد بن سلیمان بن عبداللہ		
94.	الحسن بن سہیل		
95.	عبید اللہ بن عبداللہ بن الحسن	217ھ	عباسی خلیفہ التوکل بن المعتصم التوفی 248ھ کے دور میں مکہ مکرمہ کے امیر رہے
96.	صالح بن العباس	218ھ	
97.	آشاش الترکی		
98.	محمد بن داؤد بن عیسیٰ	226ھ	
99.	علی بن عیسیٰ بن جعفر	232ھ	
100.	عبد اللہ بن محمد بن داؤد	239ھ	
101.	عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد ابراہیم	243ھ	
102.	محمد بن سلیمان بن عبد اللہ	245ھ	
103.	محمد المستنصر بن التوکل	247ھ	
104.	صالح بن العباس	218ھ	عباسی خلیفہ المعتصم بن الرشید (218-227ھ) کے زمانہ میں امیر مکہ مکرمہ تھے
105.	اشاش اترکی	233ھ	
106.	عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد..	249ھ	

نمبر	نام	سن	کیفیت
107.	جعفر بن الفضل بن عیسیٰ	251ھ	عباسی خلیفہ المستعین بن المعتصم کے دور میں امیر مکہ تھے
108.	اسماعیل بن یوسف	252ھ	
109.	العباس بن المستعین	252ھ	
110.	محمد بن طاہر بن الحسین		خلیفہ المعتز باللہ بن المتوکل (251-255ھ) کے دور میں امیر مکہ مکرمہ تھے یہ عباسی خلیفہ 255ھ میں قتل ہوا
111.	عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل	253ھ	
112.	محمد بن احمد بن عیسیٰ	255ھ	
113.	علی بن الحسن الهاشمی	255ھ	
114.	الموفق طلحہ بن الموفق	257ھ	یہ حضرات خلافت المعتمد اور احمد بن طولون شاہ مصر کے دور میں مکہ مکرمہ کی امارت کے عہدے پا فائز تھے (خلافت المعتمد احمد بن المتوکل 256ھ تا 279ھ)
115.	ابراہیم بن محمد بن اسماعیل	263ھ	
116.	ابوالمغیرۃ محمد بن احمد		
117.	محمد بن عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل	266ھ	
118.	الفضل بن العباس بن حسین		
119.	ہارون بن محمد بن اسحاق	269ھ	
120.	احمد بن طولون	271ھ	
121.	محمد بن ابی الساج		
122.	یوسف بن ابی الساج	288ھ	
123.	عج	289ھ	خلیفہ المکتفی 289ھ
124.	مونس الخادم	295ھ	خلیفہ المقتدر 295ھ
125.	ابن ملاحظ	320ھ	خلیفہ القاہر 320ھ
126.	ابن مخلب اور ابن محارب	322ھ	خلیفہ الراضی باللہ 322ھ
127.	ابوطاہر القرمطی	329ھ	خلیفہ المتقی باللہ 329ھ
128.	محمد بن طبع المعروف بالاخشید وولداہ	332ھ	خلیفہ المستکفی 332ھ
129.	ابوالقاسم وعلی		
130.	ابوجعفر محمد بن الحسن بن عبدالعزیز	334ھ	خلیفہ المطیع اللہ 334ھ

131.	جعفر بن محمد بن الحسین اول الاشراف عیسیٰ بن جعفر ابوالفتوح الحسن بن جعفر ابوالطیب داؤد بن عبدالرحمٰن	358ھ 384ھ 390ھ	اس دور میں مصر خلافت عباسی سے نکل گیا تھا اس لئے یہ امراء مکہ مکرمہ آزاد حاکم تھے
132.	تاج المعالی محمد شکر بن ابی الفتوح	430ھ	یہ امراء مکہ مکرمہ فاطمیوں کے ماتحت حاکم تھے
133.	عبد تاج المعالی	453ھ	
134.	محمد بن ابی الفاتک		
135.	علی بن محمد الصلیحی	455ھ	یہ حاکم مکہ مکرمہ یمنی حکومت کے تحت تھے
136.	محمد بن جعفر بن محمد		
137.	حمزة بن وہاس بن ابی الطیب		
138.	ابن ابی ہاشم		یہ تمام امراء مکہ مکرمہ آزاد حاکم تھے اور ایک دوسرے سے اسی ترتیب کے ساتھ حاکمیت مکہ مکرمہ حاصل کرتے رہے
139.	القاسم بن محمد بن جعفر	484ھ	
140.	الاصبهید بن سارتکین	484ھ	
141.	القاسم بن محمد بن جعفر	488ھ	
142.	فلیتہ بن القاسم	518ھ	
143.	ہاشم بن فلیتہ	527ھ	
144.	القاسم بن ہاشم	549ھ	
145.	عیسیٰ بن فلیتہ	553ھ	فاطمی خلافت کے تحت سلطان صلاح الدین ایوبی (564ھ-589ھ بمطابق 1169ء تا 1193ء) کے زیر انتظام رہا
146.	القاسم بن ہاشم	557ھ	
147.	عیسیٰ بن فلیتہ	557ھ	
148.	مالک بن فلیتہ	565ھ	
149.	عیسیٰ بن فلیتہ		
150.	داؤد بن عیسیٰ	570ھ	
151.	مکسر بن عیسیٰ	571ھ	
152.	طغتکین بن ایوب	581ھ	
153.	القاسم بن منہا الحسینی		
154.	ملک مسعود		

Marfat.com

نمبر	نام	سن	کیفیت
.155	مکسر بن عیسیٰ	587ھ	خلافت مصر کے تحت حاکم تھا
.156	الشریف قتادة بن ادریس الحسنی العلوی	597ھ	
.157	نورالدین عمر بن علی		
.158	الحسن بن قتادہ	617ھ	خلافت مصر کے تحت حاکم تھا
.159	علی بن رسول	619ھ	صلاح الدین ایوبیؒ کے جانشین کے تحت حاکم تھا
.160	صارم الدین یاقوت عتیق المسعود	625ھ	خلافت مصر کے تحت حاکم تھے
.161	طغتکین الترکی	626ھ	
.162	راجح بن قتادہ	630ھ	
.163	الحسن بن علی بن قتادہ	639ھ	
.164	جماز بن الحسن بن قتادہ	651ھ	ناصر سلطان مصر کے ماتحت حاکم مکہ مکرمہ تھا
.165	غانم بن راجح	652ھ	
.166	ادریس بن قتادہ ومحمد ابونمی الاول	654ھ	
.167	محمد نمی الاول	667ھ	
.168	غانم بن ادریس		
.169	جماز بن شیحہ	688ھ	سلطان مصر قلاوون کے تحت حاکم تھا
.170	رمثیة وحمیضة ولدابی نمی	701ھ	سلطان بیبرس والی مصر کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
.171	عطیفة وابوالفیث ولدابی نمی	701ھ	
.172	رمثیة وحمیضة ولدابی نمی	703ھ	
.173	رمثیة منفردا	737ھ	
.174	عجلان بن رمثیہ	745ھ	

.175	عجلان وثقبة	746ھ	مصری خلافت کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
.176	سند ومفامس ابنا رمثیة	747ھ	
.177	احمد بن عجلان منفردا	777ھ	
.178	عنان بن مفامس	788ھ	
.179	علی بن عجلان	789ھ	
.180	محمد بن عجلان	797ھ	ملک ظاہر برقو سلطان مصر کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
.181	برکات بن الحسن	809ھ	
.182	احمد بن الحسن	810ھ	
.183	رمثیة بن محمد بن عجلان	818ھ	سلطان مصر کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھا
.184	الحسن بن عجلان	819ھ	خلافت مصر کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
.185	علی بن عنان بن مغامس	827ھ	
.186	الحسن بن عجلان	828ھ	
.187	برکات بن الحسن	829ھ	
.188	علی بن الحسن	845ھ	
.189	برکات بن الحسن	845ھ	
.190	ابوالقاسم بن الحسن	846ھ	خلافت مصر کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھا
.191	برکات بن الحسن	851ھ	
.192	محمد بن برکات	859ھ	
.193	برکات بن محمد	901ھ	
.194	هزاع بن محمد	907ھ	
.195	احمد بن محمد	907ھ	
.196	حمضیة بن محمد	908ھ	

نمبر	نام	سن	کیفیت
197.	ابونمی الثانی محمد بن برکات	931ھ	حجاز مقدس کا 922ھ سے سلطان سلیم ترکی (روم) کے تحت حاکم
198.	احمد بن ابی نمی	945ھ	ترک سلطان سلیمان کے دور میں حاکم مکہ مکرمہ تھے
199.	حسن بن ابی نمی	992ھ	
200.	حسین ومسعود بن الحسن	992ھ	
201.	ابوطالب بن الحسن	1010ھ	خلافت عثمانیہ کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
202.	ادریس بن الحسن	1012ھ	
203.	فہید بن الحسن		
204.	محسن بن الحسین بن الحسن	1032ھ	
205.	احمد بن عبدالمطلب بن الحسن	1037ھ	
206.	مسعود بن ادریس بن الحسن	1039ھ	
207.	عبد اللہ بن الحسن	1040ھ	
208.	عبد اللہ بن الحسن	1041ھ	
209.	محمد بن عبد اللہ بن الحسن	1041ھ	
210.	زید بن محسن	1041ھ	
211.	نامی بن عبدالمطلب	1041ھ	
212.	سعد بن زید	1077ھ	
213.	احمد بن زید	1080ھ	خلافت عثمانیہ کے تحت حاکم مکہ مکرمہ تھے
214.	برکات بن محمد بن ابراہیم بن برکات بن نمی	1082ھ	
215.	سعید بن برکات	1094ھ	
216.	احمد بن زید	1095ھ	
217.	احمد بن غالب	1099ھ	
218.	سعید بن سعد بن زید	1099ھ	
219.	محسن بن حسین بن زید	1101ھ	
220.	مساعد بن سعد	1103ھ	
221.	سعید بن سعد	1103ھ	
222.	سعد بن زید	1103ھ	

.223	عبد اللہ بن ہاشم	1105ھ	
.224	سعد بن زید	1106ھ	
.225	سعید بن سعد	1113ھ	
.226	عبدالمحسن بن احمد بن زید	1116ھ	
.227	عبدالکریم بن یعلی	1116ھ	
.228	سعد بن زید	1116ھ	
.229	عبدالکریم بن یعلی	1116ھ	
.230	سعید بن سعد	1116ھ	
.231	عبداللہ بن سعید	1129ھ	
.232	یحییٰ بن برکات	1130ھ	
.233	مبارک بن احمد بن زید	1132ھ	
.234	یحییٰ بن برکات	1134ھ	
.235	برکات بن یحییٰ	1136ھ	
.236	مبارک بن احمد بن زید	1136ھ	
.237	عبد اللہ بن سعید	1136ھ	
.238	محمد بن عبداللہ بن سعید	1145ھ	
.239	مسعود بن سعید	1146ھ	
.240	مساعد بن سعید	1165ھ	
.241	جعفر بن سعید	1172ھ	
.242	مساعد بن سعید	1173ھ	
.243	عبد اللہ بن سعید	1184ھ	
.244	احمد بن سعید	1184ھ	
.245	عبداللہ بن حسنین بن یحییٰ ابن برکات	1184ھ	

.246	احمد بن سعید	1185ھ	
.247	سرور بن سعید	1185ھ	
.248	غالب بن مساعد	1202ھ	
.249	یحییٰ بن سرور	1228ھ	
.250	عبدالمطلب بن غالب بن مساعد	1242ھ	
.251	محمد بن عبدالمعین بن عون	1243ھ	
.252	عبدالمطلب بن غالب	1267ھ	
.253	محمد بن عبدالمعین بن عون	1272ھ	
.254	عبداللہ پاشا بن محمد بن عبدالمعین	1274ھ	
.255	حسین پاشا الشہید ابن محمد ابن ابی عبد المعین	1294ھ	
.256	عبدالمطلب بن غالب	1297ھ	
.257	عون الرفیق پاشا بن محمد بن عبد المعین	1299ھ	
.258	علی پاشا	1323ھ	
.259	حسین بن علی	1326ھ	
.260	خالد بن لوی	1343ھ	سلطان عبدالعزیز بن السعود امیر نجد کی حکومت سے پہلے ترکی سلطان کی طرف سے مقرر حاکم مکہ مکرمہ تھے

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ 39.36 درجے طول بلد مشرقی اور 24.28 درجے عرض بلد شمالی میں واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے

دوسوستتر(277) میل (445 کلومیٹر) اور ینبوع (بندرگاہ کا نام ہے۔) سے ایک سوتیں میل (210 کلومیٹر) کے فاصلے پر سطح سمندر سے چھ سوانیس(619) میٹر بلندی پر واقع ہے۔شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں جبل طویق مدینہ منورہ کے قریب2800فٹ (850 میٹر) بلند جبکہ ریاض کے جنوب مغرب میں اس سلسلہ کوہ کی بلندی3500فٹ (1067 میٹر) ہے۔مدینہ منورہ کا پانی ہلکا اور شیریں اور یہاں چوبیس سے زیادہ پانی کے چشمے ہیں جن میں اہم ترین العین الزرقاء ہے۔باشندے خلیق اور شیریں گفتار ہیں۔سب سے بڑی سوغات کھجور ہے۔

قدیم تاریخ

قدیم نام یثرب تھا جس کی وجہ تسمیہ یاقوت نے یہ لکھی ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ بن مہلائل بن ارم بن عبیل بن عوض بن اربد بن سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ان کی ساتویں پشت میں تھا۔محققین کے مطابق عمالیق3300ق م میں مصر کے حکمران تھے۔وہ1600ق م میں وہاں سے نکال دیئے گئے اس طرح عمالقہ کے مسکن کے طور پر یہ شہر1600ق م اور2200ق م کے درمیانی زمانہ میں معرض وجود میں آیا۔نیز روایت ہے کہ قبائل عمالقہ اور جرہم یمن میں آباد تھے۔یمن سے ترک وطن کر کے کچھ اطراف مکہ مکرمہ میں اور بعض مدینہ منورہ کے مقام پر آباد ہوئے۔بنوسام کی حقیقی ترقی کا زمانہ2200ق م سے1500ق م تک کا ہے۔جب حجاز میں عمالقہ کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سرکوبی (1500 قبل مسیح) کے لئے فوج بھیج کر عمالقہ کو شکست دے کر ان کے بادشاہ کو قتل کر دیا۔

معجم البلدان صفحہ461 جلد4
تاریخ العرب قبل الاسلام صفحہ129

70عیسوی میں یہودیوں اور رومیوں میں زبردست جنگ ہوئی جس سے پورا فلسطین تباہ ہو گیا اور یہودی دنیا کے مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے اور کئی ایک نے عارضی پناہ کے لئے بلادِ عرب کا رخ کیا۔مدینہ منورہ میں یہود کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے جن کی بیس کے قریب ذیلی شاخیں تھیں۔ان کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے بنوقینقاع بنوخزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے۔بنونضیر اور بنوقریظہ نے بنوقینقاع کا بڑی بے دردی سے خون بہایا تھا۔مدینہ کے یہودی سودخوری میں مشرکین عرب سے بازی لے گئے تھے اور حرص وطمع کا یہ عالم تھا کہ کنوؤں کا پانی ڈولوں کے حساب سے بیچتے تھے۔چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلت پیدا کرنے کا عام وطیرہ تھا۔ان بدعادات کی وجہ سے مدینہ کی اکثریت ان سے نفرت کرنے لگی تھی۔یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین اور تعلیم پر عبرانی زبان میں عمل کرتے تھے۔یہود کی مادری زبان عبرانی تھی مگر حجاز آ کر رفتہ رفتہ عربی ہو گئی۔

یہود کے علاوہ مدینہ میں عیسائی قبائل اوس وخزرج بھی آباد تھے جو سدّ مآرب کے انہدام کے بعد یمن سے یہاں آئے تھے۔ یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑاتے رہتے تھے تاکہ مدینہ منورہ پر ان کا تسلط برقرار رہے اور وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ اوس و خزرج کے درمیان آخری جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے پانچ سال قبل ہوئی تھی یہ تھے مدینہ کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات جب حضرت محمد صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم مکہ معظّمہ میں مبعوث ہوئے۔

عہد اسلام

آنحضرت صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم مکہ معظّمہ میں حج کے زمانے میں باہر سے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اوس وخزرج کے چند آدمی عقبہ کے پاس آپ صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم کو ملے آپ صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔ اور یہود کو نبوت اور نبی علیہ السلام کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے اور تورات کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور سنتے تھے وہ ان سے سنتے رہتے تھے۔ کہ قریبی زمانے میں کوئی نبی آنے والا ہے حج کے موسم میں انہوں نے جن کی تعداد چھ تھی اسلام قبول کرلیا اور مدینہ منورہ جاکر اسلام کی خوب اشاعت کی دوسرے سال حج کے موقع پر اوس وخزرج کے بارہ آدمیوں نے عقبہ اولیٰ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور آنحضرت نے ان کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ کردیا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور قرآن کریم پڑھائیں اُن کی کوششوں سے مدینہ منورہ میں اسلام پھیل گیا۔ دوسرے سال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ آئے تو ان کے ساتھ تہتر (73) افراد کی جماعت تھی جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے ہمراہ تشریف لائے کچھ گفتگو کے بعد فرمایا کہ میں تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کروگے۔

سیرت النبی از ابن ہشام صفحہ 3-441

اب آفتاب اسلام کی ضیاپاشیوں سے مدینہ منورہ کے در و دیوار روشن ہو رہے تھے لیکن رؤسائے مکہ کی مخالفت اس تیرہ سال کی مدت میں طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے باوجود بھی کم نہ ہوئی تھی ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلّم اور اپنے دین کی نصرت وحمایت کے لئے اوس وخزرج کو کھڑا کردیا جو بعد میں انصار مدینہ کے معزز لقب سے مشرف ہوئے۔ ان کے مورث اعلیٰ یمن میں سدّ مآرب کی تباہی وبربادی کے بعد (300 سال قبل از مسیح) حجاز منتقل ہونے کے بعد مدینہ میں آباد ہوگئے تھے یہ لوگ نرم مزاج، نرم دل، رذیل عادات سے پاک اور نبوت و رسالت، وحی والہام۔ حشر ونشر و آخرت اور انبیاء کرام کی ہدایت کے آسمانی نظام

سے واقف تھے۔ جب انصار مدینہ نے بیعت کر لی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ جب قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ ہجرت کر گئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ صحابہ جو ناداری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے باقی رہ گئے تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہجرت مدینہ سے بہت خطرہ محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لے گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر کوئی بس نہیں چلے گا۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہر قبیلے سے ایک عالی ہمت اور اعلیٰ خاندان والے جنگجو جوان کا انتخاب کیا جائے اور وہ یکبارگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر حملہ آور ہوں تاکہ کسی ایک پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امانتیں سپرد کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے راستے میں مکہ مکرمہ کے قریب واقع غارِ ثور میں تین دن قیام کرتے ہوئے 12 ربیع الاول بروز دوشنبہ (24 ستمبر 632ء) کو قباء پہنچ گئے جو مدینہ منورہ کے مضافات میں ہے۔ اسی مناسبت سے یکم محرم سے اسلامی نظام تقویم اور اسلامی (کیلنڈر) تاریخ کا آغاز ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قباء میں چودہ روز قیام فرمایا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے واقدی اور ابن سعد کی طبقات الکبریٰ کی روایت کے مطابق 12 ربیع الاول ابوالقاسم سہیلی کی روض الانف کے مطابق 13 ربیع الاول) 11 ہجری بمطابق 8 جون 632ء کو وصال فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مدنی دور نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا اہم باب ہے۔ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری سے اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی، جہاد کا حکم ملا، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح و طلاق، امیروں، غلاموں، دشمنانِ دین اور حدود و تعزیرات کے متعلق احکام نازل ہوئے اور دین اسلام مکمل نقطہ عروج اور منتہائے کمال پر پہنچ گیا۔ مدینہ منورہ ہی سے مسلمان ذوق جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر دنیا کی تسخیر اور دین اسلام سے روشناس کرانے کے لئے روانہ ہوئے۔

خلفائے راشدین یعنی خلافت راشدہ

1) خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت 11 ہجری (632ء) تا 13 ہجری یعنی 634ء تک کا ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زیادہ عرصہ مرتد قبائل کے استیصال اور منکرین زکوٰۃ کی تادیب میں گزرا۔

2) خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 13 ہجری 634ء تا 23 ہجری 644ء تک خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ انہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں مرکزی بیت المال قائم کیا۔ مسجد نبوی کی

توسیع کی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک ہر منزل پر چوکیاں۔ حوض اور سرائیں تعمیر کیں۔ زمینوں کی پیائش کا نظام اور دوسرے بے شمار عوامی فلاحی وانتظامی امور کے متعلق محکمے اور ادارے قائم کئے۔

3) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت 23 ہجری یعنی 644ء سے 35 ہجری یعنی 655ء تک کا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہم کارنامہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر وتوسیع ہے۔ انہوں نے ساری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا عہد صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرآن مجید کے مُدوَّن نسخے کی نقلیں کرا کر مدینہ منورہ سے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔

4) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت 35 ہجری یعنی 655ء تا 40 ہجری یعنی 661ء تک کا ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے بصرہ روانہ ہوئے تو اکثر اکابر صحابہ اور محتاط اہل مدینہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ سے نہ نکلیں اور اگر اس وقت نکلے تو پھر واپس نہ آسکیں گے اور مرکزی حکومت مدینہ منورہ سے نکل جائے گی (طبری) جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ واپس آ کر مدینے کی بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ سے مصالحت کر لی اور مرکز خلافت دمشق منتقل ہو گیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خلافت کی چھ ماہ تک ذمہ داری نبھائی اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق صلح گوئی اور خلافت سے دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ چلے آئے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جو سیاسی کشا کش سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے قیام کو ترجیح دیتے تھے۔

خلافت بنی امیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (41ھ 661ء تا 60 ہجری 680ء) نے بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور اپنے حسن سلوک، تحمل اور بردباری سے انہیں خوش یا کم از کم خاموش رکھا لیکن ان کا بیٹا یزید (60 ہجری 680ء تا 64 ہجری 683ء) ان کی سیاست کو نہ نباہ سکا اور اس کی وجہ سے سانحہٗ کربلا پیش آیا۔ جس کی وجہ سے اہل مدینہ جنہوں نے یزید کی خلافت خوش دلی سے قبول نہیں کی تھی۔ اموی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کر دیا۔ تمام اہل حجاز نے حضرت عبد اللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تمام اموی اعمال کو مدینے سے نکال دیا۔ اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی اور جرأت سے مقابلہ کیا لیکن آخر 26 اگست 683ء کو شکست کھائی۔ شامی فوجیں جس میں شامی عیسائیوں کی بھی بڑی تعداد تھی تین دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی اور قتل عام کرتی

رہیں۔اور مدینہ منورہ کو بڑا نقصان پہنچایا یزید کی موت کے بعد اہل مدینہ پھر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو گئے۔لیکن ان کی شکست کے بعد حجاز پر دوبارہ اموی اقتدار قائم ہو گیا اور مدینے سے بہت سے عمائدین ہجرت کر کے دنیائے اسلام کے مختلف خطوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

یزید کے بعد مختصر عرصہ یعنی چھ ماہ کے لئے معاویہ ثانی (64ہجری683ء) برسر اقتدار رہا اور اس کے بعد مروان (64ہجری683ء) بھی مختصر سے عرصہ کے لئے برسر اقتدار رہا عبدالملک بن مروان (65ہجری685ء تا 86ہجری705ء) نے خلیفہ بننے سے قبل کافی عرصہ مدینہ میں گزارا تھا۔اس نے مدینے کے ارباب کمال سے استفادہ کیا تھا۔75ہجری میں وہ حج کے سلسلے میں مدینہ منورہ بھی حاضر ہوا تھا۔اہل مدینہ سے اس کا سلوک ہمدردانہ رہا۔مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خوشبو کے لئے لوبان اور عود بھیجتا رہتا تھا۔

ولید بن عبدالملک (86ہجری705ء تا96ہجری715ء) کے زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے امیر (گورنر یعنی حاکم صوبہ) تھے۔ولید نے ان کو لکھا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرانی عمارت گرا کر ازسر نو تعمیر کی جائے اور مسجد کی توسیع کے لئے مسجد سے متصل مکانات کو خرید کر مسجد میں شامل کیا جائے۔یہ توسیع شدہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمارت تین سال میں مکمل ہوئی۔دیواروں اور چھت پر طلائی کام اور نہایت عمدہ مینا کاری کی گئی۔ولید خود بھی اسکے دیکھنے کے لئے مدینہ گیا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد دوسری دیوار تعمیر کرائی۔

سلیمان بن عبدالمالک (96ہجری715ء تا99ہجری717ء) کا برتاؤ اہل مدینہ کے ساتھ ہمدردانہ رہا۔ 97ہجری وہ حج کے سلسلے میں مدینہ منورہ گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (99ہجری717ء تا101ہجری720ء) نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوبارہ تعمیر تزئین اور توسیع کرائی۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ اندازہ کیا کہ حفاظ حدیث اللہ کو پیارے ہوتے جارہے ہیں۔قاضی ابوبکر بن حزم امیر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی تلاش کر کے لکھ لی جائیں۔اہل مدینہ سے ان کا طرز عمل پسندیدہ اور عمدہ رہا۔ان کے عہد خلافت میں علم دین کی خوب اشاعت ہوئی اور بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

یزید دوم 101ہجری720ء تا105ہجری724ء تک خلیفہ رہا۔

ہشام بن عبدالمالک (105ہجری724ء تا125ہجری743ء) کے زمانہ خلافت میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور پھر کوفہ سے لشکرکشی کی لیکن کوفیوں کی بدعہدی اور غداری سے شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد ان کے ماننے والوں اور عقیدتمندوں کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو گیا۔جو امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مانتا ہے۔اور زیدیہ کہلاتا

ہے اسی زمانے میں امامت کا منصب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔

ولید دوم (125 ہجری تا 126ھ 743ء تا 744ء)

یزید سوم (126 ہجری 744ء)

ابراہیم (126 ہجری 744ء تا 127 ہجری 744ء)

مروان دوم (127 ہجری 744ء تا 132 ہجری 750ء) کی شکست اور بعد ازاں قتل کے بعد بنوامیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور بنی عباس برسرِ اقتدار آ گئے۔

خلافت عباسیہ

ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح (132 ہجری 750ء تا 136 ہجری 754ء) بنوامیہ کے خاتمے کے بعد ابوالعباس عبداللہ تخت خلافت پر بیٹھا اور عراق ہی کو پایہ تخت بنایا۔ سفاح نے اپنے چچا داؤد کو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا امیر (گورنر) بنایا۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور (136 ہجری 754ء تا 158 ہجری 775ء) خلیفہ بنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑپوتوں نفس زکیہ اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ مدینہ منورہ میں امام مالک اور کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ نے دونوں بھائیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ منصور نے آل حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت ظلم کئے نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ پر قبضہ کر کے عباسی گورنر (امیر) کو قید کر دیا۔ منصور نے نفس زکیہ کے مقابلے کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے ابتداء میں زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت کا پورا حق ادا کیا لیکن آخر میں بعض لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور نفس زکیہ نے میدان جنگ میں 26 دسمبر 762ء کو شہادت پائی یہی انجام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا ذوالحجہ 145 ہجری 14 فروری 763ء کو کوفہ میں ہوا۔ منصور نے اپنے زمانہ خلافت میں پانچ حج کئے تھے۔

محمد بن منصور الملقب بہ مہدی (158 ہجری 775ء تا 169 ہجری 785ء) نے مسجد نبوی کی عمارت میں توسیع کرائی اور نقش و نگار سے آراستہ کرایا۔ بغداد۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا اور حرمین الشریفین کے باشندوں سے فیاضانہ سلوک کیا۔

موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی (169 ہجری 785ء تا 170 ہجری 786ء) کے زمانے میں آل حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خروج کیا اور انہوں نے دارالامارۃ کا محاصرہ کر کے قید خانہ توڑ کر قیدی رہا کرا لئے اس طرح مدینہ منورہ میں ہنگامہ ہو گیا۔ آخر میں حسن بن علی رحمۃ اللہ علیہ کو مقام فخ میں شکست ہوئی۔ ان کے ماموں ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب بھاگ کر المغرب جا پہنچے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ادریس نے مراکش (المغرب) میں ادریسی سلطنت قائم کر لی۔ اور ان کا سلسلہ حکمرانی 172 ہجری 788ء تا 375 ہجری 985ء جاری رہا۔

ہارون الرشید (170ہجری786ءتا193ہجری809ء) نے نو حج کئے اور اہل حرمین الشریفین سے بہت زیادہ فیاضانہ سلوک کیا۔ مکہ مکرمہ کی آبی ضروریات کے لیے طائف سے مکہ مکرمہ تک نہر زبیدہ تعمیر کروائی۔

امین: (193ھ809ءتا198ھ813ء)

مامون: (198ھ813ءتا218ھ833ء)

معتصم باللہ (218ھ833ءتا227ھ842ء) کے زمانے میں اہلِ بیت کے ایک بزرگ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں گوشہ نشین تھے۔ مگر اہلِ خراساں (ایران) ان کو میدان سیاست میں کھینچ لائے اور ان کے ارادتمندوں کو لشکر کشی کے ارادے سے مدینہ منورہ سے جوز جان لے گئے۔ لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔

واثق باللہ (227ھ 842ء تا 232ھ 847ء) نے خاندانِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعزاز واحترام کیا اس نے حرمین الشریفین کے باشندوں کی اس فیاضی سے خدمت کی کہ اس کے زمانے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا۔

متوکل (232ھ847ءتا247ھ861ء)

منتصر باللہ (247ء861ءتا248ھ862ء) نے خلیفہ ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کے افراد اور اہلِ بیت نبوی کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ فوری طور پر موقوف کر دیا۔ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کو واپس کر دیا اور امیر مدینہ منورہ علی بن حسن کو رخصت کرتے وقت تاکید کی کہ آلِ ابی طالب سے عمدہ سلوک کیا جائے۔

مستعین (248ھ862ءتا251ھ866ء)

معتز (251ھ866ءتا255ھ869ء)

مہتدی (255ھ869ءتا256ھ870ء)

معتمد (256ھ870ءتا279ھ892ء)

معتضد (279ھ892ءتا289ھ902ء)

مکتفی (289ھ902ءتا295ھ908ء)

مقتدر (295ھ908ءتا320ھ932ء)

قاہر (320ھ932ءتا322ھ934ء)

راضی (322ھ934ءتا329ھ940ء)

متقی (329ھ940ءتا333ھ944ء)

مستکفی (333ھ944ءتا334ھ946ء)

Marfat.com

مُتّی (334ھ946ءتا363ھ974ء)

طائی (363ھ974ءتا381ھ991ء)

قادر (381ھ991ءتا422ھ1031ء)

قائم (422ھ1031ءتا467ھ 1075ء)

مقتدی (467ھ1075ءتا487ھ1094ء)

مستظاہر (487ھ1094ءتا512ھ1118ء)

مسترشد (512ھ1118ءتا529ھ1135ء)

رشید (529ھ1135ءتا530ھ1136ء)

مقتفی (530ھ1136ء تا555ھ1160ء)

مستنجد (555ھ1160ءتا566ھ1170ء)

معتد (566ھ1170ءتا575ھ1180ء)

ناصر (575ھ1180ء تا622ھ1225ء)

ظاہر (622ھ1225ءتا623ھ1226ء)

مستنصر (623ھ1226ء تا640ھ1242ء)

مستعصم (640ھ1242ءتا656ھ1258ء)

سلطان نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ نے 559ھ(1163ء) اپنے سپہ سالار شیرکوہ کو جمادی الآخر 559ھ میں مصر روانہ کیا کہ ضرغام کو معزول کر کے شاور کو وزارت کے عہدے پر بحال کر دیا جائے مگر شاور نے مصری عیسائیوں کی مدد سے بدعہدی کی اسدالدین شیرکوہ نے اپنے بھتیجے صلاح الدین ایوبی بن نجم الدین ایوب کو اسکندریہ کا حاکم مقرر کیا۔ عاضد بن یوسف عبیدی مصر کا برائے نام بادشاہ تھا۔ اُسکی درخواست پر سلطان نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ نے 564ھ میں اسدالدین شیرکوہ اور اُس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو عاضد کی مدد کے لئے بھیجا۔ چنانچہ اُس نے مصر سے عاضد کے مخالفین کو شکست دی تو شیرکوہ کو مصر میں بطور وزیرِاعظم مقرر کر دیا گیا۔ 565ھ میں شیرکوہ کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی کو وزارت عظمٰی کا عہدہ دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے شیعہ قاضیوں کو موقوف کر کے شافعی قضاۃ مقرر کئے اور مدرسہ شافعیہ اور مدرسہ مالکیہ کی بنیاد رکھی۔ صلاح الدین کی وجہ سے مصر میں شیعیت کو تنزل اور سُنّی مذہب کو ترقی ملی۔

10 صفر 568ھ(1172ء) کو بادشاہ عاضد عبیدی نے وفات پائی تو مصر پھر خلافت عباسیہ بغداد کی حدود میں داخل ہوا۔ صلاح الدین ایوبی کے نام خلیفہ بغداد کی طرف سے حکومت مصری سند۔ خطاب سلطانی اور خلعت وعلم

آ گیا اور دولت عبیدین کے بعد دولتِ ایوبیہ کی ابتدا ہوئی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے شمار علاقے فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں شامل کیئے اور اسلام کی بہت خدمت کی اور صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کو خوب تباہ و بربادی سے دوچار کیا مارچ 1193ء (589ھ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ انتقال کر گئے۔

دولت اخشیدی (523ھ 935ء تا 558ء 969ء) ابوبکر محمد بن طغج ملوک فرغانہ کی نسل سے تھا۔ راضی باللہ نے اس کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تو اس نے امارت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور دو سال بعد اس نے مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک حجاز کی قسمت مصر سے وابستہ رہی۔ اخشید کی فوتیدگی کے بعد اس کے دولڑکے تخت نشین ہوئے لیکن نظام حکومت کافور کے ہاتھ میں رہی جو حبشی غلام تھا۔ اس کی عظمت و شان اتنی بڑھ گئی تھی کہ مصر کے علاوہ حجاز میں بھی خطبوں میں اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا۔ متنبّی نے کافور کی مدح اور ہجو میں قصیدے لکھ کر اس کے نام کو عربی ادب میں زندہ جاوید بنا دیا۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں حجاز میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کو عروج حاصل ہوا۔ یہ خاندان تقریباً ایک ہزار برس تک برسر اقتدار رہا ان کے زمانے میں مدینہ منورہ کی بجائے مکہ مکرمہ حجاز کا دارالحکومت قرار پایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1171ء میں سلطنت فاطمی کا خاتمہ کر دیا تو ان حجازی شرفاء و امراء نے عباسی اور ایوبی سیادت تسلیم کر لی اور زیدی مسلک کو چھوڑ کر شافعی مسلک اختیار کر لیا۔

دولتِ نوریہ و صلاحیہ (567ھ 1171ء تا 648ھ 1250ء) پانچویں صدی ہجری کا آخری اور چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش اور مشکل و دشواری کا زمانہ تھا۔ صلیبی جنگجو 492ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہے تھے۔ عراق میں قرامطہ نے اودھم مچا رکھا تھا۔ مصر کی فاطمی سلطنت کے اعلیٰ ارکان عیسائی طاقتوں سے ملے ہوئے تھے۔ اسماعیلی باطنیوں نے سارے عالم اسلام پر خوف اور ذہنی انتشار پھیلا رکھا تھا۔ صلیبی جنگجوؤں کی لوٹ مار سے حج کا راستہ مخدوش ہو گیا تھا۔ اس نفسانفسی۔ مایوسی۔ انتشار اور شکست خوردگی کے عالم میں سلطان نورالدین زنگی نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لئے علم جہاد بلند کیا اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ سلطان نورالدین زنگی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خواب میں روضہ مبارک کو نقصان پہنچانے والے غیر مسلم کفار کی شکلیں دکھا کر اُنکی سرکوبی کا حکم فرمایا تو سلطان بغیر کسی بھی جگہ قیام کیئے متواتر سولہ (16) روز تک گھوڑے پر گھوڑے بدلتے ہوئے فوراً مدینہ طیبہ پہنچا اور کفار کا سر قلم کر دیا۔ نیز روضۂ نبوی کے چاروں طرف زمین میں پانی کی گہرائی تک سیسہ پگھلا کر دیوار تعمیر کرا دی جسے خندق الرصاص بھی کہتے ہیں اس نے مدینہ منورہ کے اردگرد چار دیواری بھی بنوائی جس میں بُرج اور پھاٹک بھی بنوائے گئے۔ سلطان نورالدین کی 569ھ (1173ء) میں وفات کے بعد علم جہاد سلطان صلاح الدین ایوبی نے تھاما۔ اس نے معرکہ حطین میں عیسائیوں کو 583ھ (1187ء) میں شکست فاش دی اور عیسائیوں کی یلغار سے حجاز کو

Marfat.com

محفوظ کر دیا۔ اس جنگ میں یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے ساتھ ریجی نالڈ (Regionald) بھی گرفتار ہوا جو کرک کا والی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گستاخانہ گفتگو کیا کرتا تھا۔ وہ مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور حاجیوں کے قافلوں کو جو مکّہ مکرمہ یا مصر سے آتے تھے۔ لوٹ لیتا تھا۔ اس نے 578ھ (1182ء) میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر پورا نہ ہو سکا۔ ریجی نالڈ نے ایلہ میں بحری جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کیا تا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر سکے مگر مسلمانوں کے امیر البحر لولؤ نے اس بحری مہم کو ناکام بنا دیا اور حرمین الشریفین صلیبیوں کی یلغار سے محفوظ رہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لئے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا۔ حج کے راستے کو محفوظ بنایا اور حرمین کے لئے ایک بڑا وقف قائم کیا۔ فاطمیوں کے زمانے کے بھاری محصول (ٹیکس) منسوخ کر دیئے۔ خدام حرمین کے لئے وظائف اور اہل حرمین کی ضروریات کے لئے غلّے کی کثیر تعداد مقرر کی۔ سلطان 589ھ (فروری 1193ء) میں پچپن سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے بڑے بیٹے کے حصے میں دمشق آیا۔ دوسرے بیٹے کو حلب ملا اور تیسرے کو مصر اور شمالی عرب۔ عراق اُس کے بھائی العادل کے حصّے میں آیا۔

دولتِ ممالیکِ بحری (648ھ 1250ء تا 792ھ 1390ء)

دولتِ ممالیکِ برّی (792ھ 1390ء تا 922ھ 1517ء)

سلطان صلاح الدین ایوبی (1169ء-1193ء) کے جانشینوں کے بعد مصر اور حجاز کی زمام سلطنت ترکی ممالیک کے ہاتھوں میں آ گئی۔ بحری ممالیک کا سربراہ رکن الدین بیبرس بندقداری (658ھ 1260ء تا 676ھ 1277ء) تھا۔ وہ اپنے کارناموں۔ فتوحات۔ شجاعت اور اسلام اور مسلمانوں کی حمایت ونصرت کے لحاظ سے صلاح الدین ثانی تھا۔ اس نے ایک طرف صلیبیوں کو شکستیں دے کر ان کے مقبوضات چھین لئے دوسری طرف اس نے عینِ جالوت پر ہلاکو خان (1217ء-1265ء) کے نائب امیر کتبغا کو شوال 658ھ یعنی ستمبر 1260ء میں ذلت آمیز شکست دی اور تاتاریوں کا رخ شام۔ مصر اور حجاز کی طرف سے پھیر دیا اور انہیں ایران اور عراق (1258ء) جیسے انجام سے بچا لیا۔ 667ھ (1271ء) بیبرس خود حج کے لئے گیا۔ آخری خلیفہ عباسی مستعصم کے زمانے میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ حصوں کو آگ کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا۔ بیبرس نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر نو کے لئے قاہرہ سے بہت سے کاریگر اور عمارتی سامان بھجوایا اور عمارت کو مکمل کرایا۔ روضۂ نبوی کے گرد جنگلا اور اس کی چھت کو طلائی زریں اور سونے کا ملمع کرایا۔

سلطان بیبرس کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد اس کے جانشین ملک المنصور سیف الدین قلادون نے 680ھ (1281ء) ہلاکو خاں کے بیٹے اباقا خاں کو حمص کے قریب شکست فاش دی اور مصر اور حجاز کو تاتاریوں کی یلغار سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اس کے بیٹے ملک الناصر محمد بن قلادون (1293ء تا 1294ء) نے خود بھی حج کیا۔ مسجد

نبوی کی چھت کی مرمت کرائی۔ روضۂ نبوی کو ممیّز کرنے کی غرض سے اس پر ایک گنبد بھی تعمیر کرایا جس پر شیشے کی چادریں چڑھادی گئیں۔ بحری ممالیک کے بعد برجی ممالیک (792ھ1390ء تا923ھ1517ء) کو حرمین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی ان میں سے ملک الظاہر سیف الدین چقمق (1438ء تا1453ء) اور ملک الشرف سیف الدین قایتبائی (1468ء تا1494ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سلطان بیبرس اور الناصر محمد بن قلادون کی دین سے عقیدت، مجاہدانہ سرگرمیوں اور کامیابیوں کی بدولت اسلامی دنیا کا سیاسی وعلمی مرکز بغداد سے قاہرہ منتقل ہوگیا۔ سقوطِ بغداد (1258ء) کے بعد عراق کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور چودھویں صدی عیسوی میں ممالیک کو سیاسی برتری حاصل رہی تا آنکہ سلطان سلیم اوّل نے مرج وابق کی جنگ میں 1516ء میں ممالیک کے آخری فرمانروا کو شکست دے کر مصر وشام کو عثمانی قلمرو میں شامل کرلیا۔ اور اسلامی دنیا کا مرکز قاہرہ کی بجائے قسطنطنیہ (استنبول) بن گیا۔

ترکانِ عثمانی یعنی عثمانی خلافت

(1517ء تا1916ء -923ھ تا1333ھ)

مصر کی فتح کے بعد سلطان سلیم نے امیر مدینہ طیبہ برکات دوم کو خلعت بھیجا۔ شریف برکات نے اپنے لڑکے کو سلطان سلیم کی خدمت میں قاہرہ بھیج کر اظہار اطاعت کیا اس کے بدلے میں سلطان نے شریف برکات کی امارت کی توثیق کردی اس کے بعد چار سو سال تک حجاز کی قسمت ترکان عثمانی سے وابستہ رہی عثمانی سلاطین اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ حرمین الشریفین کی انتہائی عقیدت واحترام سے خدمت کی جائے اور دنیائے اسلام کو عیسائی حملے سے بچائیں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور حج کے راستوں کی حفاظت کریں۔ اس لئے حجاز میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ سلطان سلیم نے مدینہ منورہ میں امیر مصلح بیگ کو بھیج کر بہت سے رفاہی اور امور خیر انجام دیئے۔

سلطان سلیمان اعظم قانونی (926ھ1520ء تا974ھ1566ء) نے مصر کے چند گاؤں بیت المال سے خرید کر ان کے غلّے کو اہلِ حرمین کے لئے وقف کردیا۔ سلطان سلیمان کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی جنوبی جانب سے ایک زمین دوز نہر بھی کھدوا کر شہر میں لائی گئی۔ خزانہ شاہی اور سلطان کی جیب خاص سے بڑی بڑی رقوم حرمین الشریفین کے علماء اور مشائخ کو دی جاتی تھیں۔

عثمانی سلاطین میں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی سعادت سب سے زیادہ سلطان عبد المجید خاں (1255ھ1839ء تا1277ھ1861ء) کو حاصل ہوئی۔ اُس نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عروس المساجد کے حقیقی معنی پہنانے کی پوری سعی کی۔

سلطان عبدالحمید خاں ثانی (1293ھ1876ء تا1327ھ1909ء) کے عہد میں دمشق سے لے کر

Marfat.com

مدینہ منورہ تک ریلوے لائن 1904-1909ء میں تعمیر ہوئی جس سے ترکی۔شام اور فلسطین کے عازمین حج بلا خوف وخطر سرزمین حجاز آنے جانے لگے۔حجاز ریلوے لائن کی تعمیر میں مسلمانانِ ہند نے بھی بڑی فیاضی سے حصّہ لیا تھا۔1908ء میں شریف حسین بن علی حجاز کا والی بن کر مکّہ مکرمہ پہنچا۔اسے ترکوں نے خطرناک شخصیت سمجھ کر قسطنطنیہ میں نظر بند کر رکھا تھا لیکن وہ انجمن اتحاد وترقی کے بعض ارکان کا اعتماد حاصل کرنے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے بعد حجاز کی امارت (گورنری) حاصل کرنے مین کامیاب ہوگیا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم (1914ء تا 1918ء) شروع ہوئی تو شریف حسین خودمختاری کے خواب دیکھنے لگا اس کے بیٹے امیر فیصل اور امیر عبداللہ ایک عرب سلطنت کے قیام کے فریب میں انگریزوں سے مل گئے۔انگریزوں کی شہ پر 1916ء میں شریف حسین نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔حجاز ریلوے کو برباد کر دیا گیا جس کی وجہ سے ترک افواج کو سامان جنگ اور سامانِ رسد نہ پہنچ سکا اور انہیں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔بالآخر ترکوں نے 1918ء میں مدینہ منورہ خالی کر دیا اور شریف حسین نے ملک الحجاز کا لقب اختیار کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور انگریزوں نے فی الفور اسے حاکم حجاز تسلیم کر لیا۔1924ء میں شریف حسین نے خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعوٰی کر دیا۔جس پر عالم اسلام بالخصوص ہندوستان اور مصر میں شدید ردِّ عمل ہوا۔ جنگ عظیم کے اثرات کی وجہ سے اہل مدینہ طیبہ کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔باہر سے اناج کی درآمد مسدود ہوگئی۔بدامنی اور خوفناک گرانی کی وجہ سے بے شمار باشندے مدینہ طیبہ چھوڑ کر شام۔مصر اور ہندوستان کو چلے گئے اور شہری آبادی جو ترکوں کے زمانے میں تقریباً اسّی ہزار تھی کم ہو کر صرف دس ہزار رہ گئی۔اس اثناء میں شریفی امرا کے حریف عبدالعزیز بن سعود نے نجد میں اپنی امارت قائم کر لی تھی اور وہ حجاز پر تسلّط قائم کرنے کا عزم رکھتا تھا۔انگریز بھی شریف حسین کے روز افزوں مطالبات سے تنگ آ کر سلطان عبدالعزیز بن سعود کی طرف مائل ہو چکے تھے اتفاق یہ کہ نجدیوں کا داخلہ بھی حرمین میں بند تھا جس سے تنگ آ کر نجدی افواج نے حجاز کی طرف پیش قدمی کر کے 1924ء کے آخر میں مکّہ مکرمہ اور 1925ء میں مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا اور شریف حسین نے جدّہ سے قبرص کی راہ لی۔

سعودی حکومت (1932ء تا حال)

سلطان عبدالعزیز بن سعود نے حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد ملک النجد والحجاز کا لقب اختیار کر کے ملک میں امن وامان قائم کیا۔حج کے راستے کو محفوظ بنایا اور ملک کو ترقی کے راستے پر گامزن کیا۔1930ء میں تیل کی دریافت اور برآمد سے ملک کی خوش حالی اور اقتصادی خودمختاری کا نیا دور شروع ہوا اور اہل مدینہ نے بھی آسودہ حال ہو کر اطمینان کا سانس لیا اور مدینہ طیبہ کی آبادی میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔سلطان عبدالعزیز بن سعود کی 1953ء میں وفات کے بعد شاہ سعود اور بعد ازاں شاہ فیصل (متوفی 1975ء) نے زمامِ حکومت سنبھالی۔انہوں نے مسجد نبوی کی توسیع و

تزئین پر کروڑوں ریال صرف کئے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی توسیع و تکمیل کی۔ جامعہ اسلامیہ کے قیام سے علمی ترقی کا دور شروع ہوا۔ شاہ فیصل کے بعد ملک خالد (1982-1975ء) اور شاہ فہد بن عبدالعزیز نے 1982ء میں زمام حکومت سنبھالی۔ شاہ فہد کے عہد میں مسجد نبوی کی توسیع پر بہت توجہ دی گئی اور اس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توسیع شدہ رقبہ اٹھانوے ہزار پانچ سو (98ہزار500) مربع میٹر کے برابر ہے۔ قدیم مدینہ منورہ تقریباً سارے کا سارا گرایا جا چکا ہے۔ مسجد نبوی کی محراب کی مغربی جانب ''ھذا مصلّٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم'' لکھا ہوا ہے۔ مسجد نبویؐ کے قدیم حصہ کی پشت پر قبلہ کی سمت پیتل کی جالیوں کی دیوار بنی ہوئی ہے اس کے علاوہ محراب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دائیں بائیں پیتل ہی کے دروازے بنے ہوئے ہیں ان دروازوں اور جالیوں سے آگے کا حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ کردہ ہے۔

آجکل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام صاحب اسی حصے کے اگلے حصے میں امامت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس محراب پر تاریخ تعمیر 182ہجری درج ہے اور یہ سلطان شرف ابوالعصر کے دور کی تعمیر ہے۔

خاندانِ سعود کے حکمران

1۔ ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل السعود (1932ء تا 1953ء)
2۔ شاہ سعود بن عبدالعزیز (1953ء تا 1964ء)
3۔ خادمِ حرمین الشریفین فیصل بن عبدالعزیز (1964ء تا 1975ء)
4۔ خادم حرمین الشریفین خالد بن عبدالعزیز (1975ء تا 1982ء)
5۔ خادم حرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز (1985ء تا2005ء)
6۔ خادم حرمین الشریفین عبداللہ بن عبدالعزیز (یکم اگست2005ء تا حال)

مدینہ منورہ کی تاریخ

مدینہ (منورہ) عام طور پر شہر یعنی بستی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں یہ آرامی زبان کا لفظ ہے۔ اس زبان میں اس لفظ کے معنی عملداری میں شامل علاقہ کے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ یثرب بیماریوں اور برائی کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس شہر کے قرب وجوار میں جو بستیاں آباد تھیں اس کے مجموعہ کا نام یثرب تھا۔ قرآنِ مجید میں یثرب اور مدینہ دونوں نام آئے ہیں۔ جنکی تفصیل کچھ یوں ہے:۔

مدینہ (منورہ): سورۃ الاحزاب آیت60، المنافقون آیت8، سورۃ التوبہ آیات101، 120

یثرب: سورۃ الاحزاب آیت13

حقیقت حال جو کچھ بھی ہو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ فخر موجودات کے قدموں کی برکت سے یثرب مدینۃ الرسول بن گیا اور پرانا نام یثرت ختم ہوگیا۔ اس طرح مدینۃ الرسول نام کا اطلاق صرف شہر پر ہی نہ ہوا بلکہ اطراف کی بستیاں بھی مدینۃ الرسول میں شامل ہوگئیں۔ اس طرح یہ نام مبارک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مبارکہ اور سیاسی غلبہ وقوت کی بھی یاد تازہ کرتا ہے۔ جزیرہ نما عرب کے خطے میں مدینہ منورہ سیاسی، اقتصادی اور معاشی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ انتہائی زرخیز وشاداب علاقہ ہے یہاں کی آب وہوا معتدل اور خوشگوار ہے۔ پانی یہاں وافر مقدار میں موجود ہے۔ یہاں سے ساحل سمندر زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ سرزمین عرب پر تجارتی اعتبار سے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے۔ اہل عرب اور خاص طور پر قریش تاجر پیشہ تھے۔ ان کی زیادہ تر تجارت ملک شام ویمن کے ساتھ تھی۔ ان ملکوں کو جانے والی واحد تجارتی شاہراہ جس کو قرآن کریم (سورۃ الحجر آیت 79) نے ''امام المبین'' کہا ہے اسی شہر سے ہو کر گذرتی ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد یہ اقتصادی ومعاشی شاہراہ اہل حق کے قبضہ میں آگئی اور یوں قریش مکہ جنہوں نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں سخت اذیتیں اور تکالیف پہنچائی تھیں اب ان کے دست نگر بن گئے تھے۔ پھر کائنات نے دیکھا کہ صرف آٹھ دس سال کی قلیل مدت میں پورا عرب اور اطراف کے قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

مدینہ منورہ کا محل وقوع

حبیب انس وجان فخر کونین، تاجدار عرب وعجم محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ منورہ کا محل وقوع تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ اس کتاب کے قاری کو اللہ کریم اپنی رحمت سے حج یا عمرہ کی سعادت عطا فرمائے تو اس کے دل ودماغ میں اس افضل اعلیٰ ترین شہر مبارک کا محل وقوع نقش ہو چکا ہو۔ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مدینہ منورہ کی زیارت کے وقت اگر اس مبارک شہر کے بارے میں پہلے سے ہی معلومات حاصل ہوں تو عشق ومحبت کی دنیا میں ان مبارک مقامات کو دیکھ کر جو کیف وسرور حاصل ہوتا ہے اسکا بیان احاطہ قلم سے باہر ہے۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے شمال میں 277 میل یعنی 445 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ موجودہ زمانے میں نہایت شاندار دوطرفہ شاہراہ (موٹر وے) موجود ہے جس پر اگر ذاتی کار یا ٹیکسی میں سفر کیا جائے تو نہایت احتیاط سے ڈرائیونگ (گاڑی چلاتے ہوئے) کرتے ہوئے قریباً تین ساڑھے تین گھنٹے کا وقت لگتا ہے۔ مدینہ منورہ کے مغرب میں ایک سوتیس میل (یعنی 210 کلومیٹر) کی دوری پر سمندر واقع ہے جسکی مشہور بندرگاہ کا نام ''ینبوع'' ہے۔ اس بندرگارہ پر جدید پلانٹ کی مدد سے سمندر کا پانی مقطر یعنی فلٹر کرنے کے بعد اہل مدینہ کو سپلائی کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ مختلف اقسام کی مچھلی بھی مدینہ کے رہنے والوں کو سپلائی کی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ اور شام کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ ملک شام کے ساتھ تجارتی میدان میں اس شہر کو ابتداء سے ہی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مدینہ منورہ

سطح سمندر سے 619 میٹر بلند ہے۔ یہ مبارک شہر صوبہ حجاز اور تہامہ کا صحت افزاء مقام ہے۔ مدینہ منورہ میں سردیوں کے موسم میں شدید سردی اور گرمی کے موسم میں شدید گرمی ہوتی ہے۔ یوں قدرت نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مبارک شہر اور اسکے رہنے والوں کو ان دونوں موسموں سے بہرہ مند کر رکھا ہے۔ گرمی کے موسم میں یہاں درجہ حرارت عام طور پر 40 سے 48 سنٹی گریڈ رہتا ہے جبکہ سردی کے موسم میں دن کو درجہ حرارت صفر سے 10 درجہ سے اوپر اور رات کے وقت درجہ حرارت 5 سنٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ سارے جزیرہ نمائے عرب کی ہوا میں کیونکہ رطوبت بہت کم ہوتی ہے اس لئے یہاں کا موسم زیادہ خشک رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہاں گرمی کی شدت زیادہ ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا طول بلد قریباً قریباً یکساں ہی ہے۔ مدینہ منورہ کا طول بلد $39\frac{1}{2}$ درجہ 55 دقیقہ مشرقی ہے جبکہ مکہ مکرمہ کا طول بلد بھی یہی ہے البتہ دونوں مقدس ترین شہروں کے عرض بلد میں فرق ہے۔ مدینہ منورہ کا عرض بلد 24 درجے 15 دقیقہ شمالی ہے اور مکہ مکرمہ کا عرض بلد 21 درجے شمالی ہے۔

مدینہ منورہ ایک ایسے میدان میں آباد ہے جسکے شمال کی طرف ایک ہلکی سی پہاڑی ڈھال پائی جاتی ہے۔ (دائرۃ المعارف ج-8- ص-529 میں تحریر ہے کہ) مدینہ منورہ مشرقی اور مغربی سمتوں سے دو حرون (حرہ پتھریلی زمین کو کہا جاتا ہے) اور شمال وجنوب سے دو پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس مقدس شہر کے مشرق میں حرۃ ''الواقم'' اور مغرب میں حرۃ ''الوبرہ'' واقع ہے۔ یہ حرہ ''شرقیہ'' وحرہ ''غربیہ'' چھوٹے بڑے اور متوسط درجے کے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ مدینہ منورہ کے بڑے پہاڑ یہ ہیں۔

1. "جبل احد" مبارک 2. "جبل عیر" مبارک

مدینہ منورہ میں درمیانی درجے کے پہاڑ درج ذیل ہیں۔

1. جبل الرماۃ 2. جبل سلع

مدینہ منورہ کو قدرت نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے بڑی ہریالی عطا فرما رکھی ہے۔ اس مقدس شہر کے اطراف میں واقع بستیاں گھنے سرسبز سایہ دار درختوں سے بھری ہوئی ہیں۔ مدینہ منورہ کے شمال کی جانب "جبل اُحد" شریف واقع ہے کہ اس مقدس شہر سے قریباً 3 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جبل احد کی بستیاں درج ذیل ہیں:

شمال

1. بستی خیف الزہرہ 2. بستی خیف الثنایا
3. بستی خیف العیون وغیرہ

مدینہ منورہ کے مشرق کی جانب عریض تک بستیاں وآبادیاں پھیلی ہوئی ہیں اور دو حرہ واقع ہیں یعنی

مشرق

1. حرہ شرقیہ 2. خیف الصدقہ

مدینہ منورہ کے مغرب کی جانب دو مشہور وادیاں ہیں۔

مغرب

1. وادی عقیق کبیر 2. وادی عقیق صغیر

مدینہ منورہ کے جنوب میں چار مشہور بستیاں آباد ہیں۔

جنوب

1. بستی قبا: اسے اگر باغات کی سرزمین کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔
2. بستی جفاف، قربان: اس علاقہ میں بستان (باغ) الجزع مشہور تھا۔
3. بستی العوالی
4. بستی اطرہ

(از مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد-1، صفحہ-52)

اکناف مدینہ منورہ کی مشہور وادیاں

مدینہ منورہ کے اکناف میں جو وادیاں مشہور تھیں اب بھی یہی وادیاں اسی طرح مشہور ہیں۔ انکے نام درج ذیل ہیں۔

1. وادی قناۃ 2. وادی عقیق
3. وادی مذنیب 4. وادی مہروز
5. وادی بطحان (از آثار المدینہ)

مدینہ منورہ کی آب وہوا

ظہور اسلام سے پہلے پورے جزیرہ نما عرب میں یثرب آب وہوا کی خرابی کے لئے مشہور تھا۔ یہ شہر مہلک امراض، طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کی آماجگاہ تھا۔ ہجرت کے بعد جب سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اس شہر میں تشریف لائے تو یہاں کی آب وہوا انکو موافق نہ آئی

Marfat.com

اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بیمار ہوگئے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں۔

''جب ہم لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد یثرب آئے تو یہ شہر اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ وباؤں والا شہر تھا۔یہاں بُطحان نامی ایک نالہ تھا جس میں ہر وقت بدبودار پانی بہتا رہتا تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ پر لعنت کرے جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وبا کی زمین کی طرف دھکیل دیا ہے۔یا اللہ تو مدینہ شہر کی محبت سے ہمارے دلوں کو لبریز فرمادے''۔

(از بخاری شریف، جلد۔1، صفحہ۔253)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شہر(یثرب) میں تشریف آوری سے پہلے یہ شہر تپ اور بخار کی وبا کا مرکز تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان بیماریوں کو اس شہر سے نکال کر جحفہ بھیج دے (اس زمانے میں مقام جحفہ مشرکوں اور باغیوں کا مرکز تھا) جب حبیب انس وجان فخر دو جہاں تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر اس شہر میں تشریف فرما ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار میں مبتلا ہوگئے۔ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بیمار ہوگئے۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد محترم کی خبر گیری کے لئے گئی تو میں نے دیکھا کہ میرے والد محترم شدت تپ میں مبتلا مکان کے ایک کونے میں لیٹے یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

كُـلُّ امْـرَءٍ مُـصْـبِـحٌ فِـيْ اَهْـلِـهٖ ہر آدمی اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے

وَ الْـمَـوْتُ اَدْنـىٰ مِـنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ حالانکہ موت اسکے جوتے کے تسمہ سے بھی قریب ہے

مکان کے دوسرے کونے میں سیدنا حضرت بلال وحضرت عامر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی اسی بیماری میں مبتلا کفار قریش پر لعنت کر رہے ہیں۔سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر واپس آکر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والد گرامی کی حالت کا بتایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت یوں دعا فرمائی:

''یا اللہ ہمارے دلوں کو مکہ مکرمہ کی محبت سے کہیں زیادہ اس شہر(مدینہ منورہ) کی محبت سے بھر دے۔اس شہر کی آب وہوا کو صحت افزا بنادے۔اور اس کے مدّ اور صاع میں ہمارے لئے برکت فرما۔تپ اور وباء اس شہر مبارک سے جحفہ بھیج دے''۔

(از صحیح بخاری، جلد1، صفحہ253)

چنانچہ ویسے ہی واقع ہوا۔

یوں خالق کائنات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو ہجرت کے بعد اس تھوڑی سی آزمائش میں مبتلا رکھ کر اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا وبرکت سے اس شہر کا نام تبدیل فرما کر ''مدینہ طابہ''

رکھ دیا اور اس مبارک شہر کو نہایت صحت بخش مقام بنا دیا۔ ارشاد خداوندی ہے جسے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بیان کیا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہ سَمّی المدِیْنتہ طاھِبہ اللہ تعالیٰ نے اسکا نام مدینہ طابہ رکھ دیا

(از مسلم شریف جلد۔1، صفحہ۔445)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس دعاؤں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی آب وہوا کو بے حد لطیف صحت افزاء اور نہایت ہی خوشگوار بنا دیا۔ دنیا جہاں کی برکتیں اور نعمتیں سمٹ کر حضور علیہ السلام کے نقش پاء مبارک کی بدولت اس شہر خوباں میں جمع ہوگئیں۔ ہر قسم کے مہلک امراض، وبائیں اور بیماریاں اس شہر سے دور نکل گئیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"اِن اللّٰہ امرنیِ اسمی المدِیْنتہ طیبہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھ دوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کی بدولت یثرب بیماریوں کے شہر کا نام بدل کر مدینہ طابہ، مدینہ طیبہ، مدینہ منورہ اور مدینتہ الرسول ہوگیا۔ اس نام کی تبدیلی سے اس شہر کی آب وہوا اور اسکے رہنے والوں کو وہ عظمتیں، ترقیاں اور مقامات نصیب ہوئے ہیں جو دنیا کے کسی بھی شہر کے رہنے والوں کو نصیب نہیں۔ صاحب معجم البلدان علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی خصوصیات میں سے ایک خاص بات یہ ہے کہ اس شہر کی ہوا نہایت ہی پاکیزہ ہے۔ یہاں عطر کی خوشبو میں ایک ایسا نفیس اضافہ ہوجاتا ہے جو اس پاک شہر کے علاوہ دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح مقدس شہر میں پائی جانے والی صیہانی کھجور کی مثل دنیا کے کسی دوسرے شہر میں کھجور نہیں پائی جاتی۔

(از معجم البلدان جلد۔7، صفحہ۔446)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ ایک قدیم شہر ہے اس شہر کو آباد کرنے والے عمالقہ تھے جنہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ اس وقت یہاں کے رہنے والوں پر کیونکہ بیماریوں کا اثر بہت جلد ہوجاتا تھا۔ آب وہوا اچھی نہ تھی اس لئے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس شہر کی آب وہوا انسانی صحت کے لئے بڑی خراب تھی۔ آپ علیہ السلام کی برکت اور دعا کے نتیجہ میں اس شہر کی آب وہوا اسقدر اچھی ہوگئی کہ یہ مقدس شہر تہامہ اور حجاز کا صحت افزاء مقام بن گیا۔ آپ علیہ السلام کے صدقے اس شہر کا نام مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگیا۔

سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے صدقے اللہ کریم نے مدینہ منورہ کو وہ شرف عظیم عطا فرمایا جو کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ علیہ السلام کے قدموں کے صدقے مدینہ منورہ کی آب وہوا کو وہ لطافت و پاکیزگی حاصل ہوئی جس کا اندازہ کرنا اسے بیان کرنا ایک مسلمان کے ذہن کو

حلاوت وتروتازگی بخشتا ہے۔ رحلتہ الحجازیہ کے مصنف ابن فقیہ ہمدانی اپنی اس تصنیف کے صفحہ نمبر 265 پر مدینہ منورہ کی آب وہوا کے بیان میں تحریر کرتے ہیں کہ اس پاک شہر کی آب وہوا اور خاک پاک کی خوشبو دنیا کے تمام دوسرے شہروں سے زیادہ معطر اور باعث شفا ہے۔ اس شہر مقدس کی آب وہوا کا اندازہ اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ بہت زیادہ کھانے والا آدمی جسکی پانچ روٹیاں کھا کر بھی شکم سیری نہیں ہوتی اگر اس پاک شہر میں رہتے دو روٹیاں کھالے تو اسکو مزید کھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ اسکی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ یہاں زیادہ کھانے سے کسی قسم کی بدہضمی ہوجاتی ہے یا پھر یہاں کی غذا میں کسی قسم کی کثافت پائی جاتی ہے یا پھر خدانخواستہ یہاں کے غلے میں کوئی خرابی ہے یا وہ اچھی طرح پسا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتو انسان فوری طور پر یقیناً بدہضمی کا شکار ہوجائے جبکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہاں کم خوراک سے سیر شکم ہوجانا مدینہ منورہ کی برکات اور نفیس ترین آب وہوا کی وجہ سے ہے۔

فخر کونین ہادی برحق رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ شہر یثرب بیماریوں اور طرح طرح کی دیگر امراض کا گھر تھا مگر جیسے ہی بے کسوں کے کس تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں نے اس سرزمین کو شرف بخشا اسکے کچھ عرصہ بعد ہی یہ شہر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن گیا۔ اس مدینہ طیبہ میں موجود ہر قسم کی بیماری اور مہلک سے مہلک امراض ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھاگ گئے اور یوں یہ پاک شہر قیامت تک آب وہوا اور دیگر جملہ راحتوں کا مرکز بن گیا۔ علامہ محمد لبیب البتونی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یقینی طور پر مدینہ منورہ کی آب وہوا نہایت ہی صحت بخش ہے جو کہ انسانی زندگی کو حقیقی جلا بخشتی ہے۔ اہل مدینہ کے اخلاق وعادات میں جو نرمی لطافت اور شگفتگی پائی جاتی ہے اس میں اس پاک شہر کی عمدہ آب وہوا کا لازماً اثر ہے۔ اس مقدس شہر کے پانی میں قدرت نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے وہ خاصیت رکھی ہے کہ یہاں کا پانی نہایت شیریں اور جلد ہضم ہوجانے والا ہے۔ جتنا پانی پی لیں کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ جسم میں تروتازگی پیدا کرتا ہے۔ یہ پانی خوب ٹھنڈا اور مسکن ہے۔ اس پاک شہر کی آب وہوا معتدل اور انسانی روح کو غذا بخشنے والی ہے۔ یہاں کسی قسم کی متعدی بیماری نہیں ہے۔ اس پاک شہر میں نہ پیچس واسہال کا وجود ہے اور نہ ہی ہیضہ وطاعون کا وبا ہے بلکہ جو لوگ مکہ مکرمہ یا دیگر اطراف سے آنے والے ہیں اگر خدانخواستہ راستہ میں پیچس کے عارضہ میں مبتلا ہوکر مدینہ منورہ پہنچیں تو اس مقدس شہر کی آب وہوا کی برکت سے وہ یہاں آکر صحت یاب ہوجاتے ہیں۔ یہاں ہر روز صبح وشام ٹھنڈی ہوا چلتی ہے جو جسم میں ہی نہیں بلکہ انسانی روح میں تازگی پیدا کرتی ہے۔ مدینہ طیبہ کی راتیں خنکی کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ الغرض اس پاک شہر کی آب وہوا کرہ ارض کے باقی تمام شہروں سے زیادہ خوشگوار وتروتازہ کرنے والی اور انسانی جسم وروح کو فرحت پہنچانے والی ہے۔

مدینہ منورہ کب آباد ہوا

مدینہ منورہ کب آباد ہوا اس سلسلے میں تاریخ عرب کوئی حتمی زمانہ یا سال نہیں بتاتی۔اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔یہ شہر کس نے کب آباد کیا تھا اس ضمن میں مؤرخین نے مختلف قیاس آرائیاں ضرور کی ہیں مگر تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔یہاں ان مختلف خیالات کو مختصراً بیان کیا جا رہا ہے۔جو مؤرخین واصحاب سیر نے بیان کئے ہیں۔

(1) کچھ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ یہ شہر بنی جرہم نے آباد کیا تھا۔بنی جرہم سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے۔پورا قبیلہ بنی جرہم مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑوں پر آباد تھا۔یہ اسی قبیلے کی ایک شاخ تھی جس نے آزد کو عک کے ساتھ جنگ کی شکست ہوئی تو یہ جرہم کی شاخ اپنے سابق وطن سے نکل کر کچھ عرصہ سرزمین عرب پر ادھر ادھر گھومتی رہی اور آخر مدینہ منورہ میں آکر آباد ہوگئی۔اس وقت یہاں یہود آباد تھے۔ واللہ اعلم۔

فتوح البلدان، صفحہ 16-17

(2) ایک خیال یہ ہے کہ اس سرزمین پر عمالقہ آباد تھے۔عمالقہ قوم یہاں مقام جحفہ میں آباد تھی۔یہ خیال علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری المشہور ابن سعد کا ہے۔پھر ابن سعد خود بیان کرتے ہیں کہ یہاں عمالقہ سے پہلے قوم عبیل آباد تھی اس قوم کو عمالیق نے نکال کر خود یہاں سکونت اختیار کی۔پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عمالیق کو بھی یہاں سے نکلنا پڑا کیونکہ یہ علاقہ شدید ترین سیلابوں کی وجہ سے برباد ہوگیا تھا۔عمالیق جہاں آباد تھے اس کو جحفہ کہا جاتا تھا۔جس کا عربی زبان میں مطلب ہے ''بہالے جانا'' عین ممکن ہے عمالیق کو سیلابوں نے برباد کر دیا ہو اور وہ لوگ ان سیلابوں اور طغیانیوں کے ساتھ بہہ گئے۔واللہ اعلم۔

از طبقات ابن سعد جلد اول

(3) علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ خلاصتہ الوفا میں اپنی تحقیق کے مطابق رقم طراز ہیں کہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد زمین پر سب سے پہلے آباد ہونے والی یہی بستی ہے۔سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد جب آپ علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تو اس میں 80 افراد سوار تھے۔ان لوگوں نے زمین پر جس جگہ قیام کیا وہ جگہ ''سوق الثمانین'' کہلائی۔پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ انکی تعداد 72 مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوگئی جنکی 72 ہی الگ الگ زبانیں تھیں۔ان میں سے ایک جماعت نے الہام کے ذریعے عربی زبان وضع کی اور سوق الثمانین سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔اس جماعت کے لوگوں نے یہاں سب سے پہلے زراعت شروع کی اور کھجور کے درخت

لگائے۔اس جماعت کو عمالقہ کہا جاتا ہے۔

از جذب القلوب تصنیف شاہ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ دہلوی

وفاء الوفا تصنیف حضرت علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ

(4) ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جسے ابی منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام حج بیت اللہ کے لئے حجاز مقدس آئے تو ان کا مدینہ منورہ سے گذر ہوا جہاں انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر ہونے کے آثار پائے۔

(از خلاصۃ الوفا)

(5) مدینہ منورہ کے بارے میں حضرت علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ ایک اور روایت یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام دونوں بھائی فریضہ حج ادا کرنے کے لئے سرزمین حجاز مقدس تشریف لائے تو انہوں نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔یاد رہے کہ ان دنوں یہ شہر اہل یہود کا مرکز تھا۔ دونوں محترم بھائیوں نے کوہ احد کی چوٹی پر قیام فرمانے کا منصوبہ بنایا۔شہر سے نکل کر کوہ احد کی چوٹی پر تشریف لے گئے وہاں سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام انتقال فرما گئے۔سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیارے بھائی کو پہاڑ کی چوٹی پر ہی قبر کھود کر دفن فرمایا۔سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کا مزار پرانوار کوہ احد کی چوٹی پر آج بھی موجود ہے۔

(6) ایک اور روایت میں آتا ہے جسے صاحب خلاصۃ الوفا نے بیان کیا ہے فرماتے ہیں سب سے پہلے عوص کا بیٹا اپنے اہل وعیال کے ہمراہ یثرب میں آکر آباد ہوا۔اسطرح پتہ چلتا ہے کہ یثرب پہلے ہی آباد تھا۔یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں سب سے پہلے یثرب بن فائنۃ بن میلائل بن ارم بن عبیل بن عوص بن سام بن سیدنا حضرت نوح علیہ السلام آباد ہوا۔اسی وجہ سے اس جگہ کا نام یثرب مشہور ہوا۔

(7) ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس شہر کو عمالقہ قوم نے آباد کیا۔سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس شہر نے معاشی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں اس قدر اہمیت حاصل کر لی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شہر کو فتح کرنے کے لئے فلسطین سے ایک لشکر روانہ کیا۔جس نے اس قوم پر غلبہ حاصل کر لیا اور پھر اسی لشکر میں سے لوگ یہاں آباد ہو گئے۔اس طرح یہ شہر یہودیوں کی جائے سکونت بن گیا۔واللہ اعلم۔

(8) اہلِ یہود کا دعویٰ ہے کہ اس شہر کو سب سے پہلے انہوں نے آباد کیا تھا۔بعض مؤرخین نے یہودیوں کے اس دعویٰ سے اتفاق کیا ہے۔اصل حقیقت حال پردہ اخفا میں ہی ہے۔مدینہ منورہ کی آبادکاری کے متعلق جو معلومات مختلف حوالوں سے میسر آسکیں یہاں بیان کر دی ہیں۔

مذکورہ روایات کو پڑھ کر اس حقیقت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ مدینہ منورہ (یثرت) نہایت ہی قدیم شہر ہے۔اس شہر کے پہلے باسی عمالیق ہی تھے جن کی حکومت مصر میں قائم تھی اور وہاں سے ہی چند قبائل بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے نقل مکانی کے بعد اس شہر میں آباد ہوئے تھے۔عمالیق کی حکومت کا زمانہ عروج تقریباً 2200 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔اس طرح ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ شہر 1600 ق م کے قریب آباد ہوا تھا۔تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ مختلف اقوام کی جائے سکونت رہا ہے۔ ہر نئی آنے والی قوم نے پہلے آباد قوم کو بزور شمشیر اس شہر سے نکال کر وہاں کے شاداب و آباد علاقے پر قبضہ کیا۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ عمالیق سے پہلے یہاں کسی قوم کی مستقل آبادی نہ رہی ہو۔لوگ وقتی طور پر یہاں آباد ہوتے رہے ہوں اور پھر نقل مکانی کر جاتے ہوں۔ بعد میں عمالیق جب اس علاقے میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں باقاعدہ سکونت اختیار کرتے ہوئے اس شہر کی داغ بیل ڈالی۔آخر میں جرہم اور عبیل وغیرہ کے قبائل بہت کم تعداد میں اس شہر میں رہائش پذیر ہوئے۔مگر ان قبیلوں کو کوئی سیاسی یا معاشی مقام حاصل نہیں تھا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر اس شہر میں تشریف لائے تو کئی ایسے قبائل بھی یہاں موجود تھے جن کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین یوں تحریر کرتے ہیں فلاں قبیلہ اور فلاں قبیلہ وغیرہ کے لوگ یعنی ان قبیلوں کا نام ہی نہیں لکھتے کیونکہ وہ غیر اہم و معروف تھے جیسے مثال کے طور پر موالی بنی ثعلبہ وغیرہ۔ کچھ مؤرخین نے ان کو غلطی سے یہود بھی لکھ دیا ہے۔جبکہ حقیقت حال میں وہ یہود نہیں تھے۔

تاریخ ابن خلدون جلد 1 وغیرہ

مدینہ منورہ کا قدیم نام

تاریخ عالم اور خاص طور پر تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو مدینہ منورہ کے جس قدیم نام کا سراغ ملتا ہے وہ نام سلع ہے۔توریت میں بہت دفعہ مدینہ منورہ کا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام بھی سلع ہے۔ جو مدینہ منورہ کے جوف کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ یہاں قدیم زمانے کی عمارات کے کھنڈرات سرکار دو عالم صلی اللہ یہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک تک موجود تھے۔مسجد نبوی شریف جس جگہ تعمیر کی گئی وہاں بھی ان کھنڈرات کے نشانات موجود تھے۔ سلع ،صلع یا سلاع ان الفاظ کا ایک ہی مخرج ہے۔ اصل میں یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔عربی میں رقیم اسکا مترادف ہے جسے اہل یونان اپنی زبان یعنی یونانی میں پٹیرا کہتے ہیں۔ان تمام الفاظ کے لفظی معنی ''پتھر'' کے ہیں مگر مجازاً یہ لفظ قریہ یا بستی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ شہر کیونکہ نہایت قدیم ہے اور پھر اسرائیل اسکے پڑوس میں آباد تھے اس لئے ان کے ہاں اس شہر کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ بنی اسرائیل اس کو صلاع کے نام سے یاد کرتے تھے۔اس شہر پر اسرائیلیوں نے بہت سے حملے کئے اور یوں یہ حملوں کا سلسلہ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد تک

Marfat.com

جاری رہا یہاں تک کہ مدینہ منورہ کو فتح کرنے کے بعد حکومت داؤد علیہ السلام میں شامل کر لیا گیا۔

(بخاری شریف، کتاب الجہاد، نسائی شریف، کتاب الصلوٰۃ و تاریخ ابن خلدون)

اصحاب سیر اور مؤرخین تاریخ کی کثیر جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس شہر کا قدیم نام یثرب تھا۔ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک فرد کا نام یثرب تھا۔ طوفان نوح کے بعد اسکے آباؤ اجداد کرۂ ارض پر مختلف جگہوں پر آباد ہوتے رہے پھر بعض وجوہات کی بنا پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری اچھی جگہ کی تلاش میں نقل مکانی کرتے رہے یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا یہاں تک کہ یثرب بن فائنہ بن مسیلائل بن ارم بن عبیل بن عوص بن سام بن نوح علیہ السلام کا زمانہ آ گیا تو یہ شخص اس سرزمین پر اپنے خاندان سمیت آباد ہوا یوں اس جگہ کا نام یثرب پڑ گیا۔ پھر صدیوں یہ نام مشہور رہا یہاں تک کہ فخر کائنات تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سرزمین پر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کے صدقہ وطفیل اس شہر کا نام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا۔

یہاں اس شہر کے نام یثرب سے مدینہ منورہ میں تبدیل وشہرت پذیر ہونے کا مختصر تاریخی پس منظر پیش کر رہے ہیں۔

اصل حقیقت حال یہ ہے کہ "یثرب" ثراب۔ ثرب اور اثرب سے بنا ہے۔ گو یہ تینوں الگ الگ حرف ہیں مگر ان سب کا مادہ ایک ہی ہے۔

التَثریب . التَانیب و التعییر والاستقصاءِ فی اللوم

الزام لگانا، ملامت کرنا، گناہ پر عار وشرم دلانا۔ لعن طعن کرنا اور کسی جرم پر ذلیل کرنا وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ازلسان العرب۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 225 تا 234

تاج العروس۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 162 تا 163

قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ یوسف آیت 92۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

ترجمہ: آج تجھ پر کوئی الزام نہیں (سورۃ یوسف آیت 92)

حضرت علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ الوفاء میں یثرب کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔ چونکہ اس شہر مقدس کو آباد کرنے والا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ساتویں پشت میں ہونے والا شخص یثرب تھا اس لئے اس شہر کا نام اسکی نسبت سے یثرب مشہور ہو گیا۔

ازالوفا۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 7

حضرت امام زین الدین المراغی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی 1413ء معالم دار الہجرت میں یوں لکھتے ہیں۔

''یثرب اصل میں شہر کے مغربی حصے کی ایک بستی کا نام تھا جو بعد میں پورے شہر کے لئے استعمال ہونے لگا۔ جب سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر کو اپنی ذات مقدسہ سے رونق بخشی تو اس شہر مقدس کو مدینۃ الرسول کے مبارک نام سے پکارا جانے لگا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ یہ نام مبارک مختصر ہو کر ''مدینہ'' ہی زبان زد عام ہو گیا۔ زمانہ قدیم میں اس شہر کا محل وقوع ''عیون'' تھا۔ یہی شہر مقدس شہادت گاہ حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ تھا اسی نسبت سے اسے ''مشہد حمزہ'' کہا جاتا ہے۔

از معالم دار الہجرت جلد 1، صفحہ 22

صاحب تاج العروس حضرت امام زبیدی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی 791ھ ارشاد فرماتے ہیں یثرب یَعْرِب کے وزن پر ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی کا نام تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر اس شہر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ شہر مدینہ منورہ کے نام سے جلا پا گیا۔

از تاج العروس۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 193

حضرت امام یحیی بن شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں ''یثرب'' لفظ تثریب سے بنا ہے جس کے معنی توبیخ اور ملامت کرنے کے ہیں۔ سرکار دو عالم رحمت کائنات فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے ناموں کو پسند نہیں فرماتے تھے سخت نفرت کرتے تھے اور ہمیشہ عمدہ و محبوب ناموں سے انس و محبت فرماتے تھے۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناز برداری اور اظہار محبوبیت کے لئے اس نام یثرب کو تبدیل فرما کر اس شہر کا نام اپنے حبیب پاک صلی اللہ یہ وآلہ وسلم کے ذاتی اسم گرامی کے مطابق مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھ دیا۔

از شرح مسلم۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 444

قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد ہے سورۃ توبہ آیت 101۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے انکی خو (عادت) ہو گئی ہے نفاق (کی) تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ جلد ہم انہیں دوبارہ عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ (سورۃ توبہ، آیت 101)

صاحب ارشاد الساری حضرت امام شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی 923ء لکھتے

ہیں۔ یثرب۔ الثَّرِبْ سے بنا ہے جس کے معنی اکھاڑنے ختم کرنے اور ملامت کرنے کے ہیں یا پھر یہ نام "الثوب" سے ہے جس کے معنی فساد کے ہیں جبکہ مذکورہ دونوں لفظ بُرے اور قبیح ہیں۔ سرکار عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہمیشہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیتے تھے۔ اس عادت مبارکہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر خوباں کا نام یثرب سے بدل کر ''طابہ'' رکھ دیا۔

از ارشاد الساری۔ جلد۔ 3، صفحہ۔ 332

نام مبارکہ مدینہ کا مادہ کیا ہے اس کے متعلق دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ لفظ ''دان'' سے مشتق ہے جس کے معنی اطاعت، فرمانبرداری اور حکم ماننے کے ہیں جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ یہ مبارک نام مدینہ ''مدن'' سے مشتق ہے جس کا معنی اقامت اختیار کرنا اور شہر آباد کرنا وغیرہ کے ہیں۔ اس لفظ کی جمع مُدن، مُدُن اور مدائن ہے۔

لغت کے مطابق چند اکٹھے گھروں کو مدینہ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ کثرت اور عمارت میں قریہ سے تجاوز کر کے مقریت تک پہنچا ہے یعنی سب سے بالاتر شہر ہے اور مدینہ وبلدان دونوں کے درمیان میں سے بعض لوگ معر اور مدینہ کو ایک درجہ میں رکھتے ہیں۔ یہ ساری لغوی بحث ہے۔ اب جب بھی مدینہ بولیں گے تو اس سے مراد مدینۃ الرسول صلی اللہ وآلہ وسلم بلدہ معظمہ ہی ہوگی۔ اصطلاح عرب میں مدینہ الف ولام کے ساتھ آتا ہے۔ لغت عرب میں اس طرح کا فرق اکثر آتا ہے۔ جیسے نجم کہہ کر ہم ہر ستارہ مراد لے سکتے ہیں لیکن جب اس پر لام اور الف داخل کریں گے تو اسکو تخصیص حاصل ہو جائے گی اور پھر اسکا معنی ہو جائے گا ''ثریا''۔ چنانچہ اسی اصول کے پیش نظر اگر کسی شخص کو کسی اور مدینہ کی طرف نسبت دی جائے تو اسکو ''مدینی'' کہیں گے لیکن اگر اسکو ''یا'' کے ساتھ منسوب کریں تو اسکی نسبت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو جائے گی اور یوں اسکو کہیں گے ''مدنی'' یعنی یا کے بغیر۔ اللہ کریم نے قرآن مجید میں کئی جگہ اسکو ارشاد فرمایا ہے۔ اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہے۔ بالفاظ دیگر جب اس مقدس شہر کے رہنے والوں کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے یاد کیا جائے گا تو کہیں گے ''مدنی'' باشندے جبکہ اس کے برعکس دیگر شہروں کے رہنے والوں کو ''مدینی'' کہا جائے گا۔

از شرح مسلم، جلد۔ 1، صفحہ۔ 444

تاریخ مدینہ مصنفہ شیخ محقق علامہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ، صفحہ۔ 21

سیدنا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں سرکار دو عالم نور مجسم فخر کونین تاجدار عرب وعجم سیاح لامکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِن اللّٰہ اَمرَنی اِن اَسمیٰ المدینہ طیبہ

ترجمہ: اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھ دوں

ایک دوسری جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كانو اسمعُون المدينه يثرب فماها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم طيبه

ترجمہ: لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا۔

سیدنا حضرت ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو گوہر فشاں ہوئے لب مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''هٰذِهٖ طَابَة'' یہ طیبہ ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان جامی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی 898ھ) نے اس بلد معظّمہ کے حضور کیا ہی دل سوز جاں پرور وجدانی انداز میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے فرماتے ہیں۔

نسیما جانب بطحا گزر کن ۔ زاحوالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راخبر کن

ببرایں جان مشتاقم بآنجا ۔ فدائے روضہ خیرالبشر کن

توئی سلطان عالم یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ زروئے لطف سوئے من نظر کن

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش ۔ خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

حضرت امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اب مدینہ منورہ کو یثرب کہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنی چاہیے کیونکہ یہ طابہ ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی اب مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ تین بار استغفار کرے۔

مسند امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی 256ھ = 870ء) صحیح بخاری شریف میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے تو اسکی تلافی اور تدارک کے لئے دس دفعہ مدینہ کہے۔

صحیح بخاری جلد۔ 1 اور 2، صفحہ۔ 637,257

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کی وضاحت کر دینا اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اگر کوئی پوچھنے والا لکھنے والا یا بیان کرنے والا مدینہ منورہ کی قدیم تاریخ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یثرب نام استعمال کرے تو کیا اس پر بھی استغفار کرنا ہوگی۔ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ مذکورہ صورت میں کیونکہ یثرب کا نام لینا مسئلہ کی وضاحت و بیان کے لئے ضروری ہے اس لئے یہاں مذکورہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ مگر عشاق حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یقیناً مذکورہ حکم پر ہی عمل کریں گے۔ کیونکہ عشق کی دنیا کے آداب اور اصول وقواعد اپنے ہی ہوتے ہیں جو اسی فعل کے متقاضی ہوتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں یہود کی آبادکاری

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کی ابتدائی تاریخ پردہ میں ہے اور اس سلسلے میں کوئی حتمی تاریخ بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی سال کے بارے میں یقین سے کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مؤرخین تاریخ مدینہ کے بارے میں شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ یہاں ایک بات نہایت ہی دل چسپ اور قابل غور ہے کہ خود یہود اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدینہ منورہ پر حملے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ اور لشکریوں کو ہدایت فرمائی کہ مدینہ منورہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں آباد کسی مشرک کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ لشکر نے حملہ کیا اور فتح کے بعد تمام مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ البتہ اس شہر کے سردار کا نوخیز لڑکا قتل نہ کیا گیا بلکہ اس کو لشکری ہمراہ لے کر جب فلسطین واپس آئے تو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اہل فلسطین نے جب دیکھا کہ لشکری ایک نوعمر لڑکے کو زندہ ہمراہ لے آئے ہیں تو انہوں نے لشکریوں کو دھمکی دی کہ ہم ان کے خلاف سخت اقدامات کریں گے کیونکہ انہوں نے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ لشکریوں کو جب دھمکی کا علم ہوا تو وہ چپکے سے نقل مکانی کرتے ہوئے مدینہ منورہ جس کو وہ لوگ صلاع کہتے تھے میں آ کر آباد ہو گئے۔

اہل یہود کا یہ بیان یا روایت کسی اعتبار سے بھی حالات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی البتہ اس روایت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رقیم یا صلع پر فوج کشی کا حکم دیا ہو۔ فوج اس شہر پر حملہ آور ہوئی ہو اور فتح کے بعد جب فلسطین واپس گئی ہو تو ملکی سیاسی حالات اور اندرونی اختلافات وانتشار کی وجہ سے فلسطین سے نقل مکانی کر کے چند قبائل مدینہ منورہ میں آ کر آباد ہو گئے ہوں۔ یہودیوں کی اس روایت میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ ہی سب سے پہلے مدینہ منورہ شہر کے آباد کار تھے خود اس روایت کے مطابق غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روایت میں کہا گیا ہے یہودی لشکر نے شہر صلاع پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی بعد میں یہاں سیاسی پناہ حاصل کرتے ہوئے آباد ہوئے۔ خود ثابت کرتی ہے کہ اس شہر میں اور قبائل آباد تھے جن پر یہود نے حملہ کرنے کے بعد فتح حاصل کی۔

ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے کہ جب بخت نصر نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 587 سال پہلے یہودیوں کی حکومت پر حملہ کیا اور یہود اس حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے سرزمین عرب میں تتر بتر ہو کر پھیل گئے تو ان میں سے ایک گروہ جائے پناہ اور محفوظ مقام تلاش کرتا ہوا اس شہر میں آ کر آباد ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں یہود کی آبادکاری کے سلسلے میں ایک تیسری روایت بھی کتب تاریخ میں موجود ہے کہ جب اہل روم نے 70ء میں فلسطین پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا اور شدید جنگوں کے نتیجہ میں آخر کار 136ء میں یہودیوں کو فلسطین سے بزور شمشیر باہر نکال دیا تو یہود گروہوں کی شکل میں ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اور یوں مدینہ منورہ تیما اور وادی

القریٰ میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔ یہاں سے ہی آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اس علاقہ میں سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عرصہ تک مدینہ منورہ اور اطراف میں سیاسی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی میدان میں یہود ہر لحاظ سے بااثر تھے۔ ان کے اس اثر کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین بوس فرمایا یہاں تک کہ ان لوگوں کی سازشوں اسلام دشمنی اور بار بار کی وعدہ خلافیوں کے نتیجہ میں آخر انہیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

یہود کا آباد کیا ہوا شہر یثرب

یہود اطراف عرب اور فلسطین سے آہستہ آہستہ نقل مکانی کرتے ہوئے شہر مدینہ منورہ میں آباد ہوتے رہے۔ یہ لوگ جب اس شہر میں پہنچے تو یہاں کوئی مستقل قریہ یا آبادی نہ تھی بلکہ لوگ منتشر انداز میں رہائش پذیر تھے۔ رہائشی مکانات ایک جگہ بستی یا آبادی کی طرز پر نہ تھے بلکہ کوئی مکان یہاں تھا تو کوئی وہاں۔ غرض یہ کہ آبادی تو موجود تھی مگر ایک جگہ نہیں۔ لوگ اپنی حفاظت کے لئے زیادہ تر چھوٹے قلعوں کی شکل میں رہتے تھے ان قلعوں کو آطم یا آطام کہا جاتا تھا۔ ان قلعوں کو یمنی طرز پر بنایا گیا تھا۔ یہودیوں نے اس جگہ اس زمانے کے مطابق جدید اور مضبوط قلعے تعمیر کئے اور یوں اپنا ایک الگ شہر آباد کیا۔ جس کا نام یثرب رکھا۔ یہ شہر یثرب اصل میں موجودہ مدینہ منورہ کے انتہائی شمال میں واقع تھا۔ اسی جگہ پر غزوہ اُحد لڑا گیا تھا۔ یہودی جوں جوں اس علاقے میں اپنی طاقت کو مستحکم کرتے گئے وہ سیاسی غلبہ پاتے گئے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ یہودیوں نے اپنی طاقت اور سیاسی حکمت عملی سے مدینہ منورہ اور اطراف میں آباد دیگر قبائل پر مکمل غلبہ حاصل کرتے ہوئے ان سب کو اپنا مطیع بنا لیا۔

تاریخی شواہد کے مطابق یہودی تقریباً دوسری صدی عیسوی میں سیاسی طور پر مستحکم ہونا شروع ہو گئے اور یہی ان کے سیاسی عروج کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودی سیاسی میدان میں کن لوگوں پر غالب آئے اور ان لوگوں نے کسی قسم کی مداخلت کیوں نہ کی؟ جواباً عرض ہے کہ یہودی اس شہر کے قدیم باشندوں پر صرف اس لئے غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے کہ قدیم باشندے آپس میں دست وگریبان رہتے ہوئے زندگی کے ہر شعبہ میں کمزور ہو چکے تھے۔ اس کمزوری سے اہل یہود نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انہوں نے اپنی طاقت مستحکم کی۔ شہر کی بستیوں کو منظم کیا اور زراعت وتجارت کے میدان میں بڑی ترقی کی۔ اس طرح وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شہر کی ساری بستیوں اور آبادی کو ہی یثرب کہا جانے لگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اس شہر کو یثرب ہی کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام کو پسند نہ فرمایا اور سب سے پہلے یثرب کا نام تبدیل فرما کر مدینہ رکھ دیا۔ یاد رہے یثرب لفظ کے معنی ظلم، برائی، بیماری اور خرابی کے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نام تبدیل فرما کر مدینہ رکھ دیا۔ جو کہ اسلام عظمت اسلام اور شوکت اسلام کا عیاں ثبوت ہے۔ اب اہل دل وعشاق اس شہر مقدس کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے

پکارتے ہیں۔قرآن کریم فرقان حمید میں اس شہر پاک کا نام مدینہ کئی جگہوں پر آتا ہے۔ سورۃ المنافقون آیت 8

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ

ترجمہ: کہتے ہیں ہم مدینہ پھر کر گئے (سورۃ المنافقون، آیت 8)

سورۃ توبہ آیت 101

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ

ترجمہ: اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینے والے (سورۃ توبہ، آیت 101)

سورۃ الاحزاب آیت 13۔

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ

ترجمہ: ''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے مدینہ (یثرب) والو یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں''۔(سورۃ الاحزاب آیت 13)

سورۃ الاحزاب 60

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ

ترجمہ: اگر باز نہ آئے منافق اور جنکے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے۔

(سورۃ الاحزاب، آیت 60)

سورۃ توبہ آیت 120.

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ

ترجمہ: مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔

بنی اوس اور خزرج کی یثرب میں آمد

اوس وخزرج اصل میں ملک یمن کے رہنے والے تھے۔ آثار قدیمہ نے یمن کے علاقے حض الاغراب میں کھدائی کے دوران جو چیزیں دریافت کیں ان میں ایک کتبے پر ''اوس'' قبیلے کا نام درج تھا۔ کچھ مؤرخین ان کو قحطانی النسل قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ملک یمن قحطانی قوم کا مسکن تھا یہ لوگ وہاں سے ہی ہجرت کرنے کے بعد یثرب میں آباد ہوئے تھے اس لئے یہ قحطانی تھے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اوس وخزرج قحطانی نہیں بلکہ عدنانی اسماعیلی عرب تھے۔ ان کا تعلق بنی ازد سے تھا۔ اس طرح کچھ مؤرخین ان دونوں قبیلوں اوس وخزرج کو ان کی ماں قیلہ بنت الارقم بن عمرو بن جفنہ کی نسبت سے بنو قیلہ بھی لکھتے ہیں۔ اصل میں اوس وخزرج دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن مزیقیا بن عامر تھا۔

علامہ سمہودی صاحب وفا الوفا حارثہ کا شجرہ نسب یوں تحریر کرتے ہیں۔ حارثہ بن ثقلبہ بن عمر بن عامر بن حارثہ بن امرئی القیس بن ثعلبہ بن حازن بن لازد بن عوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سباء بن یعرب بن قحطان بن ہمیسع بن نبت بن اسماعیل علیہ السلام۔ جن کی نسل آگے پھیلی تو ان کے نام پر یہ دونوں قبیلے وجود میں آکر مشہور ہوئے۔

تاریخ عرب کے مطابق شدید طوفان کی وجہ سے جب مشہور آبی بند (ڈیم) ''سدّ مأرب'' جس کا قرآن کریم میں بھی ذکر موجود ہے تباہ ہو گیا تو یہ قبائل نقل مکانی کر کے تقریباً دو سال سرزمین عرب میں ادھر ادھر مختلف علاقوں میں گھومتے پھرتے رہے اور یوں تقریباً 300ء میں یثرب آکر آباد ہو گئے۔ ان ایام میں یثرب کا علاقہ مکمل طور پر یہودیوں کے زیر اثر تھا۔ اوس وخزرج ایک مدت تک تو یہودیوں کی ہر بات وحکم کو خاموشی اور اطاعت گزاری کے مطابق مانتے رہے۔ مگر یہودیوں نے جب اپنی فطرت کے مطابق ان لوگوں کے ساتھ نہایت ہی توہین آمیز سلوک کرنا شروع کر دیا تو اوس وخزرج نے بھی آہستہ آہستہ اقتدار خود حاصل کرنے کے لئے اندر ہی اندر کوششیں شروع کر دیں۔ تاریخی روایت کے مطابق بنوخزرج کے ایک فرد مالک بن عجامان نے سب سے پہلے یہودیوں کو اس میدان میں کھل کر چیلنج کیا۔ پھر یہ سلسلہ مسلسل چل نکلا۔ ادھر بنواوس نے شاہ تبع ابوکریب وشاہ غسان ابوجبیلہ سے مدد طلب کی اور مدد مل جانے کے بعد یثرب کے یہودیوں کو بزور شمشیر تمام املاک سے محروم کرنے کے بعد اس علاقے سے نکال دیا۔ یہودیوں کے خلاف بنواوس اور بنوخزرج دونوں متحد تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہودیوں کو یثرب سے نکالنے میں شاہ تبع اور شاہ غسان نے اوس وخزرج کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ مگر جب مالک بن عجامان نے جس کا تعلق بنو خزرج سے تھا شاہ غسان کے کہنے پر یثرب میں غسانیوں کی حکومت کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں تو اوس وخزرج دونوں مل کر مالک کے خلاف ہو گئے۔ مالک نے جب دیکھا کہ اب اس کی زندگی کو خطرہ ہے وہ

Marfat.com

یثرب پر غسانیوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تو وہ یثرب سے فرار ہو کر شاہ غسان کے دربار میں چلا گیا۔اس طرح باقی تمام عمر شاہ غسان کے ایک درباری مصاحب کی طرح بسر کر دی۔

اہل اوس وخزرج نے یہودیوں اور غسانیوں کے پروردہ مالک بن عجلان سے نجات حاصل کرنے کے بعد یثرب میں مکمل اقتدار حاصل کر لیا۔ یہودیوں کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔ زرخیز وشاداب علاقوں پر حکمرانی قائم کر لی۔اس تمام کارروائی میں بنوخزرج کی ایک شاخ بنی النجار سب سے پیش پیش تھی۔اس شاخ نے آہستہ آہستہ اپنی طاقت وثروت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ادھر جب اوس نے یہ حالات دیکھے تو وہ جذبہ رقابت کی وجہ سے خزرج کے خلاف ہو گئے۔نتیجہ یہ نکلا کہ اوس وخزرج کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔خانہ جنگی کا یہ سلسلہ تقریباً تین سو اکیس سال تک یعنی 497ء سے لیکر 618ء تک وقفے وقفے سے جاری رہا۔ ہر عقل منداچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ جو قوم یا گروہ تین صدیاں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہے اس کی معاشی، اقتصادی، تجارتی اور سیاسی میدان میں کیا حالت باقی بچی ہوگی۔ بلکہ باقی بچنے کی بجائے اگر یوں کہا جائے کہ وہ قوم ان میدانوں میں بالکل تباہ وبرباد ہوگئی تو درست ہوگا۔یہی سب کچھ اوس وخزرج کے ساتھ ہوا۔اوس وخزرج کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو چکے تھے اس طویل خانہ جنگی کے دور میں ان شاخوں اور یثرب میں آباد یہودیوں کے قبائل کی ہمدردیاں حالات کے مطابق بدلتی رہتی تھیں۔اس کے علاوہ نواح یثرب میں آباد بدوی قبائل نے بھی بعض اوقات اس خانہ جنگی میں کسی نہ کسی فریق کی مدد کرتے ہوئے حصہ لیا۔یہاں تک کہ شاہان حیرہ بھی ان لڑائیوں میں شامل ہوتے رہے۔اس خانہ جنگی میں چند جنگیں تو دو مخصوص شاخوں کے درمیان چالیس چالیس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک متواتر جاری رہیں۔فریقین کا بے شمار جانی اور مالی نقصان ہوا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ دونوں کے پاس کوئی جوان مرد ہی باقی زندہ نہ بچا۔ یہودی اس خانہ جنگی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی شکست کا متواتر بدلہ لیتے رہے۔اس خانہ جنگی کے سلسلے کی پہلی لڑائی سمیر تھی جبکہ آخری معرکہ بعاث تھا۔تمام جنگوں کا حال بیان کرنا تو یہاں ممکن نہیں البتہ آخری معرکہ اور اس کی کیفیت بیان کرنا اس لیے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس معرکہ کے بعد اوس وخزرج کی زندگیوں میں انقلاب عظیم آ گیا کچھ عرصہ بعد یہ لوگ اس رحیم ذات تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو گئے جن کی سیرت پاک کا بیان میرا اصل مقصد ہے۔

شاہ تبع کا محل اور حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن السہیلی مؤلف روض الانف میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”آفتاب رسالت“ طلوع ہونے سے تقریباً سات سو(700) برس قبل شاہ تبع اسعد بن کرب مشرقی ممالک کو زیرنگیں کرنے کی غرض سے نکلا تو اس کا گزر مدینہ طیبہ سے بھی ہوا جہاں مقام سخ پر اس نے قیام کیا اس وقت اہالیان مدینہ کا رئیس عمرو بن طلحہ تھا۔شاہ تبع یہود کو قتل

اور شہر کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اہالیان مدینہ منورہ نے صلح کر لی تو بادشاہ اپنے لڑکے کو وہاں حاکم مقرر کر کے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہو گیا اس کے روانہ ہونے کے بعد شہزادے کو قتل کر دیا گیا۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو وہ سخت غضب ناک ہو کر لوٹا اور اہل مدینہ کا قتل عام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بادشاہ کے اس انتہائی خطرناک ارادہ کا علم بنی قریظہ کے دو علما سحت اور منبہ کو ہوا تو انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمدردانہ اور ناصحانہ مشورہ دیا کہ وہ اہل مدینہ کی ہلاکت کا ارادہ ترک کر دے اور ان کی خیر خواہی قبول کر لے ورنہ اندیشہ ہے کہ کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو جائے گا۔ شاہ تبع نے دریافت کیا کہ آفت میں مبتلا ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ علما نے بتایا کہ مدینہ (یثرب) نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور دار القرار ہو گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ بادشاہ نے اس مخلصانہ مشورہ کی قدر کرتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا اور علما کرام کے علمیت وفضیلت سے متاثر ہو کر ان کا دین قبول کر لیا اور خاموشی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گیا۔

ایک دوسری مستند روایت میں ہے کہ: تبع شاہ یمن مدینہ منورہ (یثرب) سے گزرا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے علماء نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انہیں اس سرزمین پاک میں رہ جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا جس پر علما نے ”کہا ہم نے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الہجرت یہ شہر ہو گا“۔ بادشاہ نے نہ صرف انہیں قیام کی اجازت دے دی بلکہ ان سب کے لیے مکانات تعمیر کرائے اور گزر اوقات کے لیے مال و دولت بھی عطا کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ایک عالیشان محل تعمیر کرایا اور آپ علیہ السلام کے نام خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار کیا:

”شَھِدْتُ علیٰ اَحْمَدَ اَنَّہٗ رَسُوْل“ مِنَ اللّٰہِ بَارِیُٔ النَسم“

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔

”فلو مد عُمْرِی الی عُمرِہٖ لَکُنْت و زبیرً لَہٗ وَابن سلّم“

ترجمہ: اگر میری عمر نے وفا کی اور ان کی آمد تک خدا نے زندگی بخشی تو میں ان کا معین ومددگار بنوں گا۔

”وَ جاھدت بالسیف اعداء ہ وفَرَّجْتُ عن صدرہٖ کل غَمّ“

ترجمہ: اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کر دوں گا۔

بادشاہ نے اس خط کو سربمہر کر کے ایک عالم کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت حاصل کرو تو میرا یہ عریضہ حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کر دینا بصورت دیگر اپنی اولاد کے حوالے کر کے یہی وصیت کر دینا۔

چنانچہ وہ عریضہ نسل درنسل چلتے چلتے سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گیا اور شاہ تبع

کا تعمیر کردہ محل بھی زمانہ کے نشیب وفراز سے گزرتا ہوا اور تعمیر در تعمیر کے مراحل طے کرتا ہوا حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر تصرف آ گیا چنانچہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دونوں چیزیں آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی گئیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ابو ایوب خالد بن کلیب بن ثعلبہ بن عوف بن تحیم بن مالک بن النجار۔

1. وفاالوفا
2. روض الانف
3. معالم دارالہجرت
4. البدایہ والنہایہ
5. مروج الذہب

جنگ بعاث

اوس وخزرج کے درمیان مشہور ترین اور آخری معرکہ بعاث ہوا۔ یہ معرکہ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قریظہ کے علاقے میں لڑا گیا۔ یہاں جنگ کی وجہ تحریر کرنا مقصود نہیں بلکہ مختصراً واقعات اور نتائج لکھنا اصل مقصد ہے۔ اس جنگ میں اوس کا سپہ سالار ''خضیر کتاہب'' اور خزرج کا سپہ سالار ''عمرو بن نعمان بیاضی'' دونوں مارے گئے۔ گو یہ لڑائی بھی گزشتہ لڑائیوں کی طرح فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی مگر اس لڑائی میں یہودیوں کے دو قبائل نُضیر اور قریظہ جو کہ خزرج کے حلیف تھے عین میدان جنگ میں غداری کرتے ہوئے بھاگ گئے۔ جس کی وجہ سے خزرج کو زبردست جانی نقصان اور شدید شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ خزرج کی شاخ بنی سلمہ اور بنی النجار، نضر اور قریظہ کے قدیم حلیف ہونے کے باوجود آئندہ کے لئے ان کے سخت مخالف ہو گئے۔

اوس وخزرج کے اتحادیوں کی ہمدردیوں کا بدلنا کبھی ایک فریق کے ساتھ تو کبھی دوسرے فریق کے ساتھ مل کر جنگوں میں حصہ لینا اس بات کا عیاں ثبوت ہے کہ یثرب میں قبائلی نظام کی گرفت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس معرکہ میں اوس وخزرج کی کچھ شاخوں نے تو جنگ میں حصہ ہی نہ لیا جیسے سردار المنافقین عبداللہ بن ابی جس کا تعلق خزرج کی ایک شاخ سے تھا اور بنی حارث جو اوس میں سے تھے وغیرہ۔ کچھ شاخیں ایسی تھیں جو جنگ میں شریک ہوئیں مگر انہوں نے اپنے قبیلے کو چھوڑ کر مخالف کا ساتھ دیا مثلاً بنی اوس کی شاخ عبدالاشہل وغیرہ جس نے خزرج کا ساتھ دیا۔ ان شاخوں نے اس جنگ میں گذشتہ سالوں کی طویل لڑائیوں، قتل وغارت اور بدامنی سے تنگ آ کر کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ یہ لوگ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جنگوں کا یہ سلسلہ کسی قبائلی اختلاف کی وجہ سے نہیں چل رہا بلکہ

یہ تو محض اقتصادی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کی جنگیں تھیں۔ خاموش گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگ ان جنگوں سے تنگ آچکے ہیں اس لئے پرامن رہتے ہوئے ان کی ہمدردیاں حاصل کرکے قوم کا لیڈر یعنی سربرآوردہ و بادشاہ بن جائے۔ عبداللہ بن ابی اپنے اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوگیا مگر انہی ایام میں نیّر اسلام اپنی نورانی کرنوں سے اوس و خزرج کی اکثریت کے دلوں کو منور کرچکا تھا۔ اس لئے ابن ابی منافق کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

بعاث کی جنگ میں خزرج کی مضبوط ترین دو شاخیں یعنی بنی النجار اور بنی سلمہ بہت کمزور ہوچکی تھیں۔ دوسری طرف جنگوں کے اس سلسلے سے تنگ آئے ہوئے امن کے متلاشی گروہ عبداللہ بن ابی کے گرد اکٹھے ہورہے تھے۔ پھر یہودیوں کی تمام ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ تھیں اس لئے مجبوراً بنی النجار اور بنی سلمہ وقتی طور پر تو خاموش ہوگئے مگران لوگوں نے دلی طور پر اس شخص کی لیڈری یعنی سرداری کو قبول نہ کیا۔ انہی ایام میں حج کے دوران بنی النجار اور بنی سلمہ کے چند افراد مقام عقبہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مستفید ہوئے اور دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسی طرح بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی یہی لوگ پیش پیش تھے۔ اس کا ثبوت سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ کا پہلا فقرہ ہے جس میں انہوں نے بیعت عقبہ ثانی کے وقت یوں ارشاد فرمایا تھا ''اے گروہ خزرج'' یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل یثرب میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے یہی لوگ تھے۔

بنی النجار اسلام لانے میں پیش پیش تھے۔ خزرج کی اس شاخ کا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ننھیالی رشتہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا حضرت ہاشم کے سسرال تھے۔ بنی النجار کے اس ہاشمی خاندان کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے پھر جب بیت اللہ کے سلسلہ میں حضرت عبدالمطلب کا سرداران مکہ سے تنازعہ ہوا تو بنی النجار والوں نے حضرت عبدالمطلب کی فوجی مدد بھی کی تھی۔ بعاث کی جنگ میں شکست کے بعد یہ لوگ مکہ مکرمہ میں عبد مناف سے فوجی مدد طلب کرنے کے لئے آئے مگر رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے سامنے اسلام کے سنہری اصول صلح وامن اور ترقی کے وہ پہلو پیش کئے جنکی روشنی میں بنی نجار کی سوچ کا رخ ہی تبدیل فرمادیا۔ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امن وسلامتی کے دائرہ میں آگئے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی ان گروہ بندیوں اور سیاست کے پہلو کو نظر انداز نہ فرمایا بلکہ مدبر اعظم نے میثاق مدینہ جیسی دستاویز تحریر کرتے ہوئے جہاں مدینہ منورہ میں مستقل امن قائم فرمادیا وہاں عبداللہ بن ابی جیسے منافق کی سیاست کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ بھی فرمادیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی حضور علیہ السلام ہمیشہ ان کی تعریف اور خدمات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے ''اہل انصار میں بہترین گھرانہ النجار کا ہے۔ پھر عبدالاشہل کا خاندان اور اس کے بعد خاندان ساعدۃ''۔ جنگ بعاث کے حالات وواقعات پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ النجار، عبدالاشہل اور بنی ساعدہ اس جنگ میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ دشمن کے مقابلہ میں لڑے تھے۔ بنی

النجار وہی لوگ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد کے وقت (دف پر استقبالیہ) نعت پڑھی تھی۔

سیرت ابن ہشام

طبری

ابن خلدون

طبقات ابن سعد

ترمذی شریف

بخاری شریف ابواب ہجرۃ وغیرہ

ان کتب میں تفصیلی ذکر موجود ہے جن سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

اہل یثرب کی قبائلی تقسیم

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے وہاں کی قبائلی تقسیم کچھ اس طرح تھی جو ہمیں مختلف کتب تاریخ اور احادیث سے دستیاب ہوئی ہے۔ وہ لوگ اس تقسیم کے مطابق ہی زندگیاں بسر کرتے تھے۔

(1) یہودیوں کے اکیس کے قریب قبائل اور آگے ان کی شاخیں یثرب میں آباد تھیں۔ ان میں سے 12 تو خالص یہودی قبیلے تھے جبکہ باقی شاخیں یا خاندان یہودیوں کے حلیف تھے۔

(2) بنی خزرج کے پانچ (5) بڑے خاندان تھے جو آگے بہت سی شاخوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

(3) بنی اوس کے خاندان تعداد میں خزرج سے زیادہ تھے اور آگے ان کی شاخیں اور خاندان مزید وسیع تعداد میں پھیلے ہوئے تھے۔

(4) مذکورہ قبائل کے علاوہ یثرب کے قدیم باشندوں کے خاندان بھی یثرب میں آباد تھے۔

یثرب میں یہود کی آمد سے پہلے بت پرستی کا ہی راج تھا۔ یہودیوں نے جب اس علاقے میں اپنی سیاسی اور اقتصادی حیثیت (پوزیشن) کو مستحکم کرلیا تو اہل یثرب کی اکثریت کا رجحان یہودیت کی طرف ہوگیا۔ اہل یثرب مذہب کی تبدیلی کو برا خیال نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں خزرج، اوس یا دیگر قبائل کے لوگوں نے بت پرستی چھوڑ کر یہودی مذہب اختیار کرلیا اور بدستور اپنے قبیلے میں ہی رہائش پذیر رہتے ہوئے اپنے مذہبی فرائض سر انجام دیتے رہے دوسرے لوگوں نے کبھی اعتراض نہ کیا۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ مذہب کے میدان میں کھلی سوچ رکھتے تھے۔ بہرحال یثرب میں یہود نژاد عربوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ سیرت ابن ہشام اور علامہ ابن

خلدون نے ان یہودنژادعربوں کا ذکران الفاظ میں کیا ہے۔

"وان ایھود بنی عوف انه مع المومنین وان ایھود بنی ساعلم وان ایھود بنی حبشم وان ایھود بنی ثعلبه"

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن ابی نے بھی یہودیت قبول کرلی تھی۔تاہم اس کے اپنے قبیلے اوراس کے حامی قبائل میں یہودی مذہب کے اثرات زیادہ اورقوی تھے۔یہی وجہ ہے کہ ابن ابی نے جب بنی نضیر کوجلاوطن کیا گیاتو اس کے خلاف بڑے غم وغصہ کا اظہار کیا تھا۔

یثرب میں قبائل کی تقسیم درتقسیم اورشب وروز کی سیاسی واقتدار حاصل کرنے کی کش مکش نے ایک عجیب قسم کی افراتفری، بدامنی اور بھیانک فضاء پیدا کردی تھی۔جنگوں کے اس طویل سلسلے کا آخری معرکہ بعاث تھا۔اس معرکہ کے بعدگوتین چارسال تک امن رہامگریہ زمانہ امن جنگ کی نسبت زیادہ خطرناک اوراذیت آمیز تھا۔اس عرصے میں اکثراکا دکا قتل کی واردات ہوجاتی۔کوئی شخص گھر سے اکیلا باہرنہیں نکلتا تھا۔اگرکوئی مجبوری کی حالت میں اکیلا گھر سے باہرنکل آتا خاص طور پررات کوتو پھراس کی لاش ہی گھرواپس جاتی تھی۔اس حالت سے تنگ آکرلوگوں نے آطام بنائے تھے۔

آطام ایسی جگہ یا قلعہ نما تعمیر کوکہا جاتا تھا جہاں پناہ لینے والا ہرقسم کے خطرہ سے محفوظ ہوجاتا۔گویا دوسرے الفاظ میں آطام میں ہی مستقل سکونت اختیارکرلی تھی۔اس زمانہ میں لوگوں نے کثیرتعداد میں آطام تعمیر کرلئے تھے۔

پہلے دفاعی نقطہ نظر سے آطام پہاڑ کی چوٹی پرمحفوظ مقام خیال کرتے ہوئے تعمیر کئے جاتے تھے۔مگرحالات کی وجہ سے بعدمیں لوگوں نے گھروں میں ہی آطام بنانے شروع کردیئے۔آطام کی تعمیر میں بھی غریب وامیر کا فرق نمایاں تھا۔طاقتورقبائل واشخاص مضبوط اوروسیع آطام تعمیر کرتے جبکہ دوسرے لوگ جوالگ عمارت تعمیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے انہوں نے اپنے گھروں پرہی برج بنا کرآطام کا کام لیناشروع کردیا۔تاریخی معلومات کے مطابق سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی اس وقت یثرب میں تقریباًایک سو کے قریب آطام موجود تھے۔ان پناہ گاہوں کے اندرکسی بھی مشکل وقت کے پیش نظرخودکوزیادہ عرصہ بندرکھنے کی شکل میں ضروریات زندگی کا پورا بندوبست کیا جاتا تھا خاص طورپرکنواں ضرورہوتا تھا تاکہ محاصرے کی شکل میں پانی جیسی آب حیات دستیاب رہے۔مختصراًیہ قبائلی تقسیم اس حدتک پہنچ چکی تھی کہ ہرقبیلہ دوسرے کوزندگی کے ہرمیدان میں نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف رہتااوریوں قتل وغارت کے اس عام معمول نے زندگیاں بسرکرنامشکل کردیا تھااورامن وامان نام کی کوئی چیزباقی نہیں رہی تھی۔ان تمام حالات سے تنگ آخراہل یثرب امن وامان کے لئے ہاتھ پاؤں ماررہے تھے انہی ایام میں بنونجار کے چندلوگوں کے واسطے سے اہل مدینہ کی زندگیاں ہی بدل گئیں۔یہ لوگ رحمت عالم نورمجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پراسلام لاکراس نورانی روشنی کوہمراہ لے کر یثرب پہنچے اورپھر بڑے ہی

قلیل وقت میں اس روشنی نے پورے یثرب اور اہل یثرب کو منور کر دیا اور یوں یثرب مدینہ منورہ بن گیا جبکہ اہل یثرب کی اکثریت انصار کے مبارک نام سے مشہور ہوئی۔

از سیرت ابن ہشام، علامہ ابن خلدون، اِنسائیکلو پیڈیا آف اسلام، وغیرہ

قدیم قبائل کے محلات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت مختلف قبائل کے وہاں نو (9) محلات پائے جاتے تھے جنہیں ''دار'' کہا جاتا تھا۔ ہر ایک محل پوری بستی پر محیط ہوتا جس میں کھجوروں کے باغات اور زراعت کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگ آباد ہوتے تھے۔

(1)	دار بنی غنم	(2)	دار بنی بیاضہ	(3)	دیار بنی دینار بن النجار
(4)	دار بنی ساعدہ	(5)	دار بنی سالم بن عوف	(6)	دار بنی الحارث بن الخزرج
(7)	دار بنی حذرہ	(8)	دار بنی مالک بن النجار	(9)	دار بنی عبد الاشہل

یثرب میں آبادی کی تقسیم

جہاں اہل یثرب زندگی کے ہر شعبہ میں الگ الگ اپنا منفرد انداز رکھتے تھے وہاں آبادی کے اعتبار سے بھی انکا اپنا مخصوص انداز تھا۔ یہاں کی آبادی دو حصوں میں تقسیم تھی۔ یعنی اعلیٰ اور ادنیٰ۔ امیر اور طاقتور لوگ جن بستیوں میں رہائش پذیر تھے وہ اعلیٰ آبادی کہلاتی تھیں۔ یہ آبادی حروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دائروں کی شکل میں پھیلی ہوئی تھی۔ اعلیٰ آبادی کی تقسیم یا نقشہ کچھ یوں تھا۔

مشرق:۔ میں حرہ واقم پر قریظہ، الجرف اور عبد الاشہل کی آبادی تھی۔

مغرب:۔ مغرب میں حرہ الوبرہ کے اوپر جہاں بستیوں کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ سخ بنو امیہ اور بنی سلمہ رہتے تھے۔

شمال:۔ میں خطمہ، وائل اور جارتہ کی بستیاں آباد تھیں۔

جنوب:۔ میں قبا اور نضیر آباد تھے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ مذکورہ الفاظ آبادی اعلیٰ وادنیٰ عالی واسفل صرف اس وجہ سے کہلاتی تھیں کہ پہلی قسم کیونکہ حرہ اور پہاڑوں پر آباد تھی جبکہ دوسری قسم جوف کے وسط میں نشیبی جگہ پر آباد تھی۔ اسلئے تاریخ میں عالی اور اسفل کے الفاظ تحریر ہیں جو کہ ان لوگوں کے ہاں رائج تھے۔

اسفل کی آبادیاں

اسفل کی یہ آبادیاں جوف کے نشیب میں واقع تھیں اور تقریباً چار مربع میل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان آبادیوں میں جو قبائل یا ان کی شاخیں آباد تھیں ان کے نام یہ ہیں:

1۔ بنی ساعدہ
2۔ بلدح
3۔ بنی مطوبہ
4۔ نقیع الحقمات
5۔ بنی النجار
6۔ رائج
7۔ قینقاع
8۔ بنی حرم وغیرہ

مدینہ طیبہ کے محلے

الشیخ محمد صالح البلیہشی 1401ھ (1981ء) میں ارتقائی کیفیت کی مختصر سی جھلک بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ جب 1344ھ (1925ء) میں مدینہ منورہ کا نظم نسق جب شاہ عبدالعزیز آل سعود نے سنبھالا تو شاہ نے اپنے بیٹے محمد کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا۔ مدینہ منورہ کی آبادی میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا کہ تھوڑے عرصے کے اندر قدیم زمانہ کی قائم کردہ شہر پناہ کی حدود سے تجاوز کر کے وادیوں، حروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیل گئی۔ جس کے باعث کتنے ہی نئے محلے وجود میں آئے جن میں نہایت عمدہ عمارتیں تعمیر ہوئیں اور موجودہ آبادی (1401ھ) حسب ذیل محلوں پر محیط ہے:

1	حي قباء	2	حي قربان	3	حي الزرب
4	حي حرة الغربيه	5	حي العصبه	6	حي ام عشر
7	حي القبلتين	8	حي العاقول	9	نزلة الجبور العليا والوسطى
10	حي سلطانيه	11	حي الخليل	12	حي الهبوب
13	حي اعطار	14	حي ابيار علي (ذوالحليفه)	15	حي عروه
16	حي الدويمه	17	حي عوالي	18	حي الشهداء
19	حي ام هاني	20	حي الاصيفرين	21	حي الجويزيات

Marfat.com

22 حي المناخه	23 حي المغيسله	24 حي باب كوفه
25 حي البيع	26 حي سلعه	27 حي سيدالشهداء
28 حي باب قباء	29 حي الحرة الشرقيه	30 حي السحمان
31 حي باب شامی	32 حي باب مجيدی	

طریق یعنی سڑکیں

1 طریق قباء القبلتین	2 طریق سیدالشہداء المطار	3 طریق سیدالشہداء الجامعات
4 طریق قباء (دو طرفہ سڑک ہوائی اڈہ کو جاتی ہے)	5 طریق قباء قربانی عوالی	6 طریق الاخضر (دوطرفہ)
7 طریق سیدالشہداء	8 طریق العوالی دوطرفہ	9 طریق العیون (دوطرفہ)
10 طریق مدینہ آباء (دوطرفہ)	11 شارح ابی ذر الساحہ	12 طریق شارع ملک عبدالعزیز
13 طریق ابیار علی قباء (دوطرفہ)	14 طریق ا نمطار المدینہ (دو طرفہ)	15 طریق قربان (دوطرفہ)
16 طریق قربان سد بطحان	17 طریق المناخہ (دوطرفہ)	18 طریق الاعمدۃ بالحرہ شرقیہ
19 طریق السبجہ مساجد	20 طریق الجامعات	21 طریق شارع ابی ذر

قدیم طریق مابین مدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ

قدیم زمانے میں جن پانچ راستوں سے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان سفر کیا جاتا تھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1 طریق الشجرہ	2 طریق السلطانی	3 طریق الفرعی
4 طریق الغابر	5 طریق المشرقی	

طریق الشجرہ

1. مدینہ منورہ سے الشجرہ — 6 میل (متصل ذی الحلیفہ)
2. الشجرہ سے مَلل — 12 میل (کنویں ہیں)
3. مَلل سے السیالۃ — 19 میل (کنویں ہیں)
4. السیالۃ سے الرویۃ — 34 میل (برساتی حوض)

5.	الرویثہ سے السقیا	34 میل (نہر اور باغات)
6.	السقیا سے الابقرء	29 میل
7.	الابقراء سے الجحفہ	8 میل (کنویں ہیں اور شام کی میقات)
8.	الجحفہ سے القدیمہ	27 میل (کنویں ہیں)
9.	القدیمہ سے عسفان	24 میل
10.	عسفان سے بطن مرہ	33 میل (چشمے حوض)
11.	بطن مرہ سے مکہ مکرمہ	16 میل
	کل فاصلہ	242 میل

یثرب کی قدیم طرز تعمیر

یثرب کی طرز تعمیر نہایت قدیم اور گنجان آباد تھی۔ اہل یثرب چھوٹے چھوٹے مکانات تعمیر کرتے جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے تھے۔ آبادی اور باغوں کا سلسلہ جنوب مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ قباء سے مقام احد تک یہودیوں کے محلے تھے۔ یثرب کے مکانات کے عام طور پر دو دروازے ہوتے تھے۔ ایک سامنے کی طرف جبکہ دوسرا پشت کی طرف ہوتا تھا۔ اس طرح ہر مکان دو گلیوں کے درمیان تعمیر کیا جاتا تھا۔ مکان کے گرد عموماً چار دیواری بنائی جاتی تھی۔ اسی طرح باغات کے گرد بھی چار دیواری تعمیر کی جاتی تھی۔ اکثر لوگ ان باغات کے اندر ہی گھر تعمیر کیا کرتے تھے۔ اہل یثرب کے ہاں سقیفے یعنی چوک کثرت سے بنائے جاتے تھے۔ مکانات کیونکہ تنگ ہوتے تھے اس لئے لوگ اکثر ان سقیفوں میں باہم مل کر بیٹھتے تھے۔ یہ سقیفے یثرب کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں بڑے اہمیت کے حامل تھے۔ اہل یثرب کے مکانات پکے اور پتھر کے بنے ہوئے تھے اور عام طور پر دو منزلہ ہوتے تھے۔ چار دیواری بھی پتھروں سے تعمیر کی جاتی تھی۔

1۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2۔ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3۔ سیدنا عبیدہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4۔ سیدنا ابن ابی الحقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مکانات دو منزلہ تھے۔

گھروں کا زینہ کھجور کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا جس پر اترتے اور چڑھتے وقت دشواری پیش آتی تھی۔ سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زینہ بنوایا تھا اس کی ساخت کچھ ایسے جدید طریقے سے رکھی کہ اترتے اور چڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے زمین پر چل رہے ہیں۔ سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے گھروں کے نیچے تہہ خانے تعمیر کرنے کا رواج تھا۔ ان تہہ خانوں میں قیمتی سامان، روپیہ، زیورات اور ہتھیار وغیرہ محفوظ رکھتے تھے۔ یثرب کے مکانات عمدہ خوبصورت اور اعلیٰ تعمیری روایات کے حامل تھے۔ اہل یثرب کے ہاں مقبروں کی تعمیر کا رواج تھا۔ قبروں پر گنبد بنائے جاتے اور ان پر کوئی نہ کوئی عبارت تحریر کی جاتی۔ ہر محلے میں الگ قبرستان ہوتا بعض اوقات میت کو گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیتے تھے۔ مختصراً اہل یثرب تعمیرات کا نہایت ہی عمدہ شوق وذوق رکھتے تھے۔

1۔ از بخاری شریف

2۔ آداب المفرد، ص۔398

3۔ صحیح مسلم کتاب التفسیر

4۔ ترمذی

5۔ باب افک

6۔ نسائی شریف

7۔ کتاب الجنائز

8۔ تاریخ طبری وموطا امام مالک

9۔ کتاب الجامع

10۔ سیرت ابن ہشام

11۔ فتوح البلدان، صفحہ۔52، 53 وغیرہ

12۔ مروج الذہب۔ امام مسعودی المتوفی 346ھ

13۔ اخبار مدینہ۔ امام ابن النجار المتوفی 643ھ (1245ء)

14۔ لسان العرب۔ علامہ جمال الدین محمد مکرم المتوفی 771ھ (1399ء)

ہجرت کے لئے مقام یثرب کا انتخاب کیوں

اللہ کریم نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کے لئے یثرب، قنبرین اور بحرین میں سے کسی بھی جگہ کو اختیار کرنے کا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب کو پسند فرمایا۔ اصل میں ہجرت یثرب کی وجہ اس بیماریوں کے شہر کو مدینہ منورہ بنانے کے لئے تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو باقی تمام آبادیوں کو کھا جائے گی۔ پھر یثرب کا انتخاب حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے دفاعی منصوبہ جنگ کا بھی ایک اہم حصہ تھی۔ہجرت کے ذریعے آپ علیہ السلام نے مکہ، یمن، نجران، حبشہ، شام، بحرین اور یثرب کے منتشر اور پریشان حال مسلمانوں کو ایک مرکز یعنی یثرب جیسے شہر میں تشریف لاکر تجارتی، اقتصادی اور دفاعی اعتبار سے اہم ترین مقام پر اکٹھا کرلیا۔بعد کے حالات وواقعات نے ثابت کردیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ انتخاب مبارک آپ علیہ السلام کی جنگی اور سیاسی بصیرت کا ایسا عملی نمونہ تھا جس کی مثال کائنات میں نہ پہلے موجود تھی اور نہ ہی قیامت تک پیش کی جاسکے گی۔مدینہ منورہ میں آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کی طاقت کو اس حسن تدبر سے جمع فرمایا کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے ہمیشہ مسلمانوں کے مکہ مکرمہ پر حملے کے خوف سے ڈرتے رہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آبادی کے لئے جس جگہ کا انتخاب فرمایا وہ ہر لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ ترین قائدانہ صلاحیتوں کا ثبوت تھا۔آبادی کیونکہ اسفل مقام پر تھی جو جبل سلع کے نزدیک اور جوف کے مرکز میں ہونے کی وجہ سے دفاعی اور سیاسی اعتبار سے مضبوط اور محفوظ ترین تھی۔شہر کا جنوبی اور مغربی حصہ اطراف میں باغات ہونے کی وجہ سے ناقابل تسخیر تھا۔جبکہ شہر کی تیسری جانب پہاڑی سلسلہ قدرتی فصیل کا کام دیتا تھا۔اسفل کی اس آبادی نے ابتداء میں جوق در جوق اسلام قبول کیا جبکہ عوالی آبادی بعد میں مسلمان ہوئی۔اسفل کی یہ آبادیاں مدینہ منورہ کے مغرب، جنوب اور مشرق میں ایک جال کی مانند پھیلی ہوئی تھیں۔خاص طور پر بنی النجار کا طاقت ور اور بڑا قبیلہ ہر وقت حضور علیہ السلام کے لئے جان قربان کرنے کو تیار رہتا تھا۔پھر ہنگامی حالات میں شہر کے قریب ہونے کی وجہ سے فوری ہر قسم کی امداد مل سکتی تھی۔اس طرح شہر پر حملہ کرنا ممکن نہیں تھا۔غزوہ خندق اسکی سب سے بڑی مثال ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ منورہ کو ہجرت کے لئے منتخب فرمانا آپ علیہ السلام کی بحیثیت سپہ سالار اعظم دفاعی صلاحیتوں کا وہ عملی ثبوت ہے جس کی مثال تاریخ عالم قیامت تک پیش نہیں کرسکتی۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب میں ایک فاتح اور حکمران کی حیثیت سے داخل ہوئے۔اسی لئے دیگر مہاجرین کی طرح آپ علیہ السلام کے اسم مبارک کے ساتھ لفظ مہاجر استعمال نہیں ہوتا۔بلکہ آپ علیہ السلام کی حیثیت ایک عظیم فاتح کی طرح انوکھی نرالی اور دیگر مسلمانوں سے بالکل مختلف تھی۔

از صحیح بخاری ومسلم باب ہجرت

تاریخ طبری

سیرت ابن ہشام وعلامہ ابن خلدون

موطا امام مالک

کتاب الجامع وغیرہ

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور افضلیت کا بیان

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہر مبارک کی افضلیت اور فضائل تحریر کرنے کی کوشش اس امید پر کر رہا ہوں کہ میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام میری دستگیری فرماتے ہوئے اپنے ثنا کہنے والوں کی فہرست میں مجھ احقر کا نام بھی شامل فرمالیں گے ورنہ حقیقت میں یہ عنوان ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کی حقیقت اللہ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ یہاں ایک نہایت ہی اہم وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ مدینہ منورہ کے ساتھ پیار و محبت کا دارومدار صرف اور صرف فخر کونین تاجدار عرب وعجم رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اہل ایمان اس محبت والفت میں جس قدر قریب ہوتے جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے اتنا ہی قرب زیادہ میسر ہوگا اور یوں اس محبت، ترقی و مراتب میں بلندی بڑھتی جائے گی۔ یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ اجماع امت واتفاق علماء سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ کائنات میں موجود یا ناپید شدہ تمام ممالک اور شہروں میں افضل واعلیٰ شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہی ہیں۔ پھر ان دونوں شہروں کی فضیلت ایک دوسرے سے افضل ہونے میں علماء محققین اور اصحاب سیر کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اجماع امت یہی ہے کہ مدینہ منورہ کی زمین کا وہ ٹکڑا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے ملا ہوا ہے وہ پوری دیگر زمین کعبہ مکرمہ اور عرش اعلیٰ سے بھی افضل واکمل ہے۔ جمہور اہل علم اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک جو کہ صحیح بخاری میں ہے پیش کرتے ہیں۔ ارشاد فخر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَحبَّ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ الْمَکَّتُہُ او اَشدُ

ترجمہ: اے اللہ مدینہ کو مکہ کی طرح پیارا شہر بنادے بلکہ مکہ سے بہت زیادہ۔ (بخاری شریف جلد 1 ، صفحہ۔203)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک پر غور کریں تو مدینہ کی دوسری تمام جگہوں پر فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔ فتح مکہ کے وقت انصار مدینہ کے سوال کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب مبارک دیا وہ بھی مدینہ منورہ کی افضلیت کا عیاں ثبوت ہے۔ تمام آسمانوں اور زمینوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک لگے۔ اجزائے زمین کو آسمان پر ترجیح وفضیلت حاصل ہے کیونکہ زمین پر آپ علیہ السلام کی قبر انور ہے۔ مشہور زمانہ محقق حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس بات کی تائید کرتا ہے کہ علماء کی اکثریت آسمانوں کو زمین سے افضل مانتی ہے۔ جبکہ دیگر علماء زمین کو آسمانوں سے افضل کہتے ہیں۔ زمین کو آسمانوں سے افضل ماننے والے علماء یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ زمین کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل ہے کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کے مبارک روضے ہیں اور دوسرا یہ عظیم ترین ہستیاں اپنی مبارک زندگیوں کے ساتھ زمین پر ہی تشریف فرما ہیں۔ علماء کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر زمین انبیاء علیہم السلام کے رہنے اور دفن کی جگہ ہے تو ان پاک ہستیوں کی ارواح مقدسہ کا

مسکن آسمان ہے۔ بہر حال جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی مبارک قبروں میں زندہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اجسام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے''۔

اس بات پر تو اجماع امت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر زمین کے جس حصہ کے ساتھ مس کر رہا ہے وہ حصہ تمام آسمانوں، زمینوں یہاں تک کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ علماء کا صرف اس بات پر اختلاف ہے کہ مدینہ منورہ کا باقی خطہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیونکر؟

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ منورہ سب سے افضل ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان مکالمہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی موجودگی میں امیر المومنین اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان افضلیت مدینہ منورہ کے عنوان پر یوں مکالمہ ہوا۔ اس مکالمہ کو علامہ متقی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

کیوں نہیں جبکہ مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر حرم ہے اور امن وسلامتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

درشت لہجہ میں فرمایا۔ میں اللہ کے گھر اور حرم اور امن وسلامتی کی بات نہیں پوچھتا میں تو صرف یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے کہا ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے؟ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین مرتبہ اپنا یہی سوال یوں ارشاد فرمایا۔ ''انت القائل مكة خير من المدينة'' ''کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے''

راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت محمد بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ اگر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کی افضلیت کا اعتراف کرتے تو امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ازراہ تادیب ان کی سرزنش فرماتے۔ مذکورہ مکالمے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عظیم الشان ہستی مدینہ منورہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتی تھی۔ اس گفتگو کو تمام دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے بھی سنا مگر کسی ایک نے بھی

Marfat.com

جناب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقیدہ کا انکار نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔

ازموطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا عقیدہ

مدینہ منورہ کی افضلیت کے بارے میں سیدنا حضرت امام مالک رحمتہ اللہ کا عقیدہ بھی مدینہ منورہ کی افضلیت کا ہی تھا۔ موطا میں فرماتے ہیں حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن مروان (64ھ-65ھ) نے خطبہ جمعہ دیا دوران خطبہ اس نے مکہ مکرمہ کے فضائل وکمالات پر تفصیلی تقریر کی جبکہ مدینہ منورہ کے بارے میں کچھ بھی نہ کہا۔ مدینہ منورہ کے سلسلے میں خاموشی پر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اس وقت حاضرین میں تشریف فرما تھے کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے مروان تجھے کیا ہو گیا ہے تو نے مدینہ منورہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ غور سے سنو میں نے سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

المدينه خير من مكة مدینہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے

والمدينة خير لهم لو كانو يعلمون مدینہ منورہ سب کے لئے بہتر ہے کاش اس کی بہتری کو تم جان لیتے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مذکورہ حدیث کو جمعہ کے خطبہ میں حاضرین کے سامنے بیان کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی مدینہ کو مکہ مکرمہ سے افضل مانتے تھے۔

مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ پر افضلیت کے چند دلائل

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین و حضرت امام مالک رحمتہ اللہ اور دیگر علماء مدینہ منورہ بھی یہ مذہب رکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ ان بزرگوں کے اس عقیدہ سے جمہور علماء محققین بھی متفق ہیں۔ مگر کعبہ شریف کو قبر انور کے علاوہ دیگر مدینہ منورہ کے علاقے سے افضل مانتے ہیں۔

دلیل 1

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور جہاں آپ کا جسم مبارک مٹی سے مس کر رہا ہے وہ جگہ اجماع امت کے نزدیک نہ صرف کعبہ مکرمہ بلکہ پوری زمین وآسمان بلکہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ اس لئے مدینہ منورہ کا یہ حصہ مبارک کماحقہ کعبہ مکرمہ سے بھی افضل ہوا۔

Marfat.com

دلیل 2

کعبہ مکرمہ قبر انور کے علاوہ پورے مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

دلیل 3

حضرت امام عبدلی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر انور کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر کرنا کعبہ مکرمہ سے افضل ہے۔

دلیل 4

جذب القلوب میں ہے "الحبیب لا یختار لحبیبه الا ما هو احب و اکرم عنده"

یعنی "حبیب اپنے حبیب کے لئے وہی شے پسند کرتا ہے جو سب سے زیادہ محترم اور معزز ہو"۔

اللہ کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مدینہ منورہ کا انتخاب فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ اللہ کریم کو محبوب ترین ہے۔

دلیل 5

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح فرمالیا تو صحابہ مدینہ کو اداس دیکھ کر دریافت فرمایا "تم لوگوں کی اس فتح کے وقت اداسی کا سبب کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی سرزمین آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آبائی وطن ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سرزمین پر ہی نہ ٹھہر جائیں۔ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری موت وحیات تم سے وابستہ ہے اس لئے میری واپسی مدینہ ہی ہوگی"۔ قربان جائیں نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مقدسہ کے جس کی روشنی میں افضلیت مدینہ منورہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

دلیل 6

معجم کبیر میں طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ فرمایا

المدینه خیر من مکة مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے۔ (از جذب القلوب)

دلیل 7

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔ لا لقبض النبیَ الفی احب الامکنة

''نبی کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے جو اسے زیادہ محبوب ہو''

دلیل 8

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ''وفا'' میں رقمطراز ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے وقت جسم اطہر کو دفن کرنے کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اطہر کو کس جگہ دفن کیا جائے اس موقع پر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

''لیس فی الارض بقعة اکرم علی اللّٰه من بقعة قبض فیها نفس نبیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه و آله وسلم''

ترجمہ: جس جگہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال شریف ہوا ہے اس جگہ سے افضل کوئی دوسری جگہ نہیں۔

دلیل 9

سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''اللّٰھم انک اخر جتنی من احب البقاع الی فاسکنی فی احب البقاع الیک''

''اے اللہ تو نے مجھے میرے محبوب خطہ سے ہجرت کا حکم دیا ہے اب مجھے وہاں ٹھہرا جو خطہ تجھے زیادہ محبوب ہے''۔

دلیل 10

مدینہ منورہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں موجب تخلیق کائنات فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں۔

دلیل 11

مدینہ منورہ وہ مقدس شہر ہے جہاں قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز ہوا۔

دلیل 12

سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص یعنی اہل ایمان میری قبر (انور) کی زیارت کے لئے یہاں آئے گا اس پر میری شفاعت واجب ہے''۔ اس کے علاوہ جو اہل ایمان اس شہر میں فوت ہوگا اس کی شفاعت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

دلیل 13

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر مبارک میں اپنے وصال شریف کو پسند فرمایا۔

دلیل 14

یہ وہ مبارک شہر ہے جسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے بعد اپنی سواری کو تیز فرما دیا کرتے اور اپنی چادر مبارک کہ اپنے مقدس شانوں سے ہٹا کر ارشاد فرمایا کرتے۔
"هذه ارواح طيبه" یعنی یہ ہوائیں بھلی لگتی ہے۔
یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چہرہ انور کے اوپر لگنے والے غبار کو بھی صاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ اگر کسی صحابی کو گرد سے بچنے کے لئے سر منہ چھپاتے دیکھ لیتے تو اسے منع فرما دیتے۔ اور فرماتے کہ مدینہ منورہ شفا ہے اسی وجہ سے مدینہ منورہ کا ایک نام شافیہ بھی ہے۔

دلیل 15

اسلامی فتوحات کا آغاز بھی اسی شہر مبارک سے ہوا۔

دلیل 16

مدینہ منورہ وہ پاک شہر ہے جہاں سب سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات ہیں۔

دلیل 17

اسی شہر مقدسہ سے اول وآخر کی تمام نیکیاں پھوٹیں۔ یہی جگہ سارے ظاہر و باطن کے کمالات کا منبع ہے۔

دلیل 18

مدینہ منورہ کی سب فضیلتوں میں سے ایک سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ اقدس اسی شہر میں ہے۔ یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کا مقابلہ کوئی اور دوسری فضیلت نہیں کرسکتی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کائنات اور آخرت کی تمام نعمتیں اس ایک نعمت کی برابری نہیں کرسکتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عمل چاہے فرض ہو یا واجب شان کے لحاظ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد انور کی برابری نہیں کرسکتا جمہور اہل ایمان کا یہی مذہب ہے۔

Marfat.com

دلیل 19

مدینہ منورہ کے مقدس شہر میں موت کی دعا کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

دلیل 20

جو اہل ایمان اس شہر مقدسہ میں پیش آنے والے دکھوں پر صبر کرے گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو جنت کا مژدہ سنایا ہے۔

دلیل 21

مدینہ منورہ وہ پاک شہر ہے جس میں مکہ مکرمہ کی طرح جنگ وقتال حرام ہے۔

دلیل 22

احادیث صحیح میں مختلف طریقوں سے اس بات کا ذکر موجود ہے کہ ہر آدمی کی پیدائش اسی مٹی سے ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔اس لئے یقیناً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ بھی مدینہ منورہ کی مٹی سے ہوئی تھی۔اور یوں یہ امر مدینہ منورہ کی فضیلت کا عیاں ثبوت ہے۔

دلیل 23

اس شہر مقدسہ میں وہ جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ابدی آرام فرما رہے ہیں جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شہادت کا رتبہ پایا اور اپنی جانیں اسلام کے لئے نثار کیں۔ یہ شرف صرف اور صرف اسی مقدس شہر کو حاصل ہے کسی دوسرے شہر کو نہیں۔

دلیل 24

اللہ کریم نے اسی پاک سرزمین کو اپنے پیارے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پسند فرمایا۔

دلیل25

اہل ایمان کو اسی شہر مقدسہ میں قیام کی ترغیب دی گئی۔

دلیل 26

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی شہر مبارک میں قرار اور رزق حسنہ کی دعا فرمائی۔

دلیل 27

مکہ مکرمہ کی فضیلت کے قائل یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مکہ کی مسجد یعنی سارے حرم پاک میں ایک رکعت نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے۔ جبکہ مدینہ منورہ میں ایک رکعت نماز ادا کرنے کا ثواب ایک ہزار رکعت اور بعض کے نزدیک پچاس ہزار رکعت کے برابر ہے۔ مدینہ منورہ کی فضیلت کے قائل اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں کہ زیادتی ثواب وجہ فضیلت نہیں ہے۔ ممکن ہے ثواب کی یہ وجہ خاصیت مکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور طرح طرح کی کرامات و برکات اور دینی منافع مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص ہو۔ اپنے اس کلام کی تائید میں وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میدان عرفات کی طرف جانے والے اس میدان میں نماز ادا کرتے ہیں اور پھر منیٰ میں جو نماز ظہر یوم النحر کو ادا کرتے ہیں وہ نماز مسجد الحرام میں ادا کی جانے والی نماز سے افضل ہے۔ حالانکہ یہ عمل صرف سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مقدسہ کی اتباع کے صدقے افضل ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فضیلت زیادتی ثواب پر نہیں بلکہ یہ وجہ سبب قبولیت درگاہ خداوندی پر منحصر ہے۔ جب قبر انور ساری برکتوں اور رحمتوں سے افضل ہے تو یہ ضروری ہے کہ برکت جوار اس مقام کی قبولیت کا باعث ہو جو زیادتی اعمال اور طاعت سے حاصل نہ ہو۔ دوسری افضلیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی حیات مقدسہ کے ساتھ قائم اور باقی ہیں اور ہمیشہ طاعت میں مشغول ہیں اور اپنی امت کی مدد اور شفاعت و مغفرت کے طالب ہیں تو امت کو بھی مدینہ منورہ کے قرب و جوار سے مکہ مکرمہ کی نسبت اطاعت اور نفع زیادہ حاصل ہو رہا ہے۔ اس لئے مدینہ منورہ کی تمام دیگر جہانوں سے افضلیت ثابت ہو جاتی ہے۔

دلیل 28

مدینہ منورہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس مقدس شہر میں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی گئی۔

دلیل 29

مدینہ منورہ کے مقدس شہر میں جنت البقیع اور ریاض الجنۃ کے پاک خطے موجود ہیں۔ اس طرح یہ شرف اسی شہر مبارک کو حاصل ہے۔

دلیل 30

سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں سے بعض پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں۔

دلیل 31

یہ وہ مقدس تاریخی شہر ہے جس کی تاریخ سیدنا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جاملتی ہے۔

دلیل 32

مکہ مکرمہ کی افضلیت کے قائل بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ ادائے مناسک حج وعمرہ ہے جن کے ادا کرنے میں زیادہ ثواب اوراس کے فضائل زیادہ ہیں۔ مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل عشاق اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی زیارت کو جانے والوں کے لئے ایک ایسا انعام فرمایا ہے جو حج اور عمرہ کا عوض ہے۔ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جو شخص دورکعت نماز مسجد نبوی میں پڑھنے کا ارادہ کرے وہ حج کا ثواب پائے گا اور جو شخص مسجد قباء میں دورکعت نماز ادا کرے گا اس کو عمرہ کو ثواب ملے گا۔ آپ حضرات کی توجہ ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں مکہ مکرمہ میں تو حج سال میں ایک دفعہ ہی ادا کیا جاتا ہے دوسرا حج کرنے کے لئے پورا سال انتظار کرنا پڑتا ہے مگر اللہ اللہ مسجد نبوی کی کیا ہی عظمت وشان ہے کہ یہاں شب روز کتنی فرض نمازیں اور نوافل ادا کئے جاتے ہیں اور یوں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مبارک کے مطابق اہل ایمان کتنے حجوں کا ثواب حاصل کرتے ہوں گے۔

دلیل 33

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ قدرت نے تمام ظاہری وباطنی کمالات اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی شہر میں عطا فرمائے۔

دلیل 34

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو تمام برکات کا منبع ٹھہرایا اور یوں اس کی پاک مٹی مبارکہ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوہر عنصر کا صدف بنایا تاکہ قیامت تک یہ زمین پاک صاحب لولاک کی ہمسائیگی سے مشرف ہوکر جن وانس اور ملائکہ کو فیضیاب کرتی رہے۔

دلیل 35

مدینہ منورہ کے فضائل کے بارے میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ روایت کی فرمایا کہ ''شیطان اہل مدینہ سے اپنی پرستش کے متعلق ناامید ہو چکا ہے۔ صرف شر وفساد کی علت باقی رہ گئی ہے''۔

دلیل 36

مدینہ منورہ کی فضیلت کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حق تعالیٰ نے اس جزیرے اور ایک روایت میں اس قریے کو نجاست شرک سے پاک کیا ہے اگر یہ لوگ نجوم سے گمراہ نہ ہوں''۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجوم کس طرح گمراہ کرتے ہیں ارشاد فرمایا ''وہ گمراہ یوں ہوتے ہیں کہ بارش تو اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے برساتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ بارش اس لئے ہوئی کہ چاند فلاں منزل میں آگیا ہے یہی علم نجوم گمراہی کا سبب ہے''۔

دلیل 37

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مومن کو مدینہ میں موت کی خواہش کرنی چاہیے اور اس پر تاکید بھی فرمائی اور ہدایت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''من صبر علی اذلها و شدتها كنت له شهيداً و شفيعاً يوم القيامة''

''جس کسی نے مدینہ کی شدت اور ایذا پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہونگا''

اسی حدیث کی تشریح میں علماء فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ میں فوت ہونے والوں کی سفارش فرمائیں گے پھر مکہ مکرمہ میں فوت ہونے والوں کی اس کے بعد اہل طائف کی۔ ''و اللہ اعلم بالصواب''

دلیل 38

حدیث شریف میں آتا ہے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی۔

الهم لا تجعل ممايانا بمكة

''یا اللہ ہماری موت مکہ میں نہ ہو''

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں فرمایا۔

''روئے زمین پر ایسی جگہ کوئی نہیں کہ جسے میں اپنی قبر کے لئے دوست رکھوں سوائے مدینہ کے''

دلیل 39

تاریخ مدینہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت نے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں اپنی پوری زندگی میں صرف ایک حج کیا اس کے بعد پھر کبھی مکہ شریف نہیں گئے۔ فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ سے کبھی بھی باہر اس ڈر کی وجہ سے نہیں جاتا کہ کہیں میری موت اس شہر مقدس سے باہر نہ ہو جائے۔ سبحان اللہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں ہی فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

دلیل 40

صحیح بخاری شریف میں مدینہ منورہ کی فضیلت کے بارے میں حدیث موجود ہے جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عظمت مدینہ کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

المدینہ ینفی حبث الرجال کما ینفی الکیر خبث العدید

''مدینہ لوگوں کے میل کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے''۔

دلیل 41

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا۔

''الھا تنفی التوب کما تنفی الکیر خبث الفعنۃ''

''یعنی مدینہ پاک ہے اور گناہوں کی نجاست کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی چاندی کی میل کو دور کرتی ہے''۔

دلیل 42

مدینہ منورہ وہ مقدس شہر ہے جس میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس مبارک شہر میں طاعون کی بیماری نہیں آئے گی۔ یہ شہر قیامت تک شرک سے پاک رہے گا۔

دلیل 43

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر مدینہ منورہ کے حق میں یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم بارک لنا فی مدیننا و بارک لنا فی صاعنا و بارک لنا فی ملنا اللّٰھم ان ابراھیم عبدک و خلیلک و نبیک وانی عبدک و نبیک وانہ دعاک لمکۃ وانا ادعوک للمدینۃ بمثل ما

دعاک لمکۃ و مثلہ معہ

''اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے ہمارے صاع میں برکت بخش اور یہاں مد میں بھی برکت عطا فرما اے اللہ بے شک ابراہیم تیرے بندے تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں انہوں نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لئے وہی دعا کرتا ہوں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر مدینہ منورہ کے لئے مذکورہ دعا فرمانا اس بات کی عیاں دلیل ہے کہ یہ شہر مقدس اپنی فضیلت میں ثانی نہیں رکھتا۔

دلیل 44

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مدینہ سے باہر آئے۔ جب ہم مقام حرہ میں پہنچے جہاں سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کرنے کے بعد قبلہ شریف کی طرف چہرہ انور فرما کر یوں دعا فرمائی۔

''اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور تیرے دوست ہیں انہوں نے تجھ سے مکہ والوں کے لئے دعا خیر و برکت مانگی تھی اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں میں تجھ سے مدینہ والوں کیلئے دعا خیر و برکت مانگتا ہوں۔ خداوند کریم ان کے مد وصاع میں برکت عطا کر جس طرح تو نے مکہ والوں کو برکت بخشی ہے۔ مدینہ والوں کو مکہ والوں کی نسبت ہر برکت کے بدلے دوگنی برکت عطا فرما''۔

یہاں ایک اہم نکتہ کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں لفظ مد وصاع آیا ہے اس سے مراد خیر، بہتری اور برکت ہے۔

دلیل 45

دجال کے بارے میں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت ارشاد فرمائی۔ فرماتے ہیں صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں روایات ہیں کہ ''جب دجال نمودار ہوگا تو اس وقت مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے ہر کوچہ کے سرے پر فرشتوں کی جماعت کھڑی کی جائے گی جو دجال کو شہر میں داخل نہیں ہونے دے گی۔ ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شہر نہیں ہوگا جس کو دجال نہ روندے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا''۔

دلیل 46

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ دجال مشرق کی جانب سے نمودار ہوگا اور مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا اور جب وہ احد پہاڑ کے پیچھے آ کر اترے گا تو فرشتے اسکا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے یوں وہ ملک شام میں جا کر ہلاک ہو جائے گا۔ اس طرح اللہ کریم اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ منورہ کو دجال سے محفوظ رکھے گا۔

دلیل 47

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لئے خصوصی دعا میں ارشاد فرمایا ''اے اللہ تپ اور وبا مدینہ سے نکال کر جحفہ بھیج'' اس دعا مبارک کا یہ اثر ہوا کہ یثرب جو پہلے تپ اور دیگر بیماریوں کا شہر تھا ہمیشہ کے لئے ان بیماریوں سے محفوظ ہوگیا۔ (یہاں مقام جحفہ کے بارے میں بتا دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ اس جگہ کا علم ہو جائے۔ جحفہ اس زمانے میں مشرکین اور باغی لوگوں کا مرکز تھا جو ہر وقت اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے)۔

دلیل 48

صحیحین یعنی بخاری شریف و مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مدینہ منورہ کے بہترین لوگوں میں سے ایک نیک مرد دجال کی طرف جائے گا اور اس سے کہے گا تو وہی دجال ہے جس کے نکلنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے۔ اس طرح دجال کو مدینہ منورہ سے دور کرے گا''۔ حضرت ابوحاتم معمر رحمۃ اللہ علیہ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ نیک مرد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

دلیل 49

مدینہ منورہ کے بارے میں حضرت امام بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک صحیح حدیث روایت کرتے ہیں کہ ''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم اخلاص کا ذکر فرمایا اس دن رحمت عالم نور مجسم علیہ السلام نے اس یوم کا بار بار ذکر فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الخلاص کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ''یہ وہ دن ہے جب دجال جبل احد پر چڑھ کر نگاہ کرے گا اور اپنے لوگوں سے پوچھے گا کہ وہ جو سفید محل نظر آ رہا ہے کس کا ہے؟ اس کے ساتھی جواب دیں گے کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد ہے۔ دجال اس کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا مگر مدینہ منورہ کے ہر راستے پر اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف سے مقرر کردہ فرشتے کو اس شہر پاک کی حفاظت کے لئے تیار پائے گا۔ دجال وادی مجتمع السیول کے قریب خیمہ ڈال لے گا اور پھر مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا۔ اس وقت جتنے کافر فاسق اور منافق ہوں گے وہ مدینہ شہر سے باہر نکل کر دجال کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ اس طرح مدینہ منورہ ہر برائی اور خبیث جنس سے پاک ہوجائے گا بس روز اخلاص یہی ہے"۔

دلیل 50

مدینہ منورہ کی فضیلت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس شہر کا غبار شفا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ کریم نے اس شہر کے پھلوں اور خاک میں شفا رکھی ہے۔ خاص طور پر کوڑھ اور برص (پھلبیری) کے مرض کے لئے خاک مدینہ شفا ہے۔ بعض روایات میں یوں آتا ہے کہ خاک شفا کا مقام صعیب ہے۔ اس شہر کی خاک پاک ان امراض کے لئے شفا کا سبب ہے۔ اکثر روایات میں آتا ہے کہ لاتعداد لوگوں جن میں عالم بزرگ بھی شامل ہیں انہوں نے مدینہ منورہ کی خاک کو خود بھی استعمال کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کو کہا نتیجہ کے طور پر اللہ کریم نے سب کو شفا عطا فرمائی۔ اہل دل تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی خاک پاک صرف دو چار بیماریوں کے لئے ہی باعث شفا نہیں بلکہ تمام بیماریوں کے لئے موجب شفا ہے۔

دلیل 51

مدینہ منورہ میں پائے جانے والے پھلوں میں بھی اللہ کریم نے وہ فضیلت رکھی ہے جو کسی اور شہر کے پھلوں کو حاصل نہیں اس کا ثبوت بے شمار احادیث میں موجود ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں آتا ہے کہ جو شخص ہر روز ناشتے میں عجوہ استعمال کرے اس پر کوئی زہر یا جادو اثر نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص عجوہ کھجور سات یوم تک گٹھلی سمیت استعمال کرے وہ دل کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ عجوہ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ بعض کے نزدیک عجوہ اس کھجور کا نام ہے جسے فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست حق پرست سے لگایا تھا۔ مدینہ منورہ میں کھجوروں کی اسقدر اقسام ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ کبیر میں کھجوروں کی 129 اقسام کا ذکر موجود ہے۔

دلیل 52

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک روز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے مدینہ منورہ کے بعض باغات کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔ اچانک کھجور کے درخت سے آواز آئی۔

هٰذا مُحَمَّدٌ سَیّدُ الا نبیَاءِ وَهٰذَا عَلِیَّ سَیّدُ الاَولِیَاءِ اَبُو الا ئمَۃِ الطَّاهِرِیْن

''یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الاولیا اور آئمہ طاہرین کے جدامجد ہیں''۔

اس طرح جب دوسرے درخت کے پاس سے گذرے تو اس کھجور کے درخت سے یوں آواز آئی۔

هٰذا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَ هٰذا عَلِیٌّ سَیفُ الله

''یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب خدا ہیں اور یہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کی تلوار (سیف اللہ) ہیں''۔

اہل مدینہ کھجوروں کے اس درخت کو صیحانی کہتے ہیں۔ اس کھجور کے درخت کا نام صیحانی اس لئے ہے کہ لغت عرب میں صیحہ آواز کو کہتے ہیں اس کھجور کے درخت سے کیونکہ آواز آئی تھی اس لئے اہل عرب ان کو صیحانی کے نام سے پکارنے لگے۔

دلیل 53

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کھجوروں میں سے عجوہ کھجور سب سے زیادہ پسند تھی۔ اس کھجور میں پائی جانے والی تاثیر فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تھی۔ اسی طرح حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھجوروں کی ان تمام 129 اقسام میں سے حضور علیہ السلام کو صرف سات قسمیں پسند تھیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سات اقسام کو ہی کیوں پسند فرمایا اس کی حقیقت کو صرف اور صرف اللہ ورسول اللہ ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں۔

دلیل 54

حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی ''اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مد اور صاع میں برکت فرما'' اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دلیل 55

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلا پھل دیا جاتا تو آپ علیہ السلام یہ دعا فرماتے:

''اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مدینہ، ہمارے پھلوں، ہمارے مد، ہمارے صاع میں برکت کے ساتھ برکت عطا فرما'' پھر بچوں میں سے کوئی موجود ہوتا تو وہ پھل اسے عطا فرما دیتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

دلیل 56

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

''جو دو پتھریلے کناروں کے درمیان میں ہے حرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرم قرار دیا تھا اے اللہ مدینہ میں دوگنا برکت فرما اور ان کے صاع و مد میں برکت عطا فرما'' اس حدیث کو حسن سند کے ساتھ امام احمد نے روایت کیا ہے۔

دلیل 57

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں نکلے یہاں تک کہ ہم سقیا کے پہاڑی ٹیلے پر پہنچے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وضو کے لیے پانی لاؤ''۔ آپ علیہ السلام نے وضو فرمایا پھر قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی:

''اے اللہ حضرت ابراہیم تیرا بندہ اور تیرا خلیل تھا انہوں نے اہل مکہ کے لیے دعا مانگی اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں میں تجھ سے اہل مدینہ کے لیے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لیے مد اور صاع میں اہل مکہ کی نسبت دوگنا برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما''۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، اب حبان نے روایت کیا ہے۔ النسائی نے الکبریٰ میں اور الطبرانی نے الاوسط میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لیے بغیر کسی حدود وقیود کے دعا فرمائی۔

دلیل 58

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں آپ علیہ السلام سے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا صاع دوسرے صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مد دوسرے مدوں سے چھوٹا ہے تو آپ علیہ السلام نے اس طرح دعا فرمائی:

''اے اللہ ہمارے لیے ہمارے صاع اور ہمارے مد ہمارے اور ہمارے زیادہ میں برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید عطا فرما'' اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک برکت کو دوہرا فرمانا اور پھر اس برکت کے ساتھ دو برکتیں عطا فرمانا یہ سب مدینہ طیبہ میں زیادتی اور کثرت کی دلیل ہے خواہ یہ زیادتی اور کثرت دنیا ورزق کے متعلق ہو یا آخرت کے امور کے متعلق خواہ نیکیوں کے کئی

گنا کرنے کے متعلق ہو یا کوتاہیوں کو معاف کرنے کے متعلق۔

دلیل 59

مسلم شریف میں حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی:

''اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں اس میں نہ خونریزی ہوگی، نہ جنگ کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ اس میں درختوں کے پتے توڑے جائیں، گے مگر چارہ کے لیے۔ اے اللہ ہمارے لیے مدینہ میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لیے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لیے مدینہ میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مدینہ طیبہ کی کوئی گھاٹی اور درہ ایسا نہیں جس پر دو ایسے فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تم اپنے سفر سے واپس آ جاؤ''۔

دلیل 60

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں اور امام احمد نے مسلم کی شرط صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر سنا۔ آپ علیہ السلام نے یمن کی طرف دیکھا اور دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما۔ عراق کی طرف دیکھا اور اسی طرح دعا کی ہر افق کی طرف دیکھا اور اسی کی مثل دعا کی'' پھر یہ دعا فرمائی ''اے اللہ ہمیں زمین کے پھلوں سے رزق عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما''۔

دلیل 61

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں قیمت بہت چڑھ گئی انتہائی مشقت کا دور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صبر کرو اور خوشیاں مناؤ میں نے تمہارے صاع اور مد میں برکت کی دعا کی ہے کھاؤ اور جدا جدا نہ ہو جاؤ بے شک ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے اور چار کا کھانا پانچ اور چھ کے لیے کافی ہے بیشک جماعت میں برکت ہے جو مدینہ طیبہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کرے گا میں

اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے لیے گواہی دوں گا''

دلیل 62

متفق علیہ حدیث مبارک ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''مدینے کے ہر درّے پر فرشتے ہیں اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوگا''

دلیل 63

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مدینہ کی طرف دجال آئے گا مگر وہ فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا۔ دجال اور طاعون مدینہ طیبہ کے قریب نہ آئیں گے انشاءاللہ''۔

دلیل 64

مسلم اور بخاری شریف کی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر شہر میں دجال جائے گا مدینہ طیبہ کا کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر فرشتے صفیں باندھے اس کی حفاظت نہ کر رہے ہوں پھر وہ شورزدہ زمین میں اترے گا'' ایک روایت میں ہے کہ ''وہ جرف کی شورزدہ زمین میں آئے گا اور خیمہ لگائے گا۔ مدینہ طیبہ تین مرتبہ لرزے گا اس کی طرف ہر کافر اور منافق نکل جائے گا'' دوسری روایت میں ہے ''ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت اس کی طرف نکل جائے گا''۔

دلیل 65

مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

''مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوں گے''۔

دلیل 66

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

Marfat.com

''جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے مدینہ میں ہی مرنا چاہیے جو اس میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا'' اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور بیہقی نے الشعب میں روایت کیا ہے۔

دلیل 67

عبدالملک بن عباد بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے جن کی شفاعت کروں گا وہ اہل مدینہ ہونگے پھر اہل مکہ پھر اہل طائف ہوں گے''۔ اس حدیث کو امام بخاری، الطبرانی، ابن شاہین اور بزار نے روایت کیا ہے یہ اپنے شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

دلیل 68

حضرت امام بخاری نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی۔

''اے اللہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور انہیں خوفزدہ کرے تو اسے خوفزدہ فرما اور اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل''۔

دلیل 69

حضرت عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اِبْـرَاهِیـمَ حَـرَّمَ مَکَّۃَ وَ دَعَالِاَهْلِهَا وَ اِنِّی حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ کَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِیْمُ مَکَّۃَ اِنِّی دَعَوْتُ فِی صَاعِهَا مُدِّهَا بِمِثْلَی مَا دَعَابِهٖ اِبْرَاهِیمُ لِاَ هْلِ مَکَّۃَ.

(بخاری شریف، مسلم شریف)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور مکہ والوں کے لیے دعا فرمائی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد کے لیے حضرت ابراہیم کی دعا سے دوچند کی دعا کرتا ہوں''

دلیل 70

مدینہ منورہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس پاک زمین پر مسجد نبوی واقع ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعمیر شدہ مساجد میں آخری مسجد ہے۔ اسی سرزمین پر مسجد قبا بھی ہے جس کی بنیاد اسلام میں سب سے پہلے رکھی گئی۔

دلیل 71

مدینہ منورہ کو یہ شرف عظیم حاصل ہے کہ یہاں فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور اور منبر شریف ہے۔ قبر انور کا یہ ٹکڑا تمام زمینوں یہاں تک کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔

دلیل 72

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَا بَیْنَ بَیْتِی وَ مَنْبَرِیْ رَوْضَة'' مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ''۔

ترجمہ: ''میری قبر یعنی روضہ مبارک اور منبر کے درمیان زمین کا ٹکڑا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''۔ مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ یا مقام کو یہ درجہ ورتبہ حاصل نہیں ہے۔

دلیل 73

مدینہ منورہ کی فضیلت کا اندازہ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد نبوی میں ایک منبر مبارک ایسا بھی ہے جس کا پایہ بہشت بریں پر ہے۔

دلیل 74

مدینہ منورہ کو دیگر تمام شہروں پر یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس شہر میں جنت البقیع ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات ہیں خاص طور پر سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس بھی اسی مبارک شہر میں ہے۔

دلیل 75

مدینہ منورہ کو دوسرے تمام شہروں پر یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ یہ شہر مقدسہ تلوار کے بغیر فتح ہوا جبکہ دوسرے تمام بلاد (شہر) تلوار سے فتح ہوئے۔ یہ شہر مبارکہ قرآن کریم کی برکت سے فتح ہوا۔ اس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ تذکرہ ہجرت کے باب میں کیا جائے گا۔

دلیل 76

مدینہ منورہ کا شہر مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے جس کی حدود مقرر ہیں ان کا تفصیلی ذکر بہت سی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ احکام اور ترتیب کے اعتبار

سے دونوں برابر ہیں۔ بعض کے نزدیک حرم مدینہ منورہ حرم کعبہ سے بھی افضل ہے۔ بہر حال یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جس کا ذکر کتب فقہ میں تفصیل سے موجود ہے۔ متلاشیان علم اس کی مزید تشریح کے لئے کتب فقہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

دلیل 77

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کی وجہ سے مدینہ منورہ کو ایک خاص اہمیت وشرف حاصل ہے جو کائنات میں کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں وہ شرف یہ ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام روضۂ اقدس پر سلامی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ جو فرشتہ ایک مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل کر لیتا ہے اس کی قیامت تک دوبارہ باری نہیں آئے گی۔

دلیل 78

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ساکنین (رہنے والوں) کی تعظیم وتکریم کی وصیت فرما کر صرف شہر مدینہ بلکہ اہل مدینہ کی افضلیت بھی واضح فرما دی ہے۔ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

اَلْمَدِیْنَةُ مُهَا جِرَنِیْ

یعنی مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔

وَفِیْهَا مَضْهَبِیْ

یہاں میری خوابگاہ ہے یعنی قبر انور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَفِیْهَا مَبْعَثِیْ

اور یہیں سے میں روز قیامت اٹھوں گا۔

حَقِیْق" عَلٰی اُمتِی حِفِظ " جِیرانی

یعنی اہل مدینہ کے حقوق کی رعایت ضرورت ہے اور جو کچھ میرے ہمسایہ سے صادر ہوا اس کا موازنہ نہ کریں بلکہ جہاں تک ہو سکے اس سے درگزر کریں۔

مَا اجتَنِبُوْ الکَبَا ئِرَ

جب تک اہل مدینہ گناہ کبیرہ نہ کریں اور جب ان سے ہو جائے تو حد شریعت قائم کریں اگرچہ گناہ کبیرہ حق شریعت سے ہو یا حق العباد میں سے ہو۔

مَنْ حَفِظَهُمْ کُنْتُ لَه شَهِیداً وَّ شَفِیْعاً یَوْمَ القِیَامَةِ وَمَنْ لَّمْ یَعْفِظْهُمْ سیُقِیَ مِنْ طِیْنَةِ الخِیالِ

یعنی جو شخص میرے ہمسایوں کی حرمت کو نگاہ میں رکھے گا قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور سفارش کرنے والا ہوں گا اور جو شخص میرے ہمسایوں کی حرمت پر نگاہ نہ رکھے گا اسے طینت خیال سے پلایا جائے گا (طینت خیال ایک حوض کا نام ہے جس میں دوزخیوں کا پیپ اور خون جمع ہوتا ہے)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَن صَلّٰی فِی مَسجِدِیْ اَربَعِینَ صَلوٰۃَ لَا تفوّتِہٖ صَلوٰۃَ کُتَبَ لَہٗ براۃ مِنَ النَّارِ وَبَرَاۃ مِنَ الْعَذَابِ وَ بَرَاۃ مِنَ النِّفَاقَ

ترجمہ: جس نے میری مسجد میں چالیس نمازیں مسلسل ادا کیں۔ وہ دوزخ، عذاب اور نفاق سے بری ہو گیا۔

مَنْ زَارَا قَبرِی فَوَجَبْتُ لَہٗ شَفَاعَتِیْ

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو گئی۔

مَنْ زَارَ نِی بَعْدَ وَ فَاتِی فَکَاَنَّمَازَارَنِی فِیْ حَیَاتِی

ترجمہ: جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو ایسا ہے گویا کہ میری زندگی میں زیارت کی۔

دلیل 79

اصحاب سیر مدینہ منورہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ

لَا یَزِیْدُ اَحَدَ اَھلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَنَا بَہُ اللہ فِیْ النَّار کَمَا نُوِّبَ الرِّصاً صُ

''جو شخص اہل مدینہ سے لڑائی کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح گلا دیتا ہے جس طرح سیسہ آگ میں گل جاتا ہے یا نمک پانی میں پگھل جاتا ہے''۔

اہل مدینہ کو یہ عام فضیلت صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی بدولت حاصل ہوئی۔ جس شہر کے مکینوں کی یہ شان وعظمت ہے اس شہر مقدس کی افضلیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

دلیل 80

مدینہ منورہ کے بارے میں حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو یوں روایت کرتے ہیں۔ ''کہ ایک روز سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر یوں ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ مَن اَرَادَنِیْ وَاَھْلَ بَلَدِیْ بِسُوء فَعَجَّل ھَلَا کَہ

''خداوند! جو شخص میری اور میرے شہر والوں کی برائی کا ارادہ کرے اس کو جلد ہلاک کر''۔

تاریخ مدینہ منورہ گواہ ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں جو واقعہ اہل مدینہ منورہ کے ساتھ پیش آیا۔ ان

ظلم کرنے والوں کو خداوند قدوس نے کس طرح ذلیل ورسوا کر کے ہلاک کیا۔

دلیل 81

مدینہ منورہ کی فضیلت کے باب میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث یوں روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ فتنہ گر امراء میں سے ایک امیر مدینہ منورہ میں فتنہ وفساد پھیلانے کی غرض سے آیا۔ اس وقت سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ زیادہ عمر شریف ہونے کی وجہ سے بینائی میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔ لوگوں نے درخواست کی کہ وقتی مصلحت کے تحت مناسب یہی ہے کہ آپ چندروز کے لئے اس ظالم کے سامنے جانے کی بجائے الگ ہی رہیں تا کہ آپ خود کو اس فتنہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو طلب فرمایا اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ سے چل دیئے۔ راستے میں کمزوری کی وجہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ اور فوراً ہی ارشاد فرمایا ہلاک ہو وہ شخص جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈرایا۔ والد گرامی کی یہ بات سن کر ایک بیٹے نے عرض کی اے ابا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح ڈرایا جا سکتا ہے جبکہ وہ دار فانی سے دار باقی میں اقامت فرما چکے ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ ظَالِماً اَخَافَهُ اللّٰهُ وَ كَانَتْ عَلَيْهِ لَعْنَتُ اللّٰهِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْن

''جو شخص مدینہ کو ظلم سے ڈرائے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ ڈرائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی اس کے فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت ہوگی''۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو مدینہ منورہ اور اہل مدینہ سے کس قدر محبت تھی۔ نیز مدینہ منورہ اور اہل مدینہ کی دیگر شہروں اور جگہوں پر یہ حدیث مبارکہ افضلیت کا عیاں ثبوت ہے۔ مدینہ طیبہ میں برکت مکہ سے زیادہ یا دوگنا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہے کیونکہ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حرم قرار دیا اور مدینہ طیبہ کو اپنے حبیب خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر حرم قرار دیا اور آپ علیہ السلام تمام رسولوں کے سردار، نبیوں کے امام اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام لوگ آپ علیہ السلام کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

اس غلام غلامان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جس قدر دلائل ومواد کتب سیر احادیث مبارکہ اور تاریخ مدینہ منورہ میں سے مل سکے سب تحریر کر دیئے ہیں۔ بعض بزرگ مدینہ منورہ کی بجائے مکہ مکرمہ کی افضلیت کا ذکر فرماتے ہیں ان کا ارشاد بھی تسلیم مگر حقیقت یہ ہے کہ دلائل کی نسبت جو مقام محبوبیت کا ہے کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں۔ پھر مدینہ منورہ کی افضلیت پر اجماع امت ہے۔ اگر اس بحث کو مزید تحریر

Marfat.com

کیا جائے تو نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلے گا اور پھر ہم اپنے موضوع سے بھی ہٹ جائیں گے اس لئے انہی الفاظ کے ساتھ اپنا کلام ختم کر رہا ہوں۔ اس موضوع پر مزید تحقیق کے متلاشی حضرات احادیث مبارکہ کتب سیر اور تاریخ مدینہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

متعلقہ مضمون قلم بند کرنے کے لئے جن کتب سے استفادہ کیا گیا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم شریف، ترمذی شریف

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، خلاصۃ الوفا، تاریخ مدینہ و آثار المدینہ

فتح الباری شریف، وفا الوفا، جذب القلوب از شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اسماء مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کے علاوہ کائنات میں کوئی دوسرا ایسا شہر موجود نہیں جس کے اتنے کثرت سے نام ہوں۔ بعض علماء نے تو اس شہر کے قریباً ایک سو نام تحریر کئے ہیں۔ میں یہاں ان ناموں میں سے صرف ان ناموں کا ذکر کرنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کر رہا ہوں جو شرف اور کرامت پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک بات خاص طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ کثرت اسماء (نام) کسی بھی جگہ یا چیز کی عظمت اور شرف کی دلیل ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے کثیر اسمائے گرامی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔ پھر خاص طور پر ہر نام مشتق و مشعر اچھے اور شریف ماخذ عظیم صفت سے ہو۔ یہاں یہ بندہ ناچیز قرآن و حدیث اور کتب سیر کی روشنی میں مدینہ پاک کے مقدسہ ناموں کی ممکنہ حد تک تفصیل عرض کر رہا ہے۔

مدینہ منورہ وہ پاک و شرف والا شہر ہے جس کے باشندے روضہ اقدس کے در و دیوار سے ایسی خوشبو حاصل کرتے ہیں جس کا ذکر احاطہ قلم سے باہر ہے۔ صرف اہل مدینہ مبارکہ ہی اس خوشبو سے فیض یاب نہیں ہوتے بلکہ بعض اہل دل و اہل محبت غریب الوطن بھی اس سعادت سے اپنی روح کو معطر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیاء کرام کے سرخیل اور صاحب وجد ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔ مدینہ پاک کی مقدس مٹی میں ایسی خوشبو ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ مشک و عنبر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جس جگہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو حاصل کی ہو اس کے مقابلے میں مشک عنبر کیا حقیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابی عبداللہ عطار رحمتہ اللہ علیہ مدینہ کی خاک کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

بِطِیْبِ رَسُوْلِ اللہِ طَابَ نَسِیْمُھَا الْمُشْکُ وَالْکَافُوْرُ وَ الصَّنَلَ

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو مبارکہ سے مس ہو کر ہوا ایسی خوشبودار بن گئی کہ مشک کافور اور صندل کو بھی مات کر گئی''۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص مدینہ پاک کی زمین کو بے خوشبو کہے اور اس شہر کی ہوا کو ناخوش خیال کرے وہ واجب التعزیر (سزا کا مستحق) ہے۔ ایسے شخص کو اس وقت تک قید رکھنا چاہیے جب تک خلوص سے توبہ نہ کرے اسے قید سے چھوڑا نہ جائے''۔

از تاریخ مدینہ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، صفحہ۔14

مدینہ منورہ کے مبارک نام

(1) مجبورہ

مدینہ پاک کے اسمائے مقدسہ میں سے ایک نام مجبورہ بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شہر کو اللہ کریم کے حکم سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ اور وصال شریف دونوں حالتوں میں مجبور کیا گیا۔ یعنی یہ شہر مبارک حکم الٰہی کے مطابق اس امر پر مجبور تھا کہ فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ظاہر حیات میں بھی جلوہ گر رہے اور وصال شریف کے بعد بھی۔

(2) حسنہ

حسنہ بھی اس شہر مقدسہ کا ایک نام ہے۔ لفظ حسن حسنی اس جگہ کثیر تعداد میں باغات اور چشموں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قبوں کی کثرت، ہوا کی وسعت، عمارتوں کی تعداد اور بلند پہاڑوں کی وجہ سے بھی یہ شہر مقدسہ حسین وجمیل ہے۔ سب سے بڑھ کر اس شہر مقدسہ میں فخر کائنات حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اقدس ہر وقت بقعہ نور کا سماں پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ شہر کائنات سے بڑھ کر حسین وجمیل ہے۔ اس کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آل واصحاب وجمیع اتباع حضرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی برکتیں اور کرامات ہر وقت اس شہر کا احاطہ رکھتی ہیں۔ مشہور عربی قول ہے۔

عَرَفَ مَنْ ذَاقَ وَ وَجَدَ مَنْ عَرَفَ

''جس نے ذوق رکھا اس نے عرفان حاصل کیا جس نے عرفان حاصل کیا وہ وجد میں آیا''

(3) خیرہ یا خیرہ

مدینہ مبارک کے ناموں میں سے اصحاب سیر نے یہ نام خیرہ یا خیرہ بھی تحریر کیا ہے۔ خیرہ تشدید کے ساتھ اور خیرہ بہ تخفیف۔ دونوں طرح یہ نام لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں ان الفاظ کا مطلب خیر یا الخیرات ہے۔ مدینہ منورہ کیونکہ تمام بھلائیوں اور جمیع الخیرات ہے دنیا وآخرت کا منبع وجامع ہے اس لئے یہ پاک شہر ان ناموں سے بھی

مشہور ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے۔

اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

''مدینہ ان کے واسطے بہتر ہے اگر وہ جانتے''

ایک اور حدیث شریف میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ مِّنْ مَکَّةَ

مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے

از: وفا الوفا جلد 1 صفحہ 14

(4) مومنہ

مومنہ بھی اس شہر مقدس کا نام ہے۔اس نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ مومن کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسے سکون کے ساتھ سکونت نصیب ہو۔احکام اسلام نصیب ہوں اور وہ برکت اور الفت حاصل کرے۔یہ تمام چیزیں مومنین کو مدینہ منورہ میں حاصل تھیں اس لئے مدینہ پاک مومنہ کے نام سے بھی مشہور ہوا۔اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح کنکریوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ مبارک پڑھا اس طرح حقیقت میں یہ شہر بھی ایمان لایا۔یہاں ایک سوال کا جواب دینا اشد ضروری ہے۔وہ یہ کہ آیا شہر بھی کلمہ پڑھ سکتا ہے۔جواباً عرض ہے بے شک پڑھ سکتا ہے اس کی کئی مثالیں موجود ہیں مثلاً احد پہاڑ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی محبت تھی۔حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ تُرْبَتَه لَمُوْمِنَةٌ

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک خاک مدینہ مومنہ ہے''

ایک اور روایت میں ہے کہ توراۃ میں اس کا نام مومنہ ہے۔

از تاریخ مدینہ جذب القلوب۔صفحہ۔19

وفا الوفا۔جلد 1۔صفحہ۔ 20

(5) مبارکہ

مبارکہ بھی مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک ہے۔جس کا مطلب خیر و برکت ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی تمام اشیاء یہاں تک کہ مد اور صاع (پیمائشوں کے نام ہیں) کے لئے بھی دعا فرمائی۔ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ضِعْفَی مَا جَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃ

''یااللہ مکہ مکرمہ سے دوگنا زیادہ اس میں برکت فرما''۔

وفاالوفا۔جلد 1،صفحہ۔20

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا اے خداوند قدوس تو نے جس قدر خیر و برکتیں مکہ مکرمہ کو عطا فرمائیں ان سے بھی زیادہ مدینہ منورہ کو عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمائیں اور قبول نہ ہو ایسا ممکنات میں سے ہی نہیں چنانچہ کائنات کی کوئی ایسی خیر و برکت نہیں جو خالق کائنات نے مدینہ منورہ اور اہلیان مدینہ منورہ کو عطا نہ فرمائی ہو۔ مختصراً اس نسبت سے یہ پاک شہر یقیناً مبارکہ کے لقب کا مستحق ہے۔

(6) مسکینہ

مسکینہ بھی اسماء مدینہ منورہ میں سے ہے۔ مسکینہ کی تشریح بھی مبارکہ کے مطابق ہی ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اس لئے یہاں دوبارہ تشریح کی ضرورت نہیں البتہ اس جگہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی نقل کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

یَا طِیبَۃُ طَابَۃُ یا مَسْکِیْنَۃَ لَا تَقْبلِي الْکُنُوْزَ

''اے پاک زمین اے جائے مطہر اے مکان مسکین تو خزانوں کو قبول نہ کر اور اپنی مسکینیت پر قائم رہ''

اصل میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس میں انہوں نے اہل مدینہ کو خطاب فرمایا ہے کہ وہ مسکینی اور غربت سے زندگی بسر کریں اور دنیا داروں کی طرح فانی دنیا کی طرف رغبت نہ کریں۔

(7) مدینہ منورہ

اس شہر مبارک کا سب سے مشہور نام مدینہ منورہ ہے۔ لغت میں مدینہ چند گھروں پر مشتمل جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ مبارک شہر آبادی کے اعتبار سے خاصا وسیع ہے اور لغت کی رو سے اب مصریت کے درجے تک پہنچ چکا ہے۔ مصریت کے معنی کثرت عمارات کے ہیں۔ اس طرح مصریت قریہ سے بہت بڑی آبادی کو کہتے ہیں۔ کائنات میں بسنے والا کوئی شخص بھی اب اگر مدینہ کا لفظ بولے گا تو اس سے مراد صرف اور صرف مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی لی جائے گی چاہے وہ خالی مدینہ ہی کیوں نہ بولے یہ سب کچھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کا صدقہ ہی ہے کہ لغت کا لفظ مدینہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔ عرب کی اصطلاح میں مدینہ الف و لام کے ساتھ آتا ہے۔ اس اصطلاح کو ایک مثال کے ساتھ مزید واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مثلاً جب ہم لفظ نجم بولتے ہیں تو اس سے مراد ہر ستارہ ہوتا ہے لیکن اگر الف لام شامل کر لیا جائے تو اس طرح تخصیص حاصل کرتے ہوئے لفظ نجم

Marfat.com

کا معنی ثریا بن جائے گا جو کہ یقیناً ایک مخصوص ستارے کا نام ہے۔اس طرح اگر کوئی شخص لغت عرب کے مطابق کسی اور شہر کے لئے لفظ مدینہ استعمال کرے یا بولے تو اس نسبت سے وہ لکھے یا بولے گا ''مدینی'' لیکن اگر اس کو لفظ ''یا'' کے ساتھ منسوب کریں تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کو نسبت دے کر کہیں گے ''مدنی'' یعنی یا کے بغیر اسی اصول کے مطابق خداوند کریم نے قرآن پاک میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے۔اسی طرح تورات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ بہرحال ہم اس بحث کو اسی جگہ ختم کر رہے ہیں امید ہے یہ وضاحت کافی تصور ہوگی۔

جذب القلوب تاریخ مدینہ از شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(8) اثرب

اثرب بروزن مسجد ہمزہ پر فتح ثا، ساکن ہر مکسور اور اسی سے یثرب بھی ہے۔اس نام کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد آپ علیہ السلام کی اولاد زمین پر مختلف جگہوں پر آباد ہوئی تو اس اولاد میں آگے چل کر یثرب نامی شخص نے یہ شہر آباد کیا۔اس لئے اس شہر کا نام ہی یثرب مشہور ہو گیا اور یوں صدیاں گذر جانے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں ہجرت فرما کر تشریف لائے تو اس شہر کا نام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گیا۔حقیقت میں یثرب کسی خاص حصے کا نام ہے اس پر تین قول ہیں۔

پہلا قول

حضرت ابی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یثرب اس حصے کا نام ہے جس سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھیلا اور آہستہ آہستہ یہ مقام وسیع ہوتا گیا۔

دوسرا قول

دوسرا قول سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں یثرب مدینہ منورہ کی بستی کا ہی نام ہے۔اس قول کو حضرت امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔

تیسرا قول

سیدنا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یثرب امام قری المدینہ ہے جو کہ قناۃ۔حرف۔البرنی اور زبالہ کے درمیان کا خطہ ہے۔حضرت امام ابن زبالہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس قول کو تائید حاصل ہے۔

(9) ارض اللہ

مدینہ منورہ کا ایک نام ارض اللہ بھی ہے یعنی اللہ کی زمین۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ النساء آیت 97۔

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

ترجمہ: ''کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے'' (سورۃ النساء، آیت 97)

حضرت امام مقاتل اور حضرت امام ثعلبی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن کریم کی اس مذکورہ آیت میں ''ارض'' سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی یہ سورۃ وآیت اس شہر خوباں کی عظمت وتعظیم کو بیان کرتی ہے۔

(10) ارض الہجرت

مدینہ منورہ کو ارض الہجرت یعنی وہ زمین جسکی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ و دارِ الْهِجرت

ترجمہ: ''مدینہ منورہ اسلام کا قبلہ اور ہجرت کا گھر ہے''

از کنز العمال، جلد۔12، صفحہ۔220

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے مدینہ منورہ کی عظمت وتعظیم کا پتہ چلتا ہے۔

(11) البارہ والبرۃ

البارہ والبرۃ دونوں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ہیں۔ یہ دونوں نام اس پاک ومقدس شہر کے رہنے والوں کے نیک اعمال کی کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ مقدس ومحترم شہر اسرار وبرکات انوار فیوض، اور رشد و ہدایات کا سرچشمہ ہے۔ اسی شہر خوباں میں مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے آقا ومولا فخر موجودات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیوض، انوار وتجلیات اور رشد وہدایت کے وہ لازوال گوہر حاصل کیئے جنکی برکت سے یہ احباب آسمان کے چمکنے والے ستارے بن کر پوری دنیا کو نورانی وروشنی حق تقسیم کرتے رہے۔ ان کے بعد اور قیامت تک اس سرزمین پاک سے ان گنت اہل حق اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تعلیمات وارشادات اہل ارض کو تقسیم کرتے رہے ہیں۔ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

(12) دارالفتح

مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام دارالفتح بھی ہے۔ یہی وہ مبارک شہر ہے جہاں سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ فتح فرما کر سرکش، خودسر اور تکبر وغرور میں غرق مشرکین مکہ پر حق ثابت کر دیا۔ تاریخ عالم میں یہ واحد فتح کی مثال ہے کہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ایسی عظیم الشان فتح حاصل کی جسکی تاریخ قیامت تک مثال پیش نہیں کر سکے گی۔ یہی دارالفتح مدینہ منورہ وہ شہر ذی شان ہے جو مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا مسکن تھا جہاں سے نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یافتہ پروانوں نے اطراف عالم میں سنت مقدسہ کی روشنی پھیلائی۔

(13) ذات الحجر

الحجر، حجرات کی جمع ہے۔ یعنی بہت سے گھر والا۔ سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آئے تو انصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے جہاں اپنی ہر چیز میں اپنے مہاجر بھائیوں کو حصہ دار بنایا وہاں انصار نے ان مہاجرین بھائیوں کو رہنے کے لئے مکانات بھی عطا کئے۔ اس لئے مدینہ منورہ ذات الحجر بھی کہلاتا ہے۔

(14) ذات الحرار و ذات النخل

الحرار، حرہ کی جمع ہے۔ عربی زبان میں حرہ پتھریلی زمین یا علاقے کو کہتے ہیں۔ اس سرزمین پاک پر کیوں کہ حرے کثرت سے پائے جاتے ہیں اس لئے اس مقدس زمین کو ذات الحرار کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے۔

یثرب ذاتُ النخل وَالحرة

ترجمہ: یثرب النخل اور الحرار کی جگہ ہے۔

سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحدیث

اِریْت دارِ هجرُ تیِ ذاتَ نخلٍ وَ حَرَّة

ترجمہ: ”میری ہجرت کی جگہ نخل اور حرار والی ہے“

(15) السلقة

السلقة بھی اس نرالی اور امتیازی شان والے شہر مقدس کا نام ہے۔ السلقة مصائب وَآلام اور گرمی کی شدت

والی وسیع وعریض زمین کو کہتے ہیں۔اس سرزمین پر بسنے والے شدید گرمی اور مختلف مصائب وآلام سے دوچار رہتے تھے۔گوان کے پاس وسیع وعریض زمین تھی حقیقت یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سرزمین پر قدم مبارک رکھا تو اسی سرزمین کے رہنے والوں نے بڑے ہی قلیل وقت میں دنیا کے بہت سے ممالک کو ہی نہیں بلکہ قریباً قریباً ساری دنیا کو اپنے زیرنگیں کرلیا اور یوں وہ وسیع وعریض زمین کے مالک ومختار بن گئے۔

(16) اللہ تعالیٰ کی زمین

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ النساء آیت 97۔

اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

قرآن کریم کے ان الفاظ مبارکہ میں ارض اللہ سے مراد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔حضرت مقاتل اور امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ ارض اللہ سے یہی مراد بیان کی ہے۔(سورۃ النساء آیت 97)

(17) غالب بستی یعنی اکالۃ القریٰ

حدیث شریف میں ہے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

امرت بقریۃ تاکل القریٰ "مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو سب بستیوں پر غالب ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسی بستی فرمانا سے مراد مدینۃ الرسول ہے۔غالب بستی اس مبارک شہر کے اسماء میں سے ایک ہے۔یہ نہایت ہی قدیم نام ہے۔زمانہ جہالت میں بھی یہ نام مشہور تھا۔جو قوم یا شخص یہاں آکر ٹھہرا آخرکار وہ غالب رہا۔جیسے جب یثرب آباد ہوا تو اسے غلبہ حاصل ہوا۔یہود عمالقہ پر غالب آئے پھر اوس وخزرج یہود پر غالب آئے۔اسکے بعد مہاجرین اوس وخزرج پر غالب رہے۔اس بنا پر اس شہر مقدس کا نام غالب بستی ہے۔

از: جذب القلوب تاریخ مدینہ، صفحہ۔19

(18) اکالۃ البلدان

مدینہ منورہ کو اکالۃ البلدان بھی کہا گیا ہے یعنی اس مقدس شہر کو دنیا کے دیگر تمام شہروں پر تفوق (فوقیت) افضلیت حاصل ہے۔کیونکہ اس شہر مبارک کے فضائل وعظمت اسی طرح قیامت تک جاری وساری ہیں جیسے مکہ مکرمہ کے۔

(19) البلد

مدینہ منورہ کو البلد کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ

''مجھے اس شہر کی قسم''۔

حضرت عیاض رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں البلد سے مراد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

وفاء الوفا صفحہ۔12

(20) الجنۃ

عربی زبان میں جنہ ڈھال کو کہتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر ارشاد فرمایا ''اَنَا فِیْ جُنَّۃٍ میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنہ میں ہوں''۔ یعنی ڈھال میں ہوں یہاں جنہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

(21) بیت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۃ الانفال آیت 5

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

ترجمہ: جس طرح اے حبیب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا۔ (سورۃ الانفال آیت 5)

مفسرین قرآن ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں بیت سے مراد مدینہ منورہ ہے جو آپ علیہ السلام کا مقام ہجرت اور مسکن ہے۔ بیت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقب ہونے کی وجہ اسی نام سے ظاہر ہے جس طرح مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کہتے ہیں اسی طرح اس مبارک شہر کو بیت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا زیادہ مبارک ہے۔

جذب القلوب صفحہ 16

(22) جزیرۃ العرب

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز فخر کونین رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے اس شہر مقدس کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

''اِنَّ اللّٰہَ بَرَءِ ھٰذِہِ الجزِیْرَۃَ مِنَ الشِرْکِ''

''اللہ نے اس جزیرے کوشرک سے پاک فرمادیا ہے''۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے۔

''اَخْرِجُوْ الْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ''

''مشرکوں کوعرب کے جزیرہ سے نکال دو''۔

جذب القلوب،صفحہ۔17، وفاالوفا،صفحہ۔13

(23) الحبیبۃ

سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بارے میں یوں ارشادفرمایا۔

''اَللّٰھُمَّ حَبِبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ''

''اے اللہ ہمارے لئے مدینہ منورہ کومحبوب بنادے''۔

یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام مدینہ منورہ سے بے حد پیار فرماتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نام کی نسبت سے فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ حَبِبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحِبْنَا مَکَّۃَ

ترجمہ:''اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ڈال دے جیسا کہ ہم مکہ کومحبوب جانتے ہیں''۔

جذب القلوب۔صفحہ۔17

(24) حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صحیح مسلم شریف میں آتا ہے سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا ''اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَمٌ'' ''مدینہ حرم ہے''۔ایک اور حدیث میں ارشادفرمایا۔امن بے شک وہ امن والاحرم ہے۔یعنی مدینہ منورہ کوسرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خودحرم قراردیا ہے۔ارشادفرمایا۔

''مَنْ اَخَافَ اَھْلَ حَرَمِ اَخَافَہُ اللّٰہُ''

''جومیرے حرم والوں کوڈرائے گااللہ اسے ڈرائے گا''

ایک دوسری حدیث میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشادفرمایا۔

حَرَمَ ابرَاھِیْمَ مَکَّۃُ و حَرَمِیَ الْمَدِیْنَۃُ''

''مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کاحرم ہے اور مدینہ منورہ میراحرم ہے''۔

(25) حسنہ

مدینہ منورہ کے بارے میں قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، فرمایا۔ سورۃ النحل آیت 41۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

ترجمہ: ''ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے''۔ (سورۃ النحل آیت 41)

مدینہ منورہ میں تمام ظاہری، باطنی، معنوی غرض ہر لحاظ سے حسن اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مدینہ منورہ کو حسنہ کہا گیا۔ حسن حسنی بسبب اشتمال کثرت باغات و کثرت چشموں پر دلالت کرتا ہے اور وسعت فضا کثرت قبوں، عمارتوں، بلند پہاڑوں کی وجہ سے بھی حسین ہے۔ سب سے بڑھ کر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ودیگر تمام برکات و کرامات کی وجہ سے حسنہ ہے۔ یہ مبارک شہر وجدانی ذوق و عرفان کا سرچشمہ ہے۔ عربی کی مشہور کہاوت ہے:

عَرَفَ مَنْ ذَاقَ وَجَدَمَنْ عَرَفَ

ترجمہ: ''جس نے ذوق رکھا اس نے عرفان حاصل کیا جس نے عرفان حاصل کیا وہ وجد میں آیا''۔

از جذب القلوب۔ صفحہ۔ 18

(26) الخیرہ

الخیرہ سے مراد بہتری والا۔ خیر والا ہے۔ مدینہ منورہ کا اس نسبت سے نام الخیرہ بھی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمَدِيْنَةَ خَيْرَ مِّنْ مَكَّةَ

''مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے''۔

ایک اور حدیث شریف میں یوں ارشاد فرمایا۔

الْمَدِيْنَةُ خَيْرَ لَّهُمْ لو كَانُوْ يَعْلَمُوْنَ

''مدینہ منورہ ہی ان کے لئے بہتر تھا اگر وہ جان لیتے''۔

27. دارالایمان

مدینہ منورہ کا نام دارالایمان بھی ہے۔ اسے دارالایمان اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔

اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ اِلا سْلَامِ وَ دَارُ الْاِیْمَان

''مدینہ منورہ اسلام کا قبہ ہے اور ایمان کا گھر ہے''۔

حضرت امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام ایمان رکھا ہے کیونکہ یہ شہر ایمان کی تشہیر اور اظہار کا سبب ہے۔

(28) الدار

قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔سورۃ الحشر آیت 9۔

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ

''جنہوں نے دار کو ٹھکانہ بنایا'' ۔سورۃ الحشر آیت 9

قرآن کریم کی اس آیت کے لفظ دار سے مراد مدینہ منورہ ہے

از وفا الوفا۔صفحہ۔14

امام ابن زبالہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس کی تائید میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام الدار اور الایمان رکھا ہے کیونکہ یہ شہر ایمان کی تشہیر اور اظہار کا سبب بنا ہے۔

(29) قبۃ الاسلام

سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

المَدِیْنَۃُ قُبَّۃَ الْاِسْلَام

''یعنی مدینہ منورہ اسلام کا قبہ ہے''

(30) دارالابرار

دارالابرار کا مطلب نیکوں کا گھر ہے۔مدینہ منورہ کے ناموں میں یہ بھی ایک نام ہے۔یہ شہر مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا جائے سکونت تھا اور یہ ہستیاں یقیناً اعلیٰ گھروں جو کہ ہر اعتبار سے نیکیوں والے تھے کے مالک ومقیم تھے۔

(31) الشافیہ

مدینہ منورہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الشافیہ بھی فرمایا۔ارشاد مبارک ہے۔

تُرَابُھَا شِفَاء مِنْ کُلِّ دَاءٍ

''مدینہ منورہ کی مٹی ہر بیماری کی دوا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ جو خوش قسمت اہل ایمان اس مقدس شہر کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں وہ واپسی پر اپنے ساتھ تبرک خاک شفا بھی لاتے ہیں۔ جسے آگے بے شمار اہل دل استعمال کرتے ہوئے جہاں بیماریوں سے نجات پاتے ہیں وہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک شہر کی مقدس مٹی کو آنکھوں پر لگاتے ہوئے سکون قلب اور آنکھوں کی روشنی میں اضافہ پاتے ہیں۔

از: کنز العمال۔ج۔12،ص۔236

(32) سیدۃ البلدان

سیدۃ البلدان سے مراد شہروں کی بادشاہ بستی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ کو ''سیدۃ البلدان'' بھی کہا جاتا ہے۔ امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت نقل فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا

يَا سَيِّدَةَ الْبُلْدان

''شہروں کی بادشاہ بستی''

(33) طابہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا

اِنَّ اللّٰه تَعَالٰى سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ

''اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا ہے''

تورات میں بھی یہ نام طیبہ، طابہ اور مطیبہ استعمال ہوا ہے۔ جسکا مطلب نجاست شرک سے پاک ہونے کا ہے۔

(34) طیبہ

مدینہ منورہ کا یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود رکھا۔ ابن شبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے بدل کر طیبہ رکھ دیا۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں مدینہ منورہ کے دس نام بیان فرمائے ہیں جن میں طیبہ، طابہ اور مطیبہ بھی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر خوباں کو شرک کی نجاست سے پاک فرما دیا تو اسے طیبہ کہا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود مبارک

کی مہک نہایت ہی نفیس واعلیٰ ترین خوشبو کی نسبت سے اس شہر کا نام طیبہ رکھا گیا۔ یہاں کی ہوائیں پاکیزگی اور لطافت پائی جاتی ہے جو آدمی اس مقدس شہر میں سکونت اختیار کرے تو اسے اس شہر کی مٹی اور درودیوار سے نہایت عمدہ خوشبو آتی ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پاک شہر کی مٹی مبارکہ میں ایسی لطیف خوشبو پائی جاتی ہے جو دنیا بھر کی خوشبوؤں سے نرالی اور قدرت کا کرشمہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا نام طیبہ رکھا۔

طیبہ پاک صاف کے معانی میں آتا ہے۔ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اور کچھ دیر تک عام لوگ اس شہر کو یثرب کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فَسَمَّا هَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّىَ اللهُ تعالٰی عَلَيْهِ و آلهِ وَسَلّم طَيْبَةً

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر کا نام یثرب تبدیل فرما کر طیبہ رکھا'' کیونکہ وہاں کی ہوا سلیم طبائع سے موافقت رکھتی ہے۔

(35) العاصمہ

عربی زبان میں العاصمہ، حفاظت کرنے والا اور معصوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کو العاصم اس لئے کہا گیا کہ اس شہر نے مہاجرین وانصار کی حفاظت کی۔ انہیں سہارا دیا۔ معصومہ اس لئے فرمایا کہ یہ ہر برائی سے بچائی گئی بستی تھی۔ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْ خُلُهَا الدَّجَالُ وَلَا الطَّاعُوْنَ

''اس بستی میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہوسکیں گے''۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَهَا بِسُوْءٍ اَذَا بَهُ اللهُ

''جس شخص نے مدینہ منورہ کے بارے میں بُرا ارادہ کیا اللہ اسے ہلاک کردے گا''۔

(36) العرا

لغت عرب کے مطابق عرا اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کی کوہان بہت اونچی نہ ہو اور اس کی عمر بھی کم ہو۔ مدینہ منورہ کے شہر میں فلک بوس عمارات نہ تھیں اس نسبت سے اس شہر کو عرا کہا جاتا ہے۔

(37) العزراء یا العذراء

تورات میں لفظ العزراء استعمال ہوا ہے جس کا معنی ایسا خطہ یا شہر ہے جو دشمن کی زیادتیوں کے باوجود محفوظ رہا ہو اور اسے ہمیشہ پاک نظروں سے ہی دیکھا گیا ہو۔ مدینہ منورہ میں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں اس لئے اسے العزراء کہا گیا۔

از وفاالوفا۔ جلد 1 صفحہ 17

(38) العروض

صوبہ نجد کے تمام شہر خط مستقیم طولانی پر واقع ہیں اور مدینہ منورہ اس خط سے ہٹ کر واقع ہے اس لئے اس کو العروض کہا جاتا ہے۔ یاد رہے سعودی حکومت کا دارالحکومت ریاض بھی صوبہ نجد میں واقع ہے جبکہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ صوبہ حجاز میں واقع ہیں۔

وفاالوفا۔ جلد 1، صفحہ 17

(39) الفراء

عربی زبان میں الفرا کے معنی روشنی یا روشن کے ہیں۔ مدینہ منورہ اپنے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے روشن ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عالم وجود کی تمام روشنیاں ہی اس مقدس شہر کی برکت سے قائم اور ہر سو پھیلی ہوئی ہیں گویا یہ تمام مقدس روشنیوں کا سرچشمہ ہے اس لئے اسے الفراء کہا جاتا ہے۔

(40) القاصمہ

القاصمہ تورات میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ قاصمہ کے معنی ہیں کہ ہر سرکش کی سرکشی کو خاک میں ملانے والا۔ ہر تباہ کار کو تباہ کرنے والا۔ مدینہ منورہ کی طرف آنے والے ہر سرکش کی سرکشی اور تباہی کا ارادہ کرنے والوں کو اس شہر نے ہمیشہ خاک میں ملا دیا اس لئے مدینہ منورہ کو القاصمہ بھی کہا جاتا ہے۔

(41) قریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں جلوہ گر رہے اور روضہ اقدس بھی اسی جگہ ہے۔ اس لئے مدینہ منورہ کو قریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی حضور علیہ السلام کا شہر کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال چلتا پھرتا اس مقدس شہر کے قریب پہنچے گا مگر اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی

اجازت نہیں ہوگی تو وہ کہے گا۔

هٰذِهٖ قَرْيَةُ ناكِ الرَّجُلِ

''یہ بستی تو اس آدمی (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہے''۔

(42) قلب الایمان

مدینہ منورہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کا دل فرمایا۔ حضرت امام عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس مشہور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''المَدِيْنَةُ قُبَةُ الإِسْلامِ'' اسی حدیث پاک میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے۔''المدینہ قلب الایمان'''' مدینہ ایمان کا دل ہے''۔

(43) المحبوبہ

مدینہ منورہ کا خطہ ارضی اللہ تعالیٰ کو پوری روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔

اِنَّهَا اَحَبُّ الْبِقَاعِ اِلَى اللهِ

''یہ خطہ ارض اللہ کریم کو سب سے زیادہ محبوب ہے''۔

یہ اس لئے محبوب فرمایا کہ اس خطے کو اللہ تعالیٰ نے خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پسند فرمایا۔

(وفاالوفا جلد۔1، صفحہ۔21، خلاصہ 8)

(44) الموفیہ

مدینہ منورہ اپنے زائرین سے وفا کرتا ہے۔ ان کے تمام حقوق پورے ادا کرتا ہے۔ اس لئے اس شہر مقدس کو موفیہ کہا گیا۔ اس شہر مقدس کی زیارت کو آنے والے اپنی تمام حسی اور معنوی ضروریات حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے شہر موفیہ کہلاتا ہے۔ یا پھر اس شہر مقدس میں وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سکونت پذیر ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے تمام وعدے پورے کئے اس لئے مدینہ منورہ موفیہ کہلایا۔

(45) المقر

مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام المقر بھی ہے۔ حدیث شریف میں اس شہر کو قرار کی جگہ فرمایا گیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں ارشاد فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَاراً

''اے اللہ ہمارے لئے اس شہر کو قرار بنادے'' (از مدینۃ الرسول۔ جلد۔1، صفحہ۔39 تا 50)

مدینہ منورہ کے اور بہت سے اسمائے مقدسہ یہ ہیں

(46) الھذراء (47) الناجیۃ
(48) المکتان (49) المقدسہ
(50) المسلمۃ (51) اکالۃ القریٰ
(52) البارہ (53) الجیرہ
(54) البلاط (55) تندد
(56) الجابرۃ (57) الجبارۃ
(58) دارالاخیار (60) دارالسلامۃ
(61) ظبانا (62) الفاضحہ
(63) المبارکۃ (64) مبین الحلال والحرام
(65) المحبورۃ (66) الایمان
(67) البحرہ (68) البحیرہ
(69) جبار (70) الحبرہ
(71) الحرم (72) الحصینۃ
(73) دارارض (74) الھجرۃ
(75) دارالسلام (76) دارالمختار
(77) دارالھجرۃ (78) الورع الحصینۃ
(79) ذات الحرار (80) الرحمۃ
(81) السلفۃ (82) بوأالحلال والحرام
(83) المجنۃ (84) المحبۃ
(85) المحبۃ (86) المحروسۃ
(87) المحفوظۃ (88) المحفوفۃ
(89) المختارۃ (90) مدخل صدق
(91) المدینۃ النبویہ (92) طائب
(93) طبابا (94) طباب
(95) مدینۃ الایمان (96) المدینۃ المشرفہ
(97) المرزوقۃ (98) المشکورۃ

(99) النافیہ (100) النحر

(101) نبلاء (102) یندو

(103) غلبہ (104) الفاصمۃ

(105) القدسیۃ (106) القریۃ

(107) قریۃ الانصار (108) مضجع الرسول علیہ السلام

(109) المطیبۃ (110) المکیۃ

(111) المومنۃ (112) مہاجر الرسول علیہ السلام

(113) دارالسنۃ (114) الموطن

(115) یندر (116) المرجومۃ

اگر سب کی تفصیل تحریر کی جائے تو موضوع بہت طویل ہوجائے گا۔ یہاں برکت کے لئے مذکورہ اسمائے مقدسہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ طالبان علم اگر تمام مقدسہ ناموں کی تفصیل جاننا چاہیں تو خلاصہ الوفا، صفحہ۔ 4 پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس کتاب خلاصۃ الوفا کے مصنف شیخ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے ناموں کی تعداد 95 تحریر کی ہے اور تمام نام بھی لکھے ہیں۔

اسلام کا پہلا دارالخلافہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ (یثرب) کے قریہ قباء میں عمرو بن عوف کے ہاں تشریف فرما ہوئے یہاں آپ علیہ السلام نے چودہ روز تک قیام فرمایا۔ چودھویں روز یثرب کے مسلمانوں کو قباء میں طلب فرمایا وہ سب لوگوں ہتھیار سجا کر حسب حکم حاضر خدمت ہوئے۔ اسطرح چودھویں روز حضور علیہ السلام سب اہل حق کو ہمراہ لیکر قباء سے روانہ ہوئے اور بنی النجار کے محلّہ میں سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں رہائش اختیار فرمائی۔ بنی النجار آپ علیہ السلام کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ مسجد نبوی شریف کی تعمیر اور امہات المومنین کے حجرے بن جانے تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی گھر میں عارضی طور پر قیام پذیر رہے۔ حضور علیہ السلام اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر یثرب کی مختلف آبادیوں اور جگہوں کا جائزہ لینے کے لئے نکلے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی کثیر تعداد ہمراہ تھی۔ آپ علیہ السلام کے ہمراہ صحابہ کی تعداد دیکھ کے اغیار کے دلوں پر مسلمانوں کی عسکری طاقت کا رعب بیٹھ گیا۔ آپ علیہ السلام پیغمبر آخر الزمان رحمۃ اللعالمین نے عظیم ترین جرنیل، سپہ سالار اعظم، عظیم المرتبت، صادق وامین، سراپا نور، ماہر جنگ، مدبر، بلند پایہ ماہر تعمیرات، عظیم ترین سیاستدان اور منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے ہر جگہ کا غور سے معائنہ فرماتے رہے تھے۔ آخر کار جوف کا دفاعی نقطہ نظر سے جائزلیا۔ اور اسی جگہ کو اسلامی حکومت کا سب سے پہلا دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام بطور عظیم جرنیل آئندہ پیش آنے

والی جنگوں کی وجہ سے اس جگہ کو دارالحکومت کے لئے پسند فرمایا۔ اور ایک سیاست دان اور مدبر کی حیثیت سے مختلف قبائل کی قوت اور اسلام کے متعلق ان لوگوں کے رویئے کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحیثیت بلند پایہ ماہر تعمیرات اس جگہ کو ہر اعتبار سے موزوں خیال فرماتے ہوئے اسلامی ریاست کے دارالخلافہ کے لئے منتخب فرمایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کیلئے جس جگہ کا انتخاب فرمایا وہ آپ علیہ السلام کے ننھیال بنی النجار کی ملکیت تھی۔ اس زمین کی ملکیت کے بارے میں مختلف اقوال کتب سیر میں موجود ہیں۔ مسجد نبوی کی جگہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ مخصوص زمین بنی النجار کے دو یتیم بھائیوں کی ملکیت تھی۔ جبکہ دوسری جگہ کے بارے میں اہل سیر کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ وہ جگہ ویران، بنجر و غیر آباد تھی۔ وہاں کھنڈرات اور قبرستان تھے۔ کھجور کے درخت بھی تھے کسی حد تک وہاں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی اور وہ جگہ اونٹوں کو باندھنے کے کام بھی آتی تھی۔ یہ قطعہ اراضی اس اعتبار سے کافی بڑا تھا۔ اس وسیع قطعہ اراضی میں سے کچھ حصہ یتیم بھائیوں کی ملکیت تھا۔ جبکہ کچھ حصہ کی ملکیت بنو ثعلبہ اور بنی النجار کی تھی۔ باقی زمین دیہی شاملات (جیسے ہمارے ہاں پنجابی زبان میں شاملاٹ کہا جاتا ہے) ہونے کی وجہ سے پورے قبیلے کی مشترکہ ملکیت تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قابل کاشت ٹکڑے کا معاوضہ مالک کو ادا فرمایا اور دیگر اراضی جو قابل کاشت نہ تھی یعنی قبرستان، بنجر اور ویران اس جگہ کو خواہش مبارکہ کے مطابق تقسیم فرمایا۔ بعد میں یہی اسلامی حکومت کی حکمت عملی (پالیسی) رہی۔ اس قطعہ اراضی پر دارالحکومت تعمیر کرنے اور دارالامارت بنانے کے علاوہ باقی اراضی مہاجرین کی آبادکاری کے لئے استعمال کی گئی۔ یہ انتخاب محض اتفاق نہیں تھا بلکہ نیا شہر آباد کرنے کے لئے آپ علیہ السلام نے جس جگہ کا انتخاب فرمایا وہ ہر اعتبار سے بہترین اور بے مثال تھی۔

دارالحکومت اور نئے شہر کی جگہ کے انتخاب کے بارے میں جغرافیائی لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب پر قربان ہونے کو دل کرتا ہے۔ جگہ کی موزونیت پر غور کریں تو کس قدر مضبوط دفاعی اور سیاسی پوزیشن (صورت حال) ہمارے سامنے آتی ہے۔ شہر کے جنوب اور مغرب دونوں اطراف میں بطحان اور ناقابل گزر باغات کا سلسلہ تھا۔ جن کے گرد چار دیوار ہوتی تھی۔ تیسری طرف سلع اور دیگر پہاڑیاں قدرتی فصیل اور مورچوں کا کام دیتی تھیں۔ غرض دفاعی نقطہ نظر سے یہ جگہ لاجواب تھی۔ اسفل کی آبادی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغرب، جنوب اور اطراف مشرق میں جال کی مانند پھیلی ہوئی تھی۔ یہی لوگ سب سے پہلے اسلام لائے۔ ان میں بنی النجار پیش پیش تھے۔ یہ اہل حق ہر وقت اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے انتخاب مبارک کے قربان جائیں جس جگہ کو نئے شہر اور دارالخلافہ کے لئے منتخب فرمایا وہ مذکورہ وجوہات کی بنا پر بہترین ہی نہیں تھا بلکہ اس شہر پر چڑھائی کرنا یا اس کا محاصرہ کرنا قریب قریب ناممکن ہی تھا۔ غزوہ خندق ہمارے اس دعویٰ کا عیاں ثبوت ہے۔ اسفل کی ان خصوصیات کے مقابلہ میں عوالی کی آبادی ان خصوصیات سے

Marfat.com

خالی تھی۔اسی لئے حضور علیہ السلام نے عوالی کی آبادی کے مقابلہ میں اسفل قبائل کی آبادیوں کی جگہ کو دارالخلافہ کے لئے پسند فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد پہلے قباء کو جو کہ جنوب مغرب میں مسلمان آبادیوں کی جگہ تھی دارالخلافہ کے لئے پسند فرمایا مگر بعد میں مدینہ منورہ قباء سے بھی بہتر جگہ دیکھی تو اپنا پہلا ارادہ مبارک تبدیل فرما دیا۔اور یوں یثرب کا شہر حضور علیہ السلام کے قدم مبارک کے طفیل مدینہ منورہ بن گیا۔

صحیح بخاری شریف، ابواب ہجرت، صحیح مسلم، ابواب آداب سفر ونسائی
کتاب الصلواۃ وابی داؤد، ابواب مساجد وصلوۃ وسیرت ابن ہشام
تاریخ طبری، ابن الاثیر، کتاب الخیراج از امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔صفحہ۔77-276
طبقات ابن سعد وغیرہ

حرم مدینہ منورہ

حرم عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد ایسا شہر ہے جس کے اندر یا گرد ونواح میں ہر قسم کی جنگ کرنا حرام ہے۔لفظ حرم نیم مذہبی اور سیاسی اصطلاح ہے۔اسی طرح یہ اسلام میں نہایت ہی متبرک اور قابل احترام شہر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ۔اسی طرح عیسائیوں کے نزدیک روم کا شہر حرم کا درجہ رکھتا ہے۔مدینہ منورہ ایسا شہر تھا جس کی حدود میں جو شخص بھی داخل ہو گیا اسے امن اور پناہ مل جاتی تھی۔اگر دشمن بھی اس شہر کی حدود میں داخل ہو جاتا تو گویا وہ امن وپناہ میں آجاتا تھا۔سیاسی اعتبار سے لفظ حرم مدینہ منورہ کے لئے اس وجہ سے استعمال کیا جاتا تھا کہ دنیا میں پہلی دفعہ اسلامی ریاست کی حدود کا تعین ہو گیا تھا۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ علیہ السلام نے جوف کے ایک حصہ کو حرم قرار دے کر مکہ والوں کی طرف اہل مدینہ کو بھی نہ صرف محفوظ بلکہ اپنی سیاسی صورت حال (پوزیشن) کو بھی مضبوط کر لیا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ منورہ سے کوئی کارواں نہیں گزر سکتا تھا۔اس طرح اہل مکہ کی پوزیشن (صورت حال) بہت ہی کمزور ہو گئی ان کے تمام کارواں ہر وقت خطرے کی زد میں رہتے۔ اہل مکہ اگر حرم مدینہ منورہ کا خیال نہ رکھتے تو پھر حرم مکہ مکرمہ کا احترام بھی نہ کیا جاتا۔اس لئے بحالت مجبوری وہ لوگ احترام کرنے پر مجبور تھے۔ادھر مدینہ منورہ میں خانہ جنگی اور ہر قسم کے انتشار کا خاتمہ ہو گیا۔اگر کوئی شخص اس احترام کو پامال کرنے کی جسارت کرتا تو اسے خدمت اقدس میں جواب دہ ہونا پڑتا۔جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں اسے قرار واقعی سزا دی جاتی۔اس طرح جہاں مدینہ منورہ میں امن قائم ہو گیا وہاں جوف مدینہ منورہ کی تمام آبادیاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر نگیں آگئیں۔اہل مدینہ منورہ عرصہ دراز سے چلی آنے والی خانہ جنگیوں، خلفشار، قتل وغارت لاقانونیت اور نقص امن کی وجہ سے امن وامان کے سخت متلاشی تھے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اعلان حرم کے بعد جو حقیقت میں اعلان امن تھا مدینہ منورہ کے رہنے والوں نے جن میں مسلم وغیر مسلم سب شامل تھے صدق دل سے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور ہر ایک اپنی خود مختاری سے جزواً دست بردار ہو گیا۔

اعلان امن اصل میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور اندیشی اور سیاسی تدبر کی عمدہ ترین مثال تھی۔ کیونکہ اس اعلان کے بعد اہل مدینہ منورہ نے آپ علیہ السلام کی سیادت قبول کرتے ہوئے اپنی گردنیں اطاعت کے لئے جھکا دی تھیں۔ یہ اعلان باقاعدہ تحریر کیا گیا جس پر مختلف قبائل کے دستخط ثبت کئے گئے۔ اس اعلان میں نمایاں طور پر حرمت کے الفاظ درج تھے۔ اس معاہدہ امن کے بعد اہل اسلام نے بڑی کامیابی سے شب و روز کی سخت محنت کے بعد اسلام کو اطراف میں پھیلانے کا کام شروع کر دیا۔ حضور علیہ السلام کے ظاہری زمانہ حیات مبارکہ میں جوف مدینہ منورہ سے مراد وہ حدود نہ تھیں جو آجکل مراد لی جاتی ہیں یعنی اس زمانہ میں عیر اور سلع کے درمیانی علاقے کو جوف مدینہ منورہ کہا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف، امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حرم مدینہ منورہ کی حدود بارہ 12 مربع میل بیان کی ہیں یعنی جبل عیر سے لیکر جبل ثور تک کا علاقہ حرم مدینہ منورہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے حرم کی حدود کے لئے منارے بطور نشانی تعمیر کرائے تھے۔ ان میں سے کچھ مناروں کے کھنڈرات ابھی بھی وہاں موجود ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ السلام کے ذریعے بڑے ہی قلیل وقت میں اسلام کی حدیں نہ صرف جزیرۃ العرب پر محیط فرما دیں بلکہ پورا عالم ہی اس نورانی روشنی سے منور ہو گیا۔

از صحیح بخاری و مسلم و کتب الخراج، عن مالک بن انس۔ صفحہ 124-424

سیرت ابن ہشام

تاریخ ابن خلدون وغیرہ

روضۂ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد مبارک 12 ربیع الاول 11 ہجری کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مطہر میں آرام فرما ہوا۔ 13 ہجری کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا اور بہ اجازت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کا سر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سینہ مبارک کی سیدھ میں ہے 23 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے ہوئی۔ آپ کا سر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک کی سیدھ میں ہے۔

آقائے دو جہاں (علیہ السلام) جہاں معہ دونوں خلفاء کے آرام فرما ہیں وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ تھا۔ حجرہ مقدسہ صرف ایک کوٹھڑی تھی اس میں آپ رہتی تھیں۔ اس کوٹھڑی کا ایک دروازہ تھا

جس سے لوگ زیارت کے لیے آتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے 57 ہجری میں انتقال کے بعد جب لوگ کثرت سے قبراطہر کی خاک اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے تو دروازہ بند کر دیا گیا اور زیارت کرنے والوں کے لیے ایک دریچہ کھول دیا گیا۔ مگر بعد میں اس کھڑکی کو بھی مصلحتاً بند کر دینا پڑا۔

مخمس دیوار کی تعمیر

88 ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مشرقی دیوار منہدم ہوگئی۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی جانب سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر مدینہ تھے انہوں نے شکستہ حصہ دیوار پر پردے ڈال دیئے اور حجرہ اقدس کے اطراف مضبوط بنیادوں پر مخمس سنگی دیوار نقش ونگار سے مزین اس طرح تعمیر کی کہ اس دیوار کے شمالی کونے بیت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا ملے اس دیوار کی تعمیر کا یہ مقصد تھا کہ حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خام دیواریں ہر طرف سے محفوظ ہو جائیں اور بیت الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مماثل بیت اللہ بھی نہ ہونے پائے اس عمارت کو "حضارمزّ ور" کہا جاتا ہے۔ اب تنہا یہ عمارت اپنی یکتائی تعمیر کی مظہر ہے۔ اب تک آرام گاہ نبوی (علیہ السلام) معہ خلفاء نظروں سے مستور تھے۔ اب بیرونی خام دیوار حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی سب سے پوشیدہ ہوگئی۔ زیادہ تر اہل سیر، محدثین، محققین، اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مغرب میں دو دروازے ''باب الی المسجد'' (جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آتے جاتے تھے) اور باب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جس سے ام المومنین مسجد میں آیا کرتی تھیں) تھے۔ آقائے دو جہاں کے گھر کا حدود اربعہ اس طرح تھا کہ شمالی دیوار چھوٹی مقابل کی جنوبی دیوار بڑی، مغربی دیوار سیدھی اور مشرقی دیوار ترچھی۔ اپنی نوعیت کی انوکھی تعمیر تاکہ بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ (مستطیل) سے مشابہ نہ ہونے پائے۔

والی مصر (حلب ودمشق) سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کوزیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان افروز تاریخی واقعہ

557 ہجری (1162ء) سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ والی مصر کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ سلطان خواب سے بیدار ہوا۔ دوگانہ نوافل شکرانے کے ادا کر کے سویا ہی تھا کہ پھر زیارت ہوئی دوبارہ نوافل شکرانہ ادا کر کے لیٹا ہی تھا کہ تیسری بار پھر زیارت سے مشرف ہوا۔ ہر مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چہرے سلطان کو دکھا کر ان کے شر کے دفعیہ کی ہدایت فرمائی۔ متفکر و پریشان ہو کر اسی وقت رات میں ہی اپنے وفادار وزیر جمال الدین موصلی کو بلا کر خواب کی کیفیت بتائی اور مشورہ طلب کیا۔ وزیر نے رائے دی

Marfat.com

کہ کوئی اہم واقعہ مدینہ منورہ میں ہورہا ہے لہٰذا اب آپ فوراً مدینہ منورہ روانہ ہوجائیں۔صبح ہونے کے بعد میں اہل مدینہ کے لیے تحائف اور تقسیم کے لیے خزانہ سے رقم لے کر حاضر خدمت ہوجاؤں گا۔

چنانچہ سولہ(16) دن کے دن رات سفر کے بعد جلد ہی سلطان مدینہ منورہ جا پہنچا اس کے بعد جلد ہی وزیر معہ زر کثیر وتحائف پہنچ گیا۔سلطان نے سارے اہل مدینہ کی بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا اور خود ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے ہر آنے جانے والے کو آسانی سے دیکھ سکے۔ مدینہ منورہ کے تقریباً تمام لوگوں نے دعوت میں شرکت کی مگر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن دو چہروں کی نشان دہی فرمائی تھی وہ نظر نہ آئے۔امیر مدینہ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص باقی تو نہیں رہا؟ تو پتہ چلا کہ دو درویش باقی رہ گئے ہیں۔جو روضۂ اقدس اور جنت البقیع کی زیارت کے علاوہ کسی سے واسطہ نہیں رکھتے اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔اہل مدینہ ان کے بہت معتقد ہیں اور وہ ہر شخص کی اعانت کرتے رہتے ہیں۔سلطان کے حکم پر وہ دونوں حاضر کیے گئے جو شامی لباس پہنے ظاہری طور پر درویش معلوم ہوتے تھے۔سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کو پہچان لیا اور وہیں روک کر ان کے حجرہ رہائش (باب جبریل علیہ السلام کے سامنے، مشہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قریب، رباط العجم کے نام سے مشہور عمارت) پہنچ کر ان کے حجرے کا کل سامان باہر نکالنے کا حکم دیا۔سامان میں چند مذہبی کتابیں، مصلّٰی، غلہ اور سکوں کے ڈھیر کے علاوہ دو مشکیزے بشکل تکیہ غلاف برآمد ہوئے۔فرش ہٹانے پر حجرہ کے اندر سرنگ برآمد ہوئی جو زیر زمین راستہ سے حجرہ مقصورہ تک پہنچ چکی تھی۔سلطان نے وہیں ان دونوں کو طلب کرلیا۔ان کا سامنا ہوتے ہی سلطان نے انتہائی غضبناک اور غصہ کے عالم میں کہا۔

"ملعونو! میں تمہاری وضع قطع سے بالکل متاثر نہ ہوں گا۔ مجھے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے چہرے دکھا دیئے تھے۔بلا حیل وحجت صحیح صحیح حال بتادو ورنہ ہر قسم کی اذیت پہنچائی جائے گی"۔

دونوں نے اعتراف کرلیا کہ ''ہم نصرانی ہیں اور عیسائی حکمرانوں نے زر کثیر دے کر ہم کو یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم "جسد اطہر (علیہ السلام)'' نکال کر حکمرانوں کو پہنچادیں تو وہ ہم کو مالا مال کردیں گے۔چنانچہ ہم کئی برس سے سرنگ کھود رہے ہیں اور مٹی مشکیزوں میں بھر کر اپنے پیٹ سے باندھ کر جنت البقیع میں پھینک آتے ہیں" وہ نہیں جانتے تھے کہ رب العالمین اپنے حبیب پاک محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محافظ ومددگار ہے۔ جہاں ستر ہزار (70,000) فرشتے درودوسلام پر مامور ہیں۔بھلا کس کی مجال کہ سوئے ادب کرسکے۔

خندق رصاص

سلطان نے ان لوگوں کو وہیں قتل کردیا اور حجرہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخمس دیواروں سے فصل پر اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا اور اس میں سیسہ (Lead) پگھلا کر زمین تک بھر دیا۔تا کہ آئندہ کے لیے ایسی

Marfat.com

جرأت کی ہر کوشش ناکام رہے۔ اسی کو "خندق رصاص" کہا جاتا ہے۔ 557 ہجری میں سیسہ کی اس بنیاد پر صندل کی جالی لگائی گئی۔ مختلف سلاطین اپنے عہد میں زیادہ سے زیادہ استحکام و تحفظ کے لیے تبدیلیاں کرتے رہے۔ اب اسی خندق رصاص کی بنیاد پر سبز جالیاں لگی ہوئی ہیں۔

667 ہجری میں ظاہر رکن الدین بیبرس (625 تا 676 ہجری) نے سلطان نور الدین زنگی کے جنگلہ صندل کی جگہ ایک مقصورہ (جالی دار آہنی احاطہ) دو قد آدم اونچا بیت فاطمہ کو اندر لیتے ہوئے، محراب تہجد تک قائم کر دیا اور جنوب، مشرق و مغرب میں تین دروازے بھی بنائے گئے۔ 694 ہجری میں العادل زین الدین کتبغانی نے اسی جالی کو بلند کر کے مسجد کی چھت سے ملا دیا۔

نقشہ خندق رصاص
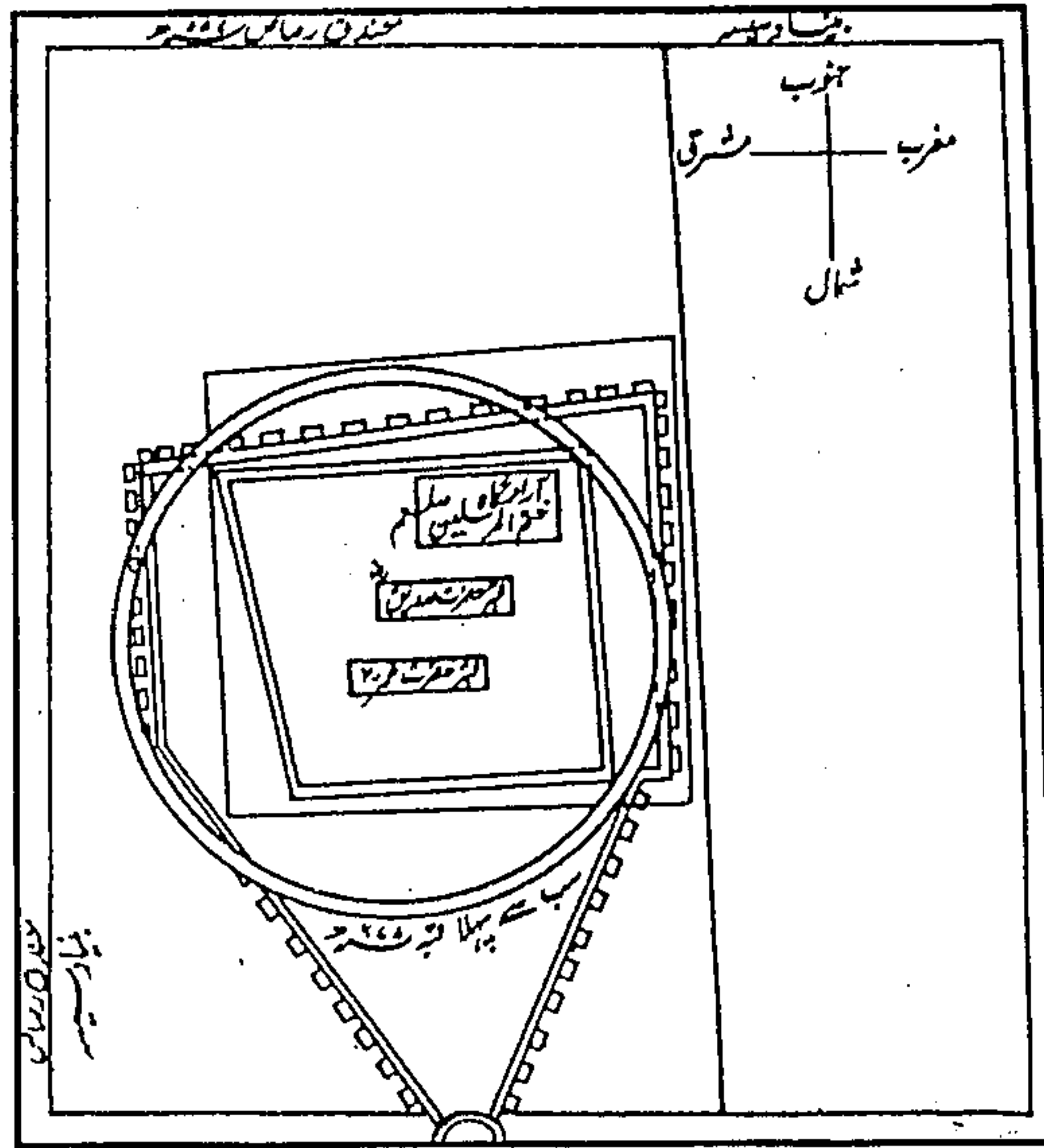
حجرہ اقدس کی چھت اور پہلے قبہ کی تعمیر

678 ہجری میں سلطان قلاوٗن صالحی نے سنگ رخام کے ستونوں اور محرابوں کا ایک حصار، مخمس سنگی دیوار سے پانچ ہاتھ (تقریباً 9 فٹ) کے فاصلہ پر قائم کر کے اس حصہ کو مسقّف کر دیا اور انہی نو تعمیر ستونوں پر سب سے پہلی

مرتبہ چھوٹا" قبہ "تعمیر کرایا۔ 679 ہجری میں مضبوط لکڑی کے ستونوں پر ملک منصور قلاؤن اور احمد بن البرہان (689 ہجری) بن القوی نے" لکڑی کا قبہ "بنایا اور قبہ کے سرے کو سیسہ کی چادروں سے پاٹ دیا۔ ناصر حسن بن قلاؤن (689 تا 737 ہجری) نے ملک منصور کے قبہ کی تجدید کی۔ 765 ہجری (1363 عیسوی) میں ملک اشرف نے سیسہ کی چادریں بدل دیں۔

مقصورۂ شریف

892 ہجری (1487 عیسوی) سلطان قائتبائی نے " مخمس دیوار " کے اردگرد ستونوں اور محرابوں کا ایک احاطہ سنگ مرمر کا بنوایا اس عمارت کو" مقصورہ شریف " کہا جاتا ہے۔ اسی" مقصورہ شریف "کے اردگرد فولادی جالیاں لگا دی گئیں۔" باب توبہ " جو استوانہ حرس" اور "استوانہ وفود" کے درمیان جانب ریاض الجنۃ واقع ہے اس پر سلطان قائتبائی کا نام وسنہ تعمیر اب بھی موجود ہے۔ حجرہ مقصورہ سے بیت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جدا اور اس کی فولادی جالی کا احاطہ نسبتاً چھوٹا ہے۔ حجرہ مقصورہ پر سب سے پہلے خلیفہ ہاروں رشید کی والدہ نے غلاف چڑھایا تھا اس وقت سے سلاطین اپنی اپنی جانشینی کے دن نیا غلاف پیش کرتے رہے ترکی حکومت عثمانیہ نے اپنے عہد میں چند مواضعات بطور نذرانہ جاگیر وقف کر دیئے۔

تیسرے قبہ نیلگوں رنگ کی تعمیر

اس وقت کے موجودہ قبہ کو اندر لیتے ہوئے ایک اور بڑا قبہ سنگ جس کا بنوایا۔ پتھر کا رنگ سفید تھا اور اس پر آگ اثر انداز نہ ہوسکتی تھی یہ خصوصی پتھر مصر سے منگوائے گئے تھے اس تیسرے قبہ پر نیلگوں رنگ چڑھایا گیا۔

گنبدِ خضراء

روضۂ اقدس کے اوپر گنبد خضراء ہے جس کی زیارت کی سعادت ہر مسلمان کے دل کی تمنا اور آرزو ہے صالحی عہد میں سب سے پہلے 678 ہجری میں الملک المنصو رقلاؤن نے روضۂ اقدس پر ایک گنبد بنایا تھا جو نیچے سے مربع اور اوپر سے آٹھ گوشوں کا تھا جو لکڑی کی تختے اور سیسے کی پلیٹوں (چادروں) سے تعمیر کیا گیا تھا۔ 886 ہجری میں الملک اشرف قائتبائی نے سنقر جمالی کو مسجد نبوی کی تعمیر اور مرمت کی خدمت پر مامور کیا۔ اس تعمیر کے وقت گنبد کا رنگ سفید تھا جسے "قبۃ البیضا" کہا جاتا تھا۔ 888 ہجری (1483ء) میں سلطان قائتبائی نے روضۂ اقدس میں پیتل کی نہایت خوبصورت جالیاں بنوائیں اور اس میں "باب الرحمۃ" قبلہ کی جانب "روضہ اقدس" میں ایک " جھروکہ "، باب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" اور "باب التہجد" بھی بنوائے لیکن کچے فرش کو تبرکاً اسی طرح رہنے دیا۔ لیکن دسویں ہجری کے وسط میں سلطان سلیمان رومی نے روضۂ اقدس کا فرش سنگ مرمر کا بنوایا جو آج تک موجود ہے۔

روضۂ اقدس (مقصورہ شریف) کا طول 16 میٹر یا تقریباً 52 فٹ اور عرض 15 میٹر تقریباً 49 فٹ ہے۔ چاروں گوشوں میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے ستون ہیں۔ جن کی بلندی چھت تک ہے۔ 980 ہجری (1572 عیسوی) میں سلطان سلیم ثانی نے روضۂ اقدس کا قابل رشک گنبد بنوایا جسے رنگین پتھروں اور زردوزی سے مزین کیا گیا۔ گنبد کی پشت پر اپنا نام بھی کندہ کروایا۔ 1233 ہجری (1817 عیسوی) میں سلطان محمود نے گنبد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو از سر نو تعمیر کرایا۔

پہلے گنبد کا رنگ سفید تھا مگر 1255 ہجری (1839 عیسوی) میں (سلطان محمود بن عبدالحمید خاں ثانی 1233 تا 1255 ہجری) اس گنبد پر سبز رنگ کرایا گیا اور جب ہی سے اسے گنبد خضراء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ گنبد خضراء ہے جسے عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خوابوں میں دیکھتے ہیں اور خوش قسمت وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اس کی تجلیاں ان کے دلوں میں نور، ان کی آنکھوں میں ایمان کی روشنی اور ان کی روح میں سرور پیدا کر دیتی ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی تعمیر کا آغاز مسجد نبوی سے فرمایا۔ اس طرح اسلام میں یہ پہلی مسجد ہے۔ کئی مؤرخین و محدثین نے مسجد قبا کو پہلی مسجد قرار دیا ہے۔ مگر حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو مسجد نبوی ہی پہلی مسجد ہے۔ گو اس مسجد کی تعمیر سے پہلے حضور علیہ السلام کے بھیجے ہوئے مبلّغ مثلاً حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز باجماعت پڑھائی۔ اسی طرح حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھایا کرتے انہوں نے تو جمعہ کی نماز کا اہتمام بھی کیا۔ نماز باجماعت پڑھانے سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نماز مسجد میں ہی پڑھائی گئی تھی۔ پھر قبا میں چودہ 14 روز قیام کے دوران مسجد کا تعمیر کیا جانا حقائق کے خلاف ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ قباء میں قیام کے دوران حضور علیہ السلام نے چودہ (14) روز تک اس جگہ نماز پڑھائی ہو جہاں پہلے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ بہرحال حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والی مسجد نبوی ہی تھی۔ جبکہ بعض مفسرین کرام نے مسجد قباء کو پہلی مسجد بیان کیا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست حق پرست سے مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیرات کے کام کی نگرانی کرتے رہے۔ مسجد شریف کی جگہ پر موجود درختوں میں سے آدھے درخت کاٹ دیئے گئے اور ان کو قبلہ رخ رکھ کر پتھروں سے پشتہ بنا دیا گیا۔ مسجد کا صحن ابتدائی زمانہ میں کشادہ نہیں تھا مگر غزوہ بدر کے بعد جب نمازیوں کی تعداد میں متواتر اضافہ ہوتا گیا تو صحن ضرورت کے مطابق کشادہ کر دیا گیا۔ مسجد کی اضافی زمین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خریدی تھی۔ مسجد کا صحن کچا تھا۔ جب بارش ہوتی

Marfat.com

تو نمازیوں کے پاؤں اور کپڑے کیچڑ سے لت پت ہو جاتے سجدہ کے دوران پیشانیوں پر بھی کیچڑ لگ جاتی تھی۔ بعد میں اس صورت حال کے پیش نظر صحن میں باریک کنکریاں بچھا دی گئیں تا کہ کیچڑ سے بچا جا سکے۔ صحن کے گرد چار دیواری بنا دی گئی تھی۔ مسجد کے تین اطراف تین دروازے بنائے گئے۔ مسجد کی بنیادوں میں پتھر استعمال کیا گیا جبکہ دیواریں دھوپ میں پختہ شدہ اینٹوں سے تعمیر شدہ تھیں۔

ابتداء میں مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے تیار کی گئی اس کے اوپر مٹی کا لیپ کر دیا گیا۔ بارش کے دوران چھت ٹپکتی تھی اور یوں مسجد کے اندر کیچڑ پھیل جاتی۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں چھت کی شاخیں گل جانے کے باعث ناکارہ ہو چکی تھیں اس لئے چھت کو تبدیل کر دیا گیا۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پھر چھت تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ مسجد کے صحن میں بھی اضافہ کیا گیا۔ اس طرح سترہ اٹھارہ سال کے عرصہ میں تین دفعہ چھت تبدیل ہوئی مگر عہد رسالت کی موجود طرز پر۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مسجد کی تعمیر نو کا منصوبہ بنایا۔ چند صحابہ نے اس امر کی مخالفت بھی کی مگر خلیفہ وقت نے مسجد کی دیواریں پختہ اور منقش تعمیر کرائیں۔ چھت ساگوان کی لکڑی سے تیار کی اور یوں مسجد نبوی عظیم الشان عمارت کی شکل اختیار کر گئی۔ مسجد نبوی میں کھجور کے چھ ستون کھڑے کئے گئے۔

ابتداء میں قبلہ چونکہ شمال کی طرف یعنی بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس لئے عمارت بھی اسی سمت تعمیر کی گئی تھی۔ بعد میں جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو شمالی عمارت برقرار رکھی گئی البتہ جنوب میں نئی عمارت کا اضافہ کر دیا گیا اس طرح پہلی تعمیر شدہ عمارت غریب، نادار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین یعنی صحابہ صفہ کے استعمال کے لئے مختص کر دی گئی۔ مسجد کے اس حصہ میں خیمے لگانے کی اجازت تھی اس طرح یہاں یہود، نصارا اور غیر مسلموں کو بھی آنے کی اجازت تھی۔ وضو اور طہارت کے لئے مسجد میں پانی کا مناسب انتظام تھا۔ مسجد کے سامنے والے دروازے کے قریب ہی کھجوروں کے جھنڈ میں پانی کے لئے کنواں موجود تھا۔ جہاں سے حسب ضرورت پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسجد نبوی کو مدینہ منورہ کے عین وسط میں تعمیر فرمایا اور یوں نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام نے مسجد کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب فرما کر سیاسی، مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے جس تدبر، فہم وفراست اور دور اندیشی کا مظاہرہ فرمایا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہ پہلے موجود تھی اور نہ ہی قیامت تک دوسرا کوئی پیش کر سکے گا۔ مسجد نبوی کا اس جگہ تعمیر کیا جانا محض اتفاق نہ تھا بلکہ حضور علیہ السلام کے مدبرانہ منصوبہ کا وہ کمال تھا جس کی تشریح وافادیت احاطہ قلم سے باہر ہے۔

مدینہ منورہ کا محل وقوع

مدینہ منورہ کی سرزمین مشرق اور مغرب کی طرف سے متوسط درجے کے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔

بڑے بڑے پہاڑوں میں یہ شامل ہیں۔

پہاڑ

1. جبل احد
2. جبل عیر

درمیانے درجے کے پہاڑوں میں یہ شامل ہیں۔

1. جبل سلع المستند رعینین
2. جبل الرماۃ وغیرہ

بستیاں

مدینہ منورہ اطراف سے سایہ دار درختوں سے بھری بستیوں میں گھرا ہوا ہے۔ مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر جبل احد کی بستیاں ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

1. بستی خیف الثنایا
2. بستی خیف العیون
3. بستی خیف الزہرہ

مدینہ منورہ کے مشرق میں یہ بستیاں ہیں۔

1. حرہ شرقیہ
2. خیف الصدقہ عریض تک آبادی پھیلی ہوئی ہے۔

مدینہ منورہ کے مغرب میں وادی عقیق جو صغیر و کبیر کے نام سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔

مدینہ منورہ کے جنوب میں چار مشہور بستیاں آباد ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1. بستی قبا: یہ باغات کی سرزمین کہلاتی ہے۔
2. بستی جفاف: اس علاقہ میں بستان الجزع مشہور تھا۔
3. بستی العوال
4. بستی الحرہ

وادیاں

مدینہ منورہ کے اطراف میں جو وادیاں مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

1. وادی عقیق

Marfat.com

2. وادی رانونا
3. وادی بطحان
4. وادی مذینب
5. وادی مہروز
6. وادی قناۃ وغیرہ

مسجد نبوی کی زمین

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے جو کام فرمایا وہ مقدس مسجد نبوی کی تعمیر ہے۔ زمین کا وہ قطعہ جہاں اب مسجد شریف موجود ہے مدینہ منورہ کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ یہاں مشرکین کی قبریں تھیں زمین ناہموار تھی۔ لوگ اس جگہ کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں بچوں سے ارشاد فرمایا زمین کا یہ قطعہ ہمیں فروخت کردو تا کہ اس جگہ اللہ کا گھر مسجد تعمیر کی جاسکے۔ دونوں بچوں نے بصد ادب نیاز عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اراضی ہماری طرف سے بطور نذرانہ قبول فرمائیں مگر آپ علیہ السلام نے یہ زمین بطور نذرانہ منظور نہ فرمائی بلکہ قیمت دے کر خرید لی۔

مسجد نبوی کا سنگ بنیاد

مسجد نبوی کی زمین خریدنے کے لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے دس دینار اپنی گرہ سے ادا فرما کر دین ودنیا کی دولت سے اپنے نامہ اعمال میں جو اضافہ فرمایا اس کا اندازہ عقل انسانی کے بس میں نہیں۔ سبحان اللہ۔

اس طرح ماہ ربیع الاول 1ھ مطابق اکتوبر 622ء میں مسجد نبوی کا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے سنگ بنیاد رکھا۔

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری کسی مسجد میں بھی ادا کرنے سے ہزار گنا افضل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

"صلوۃ مسجدی ھذا خیر من الف صلوۃ فیما سواہ"

ترجمہ: میری اس مسجد میں نماز دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازوں سے افضل ہے۔

طبقات ابن سعد عنوان تعمیر مسجد۔ جلد۔2

شرح مسلم شریف، جلد۔1، صفحہ۔200، بخاری شریف۔ جلد۔1، صفحہ۔159

مسجد نبوی کی اونچائی

کسی نے مسجد نبوی کی اونچائی کے بارے میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔

”عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان یبنی مسجد المدینہ اتاہ جبریل فقال ابنہ سبعة از رع طولا فی السماء و لا تز خرفہ و لا تنقشہ“

ترجمہ: سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی اونچائی سات ہاتھ رکھئے اس کی تزئین میں تکلف نہ ہو“۔

الوفا۔صفحہ۔149

مسجد نبوی کی تعمیر کے مختلف مراحل

مسجد نبوی شریف کے تمام تعمیری مراحل کا مختصراً حال تحریر کررہا ہوں تاکہ اس مبارک مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والی برگزیدہ ہستیوں کے ذکر خیر سے اپنے دلوں کی روشنی میں دوچند اضافہ ہوسکے اور ساتھ ہی ساتھ امت محمدیہ کے خوش قسمت اہل ایمان ہمیشہ اس کار خیر اور افضل ترین عملی کام کو مشعل راہ بنا کر کرہ ارض پر زیادہ سے زیادہ مساجد و مدارس تعمیر کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور یوں دین و دنیا کی دولت سے اپنے دامن بھریں۔آمین

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی تعمیر

سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مقام قباء میں قیام فرمایا۔صحیح بخاری شریف اور دوسری کتب احادیث وکتب تفسیر وسیرۃ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام قباء میں 14 دن قیام فرمایا۔سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قباء کے مقام پر محلہ بنوعوف میں 14 روز قیام فرمانے کے بعد قبیلہ بنونجار جن کے ساتھ آپ علیہ السلام کا ننھیالی اور دادا کی طرف سے رشتہ تھا پیغام بھیجا کہ میں مدینہ منورہ شہر کی طرف تشریف لانا چاہتا ہوں۔قبیلہ بنونجار کے لوگ تلواروں سے مسلح ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونجار کے لوگوں کے جلو میں جمعۃ المبارک کے روز 22 ربیع الاول

13 نبوی 4 اکتوبر 622ء کو مدینہ منورہ شہر میں تشریف لائے۔

انصار میں سے ہر ایک کی دلی آرزو تھی کہ فخر کونین تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے ہاں قدم رنجہ فرماتے ہوئے رہائش کی سعادت دارین عطا فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''میں تم سب محبان کی دلی آرزو سے واقف ہوں مگر میری یہ ناقہ معمور من اللہ ہے یہ اللہ کے حکم سے جہاں بیٹھے گی میں وہیں قیام کروں گا''۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی کے قریب جا کر بیٹھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''هٰذَا اِنْشَاءَ اللّٰہ المنزل''

''انشاءاللہ یہی میری منزل ہے''

سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ انصار ومہاجرین کے جھرمٹ میں ایک جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں بعد اونٹنی اس جگہ سے اٹھی اور دس پندرہ قدم چلنے کے بعد دوسری جگہ اپنی گردن زمین کے ساتھ لگا کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ جس جگہ اونٹنی بیٹھی تھی وہ جگہ دو یتیم بچوں سہیل وسہل انصاریوں کی تھی ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ قطعہ اراضی دونوں بھائیوں سے خرید فرمالیا اور پھر یہاں مسجد بنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ قطعہ اراضی دس دینار میں خریدا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا یہ رقم ادا کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی پہلے جس مقام پر بیٹھی تھی وہاں اب باب جبریل ہے۔ مسجد کے لئے جو زمین خریدی گئی وہ زمین حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کے اندر واقع تھی جہاں بعض مسلمان نماز بھی ادا کیا کرتے تھے۔ جب اونٹنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئی تو سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہماری آل میں سے کس کا مکان قریب ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور میرا مکان قریب تر ہے۔ یہ میرا مکان اور یہ اسکا دروازہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی اور امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حجرے تیار ہونے تک تقریباً چھ ماہ کا عرصہ اسی مکان ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قیام فرمایا۔ جو زمین مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خریدی گئی اسکے بارے میں سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

تعمیر مسجد کی ابتداء

اس زمین میں مشرکین کی چند قبریں، کچھ کھجور کے درخت اور انگور کی بیلیں تھیں۔ زمین بھی ناہموار تھی۔ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مبارک سے قبریں کھود کر مشرکین کی ہڈیوں کو دوسری جگہ دفن کر دیا گیا۔ کھجور کے درخت کاٹ کر ناہموار زمین کو ہموار کر دیا گیا۔ جب سب کام مکمل ہو گیا تو فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے

دستِ حق پرست سے مسجد کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھی۔ گویا اس مسجد کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسکا سنگ بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ مسجد مبارکہ کی تعمیر کے وقت جانثاران رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اینٹیں، گارا، کھجور کے تنے اور دیگر سامان تعمیر حسب ضرورت مقام تعمیر تک ذوق وشوق سے لا رہے تھے۔ یوں مہاجر وانصار سب اسلامی بھائی چارے اور اخوت اسلامی کی زندہ مثال بنے ہوئے مسجد کی تعمیر میں مشغول تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کے حکم سے مسجد نبوی کی تعمیر شروع فرمائی حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ مسجد کی چھت کی اونچائی انسانی قد سے تھوڑی سی اونچی رکھیں گویا تقریباً ساڑھے 7 فٹ بلند، تاجدار عرب وعجم بے کسوں کے کس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تعمیر کی کام میں اپنے مبارک ہاتھوں سے مصروفیت کے ساتھ ساتھ یہ دعائیہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَة

ترجمہ: ''یا الٰہی آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی، بھلائی ہی نہیں''۔

فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

ترجمہ: ''اے اللہ انصار و مہاجرین پر اپنی رحمت (کی بارش) نازل فرما''۔

روایت میں آتا ہے کہ جب مسجد مبارکہ کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلا پتھر اپنے مبارک ہاتھ سے نصب فرمایا پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پتھر لے کر آئے اور اسے حضور علیہ السلام کے رکھے ہوئے پتھر کے ساتھ ملا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرا پتھر اسکے ساتھ اپنے ہاتھ سے رکھا ان کے بعد سیدنا سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوتھا پتھر اپنے ہاتھ سے پہلے پتھروں کے برابر لگایا۔ یہ دیکھتے ہوئے سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''یہ لوگ میرے بعد خلعت خلافت سے سرفراز کئے جائیں گے''۔

زرقانی علی المواہب، جلد۔ 1، صفحہ۔ 336

البدایہ والنہایہ۔ جلد۔ 3، صفحہ۔ 218

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نہایت ذوق وشوق سے مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے۔ سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقی لوگوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی جاں فشانی سے کام کر رہے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد مبارکہ کی تعمیر کے وقت ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے جبکہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے جب رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ رحمت ان پر پڑی تو نہایت ہی شفقت کے انداز میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑوں سے مٹی اپنے دست حق پرست سے

جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

''عمار کو باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔ عمار انہیں جنت کی دعوت دیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے''۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک سن کر عرض کی ''میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''

صحیح بخاری۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 394

سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں امام سہیلی اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 852ھ و 1422ء لکھتے ہیں کہ ''حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعمیر کے وقت سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے۔ ان میں سے ایک اینٹ اپنی طرف جبکہ دوسری اینٹ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے اٹھا کر لاتے تھے''

صحابہ کے اس جذبہ ایثار، پیار و محبت اور جاں نثاری کی مثال تاریخ عالم میں اور کہیں نہیں ملتی۔

روض الانف۔ جلد۔ 2، صفحہ۔ 13

فتح الباری۔ جلد۔ 1، صفحہ۔ 542

یہاں ایک اہم وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ تعمیر کے دوران دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ ایک صحت مند آدمی کے لئے ایک اینٹ اٹھانا کوئی مشکل کام ہے۔ جواب یہ ہوگا کہ نہیں تو پھر خاص طور پر ایک ایک اور دو دو اینٹ کا خصوصیت سے ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مسجد مبارکہ میں لگائی جانے والی اینٹوں کا ناپ (سائز) وہ نہیں تھا جو عام طور پر ہمارے ہاں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اینٹیں ایک خاص سانچے کی مدد سے تیار شدہ تھیں جس کا ناپ (سائز) عام اینٹ کے مقابلے میں بڑا اور وزن کافی زیادہ ہوتا اس لئے ایک شخص ایک اینٹ ہی آسانی سے اٹھا سکتا تھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دو اینٹیں ایک وقت میں اٹھانا خصوصیت کا حامل تھا اس لئے اسکا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔

تعمیر کے دوران محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ صحابی رسول حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اینٹیں اٹھا تا دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ اینٹیں مجھے دے دیں صحابی کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تم دوسری اینٹیں لے آؤ کیونکہ نیکیاں حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تم مجھ سے زیادہ ضرورت مند

نہیں ہو"

جمع الفوائد جلد۔1، صفحہ۔1

مسجد مبارکہ کی تعمیر کے دوران سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اِلاَ یَسْتَوِی مِنْ یَعْمَرا المَسَاجِدا
یدَاَب فِیهاُ قائما و قَاعدا

ترجمہ: جو آدمی اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں مصروف ہے اور جو شخص کپڑوں کو مٹی اور غبار سے بچاتا ہے دونوں کب برابر ہو سکتے ہیں۔

فتح الباری۔ جلد۔7، صفحہ۔247

سنن ابن ماجہ میں روایت نقل کی گئی ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکار کے ہمراہ اینٹیں اٹھانے میں مشغول تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی اینٹیں اٹھا رکھی ہیں کہ وہ سینہ اقدس تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے خدمت اقدس میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اینٹیں مجھے عنایت فرمادیں میں انہیں تعمیر کے مقام تک پہنچا دیتا ہوں میری یہ بات سن کر تاجدار مدینہ منورہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ادھر اور بہت سی اینٹیں رکھی ہیں تم وہ اٹھالاؤ اور یہ میرے لئے رہنے دو"۔

سنن ابن ماجہ۔ صفحہ۔54

اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاردیواری میں اینٹیں نصب کرتے ہوئے سیدنا حضرت امیر حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما برابر برابر کھڑے سانچوں سے اینٹیں نکال نکال کر چاردیواری مکمل کر رہے تھے۔ حضرت امیر حمزہ سید الشہدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعمیر کے کام میں مصروف ہیں انہوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ 53 سال ہو چکی ہے اور اب جوانی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشقت کا یہ کام نہیں فرمانا چاہیئے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہدا سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام سن کر ہلکی تبسم کے ساتھ فرمانے لگے اے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ بھی مسجد مبارکہ کے تعمیری کام میں مصروف ہیں آپ کا اپنی عمر کے بارے میں کیا خیال ہے۔ سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ یاد رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا حضرت امیر حمزہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر میں چند ماہ کا فرق تھا۔

حبیب کبریا فخر رسل محبوب انس و جاں تاجدار عرب و عجم، بے کسوں کے کس، فخر موجودات، بے سہاروں کے سہارا، رحمت عالم، نور مجسم، راز دار لامکاں، صاحب جود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عشاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے قدموں پر دنیا جہاں کی دولت، راحت اور عیش آرام قربان جو اپنی ذات پر ہر قسم کی تکلیف، مصیبت، دکھ، محنت و مشقت کو تو برداشت کرنا گوارہ کر لیتے اپنی جان مال اولاد اور جاہ منصب سب کچھ قربان کرنے کو اپنی زندگیوں کا جزو لاینفک تسلیم کرتے ہوئے ہر وقت عمل کرتے رہتے تھے مگر اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کے لئے بال برابر تکلیف، مشکل اور پریشانی انہیں کسی حال میں گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان مقدسہ ہستیوں کے اس جذبہ ایمانی و قربانی کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''اللہ کی جمیع مخلوقات میں سب سے افضل میں ہوں میرے بعد تمام انبیاء علیہم السلام درجہ بدرجہ اور انکے بعد میرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں میری امت ان میں سے جسکے نقش عمل کو اپنائے گی وہ سیدھا راستہ نجات پائے گی''۔

ویسے تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے جن کی چند ایمان افروز مثالیں پیش کر چکا ہوں۔ اگر تمام اہل محبت جاں نثاری کی مثالیں بیان کرنا شروع کر دوں تو دفتر کے دفتر درکار ہیں اس لئے ان پر ہی اکتفا کرتے ہوئے اب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعمیری نقشہ عرض کرنے کی نعمت عظمیٰ حاصل کر رہا ہوں۔

1ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ مسجد مبارکہ کی بنیادیں پتھروں سے اٹھائیں۔ چار دیواری دھوپ میں پکی کچی اینٹوں سے تعمیر ہوئی۔ مسجد کی بنیادیں ڈیڑھ ہاتھ ($1\frac{1}{2}$ ہاتھ) گہری بنائی گئیں۔ مسجد مبارکہ میں تین دروازے رکھے گئے۔ ایک جنوب میں دوسرا مغرب کی طرف جسے باب عاالتہ یا باب رحمت کہا جاتا ہے اور تیسرا دروازہ مشرق کی جانب تھا جسے باب عثمان کہا جاتا ہے۔ اسی دروازے سے سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد مبارکہ میں تشریف لاتے تھے۔ مسجد مبارکہ مربع شکل کی تھی۔ ابتداء میں مسجد کے صحن پر کسی قسم کی کوئی چھت نہ تھی بعد میں کھجوروں کے تنوں سے ستونوں کا کام لیا گیا اور ان پر کھجور کی شاخیں ڈال کر مسجد مبارکہ کو مزین کیا گیا۔ چھت ڈالنے کے بعد مسجد مبارکہ کی اونچائی سات ہاتھ (ساڑھے دس فٹ $10\frac{1}{2}$ فٹ) رکھی گئی۔ اس اونچائی کی حد کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا تھا۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حدود اربعہ یوں تھا۔

1. مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طول 70 ذراع (ایک ذراع ہاتھ سے کہنی تک شمار ہوتا ہے جو ڈیڑھ فٹ کے برابر ہے۔ اس حساب سے 70 ذراع x $1\frac{1}{2}$ = تقریباً 105 فٹ)

Marfat.com

2. مسجد مبارکہ کا عرض بھی 70 ذراع تھا (یعنی 70 ذراع x $1\frac{1}{2}$ = تقریباً 105 = فٹ)
3. مسجد مبارکہ میں کل تین صفیں بنتی تھیں۔
4. مسجد مبارکہ کی ہر صف میں چھ (6) ستون تھے۔
5. مسجد مبارکہ کے ہر ستون کا باہمی فاصلہ تقریباً 3x4 ہاتھ تھا۔
6. مسجد مبارکہ میں کل ستونوں کی تعداد اٹھارہ (18) تھی۔
7. مسجد مبارکہ کی اس پہلی تعمیر کے وقت چار دیواری کی بلندی قدِ آدم سے کچھ زیادہ تھی۔
8. مسجد مبارکہ کا پہلا قبلہ بیت المقدس کی سمت تھا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشہ اول

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی تعمیر کے بعد نقشہ یوں تھا۔
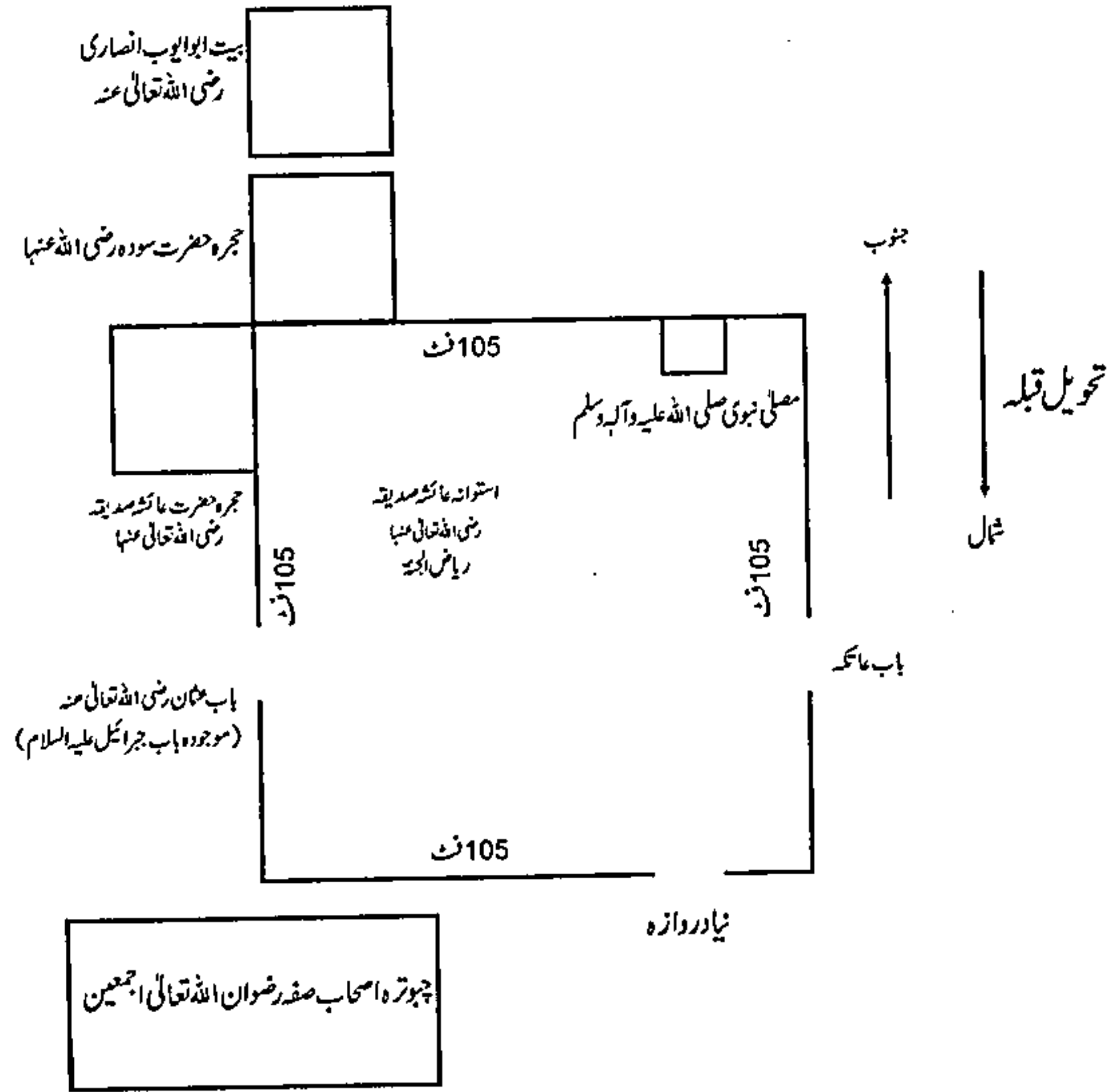
☆ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی تعمیر کے وقت کل رقبہ 105x105=11025 مربع فٹ تھا۔

☆ مسجد مبارکہ میں داخلے کے لئے تین دروازے تھے۔

☆ مسجد مبارکہ پر دھوپ کی تپش روکنے کے لئے کھجور کی شاخوں کی چھت ڈالی گئی۔

☆ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد کی مشرقی سمت تھا۔

☆ سیدہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ شمال میں تھا۔

☆ مسجد مبارکہ کے جنوب مشرقی کونے میں اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا چبوترہ تھا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی تعمیر کے بارے میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مسجد کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ مسجد کے اندر کھجور کی چھت کو سہارا دینے کے لئے ستون بھی کھجور کے تنوں کے تھے''۔

معالم دار الہجرۃ۔ صفحہ۔ 45

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء

صحیح بخاری ابواب الحرث میں ہے کہ مسجد نبوی اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سراج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی تھی ہم قنادیل، روغن زیتون اور رسیاں لائے اور میں نے قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر روشنی کی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا کہ "ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟" تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا فتح نے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" بلکہ اس کا نام سراج ہے" پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام سراج رکھا۔

ابتداء میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی تا کہ مسجد میں نمازیوں کو دھوپ کی شدت سے محفوظ رکھا جاسکے۔ بارش کے دوران کھجور کی شاخیں بارش کا پانی نہیں روک سکتی تھیں اس لئے بارش کے وقت پانی ٹپکنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں گزارش کی کہ اگر اجازت عطا فرمائیں تو مسجد کی چھت پر مٹی ڈال دیں تا کہ بارش کے وقت ٹپکنے والے پانی سے دوران نماز جو دقت پیش آتی ہے اس سے بچا جاسکے پروانوں کی یہ عرض سن کر فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میری مسجد عریش (عبادت کی جگہ) موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے''

صحیح بخاری، جلد۔1، صفحہ۔64

ابوداؤد شریف، جلد۔1، صفحہ۔47

صاحب البدایہ والنہایہ حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت یعلی بن شداد رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل فرماتے ہیں۔

انصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے چند مالدار عشاق کچھ مال لے کر تاجدار مدینہ سرور سینہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد مبارک کو مزین اور مضبوط کرنے کی اجازت عنایت فرمادیجئے ہم لوگ کب تک کھجور کی شاخوں کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے۔ یہ گزارش سن کر حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مابِی رَغبۃِ عن اخیِ مُوسیٰ عُریشَ کَعُریشَ مُوسیٰ"

ترجمہ: ''میں اپنے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) سے رغبت رکھتا ہوں۔ بس یہ ایک عریش (عبادت کی جگہ ہے) موسیٰ (علیہ السلام) کے عریش کے طرح''۔

از البدایہ والنہایہ، جلد۔3، صفحہ۔215

آپ کے علمی ذوق اور محبت میں اضافہ کے لئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش مبارک کے بارے میں مختصراً عرض کر رہا ہوں۔ حبیب انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس عریش کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے ارشاد فرما رہے تھے اسکی نوعیت یہ تھی کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ علیہ السلام کا سر مبارک عریش (چھپر) کی چھت کے ساتھ لگ جاتا تھا۔

از وفاء الوفا، جلد۔1، صفحہ۔233

معالم دارالہجرۃ میں حضرت علامہ امام زین الدین المراغی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات وموسم کی ضرورت کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو چھت مسجد نبوی پر مٹی اور گارا استعمال کرنے کی اجازت عطا فرمادی جس کے بعد شمع رسالت کے پروانوں نے مسجد مبارکہ کی چھت پر مٹی ڈال کر صحن کو بارش کے پانی سے محفوظ کرلیا۔

از معالم دارالہجرۃ، صفحہ۔45

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی تعمیر کا نقشہ یوں بیان کرتے ہیں۔

''سرور کونین فخر رسل تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین مسجد مبارکہ میں اعتکاف کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ مدت اعتکاف کے دوران رات کے وقت بارش ہوگئی کھجور کی چھت بارش کے پانی کو نہیں روک سکتی تھی۔ چھت سے بارش کا پانی ٹپکنے لگا یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اسی حالت میں نماز فجر ادا کی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہا تھا کہ مالک کونین بے کسوں کے کس فخر موجودات ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی پانی اور کیچڑ کی حالت میں سجدہ ریز ہیں یہاں تک کہ جب

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو پیشانی مبارکہ پر کیچڑ کے نشانات نظر آ رہے تھے۔''

صحیح بخاری شریف، جلد۔1، صفحہ۔270، صحیح مسلم شریف، جلد۔1، صفحہ۔370

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی بے مثل و بے مثال تھی۔ یہ مبارک مسجد عریشِ موسوی سے بھی کچھ زیادہ ہی سادہ تھی۔ اس مسجد مبارکہ کی عظمت، شان و شوکت اور قدر و منزلت کا کیا کہنا جس کے ذروں پر فخر کونین، سرور کون مکاں، تاجدار عرب و عجم رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سجدوں کے نشانات قیامت تک اسی جگہ کو تابندگی بخشتے رہیں گے۔ بارش کے دوران چھت سے پانی ٹپک رہا ہے مسجد مبارکہ کا صحن کیچڑ سے بھرا ہوا ہے اس حالت میں اہل حق اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اپنی پیشانیاں نہایت نیاز مندی سے خالق کائنات کے حضور سجدے کی حالت میں رکھے عبادت میں مشغول ہیں اپنے خالق کے حضور جبین نیاز جھکائے اسکی کبریائی و پاکی بیان کر رہے ہیں۔ نیاز مندی و عجز انکساری کا ایسا انوکھا انداز چشم فلک نے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرش کچا تھا جو بارش کے دوران چھت سے ٹپکنے والے پانی کی وجہ سے کیچڑ کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت بارش شروع ہوئی جو فجر تک جاری رہی اسی کیچڑ کی حالت میں نماز فجر ادا کی جا رہی تھی ایک صحابی باہر سے مسجد مبارکہ میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے انہوں نے زمین مسجد مبارکہ کی حالت دیکھ کر باہر سے اپنی جھولی میں کنکریاں اور بعض روایات کے مطابق موٹی ریت بھری اور مسجد مبارکہ کے صحن کی گیلی جگہ پر انکو بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریاں بچھی دیکھیں تو انہیں پسند فرمایا۔ اس کے بعد مسجد مبارکہ کے صحن میں کنکریاں بچھا دی گئیں یوں یہ کیچڑ سے بچنے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے بعد جب مسجد مبارکہ کا اندرونی فرش پختہ بنا دیا گیا تو صحن میں کنکریاں ہی رہنے دی گئیں یہ سلسلہ صدیوں اسی طرح قائم رہا آخر 1400ھ یعنی 1980ء میں صحن سے کنکریاں اٹھا کر سارا فرش سنگ مرمر کا بنا دیا گیا۔

ماخذ کتب احادیث، تفسیر، سیرت و دیگر

1. صحیح بخاری شریف، جلد۔1، صفحہ۔64-270-364-394-555-560-561
2. صحیح مسلم شریف، جلد۔1، صفحہ۔200-370 و باب الہجرۃ، جلد۔2، صفحہ۔419
3. روض الانف، جلد۔2، صفحہ۔10-13
4. اخبار مدینہ (منورہ)، صفحہ۔68-69-70
5. وفا الوفا، جلد۔1، صفحہ۔186-233-238
6. البدایہ والنہایہ، جلد۔3، صفحہ۔202-215-218

7. فتح الباری، جلد۔1، صفحہ۔542
8. فتح الباری، جلد۔7، صفحہ۔266-247-246
9. طبقات ابن سعد عنوان تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد۔2
10. ارشاد الساری، جلد۔3، صفحہ۔329
11. معالم دار الہجرہ، جلد۔1، صفحہ۔45-42
12. جمع الفوائد، جلد۔1، صفحہ۔67
13. سنن ابن ماجہ شریف، جلد۔1، صفحہ۔54
14. زرقانی علی المواہب، جلد۔1، صفحہ۔366
15. سنن ابوداؤد شریف، جلد۔1، صفحہ۔48

چبوترہ اصحاب صُفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر مکمل ہوچکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جوق در جوق خدمت اقدس میں حاضر ہوکر دین حنیف کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آقا ومولا فخر رسل تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی دولت حقیقی ولازوال حاصل کرتے۔ اب دین اسلام حاصل کرنے والوں کی تعداد میں کیونکہ روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا جن میں سے وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جو دور دراز کے علاقوں سے چل کر خدمت اقدس میں حاضر ہورہے تھے۔ انکی رہائش کے لئے جگہ کی اشد ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ یہ پروانے کیونکہ اپنا گھربار مال ومتاع اور عزیز واقارب کو محض اللہ کی رضا کے لئے خیرباد کہہ کر آرہے تھے اس لئے انکی رہائش کا بندوبست کرنا ضروری ہوگیا تھا تاکہ یہ لوگ مکمل یکسانیت اور دل جمعی کے ساتھ ہروقت خدمت اقدس میں رہتے ہوئے ایمان کی دولت اور اسلام کے احکام وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے اپنے خالی دامن بھر سکیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے لئے مسجد مبارکہ سے باہر جہاں اب سیدہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مبارک ہے اسکے شمال میں ان حضرات کے لئے ایک چبوترہ بنوایا جوکہ زمین سے قریباً ایک ہاتھ یعنی $1\frac{1}{2}$ فٹ اونچا تھا۔ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہنے کے لئے اس چبوترہ پر ایک نہایت ہی سادہ مگر پروقار عارضی سی کپڑے کی چھت ڈالوائی۔ اس چبوترہ پر یہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے شب وروز عبادت وریاضت میں مصروف رہتے۔ صُفہ کیونکہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں چبوترہ اسی نسبت سے یہ مقدس ہستیاں اصحاب صُفہ کے نام سے مشہور ہوئیں یعنی چبوترے والے۔

اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین رضائے الٰہی اور خوشنودی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل کرنے کے لئے دنیا جہاں سے بے نیاز ہوکر اس جگہ پر رہتے ہوئے دین اسلام کی تعلیم حاصل کرتے۔ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنے اعتقاد ایمان اور محبت میں اضافہ کرتے ہوئے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر اپنے دامن دولت اُخروی سے بھرتے ہوئے ان ارشادات مقدسہ پر عمل کرتے۔ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہیں دنیا کی سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی کے طالب علم ہونے کا اعزاز عظمیٰ حاصل ہوا۔ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست علم حاصل کرنے والے ان مقدس نفوس کا کیا مرتبہ، شان وشوکت، عظمت رفعت ہوگی اسکا اندازہ کرنا انسانی طاقت کے بس میں نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پڑھنے والے ان مقدس ہستیوں نے فیضان رسالت کے سمندر لامحدود سے جو گوہر نایاب حاصل کئے انکا بیان کرنے کا حق کسی زبان کو کہاں نصیب ہے۔ بہرحال یہ نفوس مقدسہ یہاں سے تعلیم حاصل کرکے دنیا میں پھیل گئے اور تاریخ نے دیکھا کہ دنیا کی قسمت بدل کر رکھ دی۔ انہی اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے جو کہ احادیث مقدسہ کے مشہور راوی ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری تعمیر

سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 7 ہجری میں فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مسجد مبارکہ کی توسیع کا پروگرام بنایا کیونکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا یوں مسجد مبارکہ میں نمازیوں کی وجہ سے تنگی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اس کے علاوہ مسجد مبارکہ کی چھت اور کھجور کے ستون بھی چھ (6) سال کا عرصہ گزر جانے کی وجہ سے بوسیدہ شکل اختیار کرچکے تھے اس صورت حال میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع ضروری ہوگئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد مبارکہ کے متصل ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو گرا کر مسجد مبارکہ میں شامل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اپنا مکان مسجد مبارکہ کی توسیع کے لئے وقف کردو تو اسکے عوض اللہ کریم تمہیں جنت کا محل عطا فرمائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان مبارک سن کر اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہایت ہی مفلس ونادار ہوں اس لئے میں اپنا مکان مسجد مبارکہ کی توسیع کے لئے وقف نہیں کرسکتا کیونکہ میرا اسکے علاوہ سر چھپانے کو کوئی دوسرا بندوبست نہیں ہے۔ صحابی کی یہ بات سن کر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص اس انصاری کا گھر خرید کر مسجد مبارکہ کی توسیع کے لئے وقف کردے گا اللہ کریم اسکو اس کام کے بدلے بخش دے گا''۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو سن کر سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے وہ مکان اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے 20000 (بیس ہزار) درہم یا بعض روایات کے مطابق 25000 (پچیس ہزار) درہم اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار درہم کے عوض خرید لیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں جا کر یہ خوشخبری سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا ''اے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس مکان کو مسجد مبارکہ میں شامل کر دو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا''۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً حکم کی تعمیل فرمائی۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا نمازیوں کے لئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جگہ کم ہوگئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص فلاں خاندان کا قطعہ اراضی خرید کر مسجد (مبارکہ) کو کشادہ کر دے اسے جنت میں کہیں بہتر گھر عطا کیا جائے گا''۔ پس سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کا وہ ٹکڑا اس مالک زمین سے خرید کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل کر دیا''۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری دفعہ توسیع کے بیان میں حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 911ھ تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری مرتبہ تعمیر کے وقت ایک صحابی جس کا مکان مسجد مبارکہ کے ساتھ تھا اسے مسجد مبارکہ میں شامل کرنے کا لائحہ کار (پروگرام) بنایا اور اس سلسلے میں مالک مکان سے فرمایا۔

''اگر تم اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لئے وقف کر دو تو تمہیں اس کے عوض جنت میں محل ملے گا''۔

مالک مکان اپنی مالی مجبوری کے تحت ایسا نہ کر سکا۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالک مکان کو اسکی مانگی ہوئی قیمت ادا فرما کر وہ مکان خرید لیا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ خوشخبری سنائی کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جس مکان کو انصاری صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے جنت کے محل کے بدلے لے کر مسجد مبارکہ میں شامل فرمانا چاہتے تھے وہ مکان مجھ سے جنت کے بدلے خرید فرمالیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عرض سن کر فخر کونین تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مکان سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنت کے بدلے خرید کر مسجد مبارکہ میں شامل فرمالیا''۔

یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر اول کے وقت جس جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ دو یتیم مسلمان بچوں کی ملکیت تھی۔ دوسری مرتبہ توسیع کے لئے جس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا ضروری تھا وہ ایک مسلمان انصاری کی ملکیت تھی۔ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرماتے کہ یہ اراضی مسجد مبارکہ کے لئے وقف کر دی جائے تو وہ جانثاران جو آپ علیہ السلام کے ایک ابرو مبارک کے اشارہ پر اپنی جان جیسی متاع عزیز قربان کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کو

تیار رہتے تھے زمین جیسی چیز کو بصد نیاز وقف فرما دیتے۔ مگر آقا نامدار فخر رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کی رضا و رغبت کے باوجود وہ زمین معاوضہ کے بغیر مسجد مبارکہ کی تعمیر کے لئے لینے سے انکار فرما دیا۔ اور یوں مسلمانوں کے لئے عدل وانصاف کا یہ زریں اصول فراہم فرمایا کہ اللہ کے گھر کی تعمیر کے لئے کسی بھی زمین پر اسکے مالک کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے ہمارے وہ مسلمان بھائی جو حقوق العباد کو پامال کرتے ہوئے کسی کی زمین پر مالک کی اجازت کے بغیر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنے کا خیال رکھتے ہوں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل مبارک کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر اسکے الٹ کیا جائے تو اپنے نامہ عمال میں سنت مقدسہ کے اس عدل پر مبنی اصول کے خلاف کرتے ہوئے تابع فرمانوں کی بجائے نافرمانوں کی فہرست میں شامل ہو کر ذلت و رسوائی ہی درج کرائیں گے۔ اگر کسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت ہو تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کردہ اسی عدل وانصاف کے زریں اصول پر عمل کرتے ہوئے زمین کے مالک کو اسکی مرضی کے مطابق معاوضہ ادا کرنے کے بعد مسجد تعمیر کرنی چاہیئے بلکہ اگر معاوضہ سے کچھ زیادہ ادا کر دیا جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خریدے ہوئے مکان کو جنت کے عوض قبول فرمانے کے بعد اسکی توسیع کا حکم فرمایا۔ یوں مسجد مبارکہ کی پہلی بنیادوں سے تین ہاتھ یعنی $4\frac{1}{2}$ فٹ کی بلندی تک دیوار کو پتھروں سے تعمیر کیا گیا جبکہ باقی اونچائی کچی یعنی دھوپ میں پکی اینٹوں سے مکمل کی گئی۔ مسجد مبارکہ کی پہلی تعمیر کے وقت ریاض الجنۃ کے شمال ومغرب میں دو، دو مزید ستونوں کا اضافہ کیا گیا اور اس حصے پر چھت بھی ڈالی گئی۔ اس حصے کی نشاندہی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشاق ترکوں نے ریاض الجنۃ کے مرمریں ستونوں کے بعد جو ستون بنائے وہ اوپر سے نیچے تک سرخ ہیں اور انکے درمیان بڑا سا زریں گلاب کا پھول بنا کر ستون کے اوپر والے حصہ پر بہت سی طلائی لکیریں بنا دی ہیں جو اب بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ستونوں پر موجود ہیں۔ مسجد مبارکہ کی دوسری تعمیر جدید میں اضافے کے بعد مسجد مبارکہ کے رقبہ میں یہ اضافہ ہوا ہے۔

تعمیر اول کے وقت طول وعرض 105 فٹ x 105 فٹ = 11025 فٹ

تعمیر دوم کے وقت طول وعرض 150 فٹ x 150 فٹ = 22500 فٹ

اضافہ شدہ رقبہ = 11475 فٹ

صاحب وفا الوفا حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بار تعمیر ہوئی تو مسجد کا طول وعرض 100 x 100 ذراع ہو گیا۔ ایک ذراع $1\frac{1}{2}$ فٹ کا ہوتا ہے اس حساب سے طول و عرض 150 x 150 فٹ ہو گیا۔ حضرت امام ابن النجار رحمۃ اللہ نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

ایک اور قول جسے امام مراغی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم دار الہجرۃ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعمیر ثانی کے وقت شرقاً غرباً طول وعرض 63 ذراع یعنی $94\frac{1}{2}$ فٹ اور شمالاً جنوباً 54 ذراع یعنی 81 فٹ

تک پھر اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً 60,60 ذراع یعنی 90',90' فٹ تحریر کیا ہے۔
بہر حال مسجد مبارکہ کی دوسری دفعہ توسیع کے وقت سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد مبارکہ میں کافی توسیع فرمادی تاکہ نمازیوں کے لئے ضرورت کے مطابق گنجائش پیدا ہو جائے۔ مسجد مبارکہ کا وہ حصہ جس پر چھت ڈالی گئی تھی اسکے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد مبارکہ کے درمیان صحن شریف بھی چھوڑا تاکہ روشنی اور ہوا کی ضرورت پوری ہو سکے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس توسیعی تعمیر کے بعد مسجد مبارکہ کی عظمت ورفعت میں چار چاند لگ گئے۔

نقشہ مسجد نبوی
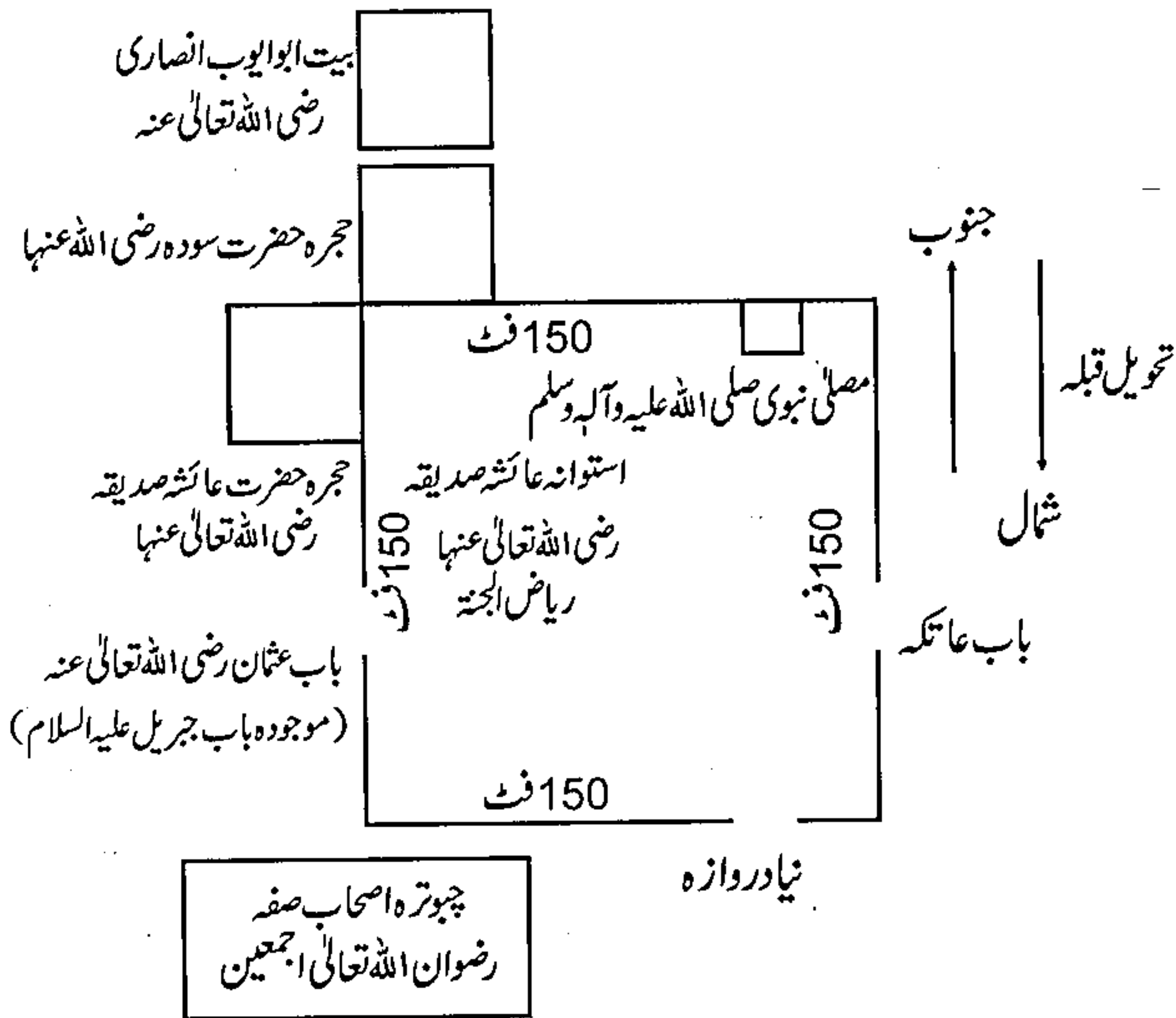
1. 2ھ میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے پر بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا۔
2. مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنوب والا پہلا دروازہ بند کر کے شمال کی طرف نیا دروازہ بنایا گیا۔ یوں جنوب میں جو دروازہ تھا وہاں منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن گیا اور شمال میں جہاں مصلیٰ بطرف بیت المقدس تھا وہاں دروازہ بنا دیا گیا۔

تحویل قبلہ سے پہلے مصلیٰ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بیت

المقدس کی طرف چہرہ انور کرتے ہوئے نماز ادا فرماتے رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ شریف بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ (خانہ کعبہ) ہوجائے اللہ کریم نے 15 شعبان 2 ہجری کو نماز ظہر کے دوران جب دو رکعت مکمل ہو چکی تھیں۔ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق جبریل علیہ السلام کے ذریعے وحی فرما کر دوران نماز قبلہ کا رخ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تبدیل فرمانے کا حکم نازل فرمایا۔جس پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف تبدیل فرمادیا۔اب جبکہ تبدیلی قبلہ کو سوا چودہ سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے مسجدِ مبارکہ کئی تعمیری مراحل سے گذر چکی ہے اہل ایمان جو درِاقدس پر حاضر ہوتے ہیں دل میں شدید تڑپ رکھتے ہیں کہ مصلّٰی اول کی جگہ کی زیارت کر کے اپنے شوق محبت کو تسکین پہنچا سکیں یہ بندہ ناچیز ان عشاق کے جذبہ محبت کی قدر کرتے ہوئے نہایت آسان انداز میں اس جگہ کی نشاندہی تحریر کر رہا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ عشاق جو اس مبارک جگہ کو جہاں اب قالین پڑے ہوئے ہیں جانتے ہیں وہ نہایت ادب سے اس جگہ سے دائیں بائیں ہو کر گزر جاتے ہیں تا کہ مصلّٰی اول کی جگہ پر پاؤں رکھنے کی وجہ سے بے ادبی نہ ہو جائے لاعلمی میں اگر ایسا ہو جائے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے۔دعا ہے اللہ کریم اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہر مسلمان کو ادب کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ریاض الجنتہ اب جہاں سفید قالین جس پر سبز چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوئے ہیں ڈال دیا گیا ہے وہاں موجود اسطوانہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شمال کی جانب ایک خط کھینچا جائے اور دوسرا موجودہ باب جبریل علیہ السلام سے مغرب کی طرف کھینچا جائے جس جگہ یہ دونوں خط مل جائیں گے وہی جگہ پہلی سجدہ گاہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گی۔

نقشہ مسجد تعمیر اول

Marfat.com
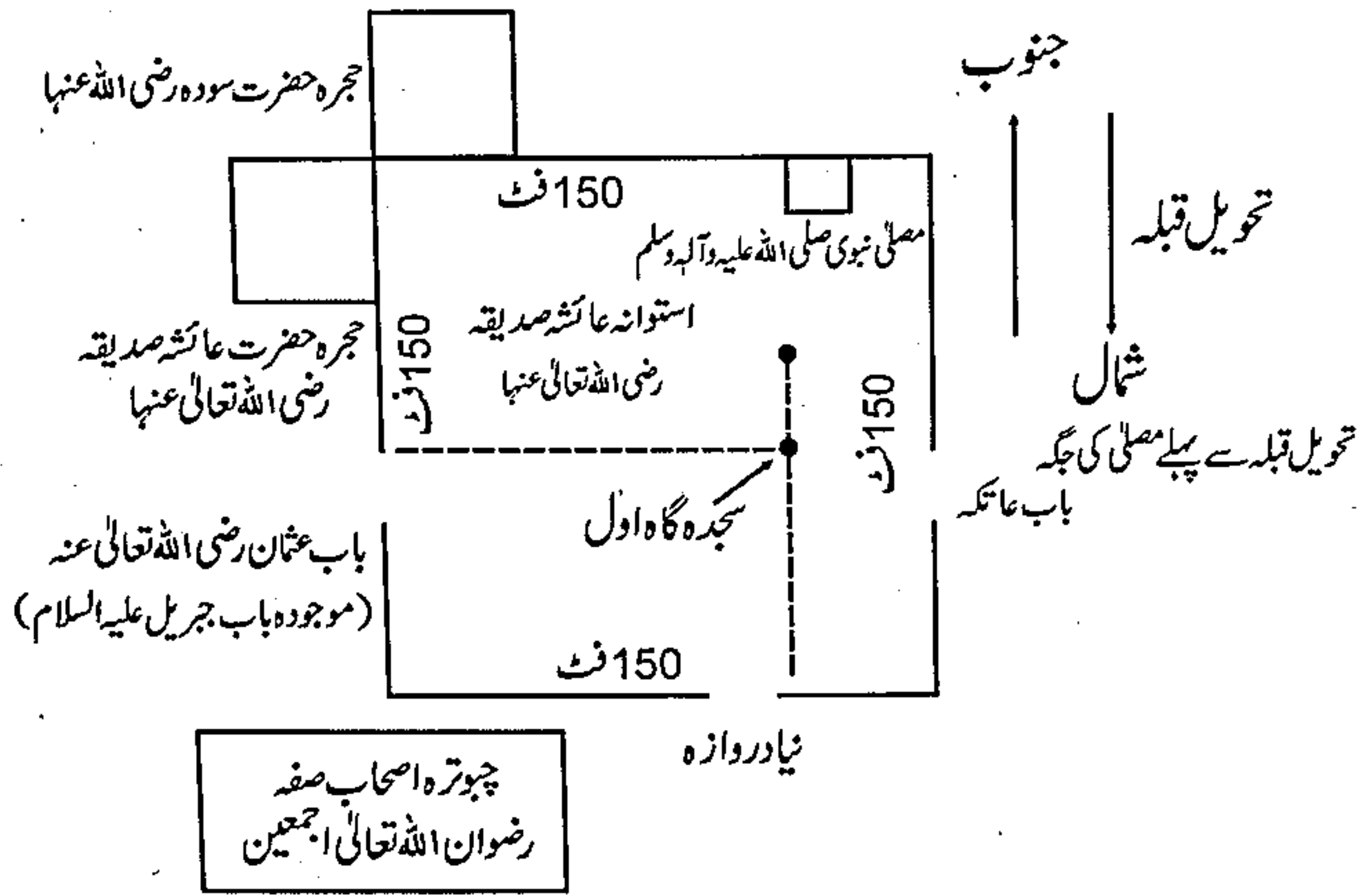
ریاض الجنۃ

مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ شریف بڑی ہی عظمت اور شرف کا مقام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاض الجنۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

مَابَیْنَ بَیْتِی وِ مَنْبَرِی رَوْضَةَ مِّنِ رِیَاضُ الْجَنَّةَ (بخاری شریف)

ترجمہ: ''میرے مکان (یعنی گھر) اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے''

فخر کونین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس سے منبر نبوی علیہ السلام تک لمبائی میں پانچ اور چوڑائی میں چار خوبصورت سفید سنگ مرمر کے حسین وجمیل ستون بنائے گئے ہیں جن پر نہایت دلکش اور دیدہ زیب انداز میں طلائی کا کام کیا گیا ہے۔ ان ستونوں پر جگمگاتی حسین جالی لگی ہوئی ہے۔ ان ستونوں کا رخ قبلہ شریف کی طرف ہے۔ ریاض الجنۃ کی آسان ترین پہچان یہ ہے کہ اس مخصوص حصہ کے فرش مبارک پر سفید رنگ کے قالین جن پر چھوٹے چھوٹے سبز نشان ہیں بچھائے گئے ہیں جبکہ باقی پوری مسجد مبارکہ کے صحن میں بچھائے گئے قالین سرخ رنگ کے ہیں۔ مسجد نبوی کی ابتدائی تعمیر کے وقت ان ستونوں کی اونچائی قریباً سات (7) ہاتھ ($10\frac{1}{2}$ فٹ) تھی۔ بعد میں عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترک حکومت نے جب مسجد مبارکہ کی عمارت میں تجدید کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارکہ میں بنائے گئے ان سات (7) ہاتھ اونچے کھمبوں کی اونچائی تک سفید سنگ مرمر اور سونے کا کام کر کے اس آثار مبارکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ 7 ہاتھ سے اوپر تجدید عمارت کے وقت اونچائی کا جو اضافہ کیا اسے نمایاں کرنے کے لئے ڈھینکلی نما مرصع حاشیہ لگا کر ان ستونوں کو چھت تک اونچا کرتے ہوئے سادہ سرخ رنگ کا پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح شرقاً غرباً مذکورہ 5 ستونوں اور شمالاً جنوباً 4 ستونوں پر مشتمل حصے کے نیچے مخصوص سفید رنگ کا نہایت قیمتی قالینوں کا فرش بچھا دیا جسکی وجہ سے ریاض الجنۃ کا یہ حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ان مذکورہ ستونوں پر سونے کا پانی چڑھا کر نہایت ہی خوبصورت اور دلکش انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت مبارکہ عربی رسم الخط میں ترکی زبان میں درج ہیں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا دروازہ جنوب کی سمت بنایا گیا تھا جہاں اب حجرہ مقصورہ کی سبز جالیوں سے باب السلام تک قبلہ رخ 3 فٹ اونچی پیتل کی جالی لگی ہوئی ہے۔

کرہ ارض پر ریاض الجنۃ کا یہ ٹکڑا نہایت ہی متبرک اور لاتعداد برکتوں عظمتوں، بلندیوں اور رفعتوں کا حامل ہے۔ سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ''اس عظمت والی سرزمین میں فضیلت والا ایک ایسا خصوصی مقام ہے اگر میں اسکی نشاندہی کر دوں تو لوگ قرعہ اندازی کے بغیر اس مقام تک نہ پہنچ سکیں''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ادباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مقام کی نشاندہی کے لئے عرض نہ کی یہاں

تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے۔

مقام فضیلت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جب مقام ریاض الجنتہ میں داخل ہوتے تو ان پر خشیت الٰہی کا جب غلبہ ہوتا تو وہ خیال فرماتے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس فضیلت والے مقام کا ذکر فرمایا تھا وہ انہیں حاصل ہوگیا ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جن پر یہ کیفیت طاری ہوتی وہ اظہار تشکر کرتے ہوئے اس خصوصی مقام کے حاصل ہونے کا آپس میں ذکر کرتے۔ یوں اپنی وارد الوجد کیفیت کے اعتبار سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ریاض الجنتہ کے الگ الگ خصوصی مقام کا ذکر فرمایا جہاں ان پر کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ان حالات و کیفیات کو سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے چند نے فرمایا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک خصوصیت والے مقام کا ذکر فرمایا تھا یوں اگر الگ الگ مقام پر طاری ہونے والی کیفیت کو دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خصوصیت والا مقام کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ آخر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے فیصلہ کیا کہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت ہی محبوب ترین زوجہ محترمہ اور جلوت و خلوت کا قرب خاص رکھتی ہیں انکی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش پیش کریں کہ وہ ہمیں اس فضیلت والے مقام کی نشاندہی فرمادیں جس کا انہیں ان کے شوہر نامدار بے کسوں کے کس فخر کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرور بتایا ہوگا۔ چنانچہ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے خدمت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اپنی یہ گزارش پیش کی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس گزارش کو سن کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ میں اس مقام کے بارے میں تم لوگوں کو نہیں بتاؤں گی۔ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جواب سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف لائے اور سربسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور لاکھ بار شکر گزار ہوئے کہ ہمیں کھوئی ہوئی نعمت مل گئی ہے۔ وہ اس لئے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے اس فضیلت والی جگہ کا علم نہیں اس لئے امید قوی ہے کہ آج نہیں تو پھر کسی وقت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی نہ کسی کو اس مقام کے بارے میں ضرور آگاہ فرمادیں گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین مسجد میں ہی تشریف فرما تھے کہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھانجے سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اپنی خالہ جان کی زیر نگرانی پرورش پارہے تھے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور ریاض الجنتہ کی پہلی صف کے تیسرے ستون کے پاس آکر نفل پڑھنے لگے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے انہیں نفل پڑھتا دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ خالہ محترمہ نے بھانجے کو اس مقام فضیلت کی نشاندہی فرمادی ہے۔ ان حضرات نے غور کیا تو پتہ چلا کہ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر فراغت کے بعد عین اسی جگہ تشریف فرما ہو کر عبادت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔

سیدنا حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نوافل سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ان سے پوچھا کہ ہمیں ریاض الجنۃ میں فضیلت والے مقام کے بارے میں بتایئے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ ''مجھے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس ستون کی خصوصیت بتادی ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جسکی فضیلت کے بارے میں فخر کونین تاجدار عرب و عجم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ستون کو سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسم گرامی سے اسطوانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' سے موسوم کر دیا گیا۔ عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ترکوں نے اس ستون پر سونے کے حروف میں یہی نام یعنی ''استوانہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' نہایت دلکش انداز میں خوش خط لکھ دیا ہے۔ یہ ستون مبارک دو اور ناموں سے بھی مشہور ہے یعنی

''اسطوانہ قرعہ'' اور ''اسطوانہ مہاجرین''

محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اسطوانہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' بڑی خصوصیت کا حامل ہے۔ ستون مبارک تو اہم خصوصیت کا حامل ہے ہی مگر ریاض الجنۃ میں وہ مقام جہاں محبوب رب کریم فخر رسل لامکاں کے مکیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سجدہ مبارک فرمایا کرتے تھے اسقدر بابرکت، مقدس، پاک اور کائنات بھر کی خصوصیت کا حامل ہے جس کا بیان احاطہ قلم سے باہر ہے۔

تعمیر کا پہلا دور

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور یوں اپنی زیر نگرانی اس کی تعمیر مکمل فرمائی۔ ابتداء میں یہ مسجد کچی اینٹوں سے تیار کی گئی اور چھت پر کھجور کے پتے ڈالے گئے۔ اس مسجد کا رقبہ اس وقت 11025 مربع فٹ یعنی 105 فٹ x105 فٹ تھا۔

دوسرا دور

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر فتح کرنے کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد نبوی کی از سرنو تعمیر کرائی۔ مسجد کو وسعت دینے کے لئے مسجد کے ساتھ لگتی ہوئی زمین جو ایک انصاری کی ملکیت تھی خرید نے کا ارادہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اس انصاری کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا اپنی یہ زمین ہمیں جنت میں محل کے عوض دے دو۔ انصاری کثیر عیال تھے اس لئے وہ زمین نہ دے سکے۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار درہم دوسری روایت کے مطابق بیس ہزار اس انصاری کو ادا کئے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قطعہ زمین جنت میں محل کے بدلے انصاری سے خریدنا چاہتے تھے وہ مجھ سے خرید فرمالیں۔ آپ علیہ السلام نے قبول فرمایا اور یوں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ زمین خدمت اقدس میں پیش کر دی یوں اس قطعہ اراضی کو مسجد نبوی میں شامل فرمالیا۔

تیسرا دور

مسجد نبوی کی وسعت اور تعمیر کے لئے 17 ہجری میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید اضافہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کو جنوب شمال ومغرب کی جانب وسعت دی۔ مسجد کے وہ ستون جو دور نبوی میں کھجور کے تنوں کے تھے ان کو تبدیل کر دیا گیا اور ان کی جگہ لکڑی کے ستون کھڑے کئے۔ مشرقی جانب امہات المومنین کے حجرے تھے اس لئے مسجد کو اس جانب سے وسیع نہ کیا۔ مسجد کو وسعت دیتے وقت سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان بھی شامل کرنا پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ یا تو اپنا مکان فروخت کر دیں یا مدینہ منورہ میں اپنی پسند کی جگہ لے لیں یا پھر اس مکان کو وقف فرما دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں باتیں ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر معاملہ کچھ نازک صورت اختیار کرنے لگا تو حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ثالث مقرر کیا گیا انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔ بعد میں سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخوشی وہ جگہ مسجد کے لئے عطا فرما دی اور یوں اس مکان کی جگہ کو مسجد میں شامل کر لیا گیا۔

جذب القلوب۔ صفحہ۔155

وفاالوفا۔ صفحہ۔341

خلاصۃ الوفا۔ صفحہ۔183

چوتھا دور

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد شریف تنگ ہوگئی۔ اس تنگی کے پیش نظر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا مشورہ لیا۔ سب نے اتفاق رائے سے تجدید کا مشورہ دیا اس طرح 29 ہجری میں مسجد شریف کو پتھر، چونے اور لوہے کے استعمال سے تعمیر کیا گیا۔ اس دفعہ بھی امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حجروں کی وجہ سے مشرقی جانب توسیع نہ کی گئی بلکہ عہد فاروقی کی طرح جنوب اور شمال مغرب کی طرف ہی اضافہ کیا گیا۔ اسی طرح دس ماہ کی مدت میں 225 فٹ چوڑی اور 240 فٹ لمبی مسجد مکمل ہوئی۔

آثار المدینہ۔ صفحہ۔104 وغیرہ

پانچواں دور

خاندان بنوامیہ کے دور میں خلیفہ ولید بن عبدالملک (86ھ تا96ھ) نے 88ہجری تا 91ہجری میں مسجد نبوی کا مزید توسیعی کام شروع کرایا۔ جوتین سال کے عرصہ میں 91 ہجری کو مکمل ہوا۔ ولید بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کہ (امیر مدینہ) مدینہ منورہ کے گورنر تھے کو حکم دیا کہ مسجد کے قریب یعنی قرب و جوار میں جتنے مکانات ہیں سب خرید کر مسجد میں شامل کر لئے جائیں تا کہ مسجد شریف کو ضرورت کے مطابق وسعت دی جاسکے۔ اس طرح امہات المومنین کے حجرات مقدس بھی منہدم کر کے مسجد میں شامل کر لئے گئے۔ (خلافت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ99-101ھ)۔

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔195

چھٹا دور

عباسی خلفا کے دور میں خلیفہ عباس مہدی (158ھ تا169ھ) نے 161 ہجری میں مسجد نبوی کی مزید توسیع کا کام شروع کیا اور کافی محنت کے بعد چار سال کے عرصہ میں 165 ہجری کو مکمل ہوا۔

ساتواں دور

عباسی دور خلافت میں ہی خلیفہ المستعصم (218ھ تا227ھ) نے مسجد نبوی کی تعمیر کا کام کیا۔ سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونی چادر مبارکہ، تہبند شریف، جبہ مقدسہ، غلاف کعبہ کا ٹکڑا، مصلیٰ، جھنڈے اور دیگر تبرکات کے لئے ایک الگ قبہ تعمیر کیا مگر بدقسمتی سے 654ھ میں مسجد کے اندر آگ پھیل گئی اس حادثہ میں یہ تمام تبرکات ضائع ہو گئے۔

تاریخ المدینہ۔ صفحہ۔225

آٹھواں دور

ملک ناصر محمد بن قلاون نے 705 ہجری میں مسجد نبوی میں توسیع کا کام شروع کیا جو کہ 706 ہجری میں مکمل ہوا۔ پھر اسی شاہ نے 709 ہجری میں مسجد نبوی میں برآمدوں کا اضافہ کیا۔

نوواں دور

ملک اشرف قاتبائی نے 831 ہجری میں مسجد شریف کے اندر زیبائش کا کام کرایا۔

دسواں دور

خلیفہ ظاہر نے 853 ہجری میں مسجد مبارکہ کی چھتوں کی مرمت کا مکمل کام اپنی زیرنگرانی ختم کرایا۔

گیارھواں دور

ملک اشرف قاتبائی نے اس سے پہلے بھی 829 ہجری میں برآمدے تعمیر کرائے تھے۔ پھر اس نے محراب عثمانی کو 888ھ میں وسیع کیا۔ باب جبریل کی طرف دیوار تعمیر کرائی۔ اذان دینے کے لئے مؤذن کے کھڑے ہونے کی جگہ بنوائی۔ کچھ عرصہ بعد سنقر الجمالی مدینہ منورہ آیا اس کے ساتھ سوانجینئر یعنی تعمیراتی ماہرین تھے۔ اس نے مسجد نبوی کو مزید وسعت دی۔ حجرہ مبارک کی دیواروں پر گنبد بنایا اس کے علاوہ باب السلام کے سامنے اندر کی جانب دو مزید گنبد تعمیر کرائے۔ باب الرحمت کا مینار تعمیر کرایا۔ اس سارے کام پر تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ ہوئے۔

تاریخ الحرمین۔ صفحہ۔ 175

بارھواں دور

سلطان سلمان نے 974 ہجری میں مسجد شریف کی دیواریں منقش کرائیں۔ اور ساری مسجد مبارکہ کی تزئین و آرائش کا نہایت ہی عمدہ کام کرایا۔

تیرھواں دور

ترک سلطان سلیم ثانی نے 980 ہجری میں مسجد نبوی کی مزید وسعت وآرائش خوبصورتی کا کام شروع کیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ انور کا گنبد تعمیر کرایا اور اس گنبد شریف پر سونے کے پانی سے گل کاری کا کام مکمل کیا۔ یہ ترک حاکم اسقدر خوش قسمت اور بلند پایہ عقیدہ کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے پورے وسائل اور طاقت کو خرچ کرتے ہوئے فخر دوعالم علیہ السلام کی تعمیر شدہ مسجد وروضہ مبارک کی زیب وزینت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیتے ہوئے دین ودنیا کی لازوال دولت حاصل کی۔

چودھواں دور

ترک سلطان محمود (1233ھ تا 1255ھ) نے اپنے دور حکومت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر قبہ شریف بنوایا۔ اس پر سبز رنگ کرایا اس وقت سے قبہ مبارک گنبد خضراء کہلاتا ہے۔

پندرھواں دور

ترک سلطان عبدالمجید نے مسجد نبوی میں 1266 ہجری میں مزید وسعت اور زیبائش کے لئے کام شروع کرایا اور 1277 ہجری میں 12 سال کی شب روز محنت کے بعد مسجد شریف میں قابل قدر اضافہ کیا۔ جو مضبوطی، خوبصورتی وتزئین کے اعتبار سے ترکوں کی عقیدتمندی کی ناقابل فراموش یادگار آج بھی آپ کے سامنے ہے۔ ترکوں نے پوری مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی تھی اس میں سے بحالت موجودہ باب الاسلام سے باب الرحمت تک مغرب میں اور بشمول روضۂ اقدس باب جبریل سے باب النساء تک مشرق میں کل سرخ عمارت ترکوں کی تعمیر کردہ آج بھی برقرار ہے۔ ساری چھت کی نقاشی اور طلائی کام بے نظیر اس کے علاوہ چھت پر پورا کلام مجید نہایت حسین وجمیل خطاطی سے مزین کیا گیا ہے۔ ماہرین فن تعمیر کا خیال ہے کہ یہ عمارت اسلامی دنیا کی سب سے مضبوط ومستحکم اور خوبصورت ترین عمارت ہے۔ سلطان عبدالمجید شیدائی وفدائی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا انتہائے عقیدت سے تعمیر حرم نبوی سرمایۂ نجات سمجھ کر شروع کی۔ فضل الٰہی نے دستگیری کی اور وادی عتیق میں سرخ پتھر کی کان برآمد ہوگئی۔ وہیں پتھر کے ستون تراشے جاتے۔ حفاظ ان پر بیٹھ کر قرآن کریم ختم کرتے۔ منتظمین نے معماروں سے عہد لیا تھا کہ ساری تعمیر باوضو ہو۔ در کی کمانیں بے جوڑ ایک پتھر سے تراشی ہوئی ہیں۔ ان کے جوڑ فولاد کی سلاخوں سے سیسہ پلا کر بنائی گئی ہیں۔ اس سلطان نے اپنے نام سے باب مجیدی تعمیر کرایا۔ جواب بھی اس کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد میں توسیع کے وقت فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب مبارکہ کی خاطر جو کائنات کی اصل روح ہے ستونوں ودیگر عمارتی کام کے لئے مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ مقرر کی تھی سارا سامان وہیں تیار ہوتا تاکہ تیاری کے وقت مسجد اور روضہ مبارک کی جگہ میں کسی قسم کی آواز اور شور پیدا نہ ہو۔ مسجد کے اندر ستونوں اور دیواروں پر سورہ احزاب، سورہ حجرات اور سورہ فتح جس قدر پیارے انداز سے تحریر ہیں وہ بے مثال ہیں۔ عمارت میں تقریباً 232 ستون ہیں۔ ہر ستون کے نچلے حصے پر سونے کے کڑے چڑھائے گئے جو موجود ہیں۔

موجودہ عمارت سلطان عبدالمجید خاں رومی نے 1266 ہجری (1849 عیسوی) میں بنوائی اور یہ عظمت و جلال کا ایک مجسمہ ہے۔ شہِ خوباں کے جمال کا پرتو ہے، ساری مسجد سنگ سرخ کے ستونوں پر کھڑی ہے جن پر بے شمار قبے بنے ہوئے ہیں اور اوپر سیسے کی چادریں چڑھائی گئی ہیں۔ ستون اور چھت منقش ہیں اور دروازے سونے اور چاندی کے کام سے مزین ہیں۔ فرش سنگِ مرمر کا ہے جس پر دیدہ زیب اور قیمتی قالین بچھے ہیں۔ خوبصورت فانوس، نمائشی جھاڑ اور بجلی کے قمقمے کثرت سے آویزاں ہیں۔ جن سے مسجد رات کے وقت بقعۂ نور بن جاتی ہے۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ مغل شہنشاہ شاہجہان کے دور میں ملتان میں بنے ہوئے قالین اس حرم نبوی میں بچھانے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔

انتہائی خوبصورت اور منقش ستون تین تین میٹر کے فاصلے پر بنے ہوئے ہیں بائیں جانب پندرہ اور سامنے کی سمت بارہ ستون ہیں چھت سے چودہ سو بلوری فانوس لٹک رہے ہیں۔ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے چاندی کی منقش اور چھوٹی بڑی چالیس قندیلوں کا ذکر کیا ہے۔ سب سے بڑے فانوس "نجفہ کبیرہ" کی تفصیل دی ہے سامنے روشن دان ہیں جن میں جھلمل کرتے رنگین شیشوں کی ٹکڑیاں لگی ہیں۔ دیوار پر سبز رنگ کی نصف میٹر چوڑی پٹی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چلی جاتی ہے۔ جس پر سنہری روپیلی روشنائیوں سے ابھری ہوئی نقاشی میں آیات لکھی ہوئی ہیں۔ کاتب نے اس موقع پر آب زر سے خوبصورت گلکاری کی ہے اور چمک کا یہ حال ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ کاریگروں نے ابھی ابھی کام مکمل کیا ہے۔ اس پٹی میں سورۃ الفتح، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، حضور علیہ السلام کے اسم مبارکہ اور قصیدہ بردہ شریف تحریر کیے گئے ہیں۔ کچھ آیات مبارکہ عربی نسخ کی بجائے اردو کے انداز میں "نستعلیق" میں لکھی ہیں یہ عثمانیوں کے عہد کی کتابت ہے۔ اس پوری تزئین وتجمیل کو دیکھ کر شدت سے یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ اس آرائش وزیبائش کے پیچھے عقیدت ومحبت کا ایک طوفانی دریا بہہ رہا تھا جو اپنے اظہار کے لیے کناروں سے اچھل اچھل گیا ہے۔ سامنے دیوار پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ لکھی ہوئی ہے:

"صَلاۃٌ فِی ھٰذَا مَسجِدِی مِن اَلف صلوٰۃٍ فِی مَا سِوَا اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

ترجمہ: "یہاں ادا کی جانے والی نماز بیت اللہ شریف کے سوا کسی مسجد میں ادا کی جانے والی نماز سے ہزار گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے"۔

سامنے والی دیوار پر عین درمیان میں قریباً ایک قطر کے دائروں میں اللہ اور محمد لکھا ہوا ہے جن کے دائیں بائیں اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلے کے دائرے ہیں اور ان میں خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے نام درج ہیں اور پھر یہ نام دائیں بائیں اور پیچھے کی دیوار پر بھی اسی ترتیب سے چلے گئے ہیں اور یوں ان جان نثارانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی صحن مسجد کی چاروں طرف دائرہ مکمل کر دیتے ہیں یوں لگتا ہے کہ مرکز میں توحید کا نیّر تاباں اور رسالت کا درخشاں ماہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ صدر نشین ہیں اور ان برگزیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے دمکتے ستاروں نے ان کے گرد اس طرح جھرمٹ کر رکھا ہے کہ وہ خود نور کا ایک روشن اور دلآویز ہالہ بن گئے ہیں اور انہوں نے صحن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ کر رکھا ہے۔

منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ریاض الجنۃ

مسجد نبوی میں باب جبریل علیہ السلام سے داخل ہوں تو بائیں ہاتھ پر ایک حجرہ نظر آتا ہے یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا اس کے ساتھ ہی بائیں طرف مسجد نبوی کا جو حصہ ہے وہ ریاض الجنۃ ہے یعنی منبر اور

Marfat.com

قبرانور کے درمیان کا حصہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے۔اس مقام کے متعلق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا گیا ہے (یہ حدیث مبارک محراب النبی کے بائیں طرف کے راستے کے اوپر جالیوں پر سنہری حروف میں کندہ کی ہوئی ہے)

''مَابَیْنَ بَیْتِی وَ مَنْبَرِی رَوْضَةٌ مِّن رَیَاضَ الْجَنَةَ''

ترجمہ: ''جو جگہ میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے''۔

یہ جگہ حقیقت میں جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو اس دنیا میں منتقل کیا گیا ہے اور قیامت کے دن یہ ٹکڑا جنت میں چلا جائے گا۔اسی ریاض الجنۃ میں حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصلّی ہے جس پر نمایاں طور پر "ھذا مصلّی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم " لکھا ہوا موجود ہے۔مسجد نبوی کے قدیم حصہ کی پشت پر قبلہ کی سمت تین فٹ اونچی جالیوں کی دیوار بھی بنی ہوئی ہے اس کے علاوہ محراب النبی علیہ السلام کے دائیں بائیں پیتل کے ہی دو دروازے بنے ہوئے ہیں ان دروازوں اور جالیوں سے آگے کا حصہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ کردہ ہے آج کل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام صاحب اسی حصے کے اگلے حصے میں امامت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس محراب پر تاریخ تعمیر 182 ہجری درج ہے اور یہ سلطان شرف ابوالنصر کے دور کی تعمیر ہے۔منبر رسول محراب النبی علیہ السلام کے دائیں طرف کچھ ہی فاصلے پر ہے جس پر لکھا ہوا ہے "منبر رسول " اسے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اور اس پر پچی کاری کا کام کیا ہوا ہے۔اس کی سنہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے منبر عین اس جگہ رکھا ہوا ہے جہاں پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سادہ ومقدس منبر رکھا ہوتا تھا اور وہ اس پر تشریف فرما ہو کر انصار مدینہ، مہاجرین مکہ، مجاہدین اسلام اور وفود وقبائل سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔

7 یا 8 ہجری میں ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ کے نواح میں جنگلوں سے دستیاب طرفا کی لکڑی کا چوبی منبر پیش کیا۔منبر رکھے جانے کے بعد جو پہلا جمعہ آیا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسطوانہ حنانہ کی بجائے اس جدید منبر سے خطبہ پڑھا۔خطبہ شروع ہوتے ہی دردناک رونے کی آواز آنے لگی جس سے صحابہ بھی متاثر ہو کر رونے لگے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ملتوی فرمادیا اور منبر سے اتر کر اسطوانہ حنانہ کے پاس پہنچ کر اس پر ہاتھ رکھ کر (دوسری روایت کے مطابق گلے لگا کر) فرمایا "اے حنانہ! مت رو" بس رونے کی آواز بند ہوگئی (اسی واقعہ سے بعض علمانے استناد کیا ہے کہ فراق نبی علیہ السلام میں رونے والوں کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سینے سے بھی لگا لیتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا "میں ہمیشہ استوانہ حنانہ سے پیٹھ لگا کر خطبہ دیا کرتا تھا آج وہ محرومی پر رو دیا اسکی تشفی نہ کردیتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "میں نے حیات کی دعا دینی چاہی کہ لوگ اس کے پھل کھائیں مگر اس نے قبول نہ کیا جنت میں اگنا بھی منظور نہ ہوا بلکہ استدعا کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام نماز پڑھانے مصلّی پر یا خطبہ یا خطبہ کے لیے تشریف فرما ہوں گے لہٰذا مجھے منبر اور مصلّی کے درمیان دفن کرا دیجیئے تا کہ ہر حال میں زیر قدم رہ سکوں"

چنانچہ ستون حنانہ جو مصلّٰی نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل نصب تھا منبر اور مصلّٰی کے درمیان دفن کرا دیا گیا اسی ستون کو ستون حنانہ "اسطوانہ حنانہ" اور اسطوانہ مخلقہ بھی کہتے ہیں۔ محراب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دائیں طرف کسی حد تک عقب میں اسطوانہ حنانہ زریں حروف میں لکھا ہوا ہے۔

محراب النبی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر مدینہ نے سب سے پہلی مرتبہ محراب مسجد تعمیر کی اب تک مسجد میں محراب نہ تھی۔ ستون حنانہ سے ملا ہوا آنحضرت علیہ السلام کا مصلّٰی مبارک تھا قدم مبارک کے حصہ کو چھوڑ کر سارے مصلّٰی مبارک کی جگہ دیوار کھڑی کر دی گئی جس سے سجدہ گاہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستور ہوگئی یہاں نماز پڑھنے والے کا سجدہ قدم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوگا جو دنیا کی بے بدل نعمت عظمٰی ہے۔ محراب کے دائیں حصہ پر "ھٰذا مصلّٰی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" لکھا ہوا موجود ہے۔

زیارت مدینہ منورہ وروضہ اقدس

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا دین و دنیا میں سرخروئی کا موجب ہے اس کی نسبت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَّ لَمْ یَزُدْنِی فَقَدْ جَفَانِی

ترجمہ: "جس کو مدینہ تک پہنچنے کی وسعت ہو اور وہ میری زیارت کو نہ آئے (یعنی صرف حج یا عمرہ کر کے چلا جائے) اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی کی"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لیے میری شفاعت لازمی ہوگئی"۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِی بَعْدَ مَمَاتِی فَکَاَنَّمَا زَارَنِی فِی حَیَاتِی

ترجمہ: "جس نے میرو فات کے بعد میری زیارت کی ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ سید صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "دو نعمتیں دنیا میں اس وقت ایسی ہیں کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر افسوس کہ لوگ ان سے غافل ہیں۔ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک جیسا کہ زندگی میں تھا اور دوسری نعمت قرآن مجید ہے"۔

سولھواں دور

فخری پاشا نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے ہوئے محراب نبوی، اور محراب سلمانی پر کام کیا۔ مسجد کے صحن میں ایک کنواں تھا اس کو بند کرا دیا۔ لوگ اس کنویں کے پانی کو آب کوثر کے نام سے یاد کرتے تھے۔

سترھواں دور

ملک عبدالعزیز حکمران خاندان سعود نے ستونوں پر کڑے چڑھائے۔

اٹھارواں دور

مصری حکومت نے 1352 ہجری میں مسجد نبوی کی ترمیم و تجدید کا کام اپنے ذمہ لیتے ہوئے ملک میں اس مقصد کے لئے فنڈ قائم کیا۔ لوگوں نے دل کھول کر اس فنڈ میں حصہ لیا اور یوں مصری حکومت و عوام کے تعاون سے مسجد میں تعمیر کا کام کیا گیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کا انیسواں دور

1368 ہجری میں جدہ کے معروف روزنامہ ''المدینہ'' کے شمارہ مورخہ 6 شعبان 1368 ہجری میں سعودی حکومت کے بانی شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے مسجدِ نبوی کی توسیع کا اعلان کیا۔ اس طرح مدینہ منورہ کے امیر یعنی گورنر عبداللہ السدیری کی زیر نگرانی 5 شوال 1370 ہجری کو مسجد نبوی کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا جو پانچ سال کے عرصہ میں 1375 ہجری کو مکمل ہوا۔ یوں 6247 مربع میٹر رقبہ کا اضافہ پہلے سے موجود تعمیر سلطان عبدالمجید عثمانی کو جزوی طور پر گرا کر کیا گیا جبکہ اسکے علاوہ مزید 6024 میٹر کی توسیع کی گئی یوں مسجد نبوی شریف کے کل تعمیری رقبہ میں 12271 میٹر کی توسیع کی گئی۔ اس تمام توسیع تعمیر میں سلطان عبدالمجید کے زمانہ میں بنائی گئی مسجد نبوی کا وہی پرانا 4056 مربع میٹر رقبہ بدستور رہنے دیا گیا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجرہ مبارک، گنبد خضریٰ، منبر شریف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصلّٰی مبارک، ریاض الجنہ، ستون، مینارہ، باب السلام مینارہ مرکز یہ بطرف مشرقی کونہ، مصلی بطرف بیت المقدس (قبلہ سے پہلے اس مصلّٰی پر بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھائی جاتی تھی) اور اصحاب صفہ کا چبوترہ شریف شامل ہے۔ اس ساری ترکی طرز تعمیر کا رنگ سرخ ہے جو آج تک اپنی پوری شان و شوکت اور تابانی سے اہل ایمان کے جذبہ ایمانی میں اضافے اور تقدس کا باعث ہے۔

سعودی فرمانروا کی یہ تعمیر بلند و بالا سفید رنگ کے ستونوں پر مشتمل ہے جو نہایت ہی مضبوط اور دیدہ زیب ہیں۔ سعودی حکومت کی یہ توسیعی دیوار سلطان عبدالمجید کی تعمیر شدہ سرخ مسجد سے لیکر بطرف مغرب 128 میٹر بطرف

مشرق 128 میٹر اور شمال کی طرف 91 میٹر ہے۔ اسطرح مسجد نبوی میں کل ستونوں کی تعداد 474 ہے جبکہ وہ عمود جو برآمدوں اور مسجد کی دوسری بنیادیں ہیں انکی تعداد 232 ہے۔ اس توسیع کے بعد مسجد شریف میں بڑی بڑی کھڑکیوں کی کل تعداد 44 ہے اور پانچ بڑے دروازے ہیں۔ سلطان عبدالمجید کی بنائی ہوئی سرخ مسجد کے دونوں میناروں کے متوازی شمال کی جانب دو نئے بلند و بالا نہایت خوبصورت مینار بنائے گئے ہیں جنکی وجہ سے مسجد کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چاروں طرف سے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ مسجد کی چھت اور ستونوں پر 1011 خوبصورت فانوس اور 1400 گول مرکری ٹیوب لائٹس نصب ہیں جنکی روشنی رات کے وقت مسجد کو بقعہ نور بنا دیتی ہے۔ اس ساری توسیع پر حکومت نے ستر ملین (70,000,000) ریال کی خطیر رقم خرچ کی۔

بیسواں دور

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر تیرہویں صدی ہجری کے آخر تک مسجد نبوی کی 19 مرتبہ تعمیر اور توسیع مختلف ادوار میں ہوتی رہی۔ سعودی حکومت کے بانی شاہ عبد العزیز نے 1370 ہجری میں جو توسیع کی اس سے مسجد نبوی میں نمازیوں کے لئے بڑی گنجائش پیدا ہو گئی تھی مگر اہل ایمان عشاق جو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور اور شہر مدینہ و مقامات مدینہ منورہ کی زیارت کی دلوں میں تڑپ لے کر اس شہر خوباں اور روضہ اقدس کی حاضری کے لئے آتے تھے۔ انکی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا یوں حکومت وقت نے اندازہ لگا لیا کہ اگر مسجد نبوی کی مزید توسیع نہ کی گئی تو آئندہ چند سالوں میں اس مقدس مسجد میں نمازیوں کے لئے جگہ تنگ ہو جانے کی وجہ سے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ توسیع کی اشد اور فوری ضرورت کے تحت حکومت سعودیہ کے بادشاہ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کی مزید توسیع کا فرمان جاری کیا یوں شاہ کی ذاتی نگرانی میں تین سال کی شب و روز محنت اور مطالعہ و مقام کے جائزے کے بعد مسجد نبوی کی توسیع کا شاندار نقشہ تیار کر لیا گیا۔ اس نقشہ کے مطابق مسجد نبوی کو اس کے موجودہ رقبہ سے پانچ گنا توسیع دینا تھا اسطرح توسیع مکمل ہونے کے بعد مسجد نبوی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست سے تعمیر ہونے والی مسجد کے مقابلہ میں سو گنا وسیع ہو جاتی۔ اسی توسیعی منصوبے کی تکمیل کے لئے چھ سال کا عرصہ مقرر کیا گیا۔ نقشہ تیار کرنے کے بعد حاکم وقت شاہ فہد بن عبدالعزیز سے منظور کرایا گیا اور یوں 9 صفر 1405 ہجری اکتوبر 1985 عیسوی میں شاہ نے دنیا کے اس سب سے بڑے تعمیری منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس عظیم شاہکار منصوبہ (ماسٹر پلان) کو مکمل کرنے کے لئے دنیا کے دیگر ممالک اور سعودی عرب کے پہاڑوں سے بہترین اور سب سے اعلیٰ درجہ کا جدید ترین میٹریل یعنی ضروری تعمیراتی سامان جدید ترین مشینوں اور اپنے اپنے فن کے ماہر ترین کاری گروں کے ہاتھوں سے حکومت وقت کی زیر نگرانی استعمال کرنے کے کام کی ابتداء کی گئی۔ مسجد نبوی کی اس توسیع میں موجودہ صدی کی وہ تمام جدید ترین مشینری اور جدید

Marfat.com

تعمیراتی طریقوں کا استعمال کیا گیا۔ مسجد نبوی کی موجودہ توسیع کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ فخر کونین تاجدار عرب و عجم حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں جتنی شہر مدینہ منورہ کی وسعت تھی وہ پوری کی پوری مسجد نبوی میں شامل کر لی گئی ہے۔

بنیادوں کی تیاری

17 محرم الحرام 1406 ہجری کو مسجد کی توسیع کے لئے بنیادوں کی کھدائی اور تعمیر عمارت کا کام شروع کیا گیا۔ مسجد نبوی کی توسیع کا ڈیزائن مصر کے مشہور زمانہ ماہر تعمیرات ڈاکٹر محمد کمال اسماعیل نے تیار کیا ہے۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد اسے یقینی طور پر موجودہ صدی کا عجوبہ تعمیر کہا جا سکتا ہے۔

نقشہ کے مطابق مسجد مبارکہ کی عمارت کی بنیادوں میں اتنا زیادہ وزن برداشت کرنے والے 8525 عدد مضبوط ترین پائپوں کو استعمال کرنا شامل تھا۔ یہ پائپ ہی حقیقت میں پوری عمارت کا وزن برداشت کر سکتے تھے۔ مدینہ منورہ کی صحرائی زمین کو کھود کر ٹھوس زمین پر ان پائپوں کو بچھا کر تعمیری کام شروع کرنے کا یہ پہلا مرحلہ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ کام کی ابتداء کر دی گئی بعض اوقات اندرون زمین پتھریلی ٹھوس جگہ تک پہنچنے کے لئے 54،54 میٹر تک گہری کھدائی کرنا پڑی تب جا کر پتھریلی زمین پر پائپ بچھایا جا سکا۔ تعمیر کے ماہر انجینئروں اور سروے یعنی پیمائش و جریب کشی کرنے والوں نے پوری مہارت، سخت محنت، اچھی منصوبہ بندی اور یکسوئی سے یہ کام سرانجام دیا۔

فولادی کچنگ، کنکریٹ اور ستون

بنیادوں کی مضبوطی مذکورہ پائپوں کی مدد سے مکمل کرنے کے بعد کھدائی کے کام کا آغاز ہوا۔ پہلے مرحلے میں فولادی کچنگ کو زمین کے اندر ڈالا گیا یہ شافٹ جونہی زمین کے اندر پہنچی دیوہیکل مشینوں نے کھدائی کا عمل تیزی سے شروع کر دیا۔ تعمیر کے دوران وہ وہ مقامات جہاں بھاری ساختوں یعنی لمبے میناروں کی ضرورت تھی وہاں جھٹکے برداشت کرنے والے جیکٹوں اور فولادی کیسنگ بھی استعمال کی گئی۔ انتہائی مضبوط فولاد سے 12 میٹر طویل بیلن کی شکل کے پنجرے بنائے گئے۔ پھر ان پنجروں کو بہترین تیار شدہ کنکریٹ کی مدد سے اصل پوزیشن سنبھالنے کی غرض سے نصب کیا گیا۔ فولادی پنجرے نصب کرنے کے لئے جس اعلیٰ کوالٹی کے کنکریٹ کی ضرورت تھی اسے تیار کرنے کے لئے مسجد نبوی و مدینہ منورہ شہر کے قریب ایک پلانٹ لگایا گیا جہاں ایک لاکھ مکعب میٹر کنکریٹ تیار کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ توسیع منصوبے کے ہر مرحلہ میں ہونے والے کام کی نہایت احتیاط اور مناسب انداز میں راہنمائی کا سلسلہ جاری رہا۔ پلانٹ میں تیار ہونے والے کنکریٹ کے معیار اور مضبوطی کی تصدیق کے لئے تمام ستونوں میں الٹرا سونک سینسر (Ultra Sonic Censor) کا استعمال کیا گیا۔ مسجد نبوی شریف میں نئی عمارت کے بے پناہ وزن کو سنبھالنے کے لئے مضبوط اور شاندار دیدہ زیب ستون تعمیر کئے گئے۔ عمارت کی نئی تعمیر کا پورا ڈھانچہ ان ستونوں کی

مضبوطی کا مرہونِ منت تھا جبکہ ستونوں کی پائیداری اور استحکام واعلیٰ کوالٹی کا دارومدار کنکریٹ کی مضبوطی اور قوت پر تھا۔ نئی عمارت کے ہال کی بنیادوں میں کنکریٹ کے مقابلے میں فولاد کا استعمال زیادہ کیا گیا تاکہ اس عظیم ڈھانچے کو ہر ممکن حد تک مضبوط بنایا جاسکے۔ تہہ خانے اور ستونوں کے لئے عمدہ فولادی سریوں سے اہم پنجرے تیار کئے گئے پھر ان پنجروں کو بنیادوں سے اٹھائے گئے فولادی ٹاور کے ساتھ جوڑ دیا یعنی ویلڈ کر دیا گیا۔ مسجد نبوی کی توسیع کے دوران نمازیوں کو ہر قسم کی سہولت میسر تھی ایام حج اور رمضان شریف میں بہت زیادہ رش ہونے کے باوجود پروانوں کے لئے زیرِ تعمیر عمارت بھی استعمال کرنے کے لئے تیاری کی حالت میں رکھی جاتی تھی یہ عظیم تعمیراتی عمل اور دیدہ زیب فانوس لٹکانے کے پر کیف مناظر دیکھنے کی سعادت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ادنیٰ غلام یعنی مؤلف رانا محمد سرور خاں کو 29 فروری سے 8 مارچ 1992 عیسوی یعنی بمطابق 26 شعبان تا 5 رمضان المبارک 1412 ہجری تک حاصل رہی جب یہ ناچیز بندہ عمرہ کی ادائیگی کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرنے کی رفعت ونعمت حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں حاضر رہا اور رمضان المبارک کے چند ابتدائی ایام مسجد نبوی میں افطاری اور ادائیگی تراویح کے روح پرور لمحات میسر آئے ان ایام کے کیف وسرور زندگی کا عظیم سرمایہ اور یہ یادگاری لمحات سامانِ بخشش وزادِ راہ ہیں۔

مصنوعی آرائشی پتھر اور نقش ونگار

مسجد نبوی شریف کا فرش نہایت خوبصورت، دیدہ زیب اور دیرپا مصنوعی پتھروں سے تیار کیا گیا۔ تین سال کی شب وروز سخت محنت لگن اور پیار ومحبت کے بعد 5 شعبان 1409ء میں مسجد مبارکہ کے توسیع شدہ مغربی حصے میں فرش کی بھرائی کا کام مکمل ہوا۔ اس توسیع منصوبے کے لئے کافی تعداد میں مصنوعی پتھروں کی ضرورت تھی یہ پتھر تیار کرنے کے لئے تعمیراتی کام سے 20 کلومیٹر دور مصنوعی پتھر تیار کرنے کی دنیا کی سب سے بڑی فیکٹری قائم کی گئی۔ اس فیکٹری میں شب وروز محنت کے بعد 750 عدد مصنوعی پتھر یومیہ تیار ہونے لگے۔ مسجد نبوی کی پوری توسیع عمارت میں کل پانچ لاکھ مصنوعی پتھر لگنے تھے جن میں سے بعض پتھر آرائشی ستونوں میں نصب ہونے تھے۔ 750 مصنوعی پتھر یومیہ کے حساب سے کام ہوتا رہا اور یوں قریباً 667 یوم یعنی 22 ماہ کے عرصہ میں پانچ لاکھ پتھر تیار ہوئے۔ ان تیار ہونے والے پتھروں پر ماہر ترین کاریگر جپسم کے دیدہ زیب نقش ونگار کندہ کرتے جاتے تھے جس میں کافی وقت خرچ ہوا۔ یہ نقش ونگار پتھر پر الٹی طرف کندہ کئے جاتے تھے تاکہ پتھر پر انکا اصل نقش تیار ہوسکے۔ یہ نقش ونگار کندہ کرنے کے لئے جدید ترین اوزاروں ومشینری اور دستی طریقے سے عملی مدد لی گئی۔ جب پتھر پر نقش ونگار کندہ کر دیئے جاتے تو اس پتھر پر مختلف کیمیائی اجزاء لگا کر ان پتھروں کو 24 گھنٹے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جاتا تاکہ عکس نہایت نمایاں اور پائیدار ہوجائیں۔ پتھروں کی اس حد تک احتیاط سے تیاری اور نہایت مہارت سے نقش ونگار کی کندہ گری نے مسجد کے اس

توسیع شدہ حصے کو اسقدر خوبصورت، دیدہ زیب اور شاندار بنا دیا ہے کہ اسے دیکھ کر انسان کی زبان سے فوری سبحان اللہ، ماشاء اللہ کے بے ساختہ الفاظ نکل جاتے ہیں یہ فن تعمیر کا ایک ایسا لازوال شاہکار ہے جس کی نظیر ملنا بڑا مشکل ہے۔ مختصراً مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ توسیع عمارت ایک لازوال شاہکار عظیم ہے۔

محرابوں اور میناروں کی تعمیر

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کے لئے جس قدر تعمیری کام کیا گیا اس عالی شان عمارت کی خوبصورتی اور مضبوطی کے لئے محرابیں بنائی گئیں۔ ان محرابوں کی تعداد 2312 ہے۔ یہ محرابیں 27 کھلے اور 68 بند صحنوں میں تعمیر کی گئی ہیں۔ محرابوں کو نہایت ہی نفیس انداز میں منقش پتھروں سے آراستہ کیا گیا ہے جسکی وجہ سے تعمیر شدہ حصے کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ عمارت کی چھت بھی اسی انداز سے تعمیر کی گئی ہے چھت میں استعمال ہونے والی ٹائلیں نہایت دلکش انداز میں نقش ونگار سے مزین ہیں یہ انداز تعمیر و منقش بنانے والے کی نفاست اور عمدہ کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کے سلسلے میں چھ 6 نئے مضبوط وخوبصورت فلک بوس مینار بنائے گئے ہیں جنکی شان وشوکت اور عمدہ طرز تعمیر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان فلک بوس میناروں کی اونچائی 104 میٹر یعنی تقریباً 312 فٹ ہے۔ ان میناروں کی تعمیر کے لئے مصنوعی پتھروں کی ضرورت تھی۔ مصنوعی پتھر تیار کرنے والی فیکٹری سے ناپ یعنی سائز کے مطابق پالش شدہ پتھر جائے تعمیر تک لائے گئے۔ پتھروں کے یہ بڑے ٹکڑے جدید ترین مشینوں اور دیگر سہولتوں کے باوجود میناروں کی بلندی کے باعث اونچائی تک پہنچانے کے لئے مشینیں کارآمد ثابت نہ ہوسکیں چنانچہ ان پتھروں کو کاریگر ہاتھوں کی مدد سے اوپر لے کر گئے اور پھر نہایت احتیاط اور مہارت سے انہیں انکی مخصوص جگہوں پر نصب کیا گیا۔ ان میناروں کا ہر پہلو وانداز اسلامی طرز تعمیر کے مطابق ہے۔ ان فلک بوس میناروں کا حسن ودلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میناروں کو نہایت ہی حسین انداز سے برقی قمقموں، سرچ لائٹ اور جدید ٹیوب لائٹس سے اس انداز میں سجایا گیا ہے کہ رات کے وقت جب تمام لائٹس (شمعیں) جلا دی جاتی ہیں تو یہ مینار مصنوعی پتھروں کی بجائے روشنی کے مینار لگتے ہیں۔ پانچ وقت اذان کی آواز دور دور تک پہنچانے کے لئے جدید ترین ساؤنڈ سسٹم (Sound System) یعنی نظام صوت کا ایسا عمدہ انتظام کیا گیا ہے کہ مؤذن کے سانس لینے تک کی آواز بھی دور تک صاف سنائی دیتی ہے جبکہ موذن کی آواز کہاں کہاں تک صاف سنائی دیتی ہوگی اسکا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ان جدید طرز کے میناروں کے ساتھ ترکی دور حکومت کے بنائے گئے خوبصورت ودیدہ زیب مینار بھی موجود ہیں جنکی شان وشوکت اور دلکشی ترکوں کے پیار اور تقدس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زبان حال سے خاموشی کے انداز سے اقرار واظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

سرخی وسرمئی مائل گرینائیٹ کا استعمال

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کو دیرپا اور مضبوط بنانے کے لئے اعلیٰ معیار کا گرینائیٹ جسے سنگ لاکھ، سخت پتھر یا سنگ خارا بھی کہتے ہیں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ گرینائیٹ ایشیا میں پائے جانے والے تمام پتھروں میں سخت ترین اور اعلیٰ کوالٹی کا پتھر ہے۔ اسکی چٹانیں اسقدر مضبوط ہوتی ہیں کہ انہیں کاٹ کر پتھر حاصل کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے۔ منصوبے کے مطابق عمارت میں سرخی وسرمئی مائل دونوں قسموں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ قدرت نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے جزیرہ نمائے عرب میں اس پتھر کے وافر ذخائر پیدا کر رکھے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قریب القسیم کے صحرا میں اس پتھر کے ذخائر موجود ہیں۔ گرینائٹ کو چٹانوں سے جدید مشینری کی مدد سے نکال کر قابل استعمال بنانے اور اسکی تراش خراش کے لئے ایک بہت بڑی فیکٹری قائم کی گئی جو دنیا میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی فیکٹریوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں صحرائی چٹانوں سے لائے گئے گرینائیٹ کی تمام خرابیوں کو دور کیا گیا تا کہ وہ استعمال میں لایا جاسکے۔ اس کارخانے یعنی فیکٹری میں ہر ماہ 600 مکعب میٹر گرینائیٹ عمارت میں لگانے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ صحرائی چٹانوں سے حاصل شدہ گرینائیٹ جب اس فیکٹری میں لایا جاتا تو سب سے پہلے ماہرین اسکو جسامت اور معیار کے مطابق چھانٹ کر اسکی درجہ بندی کرتے پھر اس پر مخصوص کوڈ نمبر یعنی خفیہ نمبر شمار لگا کر اس کو کمپیوٹر سسٹم کے تحت ہارڈ ڈسک میں محفوظ کر لیا جاتا۔ یوں گرینائیٹ کو کہاں نصب کرنا ہے اس کوڈ کی مدد سے لگے ہوئے نمبر یعنی شمار کے مطابق وہی پتھر اسکی مخصوص جگہ پر نصب کر دیا جاتا۔ کوڈ کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ پتھروں کی تیار شدہ تعداد اور انکی مطلوبہ جسامت کو تعمیر کے ہر مرحلے میں گنا جاسکتا تھا۔ فیکٹری میں گرینائیٹ کی سلوں کو کاٹ کر مطلوبہ مقدار حاصل کرنے کے لئے شب روز کام جاری رہا۔ سلوں کو کاٹ کر بہتر انداز میں پالش کرنے کے بعد فیکٹری سے نہایت احتیاط کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلوبہ توسیعی جگہ پر روانہ کر دیا جاتا جہاں ماہر تعمیرات اپنی نگرانی میں مخصوص جگہ پر نصب کر دیتے۔ گرینائیٹ کی ہر سائز کی سلوں پر کیونکہ کوڈ نمبر یعنی خفیہ شمار لگے ہوتے تھے اس لئے ماہرین کو ان کوڈ نمبروں کی مدد سے سلوں کو انکی جگہ پر لگانے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئی۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کے لئے چھت، دیواروں، ستونوں، فرش، دروازوں، کھڑکیوں، محرابوں، میناروں، تہہ خانوں، چھتوں، وضو وطہارت خانوں، کار پارکنگ اور بیرونی فرشوں غرض ہر ہر جگہ کو توسیعی منصوبے میں الگ الگ شامل کیا گیا تھا تا کہ تعمیر میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر پہلو کے مکمل منصوبے تیار کئے گئے جن پر عمل کرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ انہیں مکمل کیا گیا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار دیواری اور ستون

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توسیع کے وقت مسجد مبارکہ کی چار دیواری بناتے وقت قریباً ایک لاکھ بیس ہزار (120000) مخصوص میٹیریل یعنی تعمیراتی مسالہ سے بنائی گئی اینٹوں کی ضرورت تھی۔ یہ اینٹیں ہر قسم کے موسمی حالات کو برداشت کرنے کی خصوصیت رکھتی ہیں۔ ان اینٹوں کو بڑی مہارت سے تیار کیا گیا۔ جب مسجد شریفہ کی چار دیواری مکمل ہوئی تو خوبصورتی و مضبوطی کے لئے ان کے علاوہ مزید نہایت ہی خاص قسم کی خوبصورت 111,000 اینٹوں کی ضرورت تھی۔ ان خاص اینٹوں کو خطیر رقم خرچ کر کے تیار کیا گیا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار دیواری میں استعمال کیا گیا جس سے چار دیواری کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ مسجد شریف میں چھت کے وزن کو سنبھالنے کے لئے نہایت ہی دیدہ زیب مضبوط ستون بنائے گئے۔ یہ ستون کالیکورو گرینائیٹ پتھر سے تیار کئے گئے جن کا رنگ سرخ ہے۔ سرخ رنگ کا یہ کالیکورو گرینائیٹ مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع نہران کے نخلستان سے حاصل کیا گیا۔ اس پتھر کو بھی نہایت احتیاط سے کافی محنت کے بعد نکال کر فیکٹری میں پہنچایا گیا۔ فیکٹری کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس گرینائیٹ کو طویل مربع اینٹوں کی شکل میں کاٹ کرا سکے ستون تیار ہوئے۔ بظاہر دیکھنے میں یہ ستون ایک ہی پتھر نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پتھروں کو لمبائی کی شکل دیکر اس مہارت سے تیار کیا گیا ہے کہ جوڑ تک نظر نہیں آتا۔ ستون تیار ہو گئے تو ان پر بہترین انداز میں پالش کی گئی جس سے پتھر کا اصل سرخ چمکیلا رنگ نہایت دلکش طریقے سے واضح نظر آتا ہے۔ اس گرینائیٹ کے ہر حصہ کی نہایت احتیاط سے جدید مشینری کی مدد سے جانچ پڑتال کی اور انہیں حتمی طور پر چمکانے کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توسیع کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا جہاں بڑی خوبصورتی سے ان تمام ستونوں کو انکی جگہ نصب کر دیا گیا۔ اب ان ستونوں کی خوبصورتی دیکھنے کے لائق ہے۔

مسجد نبوی کے سرکنے والے گنبد

مصر کے ماہر تعمیرات ڈاکٹر محمد کمال اسماعیل نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسیع منصوبے میں موسم کی مناسبت سے ہوا اور روشنی کے لئے 27 عدد وسیع اور کھلے صحن بھی ڈیزائن کئے تھے۔ چار دیواری اور ستونوں کی تعمیر کے بعد ان گنبدوں کی تعمیر کا مرحلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے ایک سرکنے والا گنبد تیار کیا گیا جب حاکم وقت اپنے سالانہ دورہ مدینہ منورہ کے وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں آئے تو یہ سرکنے والا گنبد ان کی منظوری کے لئے تیار تھا۔ شاہ فہد نے انگلی کے اشارے سے گنبد کا بٹن دبایا تو وہ فوراً کسی قسم کی آواز پیدا کئے بغیر سرک کر چھت کے دوسرے حصے میں چلا گیا اور یوں یہ مرحلہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ شاہ فہد نے اسی طرح کے دوسرے گنبد بنانے کی اجازت دے دی۔ یوں باقی 26 گنبدوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا۔ ان تمام گنبدوں کو محض ایک ایک بٹن دبا کر

کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک گنبد کا وزن 20 ٹن ہے۔ یہ 20 ٹن وزنی گنبد سرکانے کے لئے نہایت اعلیٰ درجے کے فولاد سے ریلوے لائن کی طرح کا ایک پہیوں والا ٹریک تیار کیا گیا جو اسقدر مضبوط ہے کہ گنبد کا وزن نہایت آسانی سے اٹھا کر اسے آگے پیچھے سرکا سکتا ہے۔ ہر پہیے کو ہاتھوں کی مدد سے جوڑا گیا تا کہ گنبد کو کھولنے اور بند کرنے کا عمل کسی رکاوٹ یا فنی کمزوری و دشواری کے بغیر انجام پائے اور یوں اسکی پائیداری بھی قائم رہے۔ جب گنبد تیار ہو گئے تو انکو اندرونی سمت سے موسم کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے لیمینیشن (ورک سازی) کرنا منصوبے کا حصہ تھا اس مقصد کے لئے دنیا کے ماہر اور عمدہ لیمنیشن کرنے والے حضرات کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان ماہرین نے نہایت احتیاط اور مہارت کے ساتھ گنبدوں کے اندرونی حصوں کو لیمنیشن کی تہہ سے ڈھانپ دیا۔ اب گنبد کے پچھلے حصے کو مضبوطی سے محفوظ کرنے کے لئے عمدہ قسم کی پلائی وڈ استعمال میں لائی گئی۔

پلائی وڈ (Plywood) کو حتمی طور پر جوڑنے کے لئے کینیڈا کے ماہرین نے پہلے نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں لکڑی کو چھیل کر اسکی سطح کو ہموار کیا۔ دنیا میں پائیداری کے اعتبار سے مراکش میں پائی جانے والی سیڈار کی لکڑی اول درجہ پر مانی جاتی ہے۔ مراکش کے لکڑی کے ماہرین نے بڑی احتیاط کے ساتھ عمدہ قسم کے درختوں کا انتخاب کیا پھر بڑی مہارت سے لکڑی کے شہتیر تیار ہوئے۔ ماہرین نے نہایت ہی دلکش انداز سے ہاتھوں کی مدد سے اس لکڑی پر دلفریب نقش ونگار کندہ کئے۔ مراکش کے ماہرین کے اس فنی کام کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ لکڑی پر نقش ونگار کندہ کرنے کے لئے ماہرین نے گولی کاربن کے خصوصی سٹینسل (Stencils) استعمال کیے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد ماہر ترین آرٹسٹ (Artists) حضرات نے اس لکڑی کو تعمیراتی مقام پر بھیجنے سے پہلے ہر زاویے سے اسکی جانچ پڑتال مکمل کی لکڑی کے مکمل معیاری ہونے کی تسلی کی پھر لکڑی کے ان شہتیروں کو مراکش سے جرمنی روانہ کر دیا گیا۔ جرمنی کی لکڑیوں کی فیکٹریوں میں ماہرین کی زیر نگرانی نہایت احتیاط سے ان شہتیروں کو جدید مشینوں کی مدد سے کاٹا اور موڑا گیا تا کہ مزید بنیادی ڈیزائن (ڈھانچہ) کے اہم حصے بنائے جا سکیں۔ سب کام مکمل ہو جانے کے بعد یہ لکڑی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچادی گئی جہاں اس لکڑی سے نہایت ہی ماہرانہ انداز میں بنائے گئے منقش دروازوں اور کھڑکیوں کو انکی جگہ لگا دیا گیا۔ لکڑی پر کیا ہوا یہ کام اس قدر جاذب نظر اور حسین ہے کہ انسان اسکی زیارت کرتے ہوئے یوں محسوس کرتا ہے جیسے لکڑی ابھی باتیں کرنا شروع کر دے گی۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھت پر بنائے گئے ان 27 سرکنے والے گنبدوں پر جو رنگ کئے گئے ہیں یہ رنگ خاص طور پر سوئٹزرلینڈ میں بنائے گئے تھے۔ ان رنگوں کو نہایت احتیاط اور اعلیٰ معیار سے اس انداز میں تیار کیا گیا کہ ہر قسم کے موسمی اثرات سے محفوظ رہیں۔ گنبدوں کو اچھی طرح انسولیٹ (محفوظ) کر لیا گیا اور اعلیٰ معیار کی واٹر پروف جھلی سے ڈھانپ دیا گیا جسے دو نہایت ہی عمدہ پولی وِنائل کلورائڈ کمپاؤنڈ اور پولیما جھلی (PVC اور Polyma فلم) سے تیار کیا گیا تھا پھر انکو ایک ساتھ لیمینیٹ کر دیا یعنی تہیں جمادی گئیں۔ یہ واٹر پروف (پن روک) جھلی سالوں سال ہر قسم کے موسمی اثرات سے محفوظ

رہتی ہے گنبد کے رنگوں بناوٹ اور معیار میں کسی قسم کی خرابی یا تبدیلی پیدا نہیں ہونے دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سال گذر جانے کے باوجود آج بھی ان گنبدوں کی خوبصورتی اور معیار میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان گنبدوں کو آج ہی تیار کرنے کے بعد لگایا گیا ہے۔ گنبدوں کو ٹھوس پیتل سے بنا کر پالش کے بغیر چھوڑ دیا گیا بعد میں ان پر 23 قیراط سونا چڑھایا گیا یوں یہ گنبد سونے کے تاج نظر آتے ہیں۔

امیزانائٹ پتھر اور سونے کی پتیاں

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیبائش وآرائش کے لئے توسیع منصوبے میں خاص زور دیا گیا ہے۔ مسجد کے اندر اور باہر جیومیٹری (سطحی متعلقات) کی اشکال کے بارڈر (حاشیئے) بنائے گئے جن پر سونے کی پتیاں نہایت خوبصورت انداز میں لگائی گئی ہیں۔ ان جیومیٹری کے ڈیزائنوں کو نہایت ہی دیدہ زیب بنانے کے لئے قیمتی پتھر امیزانائٹ استعمال کیا گیا ہے۔ کینیا میں یہ پتھر پایا جاتا ہے۔ کافی جستجو اور تلاش کے بعد کینیا کے پہاڑی سلسلے میں یہ پتھر تلاش کر لیا گیا۔ حکومت کینیا کافی عرصہ پہلے جس کان سے یہ پتھر نکالتی تھی اسے چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا۔ حکومت سعودی عرب کی درخواست پر اس کان کو دوبارہ کھولا گیا اور یوں یہ قیمتی پتھر حاصل کرنے کے بعد ملک میں لا کر اس پر حتمی طور پر نہایت احتیاط سے پالش کی گئی پھر اس امیزانائٹ پتھر کو لکڑی کے سونا چڑھے مخصوص ڈیزائن میں نصب کر دیا گیا۔ اس سارے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جہاں بہت سا وقت اور محنت لگی وہاں ایک خطیر رقم بھی خرچ ہوئی۔ امیزانائٹ پتھر اور سونے کی پتیوں سے بنائے گئے ان ڈیزائنوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیبائش وآرائش میں کمال درجے کا اضافہ کر دیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

چکروسا اور کرارہ سنگ مرمر

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرائش وزیبائش کے لئے اسلامی طرز تعمیر کو اولیت دی گئی۔ مساجد کی زینت کو بڑھانے کے لئے سنگ مرمر کا استعمال ہماری اسلامی طرز تعمیر کا قدیم ترین طریقہ و روایت ہے۔ اس مقصد و روایت کو پورا کرنے کے لئے منفرد اور اعلیٰ ترین کوالٹی کا سنگ مرمر جو کہ مختلف رنگوں اور اقسام کا ہو منتخب کیا گیا۔ برازیل اور اٹلی عمدہ کوالٹی (کمال خصوصیت) کے سنگ مرمر کے لئے دنیا بھر میں شہرت اور اہم مقام رکھتا ہے۔ یہاں پایا جانے والا سنگ مرمر نہ صرف بہتر کوالٹی کا ہی ہوتا ہے بلکہ مختلف قدرتی رنگوں میں بے مثال ہے۔ چنانچہ برازیل سے چکروسا سنگ مرمر حاصل کیا گیا جسکے انتخاب میں ہر ممکن احتیاط اور مہارت سے کام لیا گیا۔ اس پتھر سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرائشی ستون بنائے گئے۔ مسجد کے میناروں میں استعمال ہونے والا کرارہ نامی سنگ مرمر اٹلی سے منگوایا گیا۔ اس سنگ مرمر کی مدد سے مسجد کے میناروں کے ستون تعمیر ہوئے۔ مسجد نبوی کی چھت میں استعمال ہونے والا قیمتی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا سنگ مرمر یونان سے حاصل کیا گیا جسے فیسس کہتے ہیں۔ یہ Faces نامی سفید

سنگ مرمر ہر اعتبار سے منعکس کرنے کی تمام خوبیوں کا حامل ہے۔ قدرت نے یونان کے اس سفید سنگ مرمر میں یہ خاص خوبی رکھی ہے کہ یہ پتھر شدید ترین گرمی میں بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ مسجد شریفہ کی چھت میں اس سفید سنگِ مرمر لگنے کی وجہ سے گرمی کا اثر قطعی نہیں ہوتا۔ یوں جہاں اس پتھر سے چھت کی خوبصورتی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے وہاں یہ پتھر گرمی کی شدت کو مسجد کے اندر آنے سے روکنے کا سبب بھی ہے۔

اٹلی کا کرارہ سنگ مرمر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیڑھیوں میں استعمال کیا گیا ہے یہ پتھر دنیا بھر میں اپنی شفافیت، حُسن اور پائیداری کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ماہرین انہی خوبیوں کی وجہ سے کرارہ سنگ مرمر کو بہت پسند کرتے اور تعمیرات میں استعمال کرتے ہیں۔ اٹلی میں یہ کرارہ سنگ مرمر باقاعدہ ایک صنعت کا درجہ رکھتا ہے اور گذشتہ 2 ہزار سال سے یہ پتھر وسیع پیمانے پر وہاں سے نکالا جا رہا ہے۔ اٹلی کے اس سنگ مرمر کو چٹانوں سے نکال کر انکی مختلف سائز کی سلیں کاٹی گئیں تاکہ ان سلوں کو ضرورت کے وقت مزید کاٹ کر کام میں لایا جا سکے۔ مسجد کے صحن میں قائم 2170 ستونوں کو اس کرارہ سنگ مرمر اور دیگر سنگ مرمر کی مدد سے گولائی میں کاٹ کر ڈھانپنا صاحب ہنر لوگوں کے لئے ایک چیلنج اور سخت محنت طلب کام تھا۔ بہر حال ماہرین نے شب و روز کی سخت محنت کے بعد مشینوں کی مدد سے نہایت محتاط اور ماہرانہ ہنر کو کام میں لاتے ہوئے کھردرے انداز میں ''خولوں'' کی شکل میں تیار کیا۔ پھر ان خولوں کو خاص طور پر بنائی گئی مشین میں باری باری لگا کر انکی گھسائی، کٹائی اور پالش کی گئی۔ پالش کا زیادہ تر کام انسانی ہاتھوں نے سرانجام دیا کیونکہ پالش کا کام مہارت اور احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ستون کے 70 مختلف بنیادی اجزاء جوڑ کر ستون کے گرد سنگ مرمر لگانے کا کام مکمل ہوا۔ ہنر مند حضرات نے سنگ مرمر کے ان بنیادی 70 حصوں کو ایسی کمال مہارت سے جوڑا کہ دیکھنے میں پورا ستون سنگ مرمر کا ایک ہی ٹکڑا نظر آتا ہے۔ کیا مجال کہ کسی بھی ستون میں کسی قسم کے جوڑ کا نشان نظر آئے۔ یوں شب و روز کی محنت کے بعد قریباً 25 ہزار خولوں کی گھسائی، کٹائی اور پالش کا کام مکمل کرنے کے بعد انہیں ستونوں کے گرد لگا دیا گیا۔ انہی ستونوں میں کمال مہارت سے ایئر کنڈیشننگ ڈکٹس (نالی دار راستے) بنائے گئے جن سے نکلنے والی ٹھنڈی ہوا مسجد شریفہ کے ہال کو ٹھنڈا رکھتی ہے۔ ستونوں کی بنیادوں سے کچھ اوپر قرآن مجید فرقان حمید رکھنے کے لئے خصوصی بکس لگائے گئے ہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم رکھے ہوئے ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحن

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توسیع کو اندرون مسجد کئی صحنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تمام صحن تقریباً ان سرکنے والی 26 چھتوں کے نیچے ہیں یوں ایک صحن سے دوسرا اور دوسرے صحن سے تیسرا ملا کر فرش مکمل کیا گیا۔ مسجد کے صحن کو اٹلی سے لائے گئے سنگ مرمر کی مدد سے اس انداز میں مزین کیا گیا ہے کہ آرائشی سنگ مرمر کی ٹائیلوں نے صحن

Marfat.com

کے ہر ہر حصے کو واضح کر دیا ہے۔ فرش میں مختلف رنگوں اور مختلف طرز کے سنگ مرمر کی ٹائلیں استعمال کی گئی ہیں۔ سنگ مرمر کے آٹھ ہزار (8 ہزار) طویل مستطیل ٹکڑوں میں اٹلی، سپین، پرتگال اور یونان کا پائیدار سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب کام انتہائی جدید ترین کمپیوٹر سوفٹ ویئرز پر بنائے گئے ڈیزائنوں کی مدد سے سرانجام دیا گیا۔ مسجد شریفہ کے نچلی منزل کے فرش کی تیاری کا کام سنگ مرمر کی ٹائلوں کو زمین پر بچھا کر اسے عمدہ سیمنٹ کی مدد سے فرش پر پختگی سے جوڑ دیا گیا تاکہ یہ عمدہ شاندار اور دیرپا سنگ مرمر کا فرش مستقل طور پر قائم رہ سکے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نئے فرش پر 75000 مربع میٹر سنگ مرمر کی فرشی ٹائلیں بچھائی گئیں۔ اس کام کو مکمل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسجد شریفہ کی توسیعی عمارت کے اندرونی حصوں کو مکمل کر دیا جائے تاکہ نمازیوں کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ڈاکٹر اسماعیل کے ڈیزائن کو بلائنڈ آرچز اور آرائشی اشیاء میں استعمال کیا گیا جو خالص اسلامی ڈیزائنوں میں شامل ہے۔

خطاطی آیات قرآنی

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کے دوران قرآن کریم کی خطاطی کے نمونوں کو اسکرٹنگ کے اوپر نصب کرنے پر بہت زیادہ توجہ دی گئی۔ یہ اسلامی طرز تعمیر کا ایک اہم جزو ہے۔ قرآنی آیات کی خطاطی میں مسلمان خطاطوں کو ید طولا حاصل ہے۔ آیات مقدسہ کی ایسے ایسے دلفریب، دیدہ زیب ماہرانہ انداز میں خطاطی کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے اس فن کی داد دینے کے لئے شاید الفاظ ہی نہ ہوں۔ بہرحال مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر آیات قرآنی کو ایک ماہر مسلمان خطاط نے نہایت ہی خوبصورت انداز میں ٹن (TIN Plate) پلیٹ پر منتقل کیا پھر انکی ٹریسنگ (نقاشی) کی گئی۔ آیات قرآنی کے ان خطاطی کے نسخوں کو سنگ مرمر پر منتقل کرنے کا حتمی فیصلہ کیا گیا۔ سنگ مرمر کی بے داغ پلیٹوں کو نہایت عمدہ انداز سے پالش کرنے کے بعد انہیں خوبصورت انداز میں کاٹا گیا پھر سنگ مرمر کی ان پلیٹوں کے اوپر ایک ایک شیٹ رکھی گئی اور ٹریسنگ کو خطاطی کے الفاظ کی کٹائی کے لئے استعمال کیا گیا۔ اس کے بعد ہر پینل کو سینڈ بلاسٹ کیا گیا۔ پھر پلیٹ پر غیر ضروری حصوں اور نشانوں کو مٹا کر خطاطی کو حسین انداز میں واضح کیا گیا۔ پلیٹوں پر سینڈ بلاسٹ کی گئی سطح کو ہاتھوں کی مدد سے مکمل کیا گیا یوں کچھ اور ضروری کاموں کے بعد پینل اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر نصب کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسطرح آرائشی سکرپٹنگ (تحریر) قریباً توسیعی عمارت کی تمام دیواروں پر نہایت خوبصورت انداز میں نصب کی گئی۔ یہ تمام آرائشی سکرپٹنگ (Scripting) قریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ کا احاطہ کرتی ہیں۔ انسانی ذہن قرآن کریم کی خطاطی کی ان چار کلومیٹر فاصلہ تک لگائی گئی سکرپٹنگ پر خرچ ہونے والی رقم وقت و محنت اور ہنرمندی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات مقدسہ کی اس خطاطی کو دیکھ کر انسان کی زبان سے سبحان اللہ، اللہ اکبر اور ماشاء اللہ کے الفاظ نکلتے ہیں جنکی آواز مسلمان کے جسم اور روح میں ایک ایسا

Marfat.com

سرور و کیف اور کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جنکو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ خطاطی کی ان آرائشی اسکرٹنگ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیواروں پر نصب کرنے کے بعد اندرونی حصے کا کام کافی حد تک مکمل ہو گیا۔

پیتل شیشہ اور دیگر آرائشی اشیاء کی تنصیب

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کا کام شب و روز جاری تھا 10 جمادی الثانی 1412ھ 1992ء کو مسجد کے چھ مینار تیار ہو چکے تھے۔ شاہ فہد مدینہ منورہ کے سرکاری دورے پر آئے اور انہوں نے مسجد شریفہ کے آخری مینار کے کلس پر اپنے دستخط کئے اور یوں یہ کلس نصب کرنے کے بعد میناروں کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس کے بعد توسیع کا آخری مرحلہ شروع ہوا جس میں مختلف آرائشی اشیاء کی تنصیب، خوشنمائی اور دیگر کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ ان تمام آرائشی اشیاء میں سے اہم ترین اشیاء کی تیاری کے لئے جدہ کے قریب خصوصی فیکٹری لگائی گئی جس میں جدید ترین ٹیکنالوجی کے مطابق مشینیں نصب کی گئیں جنکی مدد سے آرائشی اشیاء کی تیاری کا کام شروع کیا گیا۔ اس فیکٹری میں 1500 ٹن پیتل کی صفائی کا کام مکمل کیا گیا۔ پیتل کی صفائی نہایت عمدہ طریقے سے کی گئی ماہر کاریگروں اور مشینوں کی مدد سے پیداوار میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ اسطرح روزانہ 1490 مختلف آرائشی اشیاء تیار ہونے لگیں جو 12 میناروں کی اساس میں استعمال ہوتی تھیں۔ بعض اقسام کی آرائشی گرلز (جالی دار جھروکے) بھی تیار کی گئیں جن پر انسانی ہاتھوں نے خوبصورت انداز میں پالش کی۔ مذکورہ میناروں کے 2400 اساسی حصے تین مختلف اقسام میں مطلوب تھے۔ ایک سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف یہ 2400 اساسی تین مختلف اقسام کے حصے ہی تیار کر لئے گئے بلکہ گیارہ ہزار چھ سو 11600 جدید آرائشی اور دیدہ زیب لائیٹ فکسچر بھی تیار کرنے کے بعد انکے نصب ہونے والے مقامات پر روانہ کر دیے گئے۔ جنہیں بڑی احتیاط کے ساتھ نصب کر دیا گیا۔ اسلامی فن تعمیر کی روایتی قسم کی رنگین شیشوں سے بنائی گئی 240 کھڑکیاں بھی جدہ کی اسی فیکٹری میں تیار ہوئیں۔ ان شیشوں سے تیار شدہ رنگین کھڑکیوں کی شکل ستارے کی طرح ہے۔ شیشوں سے تیار کی گئی کھڑکیوں کا کام نہایت ہی صبر آزما تھا۔ یہ سب کھڑکیاں ماہر کاریگروں نے سخت محنت کے بعد ہاتھوں سے تیار کی تھیں۔ تین افراد شب و روز محنت کے بعد ایک کھڑکی تیار کرتے تھے۔ کھڑکیوں کی بناوٹ اور ان پر خالص اسلامی طرز کے مطابق رنگین شیشوں کا کیا ہوا کام کاریگروں کے فن کا مصدقہ ثبوت ہے۔ رات کے وقت برقی قمقموں سے نکلنے والی روشنی جب ان رنگین شیشوں پر پڑتی ہے تو ماحول بے حد حسین اور دیدہ زیب ہو جاتا ہے۔ مسجد شریفہ کے وسیع و عریض ہال میں روشنی کی خاطر بہت بڑے بڑے شیشے کے فانوس تیار کئے گئے۔ ان فانوسوں کی تعداد 68 ہے۔ یہ فانوس یا اسلامی طرز کی بنائی ہوئی قندیلیں عمدہ قسم کے شیشے سے تیار شدہ ہیں۔ قندیلوں میں استعمال ہونے والا شیشہ براہیمیا میں نہایت احتیاط اور ہنرمندی سے ہاتھوں کی مدد سے تیار کیا گیا۔ جب شیشہ ہر لحاظ سے تیار ہو گیا تو اسے فانوس کے دیگر اجزاء کے ہمراہ مدینہ منورہ لایا گیا پھر ان تمام اجزاء کو جوڑ

کر نہایت ہی خوبصورت فانوس تیار کیے گئے۔ یہ تمام کے تمام فانوس1412ھ1992ء میں مسجد شریفہ میں انکے مخصوص مقامات پر نصب کر دئے گئے۔ یہ فانوس خالص اسلامی روایات کے مطابق ڈیزائن شدہ میں ان کی اندرونی سطح میں لگائے گئے دیگر تمام آرائشی کام اور چیزیں انکے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہیں۔ برطانیہ کی اول درجے کی سرامک ٹائیل تیار کرنے والی کمپنی سے اسلامی روایتی طرز پر بنائی گئی ٹائلیں منگوا کر انہیں باب فہد کے اوپر لگائے گئے سات گنبدوں میں باہر کی طرف لگایا گیا ہے جو دور سے ہی آنکھوں کو بڑی اچھی لگتی ہے۔

لکڑی کی آرائشی اشیاء

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توسیع کے وقت بھاری تعداد میں عمدہ لکڑی استعمال کی گئی بہت سی لکڑی کی آرائشی اشیاء جدہ میں قائم فیکٹری (کارخانے) میں تیار کی گئیں۔ اس مقصد کے لئے اعلیٰ قسم کی ڈیک کی لکڑی استعمال کی گئی۔ جدہ کی اس فیکٹری میں لکڑی کے ہر قسم کے کام کے لئے جدید مشینری موجود تھی۔ جن پر سینکڑوں ماہر شب و روز لکڑی کی آرائشی چیزیں تیار کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اشیاء پر دستکاری کا کام بھی جاری تھا۔ مسجد کے اندرونی دروازوں پر نہایت ہی دلکش انداز میں خوبصورت نقش و نگار کندہ کئے گئے۔ مسجد شریفہ کے ہر دروازے کو ڈیک کے 1600 ٹکڑے فی کس کے حساب سے تراش کر تیار کیا گیا پھر ان میں سے ہر ٹکڑے کو نہایت احتیاط کے ساتھ بنیادی شکل دی گئی اور ڈیزائن کے مطابق ہر ہر ٹکڑے کو اسکے مقام پر جوڑا گیا۔ تیاری کے تمام مراحل مکمل ہونے کے بعد لکڑی کی ہر چیز کو عمدہ طریقے سے وارنش کی گئی خشک کرنے کے بعد ان لکڑی کے ٹکڑوں میں ٹھوس پیتل نصب کیا گیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدر دروازے کی تیاری کے لئے استعمال ہونے والی ڈیک کی لکڑی سپین کی بندرگاہ بارسلونا پہنچائی گئی۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے دنیا بھر میں سب سے زیادہ لکڑی استعمال ہوئی اسکی وجہ یہ تھی کہ لکڑی کا ہر شہتیر درخت کے نصف تنے کا تھا۔ لیزر کی مدد سے چلنے والی مشینوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ان شہتیروں کو ضرورت کے مطابق کاٹ دیا۔ غیر معمولی گہرے جوڑوں کی کھدائی کے لئے خصوصی چین(Chain) تیار کی گئی۔ دروازوں کے تمام ٹکڑوں کو اسکریوز (پیچ) اور گلیو (سریش) کے بغیر نہایت احتیاط سے رکھ کر مدینہ منورہ روانہ کیا۔ سپین کے دور دراز علاقے سے اس لکڑی کو جوڑے بغیر اس لئے مدینہ منورہ روانہ کیا گیا کہ کہیں راستے میں سفر کے دوران لکڑی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے اور یوں لکڑی جب اپنے مقام پر پہنچ جائے تو ضرورت کے مطابق اسکو جوڑ کر مطلوبہ جگہ پر لگا دیا جائے۔ لکڑی کے ان شاندار خوشنما دروازوں کی خوبصورتی میں مزید اضافے کی غرض سے فرانس کی ایک کارخانہ نقاشی انگریونگ فاؤنڈری(Engraving Foundry) سے ان پر پیتل کے نقش و نگار کندہ کرائے گئے۔ دروازوں کے ڈیزائن(design) روایتی عرب طرز کے ہیں۔ مسجد شریفہ کے دروازوں کے مرکزی ٹکڑوں کو ڈیزائن کے مطابق جوڑ کرفٹ (زیب) کرنے میں کئی مہینوں کا وقت لگا۔ ماہر کاریگروں نے دروازوں کے ان ڈیزائنوں کو

ایسی مہارت اور صفائی سے تیار کیا کہ سنار کی مہارت کا گمان ہوتا ہے۔ جب دروزوں کے تمام ڈیزائن تیار ہو گئے تو آخری مرحلے میں ان پر 23 قیراط سونے کا پانی چڑھایا گیا یہ کام اسقدر مہارت سے سرانجام دیا گیا کہ سونے کے 23 قیراط پانی کی مقدار سے زائد خرچ نہ ہوا۔ اگر اس قدر احتیاط نہ کی جاتی تو سانچوں کی ڈھلائی میں معمولی سانقص بھی سونے کے پانی کو ضرورت سے زائد کرسکتا تھا جو نہ صرف زائد مال کے نقصان کا ہی سبب بنتا بلکہ ایسا ہونے کی صورت میں دروازوں کے نفیس اور عمدہ ڈیزائن ہی میں فرق ہو جاتا۔ دروازوں کے ٹکڑوں کو جوڑنے کا کام نہایت ہی مشکل اور پیچیدہ تھا جسے آخر کار سخت محنت کے بعد مکمل کرلیا گیا۔ مسجد شریفہ کے ہر دروازے کا وزن اڑھائی ٹن ($2\frac{1}{2}$ ٹن) ہے۔ اس قدر وزنی دروازوں کو ایسی مہارت فن اور متوازن انداز سے چوکھٹوں میں لگایا گیا ہے کہ محض ایک انگلی کے اشارے سے آواز نکالے بغیر یہ دروازے بند اور کھولے جاسکتے ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایئر کنڈیشننگ سسٹم

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دنیا کا جدید ترین ایئر کنڈیشننگ نظام موجود ہے۔ شہر مقدس سے باہر پانی کو ٹھنڈار کھنے کے پلانٹ سے مدینہ منورہ اور مسجد شریف کا فاصلہ سات (7) کلومیٹر ہے۔ اس سات کلومیٹر کے فاصلہ کو ایک طویل سرنگ کے ذریعے ملایا گیا ہے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمارت مبارکہ کے ساتھ دنیا کا سب سے بڑا ایئر کول کنڈنسر (Air Cool Condenser) نصب ہے۔ پوری عمارت میں قائم شدہ ایک چیلینگ (Chilling) یونٹ کے ذریعے نہایت ہی ٹھنڈا پانی گردش کرتا رہتا ہے۔ مدینہ منورہ سے سات میل دور لگائے گئے یونٹ سے یہ پانی ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ اس یونٹ کی مدد سے ایک منٹ میں سترہ ہزار (17000) گیلن پانی عمارت مقدسہ کے تہہ خانے میں پہنچتا ہے۔ ٹھنڈا پانی لانے والی یہ طویل سرنگ دوسرے رنگ روڈ اور شہر کے مرکزی حصے کی جانب وادی عتیق کے نیچے سے گزرگاہ انڈر پاس (Underpass) سے ہوتی ہوئی کار پارکنگ اور مسجد شریفہ کے نیچے بنے ہوئے تہہ خانے میں پہنچتی ہے۔ اس ساری مسافت میں ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ سرنگ نہایت ہی احتیاط اور ماہرانہ انداز سے نہایت مضبوط اور دیرپا بنائی گئی ہے۔ ٹھنڈا پانی بہت بڑے بڑے ایئر ہینڈلنگ یونٹوں سے گذرتا ہے۔ جب ہوا ان دیوہیکل ایئر ہینڈلنگ یونٹوں سے گذرتی ہے تو یخ بستہ پانی اس ہوا کو سرد کر دیتا ہے پھر یہ ٹھنڈی ہوا انسولیٹنگ ڈکٹنگ کے نیٹ ورک سے گزرتی ہے جنہیں مسجد شریفہ کے مختلف مقامات پر ستونوں میں بنی ہوئی ڈکٹ کے ذریعے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اسطرح یہ ٹھنڈی ہوا شدید ترین گرمی میں مسجد شریفہ کے ہال کو فرحت بخش انداز میں ٹھنڈا رکھتی ہے۔ ہال کی چھت میں بنائے گئے سرکنے والے گنبدوں کا نظام اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ یہ نظام ایئر کنڈیشننگ کے نظام سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ ان 26 گنبدوں کو مسجد مبارکہ کے درجہ حرارت کو ایک سطح پر رکھنے کی غرض سے کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہلی سعودی توسیع کے وقت ہوا اور روشنی کے لئے جو صحن کھلے چھوڑے گئے تھے وہ اتنے بڑے تھے کہ انکو سرکنے والے گنبدوں سے ڈھانکنا ممکن نہ تھا۔ ان بڑے صحنوں کو ڈھانکنا اس لئے ضروری تھا تاکہ نمازیوں کو گرمی کی تپش سے محفوظ رکھا جاسکے اور دوسرا ایئر کنڈیشننگ سسٹم سے حاصل ہونے والی ٹھنڈی ہوا سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ کیونکہ اگر یہ صحن کھلے ہی رہتے تو درجہ حرارت کو کنٹرول رکھنا ممکن ہی نہ رہتا۔ اس مسئلہ کا حل ان وسیع صحنوں پر چھ میکانائزڈ (میکانکی) چھتریاں نصب کر کے کیا گیا۔ اتنے بڑے پیمانے پر ایسی چھتریوں کا استعمال پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ ان چھ چھتریوں کے ستون اندرونی ساخت کے بنائے گئے جنہیں نہایت مہارت سے ایئر کنڈیشننگ نظام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ ان ستونوں پر سنگ مرمر لگا کر نئی عمارت مقدسہ کے ستونوں کی طرح پیتل کی آرائشی اشیاء سے مزین کیا گیا ہے۔ ان چھ چھتریوں کو کھولنے اور بند کرنے کے لئے ایک طاقت ور جدید ہائیڈرالک پمپ لگایا گیا ہے جسکا سارا نظام تہہ خانہ میں نصب ہے۔ یہ سسٹم ایک نہایت ہی پائیدار خصوصی دھات کے فریم اور مضبوط ترین مائیکرو پولس کے کپڑے سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کپڑا نہ صرف ہر قسم کے موسم میں محفوظ رہنے کی خوبی کا حاصل ہے بلکہ خاص طور پر سورج کی تپش کو کم کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ ہر چھتری کا بالائی حفاظتی خول یعنی آرمیچر قریباً 300 مربع میٹر (تین سو مربع میٹر) کے رقبہ کو سایہ فراہم کرتا ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعودی تعمیر و توسیع مکمل ہونے میں سات سال کا عرصہ صرف ہوا۔ توسیع مکمل ہونے کے بعد اب مسجد مبارکہ کے گراؤنڈ فلور یعنی سطح زمین کی منزل میں ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار (167000) نمازی ایک وقت میں سما سکتے ہیں جبکہ چھت پر نوے ہزار (90000) مزید نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ صحن مسجد مبارکہ سے متحرک سیڑھیوں جنہیں Escalator کہا جاتا ہے کی مدد سے نمازی آسانی کے ساتھ چھت پر پہنچ سکتے ہیں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر چھت اور ارد گرد باہر کھلے صحنوں میں رمضان المبارک اور ایام حج کے دوران ایک وقت میں تقریباً سات لاکھ نمازی فریضہ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے اندر جدید ترین طاقت ور ساؤنڈ سسٹم لگایا گیا ہے جو پورے مدینہ منورہ میں آسانی سے اذان اور نماز کی قراۃ (ریلے) نشر کرتا ہے۔

مسجد مختلف ادوار میں جس قدر توسیع ہوئی

1. سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اقدس میں مسجد نبوی کا کل رقبہ 2475 مربع میٹر تھا۔
2. سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 1105 مربع میٹر اضافہ ہوا۔
3. سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 496 مربع میٹر اضافہ ہوا۔
4. ولید بن عبدالملک اموی کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 2369 مربع میٹر اضافہ ہوا۔
5. خلیفہ مہدی عباسی کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 2450 مربع میٹر اضافہ ہوا۔

Marfat.com

6. ملک اشرف قاتبائی کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 120 مربع میٹر اضافہ ہوا۔
7. سلطان عبدالمجید کے دور میں مسجد نبوی کے رقبہ میں 1293 مربع میٹر اضافہ ہوا۔
8. سعودی حکومت کے دور میں مسجد نبوی کا کل رقبہ 16327 مربع میٹر تھا۔ جس میں مزید توسیع جاری ہے۔
9. شاہ فہد کی زیر سرپرستی سات سال کے عرصہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توسیع کا جو کام مکمل ہوا اس سے مسجد مبارکہ کے پہلے کل رقبہ 16327 مربع میٹر میں پانچ گنا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے یوں کل رقبہ تقریباً 81635=5x16327 مربع میٹر بنتا ہے۔ توسیع کے بعد کل موجودہ رقبہ 98500 مربع میٹر کے برابر ہے۔

مسجد نبوی کے دروازے

مسجد نبوی شریف کے تعمیر کے ابتدائی مراحل سے لے کر آج تک جتنے دروازے تھے اور ہیں ان کا مختصراً حال تحریر کیا جا رہا ہے تا کہ مدینہ منورہ کی تاریخ کا یہ پہلو بھی تشنہ تکمیل نہ رہے۔

اول دروازہ

یہ دروازہ مروان کے گھر کی جانب تھا اور اس دروازے سے صرف امراء ہی مسجد میں داخل ہو سکتے تھے۔

دوم دروازہ

یہ دروازہ قبلہ شریف کی طرف تھا۔ جسے باب زیت التصادیل کہتے ہیں۔

سوم دروازہ

یہ دروازہ قبلہ شریف کی بائیں جانب تھا۔

چہارم دروازہ

خوخہ آل عمران کے نام سے مشہور تھا۔

پنجم دروازہ

یہ دروازہ اسماء بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے سامنے کھلتا تھا۔

Marfat.com

ششم دروازہ

یہ دروازہ سیدنا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے کھلتا تھا۔

ہفتم دروازہ

مناصع سٹریٹ (گلی) اس دروازے کے سامنے تھی۔

ہشتم دروازہ

یہ دروازہ الصورتی کے گھروں کے سامنے کھلتا تھا۔

نہم دروازہ

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی اس دروازے کے سامنے تھی۔

دہم دروازہ

یہ دروازہ حویلی حمید بن عبدالرحمٰن کے محاذ میں تھا۔

گیارھواں دروازہ

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین کی آزاد کردہ لونڈی کا مکان اس دروازے کے سامنے تھا۔

بارھواں دروازہ

یہ دروازہ خالصہ کے مکان کے سامنے تھا۔

تیرھواں دروازہ

مستیزہ مولاۃ ام موسی (غلام ام موسیٰ) کی حویلی کے سامنے کھلتا تھا۔

چودھواں دروازہ

اس دروازے کا رخ بھی مولاۃ (غلام ام موسیٰ) کی حویلی کے سامنے تھا۔

پندرھواں دروازہ

یہ دروازہ نصیر صاحب المصلی کے مکان کے محاذ میں کھلتا تھا۔

سولہواں دروازہ

جعفر بن خلد بن برکی کے مکان کے سامنے کھلتا تھا۔

سترھواں دروازہ

یہ دروازہ عاتکہ بنت عبداللہ کے گھر کے سامنے تھا۔ یہ دروازہ باب عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کہلاتا تھا۔ مگر اس دروازے کا مشہور نام باب الرحمتہ ہے جو اب بھی موجود ہے۔ اس دروازے کو باب الرحمت اس لئے کہا جاتا ہے کہ سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعہ کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے کہ ایک شخص اسی دروازے سے مسجد نبوی میں داخل ہوا اور فخر کونین رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی اور دعا کے لئے درخواست کی۔ حضور علیہ السلام نے درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے دعا فرمائی دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر کالی گھٹا چھا گئی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے کتب احادیث سے مراجعت کی جاسکتی ہے)۔ اس لئے دروازے کو باب رحمت کہا جانے لگا اور ہمیشہ یہی نام زندہ رہے گا۔

اٹھارھواں دروازہ

یہ دروازہ باب زیاد کے نام سے مشہور تھا اور باب الرحمت اور خوخہ الصدیق کے درمیان واقع ہے۔

انیسواں دروازہ

یہ دروازہ الخوختہ الجمعو لہ کے نام سے مشہور تھا۔

بیسواں دروازہ

باب مروان کے نام سے مشہور تھا کیونکہ یہ دروازہ مروان کے گھر کے سامنے کھلتا تھا۔

خلاصتہ الوفا۔ صفحہ۔239 تا 244

مسجد نبوی کے دروازوں کی تعداد و نام

اوپر مسجد نبوی کے سابقہ دروازوں کی تعداد نام اور مختصراً حالات بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔
یہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینۂ حرم میں تحریر کیے گئے دروازوں کے نام اور ان کی تعداد کا ذکر کر رہا ہوں جنکی تعداد دس ہے۔

1. مشرق کی جانب باب جبریل ہے۔(مشرقی دیوار گنبد خضریٰ سے متصل۔اوپر سورۃ التحریم آیت 4 جزوی تحریر ہے)
2. باب نساء(حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عورتوں کے لیے قائم کردہ خصوصی باب۔اوپر سورۃ احزاب آیت 33 تحریر ہے)
3. باب عبدالعزیز(مشرقی دیوار کا تیسرا دروازہ حکومت سعودیہ کا اضافہ کردہ ہے)
4. باب السلام، بطرف مغرب(حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قائم کردہ ہے)
5. باب الصدیق (یہ وسیع دروازہ عہد اولیٰ کے بیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے بنایا گیا ہے)
6. باب الرحمتہ(مغربی سمت میں ہے۔سورۃ الزمر آیت 53 اور آیت 54 سورۃ انعام سے مزین)
7. باب سعود(باب السعودی حکومت سعودی عرب کا قائم کردہ ہے)
8. باب عمر، بطرف شمال (حکومت سعودیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناسبت سے بنوایا ہے)
9. باب عثمان(حکومت سعودیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناسبت سے بنوایا ہے)
10. باب مجیدی(شمالی دیوار کا دوسرا دروازہ باب سلطان عبدالمجید کا قائم کردہ وسط مسجد میں واقع ہے)

باب سعد بن معاذ

باب السیدہ کلثوم

باب الزبیر بن العوام

باب الخلیفہ عثمان بن عفان

مسجد نبوی

باب الخلیفہ عمر بن خطاب

باب حمزہ بن عبد المطلب

باب السیدہ زینب

قبلہ

شمال
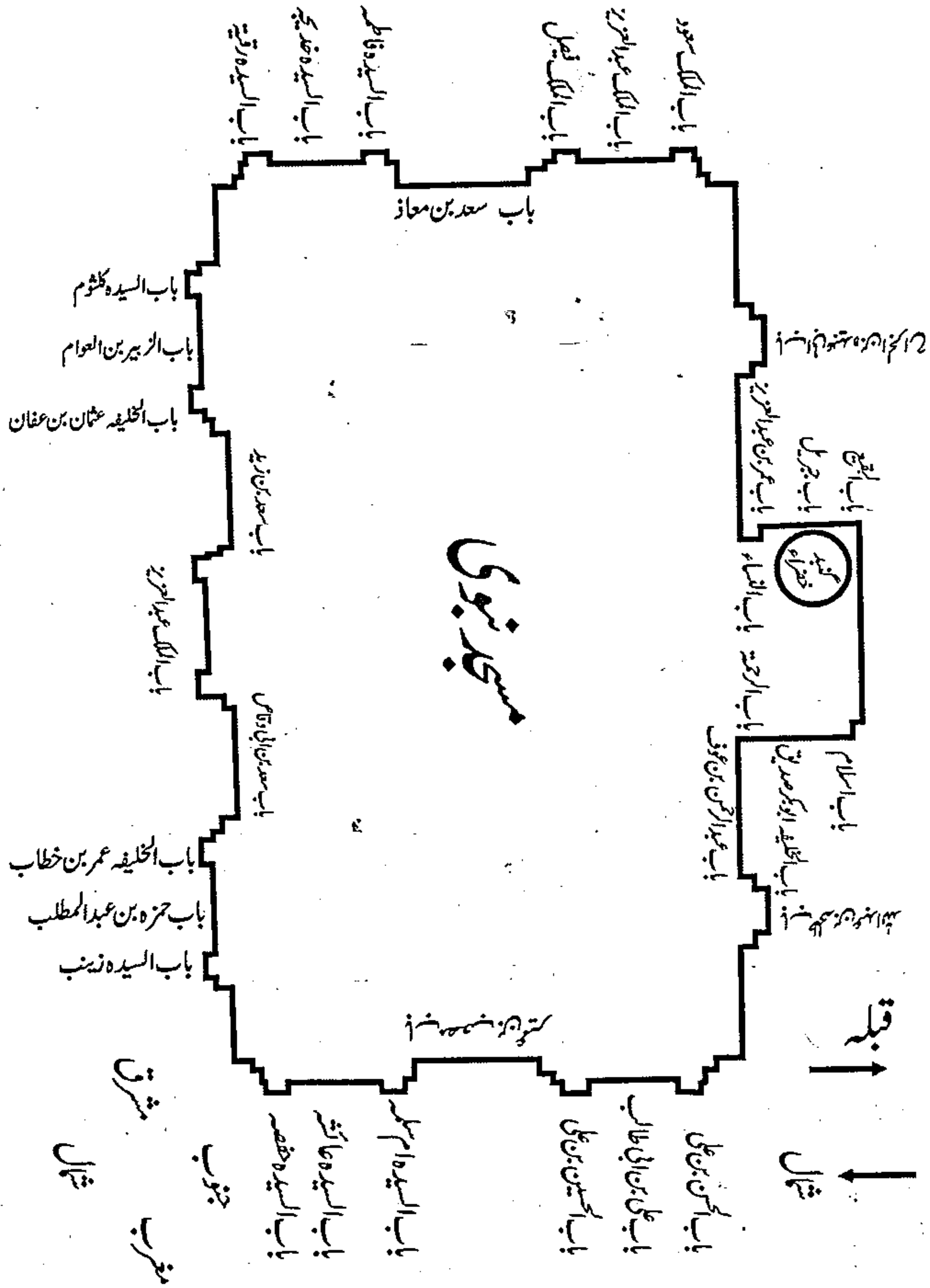
مسجد نبوی کے دروازوں کا ایک نقشہ

مسجد نبوی کے موجودہ دروازوں کی تعداد اور نام
قبلہ یعنی جنوب کی طرف کے باب

1. باب بقیع
2. باب جبریل علیہ السلام
3. باب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4. باب ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

5. باب النساء
6. باب الرحمۃ
7. باب السلام
8. باب الخلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9. باب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10. باب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

باب بطرف شمال

11. باب السیدہ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
12. باب الزبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
13. باب الخلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
14. باب سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
15. باب الملک عبدالعزیز
16. باب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
17. باب الخلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
18. باب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
19. باب السیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

باب بطرف مغرب

20. باب الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
21. باب الخلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
22. باب الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
23. باب مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
24. باب السیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
25. باب السیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
26. باب السیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

Marfat.com

باب بطرف مشرق

27. باب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
28. باب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
29. باب السیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
30. باب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
31. باب الملک سعود
32. باب الملک عبدالعزیز
33. باب الملک فیصل

نقشہ ستون

(ستونوں کا نقشہ)
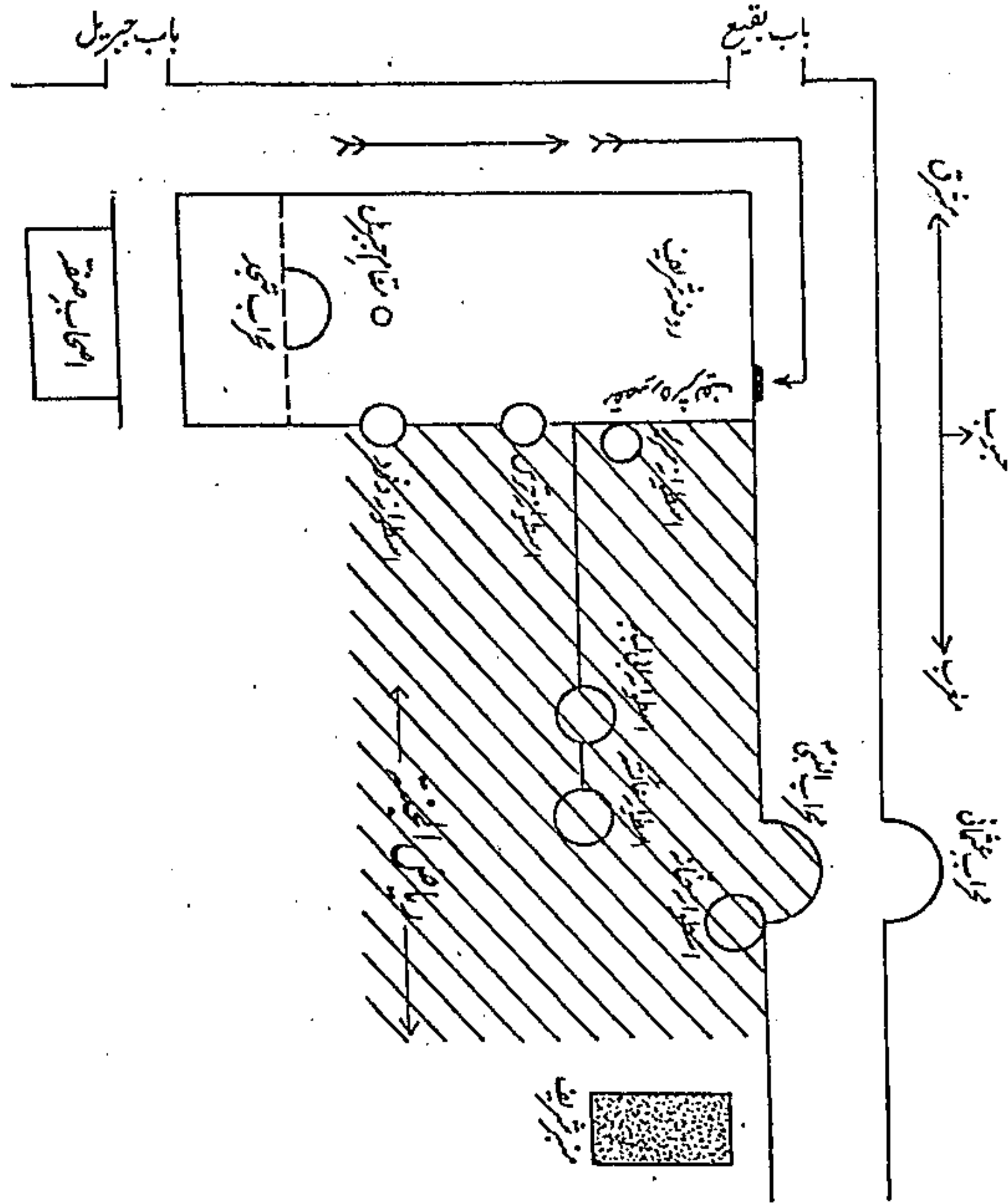
ستون حنانہ

یہ محراب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ستون کے پاس کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہیں وہ کھجور کا درخت دفن ہے جو لکڑی کا منبر بن جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں بچوں کی طرح رویا تھا۔

ستون عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری مسجد میں ایک ایسی جگہ ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہوجائے تو وہ قرعہ اندازی کرنے لگیں" (طبرانی) اس جگہ کی نشاندہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمائی تھی۔ اب وہاں ستون عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنا دیا گیا ہے۔

ستون ابولبابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ایک صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصور اس جگہ معاف ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔

ستون وفود

اس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔

ستون سریر

اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے اور رات کو یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بستر بچھا دیا جاتا تھا۔

ستون حرس

اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ بیٹھ کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ اس کو ستون علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں۔

ستون تہجد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

یہ تمام ستون اس حصہ مسجد میں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی۔ ان کے پاس جا کر دعا استغفار کیجئے اور جب بھی موقع ملے ان کے پاس سنن ونوافل ادا کیجیے۔ یہ وہ متبرک مقامات ہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم پڑ چکی ہے۔

اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

صفہ، سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہا جاتا ہے۔ قدیم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمال مشرقی کنارے، مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا۔ یہ جگہ اس وقت باب جبریل علیہ السلام سے اندر داخل ہوتے وقت مقصورہ شریف کے شمال میں محراب تہجد کے بالکل سامنے 2 فٹ اونچے پیتل کے کٹہرے میں گھری ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی 40x40 فٹ ہے۔ اس کے سامنے خدام بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر آپ یہاں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا چاہیں تو مشکل ہی سے جگہ مل سکے گی۔

یہاں وہ مسلمان رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا، نہ ہی بیوی بچے اور نہ ہی کوئی اور یہ "اہل صفہ" کہلاتے تھے اور اس جگہ کو "صفہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین کی تعلیم حاصل کرتے اور وقتاً فوقتاً تبلیغ اسلام کے لیے دوسرے مقامات پر جاتے رہتے تھے۔ یوں تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی زندگی بہت زیادہ سادہ تھی مگر اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی زندگیوں میں اور بھی فقر وسادگی اور دنیاوی چیزوں سے بے نیازی اور بے تعلقی پائی جاتی تھی۔ یہ لوگ دن رات تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کے حصول کی خاطر فیضان مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہونے کے لیے خدمت اقدس علیہ السلام میں حاضر رہتے تھے نہ انہیں تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار، ان حضرات نے اپنی آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار، کانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات اور جسم وجان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ یہ لوگ دین کی دولت سے مالا مال تھے مگر دنیاوی زندگی میں افلاس ونا داری کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے ستر (70) اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو دیکھا جن کے پاس چادر تک نہیں تھی صرف تہ بند تھا یا فقط کمبل۔ چادر کو گلے میں اس طرح باندھ کر لٹکا لیتے کہ وہ پنڈلیوں تک اور بعض کے ٹخنوں کے قریب پہنچ جاتی تھی اور ہاتھ سے اسے تھامے رکھتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے"

بخاری شریف جلد اول صفحہ 63

گنبد خضراء

روضۂ اقدس کے اوپر گنبد خضراء ہے جس کی زیارت کرنے کی سعادت ہر مسلمان کے دل کی تمنا اور آرزو

ہے۔صالحی عہد میں سب سے پہلے 678 ہجری میں الملک المنصو رقلاون نے روضۂ اقدس پر ایک گنبد بنایا تھا جو نیچے سے مربع اور اوپر سے آٹھ گوشوں کا تھا جو لکڑی کے تختے اور سیسے کی پلیٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔886 ہجری میں الملک اشرف قائتبائی نے سنقر جمالی کو مسجد کی تعمیر اور مرمت کے خدمت پر مامور کیا اس تعمیر کے وقت گنبد کا رنگ سفید تھا جسے ''قبۃ البیضاء'' کہا جاتا تھا۔887 ہجری (1487 عیسوی) میں سلطان قائتبائی نے روضۂ اقدس میں پیتل کی نہایت خوبصورت جالیاں بنوائیں اور اس میں باب الرحمت قبلہ کی جانب روضۂ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ایک جھروکہ، باب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور باب التہجد بھی بنوائے لیکن کچے فرش کو تبرکاً اسی طرح رہنے دیا۔دسویں ہجری کے وسط میں سلطان سلیمان رومی نے روضۂ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرش سنگ مرمر کا بنوایا جو آج تک موجود ہے۔ روضۂ اقدس (مقصورہ شریف) کا طول 16 میٹر (تقریباً 52 فٹ) اور عرض 15 میٹر (تقریباً 49 فٹ) ہے چاروں گوشوں میں سنگ مرمر کے بڑے ستون ہیں جن کی بلندی چھت تک ہے 980 ہجری (1572 عیسوی) میں سلطان سلیم ثانی روضۂ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قابل رشک گنبد بنوایا جسے رنگین پتھروں اور زرد وزی سے مزین کیا گیا۔1233 ہجری (1817 عیسوی) میں سلطان محمود بن عبدالحمید خاں ثانی (1233 ہجری تا 1255 ہجری) نے گنبد نبوی (علیہ السلام) کو از سر نو تعمیر کرایا پہلے گنبد کا رنگ سفید تھا مگر 1255 ہجری (1839 عیسوی) میں اس گنبد پر سبز رنگ کرایا گیا اور جب ہی سے اسے گنبد خضراء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہی وہ ''گنبد خضراء'' ہے جسے عاشقان سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خوابوں میں دیکھتے ہیں اور قسمت والے وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو اسکی تجلیاں ان کے دلوں میں نور، ان کی آنکھوں میں ایمان کی روشنی اور ان کی روح میں سرور پیدا کردیتی ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے

مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوچکی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسجد نبوی کے ملحق (ساتھ جوڑے ہوئے) دو حجرے ازواج مطہرات کے لئے تعمیر کئے گئے۔اس وقت آپ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں ان میں سے بھی ایک یعنی سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے چند ماہ بعد ہوئی۔ازواج مطہرات کے یہ حجرے مسجد کے مشرق میں واقع تھے۔بعد میں ان حجروں کی تعداد ازواج مطہرات کی تعداد کی مناسبت سے نو (9) ہوگئی۔یہ تمام حجرے ایک ہی وقت میں تعمیر نہیں ہوئے بلکہ ہر زوجہ کے تشریف لانے کے بعد ہی نیا مکان تعمیر کیا جاتا تھا۔یہ تمام حجرے ایک دوسرے کے ساتھ متصل تھے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقررہ باری کے اعتبار سے انہی حجروں میں رہائش پذیر رہے۔یہی حجرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے طفیل رہائشی دنیا میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔اسلام میں مذہب اور

سیاست الگ الگ چیزیں نہیں۔ آج کا جدید انسان اور وہ بھی خاص طور پر سیاستدان اسلام اور سیاست کو الگ الگ ثابت کرنے کے چکر میں اسلامی طرز زندگی اور حقائق حکمرانی کو اپنی ذاتی لالچ کی وجہ سے مسخ کرنے کی کوشش میں شب و روز مصروف ہے۔ مگر کامیاب نہیں ہوسکتے کیونکہ جیت ہمیشہ حق و سچ کی ہی ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام اول المسلمین حاکم، منتظم اعلیٰ اور رسول خدا ہونے کی حیثیت سے انہیں حجروں میں مقیم رہے۔ مسجد اہل اسلام کا عبادت خانہ اور پوری اسلامی دنیا کی معاشرت اور سیاسی زندگی کا مرکز و محور تھی اس طرح مسجد کو دارالامارت کی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام دارالامارت کے متصل رہائش پذیر تھے۔ تاکہ تمام انتظامی سیاسی اور مذہبی امور سلجھانے کے لئے حاکم قوم یعنی سربراہ مملکت ہر وقت موقع پر ہی موجود رہے۔ اس طرح حجرات ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعہا کو ایوان صدر کی حیثیت حاصل تھی۔ تاکہ مسلمان حکمران ہر وقت یا تو مسجد میں تشریف فرما ہو یا پھر مسجد کے متصل گھر میں تاکہ قوم ملت کے ہر معاملہ کو احسن طریقے سے نپٹایا جاسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے جانشین سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ اسلام کی مسند پر فائز ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا دومنزلہ مکان جو کہ سخ میں تھا اسے چھوڑ کر انہی حجرات میں مستقل طور پر منتقل ہوگئے۔ اسی طرح خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذاتی جائے سکونت جو کہ محلّہ امیہ بن زید میں تھی چھوڑ کر انہی حجرات میں منتقل ہوئے۔ پھر خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا شاندار مکان جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازار میں واقع تھا چھوڑ کر مسجد کے نزدیک مکانات میں منتقل ہوئے اور اسی جگہ ان کی شہادت ہوئی۔ غرض یہ تمام سربراہان مملکت اپنے اپنے ذاتی مکانات چھوڑ کر امور حکومت چلانے اور عوام الناس کی بروقت دادرسی اور بھلائی کے لئے مسجد کے نزدیک مکانات میں مستقل رہائش پذیر رہے۔

سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کو جس عمدہ طریقے سے آباد فرما کر مسجد سے متصل حجروں میں زندگی مبارکہ بسر فرمائی اس کی مثال کرہ ارض پر نہ پہلے تھی اور نہ ہی قیامت تک پیش کی جاسکے گی۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ بعد میں اس آبادی کی طرز پر کوفہ، بصرہ اور فسطاط کی نو آبادیاں بنائی گئیں۔ اصل اور اصل کی طرز پر کام کرنے یا آبادکاری میں کیا فرق ہوتا ہے کسی تشریح کا مرہون منت نہیں یہ وہ خانہ خدا اور اسلامی ایوان صدر تھا جہاں فخر کونین ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ سال رہائش پذیر رہے اور خاص طور پر آخری تین سالوں میں اسی محل میں رہتے ہوئے پورے جزیرے العرب پر حکمرانی فرماتے رہے یہاں چلتے چلتے قصر رسالت کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کر رہا ہوں تاکہ دنیا اندازہ لگاسکے کہ کائنات کے مالک محبوب خدا کیسی جگہ تشریف فرما ہوتے ہوئے پوری کائنات کے اس دنیاوی نظام کو کنٹرول یعنی انتظام فرماتے رہے اور اپنے غلاموں کو جہاں بانی کی تربیت دیتے رہے۔ قصر رسالت کی تعمیر کا نقشہ کچھ یوں تھا۔

حجرات اور طرز تعمیر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجرات کی تعمیر جس انداز میں فرمائی اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ تمام کے تمام حجرے کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ گو اس زمانے میں مدینہ منورہ میں پتھروں کی مدد سے تیار شدہ مکانات بھی موجود تھے مگر حضور علیہ السلام نے حجرات کی تعمیر نہایت ہی سادہ اور مختصر فرمائی۔ ابتدا میں اہل اسلام اس پوزیشن یعنی صورت حالات میں نہ تھے کہ مکانوں کی تعمیر پر کثیر دولت خرچ کرتے مگر بعد میں جب ہر سو اسلام کا طوطی بولتا تھا پھر بھی ان مکانوں کی تعمیر میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ ہر مکان ایک ڈیوڑھی اور ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ جس کے چاروں طرف ایک مختصر چار دیواری ہوتی۔ اس طرح مکان کا کمرے سے لے کر دروازے تک عرض صرف چھ سات ہاتھ تھا۔ مکان کے سامنے اہل خانہ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترہ بھی تھا۔ اندر سے ہر کمرہ تقریباً دس ہاتھ چوڑا اور سات آٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ یعنی یہ لمبائی چوڑائی فٹوں کے اعتبار سے تقریباً $15\times10\frac{1}{2}$ (پندرہ x ساڑھے دس) فٹ کے قریب تھی۔ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا صرف ایک دروازہ تھا اور یہ حجرہ قبلہ رخ تھا۔ دروازے کا کواڑ ساگوان کی لکڑی سے تیار کیا گیا تھا جو کہ تقریباً 3x3 تھا۔

حجروں کی چھتیں اس قدر نیچی بنی ہوئی تھیں کہ آدمی کا ہاتھ آسانی سے ان چھتوں تک پہنچ جاتا تھا۔ ممکن ہے ان حجروں کو ہی سامنے رکھتے ہوئے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمان جاری فرمایا تھا کہ اپنے مکانوں کی چھتیں اونچی نہ رکھا کریں۔ ابتدائی ایام میں ان مکانات کے دروازے مسجد نبوی کے اندر کھلتے تھے جو بعد میں بند کر دیئے گئے صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ شریف سے کھلنے والی چھوٹی کھڑکی جو کہ صحن مسجد کی طرف تھی بند نہ کی گئی اور حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات مبارکہ تک اسی حالت میں رہی۔ ہر سال ان حجروں کی چھتوں پر لپائی کی جاتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دست حق پرست سے چھت کی مرمت اور لپائی فرمایا کرتے تھے بسا اوقات کوئی صحابی آپ علیہ السلام کا ہاتھ بٹا لیتا۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ کی وہ عظیم ذات جس نے اپنے محبوب علیہ السلام کو تمام جہانوں کے اختیارات اور حقوق ملکیت عطا فرما کر اس دنیا میں بھیجا وہ حبیب علیہ السلام تمام کام اپنے مبارک ہاتھوں سے سرانجام فرمایا کرتے جو عین تعلیمات اسلامی کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ قناعت اور سادگی کا عملی نمونہ تھے۔ حضور علیہ السلام کا ایسا کرنا اصل میں امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ پھر حضور علیہ السلام کا یہ عمل مبارک عین قرآن کریم کے حکم کے مطابق تھا۔ سورۃ الفجر اور سورۃ الحجر میں اللہ کریم نے واضح الفاظ میں عظیم الشان عمارات تعمیر کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ البتہ اشد ضرورت کے تحت اگر ایسی عمارت تعمیر کر لی جائے تو جائز ہے۔ جسکا حدیث شریف میں ذکر موجود ہے۔ مسجد نبوی اور حجرات کی تعمیر کا کام تقریباً ایک سال کے عرصہ میں مکمل ہو گیا تھا۔ یعنی ماہ ربیع الاول انگریزی ماہ اکتوبر میں کام شروع ہوا اور یوں ہجرت کے دوسرے سال ماہ ستمبر میں مکمل ہو گیا تھا۔ سادگی،

قناعت پسندی اور اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر عملی ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی حجرات میں زندگی بسر فرماتے رہے جبکہ طاقت وثروت کا یہ حال تھا کہ قیصر وکسریٰ جیسی عظیم الشان حکومتیں حضور علیہ السلام کی ٹھوکروں میں تھیں۔ اگر چاہتے تو ایسی عمدہ، عظیم اور رفیع الشان عمارات تعمیر فرما سکتے تھے جنکی مثال کرہ ارض پہ نہ ملتی۔ مگر ہمارے آقا ومولی حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سادگی اور قناعت پسندی کو ہی اختیار فرمایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی سادہ اور قناعت پر مبنی سنت مقدسہ پر عمل فرمایا اور دنیا پر حکمرانی کی۔ اگر آج بھی مسلمان اس سنت مقدسہ پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ان کو وہی شان وشوکت اور عظمت ورفعت حاصل ہوسکتی ہے جو قرون اولیٰ میں اہل حق کو حاصل تھی۔ غیر مسلموں کی نقالی کرتے ہوئے آج مسلمان ذلیل ورسوا صرف اور صرف اس لئے ہو رہے ہیں کہ سنت مقدسہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ دعا ہے اللہ کریم اپنے محبوب علیہ السلام کے صدقے ہم سب مسلمانوں کو سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ازامام بخاری باب ادب المفرد۔ صفحہ۔ 212 تا 234۔
صحیح مسلم شریف، باب طہارت واعتکاف
ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعت
ابی داود باب، طہارت
نسائی باب الاذان
ترمذی شریف
تاریخ طبری
موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ الجامع وغیرہ

دار الخلافہ کی تعمیر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اس حکم کے مطابق ہجرت کرنا فرض ہوگیا۔ چنانچہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہجرت کر کے آنے والوں کا سیلاب اُمڈ آیا اس طرح مہاجرین کی تعداد مقامی باشندوں سے بھی کئی گنا بڑھ گئی۔ جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی علاقے میں مہاجرین کی تعداد بڑھ جائے تو مقامی آبادی زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ مدینہ منورہ میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا مگر قربان جائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فہم وفراست اور منصوبہ بندی کے کہ نہ تو مہاجروں کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور نہ ہی مقامی آبادی کے امن وسکون میں کوئی فرق آیا۔ یہ بات نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ مؤرخین تاریخ نے حضور علیہ السلام کے اس نو آبادکاری کے منصوبہ پر بہت کم توجہ دی

ہے۔میں یہاں رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم منصوبہ نوآبادی کاری کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کررہا ہوں تاکہ آج کا جدید نوآبادکاری کا ماہر اس منصوبہ پر غور کرے اور اسے علم ہو جائے کہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہوئے خود کو لاثانی خیال کرتا ہے اس کی اصل بنیاد تو حضور علیہ السلام نے رکھی تھی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نوآبادی کا جو جامع منصوبہ تیار فرمایا تھا اس کی جزئیات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے نوآبادی اور شہری منصوبہ بندی کا جو عمل فرمایا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہ پہلے موجود تھی اور نہ ہی ایسی مثال پھر کبھی مل سکے گی۔گویا اس طرح حضور علیہ السلام نے اس میدان میں انقلاب عظیم برپا فرمادیا۔آج کے اس دور جدید میں جبکہ ہر قسم کی سہولتیں اور تمام مادی وسائل وافر مقدار میں موجود ہیں انسان شب وروز طرح طرح کے مسائل کا شکار ہے مگر حضور علیہ السلام نے محدود ظاہری وسائل کے باوجود مہاجرین کو جس انداز سے آباد کیا وہ معجزہ ہی تھا۔نہایت ہی غور کا مقام ہے کہ مہاجرین جو مدینہ منورہ میں ہر روز کثیر تعداد میں آباد ہو رہے تھے ان سب کا کسی ایک ہی نسل،طبقہ،علاقہ اور تمدن سے تعلق نہ تھا۔بلکہ وہ لوگ الگ الگ نسلوں،طبقوں،علاقوں،معاشروں اور معاشرتوں سے تعلق رکھتے تھے ان سب کو جس احسن طریقے سے مدینہ منورہ میں آباد کیا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ان لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ فرمادیا کہ انہیں غریب الوطنی اور بیگانہ پن کا احساس تک نہ ہوا۔سب کے سب شیر وشکر ہو گئے ان کی مثال یک جان دو قالب کی تھی۔پھر سب سے بڑی خوبی اور کمال کی بات یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے ماحول میں کسی قسم کی کوئی خرابی، بدامنی، بےچینی، قانون شکنی اور اخلاق بےراہروی پیدا نہ ہوئی۔جبکہ عام طور پر حقیقت حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم کارنامے کو عمرانیات کے ماہر کہلانے والے حضرات اگر مشعل راہ بنا کر اس پر عمل کریں تو پوری دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔موجودہ ترقی یافتہ دور میں شہروں پر آبادی کا زبردست دباؤ ہے جس کے نتیجہ میں عوام تمدنی،سیاسی،مذہبی اور اخلاقی مسائل کا شکار ہو چکے ہیں اگر شہری منصوبہ بندی کے ماہرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو پر عمل کریں تو قلیل وقت میں ہی ان تمام مسائل سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شہری منصوبہ بندی اس انداز سے ہونی چاہیے کہ لوگوں کو صحت مند تمدن اور عمدہ ماحول میسر آئے۔جہاں لوگ جسمانی لذت،روحانی پاکیزگی اور سکون قلب حاصل کرسکیں۔کیونکہ یہی وہ عوامل ہیں جن کی موجودگی میں انسانی اقدار اور تہذیب وتمدن اپنی تمام قوتوں کے ساتھ نشوونما پاتی ہیں۔حضور علیہ السلام نے یہ سب کچھ عملی طور پر کر کے قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے لاجواب عملی مثال پیش فرمادی جس پر عمل کرنے سے بنی نوع انسان حقیقی معنوں میں انسانیت کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جوف (درمیان) شہر میں دارالخلافہ کی تعمیر کے لئے نہایت ہی موزوں جگہ کا انتخاب فرمایا تھا۔اس جگہ پہلے مسجد نبوی تعمیر کی گئی اور پھر ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعہا کے حجرے بنائے گئے اس طرح تعمیر کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا۔تعمیر کے

Marfat.com

دوسرے مرحلے میں مہاجرین کو آباد کیا گیا۔ ان کی آباد کاری کے لئے اقامت گاہیں تعمیر کی گئیں اس سارے کام میں ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔ مہاجرین کی رہائش کے لئے تیار کی جانے والی اقامت گاہوں کی تعمیر میں نہ صرف مہاجرین نے ہی حصہ لیا بلکہ انصار بھی ان کے دوش بدوش اس کام میں جوش وولولے کے ساتھ شریک رہے۔ تعمیر کا پہلا مرحلہ تو چند ہفتوں میں ہی مکمل ہو گیا تھا کیونکہ اس ابتدائی مرحلے میں تو مسجد نبوی کی مختصر عمارت اور صرف دو حجروں کی تعمیر ہی ہوئی۔ سال کے باقی حصہ میں مہاجرین کی آباد کاری کے منصوبے پر کام ہوتا رہا اور یوں ایک سال کے قلیل عرصہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصوبہ کے مطابق تمام مہاجرین اپنی اپنی نو تعمیر شدہ اقامت گاہوں میں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔

صحیح بخاری ابواب ہجرت اور تاریخ طبری و سیرت ابن ہشام وغیرہ۔

امراءِ مدینہ

ذیل کے صفحات میں ہم امراءِ مدینہ کی فہرست دور رسالت سے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

نمبر شمار	مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکمران	تاریخ حکمرانی	مدت حکمرانی	جس دور میں حکمران رہے
1.	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	1ھ تا 11ھ	11 سال	دور رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
2.	سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	11ھ تا 13ھ	قریباً $2\frac{1}{2}$ سال	دور صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3.	سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	13ھ تا 23ھ	قریباً 10 سال	دور فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4.	سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	23ھ تا 35ھ	12 سال	دور عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5.	سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	35ھ تا 40ھ	قریباً $2\frac{1}{2}$ سال	دور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
6.	حضرت ابو ایوب انصاری، خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	37ھ تا 40ھ	4 سال	دور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

7.	حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	35ھ تا 37ھ	3 سال	دور سیدنا حضرت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8.	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	40ھ تا 40ھ	قریباً 1 سال	دور سیدنا حضرت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9.	مروان بن حکم	40ھ تا 41ھ	ایک سال	دور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10.	سعید ابن العاص بن سعید عمر بن عبد العزیز	41ھ تا 56ھ	15 سال	دور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
11.	مروان بن حکم دوسری دفعہ	56ھ تا 56ھ	ایک سال	دور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
12.	الولید بن عتبہ بن ابی سفیان	57ھ تا 60ھ	4 سال	دور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
13.	عمر بن سعید بن عاص	60ھ تا 61ھ	ایک سال	دور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
14.	ولید بن عتبہ بار دگر	60ھ تا 61ھ	ایک سال	دور اموی یزید پلید
15.	عثمان بن محمد بن ابی سفیان	61ھ تا 62ھ	ایک سال	دور اموی یزید پلید
16.	عبد اللہ بن زبیر بن العوامؓ	62ھ تا 64ھ	2 سال	دور اموی یزید پلید
17.	جابر بن اسود بن عوف	64ھ تا 65ھ	ایک سال	دور اموی معاویہ اور مروان
18.	عباس بن سہیل	65ھ تا 66ھ	ایک سال	دور اموی عبد الملک
19.	مصعب بن زبیر	66ھ تا 68ھ	دو سال	دور اموی عبد الملک
20.	جابر بن اسود بار دگر	68ھ تا 71ھ	3 سال	دور اموی عبد الملک
21.	طلحہ بن عبید اللہ بن عوف	71ھ تا 72ھ	2 سال	دور اموی عبد الملک
22.	طارق بن عمرو	72ھ تا 73ھ	2 سال	دور اموی عبد الملک بن مروان
23.	حجاج بن یوسف الثقفی	74ھ تا 75ھ	2 سال	دور اموی عبد الملک بن مروان

.24	ابان بن عثمان	75ھ تا 76ھ	2سال	دور اموی عبدالملک بن مروان
.25	ہشام بن اسمٰعیل مخزومی	76ھ تا 82ھ	6سال	دور اموی عبدالملک بن مروان
.26	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ	83ھ تا 86ھ	4سال	ولید بن عبدالملک اموی عبدالملک بن مروان
.27	عثمان بن حیان	87ھ تا 93ھ	7سال	دور اموی سلیمان بن عبدالملک و عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ
.28	ابوبکر بن محمد	94ھ تا 96ھ	3سال	دور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلیمان
.29	عبدالرحمان بن الضحاک	97ھ تا 101ھ	4سال	دور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ
.30	عبدالواحد بن عبداللہ النضری	101ھ تا 104ھ	3سال	دور اُموی یزید بن عبدالملک
.31	ابراہیم بن ہشام مخزومی	104ھ تا 106ھ	2سال	دور اُموی یزید بن عبدالملک
.32	خالد بن عبدالملک	106ھ تا 114ھ	8سال	ہشام بن عبدالملک اُموی
.33	محمد بن ہشام بن اسماعیل	114ھ تا 117ھ	3سال	ہشام بن عبدالملک اُموی
.34	یوسف بن محمد بن یوسف	117ھ تا 125ھ	8سال	ہشام بن عبدالملک اُموی
.35	عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز	125ھ تا 126ھ	1سال	دور اُموی الولید بن یزید بن عبدالملک
.36	عبدالواحد بن سلیمان	126ھ تا 127ھ	1سال	دور اُموی مروان بن عبدالعزیز
.37	محمد بن عبدالملک بن مروان	127ھ تا 130ھ	3سال	دور اُموی مروان بن عبدالعزیز

38.	ولید بن عروہ بن محمد	130ھ تا 131ھ	1 سال	دور اُموی مروان بن عبدالعزیز
39.	عیسیٰ بن عروہ	131ھ تا 132ھ	1 سال	دور عباسی ابوالعباس السفاح
40.	داؤد بن علی بن عبداللہ	132ھ تا 133ھ	1 سال	دور عباسی ابوالعباس السفاح
41.	زیاد بن عبیداللہ عبداللہ الحارثی	133ھ تا 136ھ	3 سال	دور عباسی ابوالعباس السفاح
42.	العباس بن عبداللہ بن معبد	136ھ تا 137ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
43.	زیاد بن عبیداللہ (باردگر)	137ھ تا 138ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
44.	محمد بن خالد بن عبداللہ القسری	138ھ تا 141ھ	3 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
45.	رباح بن عثمانی بن حیاں	141ھ تا 144ھ	3 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
46.	عبداللہ بن ربیعہ الحارثی	144ھ تا 145ھ	2 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
47.	جعفر بن سلیمان بن علی العباسی	145ھ تا 146ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
48.	حسن بن زید بن حسن بن علی	146ھ تا 150ھ	4 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
49.	عبدالصمد بن علی بن عبداللہ	150ھ تا 155ھ	5 سال	دور عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور
50.	محمد بن عبداللہ الکثیر ی	155ھ تا 159ھ	4 سال	دور عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور
51.	محمد بن عبداللہ بن محمد صفوان الجمالی	159ھ تا 160ھ	2 سال	دور عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور
52.	زفر بن عاصم الہلالی	160ھ تا 161ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور
53.	جعفر بن سلیمان بن علی (باردگر)	161ھ تا 162ھ	2 سال	دور عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور
54.	ابراہیم بن یحییٰ بن محمد عباسی	162ھ تا 166ھ	4 سال	دور عباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور

55.	اسحاق بن سلیمان بن علی السجاد	166ھ تا 167ھ	1سال	دورعباسی خلیفہ محمد المہدی بن المنصور
56.	عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ	167ھ تا 169ھ	2سال	دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید اور محمد المہدی
57.	اسحاق بن سلیمان بن علی	169ھ تا 170ھ	1سال	دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
58.	عبدالملک بن صالح بن علی	170ھ تا 183ھ	12سال	دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
59.	محمد بن عبداللہ بن عبید اللہ العباسی	183ھ تا 184ھ	1سال	دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
60.	موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد بن علی	184ھ تا		دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
61.	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
62.	علی بن حسین بن موسیٰ العباسی			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
63.	محمد بن ابراہیم			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
64.	عبداللہ بن مصعب			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
65.	بکار بن عبداللہ بن مصعب			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
66.	محمد بن علی			دورعباسی خلیفہ ہارون الرشید
67.	ابوالبختری وہب بن منبہ	192ھ تا 193ھ	1سال	دورعباسی خلیفہ ہارون رشید
68.	داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد العباس	193ھ تا 195ھ	2سال	دورعباسی خلیفہ امین
69.	سلیمان	193ھ تا 198ھ	6سال	دورعباسی خلیفہ امین
70.	حسن بن سہیل	198ھ تا 200ھ	2سال	دورعباسی خلیفہ مامون رشید
71.	ہارون بن مسیّب	200ھ تا 201ھ	1سال	دورعباسی خلیفہ مامون رشید
72.	حمدون بن علی	201ھ تا 204ھ	3سال	دورعباسی خلیفہ مامون رشید
73.	عبداللہ بن حسن بن عبداللہ	204ھ تا 209ھ	5سال	دورعباسی خلیفہ مامون رشید
74.	صالح بن عباس بن محمد	209ھ تا 214ھ	5سال	دورعباسی خلیفہ مامون رشید

نمبر	نام	تاریخ	مدت	دور
.75	سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان	214ھ تا 226ھ	12 سال	عباسی خلیفہ المامون رشید و المتوکل بن المعتصم
.76	محمد بن صالح بن العباس بن محمد	226ھ تا 229ھ	3 سال	دور عباسی خلیفہ الواثق بن المعتصم
.77	محمد المنتظر بن المتوکل	229ھ تا 233ھ	4 سال	دور عباسی خلیفہ المتوکل بن المعتصم اور الواثق
.78	صالح بن علی	233ھ تا 246ھ	13 سال	دور عباسی خلیفہ المتوکل بن المعتصم
.79	علی بن حسن بن اسماعیل بن محمد	247ھ تا 248ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ المنتصر بن المتوکل
.80	محمد بن عبداللہ بن طاہر	248ھ تا 249ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ المصطعین
.81	اسماعیل السفاک بن یوسف	249ھ تا 250ھ	1 سال	دور عباسی خلیفہ المصطعین
.82	ابوعبداللہ محمد بن یوسف	250ھ تا 255ھ	5 سال	دور عباسی خلیفہ المتصین بن المعتصم اور معتز
.83	محمد بن یوسف	316ھ	237 سال کے عرصہ کی معلومات نہیں مل سکیں تاہم کچھ اسماء میسر آسکے ہیں جو تحریر کیے جارہے ہیں	دور عباسی خلیفہ المقتدر
.84	حسن بن اسماعیل			دور عباسی خلیفہ المقتدر
.85	ابوجعفر احمد بن الحسن			دور عباسی خلیفہ المقتدر
.86	ابوعبداللہ محمد بن احمد	350ھ		دور عباسی خلیفہ الراضی باللہ
.87	ابوقاسم مسلم بن احمد			دور عباسی خلیفہ المتقی باللہ
.88	مسلم بن عقبہ بن محمد القیلی			
.89	اسحاق بن محمد بن یوسف			
.90	حسن بن طاہر الحسینی			
.91	ابوعلی طاہر الحسینی			
.92	مہنا بن ابی ہاشم			

Marfat.com

.93	داؤد بن قاسم			
.94	ابوعمارہ الحسینی			
.95	حسین بن مخیط بن احمد			
.96	شہاب الدین ابی عمارہ			
.97	مہنا الاعرج الحسینی بن حسین			
.98	حسین بن مہنا الاعرج			
.99	ابوعبداللہ بن مہنا			
.100	ابوفلیتہ قاسم بن مہنا			
.101	ہاشم بن ابی عبداللہ			
.102	شیحہ بن ہاشم			
.103	ابوسند بن جماز			
.104	منیف بن شیحہ			
.105	عقیل بن شیحہ			
.106	فضل بن المنصور			
.107	عزیز الدین ابوفلیتہ القاسم	583ھ		دور عباسی خلیفہ الناصر باللہ
.108	سالم بن ابی فلیتہ القاسم	583ھ تا 600ھ	17 سال	آزاد حاکم کیونکہ یہ علاقہ عباسیوں کے ہاتھوں سے سے نکل کر مصر کی خلافت
.109	جماز بن قاسم بن ابوفلیتہ	600ھ تا 635ھ	35 سال	میں چلا گیا تھا۔ اور سلطان صلاح الدین فاطمی خلافت کے زیر اثر تھا
.110	المنصور بن جماز	704ھ تا 756ھ	52 سال	مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.111	عطیہ بن المنصور	756ھ تا 759ھ	4 سال	مصری خلافت کے تحت حاکم تھا

.112	نصیر بن المنصور	759ھ تا 760ھ	2 سال	مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.113	ہبتہ اللہ			مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.114	محمد بن ہبتہ اللہ	787ھ تا 788ھ	2 سال	سلطان مصر برقوں کی حکومت کے تحت حاکم
.115	جمال الدین	788ھ تا 789ھ	2 سال	سلطان مصر برقوں کی حکومت کے تحت حاکم
.116	ثابت بن اخی السابق	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.117	عجلان بن اخیہ	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.118	عزیز بن منازع	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.119	عجلان بن نضیر الجمازی	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.120	امیان الجمازی	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.121	قائتبائی بن مائع	839ھ		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.122	دشان	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.123	سلیمان بن عزیز	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا

Marfat.com

.124	امیان بن الحمازی	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.125	زہیر بن امیان	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.126	ضیغم	874ھ		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.127	قسیطل بن زہیر	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.128	زہیر بن امیان ثانیاً	تاریخ حکمرانی دستیاب نہیں ہوسکی		مصری خلافت کے تحت حاکم تھا
.129	الحسن بن جماز			خلافت عثمانیہ کے ترک سلطان سلیم کے تحت حاکم
.130	عجلان			خلافت عثمانیہ کے ترک سلطان سلیم کے تحت حاکم
.131	حسن بن زہیر	1100ھ تا 1110ھ	10 سال	خلافت عثمانیہ کے ترک سلطان سلیم کے تحت حاکم

1110ء سے لے کر 1336ء تک جو لوگ حاکم مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہ چکے تھے انکے نام اور زمانہ و مدت حکمرانی کی فہرست نہیں مل سکی۔

عہد اشرف وسعودی کے چند حکمران

.1	الشریف علی بن حسین	1337ھ تا 1343ھ	7 سال	
.2	وکیل الامارہ الشریف احمد بن منصور			
.3	الشریف شحات بن علی	1343ھ تا 1344ھ		
.4	وکیل الامیر ابراہیم السجان	1344ھ تا 1345ھ	1 سال	

5.	وکیل الامیر شاری	1345ھ تا 1346ھ	1 سال	
6.	وکیل الامیر عبد العزیز بن ابراہیم	1346ھ تا 1355ھ	9 سال	
7.	وکیل الامیر عبداللہ السدیدی	1355ھ تا 1379ھ	24 سال	
8.	وکیل عبدالرحمٰن عبداللہ	1379ھ تا 1380ھ	1 سال	
9.	شیخ عبدالرحمٰن عبداللہ السدیدی	1380ھ تا 1385ھ		
10.	عبدالمحسن بن عبدالعزیز	1385ھ		
11.	شیخ سعد الناصر السویدی	1385ھ		

مہاجرین کی آبادکاری

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کی برکت سے یثرب مدینۃ الرسول بن گیا جوف (درمیان) میں بسائی گئی نئی بستی گو مہاجرین کی بستی تو ضرور تھی مگر تمام کے تمام مہاجرین اسی بستی یا شہر نو میں آباد نہ تھے بلکہ کچھ دوسری جگہ بھی آباد ہوئے مثلاً جیسے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عوالی کی بستی سخ میں رہائش اختیار فرمائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی بستی بنی امیہ میں رہائش پذیر ہوئے اسی طرح کچھ اور صحابہ اور صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین دوسری جگہوں پر آباد ہو گئے۔ اس طرح جب مہاجرین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تو شہر نو کی آبادی پھیل کر بنی ساعدہ اور بنی النجار وغیرہ کے ساتھ مل گئی۔ حالانکہ شہر نو میں آباد ہونے والے صرف مہاجرین ہی تھے ابتدا میں اس حکمت عملی پر عمل ہوتا رہا مگر آبادی بڑھ جانے کی صورت میں اس حکمت عملی پر عمل کرنا مشکل ہو گیا۔ تاریخ مدینہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ جب عوالی میں رہائش پذیر بنو سلمہ کے قبیلے نے حضور علیہ السلام سے مدینہ منورہ کے جوف میں آباد ہونے کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کے اپنے قریہ میں رہنے کا ہی حکم فرمایا اور جوف میں آنے کی اجازت عطا نہ فرمائی کیونکہ شہر نو صرف مہاجرین کے لئے ہی آباد کیا گیا تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست کی نو آبادی کے لئے جو تدبیر یعنی سکیم تیار فرمائی تھی اس کے مطابق تمام مہاجرین کو رہائش، ان کے کھانے پینے اور دیگر تمام ضروریات زندگی مہیا کرنا حکومت کے فرائض میں شامل تھا۔ ابتدائی ایام میں ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے اہل وطن کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا حکومت کا فرض تھا اور ہے۔ آج کے دور میں روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنے کا نعرہ لگانے والے اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ اسلام اور

حکومت نے صرف نعرہ ہی نہیں لگایا تھا بلکہ عملی طور پر عوام کو یہ سب کچھ مہیا بھی کیا تھا مگر افسوس آج نعرہ تو اسلامی اصولوں کا استعمال کیا جارہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عوام سے یہ سب کچھ چھینا جارہا ہے جو کہ سراسر ظلم اور قانون اسلام کے خلاف ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اس وقت نہایت بے سروسامانی کے باوجود اقتصادی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عوام کو یہ سب کچھ کیسے مہیا فرمایا۔ اے کاش ہمارے ارباب اختیار اس طرف توجہ فرمائیں اور دنیا کی اس پہلی اسلامی ریاست میں لاگو اصولوں کو مشعل راہ بنا کر آج کے اس ترقی یافتہ دور میں عوام کو ان مصائب سے باہر نکال کر دین ودنیا کی امن سلامتی، خوشحالی اور سکون کا سہرا اپنے سر باندھنے کا اعزاز حاصل کریں۔ اللہ ان کو توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہجرت کے ابتدائی ایام میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی آبادکاری کا عارضی انتظام فرمایا تھا۔ مسجد کے اندر کیمپ لگا کر یا صفہ میں اس عارضی رہائش کا انتظام کیا جاتا۔ اگر مہاجرین تعداد میں زیادہ ہوتے یا اگر پورے کا پورا قبیلہ ہوتا تو ان لوگوں کو مدینہ منورہ کے باہر خیموں میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ شہر میں ان کی رہائش کا بندوبست ہوجانے پر انہیں وہاں منتقل کر دیا جاتا۔ بنی اسد کا پورا قبیلہ ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا تو ان لوگوں کو شہر کے جنوب مشرق میں بقیع الغرقد میں خیمے لگا کر ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے دیگر ساتھی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین حبشہ سے دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کو شہر کی مغربی سمت میں بطحان کے قریب کیمپ (پڑاؤ) میں عارضی طور پر ٹھہرایا گیا۔ ایک حبشی عورت دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تو اسے مسجد نبوی میں ایک چھوٹے سے خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ ایسی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں مگر یہاں ان پر ہی اکتفا کرتے ہوئے بات مزید آگے بڑھاتا ہوں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی آبادکاری کے دوطریقے اختیار فرمائے تھے جن پر عمل فرماتے ہوئے مہاجرین کو ایسے احسن طریقے سے آباد کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ آبادکاری کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ انصار مدینہ منورہ میں سے جو حضرات مال دار تھے ان میں سے کسی ایک کو فرمایا جاتا کہ مہاجرین میں سے کسی ایک مہاجر کو اپنے ہاں ٹھہرائے یا اسکی رہائش کا اپنی مرضی کے مطابق بندوبست کرے۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ انصار نے نہ صرف مہاجر بھائی کو اپنے پاس ہی ٹھہرایا بلکہ اپنی ملکیتی ہر چیز میں سے نصف اس کے حوالے کر دی۔ یاد رہے ہجرت کے ابتدائی مرحلے میں ہی ایسا کیا گیا جب مہاجرین نہایت بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ مگر بہت جلد جب ریاست اسلام قائم ہوگئی تو یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ مواخات مدینہ منورہ ابتداء میں تھوڑے عرصے کے لئے عمل میں لایا گیا بعد میں اسکا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت جلد نظام اسلام نے اہل حق کو منظم کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا۔

آبادکاری کا دوسرا طریقہ حسب حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اختیار کیا گیا کہ ریاست اسلام نہایت

ہی مفلس مہاجرین کو آباد کرنے کے لئے ایک چھوٹا مکان جسے عرف عام میں کواٹر کہا جاتا ہے خود مہیا کرتی۔ مہاجرین میں سے جو غیر شادی شدہ ہوتے ان کے لئے الگ کواٹر نما مکان تعمیر کئے گئے۔ جبکہ شادی شدہ عیال دار مہاجرین کو الگ ایسے مکانات میں آباد کیا گیا جن کے الگ الگ کمرے ہوتے تھے۔ ایسے مکانات میں باورچی خانہ مشترکہ ہی ہوتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی کالونی (بستی) میں جو سرکاری رہائش گاہیں تعمیر کرائیں وہ تین تین کمروں پر مشتمل تھیں۔ حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت اسامہ بن زید رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو جو رہائش کے لئے مکانات عطا فرمائے وہ تین تین کمروں پر ہی مشتمل تھے جو مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین قدرے بہتر مالی حالت کے مالک تھے ان کو ریاست تعمیر شدہ مکانات کی بجائے صرف خالی جگہ فراہم کرتی تاکہ وہ اپنی ذاتی رقم سے اس زمین پر گھر تعمیر کر سکیں۔ یاد رہے اس وقت مکان تعمیر کرنے کے لئے سرمائے کی اس قدر ضرورت نہ تھی جتنی کہ اس دور میں ہے کیونکہ کام کرنے والوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کے مطابق مہاجرین کے لئے جو مکانات تعمیر ہوئے وہاں رہائش پذیر حضرات (الاٹی) یعنی متعینہ شخص کو اس مکان کا مستقل مالک تصور کرتے ہوئے اس کے حقوق ملکیت بھی حاصل ہوتے۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے نقل مکانی کرتا حقوق ملکیت سے دستبردار ہو جاتا یا پھر کسی کو بطور ہدیہ وہ مکان دے دیتا تو حاصل کرنے والا ان حقوق کا مالک بن جاتا تھا۔

مذکورہ طریقہ کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فخر کائنات تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرہ ارض پر جو نو آبادکاری کا نظام رائج فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس طرح آپ علیہ السلام نے قیامت تک آنے والی مسلم نسلوں کو ایسا سنہری عملی اصول فرما دیا کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اہل اسلام دنیا پر حکمرانی کرتے ہوئے دنیا کو جنت نظیر نمونہ بنا سکتے ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم مسلمانوں کو ان سنہری اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صحیح بخاری شریف، ابواب المساجد و کتاب التفسیر سورۃ یاسین و ابواب ہجرت و ابواب احکام وغیرہ
صحیح مسلم ابواب الصلوۃ (عیدین) و کتاب التفسیر سورۃ یاسین
طبقات ابن سعد
سیرت النبی الکامل از ابن ہشام
ابن ماجہ، باب المسجد و باب اصلوۃ
ترمذی۔ کتاب التفسیر سورۃ یاسین
موطا امام مالک، کتاب الجامع واعتکاف
سنن ابوداؤد

تاریخ طبری باب ہجرت وغیرہ

مدینہ منورہ کی توسیع

ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے مکانات کی تعمیر کا جو سلسلہ شروع فرمایا تھا وہ کافی عرصہ تک جاری رہا کیونکہ مہاجرین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مہاجرین کی آمد میں تو کوئی فرق نہ آیا البتہ بنی قینقاع کے مدینہ منورہ سے نکل جانے کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کا مرحلہ ضرور آسان ہو گیا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ بنی قینقاع کو 3ھ میں مدینہ منورہ سے نکالا گیا تھا۔ بہر حال یہودیوں کے اس قبیلے کے چلے جانے کے بعد مکانات کی اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ اور یوں رہائش کا بہت حد تک مسئلہ تو حل ہو گیا مگر ختم نہ ہوا۔ اس طرح وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مہاجرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ 6ھ میں جب بنی قریظہ کو فتح کیا گیا تو آبادکاری کا مسئلہ سنگین صورت حال اختیار کر چکا تھا۔ ریاست اسلامی کے وسائل اور آمدنی جوں جوں بڑھتی گئی اس صورت حال پر قابو پانا آسان ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ معاملہ کی سنگینی پر قابو پالیا گیا۔

اصل بات یہ تھی کہ فتح مکہ تک ہر مسلمان کے لئے ہجرت کرنا لازمی تھا اسی لئے مہاجرین کی اس کثیر آمد نے کچھ عرصہ کے لئے صورت حال کو سنگین بنا دیا تھا مگر فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کے لئے ہجرت کرنا لازمی نہ رہا تو یہ مسئلہ خود بخود ہی ختم ہو گیا۔ البتہ حصول علم اور برکات حاصل کرنے کے لئے آنے والوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام میں مدینہ منورہ کی شہری حدود بہت وسیع ہو چکی تھیں مغرب میں اس کی سرحدیں بطحان تک پھیل چکی تھیں جبکہ مشرق میں جنت البقیع یعنی البقیع الغرقد تک اور شمال مشرق میں بنی ساعدہ کے مکانات تک یہ سلسلہ پھیل چکا تھا یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مزید مکانات تعمیر کرنے سے روک دیا تھا۔ آپ علیہ السلام کے اس حکم مبارک پر موجودہ دور کے مسائل کے مطابق نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ نو آبادی کے سلسلے میں حضور علیہ السلام کا تعمیرات کو روک دینا کس قدر اہم ترین فیصلہ تھا۔ عام آدمی تو شاید اس بات کا اندازہ نہ کر سکے مگر جو لوگ شہری منصوبہ بندی (Town Planning) کے ماہر ہیں اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ جدید شہروں کی کثیر آبادی اخلاق باختہ، انتشار انگیزی اور طرح طرح کے مسائل و جرائم کو جنم دیتی ہے۔ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ پہلے سے ہی جانتے تھے اس لئے آپ علیہ السلام نے شہر نو کو ایک حد سے تجاوز نہ کرنے دیا اور ارشاد فرمایا "کہ جس شہر کی آبادی پانچ سو ہاتھ یعنی 750 فٹ تک پہنچ جائے وہاں مزید تعمیرات نہ کی جائیں بلکہ دوسرا نیا شہر آباد کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ حکم مبارک نہایت ہی دوراندیشی اور حقائق پر مبنی تھا اگر آج ہم لوگ اس حکم مبارک پر عمل کریں تو بڑے بڑے شہروں میں آبادی کی کثرت سے پیدا ہونے والے مصائب سے بچ

سکتے ہیں۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شہری منصوبہ بندی یعنی ٹاؤن پلاننگ کی پالیسی یعنی حسن تدبیر نے ایک صحت منداور تعصّبات سے پاک معاشرت کو جنم دیا۔اس طرح ایک تو نئے شہر کی آبادکاری سے دیگر لوگوں کے لئے رہائش کی گنجائش نکل آئی اور دوسرا لوگوں نے کھیتی باڑی کی طرف توجہ دیتے ہوئے زرعی انقلاب برپا کر دیا۔شہروں سے دور آباد ہونے والے عوام الناس کے لئے اناج اور دیگر اجناس پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئے۔تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آج کے کئی جدید ترقی یافتہ ممالک نے اسی حکمت عملی (پالیسی) پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے ملک میں معاشرتی اور تہذیبی انتشار پر بہت حد تک قابو پالیا ہے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ بدر اور ینبع کے راستے 455 کلومیٹر تھا اب نئی ہجرہ موٹروے (شارع طریق الہجرۃ) کی تعمیر کے بعد فاصلہ 430 کلومیٹر ہے۔

از صحیح مسلم شریف، ابواب ہجرت

ابوداؤد، ابواب ہجرت

نسائی، کتاب الصلوٰۃ وغیرہ

شہر مدینہ منورہ کے گلی کوچے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد سے پہلے اس شہر میں ناجائز تعمیرات عام تھیں۔اہل شہر تعمیر کرتے وقت اس بات کا ہرگز خیال نہیں رکھتے تھے کہ اپنی ملکیت کے علاوہ کسی دوسرے کی جگہ پر تعمیر کرنا مناسب نہیں بلکہ وہ تو دوسروں کی جگہ پر زبردستی تعمیر کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر مدینہ کی توسیع فرما کر سختی سے حکم فرمادیا کہ کوئی شخص ناجائز تعمیر نہیں کر سکے گا۔آپ علیہ السلام نے باقاعدہ منصوبہ بندی یعنی Planning کے مطابق تعمیرات کا حکم فرمایا۔گلی کوچے کی چوڑائی کم ازکم سات ہاتھ یعنی ساڑھے دس فٹ مقرر فرمائی۔اسطرح جوف مدینہ میں اصول پر سختی سے عمل کیا گیا اور یوں ایک شاندار انداز میں ہوادار راستے اور مکانات تعمیر کئے گئے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے ذاتی مکانات گو مختصر تھے مگر حضور علیہ السلام نے کشادہ مکانات کو پسند فرمایا۔ارشاد فرمایا وہ شخص خوش قسمت ہے جس کا مکان وسیع اور اسکا پڑوسی نیک ہے۔ مدینہ منورہ میں پانی کی قلت نہ تھی چند گز زمین کھودنے پر ہی پانی نکل آتا تھا مگر یہ پانی پینے کے قابل نہ ہوتا۔میٹھے پانی کی شدید قلت تھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میٹھے پانی کی بہم رسائی کے لئے سرکاری طور پر انتظام فرمایا۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ کے شہریوں کے لئے ایک یہودی سے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کر دیا اس کنویں کا نام ''بیئر رومہ'' تھا۔اس کے علاوہ سرکار دوعالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے سرکاری طور پر بھی کنویں کھدوا کر مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیئے۔ سرکاری طور پر جو کنویں کھدوائے گئے انکو ''غرس'' کہا جاتا تھا۔ مسجد نبوی کے عین سامنے کھجوروں کے جھنڈ میں بھی ایک خاص میٹھے پانی کا کنواں موجود تھا۔ مختصراً مدینہ منورہ کے گلی کوچے دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف کی اس خوبصورت اور بلند انداز سے سنہری منصوبہ بندی یعنی Town Planning فرمائی تھی کہ آج کا ترقی یافتہ انسان اس وقت وسائل نہ ہونے کے باوجود اس پلاننگ (منصوبہ بندی) کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

صحیح مسلم شریف وترمذی، صحیح بخاری، ادب المفرد 22، صحیح بخاری شریف، باب فضائل ابن ماجہ، باب غسل النبی، نسائی، باب غسل النبی وغیرہ

طہارت خانے وغسل خانے

تاریخ مدینہ منورہ قبل اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اہل عرب کے ہاں صفائی اور طہارت کا کوئی بندوبست نہ تھا بلکہ وہ لوگ صفائی اور طہارت کے تصور سے ہی ناآشنا تھے۔ یہاں تک کہ یہودی جو خود کو اعلیٰ تہذیب و تمدن کا علمبردار کہتے تھے بیت الخلاء کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔ یہ لوگ رفع حاجت کے لئے باہر کھلے میدان میں نکل جاتے تھے۔ نہاتے وقت ایک ہی جگہ پر کئی لوگ مل کر برہنہ حالت میں نہاتے اور ایک دوسرے کے جسم کو دیکھتے تھے۔ یورپ کی تہذیب میں بے حیائی انہی لوگوں سے آج تک چلی آرہی ہے اور یہ خودساختہ مہذب اقوام اپنے اس فعل پر شرم وندامت محسوس کرنے کی بجائے فخر کرتے ہیں۔ اللہ مسلمانوں کو اس بے حیا تہذیب سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

عام سوچ رکھنے والا انسان بھی یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ حمام اور طہارت خانے ترقی یافتہ شہری زندگی اور انسانیت کی حفاظت کے لئے ضروری جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قربان جائیں فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بصیرت مقدسہ پر کہ آپ علیہ السلام نے عرب کے بدوؤں، بادیہ نشینوں اور یہود ونصاریٰ کو زندگی بسر کرنے کے مہذب اسلوب تعلیم فرمائے۔ بیت الخلا، حمام اور غسل خانوں کو رواج دیا۔ اس میدان میں اہل عرب کو ہی نہیں بلکہ پوری کائنات ارضی پر بسنے والے لوگوں کو زندگی بسر کرنے کے آداب سکھائے جن پر نوع انسانی جس قدر ناز کرے کم ہے۔ حضور علیہ السلام کی اس تعلیم مقدسہ نے نوع بشری کی تقدیر کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ انسان انسانیت کے آداب سے واقف ہوا۔ اسلام نے انسان کے جسم وجان کی پاکیزگی اور طہارت ظاہری وباطنی پر بہت زور دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ذیشان ہے کہ ''پاکیزگی نصف ایمان ہے'' اس لئے وضو، طہارت غسل وغیرہ اہل اسلام پر فرض و واجب ہیں۔ جن کے بارے میں سخت تاکید موجود ہے بے شمار احکامات شرعیہ اس سلسلے میں وارد ہوئے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدائی ایام ہجرت میں جب غسل مبارک فرماتے تو آپ علیہ السلام کا کوئی غلام یا ازواج مطہرات میں سے کوئی زوجہ مبارکہ آپ علیہ السلام پر کپڑا تان دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حکم ارشاد فرمایا کہ غسل کرتے وقت پردہ کرو۔ دوران غسل پردے کے حکم کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرمایا تہبند باندھ کر نہایا کرو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم مبارک کے بعد اہل اسلام نے گھر گھر طہارت خانے و غسل خانے تعمیر کر لئے۔ آپ علیہ السلام نے مدینہ منورہ کے ابتدائی ایام میں ہی یہ احکامات جاری فرما دیے تھے اسی لئے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہی مسجد کے ساتھ طہارت خانے اور غسل خانے تعمیر ہو گئے تھے۔ اس طرح اہل اسلام ہر وقت ظاہری و باطنی طور پر پاک رہتے تھے اور یہ اصل میں روح اسلام ہے۔ پاکیزگی وہ خاص عمل ہے جو انسان کو معراج انسانیت کی انتہا تک پہنچا دیتی ہے۔ صفائی کے ساتھ ساتھ شرم و حیاء بھی اسلام کا جزو لازم ہے۔ ابتدا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجابت کے لئے بہت دور تشریف لے جاتے تھے اور دوران اجابت سراپا شرم و حیا کا عمل فرماتے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے کافی دنوں بعد تک آپ علیہ السلام کا یہ عمل مبارک رہا۔ ازواج مطہرات اور دیگر خواتین بھی اجابت کے لئے باہر جاتی تھیں۔ واقعہ افک کے بعد حضور علیہ السلام نے اس طرز میں اصلاح فرمائی اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عہد نبوی کے ظاہری آخری ایام میں مدینہ منورہ کے گھر گھر میں بیت الخلا موجود تھا۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ اقدس میں بیت الخلا تھا جس کا رخ شمالاً جنوباً تھا۔ آپ علیہ السلام کا بیت الخلا اور غسل خانہ الگ الگ تھے یہی وجہ ہے کہ ارشاد فرمایا کہ نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرو۔ آپ علیہ السلام کا حکم مبارک تھا کہ بیت الخلا اور غسل خانہ الگ الگ تعمیر کرو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے خاک نشینوں کو صرف آداب فرماں روائی کے اصول ہی تعلیم نہیں فرمائے تھے بلکہ ان اصولوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو طہارت و اجابت کے آداب بھی تعلیم فرمائے۔ ان آداب میں ایسی ایسی حکمتیں پوشیدہ تھیں کہ ان کی تشریح بیان کی جائے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ابتداء میں جب اہل اسلام کو طہارت و اجابت کے اصول تعلیم فرمائے تو یہودی مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہتے تھے تمہارے نبی (علیہ السلام) تم لوگوں کو پیشاب کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ بعد میں یہی مذاق اڑانے والے یہود و نصاریٰ بھی اسی طرز کو اپنانے پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان دُرِ فشاں سے جو بات نکلی ہمیشہ حق ثابت ہوئی۔ بہرحال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ کو صفائی اور طہارت سے عملی طور پر آگاہ فرمایا جو بنی نوع انسان پر آپ علیہ السلام کا احسان عظیم ہے اور رحمت عالم ہونے کا عملی ثبوت۔

مسلم شریف، باب افک

نسائی، باب طہارت

بخاری شریف ابواب غسل وطہارت

ابن ماجہ، ابواب مسجد

ابوداؤد، باب طہارت

عیدگاہ وقبرستان جنت البقیع

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ ساتھ وفات پا جانے والے اہل حق کے لئے الگ قبرستان مقرر کیا جس کو "جنت البقیع" کا نام دیا گیا۔ یہ قبرستان مدینہ منورہ شہر کے مغرب میں بطحان کو عبور کر کے حرہ الوبرہ کے نزدیک واقع ہے۔ کفار یعنی یہود ونصارا بھی اپنے مردوں کو قبرستان میں ہی دفن کرتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام نے تمام قبائلی قبرستان کو مسمار کرا کے مسلمانوں کے لئے الگ قبرستان بنوایا تھا۔ حضور علیہ السلام نے دور جاہلیت کے تمام رواج اور رسومات جو قبریں تعمیر کرتے وقت رائج تھیں منسوخ فرما دیں۔ کثیر بن صلت کے مکان کے نزدیک جگہ جنازہ گاہ کے لئے مختص کی گئی تھی۔ جنازہ گاہ کی یہ جگہ 2ھ میں مختص کی گئی۔ ابتدائی ایام میں اس جگہ پر کوئی عمارت تعمیر نہ تھی بلکہ کھلے آسمان کے نیچے جنازہ اور قربانی ادا کی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس جگہ کے چاروں طرف چھوٹی سی دیوار بنادی گئی آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اس چاردیواری کے آثار موجود تھے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید اسی جگہ ادا فرمایا کرتے اور بعد میں عیدگاہ کے نزدیک ہی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ عیدگاہ قدیمی شہر مدینہ منورہ سے تقریباً 400 گز دور واقع تھی۔ سعودی حکومت نے شاید اس جگہ کو مسجد نبوی کی توسیع کرتے وقت شامل تعمیر کر لیا ہے۔

جنت البقیع شریف وہ مبارک قبرستان ہے جس میں دس ہزار کے قریب جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور امہات المومنین حضور علیہ السلام کی صاحبزادیاں مقدس پھوپھیاں اور صاحبزادہ سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ لاتعداد قطب، اغواث واوتاد آرام فرما رہے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار چودھویں کے چاند جیسی نورانی شکلیں جنت البقیع سے اٹھیں گی۔

خصائص الکبریٰ صفحہ 289

اس مبارک قبرستان میں جو جو درخشندہ ستارے آرام فرما رہے ہیں ان سب کے اسمائے گرامی تحریر کرنا تو ممکن نہیں البتہ ان میں سے چیدہ چیدہ مہتم بالشان ہستیوں کے اسمائے گرامی تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اللہ کریم ان مبارک ہستیوں کے صدقے مجھ ناچیز حقیر کی بخشش فرمائے آمین ثم آمین۔ جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے کا اعزاز سیدنا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا دیگر شخصیات کے نام مبارک یہ ہیں۔

جنت البقیع کے روشن ستارے

1. سیدہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (3ھ)
2. سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (9ھ)
3. سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (11ھ)
4. حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (8ھ)
5. سیدہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (2ھ)
6. سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (9ھ)
7. سیدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا والدہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8. ام المومنین سیدہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ (32ھ)
9. ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (57ھ) بعمر 66 سال
10. ام المومنین سیدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (45ھ) بعمر 60 سال
11. ام المومنین سیدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (3ھ)
12. ام المومنین سیدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن جحش (30ھ)
13. ام المومنین سیدہ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی امیہ (62ھ) بعمر 84 سال
14. ام المومنین سیدہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خزاعیہ مصطلقیہ (56ھ)
15. ام المومنین سیدہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (44ھ) بعمر 74 سال انتقال دارالخلد
16. ام المومنین سیدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حیی بن اخطب (50ھ)
17. ام المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث ہلالیہ (انتقال مقام سرف 51ھ)
18. سیدنا حضرت عثمان بن عفان خلیفۃ المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (18 ذی الحجہ 35ھ)
19. سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (32ھ)
20. سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (51ھ)
21. سیدنا حضرت امام زین العابدین بن سیدنا حضرت امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین (95ھ)

22. بعض روایات کے مطابق سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک
23. سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (32ھ)
24. سیدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (55ھ)
25. سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (32ھ)
26. سیدنا حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
27. حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ (114ھ)
28. حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (148ھ)
29. شیخ القراء حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ (117ھ)
30. حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (60ھ)
31. حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (179ھ)
32. حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (74ھ)
33. حضور علیہ السلام کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (20ھ)
34. حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ (2ھ)
35. سیدہ حضرت مائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
36. بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین واولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

مشکوۃ شریف صفحہ 568
جذب القلوب وراحت القلوب
زرقانی۔جلد۔3، صفحہ۔200
تاریخ المدینہ۔صفحہ۔358
مشکوۃ۔صفحہ۔569
سیرۃ حلبیہ۔جلد۔1، صفحہ۔145
طبقات ابن سعد۔صفحہ۔83
خصائص الکبریٰ۔جلد۔1، صفحہ۔91
روض الانف۔جلد۔1، صفحہ۔122
مدارج النبوت۔جلد۔2، صفحہ۔797
زرقانی۔جلد۔3، صفحہ۔226

صحیح بخاری۔جلد۔2،صفحہ۔178

مجمع الزوائد۔جلد۔9،صفحہ۔241

سیرۃ ابن ہشام۔جلد۔1،صفحہ۔164وغیرہ

باغات مدینہ منورہ

خالق کائنات نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو خاص زرخیزی عطا فرمارکھی ہے۔اسی وجہ سے مدینہ منورہ کو باغوں کی سرزمین کہا جاتا ہے۔اہل مدینہ باغات لگانے کے بہت شوقین تھے۔اس مقدس سرزمین پر عمدہ اقسام کے پھل دار درخت جن میں لذیز و نایاب کھجوروں کے درخت خاص اہمیت کے حامل ہیں۔اجوا مدینہ منورہ کی وہ خاص مشہور کھجور ہے جس کے بارے میں ارشاد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو شخص اس کھجور کے سات دانے ایک دانہ روزانہ کے حساب سے گٹھلی سمیت کھالے اللہ کریم اس کو عارضہ قلب (دل کی تکلیف) سے محفوظ رکھے گا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب فرمایا تو وہاں موجود بے شمار کھجوروں کے درختوں میں سے بہت کم تعداد میں درخت کٹوانے کا حکم صادر فرمایا۔مشہور تاریخ دان جو کہ بابائے تاریخ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں یعنی علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جس جگہ کا انتخاب فرمایا وہاں موجود نصف درخت ہی کاٹے گئے اور یوں حاصل شدہ کھجور کے تنوں سے پشتے باندھ کر مسجد شریف کی چھت تیار کی گئی۔کتب احادیث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے کھجور کے درخت بدستور قدرتی حالت میں ہی قائم رکھے گئے۔مدینہ منورہ میں یوں تو بہت سے باغات تھے ان سب کا تفصیلی ذکر کرنا تو یہاں ممکن نہیں ہے البتہ ان میں سے کچھ کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔مسجد النبی شریف کے بڑے دروازے کے سامنے سیدنا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرسبز وسیع باغ تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔آہستہ آہستہ مدینہ منورہ کی توسیع نے اس باغ کو اپنے اندر سمولیا ہے اسی طرح دیگر باغات بھی آبادی میں شامل ہو چکے ہیں۔

باغ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ تاریخ مدینہ منورہ میں ایک مخصوص حیثیت اور اہمیت کا حامل ہے جو کہ آج تک زیارت گاہ عوام وخاص بنا ہوا ہے۔اس باغ کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا یہ باغ عشق رسول علیہ السلام کی وہ زندہ و جاوید مثال پیش کرتا ہے جسے پڑھ کر مومنین کے ایمان تازہ اور عشق رسول اللہ علیہ السلام میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس باغ سے

حضور علیہ السلام کو جو لگاؤ تھا مختصراً تحریر کرنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ قبول فرمائے آمین۔

کتب تاریخ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف کے بارے میں مختلف اقوال موجود ہیں کچھ مورخین تین سو سال کہتے ہیں کچھ ساڑھے تین سو سال اور بعض اڑھائی سو سال مگر اتفاق اس بات پر ہے کہ عمر اڑھائی سو سال سے زیادہ تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس میں پیدا ہوئے اور حق کی تلاش میں ملک ملک پھرتے رہے اور فروخت ہوتے رہے یعنی بکتے رہے یہاں تک کہ بکتے بکتے دیار حبیب علیہ السلام میں پہنچ گئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں دس بار فروخت ہوا۔ آخر میں وادی قریٰ کے ایک یہودی نے آپ کو مدینہ منورہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا جس کا تعلق بنو قریظہ سے تھا یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری خریدار تھا۔ اس مقدس شہر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کریم نے حبیب علیہ السلام کے دست راست پر اسلام کی لازوال دولت سے نوازا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد بھی اسی یہودی کے باغ میں کام کرتے رہے۔ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آقا (یہودی مالک) سے کتابت کر لو'' (کتابت کا معنی یہ ہے کہ آقا سے بات طے کر لی جائے کہ وہ معاوضہ لے کر غلام کو آزاد کر دے) حسب حکم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے یہودی آقا سے کتابت کی بات کی۔ یہودی نے کہا اگر کتابت چاہتے ہو تو چالیس اوقیہ سونا مجھے دو اور ساتھ ہی تین سو نئے کھجور کے درخت میرے باغ میں لگاؤ پھر وہ درخت پھل دینے لگیں تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی کی شرائط حضور علیہ السلام کے گوش گزار کیں۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے فرمایا کہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پودوں سے امداد کرو۔ اس طرح کوئی صحابی دس پودے لایا کوئی بیس کوئی اس سے زیادہ یوں مطلوبہ تعداد پوری ہوگئی۔ حضور علیہ السلام نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ باغ میں پودوں کے لئے گڑھے تیار کرو جب تیار ہو جائیں تو مجھے اطلاع کر دینا یہ تمام پودے میں خود لگاؤں گا۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے وہ پودے باغ میں لگائے اور برکت کی دعا فرمائی۔ ابھی ایک سال بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ سب پودوں نے پھل دینا شروع کر دیا قربان جائیں دست مصطفیٰ علیہ السلام کے کہ ایک پودا بھی ایسا نہ تھا جو خشک ہو گیا ہو۔ یہ میرے آقا کا معجزہ ہے پودوں کی شرط پوری ہو گئی۔ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سونے کی ڈلی ہدیہ پیش کی حضور علیہ السلام نے وہ ڈلی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور فرمایا ''جاؤ یہ سونا یہودی آقا کو دے دو تمہاری آزادی کی دوسری شرط بھی پوری ہو جائے گی''۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور علیہ السلام یہ سونا کم معلوم ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اللہ اسی سونے سے تمہارا قرض پورا فرما دے گا''۔ چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ سونے کی ڈلی لے کر یہودی کے پاس تشریف لے گئے تو وہ سونا پورا چالیس اوقیہ نکلا۔ اس طرح حضرت

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزادی حاصل کی۔ بظاہر وزن میں کم نظر آنے والی سونے کی ڈلی کا وزن میں پورا ثابت ہونا بھی حضور علیہ السلام کا معجزہ مبارک تھا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی باغ میں کھجوروں کے دو پودے خاص طور پر اپنے مقدس ہاتھوں سے لگائے تھے جن پر بے شمار پھل آتا۔ صدیوں تک یہ پودے مومنین کے لئے باعث برکت اور زیارت گاہ عام و خاص رہے راقم کو بھی کھجور کے ان مقدس و معطر پودوں کی زیارت، معطر خوشبو، چومنے اور آغوش میں لینے کا شرف تقریباً 75-1974ء میں حاصل ہوا۔ لوگ ان مقدس پودوں سے حاصل شدہ کھجوریں بھاری قیمت دے کر بطور تبرک لاتے تھے مگر افسوس صد افسوس کہ تقریباً 1987ء میں یہ کھجور کے دونوں درخت کاٹ دیئے گئے اس طرح اہل ایمان اس زیارت عظمیٰ سے ہی محروم ہوگئے۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون '' مذکورہ باغوں کے علاوہ بھی بہت سے دیگر باغات مدینہ منورہ میں موجود تھے مگر یہ سب باغ وادی عقیق میں تھے۔ ان باغات کے نام یہ ہیں۔

1 سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ

2. سیدنا حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ

3. سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغات

4. سیدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ

5. حضرت مروان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ وغیرہ

بخاری شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف ابواب تفسیر القرآن

سیرۃ ابن ہشام جلد۔1، صفحہ۔74، طبقات ابن سعد صفحہ۔55 وغیرہ

حکومتی مہمان خانے

اہل عرب مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہاں تک کہ ان کی مہمان نوازی ضرب المثل بن چکی تھی۔ عرب جب کسی شخص کو پناہ دیتے یا مہمان بنا لیتے تو پھر اپنی جان تک قربان کر کے اس کی حفاظت کرتے اور حق مہمان نوازی ادا کرتے تھے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ قصی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی زیارت کو آنے والے لوگوں کے قیام وطعام کا حکومتی خرچ پر باقاعدہ انتظام کیا تھا۔ اس انتظام پر خرچ ہونے والی رقم کو اہلیان مکہ پر خصوصی ٹیکس لگا کر حاصل کیا جاتا تھا۔ زائرین یا مہمانوں کو دارالندوئی یا کھلے میدان میں خیمے لگا کر ٹھہرایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ گھروں میں ٹھہرانے کا بھی انتظام ہوتا تھا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے کچھ عرصہ پہلے اہل قریش نے اپنے بزرگوں

کی قدیم روایات مہمانوازی کے بالکل برعکس اپنے گھروں میں مہمانوں وزائرین کوٹھہرانے کا سلسلہ شروع کردیا جہاں نہ صرف رہائش وطعام کا ہی بندوبست کیا بلکہ طواف کا مخصوص لباس جسے اس زمانے میں حمی کہا جاتا تھا فراہم کرتے اور یوں رقم حاصل کرنے کا باقاعدہ ذریعہ بنالیا تھا۔گوسرکاری لنگرخانہ بھی جاری تھا مگر مناسب خوراک کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے زائرین قیام وطعام کا ذاتی ادائیگی سے ہی بندوبست کرتے۔اہل عرب کے ہاں یہ بھی دستور تھا کہ ہر قبیلے کا سردار اپنے علاقے سے گزرنے والے تجارتی قافلے سے بطور محصول عشروصول کرتا اور پھراس حاصل شدہ رقم سے قبیلے اور ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد جو رقم بچالیتا اس سے قبیلے کے مہمانوں کے قیام اور طعام کا بندوبست کرتا۔حضورعلیہ السلام ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تومہاجرین کے قیام وطعام کا بندوبست خودفرماتے تھے۔ابتدائی ایام میں مسجد نبوی مہمان خانہ کا کام بھی دیتی رہی۔اصحاب صفہ کی تاریخ اس کی عیاں مثال ہے۔جب ان لوگوں کی تعداد کم تھی تو ان کے لئے کھانا سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے آتا تھا بعد میں آہستہ آہستہ اصحاب صفہ کی تعداد بڑھتی گئی تو ان کے طعام کا طریقہ بھی مختلف ہوتا گیا۔یادرہے اصحاب صفہ کی تعداد ہمیشہ برابر نہیں رہتی تھی بلکہ کم اورزیادہ ہوتی رہتی تھی۔تعداد میں اضافہ ہوجاتا تو رحمت عالم نورمجسم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لوگوں کو مخیرّ (امیر) مسلمانوں کے حوالے فرمادیتے جن کے لئے حکم تھا کہ ان مہمانوں کے طعام کا بندوبست کریں۔احادیث میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں۔زیادہ تعداد ہوجانے کی صورت میں ضروریات کو پورا کیا جاتا۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ابن السبیل کا حکم نازل فرما کر زکواۃ کی رقم سے اسی مقصد کے لئے ایک مد مقرر فرمادی۔اس مد میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے زائرین حرمین شریفین علم کے متلاشی طلباء،مسافراور یہاں تک کہ نجی کاروبار کی غرض سے آنے والے مسافر بھی شامل تھے۔ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمانوں کی حیثیت حاصل تھی۔حضورعلیہ السلام نے اکثر قبائل کے ساتھ جو معائدے فرمائے ان میں ایک شق یہ بھی ہوتی تھی کہ مسلمان مسافروں کے لئے کم ازکم تین روز تک قیام وطعام کا بندوبست کرنا قبیلے کی ذمہ داری ہوگی۔جہاں مسلمان مسافر کی حیثیت سے پہنچے۔یہی وجہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کی غرض سے اپنے گھربار چھوڑکر آنے والے طلبا کو مدارس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کی حیثیت حاصل ہے۔ان کی دیکھ بھال،قیام وطعام کا معقول بندوبست کرنا گویا اللہ ورسول علیہ السلام کے ہاں اپنے درجات میں بلندی کا ذریعہ ہے۔

مدینہ منورہ میں کچھ سالوں تک مسجد نبوی مہمان خانے کا کام دیتی رہی بعد میں جب یہود مدینہ کو ان کی ذلیل حرکات کی بناپر مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا اور یوں یہودیوں کا علاقہ فتح ہوگیا تو اس جگہ کو بطور مہمان خانہ استعمال کیا جانے لگا۔یوں مسجد نبوی سے یہ سرکاری مہمان خانہ منتقل کردیا گیا۔مگر مسجد نبوی شریف بھی خاص وفود کے لئے بطور مہمان خانہ استعمال ہوتی رہی۔طائف ونجران وغیرہ سے آنے والے وفود مسجد نبوی میں ہی ٹھہرائے گئے تھے عین ممکن ہے کہ وہاں مہمانوں کے لئے رہائش کا بندوبست کیا جاتا ہو جیسا کہ بنوقریظہ میں مہمانوں کا ٹھہرانا ثابت ہے۔بہرحال

عام مسلمان مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ تک ٹھہرتے رہے۔ اس طرح مسجد نبوی بطور خانہ خدا اور سرکاری مہمان خانے کی حیثیت سے استعمال ہوتی رہی۔ مختصراً مہمانوں کی ہر سہولت کا سرکاری طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔ تاریخ مدینہ منورہ عہد نبوی کی ایسی لاتعداد مثالوں سے مزین ہے مگر یہاں اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

القرآن سورۃ الانفال

کتاب الخراج امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سورۃ توبہ آیت 60، ابی داؤد نسائی ابواب زکواۃ وصدقات

سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون وغیرہ

مساجد مدینہ منورہ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے مسجد نبوی شریف کی تعمیر مکمل فرمائی۔ ایک مدت تک یہی مسجد اہل اسلام کے لئے اقامت صلوٰۃ کا کام دیتی رہی۔ قرب و جوار سے مسلمان دن میں پانچ دفعہ فریضہ نماز ادا کرنے کے لئے چل کر اس مبارک مسجد میں آتے تھے۔ آہستہ آہستہ جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور دور سے لوگ دین حق میں آکر شامل ہونے لگے تو لوگوں نے نماز کی سہولت کے لئے اپنی اپنی بستیوں میں ہی مساجد تعمیر کرنے کی اجازت طلب فرمائی۔ جیسا کہ بنی سلمہ کے لوگوں نے اپنی بستی سے اٹھ کر مدینہ منورہ کے قلب میں آباد ہونے کی اجازت طلب کی تاکہ ان کو نماز ادا کرنے میں آسانی ہو مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اجازت عطا نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا ''دور سے نماز کے لئے چل کر آنے کا ثواب نزدیک کے نسبت زیادہ ہے''۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کا ایک خاص مقصد تھا جسے ابتداء میں بہت کم لوگ سمجھ سکے مگر بعد میں حقیقت حال سب پر عیاں ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نگاہ بصیرت سے آئندہ آنے والے اور گزرنے والے تمام حالات کو بخوبی جانتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے علم مبارک میں تھا کہ مدتوں سے سیاسی اور معاشرتی انتشار کے شکار لوگوں میں واحد ملت کا تصور ابھارنا نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کا متعدد بار ایک جگہ اکٹھا ہونا لازمی ہے تاکہ سیاسی ومعاشرتی انتشار، قبائلی رقابتوں اور جاہلی تعصّبات کا بت توڑا جاسکے۔ تاریخ مدینہ منورہ اس بات کی گواہ ہے کہ ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تقریباً ہر بستی اور ہر قریہ میں مسلمان اپنی مقرر کردہ الگ الگ جگہوں پر نماز ادا کرتے تھے۔ جس کی وجہ غالباً خاندانی اور سیاسی رقابتیں ہی ہوسکتی تھیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلی دفعہ تمام مسلمانوں نے مل کر حضور علیہ السلام کی معیت میں باجماعت نماز ادا کی۔ فخر کونین علیہ السلام نے صدیوں پرانی اور خاندانی عداوتوں کو

Marfat.com

جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب مسلمانوں کی ذہنی اور عملی تربیت میں واضح فرق پیدا ہو گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ اور اس کے ارد گرد کی بستیوں میں مساجد تعمیر کرنے کی نہ صرف اجازت ہی عطا فرمادی بلکہ ان لوگوں کی مزید تربیت کے لئے نئی تعمیر شدہ مساجد میں خود تشریف لے جاتے نماز ادا فرماتے اور ان لوگوں کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ کے گرد چند بستیاں ایسی بھی تھیں جہاں صرف چند لوگ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کو بھی مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا تا کہ دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے کے لئے لوگ آئیں اور یوں ان کی اجتماعی وانفرادی تربیت بھی ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ہر قبیلے اور ہر بستی میں مسجد تعمیر کرنے کا جو حکم صادر فرمایا اس میں بے پناہ فوائد اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ آپ علیہ السلام کا یہ حکم مبارک جس دور اندیشی پر مبنی تھا اس کی تشریح احاطہ قلم سے باہر ہے۔ مدینہ منورہ میں مقیم ہر قبیلے اور خاندان کی معاشرتی اور سیاسی زندگی صرف اور صرف سقیفہ (کھلی مل بیٹھنے کی جگہ) کے گرد ہی گھومتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر لوگ اپنے تمام معاملات طے کرتے اور اکثر اوقات فضول گپ شپ اور سیاسی جوڑ توڑ میں وقت برباد کرتے تھے۔ مساجد کی تعمیر کے بعد سقیفہ کی اہمیت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو سقیفہ میں جمع ہونے سے روک دیا تھا۔ پھر لوگوں نے جب خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہمارے پاس سقیفہ میں بیٹھنے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے تو حضور علیہ السلام نے چند شرائط کے ساتھ لوگوں کو سقیفہ میں بیٹھنے کی اجازت عطا فرمادی۔ ان شرائط کو پڑھنے کے لئے ابن ماجہ شریف ابواب مساجد سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔ گو سقیفہ چوکیاں اور اجتماع گاہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف تک قائم رہیں مگر یہ تمام جگہیں اپنی سیاسی اور معاشرتی اہمیت تقریباً کھو چکی تھیں۔ محلے کی سطح تک تمام امور مساجد میں بیٹھ کر ہی حل کر لئے جاتے تھے جبکہ رسالت کے اعتبار سے تمام اختیارات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کے پاس تھے۔ مسجد نبوی اہل حق کی مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، عسکری، تعلیمی اور تہذیبی زندگیوں کا مرکز تھی۔ فتح مکہ کے بعد تو ہر بستی، محلے اور قریہ میں مسجد کی تعمیر حکماً لازمی قرار دے دی گئی۔

قرآن کریم فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے مسجد کا ذکر بہت سی سورتوں میں فرمایا ہے جن میں چند کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

1. سورۃ البقرۃ آیات 114، 187
2. سورۃ التوبہ آیات 17، 18، 107، 108
3. سورۃ بنی اسرائیل یعنی اسراء آیات 1، 7
4. سورۃ الحج آیت 40
5. سورۃ الاعراف آیات 29، 31
6. سورۃ الکہف آیت 21
7. سورۃ الجن آیت 18

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مبارک پر ہر بستی اور قبیلے میں مساجد تعمیر ہو چکی تھیں مگر جمعہ کی نماز

صرف مسجد نبوی میں ہی ادا کی جاتی۔ اس طرح ہفتہ میں ایک دن دور دراز سے مسلمان چل کر اس مرکز میں اکٹھے ہوتے جو کہ ایک شاندار اجتماعی تربیتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھنے سے زندگی کے تمام امور پر نہ صرف تبادلہ خیالات ہی ہو جاتا بلکہ تمام مسائل کا حل مل جاتا اور یوں اہل ایمان زیارت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت لازوال سے اپنی جھولیاں بھرتے ہوئے دین ودنیا کی سعادتیں حاصل کرتے۔ قبیلے میں تعمیر کی جانے والی مسجد میں سردار قبیلہ ہی عام طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اس میدان میں حضرت ابوامامہ، حضرت سعد بن خزیمہ، حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت عتبان بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے نام بہت مشہور ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محلے اور قبیلوں کی مساجد میں خود تشریف لے جا کر لوگوں کی مذہبی، سیاسی اور تعلیمی سرگرمیوں کا معائنہ بھی فرمایا کرتے اور مساجد میں بیٹھ کر لوگوں کے مسائل اور عدالتی فیصلے فرمایا کرتے۔ صحیح بخاری شریف میں آتا ہے کہ مسجد نبوی کے بعد جس مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا وہ بنی عبدالقیس کی مسجد تھی۔

مدینہ منورہ کے اندر اور جوف میں جس قدر مساجد عہد نبوی میں تعمیر ہو چکی تھیں انکا مختصراً حال اُور نام تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مدینہ منورہ کی مساجد مقدسہ

(1) مسجد قباء

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرماتے ہوئے سب سے پہلے وادی قبا میں کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ٹھہرے۔ وادی قباء مدینہ منورہ سے 3 میل کی مسافت پر واقع ہے۔ حضور علیہ السلام نے وادی قباء میں تشریف فرماتے ہی مسجد قباء کی تعمیر کا کام شروع فرمایا۔ اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ پر مسجد تعمیر کی گئی وہ جگہ کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھی جسے قیمت دے کر خریدا گیا۔ اس جگہ پر کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ ترمذی شریف میں مسجد کی اس جگہ کو سباء نامی ایک عورت کی ملکیت قرار دیا گیا ہے جہاں پہلے جانور باندھے جاتے تھے۔ بہر حال اس بات پر اجماع اصحاب سیر ہے کہ قباء میں حضور علیہ السلام نے مسجد تعمیر کا حکم فرمایا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر میں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے پتھر لگائے۔

مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے حضور علیہ السلام نے اہل قباء سے ارشاد فرمایا "پتھر اٹھالاؤ"۔ سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر رکھ کر تعمیر کے کام کا آغاز فرمایا۔ پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا "میرے پتھر کے ساتھ تم پتھر اٹھا کر رکھو"۔ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بھی یہی حکم فرمایا اس کے بعد اہل قبا سے فرمایا کہ "اب تم لوگ باری باری ان پتھروں کے ساتھ ساتھ پتھر جوڑتے جاؤ"۔ جب پتھر جوڑنے کا کام مکمل ہو گیا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے عصا مبارک سے قبلہ

کی سمت کا تعین فرمایا۔ دوران تعمیر حضور علیہ السلام خود کام فرماتے رہے اس طرح جب تعمیر مکمل ہوئی تو آپ علیہ السلام کے جسم اطہر پر مٹی کے اثرات نمایاں تھے۔

حضرت ابن زبالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ جس جگہ مسجد قباء تعمیر کی گئی وہ جگہ کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھی۔ یہ جگہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لے کر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف فرمائی تھی۔ اس مسجد کو (مسجد تقویٰ) بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس مسجد کے حق میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ سورۃ توبہ آیت 108۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

ترجمہ: ''بے شک جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ مسجد پوری مستحق ہے کہ آپ اس میں جا کھڑے ہوں۔''

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ

يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: ''اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکی کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ بھی ایسے پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

مسجد قباء کی فضیلت

مسجد قباء کو مسجد تقویٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو امامہ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قباء کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے۔

من توضا فاسبلغ الوضو وجاء مسجد قباء فصلی رکعتیں کان له اجر عمرة٥

ترجمہ: جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر مسجد قباء میں آکر دو رکعتیں نماز ادا کی اسے عمرہ کے برابر ثواب ملے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں مسجد قباء کے بارے میں ارشاد فرمایا اس حدیث کو ترمذی نے بیان کیا ہے۔

والترمذی عن اسید بن طهیر الانصاری عن النبی صل الله علیه وسلم قال الصلوة فی مسجد قباء کعمرة٥

ترجمہ: ترمذی نے اسید بن ظہیر انصاری سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسجد قباء میں نماز کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد قباء میں نماز ادا فرمانے کے لئے پیدل بھی تشریف لے جایا کرتے تھے

Marfat.com

اور سواری پر بھی۔ مدینہ منورہ میں سکونت اختیار فرما لینے کے بعد آپ علیہ السلام کا یہ عمل مبارک جاری رہا۔ اس سلسلے میں چند احادیث مبارکہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ارشاد گرامی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یزور قباء اویاتی قباء راکبا و ماشیا o

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد قباء کی طرف سواری پر بھی تشریف لاتے اور پیدل بھی۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر ہفتہ قباء تشریف لے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے مسجد قباء کی فضیلت خوب روشن ہو جاتی ہے۔

از صحیح بخاری و مسلم جلد۔ اول۔ صفحہ۔ 159

خلاصۃ الوفا۔ صفحہ۔ 261

اخبار مدینۃ الرسول صفحہ۔ 112

سیرۃ النبی الکامل از ابن ہشام۔ جلد۔ 2، صفحہ۔ 138

ترمذی شریف باب مساجد المدینۃ الرسول وغیرہ

(2) مسجد بنی ظفر

مسجد بنی ظفر یہودیوں کے ایک قریہ حرہ واقم میں تعمیر کی گئی جو کہ حرہ غربیہ کے کنارے واقع تھی۔ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مسجد شریف میں نماز ادا فرمائی۔ اس وقت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود اور سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی ہمراہ تھے۔ بعد میں عوام نے اس مسجد کو مسجد بغلہ کہنا شروع کر دیا۔ (بغلہ کے معنی خچر کے ہیں جس پر حضور علیہ السلام سوار تھے) مسجد بنی ظفر وادی قباء کے مشرقی جانب کے راستے پر واقع ہے۔ ادریس بن محمد بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مسجد میں تشریف لائے تو یہاں پر موجود ایک پتھر پر تشریف فرما ہوئے اور قاری کو حکم دیا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرے۔ قاری نے حسب حکم تلاوت شروع کر دی۔ قاری صاحب جب اس آیت کریمہ پر پہنچے۔ سورۃ النساء آیت 41۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔

تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس خچر مبارکہ پر سوار ہو کر اس مسجد میں تشریف لائے تھے اس کے پاؤں مبارکہ کے نشان وہاں موجود تھے جن سے لوگ خیر و برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ زیاد بن عبید اللہ نے اس پتھر کو جس پر فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تشریف فرما ہوئے تھے اٹھوا دیا۔ پھر قبیلہ ظفر کے لوگوں نے جب زیاد کو اس پتھر کی تاریخی حیثیت کا بتایا تو اس نے پتھر واپس اسی جگہ رکھوا دیا۔ 630ھ میں عباسی خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ نے اس مسجد مبارکہ کی تعمیر نو کی۔

از اثار المدینۃ المنورہ صفحہ۔134

خلاصۃ الوفا صفحہ۔270

راحت القلوب صفحہ۔147 وغیرہ

(3) مسجد الغمامہ

اس مسجد میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد پہلی نماز عید ادا فرمائی۔ یہ مسجد مناخہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق وسیدنا حضرت عمر فاروق سیدنا حضرت علی المرتضٰی رضوان اللہ تعالٰی اجمعین کی مساجد بھی اسی مسجد غمامہ کے قریب ہی واقع ہیں۔ حاجی حضرات اس مسجد کی زیارت سے خیر وبرکات حاصل کرتے ہیں۔ مسجد کی موجودہ تعمیر ترکی کے سلطان عبدالمجید خان نے مکمل کی۔ اس مسجد کی لمبائی 26 میٹر چوڑائی 13 میٹر اور بلندی 12 میٹر ہے جبکہ مسجد کی چاردیواری کی چوڑائی ڈیڑھ میٹر ہے۔ یہ وہی مسجد شریف ہے جہاں بادل نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیا۔ حضور علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد غمامہ پڑ گیا لوگ اسی نام سے مسجد کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ غمامہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''بادل'' ہے۔ اس طرح مسجد غمامہ بادل والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ ابتدا میں مکہ مکرمہ سے آنے والے قافلے اسی جگہ آ کر رکا کرتے تھے۔ باب اسلام کا اس مسجد سے فاصلہ تقریباً ایک ہزار گز ہے۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ مدینہ منورہ کا بازار ہی اسی جگہ تھا بعد میں یہ بازار مدینہ منورہ شہر میں منتقل ہو گیا۔ 9ھ تک عیدین کی نمازیں اسی مسجد میں باقاعدگی سے ادا کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ مختصراً مدینہ منورہ کی مساجد میں اس مسجد کو اہم مقام حاصل تھا۔ اہل سیر کا بیان ہے اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد میں ادا فرمائی۔ اصحمہ نجاشی 6ھ میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ علیہ السلام نے عیدگاہ میں منبر بچھانے کا حکم فرمایا اور دعا فرمائی:۔

''تمام تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے بہت زیادہ رحم فرمانے والا بڑا مہربان ہے، قیامت کے دن کا مالک ہے، اللہ تعالٰی کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ جو ارادہ فرماتا ہے وہی کرتا ہے، اے اللہ

تو ہی معبود ہے، کوئی اور معبود نہیں، تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں ہم پر بارش نازل فرما اور اپنی نازل کردہ بارش کو ہمارے لیے قوت کا سرچشمہ اور مقررہ وقت کے تک پہنچنے والا بنا''

آثار المدینہ صفحہ۔62، راحت القلوب صفحہ۔100

(4) مسجد اجابہ شریف

اجابہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی دعاؤں کی قبولیت ہے۔ ویسے تو ہر مسجد میں ہی مانگی جانے والی دعائیں اللہ کے ہاں شرف قبولیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ مگر اس مسجد شریف کو قبولیت کے میدان میں خاص ہی اہمیت حاصل تھی۔ یہ مسجد معاویہ بن مالک نے تعمیر کرائی۔ اس مسجد کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں نماز ادا فرمائی۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم قبل ذات یوم من العالیۃ حتی اذ امر بمسجد بنی معاویہ دخل فر کع رکعتیں وصیلنا معیہ و دعاًربہ طویلاً ثم النصرف الینا فقال سالت ربی ثلاثاً فاعطانی اثنین و معنی واحداۃ" (الی آخر الحدیث)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز عالیہ کی طرف سے تشریف لائے جب مسجد بنی معاویہ (بن مالک بن عوف) سے گزرے تو وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ہم نے بھی اقتداء کی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے رب کریم سے طویل دعا کی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا! میں نے اپنے رب کریم سے تین دعائیں مانگیں۔ اس نے دو قبول فرمائیں ایک سے روک دیا'' دعائیں یہ تھیں۔

پہلی دعا

یا اللہ میری امت قحط سالی کی وجہ سے ہلاک نہ ہو (یہ دعا قبول ہوئی)

دوسری دعا

یا اللہ میری امت غرق ہونے سے ہلاک نہ ہو (یہ دعا بھی قبول ہوئی)

تیسری دعا

یا اللہ میری امت آپس میں نہ لڑے (اس دعا سے مجھے روک دیا گیا)

ایک دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہتے ہیں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بنی معاویہ میں تشریف لائے اور فرمایا تمہیں معلوم ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری اس تعمیر شدہ مسجد میں کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ میں نے اشارہ سے وہ جگہ بتائی۔ انہوں نے

پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر کونسی تین دعائیں مانگی تھیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں مجھے معلوم ہیں۔

حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنی معاویہ میں محراب کی دائیں جانب نماز ادا فرمائی۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصلّٰی محراب شریف کی دائیں جانب دو گز کے فاصلہ پر تھا۔ اس مسجد میں دعاؤں کی قبولیت ہوتی ہے۔ اس بنا پر مسجد کا نام مسجد اجابہ یعنی دعائیں قبول ہونے والی مسجد مشہور ہے۔

صحیح مسلم شریف باب المساجد خلاصہ الوفا صفحہ۔670
راحت القلوب صفحہ۔148، آثار المدینہ صفحہ۔271
مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفحہ۔251 تا 252 وغیرہ

(5) مسجد الفتح

مسجد الفتح مدینہ منورہ کی مشہور مساجد میں سے ایک ہے اس مسجد مبارکہ کا دوسرا نام مسجد احزاب بھی ہے۔ اسی مسجد کو ''مسجد اعلیٰ'' بھی کہتے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الفتح میں پیر، منگل اور بدھ تین دن متواتر دعا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بدھ کے روز فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے'' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی کسی مشکل امر میں گرفتار ہوتا ہوں تو اس مسجد شریف میں اسی جگہ جہاں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی تھی دعا کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری مشکل حل فرما دیتا ہے۔

☆ حضرت ابن زبالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد فتح میں تشریف لے گئے اور وہاں نماز عصر ادا فرمائی۔

☆ حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد فتح شریف میں تشریف لے گئے اور ہاتھ مبارک بلند فرما کر رقت کے ساتھ اتنی طویل دعا فرمائی کہ آپ علیہ السلام کے کندھے مبارک سے چادر سرک گئی۔

☆ یحیٰی ہارون بن بکیر سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حسین بن عبد اللہ کے ہمراہ مسجد الفتح شریف میں داخل ہوا تو انہوں نے مجھے مسجد کے اندر وہ جگہ دکھائی جہاں فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ اس مسجد شریف کے قرب میں سیدنا حضرت صدیق اکبر، سیدنا حضرت

Marfat.com

علی، حضرت عمر بن خطاب، سیدنا حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور سیدہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مساجد واقع ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں مساجد خمسہ (پانچ مسجدیں) کہا جاتا ہے۔ یہ مساجد خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مساجد مقدسہ کی تعمیر نو فرمائی۔ مسجد الفتح شریف کی لمبائی 8 میٹر اور چوڑائی 3 میٹر یعنی تقریباً 9x24 فٹ کے قریب ہے۔ یہ مسجد مقدسہ کافی اونچی کرسی پر تعمیر شدہ ہے۔ مسجد کے اندر جانے کے لئے تقریباً 13 عدد سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم ہم سب کو ان مساجد کی زیارت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، خلاصۃ الوفا صفحہ۔ 272

آثار المدینہ صفحہ۔ 125، راحت القلوب صفحہ۔ 151 وغیرہ

(6) مسجد بنوسلمہ یا مسجد قبلتین

یہ مسجد مبارکہ بنوسلمہ کے نام سے متعارف تھی۔ قبیلہ بنی سلمہ سابق الاسلام تھا اور انہوں نے یہ مسجد اپنے لئے بنائی تھی۔ وادی عقیق میں واقع یہ مسجد بڑی شان اور عظمت والی ہے۔ وادی عقیق مدینہ منورہ سے تقریباً پون میل کے فاصلے پر ہے۔ قبیلہ بنوسلمہ ابتدا سے ہی یہودیوں کے سخت خلاف تھا۔ یہود نے جب لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمان ایسے ہی ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہیں جبکہ نماز ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہی ادا کرتے ہیں۔ اگر ہم اتنے ہی برے ہیں تو انہوں نے ہمارا قبلہ کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ یہود کی اس بات کو بنوسلمہ نے سخت ناپسند کیا ان کی دلی خواہش تھی کہ خداوند کریم ہمارا الگ قبلہ مقرر فرما دے تاکہ یہود کی اس طعنہ زنی سے چھٹکارا حاصل ہو۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں 16 ماہ یا 17 ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کا علم رکھتے تھے آپ علیہ السلام کی بھی شدید خواہش تھی کہ مسلمانوں کا الگ قبلہ ہو جائے تاکہ کسی غیر مسلم کو کسی قسم کی گفتگو کا موقع نہ ملے۔ اللہ کریم اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کی ہر خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ رجب یا شعبان 2ھ پیر کے روز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام بشر کی بیمار پرسی کے لئے قبیلہ بنوسلمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بشر بن براء بن معرور) نے آپ علیہ السلام کی خدمت اقدس میں کھانا پیش کیا۔ کھانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مستجاب الدعوات ہیں دعا فرمایئے اللہ مسلمانوں کا آپ کی خواہش کے مطابق قبلہ تبدیل فرما دے۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی تو حکم الٰہی نازل ہوا۔ سورۃ البقرہ آیت 144۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

ترجمہ: ''ہم تیرا چہرہ بار بار وحی کے انتظار میں آسمانوں کی طرف اٹھتا دیکھ رہے ہیں۔ ہم وہی قبلہ بنادیں گے جس سے تو راضی ہوگا''۔ (سورۃ البقرہ آیت 144)

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ترجمہ: ''ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد الحرام کی طرف'' (سورۃ البقرہ آیت 144)

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

ترجمہ: ''اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو'' (سورۃ البقرہ آیت 144)

اللہ کریم نے اس آیت میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبانہ ناز کا ذکر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بار بار آسمان کی طرف چہرہ انور اٹھا کر دیکھنے کی اس ادا کو اللہ کریم نے اس قدر پسند فرمایا کہ عصر کی نماز کے دوران ہی قبلہ تبدیل کرنے کا حکم نازل فرمادیا۔ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم نماز ظہر کی تیسری رکعت میں نازل ہوا۔ تحویل قبلہ کی اس آیت مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کو ہمیشہ نوازتا ہے۔ خواہش محبوب علیہ السلام کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ اس آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کعبہ مکرمہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہی قیامت تک سارے مسلمانوں کے لئے سجدہ گاہ بنادیا گیا۔ حضور علیہ السلام کی ذات مقدسہ کعبہ مکرمہ سے افضل ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سجدہ کرنے والا مسجود الیہ (جسکو سجدہ کیا جائے) سے بھی افضل واعلیٰ ہوتا ہے اسکے ثبوت میں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ جب انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ پیش کیا جاسکتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ والد گرامی سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل تھے قرآن کریم کے علاوہ دیگر آسمانی کتب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذوالقبلتین کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ علیہ السلام دونوں طرف رخ انور فرما کر نماز ادا فرماتے تا کہ سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق ہوجاتی۔

امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے سب سے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی ایک جماعت نے بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ یہ نماز پڑھی انہیں میں سے ایک آدمی نکلا تو ایک مسجد کے لوگوں کے پاس سے گزرا جو رکوع میں تھے تو کہا میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں میں نے مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی وہ اسی وقت بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے جس طرح وہ تھے۔

وادی عقیق میں واقع اس مسجد کو قبلتین دوقبلوں والی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ اس مسجد کے قرب میں وہ میٹھے پانی کا کنواں موجود ہے جسے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔ اس کو بیر رومہ کہتے ہیں۔ مسجد قبلتین کی لمبائی 9 میٹر چوڑائی 4 میٹر اور بلندی ساڑھے چار میٹر ہے۔ یعنی 12x27 لمبائی چوڑائی اور ساڑھے بارہ فٹ اونچائی ہے۔

موجودہ دور میں سعودی حکومت نے اس مسجد مبارکہ کی تعمیر میں بھی بڑی توسیع کر دی ہے۔ مسجد مکمل (AC) ائیر کنڈیشنڈ ہے فرش پر نہایت اعلیٰ کوالٹی کے قالین ڈال دیے ہیں یوں یہ مبارکہ مسجد خوبصورتی میں بے مثل ہے۔

1. ازسورہ بقرہ آیت نمبر 144
2. اخبار مدینہ منورہ صفحہ۔115
3. آثار المدینہ صفحہ۔131
4. خلاصۃ الوفا صفحہ 275
5. وفاالوفاء جلد۔2۔صفحہ 50 وغیرہ

(7) مسجد عینین مبارکہ

مسجد عینین جبل الرمات پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے قبلہ کی جانب واقع ہے۔ غزوہ اُحد میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی پہاڑ الرمات کے درہ پر تیرانداز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو کھڑے ہونے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اسی غزوہ میں وحشی نے سیدنا حضرت امیر حمزہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور بعد میں ہندہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل مبارک نکال کر چبایا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مسجد شریفہ کے نشانات منہدم ہوگئے ہیں۔ اس مسجد کے وجود کے بارے میں سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احد کے روز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ہمراہ عصر کی نماز پل کے نزدیک عینین پہاڑ پر پڑھی تھی۔ راحت القلوب میں ایک اور روایت کے مطابق فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ہمراہ غزوہ احد کے روز صبح کی نماز ہتھیاروں سمیت ادا فرمائی تھی اور وہ قنطرہ کا مقام تھا۔

ازراحت القلوب صفحہ۔157

خلاصۃ الوفا صفحہ۔277 وغیرہ

(8)

مسجد احد

یہ مسجد احد پہاڑ پر واقع ہے۔اسے مسجد الفسح بھی کہا جاتا ہے۔زین المراغی کہتے ہیں کہ اس مسجد مبارکہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا کہ جب تم لوگ مجلس میں بیٹھو تو کشادگی پیدا کیا کرو۔ارشاد ربانی ہے۔سورۃ المجادلہ آیت 11۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ

ترجمہ:''اے ایمان والو جب تمہیں کہا جائے مجالس میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی کرو اللہ تمہیں وسعت بخشے گا''۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ احد سے فارغ ہوئے تو اسی مسجد میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ادا فرمائیں۔طبری کے اس قول کو امام ابن شیبہ نے بھی نقل کیا ہے۔مگر اس قول میں نماز کا وقت نہیں بتایا۔یہ مسجد مبارکہ سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کی شمالی جانب واقع ہے۔مسجد جبل احد بڑی مبارک اور برکت والی ہے۔دعا ہے اللہ کریم سب صحیح العقیدہ اہل ایمان کو اس مسجد مبارکہ کی زیارت نصیب فرمائے۔آمین۔

راحت القلوب

خلاصۃ الوفا صفحہ 277،156 وغیرہ

(9) مسجد سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینہ منورہ کی مساجد میں اس مسجد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔شہر مدینہ سے باہر نکل کر جب سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کے لئے جائیں تو یہ مسجد مزار شریف کے دائیں جانب واقع ہے۔سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبوی کے صحن میں آرام کر رہا تھا کہ اچانک میں نے دیکھا فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارک سے تشریف لائے اور مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔میں بھی مسجد سے اٹھ کر حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔حضور علیہ السلام ایک باغ میں داخل ہوئے وضو فرما کر ایک طویل سجدہ فرمایا۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدہ مبارک اس قدر طویل تھا کہ مجھے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ علیہ السلام وصال تو نہیں فرما گئے۔اس تصور کے ساتھ ہی میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اتنی دیر میں فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور میری طرف نظر رحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اے عبدالرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خیر تو ہے کیوں رو رہے ہو؟''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

آپ علیہ السلام کے طویل سجدہ مبارک سے مجھے اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں روح انور پرواز نہ فرما گئی ہو۔ یہ سن کر گوہر فشاں ہوئے لب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اے عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے رب نے مجھے میری امت کیلئے ایک انعام عطا فرمایا ہے۔ جس کے شکرانہ میں طویل سجدہ کیا ہے وہ انعام یہ ہے کہ میرا جو امتی مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دے گا۔ اور اس کے دس گناہ معاف فرما دے گا۔ میرا جو امتی مجھ پر سلام بھیجے گا اللہ کریم اس پر سلام بھیجے گا''۔

''ھـذہ سجدۃ سجد تھا شکراً لربی فیما آتانی فی امتی من صلی علیٰ صلاۃ کتب اللہ لہ عشر حسنات''

ترجمہ: میں نے یہ سجدہ اپنے رب کی اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لیے کیا ہے جو اس نے میری امت کے بارے میں فرمائی۔ کہ جو مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دے گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس مقام پر یہ خوشخبری سنائی وہ سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ تھا بعد میں اسی جگہ جہاں رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے سجدہ فرمایا تھا مسجد تعمیر کر دی گئی۔ جسے مسجد ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جانے لگا۔ اس مسجد کی لمبائی چوڑائی 8x8 گز یعنی 24x24 فٹ ہے۔ اب اس مسجد کا کوئی نشان بھی باقی نہیں ہے۔

از وفا الوفا، صفحہ۔ 279 و راحت القلوب صفحہ۔ 149 وغیرہ

(10) مسجد البقیع شریف

مدینہ منورہ شہر مقدسہ میں جنت البقیع کے دروازے سے باہر آتے وقت یہ مسجد مبارکہ دائیں ہاتھ واقع ہے۔ جبکہ دوسری سمت مزارات امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مغرب میں یہ مسجد شریف ہے۔ سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد نہایت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ مسجد کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس مسجد مبارکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''اگر مجھے لوگوں کی واپسی کا خوف نہ ہوتا تو میں اکثر اوقات نمازیں اسی مسجد میں ادا کروں''۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عام طور پر اس مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ کیا خوش قسمت افراد تھے وہ جو سرور کائنات علیہ السلام کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور اللہ کریم ان لوگوں کی حضور علیہ السلام کے صدقے مقبول نمازوں کی قدر کرتے ہوئے انہیں اجر عظیم سے نوازتا ہوگا۔ سبحان اللہ۔ (موجودہ سعودی دور میں اس مسجد کا بھی کوئی نشان باقی نہیں ہے)۔

از راحت القلوب، صفحہ۔ 150 خلاصہ الوفا صفحہ 279 وغیرہ

(11) مسجد ضرار

منافقین مدینہ اپنے سردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی زیر سرپرستی ہر وقت اہل حق کو نقصان پہنچانے کے لئے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اسی مقصد کے تحت چند منافقین نے مل کر یہ منصوبہ تیار کیا کہ ہم ایک مسجد تعمیر کرتے ہیں جس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے اور سازشیں تیار کیا کریں گے۔ مسجد میں بیٹھا دیکھ کر مسلمانوں کو ہماری ان سازشوں اور منصوبوں کا علم نہیں ہو سکے گا کیونکہ وہ یہی خیال کریں گے کہ ہم لوگ عبادت میں مصروف ہیں۔

اس طرح منافقین نے مل کر یہ مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجد ضرار رکھا گیا۔ منافقوں میں سے ابو عامر نے ساتھیوں کو بتایا کہ تم اسی مسجد میں بیٹھ کر تیاری جاری رکھو میں قیصر روم کے پاس جا کر ایک بڑی فوج ہمراہ لاتا ہوں تا کہ مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ منافقین نے حسب منصوبہ مسجد تعمیر کی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی آپ علیہ السلام ہماری اس مسجد میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ”اس وقت تو میں غزوہ تبوک کے سلسلے میں روانہ ہو رہا ہوں واپسی پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دیکھا جائے گا“۔ قربان جائیں غیب دان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ یوں ارشاد نہ فرمایا کہ واپسی پر اس مسجد میں نماز ادا کروں گا بلکہ فرمایا واپسی پر دیکھا جائے گا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کو ان لوگوں کی نیتوں کا پہلے ہی علم تھا۔ بہر حال جب فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ہی جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ مسجد ضرار کو ختم کر دیا جائے جو منافقین کی سازش گاہ ہے۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے دو صحابہ کو حکم فرمایا کہ جا کر مسجد ضرار کو جلا کر ڈھا (گرا) دیا جائے۔ انہوں نے حکم کی تکمیل کی اور یوں مسجد ضرار جلا کر منہدم کر دی گئی۔ اس مسجد کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ آیات 107 تا 110 میں ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ التوبہ آیت نمبر 107 میں اسی مسجد ضرار کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا: سورۃ التوبہ آیت 107۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

ترجمہ: اور وہ جنہوں نے مسجد ضرار (یعنی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے والی) بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کواوراس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ہے۔اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں۔اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا۔(سورۃ التوبہ آیت 107)

از سیرۃ المصطفیٰ۔صفحہ۔135 جلد۔3
راحت القلوب۔صفحہ۔142 وغیرہ

(12) مسجد بنی زریق (مسجد السبق)

اس مسجد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہاں قرآن کریم کی وہ آیات تلاوت کی گئیں جو ہجرت سے قبل سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے وفد میں شامل سیدنا حضرت رافع بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعلیم فرمائیں۔یہ بزرگ مکہ مکرمہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔واپسی پرانہوں نے اپنی قوم کو اس جگہ اکٹھا کرتے ہوئے تعلیم شدہ آیات مقدسہ تلاوت فرمائیں۔غالباً یہ مسجد اسلام کے ابتدائی ایام میں تعمیر کی گئی ہوگی۔ابن شیبہ معاذ بن رفاعہ زرقی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مسجد میں تشریف لائے مگر حضور علیہ السلام کا اس مسجد میں نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

از خلاصہ الوفا صفحہ۔280

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے گھوڑوں کے درمیان جنہیں دبلا کردیا گیا تھا حضیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک اور دوسرے گھوڑوں کے درمیان ثنیہ سے لے کر مسجد بنی زریق تک دوڑ کا مقابلہ کرایا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے والوں میں شامل تھے۔

(13) مسجد بنی عبدالاشہل

اس مسجد کو یہ سعادت حاصل ہے کہ یہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ نماز ادا فرمائی۔
حضرت کعب بن بجرہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنی عبدالاشہل میں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔سیدنا حضرت محمد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس مسجد میں ظہر اور عصر کی نمازیں ادا فرمائیں۔سطری کہتے ہیں بنی عبدالاشہل کے مکانات حرہ شرقیہ میں بنوظفر کے مکانات کے ساتھ ساتھ ملتے جلتے تھے۔مسجد بنی عبدالاشہل مساجد مدینہ منورہ میں خصوصی حیثیت کی درجہ رکھتی ہے۔
بنی عبدالاشہل کے ایک فرد محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام ہماری مسجد میں تشریف لائے اور ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

اِرْكَعُوْا هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِلسُّبْحَةِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

ترجمہ: مغرب کے بعد یہ دو رکعتیں نفل نماز اپنے گھروں میں ادا کیجیے۔

ترمذی حکامات وابن ماجہ، باب صلوات وغیرہ

(14) مسجد بنی عدی (بن النجار)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنی عدی میں نماز ادا فرمائی۔ ابن شیبہ یحیٰی بن نصر سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنی عدی میں نماز ادا فرمائی تھی۔ ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد شریف میں غسل بھی فرمایا تھا۔ ابن شیبہ سے ہی روایت ہے کہ تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک بھی اسی جگہ واقع ہے۔ اس نسبت سے مسجد کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی راقم نے زیارت کی ہے۔ اب یہ جگہ توسیع مسجد نبوی میں منہدم ہوچکی ہے اور مسجد کا بھی نشان باقی نہیں ہے۔

ازخلاصہ الوفا۔ صفحہ۔284

(15) مسجد شمس

مسجد شمس مسجد قبا کے مشرق میں واقع تھی۔ اس مسجد کا دوسرا نام الفضیخ بھی تھا۔ اس مسجد کو مسجد شمس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اونچی جگہ پر واقع ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو اس کی نورانی کرنوں کی روشنی سب سے پہلے اس مسجد مبارکہ پر پڑتی تھی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بنونضیر یہودی قبیلے کا محاصرہ فرمایا تو اس مسجد شریفہ کے قریب خیمہ مبارک نصب فرمایا اسی مسجد شریفہ کے قریب حضور علیہ السلام کا قیام تھا جب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا۔ جس کے بعد قیامت تک مسلمانوں کے لئے شراب پینا حرام قرار دے دیا گیا اس وجہ سے بھی یہ مسجد کافی اہمیت کی حامل ہے۔

الوفا۔ صفحہ۔268

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کو مسجد الفضیخ میں انگور کا رس پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نوش فرمایا اسی نسبت سے اس مسجد کا نام مسجد الفضیخ مشہور ہوگیا۔

(16) مسجد بنی قریظہ

قریظہ یہود کی بستی کا نام تھا۔ یہ بستی مسجد حرہ شرقیہ کی نزدیک باغات کی انتہا پر واقع تھی۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا تھا تو اسی جگہ قیام فرمایا تھا اور نماز ادا فرمائی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس

جگہ کے نزدیک ہی ایک خاتون کا مکان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مکان میں نماز ادا فرمائی تھی۔ بعد میں جب مسلمانوں کو اس بستی میں آباد کیا گیا تو انہوں نے وہاں مسجد تعمیر کی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک (86ھ-96ھ) نے اپنے دور خلافت میں مسجد کی توسیع کرتے ہوئے اس عورت کے مکان کو بھی مسجد میں شامل کر لیا۔ اس مسجد شریفہ کا ایک مینار تھا۔ مسجد کی پیمائش 44x43 گز یعنی 132x129 فٹ تھی۔ یہ مسجد 6ھ میں تعمیر کی گئی۔

(17) مسجد الشیخین یا مسجد البدائع

شیخنان مدینہ منورہ اور احد پہاڑ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ مسجد مبارکہ اس جگہ کے قرب وجوار میں تعمیر کی گئی اور اسی نسبت سے اس کا نام ہی شیخین مشہور ہو گیا۔ ابن شیبہ عبداللہ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی جو شیخین کے نزدیک واقع ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس مسجد میں ایک رات قیام فرمایا اور صبح کی نماز ادا فرما کر احد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احد کے لیے اپنی افواج کی دستہ بندی کی اور یہیں سے یہود مدینہ کی فوج کو واپس مدینہ بھیج دیا گیا۔ زمانہ گزر جانے کی وجہ سے اس مسجد شریفہ کے آثار نہیں ملتے۔ اصحاب سیر نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔

از خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔283

(18) مساجد سیدنا حضرت عثمان بن عفان و معاذ بن جبل وسیدنا حضرت جابر بن عبداللہ و سیدنا حضرت عتبان بن مالک (الخزرج) رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

کتب احادیث وکتب سیر میں سیدنا حضرت عثمان غنی (باب شامی) سیدنا معاذ بن جبل وسیدنا حضرت جابر بن عبداللہ وسیدنا حضرت عتبان بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی مساجد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ بزرگ اپنی اپنی مساجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو گھروں کے اندر مساجد بنانے کی ترغیب دی ہے۔ جس کا مقصد گھروں کے اندر خیر وبرکت کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پاکی کا بیان کرنا ہے۔ اس طرح نہ صرف گھر ہی امن وبرکت کا گہوارہ بن جاتا ہے بلکہ اہل گھرانہ دین ودنیا کی خیر وبرکت سے اپنے دامن بھرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس ترغیت کے بعد مدینہ منورہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں مسجد نہ بنائی گئی ہو۔ یاد رہے ایسا کرنے کی وجہ فخر کائنات تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان مبارک تھا کہ فرائض کے علاوہ نماز کے لئے

بہترین جگہ گھر ہے۔ گھر کے اندر مسجد بنانے کا سب سے پہلے اعزاز حاصل کرنے والی ذات سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ میں ہی اپنے گھر کے اندر ایک مختصر سی جگہ عبادت وریاضت کے لئے مختص فرما رکھی تھی۔ جہاں کبھی کبھار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔

(19) مسجد مصبح (وادی قباء)

اس مسجد کو مسجد بنی عنف بھی کہا جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کا استقبال اسی جگہ کیا گیا۔ اسی جگہ پر آپ علیہ السلام نے طلحہ ابن البرا کے ہاں تشریف لے جاتے ہوئے نماز ادا فرمائی۔

(20) مسجد التوبہ یا مسجد النور

اسے مسجد النور کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو صحابہ کرام اسید ابن حضیر اور عباد ابن بشر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اندھیری رات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت مبارک سے اپنے گھروں کو تشریف لے جا رہے تھے اور اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک کے عصاء کو ان کے لیے روشنی مہیا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ مبارکہ سے عصا کی روشنی میں انہوں نے اپنا سفر طے کیا۔

(21) مسجد الجمعہ

دین اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ اس مسجد میں ہی ادا کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے بعد چند روز قیام کے بعد قباء سے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے لیے تشریف لا رہے تھے تو دوران سفر ہی نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اس وقت یہ جگہ بنی سالم بن عوف کی وادی رانوناء مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ (راقم کو بھی اس مسجد میں نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل ہے)۔

(22) مسجد المنارتین

اس مسجد کے دو مینار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے یہاں ایک مردہ بھیڑ کے تعفن سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے ناک

ڈھانپ لیے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کے لیے اس دنیا کی اہمیت اس سے بھی کم ہے جتنی اس بھیڑ کی اس کے مالک کے لیے"

(23) مسجد المفسلہ یعنی مسجد بنی دینار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی دینار میں شادی کی ہوئی تھی۔یہیں تشریف فرما تھے کہ بیمار ہو گئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو یہاں نماز ادا فرمائی۔

(24) مسجد السقیا

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ اس جگہ پر نصب کیا گیا تھا اور یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ بدر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی دستہ بندی فرمائی اور یہیں آپ نے اہل مدینہ کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ ''اے اللہ مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ کے لیے اتنی ہی محبت پیدا فرمادے جتنی کہ مکہ مکرمہ کے لیے بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔

(25) مسجد شربۃ ام ابراہیم

یہ مسجد اس جگہ کی نشان دہی کے لیے تعمیر کی گئی تھی جہاں حضرت ماریہ قبطیہ (مصریہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے آپ علیہ السلام کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

(26) مسجد ذوالحلیفہ یا مسجد میقات یا مسجد الشجر ا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ پر اس وقت موجود ایک درخت کے نیچے احرام باندھا اور دو نوافل ادا فرمائے۔چنانچہ مدینہ سے آنے والے حجاج کرام اور زائرین حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ آتے وقت یہیں سے احرام باندھتے ہیں اس لیے اسے مسجد الاحرام بھی کہتے ہیں۔

(27) مسجد دار النابغہ (بنی النجار)

یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن تھے اور روایات میں آتا ہے آپ نے یہاں خدا سے دعا فرمائی۔(راقم کو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کا شرف حاصل ہے)۔

(28) مسجد الفضیخ

یہودی قبیلہ بنی النضیر کے محاصرے کے دوران آپ علیہ السلام کا خیمہ یہاں نصب تھا۔ نیز یہیں کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو جب پہلی اطلاع حرمت (حرام ہونا) شراب کی ملی تو انہوں نے تمام شراب انڈیل کر ضائع کردی۔

(29) مسجد المستراح (مسجد بنی حارثہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے لیے تشریف لے جاتے ہوئے یہاں کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا۔

(30) مسجد المعرس (وادی عقیق)

وادئ عقیق میں واقع اس جگہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے ایک رات کے لیے قیام فرمایا۔

(31) مسجد الرایۃ

جہاد پر خروج کے لیے اس چھوٹی پہاڑی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان جہاد کی علامت کے طور پر جھنڈا لہرانے کا حکم فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے آپ علیہ السلام نے اس جبل ذباب پر نماز ادا فرمائی۔

(32) مسجد سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پہ بھی عید کی نماز ادا فرمائی۔ نیز یہی وہ جگہ ہے جہاں حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ(Naugus of Abyssinia) کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی جو 6ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض اہل سیر کی روایات ہیں کہ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غائبانہ نماز جنازہ مسجد غمامہ میں ادا فرمائی۔

(33) مسجد سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت خلیفہ (امیر المومنین) یہاں نماز عید ادا کی چونکہ ان کے لیے وہاں نماز عید ادا کرنا تصور سے بعید ہے جہاں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید نہ ادا کی ہو۔ لہٰذا یہ تصور کیا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں نماز عید ادا فرمائی۔

(34) مسجد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مقام عید مسجد الغمامہ کی جگہ پر منتقل کرنے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ پر عید الفطر کی نماز ادا فرمائی۔

(35) مسجد بنات بنی النجار

دختران بنی النجار نے اس جگہ پر دف بجا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر قباء میں چند روز قیام کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور منتقل ہوئے اور "طلع البدر و علینا" کے معروف استقبالیہ نعتیہ توصیفی اشعار سے استقبال کیا۔

(36) مسجد سید الشہداء

یہ مسجد میدان احد میں اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جس جگہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثلہ کی ہوئی لاش دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" آج سے پہلے اتنے عظیم نقصان سے میں کبھی دوچار نہ ہوا اور نہ ہی کبھی خشم آلود ہوا۔"

(37) مسجد الوادی (مسجد العسکر یا مسجد المصرع)

یہی وہ مقام ہے جہاں وحشی نے بھالا (برچھی) مار کر سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔

(38) مسجد عرفات

یہ مسجد قباء کے نواح میں واقع ہے اسے مسجد عرفات کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ ایک روز آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ یوم عرفات کو تشریف فرما تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدان عرفات میں حجاج کرام دکھا دیئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اس جگہ تشریف فرما تھے۔

(39) مسجد بنی حرم

یہ مسجد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہے جہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غزوہ خندق کے موقع پر دعوت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ مبارکہ تھا کہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار کیا گیا تھوڑا سا کھانا ساری افواج غزوہ خندق نے کھایا

اور کھانے میں پھر بھی کمی نہ ہوئی۔

(40) مسجد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تشریف فرما ہوکر بارش کے لیے دعا فرمائی تھی۔ بعدازاں مسجد کے متصل احجار الزیت میں حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا گیا تھا۔

صورۃ من المدینہ منورہ (Historical Sites of Madina) صفحہ 18 تا 39
تالیف خالد مصطفیٰ و مصطفیٰ البداوی، قاہرہ، مصر

(41) مسجد فضیح

احد پہاڑ کے دامن میں زمین پر ایک چھوٹا حلقہ جو منڈیر سے گھرا ہوا ہے اب بھی موجود ہے یہ مسجد بالکل کھلی ہوئی بلا کسی محراب و منبر کے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں دوران جنگ کی قضا نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ آیت نمبر 11 اسی جگہ نازل ہوئی تھی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ
لَكُمْۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مِنْكُمْۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دیا کرو اللہ تمہیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے۔ درجے بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے“

(42) مسجد ذباب

یہاں غزوہ احزاب یعنی غزوہ خندق کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اب مسجد شہید کردی گئی ہے۔

(43) مسجد استراحۃ

جبل احد سے پہلے ہی بائیں جانب برلب سڑک خوبصورت مسجد استراحۃ ہے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کے لیے چہارشنبہ کے دن تشریف لے جاتے ہوئے تھوڑی دیر یہاں استراحت فرما رہتے تھے۔ اس مسجد کی حکومت نے تجدید کے وقت توسیع بھی کردی ہے۔

(44) مسجد حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احاطہ گنج شہداء کے باہر دائیں جانب مسجد حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقع ہے۔اسی کے قریب چہار دیواری سے مستور پانی کی قدیم نہر بھی ہے۔

(45) مسجد بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد نبوی کے قریب ہی فلک بوس عمارت ٹیلیفون واقع ہے اس کے اندر مسجد بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جزو عمارت ہوگئی ہے۔مؤذن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سی محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین کا شغف اللہ تعالیٰ ہر امتی کو نصیب فرمائے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار دمشق (شام) میں ہے۔راقم کو زیارت کی سعادت حاصل ہے۔

(46) ترکی طرز تعمیر کی مسجد

مدینہ منورہ کے قدیم ریلوے سٹیشن جو کہ پائیداری اور قدامت کی جیتی جاگتی تصویر ہے کے سامنے خوشنما چمن کے درمیان، ترکی طرز تعمیر کی حسین وجمیل مسجد واقع ہے۔معماران مسجد سے دانستہ یا نادانستہ ایسی فاش غلطی نہ معلوم کس طرح سرزد ہوگئی کہ مسجد کا رخ سمت قبلہ سے اچھا خاصہ ہٹ گیا۔چنانچہ اس عیب کو دور کرنے کے لیے اندرون مسجد ترچھی صفیں (جاء نمازیں) بچھی ہوئی ہیں۔ترکی عہد سلطنت میں مسافروں کی سہولت کے لیے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی۔

محدثین نے تو مساجد کے عنوان سے اپنی اپنی تصنیفات میں الگ باب تحریر کیا ہے۔مدینہ منورہ کے گرد ونواح میں بھی بے شمار مساجد موجود تھیں جن میں حضور علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی طوالت کے خوف سے یہاں ان مساجد کے صرف نام تحریر کرنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔

1. مسجد بنی وائل۔یہ قبیلہ غزوہ خندق کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔
2. مسجد الحزبہ
3. مسجد بنی عمر
4. مسجد بنی امیہ
5. مسجد العنبر یہ (مسجد سلطان عبدالحمید خاں)
6. مسجد بنی حارثہ
7. مسجد عتبان بن مالک
8. مسجد عروہ بالعقیق (وادی عقیق)
9. مسجد بنی ساعدہ
10. مسجد بنی مازن بن النجار
11. مسجد بنی الحارث بن الخزرج
12. مسجد بنی واقف
13. مسجد بنی وائل من الاوس

14. مسجد دار سعد بن خیثمۃ بقباء
15. مسجد بنی بیاضہ من الخزرج
16. مسجد العجوز (بنی خطمی)
17. مسجد جہین
18. مسجد صدقۃ الزبیر
19. مسجد القرصہ
20. مسجد راتج (من بنی عبد الشہل)
21. مسجد التاجوری
22. مسجد القازانیۃ بز قاق جعفر
23. مسجد الکاتبیہ (مسجد السندسیہ)
24. مسجد بہرام اغا بالعنبریہ
25. مسجد خلیل اغا بطریق قباء
26. مسجد بنی واقف
27. مسجد مثیب
28. مسجد بنی اشیف
29. مسجد شرف الروماء
30. مسجد عرق الطبیۃ
31. مسجد الشجرہ
32. مسجد العرج
33. مسجد سقیا
34. مسجد الطائف
35. مسجد الرمادہ
36. مسجد الاثابہ
37. مسجد المنصرف
38. مسجد القتبیۃ
39. مسجد الابوا
40. مسجد قدیہ
41. مسجد حرہ
42. مسجد سرف
43. مسجد تفہیم
44. مسجد ذی طویٰ
45. مسجد یحییٰ جمل
46. مسجد الروثیہ
47. مسجد القامہ
48. مسجد البیضہ
49. مسجد اصہباء
50. مسجد الجعرانہ
51. مسجد یثران
52. مسجد بلیہ
53. مسجد مدلجہ وغیرہ

ابن ماجہ۔ مساجد فی الدار، ابی داؤد۔ مساجد ونسائی۔ صلوات

ابن ماجہ۔ صلوات، سورۃ الاحزاب۔ آیت 34

ابی داؤد۔ مساجد عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلاصہ الوفا صفحہ۔ 235 تا 335 وغیرہ

سورۃ المدینہ المنورہ از خالد مصطفیٰ، مصطفیٰ البداوی، قاہرہ، مصر

مدینہ منورہ کے مقدس کنوئیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لائے اور اپنے مبارک قدموں سے اس سرزمین کو قیامت تک مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنا دیا۔ حضور علیہ السلام نے ظاہری حیات مبارکہ کے تقریباً گیارہ سال اس سرزمین پر بسر فرمائے۔ اس عرصہ میں رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے جن کنوؤں کو شرف بخشا وہاں سے پانی نوش فرمایا۔ وضو کیا اور بعد میں لعاب دہن شامل فرما کر ان کنوؤں کو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے باعث خیر و برکت اور سبب شفا بنا دیا۔ ان کی تعداد خاصی ہے ان سب کا حال تفصیلاً بیان کرنا تو یہاں ممکن نہیں البتہ مشہور اور تاریخی اہمیت کے حامل کنوؤں کا حال تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(1) سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کنواں

بیئر سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے شاید یہی وہ کنواں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت تیراکی سیکھی تھی جب آپ علیہ السلام اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ننھیال کی ملاقات کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔ ابن زبالہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا تو اس کنوئیں سے پانی کا ڈول نکالا گیا اور اس پانی کو دودھ میں شامل کرنے کے بعد خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نوش فرمایا گویا دوسرے الفاظ میں پانی کو دودھ کے ساتھ شامل کر کے لسی کی شکل میں نوش فرمایا۔ ایک اور روایت میں جسے ابونعیم نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر بیان کیا یوں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا جس کی برکت سے کنوئیں کا پانی اس قدر میٹھا ہو گیا کہ اس کے مقابلے میں مدینہ منورہ کا دوسرا کوئی بھی کنواں نہ رہا۔ قربان جائیں اس لعاب دہن مبارک کے جس کی برکت و تاثیر پانی تک کو شیر جاں بنا دیتی تھی۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کا معجزہ مبارک تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے آپ علیہ السلام کو اپنے گھر کے کنوئیں سے پانی پیش کیا جس کا نام دور جاہلیت میں ترور تھا آپ علیہ السلام نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو اس کے بعد وہ کبھی خالی نہیں ہوا ابونعیم کہتے ہیں کہ مدینہ میں اس سے میٹھا کنواں کوئی نہیں تھا۔ اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عدی بن نجار کے کنوئیں میں تیراکی سیکھی شاید یہ وہی کنواں ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق بنی عدی بن نجار سے ہی تھا۔

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔309

(2) بیئر (کنواں) ارہاب

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیئر ارہاب پر تشریف لائے۔ ان دنوں یہ کنواں سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھا۔ اتفاق سے سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کنوئیں پر موجود نہ تھے ان کا بیٹا عبادہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھا۔ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر وہاں تشریف فرما رہے اور رخصتی کے وقت آپ علیہ السلام نے اپنا لعاب مبارک اس کنوئیں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کنوئیں پر آئے اور بیٹے سے پوچھا میری غیر حاضری میں کوئی آیا تو نہیں تھا؟ بیٹے نے جواب دیا ہاں ایک شخصیت تشریف لائی تھی پھر حضور علیہ السلام کا حلیہ مبارک بیان کیا۔ باپ نے سنتے ہی فوراً کہا وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ فوراً جاؤ اور انکی زیارت کرو۔ بیٹا حسب حکم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا سلام عرض کیا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ واپسی پر بیٹے نے والد کو پورا حال سنایا جسے سن کر انہوں نے فرمایا اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم یہ کنواں فروخت نہیں کر دو گے تو میں اپنی قبر اسی جگہ بنوا تا۔ حضور علیہ السلام کے لعاب مبارک کی برکت کا یہ عالم تھا کہ خدا نے اس کنوئیں کے پانی میں وہ برکت کثیر ڈال دی کہ صرف اہل مدینہ ہی نہیں بلکہ لوگ دور دراز سے آ کر کنوئیں کا پانی تبرکاً لے جاتے تھے مگر پانی کی سطح کو کوئی فرق نہ پڑتا۔ اس برکت کی بناء پر عوام نے اس کنوئیں کو بھی بیئر زمزم مدینہ کہنا شروع کر دیا۔ مذکورہ روایت محمد بن عبد الرحمٰن نے بیان کی ہے۔ اب اس کنوئیں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔310

(3) انا کا کنواں

انا کا یہ کنواں یہودیوں کے علاقہ بنو قریظہ میں واقع تھا۔ 6ھ یہودیوں کی متواتر بدعہدیوں کی پاداش میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بستی کا محاصرہ فرمایا اور یہودیوں کو اس علاقے سے نکال دیا۔ دوران محاصرہ فخر دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنوئیں کے قریب اپنا خیمہ مبارک نصب فرمایا تھا۔ یہاں نماز ادا فرمائی اور اس کنوئیں کا پانی نوش فرمایا۔ اس طرح ابد تک اس کنوئیں کو زیارت گاہ عام و خاص کا شرف حاصل ہوا۔

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔309

(4) بیئر اریس یا بیئر خاتم

بیئر اریس وہ مبارک کنواں ہے جسے یہ شرف حاصل ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لائے۔ یہ کنواں مسجد قبا شریف کے قریب واقع ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس کنوئیں سے پانی نوش فرمایا اور

اپنا لعابِ دہن اس کنوئیں میں ڈالا۔ اصل میں یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کا نام اریس تھا اس لئے اس کا نام بیرِ اریس مشہور ہوا۔ بیرِ اریس وہ کنواں ہے جس کی منڈیر پر حضور علیہ السلام اس طرح تشریف فرمائے ہوئے کہ آپ علیہ السلام کی مبارک ٹانگیں کنوئیں کے اندر لٹک رہی تھیں۔ اسی حالت میں کافی دیر تک تشریف فرما رہے اور یہاں ہی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق وسیدنا حضرت عمر فاروق وسیدنا حضرت عثمان غنی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو جنت کی مبارک باد دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر سے باوضو یہ نیت کرتے ہوئے نکلا کہ آج سارا دن سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں گزاروں گا۔ جب میں مسجد نبوی میں پہنچا تو معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چند لمحے پہلے قباء کی طرف تشریف لے گئے ہیں میں مبارک قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا پیچھے پیچھے چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیرِ اریس پر جلوہ افروز ہیں۔ بیرِ اریس چار دیواری میں گھرا ہوا تھا۔ میں چار دیواری کے اندر داخل ہوا اور دروازے پر ہی بیٹھ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور وضو فرمایا۔ جب وضو فرما چکے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا سلام عرض کیا آپ علیہ السلام نے شفقت سے جواب دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کنوئیں کی منڈھیر پر اس طرح تشریف فرما تھے کہ مبارک ٹانگیں کنوئیں کے اندر لٹکا رکھی تھیں اور پنڈلی مبارک سے کپڑا اونچا تھا۔ میں سلام عرض کرنے کے بعد دوبارہ دروازے پر دربان کی حیثیت سے آ کر بیٹھ گیا۔

دربانی کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا کون؟ جواب ملا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں نے عرض کیا ٹھہریئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت لے کر آتا ہوں۔ پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے پر حاضر ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا ''اسے اندر بلا لو اور جنت کی بشارت بھی سنا دو''۔ میں واپس ہوا اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی خوشخبری سنائی اور اندر آنے کی اجازت کے بارے میں بتایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغ میں داخل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام عرض کرنے کے بعد دائیں جانب کنوئیں کی منڈھیر پر پاؤں لٹکا کر تشریف فرما ہوئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ میں دروازے پر ہی بیٹھا تھا کہ تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد دوبارہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں۔ میں نے عرض کی جناب تھوڑی دیر انتظار فرمائیں اجازت لے کر آتا ہوں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اجازت طلب کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اسے اندر بلا لو اور جنت کی خوشخبری سنا دو''۔ میں واپس دروازے پر آیا سیدنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندر جانے کا کہا اور جنت کی بشارت بھی سنائی۔ جسے سن کر وہ باغ کے اندر داخل ہوئے اور سلام عرض کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کنوئیں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دروازے پر بیٹھا چوکیداری کے فرائض سر انجام دے رہا تھا کہ پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں پوچھا کون ہے جواب ملا عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں۔ اندر آنا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کی تھوڑی دیر انتظار فرمائیں۔ میں آپ کے لئے سرکار علیہ السلام سے اجازت لے کر آؤں۔ اس کے بعد فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اجازت طلب کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اجازت ہے اور اسے بھی جنت کی خوشخبری سنادو۔ اور ساتھ ہی اس پر وارد ہونے والے فتنہ وفساد سے بھی آگاہ کردو''۔ میں نے واپس آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت سنادی اور فتنہ وفساد کے بارے میں بھی آگاہ کیا وہ باغ میں داخل ہوئے اور خدمت اقدس میں سلام عرض کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل سامنے کنوئیں میں پاؤں لٹکا کر منڈھیر پر بیٹھ گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے منڈھیر پر اس لئے بیٹھے کہ دائیں اور بائیں سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پہلے تشریف فرما تھے۔

حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت سعید بن میبّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اس کی تاویل ان قبور سے کی ہے ان کی قبور اکٹھی ہوں گی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیحدہ ہونگے یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست کی علامات ہے۔

متلاشیان علم کے لئے یہاں یہ بھی عرض کردینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ بیرا ریس وہی کنواں ہے جہاں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے آخری ایام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مقدس انگوٹھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت مبارکہ میں میں رہتی تھی پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگشت میں رہی اور بعد میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگشت میں حسب دستور موجود تھی گرگئی۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کنوئیں کی منڈھیر پر تشریف فرما تھے اور اس انگوٹھی کو اتار کر ہاتھ مبارک میں پھیر رہے تھے کہ اچانک انگوٹھی کنوئیں میں گرگئی۔ تین روز تک مسلسل انگوٹھی کی تلاش جاری رہی مگر نہ مل سکی یہاں تک کہ کنوئیں کا تمام پانی نکال دیا گیا مگر پھر بھی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس انگوٹھی مبارکہ کے گم ہوتے ہی فتنہ وفساد کا آغاز ہوگیا۔ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حالات کے بارے میں پہلے ہی ارشاد فرماچکے تھے۔

راحت القلوب۔ صفحہ۔ 159

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔ 307

Marfat.com

آثار المدینہ۔ صفحہ۔242 وغیرہ

(5) بیئر بضاعہ

مدینہ منورہ سے مقام احد کی طرف جاتے ہوئے شامی دروازے سے باہر بالکل قریب ہی باغ جمل الیل میں یہ کنواں واقع تھا جس کا نام آجکل میدان بضاعہ ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کنوئیں کے مالک تھے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنوئیں کے پانی سے وضوفرمایا اور اپنا مبارک لعاب دہن اس کنوئیں میں ڈالا جس کی برکت سے کنوئیں کا پانی ہر مرض کا علاج بن گیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیر بضاعہ سے گذرا تو دیکھا کہ فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنوئیں کے پانی سے وضوفرما رہے ہیں۔

اسی طرح سیدنا حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنوئیں (بیئر بضاعہ) میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور اپنے مبارک ہاتھ سے مجھے اس کا پانی بھی پلایا۔

ابن زبالہ ابی اسیر سے راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیر بضاعہ کے لئے خیر وبرکت کی دعا فرمائی۔ حضرت ابوالسید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اہل مدینہ میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تو میں کہتا اسے بیر بضاعہ کے پانی سے غسل کردو۔ چنانچہ غسل کے بعد بیمار صحت یاب ہوجاتا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں ہم بیماروں کو بیر بضاعہ کے پانی سے تین روز تک برابر غسل دیتے تو وہ اللہ کے فضل وکرم سے صحب یاب ہوجاتا۔

قربان جائیں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کے جس کی برکت سے کنوئیں کا پانی ہی بیماروں کے لئے باعث شفا ہوگیا۔

راحت القلوب۔ صفحہ۔164
خلاصہ الوفا 212 وغیرہ

(6) بیئر حاء

اہل سیر لفظ حاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”حاء“ کسی مرد یا عورت کا نام تھا۔ اس لئے وہ کنواں لفظ حاء کی طرف ہی منسوب ہوگیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے انصار میں سے سیدنا حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالی اعتبار سے سرفہرست لوگوں میں سے تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک باغ بھی تھا جوان کو بے حد پیارا تھا۔ مدینہ منورہ میں باغ بیرحاء کے نام سے مشہور تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس باغ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کنوئیں کا پانی نوش فرماتے اور درختوں کے سایہ میں آرام فرماتے

Marfat.com

تھے۔ایک دفعہ حضور علیہ الصلوۃ وسلام اسی باغ میں تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ سورۃ آل عمران آیت 92۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

ترجمہ:''ہرگز بہتری نہ پاؤ گے جب تک کوئی محبوب شے خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو'' (سورۃ آل عمران 92)

سیدنا حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس آیت مبارکہ کے نزول کا علم ہوا تو وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنا باغ بیرحاء جو مجھے نہایت ہی عزیز اور پیارا ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔سبحان اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی سیرت مبارکہ کے قربان جائیں۔

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مرحبا'' یہ نفع بخش مال ہے۔یہ نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا اور اب میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے رشتے داروں میں تقسیم کر دو''۔تو ابوطلحہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسا ہی کروں گا۔چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے رشتے داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

ازراحت القلوب۔صفحہ۔164،خلاصہ الوفا314وغیرہ

(8) بیئر رومہ یا بیئر مزنی یعنی بیئر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیئر رومہ وہ مبارک کنواں ہے جس کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص بیئر رومہ کو کھودے گا اس کے لئے جنت ہے نیز بہترین کنواں مزنی یعنی بیئر رومہ کا کنواں ہے''۔

بیئر رومہ اور بیئر مزنی اسی کنوئیں کے نام ہیں بعض جگہ رومہ اور کسی جگہ مزنی لفظ استعمال ہوا ہے۔مگر یہ دونوں نام اسی کنوئیں کے ہیں جس پر اجماع اصحاب سیر ہے۔بہرحال یہ کنواں مسجد قبلتین کے شمال میں وادی عقیق میں واقع ہے۔اسی کنویں کے بارے میں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نعم القليب قلب المزنى

ترجمہ:''بہترین کنواں مزنی کا کنواں ہے''

بن حضر بیئر رومه فله الجنه

ترجمہ:''جو شخص بیئر رومہ کو خریدے گا اس کے لئے جنت ہے''

بیئر رومہ بنی غفار کی ملکیت تھا اور اسکا پانی فروخت کیا جاتا تھا۔مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی قلت تھی

مسلمانوں کو میٹھا پانی حاصل کرنے کے لئے اس کے مالک کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی تھی جوان کے لئے باعث دشواری تھی۔ یہ ہجرت کے ابتدائی مراحل کی بات ہے کیونکہ اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے کمزور تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کے مطابق سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کنواں جنت کے عوض خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا تھا اور یوں بعد میں بیر رومہ بیر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہوا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو شہر میں پینے والے میٹھے پانی کی شدید قلت تھی۔ مدینہ منورہ میں اسی کنوئیں کا پانی میٹھا تھا۔ کنوئیں کا مالک بھاری قیمت لے کر پانی فروخت کرتا مسلمان بے سروسامانی میں اپنا گھر بار اللہ کی راہ میں چھوڑ کر آئے تھے اس لئے گراں قیمت ادا کر کے پانی خریدنا ان کے لئے مشکل تھا یہ دیکھتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص بیر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے آسانی پیدا کرے گا وہ جنت پائے گا''۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کنوئیں کا نصف حصہ بیس ہزار درہم اور ایک دوسری روایت کے مطابق پینتیس ہزار (35,000) درہم کی رقم کثیر سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا۔ طے یہ پایا کہ ایک پورا دن مسلمان اس کنوئیں کا پانی استعمال کریں گے اور دوسرے روز کفار۔ اس طرح جب مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی اس کنوئیں سے لے لیتے اس طرح تیسرے دن پھر ان کی باری آجاتی۔ کنوئیں کے نصف حصہ کا مالک مسلمانوں کے اس عمل سے گھبرا گیا کیونکہ وہ حسب منشا پانی فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس نے اپنا نصف حصہ بھی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مزید آٹھ ہزار درہم ایک دوسری روایت کے مطابق پندرہ یا بیس ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ یوں بیئر رومہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے کا پورا ہی مسلمانوں کے لئے وقف فرما کر حسب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں گھر پالیا۔

بیئر رومہ کی حقیقت کے بارے میں اصحاب سیر ایک اور روایت بھی بیان کرتے ہیں وہ روایت بغوی نے بشیر اسلمی سے نقل کی ہے۔ کہتے ہیں بیر رومہ بنی غفار کے ایک شخص کی ملکیت تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کنواں ہمیں جنت کے بدلے دے دو۔ اس شخص نے عرض کی میں ایسا کرنے سے معذرت چاہتا ہوں کیونکہ یہ کنواں ہی میری واحد ملکیت ہے جس سے حاصل ہونے والی رقم سے میں اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے 25 ہزار درہم (پچیس ہزار درہم) کی کثیر رقم کنوئیں کے مالک کو ادا فرما کر کنواں خرید لیا اور اسے مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا۔ بیئر رومہ مدینہ منورہ شہر کے وسط سے تقریباً 3 (تین) میل دور واقع ہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ کنواں بھی بند ہو گیا۔ 750ھ میں قاضی شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کنوئیں کو دوبارہ صاف کرایا اور یوں اہل مدینہ منورہ ایک بار پھر اسی

کنوئیں کے میٹھے پانی سے فائدہ اٹھانے لگے۔اس طرح قاضی شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کا مستحق بنالیا کہ:۔

''جو شخص بیئر رومہ کو کھودے گا اس کے لئے جنت ہے''

ایک دفعہ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کنواں خشک ہو کر بند ہو گیا ہے مگر کنوئیں کے آثار بدستور موجود ہیں اور حج یا عمرہ پر جانے والے اہل محبت اب بھی کنوئیں کی زیارت کے لئے وہاں حاضری دیتے ہیں۔

خلاصہ الوفا۔صفحہ۔315

راحت القلوب۔صفحہ 163 وغیرہ

(9) بیئر ذروان

سیرت مقدسہ کے حوالے سے یہ کنواں خاص اہمیت کا حامل ہے۔مدینہ منورہ کے یہودیوں میں سے لبید بن عاصم اور اس کی بیٹیاں جادو کے سلسلے میں بہت مشہور تھیں۔اسی یہودی کی بیٹیوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک حاصل کئے اور ان پر جادو کرنے کے بعد اسی کنوئیں میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیئے۔اس جادو کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مقدسہ پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا۔اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ کنوئیں سے جاکر بال مبارک نکال لائیں وہ حسب حکم کنوئیں پر گئے اور بال نکال لائے۔

بعض کتب سیر میں اس روایت کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں پر مدینہ کے یہودی لبید بن عاصم کی بیٹیوں نے گرہیں لگا کر جادو کیا اور پھر وہ مبارک بال کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیئے گئے۔حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لبید کی بیٹیوں نے اس طرح جادو کر دیا ہے۔اللہ کریم نے اس جادو کے توڑ کے لئے معوذ (یعنی قُل کی) تین سورتیں نازل فرمائی ہیں۔کنوئیں سے بال مبارک منگوا کر یہ سورتیں تلاوت فرمائیں بالوں پر لگائی گئی تمام گرہیں خود بخود کھل جائیں گی۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ فلاں کنوئیں سے میرے بال نکال لائیں۔انہوں نے حکم کی تعمیل فرمائی۔بالوں پر سورتیں تلاوت فرماتے گئے یکے بعد دیگرے تمام گرہیں کھلتی چلی گئیں۔

چنانچہ قدرت نے اس کا اظہار فرما کر قیامت تک مسلمانوں کو جادو کے توڑ کا طریقہ بتا دیا کہ اگر کوئی اس مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو یہ سورتیں پڑھ کر دم کر لے تو انشاء اللہ جادو کا اثر زائل ہو جائے گا۔

(9) بیئر غرس

بیئر غرس سعد بن خثیمہ کی ملکیت تھا۔ یہ کنواں مدینہ منورہ کے مشہور مقامات میں سے ایک مقام موضع قربان میں واقع ہے۔ مسجد قبا کی مشرقی جانب قریباً آدھ میل کے فاصلے پر مقامات غرس اس کنوئیں کے اردگرد واقع ہیں اسی کی نسبت سے یہ کنواں بیر غرس کہلاتا ہے۔ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے ارشاد فرمایا "میں نے آج رات جنت کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں پر صبح کی ہے پھر صبح بیر غرس پر تشریف لے گئے وہاں وضو فرمایا اور لعاب دہن مبارک کنوئیں میں ڈالا۔ بیئر غرس بنو حنظلہ کی قبروں کے نزدیک واقع ہے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس کنوئیں کو بڑی عظمت عطا فرمائی ہے۔

سیدنا حضرت سعد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیئر غرس کے پانی سے وضو فرمایا اور بچا ہوا پانی واپس کنوئیں میں ڈال دیا۔ خوش قسمت ہے وہ پانی جس میں لعاب دہن مبارک شامل ہو کرامت کے لئے باعث شفاء اور برکت بن گیا۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے بیئر غرس کا پانی لادو"۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیر غرس سے پانی نوش فرمایا اور پھر اسی کنوئیں کے پانی سے وضو بھی کیا۔

کتب سیر میں آتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا "میرے وصال کے بعد مجھے بیئر غرس کے پانی سے سات بھرے ہوئے مشکیزوں سے غسل دینا"۔ سیدنا حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسب حکم وصال شریف کے وقت بیئر غرس کے پانی سے غسل شریف دیا گیا۔

بیئر غرس کا پانی 700ھ تک جاری رہا اور مسلمان اس پانی سے دین ودنیا کی لذتیں حاصل کرتے رہے بعد میں عدم توجہی سے یہ کنواں بند ہوگیا۔ اس مبارک کنوئیں کے آثار ابھی تک موجود ہیں اہل دل وہاں جاکر زیارت کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

راحت القلوب، صفحہ۔161
خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔318 وغیرہ

(10) بیئر الیسیر ہ یا العہن

ابن زبالہ سعد بن عمر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی امیہ بن

زید کے ہاں تشریف لائے اوران کے کنوئیں پر ٹھہرے۔آپ علیہ السلام نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا''تمہارے اس کنوئیں کا کیا نام ہے''۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنوئیں کا نام''عیسرہ'' ہے۔یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا''اس کنوئیں کا نام عیسرہ نہیں بلکہ یسیرہ ہے''۔قربان جائیں لطف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فوراً اس نام کو تبدیل فرمادیا جس کے معنی اچھے نہ تھے۔یادرہے عربی عربی زبان میں لفظ عیسرہ عسر سے ہے جس کے معنی اچھے نہ تھے۔عربی زبان مین لفظ عیسرہ عسر سے ہے جس کے معنی مشکل وتنگی وقت کے ہیں۔ جبکہ یسیرہ یسر سے ہے جس کے معنی راحت وآرام کے ہیں۔گویا اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف کنوئیں کا نام ہی تبدیل فرمادیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کنوئیں کو خیروبرکت والا بنادیا۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بُرے معنی والے ناموں کو اچھے معنوں والے نام میں تبدیل فرما کرامت کو تعلیم فرمادی کہ جس چیز کا نام بھی رکھا جائے نہایت سوچ کر رکھنا چاہیے اور ہمیشہ وہ نام رکھیں جس کے معنی اچھے ہوں کیونکہ ناموں کی بھی اپنی تاثیر ہوتی ہے۔اچھا نام ہوگا تو شخصیت میں اچھی تاثیر کے اثرات ظاہر ہوں گے جبکہ بُرے معنی والے نام سے اثرات بھی برے ہی مرتب ہونگے۔

(12) بیئرالقراضہ

اس کنوئیں کے مالک کو یہ سعادت حاصل ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنوئیں کے لئے خیروبرکت کی دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کنوئیں کا مالک ہر مصیبت ومشکل سے آزاد ہوکر نہایت خوشحال زندگی بسر کرنے لگا۔ابن زبالہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو قرض خواہوں نے اپنے اپنے قرض کا مطالبہ شروع کردیا۔

مطالبات نے جب شدت اختیار کی تو حضرت جابر بن عبداللہ بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرض خواہوں سے کہا کہ قرض کے بدلے بیئرالقراضہ لے لیں مگر قرض خواہوں نے کنواں لینے سے انکار کردیا شاید کنویں کی مالیت رقم کے برابر نہ تھی۔یہ سارا قصہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک جماعت کے ہمراہ کنوئیں پر تشریف لائے اور پانی میں لعاب دہن مبارک ڈال کر خیروبرکت کی دعا فرمائی۔اس سال اللہ کریم نے پانی میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ پانی سے سیراب ہونے والے پھل کئی گناہ زیادہ پیدا ہوئے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ پھل فروخت کرنے کے بعد نہ صرف قرض خواہوں کو ہی فارغ کردیا بلکہ بہت کچھ ان کے پاس بچ بھی گیا۔سبحان اللہ قربان جائیں دہن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

خلاصۃ الوفا۔صفحہ۔319

(12) بیرِ جمل

ابن زبالہ عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت اسامہ بن زید رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے روایت کرتے ہیں کہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرِ جمل پر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ تھے حضور علیہ السلام نے بیرِ جمل کے پانی سے وضوفرمایا جب فارغ ہوئے تو ہم نے اس وقت سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بتائیں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کس طرح فرمایا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں وضوفرمایا اور پھر بعد میں پاؤں پر مسح بھی کیا۔

خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔313

(13) بیرِ غدق

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مقام قباء تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سب سے پہلے اس کنویں کے پہلو میں بیٹھی۔ یہ کنواں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھا۔

(14) بیرِ السقیا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کنویں کے پانی کی مٹھاس بہت پسند تھی۔ یہی کنواں ہے جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارش کے لیے دعا کرنے کے لیے لے کر گئے تھے۔

(15) ابیارِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کنواں اس وقت کھودا تھا جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں میقات کے قریب ذوالحلیفہ میں رہائش پذیر تھے۔

(16) بیرِ الجھیم

یہ کنواں قباء کے علاقہ میں تھا۔ اس کے قریب ہی مسجد التوبہ واقع تھی۔

Marfat.com

(17)

بیئر محمود بن ربیع

بیئر محمود بن ربیع حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھا۔ یہ وہی کنواں ہے جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی لے کر حضرت محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں پر کلی کی تھی۔ حضرت محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت عمر حضرت امام بخاری نے پانچ سال تحریر کی ہے اور یہ کہ حضرت محمود ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مسجد جمعہ کے قریب تھا۔

مدینہ منورہ۔ اسلام کی پہلی چھاؤنی

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کی قسمتیں بدل گئیں۔ یثرب مدینۃ الرسول بن گیا۔ پھر کائنات ارض وسما نے دیکھا کہ آفتاب اسلام نے بڑے ہی قلیل وقت میں پوری دنیا کو اپنی نورانی کرنوں سے منور فرما دیا۔ تاریخ عرب اور سیرت مقدسہ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مدینہ منورہ کا شہر بنیادی طور پر ایک فوجی شہر تھا۔ اہل مدینہ منورہ کے لئے کسی امتیاز کے بغیر فوجی خدمت انجام دینا ضروری تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور مدبرانہ حکمت عملی کے مطابق غزوہ یا سریا پر فوجی مجاہدین کا ایک حصہ ہی روانہ کیا جاتا جبکہ باقی مجاہدین شہری دفاع اور نگہداشت و دیگر امور بجالانے کے لئے شہر میں ہی رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بصیرت کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو دنیا کے تمام فلاسفر (فلسفی)، دانشور ماہرین جنگ غرض ہر ایک انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ حکمت عملی وہ اختیار فرمائی جو وقت کی اہم ترین ضرورت تھی خاص طور پر مدینہ منورہ کے مخصوص حالات اور داخلی و بیرونی خطرات وخدشات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی حکمت عملی پر عمل کرنا ناگزیر تھا۔

کسی بھی سریا یا مہم پر بھیجے جانے والے مجاہدین کے ناموں کی باقاعدہ فہرست تیار کی جاتی۔ مہم کے بعد جو مال غنیمت مسلمانوں کو ملتا اس کا زیادہ حصہ شرکاء کو دیا جاتا باقی ان لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا جو لڑائی میں تو شریک نہ ہوتے بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مدینہ منورہ میں ہی مختلف امور کی انجام دہی میں مصروف رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے فرمایا ''دو آدمیوں میں سے ایک جہاد پر جائے اور کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جائے یا غازی بن کر زندہ لوٹ آئے جبکہ دوسرا گھر میں رہتے ہوئے اپنی اور اہل گھرانہ واہل شہر کی حفاظت کرے اجر میں دونوں برابر ہیں''۔ مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مبارک پر مجاہدین کے اندراج کا باقاعدہ رجسٹر یعنی کتابچہ تیار کرلیا گیا تھا۔ اس رجسٹر کے دو حصے

تھے ایک میں خالص مجاہدین کے نام درج کئے جاتے تھے جبکہ دوسرے حصے میں منافقین کے نام درج تھے جو بظاہر اسلام کا اظہار کرتے ہوئے طلبی پر حاضر تو ہو جاتے مگر ان لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسی کئی مثالیں موجود تھیں کہ ان منافقوں نے عین وقت پر کسی نہ کسی بہانے سے لشکر اسلام کے ساتھ اپنی شمولیت کو ٹال دیا تھا۔

لشکر اسلام کا رسالہ

قرآن کریم کی سورۃ الانفال آیت 60 میں فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

ترجمہ: ''اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں۔''

اللہ کریم نے مسلمان مجاہدین کو مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کے لئے گھوڑے رکھنے کا فرمایا ہے۔ پھر اس مقصد کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو گھوڑے تیار رکھنے اور ان کو سدھانے کی ترغیب کا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والے گھوڑوں پر زکوۃ معاف فرما دی تھی۔ حضو علیہ السلام نے مال غنیمت اور سرکاری مالی وسائل استعمال فرما کر سرکاری طور پر باقاعدہ گھوڑوں کا انتظام بھی کیا تھا۔ پھر ان گھوڑوں کے لئے بقیع کی چراگاہ مختص کر دی گئی۔ اس طرح یہ چراگاہ خالصتاً سرکاری نوعیت کی تھی۔

غزوہ یا سریا پر جانے کے لئے جن مجاہدین کے پاس گھوڑوں کا انتظام نہ ہوتا انہیں سرکاری طور پر گھوڑے مہیا کئے جاتے تھے۔ سیرت نبوی اس بات کی شاہد ہے کہ لشکر اسلام میں آہستہ آہستہ گھوڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسلامی حکومت کے پاس ایک قابل رشک نا قابل شکست مضبوط رسالہ موجود تھا جو سرکاری اور ذاتی گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ اہل عرب کے ہاں گھوڑا بہت ہی قدر و منزلت رکھتا تھا مضبوط گھوڑ سوار دستہ جیت کی واضح نشانی تھی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مبارک کے مطابق گھوڑوں کو باقاعدہ جنگ کے لئے سدھایا جاتا تھا۔ گھوڑ سواری کے مقابلے ہوتے ان مقابلوں میں جیتنے والوں کو انعامات دیئے جاتے۔ تربیت یافتہ گھوڑوں کے مقابلے کے لئے مسجد السبق سے ثنیۃ الوداع تک تقریباً پانچ میل کا فاصلہ مقرر تھا۔ جبکہ غیر ترتیب یافتہ گھوڑوں کے مقابلے کے لئے دوڑ کا کم از کم فاصلہ 2 یا 3 میل مقرر تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کے لئے جو میدان مقرر فرمائے تھے وہاں مجاہدین شمشیر زنی، تیر اندازی، نیزہ بازی وغیرہ کی مشقیں کیا کرتے تھے۔ مجاہدین کے درمیان

باقاعدہ مقابلے بھی ہوتے اور فوجی مشقیں بھی بعد میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں کو خود حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دست حق پرست سے حوصلہ افزائی کے لئے انعامات بھی عطا فرمایا کرتے تھے۔

پہلی اسلامی لشکر گاہ

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری زمانہ میں مدینہ منورہ کا مقام الجرف بطور اسلامی لشکر گاہ استعمال کیا جاتا تھا۔ بقول اصحاب سیر اس زمانے میں جتنے اسلامی لشکر مختلف مہمات پر روانہ کئے گئے وہ تمام لشکر اسی مقام الجرف پر اکٹھے ہوتے اور پھر مزید ہدایات ملنے پر اپنی اپنی مقررہ مہمات کی طرف روانہ ہو جاتے۔ مہمات سے واپسی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم مبارک کے مطابق لشکر اسی مقام پر خیمہ زن ہوتا پھر ایک رات یا بعض اوقات دن کا کچھ حصہ الجرف میں گزار کر اپنے اپنے گھروں کے لئے منتشر ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم مبارک کے مطابق جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیسائیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ان کا لشکر اسی مقام پہ خیمہ زن ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہو جانے کی وجہ سے اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال شریف تک لشکر الجرف میں ٹھہرا رہا بعد میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اس لشکر کو الجرف کی لشکر گاہ سے روانہ فرمایا۔ بعد میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہ مقام لشکر گاہ ہی رہا۔ الجرف کی لشکر گاہ میں مجاہدین کو ٹھہرانے کے لئے کیا انتظامات تھے ان کو خیموں میں ٹھہرایا جاتا۔ عارضی فوجی کیمپ لگائے جاتے یا بنوالنضیر کے خالی مکانات میں ٹھہرایا جاتا۔ اس سلسلے میں کتب سیر اور تاریخ عرب میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ یہ بات صاف طور پر درج ہے کہ یہ علاقہ یہودی قبیلے بنی النضیر کی ملکیت تھا جب ان لوگوں کو مدینہ بدر کیا گیا تو ان لوگوں کے خالی مکانات اہل حق کے قبضے میں آچکے تھے۔ دفاعی اعتبار سے یہ علاقہ نہایت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ وہاں بارش کے پانی کے کٹاؤ کی وجہ سے بہت زیادہ ٹیلے تھے۔ پھر یہ مقام جوف مدینہ کے مشرقی گوشے میں اس جگہ واقع تھا جہاں قریب ہی فوجی مظاہرہ (پریڈ) اور مشقوں کے میدان تھے۔

القرآن سورۃ الاحزاب۔ آیت 9، 13، 16، 18، 19، 25، 60، 61

صحیح مسلم شریف، کتاب الجہاد

صحیح مسلم شریف، ابواب جہاد عن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترمذی شریف، باب احکامات

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، صلوت عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحیح بخاری شریف، کتاب الجہاد و ابواب الجہاد

ابن ماجہ، صلوت و مساجد فی الدار

ابی داؤد مساجد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
باب الجہاد، ابی یوسف فی کتاب الخراج، ابی عبید فی کتاب الاموال
سیرت ابن ہشام طبقات ابن سعد۔ جلد۔ اول
بلاذری، فتوح البلدان۔ صفحہ۔ 128، ص۔ 30
القرآن، سورۃ الانفال آیت 60 وغیرہ
صورۃ من المدینہ المنورہ از خالد مصطفیٰ البداوی، قاہرہ، مصر

مدینہ منورہ کی پاک وادیاں

مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں بہت سی وادیاں ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم لگ جانے کی وجہ سے عزت وشرف اور ابدی شہرت حاصل ہوئی اگر ان تمام وادیوں کا تفصیلی حال لکھا جائے تو ہمارا موضوع نہایت طویل ہو جائے گا۔ جس کی گنجائش نہیں اس لئے یہاں صرف ان وادیوں کا ذکر ہی کروں گا جن کے بارے میں اصحاب سیر اور مورخین مدینہ منورہ نے تحریر کیا ہے۔ دعا ہے اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(1) وادی مہروز

وادی مہروز حرہ واقم کے مقام سے شروع ہوتی ہے بقول ابن شیبہ یہ وادی مقام حرہ واقم کے مشرقی حصہ سے شروع ہوتی ہے اور بنو قریظہ تک چلی جاتی ہے۔ اس وادی کے دو حصے ہیں ایک حصہ وادی مذنیب سے مل جاتا ہے جبکہ دوسرا حصہ بنی خطمہ کے علاقے سے جا ملتا ہے۔ پھر یہ دونوں حصے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ مشربہ ام ابراہیم سے جا ملتے ہیں۔ وادی مہروز تاریخی اہمیت کی حامل ہے اور اس وادی کو فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغات کی ہمسائیگی کا فخر حاصل ہے۔

(2) وادی عقیق

عقیق عربی زبان مین ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس سے سیل کا گزر ہوا اور پانی اس میں شگاف پیدا کر دے۔ سرزمین عرب پر چار ایسی وادیاں ہیں۔ ان سب کو عقیق کہا جاتا ہے۔ اس وادی سے شاہ تبع اول حمیری کا گزر ہوا تھا اس نے اس وادی کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے۔

هذا عقيق الارض "یہ عقیق زمین ہے"

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا "رات میرے پاس آنے والا آیا اور اس نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھیئے۔ اسی

طرح حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں شکار کو گیا شکار مل جانے پر اس کا گوشت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا جسے کمال شفقت سے آپ علیہ السلام نے قبول فرمایا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم کہاں چلے گئے تھے؟'' میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بار شکار کے لئے دور نکل گیا تھا۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام گوہر فشاں ہوئے اور ارشاد فرمایا ''اگر تم وادی عقیق میں شکار کے لئے چلے جاتے تو میں تمہارے ساتھ ہولیتا''۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے جس کے راوی سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ وادی عقیق گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوٹا لو اور اس وادی میں بہنے والے پانی سے اس کو بھر لو کیونکہ اس وادی کو ہم سے پیار ہے اور ہمیں اس وادی سے پیار ہے''۔ اس حدیث مبارکہ سے وادی عقیق کی عظمت کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے پاس آنے والا آیا درآنحالیکہ میں عقیق میں تھا اور اس نے کہا۔ بے شک آپ ایک مبارک وادی میں ہیں''۔

تاریخ عالم اور خاص طور پر مدینہ منورہ سے دلچسپی رکھنے والے متلاشیان علم کے لئے یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ وادی عقیق دو حصوں میں تقسیم شدہ ہے یعنی وادی عقیق کبیر اور وادی عقیق صغیر (چھوٹی) یہ بات بھی یقیناً معلومات میں بے بہا اضافہ کا باعث ہوگی کہ موجود دور میں تعمیر کی جانے والی مدینہ منورہ یونیورسٹی (جامعہ) اور قدیم مسجد قبلتین و بیرِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وادی عقیق میں ہی واقع ہیں۔

آثار المدینہ صفحہ۔230، خلاصہ الوفا صفحہ۔336

(3) وادی مذنیب

وادی مذنیب مدینہ منورہ کی قدیم ترین وادیوں میں سے ایک ہے۔ یہ وادی شہر سے تقریباً سات (7) میل دور ہے۔ یہ وادی اغوات پہاڑ سے شروع ہو کر فرغابہ میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ زمانہ قدیم میں عمالقہ قوم اس وادی میں پہلے آکر آباد ہوئی اور اس قوم نے یہاں کھیتی باڑی کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر زمانہ گزر جانے کے ساتھ ساتھ یہاں دستور قدرت کے مطابق ردوبدل ہوجاتا رہا آخر میں یہودیوں کا ایک قبیلہ ترک وطن کرنے کے بعد اسی جگہ آکر آباد ہوگیا۔ یہ یہودی قبیلہ بنونضیر تاریخ مدینہ میں اہمیت کا حامل ہے۔ مشہور یہودی کعب بن اشرف کا قلعہ بھی اس وادی کی غربی جانب واقع تھا۔ بنونضیر نے جب معاہدے کی خلاف ورزی

کرتے ہوئے غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوکر مشرکین مکہ کے خلاف جنگ لڑنے سے انکار کیا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قبیلے کو وادی مذنیب سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا تھا۔

اصحاب سیر اور خاص طور پر صاحب خلاصۃ الوفا فرماتے ہیں کہ وادی مذنیب اصل میں وادی بطحان کا ہی حصہ ہے۔ کیونکہ وادی بطحان بنوامیہ کے باغ سے ہوتی ہوئی اسی جگہ ختم ہوتی ہے اور پھر اسی مقام سے آگے کئی حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ مسجد غمامہ کا تمام مغربی علاقہ وادی بطحان کہلاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابن شیبہ اور بزازہ نے حدیث نقل کی ہے۔ فرماتی ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ان بطحان علی ترعة من ترع الجنة

''بطحان جنت کی زمینوں میں سے ایک ہے''

کبھی وادی مذنیب وادی حرہ شرقیہ سے نکل کر بنوقریظہ کے مکانات تک جا پہنچی تھی۔ موجودہ دور میں خدا بہتر جانے اس وادی میں کیا کیا ترقی ہوچکی ہے اور کون کون سی نئی عمارات یہاں تعمیر ہوچکی ہیں۔

آثار المدینہ۔ صفحہ۔234، خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔242۔243 وغیرہ

(4) وادی رانوناء

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے بعد قباء سے مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو اسی وادی رانوناء کا راستہ اختیار فرمایا۔ قبیلہ بنی زریق وادی رانونا میں آباد تھا۔ تاریخ مدینہ میں اس وادی کو رانون بھی کہا جاتا ہے۔ وادی رانونا اور وادی بطحان دارالشواترہ کے قریب جا کر مل جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو سرسبز شاداب اور میوہ جات کے سلسلے میں جنت کا ٹکڑا بنا دیا تھا۔ اس وادی میں سبزیوں اور پھلوں کی فراوانی تھی ہر طرف باغات نظر آتے تھے زمین کو گھاس کی ہریالی نے سرسبز بنا رکھا تھا۔ وادی رانونا کی پوری آبادی بند سے لے کر بنجر تک سرسبز وشاداب تھی۔ اس وادی میں بند کی تجدید کا سہرا ملک مظفر ملکان عبدالعزیز خان اور شیخ حرم خالد پاشا کے سر ہے جنہوں نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے اس بند کے کام کی ذاتی نگرانی بھی کی۔ ازمیری قوم کے صالح مہمد حماد نے 1289ء میں اپنی زیر نگرانی اس بند کو تعمیر کرایا تھا۔ اس وادی رانوان کی سرسبزی وشادابی میں زیادہ کمال اسی بند کا تھا۔

آثار المدینہ منورہ، صفحہ۔133، خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔342 وغیرہ

(5) وادی قنادۃ

عربی لغت میں قنادۃ اس گہری زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی بہتا ہو مثلاً جیسے نہر وغیرہ۔ یہ وادی مدینہ منورہ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس وادی سے شہر کی طرف سفر شروع کریں تو آبادی مدینہ منورہ تک پہنچنے کے لئے قریباً آدھ گھنٹہ کا سفر ہے۔ شاہ تبع اول حمیری جب اس وادی سے اپنے لشکر سمیت گزرا تو اس نے جگہ کی مناسبت سے اس کا

نام قنادۃ رکھ دیا۔ تبع اول حمیری کے الفاظ یہ تھے۔ ھذا قناۃ الارض "یعنی یہ زمین قناۃ ہے"۔ وادی قنادۃ حرہ شرقیہ سے گذرتی ہے۔ 690ھ اور 734ھ (1291 اور 1333ء) میں یہاں چار مرتبہ شدید سیلاب آیا مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عنایت کی وجہ سے یہاں کی آبادی شدید طغیانی کے باوجود ڈوبنے اور کسی قسم کے نقصان سے محفوظ رہی۔

آثار المدینہ۔ صفحہ۔ 237، خلاصہ الوفا۔ صفحہ۔ 342 وغیرہ

(6) وادی المکیمن

اس وادی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب وادی المکیمن میں پانی کی کثرت ہو تو یہ موسم بہار ہے" یہی وادی حضور علیہ السلام کے اونٹوں کی چراگاہ تھی اور اسی وادی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش تھی۔

(7) وادی بطحان

اس وادی کے متعلق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ وادی باغ رضوان ہے" آپ علیہ السلام ثابت ابن قیس کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے جب وہ بیمار تھے۔

وادی بطحان حرہ شرقیہ کے جنوب سے شروع ہو کر مسجد قباء کے مشرق تک جاتی ہے پھر شمال کی جانب تربۃ صعیب تک ہے جو طریق قربان کے مشرق میں ہے اور پھر مسجد بلال اور مسجد عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "وادی بطحان جنت کے تالابوں میں سے ایک حوض پر ہے"

(8) وادی البیداء

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وادی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "جب قرب قیامت میں مہدی مدینہ سے جائے امن مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوں گے تو یہ وادی انہیں اپنے اندر جذب کرلے گی"۔

(9) وادی ذات الجیش

غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور یہیں پر تیمم کی آیت کا

نزول ہوا۔

آثارالمدینہ صفحہ 237

خلاصہ الوفا صفحہ 342

صورۃ من المدینۃ المنورہ صفحات 69 تا 72

چند دوسرے مقامات زیارت

(1) غار سجدہ

مساجد خمسہ کے پچھلے حصے میں تین فرلانگ کی دوری پر جبل سلع کی ایک چوٹی کے قریب "غار سجدہ" واقع ہے اس درہ سے جہاں سے حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے تھے کوسوں تک میدان جنگ صاف نظر آتا ہے۔

غار سجدہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت ہی طویل سجدہ شکر ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قوم کی طرف سے رنجیدہ نہیں فرمائے گا۔ اس جگہ تقریباً لیٹ کر داخل ہونا پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی راہ سے داخل غار ہوئے تھے۔ (راقم کو بھی اسی غار میں داخل ہو کر بیٹھ کر نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی کہ یہاں بیٹھ کر ہی نوافل ادا کیے جا سکتے ہیں)۔

(2) الجرف

مدینہ منورہ کو فتح کرنے کے ارادے سے قرب قیامت میں دجال یہاں تک پہنچ جائے گا مگر مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے چاروں طرف ملائکہ بطور محافظ مامور ہوں گے اور وہ (ملائکہ) اسے (دجال) شام کی طرف بھگا دیں گے جہاں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(3) قبۃ الثنایاء

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک غزوۂ احد کے موقع پر اس جگہ شہید ہوا تھا۔ حضرت علی و حضرت طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت فرمائی۔ احاطہ شہدائے احد کی پشت پر کچھ ہی دور راستہ کے دائیں جانب قبہ کے آثار درمیان آبادی موجود ہیں۔

(4) الطرفاء الغابہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر اس جگہ کی لکڑی سے تیار کروا کر خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تھا۔اس سے پہلے ستون حنانہ سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس منبر پر تشریف فرما ہوئے تو حنانہ نے رونا شروع کر دیا جیسا کہ ستون حنانہ میں مذکور ہے۔آپ نے حنانہ پر ہاتھ رکھا تو رونا بند ہو گیا اور حنانہ کی لکڑی کو وہیں دفن کر دیا گیا جہاں اب ستون حنانہ ہے۔

(5) بستان (باغ) سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائی کے لیے یہودی کی شرط پورا کرنے کے لیے کھجور کے تین سو درختوں میں سے ایک اپنے دست مبارک سے لگایا۔کچھ زیادہ معتبر روایات میں آتا ہے دو پودے اپنے دست مبارک سے لگائے۔یہ دو پودے عام پودوں سے کئی گنا زیادہ اونچے 1987ء تک موجود تھے اور انکی خوشبو دنیا کی بہترین خوشبو سے بھی بہتر تھی۔لوگ تبرکاً ڈنٹھل لے جاتے تھے۔راقم کو بھی ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔مگر اب یہ کاٹ دیئے گئے ہیں۔غالباً دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسل در نسل خود رو سلسلے سے ہی اب تک قائم چلے آ رہے تھے اور پھل دے رہے تھے۔

(6) مبرک الناقہ

وادیٔ مشقق میں واقع اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا۔اور غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب صحابہ کرام اور جانور پیاس کی شدت سے نڈھال تھے تو صحابہ نے پانی کے لیے عرض کی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت مبارکہ سے چشمے جاری ہو گئے اور تمام صحابہ کرام اور تمام جانوروں نے سیر ہو کر پیاس بجھائی۔

(7) حرۃ الزہرہ

حضور علیہ السلام کا جب اس وادی سے گزر ہوا تو ارشاد فرمایا"اس قطعہ زمین پر میرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے بعد (تابعین) مسلمانوں میں سے بہترین لوگ قتل کیے جائیں گے"چنانچہ تقریباً پچاس سال بعد چھ ہزار صحابہ کرام اور تابعین اس جگہ پر یزیدی افواج نے شہید کیے۔

(8) تربۃ صعیب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں حضرت الحارث بن الخزرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے

تشریف لائے۔

(9) غزوہ حمراء الاسد

حمرہ ءلاسد کے مقام پر غزوہ احد سے دوسرے روز سے لے کر افواج قریش کے تعاقب میں یہاں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین روز تک قیام فرمایا۔

(10) دار سیدنا کلثوم بن الہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہجرت کے بعد قباء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلثوم بن الھدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان اور مقام میں قیام فرمایا۔ بعدازاں ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواج کو لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مقام پر پہنچے اور قیام فرمایا۔

(11) دار سیدنا ابی ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہیں قیام فرمایا (توسیع مسجد نبوی کے سلسلہ میں اب کوئی نشان باقی نہیں رہا راقم کو توسیع سے قبل دار ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے)۔

(12) دار فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اموی حکومت نے جب حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبائی گھر سے زبردستی نکال باہر کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجبوراً یہاں منتقل ہو گئیں (مگر توسیعی سلسلوں کے بعد اس جگہ کا نشان باقی نہیں ہے)۔

(13) بستان (باغ) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بنی النضیر سے مال غنیمت میں حاصل کردہ یہ باغ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

(14) دار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہل سیر کی روایت ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے اپنے گھر کے تنگ ہونے کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے لیے بہشت میں جگہ بناؤ''

(15) دار سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد نبوی کے باب جبریل کے بالمقابل دار سیدعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ باب جبریل کو باب النبی بھی کہا جاتا تھا اس لیے کہ آپ علیہ السلام اکثر اسی باب سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر اب مسجد نبوی میں توسیع کے باعث یہاں کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

(16) قصر عروۃ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وادیٔ العقیق میں واقع قصر عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہاں پر اس قصر میں جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کھانا پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی سادہ خوراک کو یاد فرما کر بہت روئیں۔

(17) قصر سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے نے یہ قصر کثیر رقم کے عوض حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فروخت کر دیا۔

(18) منازل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش وادی المکیمن میں اس جگہ تھی۔

(19) درّہ کوہ (جبل احد)

میدان احد سے کچھ ہی دور پہاڑی کی اونچائی پر ایک پگڈنڈی چلی گئی ہے۔ راستہ ناہموار ہے احتیاط سے چڑھنے پر اس درہ کوہ تک پہنچ جاتے ہیں یہاں غزوہ احد کے دوران آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی حالت میں لٹایا گیا تھا اور زخم دھو کر مرہم پٹی کی گئی تھی۔ اس غار میں لیٹنے سے عجیب فرحت نصیب ہوتی ہے۔ یہاں ایک آدمی کے لیٹنے کے بعد اطراف میں متعدد لوگوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے۔ باہر سے اندر بیٹھنے والوں کا پتہ ہی نہیں چل سکتا۔

(20) نشان سر مبارک (جبل احد)

دائیں جانب جبل احد کے دامن میں ایک جگہ پہاڑ کے نچلے حصے میں ایک گول نشان ہے کہا جاتا ہے کہ

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں پہاڑ کے سہارے تشریف فرما ہوئے تھے۔ پہاڑ میں سر مبارک کے نشان کے آثار موجود ہیں۔ درد سر کے مریض تبرکاً یہاں سر کا سہارا لے کر درد سے نجات پاتے ہیں۔

(21) جبل اُحد

جبل احد کا کئی میل لمبا سلسلہ مغرب سے مشرق کی طرف چلا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''یہ (اُحد) مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو اس کی زیارت کے لیے آیا کرو اس کے پھل کھاؤ اگر پھل نہ ہوں تو اس کی گھاس کھاؤ''

چنانچہ زائرین کو گھاس نظر آ جائے تو وہ خوشی خوشی کھا لیتے ہیں۔ اس پہاڑ کی ایک جنگلی بوٹی "نبی بوٹی" سے موسوم فروخت ہوتی ہے۔ تبرکاً زائرین اسے خرید کر گھر لے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کا استعمال کرنے سے زن عقیمہ، صاحب اولاد ہو جاتی ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بموجب جبل احد کی مناسبت سے اگر کسی کو اولاد کی نعمت سے نواز دے تو کچھ بعید بھی نہیں۔

ابن سعد اور ابن شبہ صحیح رواۃ سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہر جاری کی تو ہمیں غزوہ اُحد کے شہداء کے لیے بلایا گیا تو ہم نے انہیں چالیس سال کے بعد نکالا لیکن ان کے جسم تر و تازہ تھے اور ان کے اعضا کو موڑا جا سکتا تھا۔

(22) میدان غزوۂ خندق

بیئر رومہ سے واپسی پر جانب مدینہ تقریباً ایک میل کے فاصلہ شارع سلطانہ سے جنوب میں کچھ فاصلہ طے کرنے پر غزوۂ خندق کا میدان واقع ہے۔ غزوہ احزاب 5 ہجری ذیقعد میں پیش آیا۔ خندق کے آثار اب باقی نہیں ہیں۔ مسجد الفتح اور مساجد خمسہ موجود ہیں۔

(23) سقیفہ بنی ساعدہ

باب مجیدی کی سامنے والی سڑک تحی کے شمالی جانب ایک خاصہ بڑا تکونہ آہنی جنگلہ سے محصور تھا۔ اسی محصور حصہ میں ''سقیفہ بنی ساعدہ'' کی مشہور عمارت تھی جہاں انصار و مہاجرین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد اپنے خلیفہ کے انتخاب کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی اور اس طرح اسلام کی راہ کا یہ خطرناک مرحلہ انصار و مہاجرین کے متفقہ فیصلہ کے بعد طے پا گیا اور اسلامی نظام حکومت کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو گئی۔

(24) میدان خاک شفاء

شمالی راستہ پر کم وبیش ایک میل پر کھیتوں اور مکانات سے گھرا ہوا ایک خطہ اراضی ہے۔ جسے میدان خاک شفاء کہتے ہیں کئی ایک بزرگ حضرات نے اسے وادی صعیب بتا کر اس مٹی کو پانی میں ملا کر غسل کرنا دافع امراض بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی غزوہ میں زخمیوں کے درد سے کراہنے کے موقع پر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اس زمین کی نشاندہی فرمائی تھی کہ زخمی یہاں لوٹیں اور ان کے زخموں پر اس جگہ کی مٹی کو لگا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی ہر تکلیف دور فرمادے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اسی بنیاد پر یہاں سے ہر سال حجاج وزائرین کثیر تعداد میں مٹی نکال کر ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور بیرونی استعمال سے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ مٹی کا کھانا حرام ہے۔ یہ چوٹ، ورم پر لگائی جائے تو شفاء ہو جاتی ہے۔ مدینے کا غبار جذام اور برص کے لیے خصوصیت سے شفا کا موجب ہونے کی متعدد احادیث مروی ہیں۔ (اب یہاں کی کیا حالت ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)۔

(25) مدینے کی کھجور

کھجور کی بے شمار اقسام ہیں۔ ان میں عجوہ، برنی، شلبی، صیحانی، حلوہ، حلبی اور بلا گٹھلی کھجور اپنی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہیں۔ میٹھے پھلوں میں کھجور سے زیادہ کوئی دوسرا پھل بہ اعتبار مزہ، قوت وعام پسند نہیں ہے۔

''عجوہ'' کھجور کے متعلق احادیث مبارکہ میں سات دانے نہار منہ کھانے والے کے لیے مذکور ہے کہ اسی روز وہ سحر زدہ یا زہر کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

''برنی'' کھجور کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ مدینے کی بہتر کھجوروں میں سے ہے اور دافع امراض ہے۔

''صیحانی وشلبی'' کے مقابلے میں کسی دوسرے شہر کی کھجور نہیں پائی جاتی۔ بلا بیج والی کھجور عرصہ دراز تک خراب نہیں ہوتی۔

(26) مدینہ منورہ کا پانی

مدینہ طیبہ کا پانی بہت بڑی نعمت ہے یہاں کی مٹھاس کے علاوہ یہ خصوصیت ہے کہ صراحی میں بھریئے اور ایک گھنٹے کے بعد استعمال کیجئے تو بہت ٹھنڈا اتنا ٹھنڈا جیسے اس میں برف ملائی گئی ہو۔ مدینے کے پانی کا مقابلہ کسی ملک کے پانی سے ہو ہی نہیں سکتا ان ساری خوبیوں کا سرچشمہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرزمین مدینہ میں ''آرام فرما'' ہونا ہے۔

(27) مقام بدر

مقام بدر کا مفصل حال غزوہ بدر میں مذکور ہے۔ مقام بدر مدینہ منورہ سے 120 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بدر پہنچنے سے قبل دائیں جانب پہاڑ کے دامن میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیائے اسلام کے درویش صحابی کا مزار واقع ہے۔ اسی جگہ تھوڑی ہی دور ''ابا سعید'' نامی گاؤں میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر کے سب سے پہلے شہید کا مزار ہے اس جگہ کو ''واسطہ'' کہتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کا سفر اب جدید اور بہت چوڑی دورویہ سڑک ''طریق الہجرۃ'' سے کیا جاتا ہے یہ وہ راستہ ہے جس سے حضور علیہ السلام نے ہجرت فرمائی اس راستہ میں بدر نہیں آتا۔ اس سے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو براستہ ینبع اور رابغ وغیرہ جو سڑک جاتی تھی بدر اسی سڑک پر واقع تھا۔ راقم کو مقام بدر کی زیارت اور مسجد میدان بدر میں نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

(28) مقام ابواء

یہاں پر حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہے اور مقام ابوا پرانی سڑک سے تقریباً پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ کوئی پختہ سڑک نہیں۔ حجاج کرام کا پرانا راستہ یہیں سے گزرتا تھا۔ جب آمدورفت کے موجودہ تیز رفتار ذرائع میسر نہیں تھے۔ راقم کو زیارت قبر اطہر کی سعادت حاصل ہے۔

مدینہ منورہ کی مقدس حویلیاں

مدینہ منورہ کی پاک سرزمین بے شمار مقدس مقامات کی جگہ ہے۔ تاریخ مدینہ منورہ کے حوالے سے ہم اس متبرک و پاک سرزمین کے مقدس مقامات کا ذکر قدرے تفصیل سے کر چکے ہیں۔ یہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس پاک سرزمین پر موجود ان مبارک حویلیوں کا ذکر بھی کر دیا جائے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ مشاہیر جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے شب وروز بسر فرمایا کرتے تھے جنہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نگاہ فیض اور صحبت عظیم کے صدقے کائنات کی تقدیر ہی بدل کر رکھ دی۔ تاریخ مدینہ منورہ تحریر کرنے والوں نے اسی نسبت کو سامنے رکھتے ہوئے خاص طور پر ان حویلیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان حویلیوں میں ان کا ذکر بھی موجود ہے جن میں فخر دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم مبارک رکھ کر ان کو قیصر و کسریٰ کے محلات سے بھی کروڑوں گنا زیادہ شرف وعظمت عطا فرمائی۔

(1) حضرت کلثوم وسعد رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی حویلیاں

حضرت کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی مسجد قبا شریف کے قریب واقع تھی۔ یہ وہ حویلی ہے جس میں محبوب

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے وقت تشریف فرما ہوئے اور یوں اس حویلی کو صاحب لولاک فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم چومنے کا شرف حاصل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب ہجرت میں انشاء اللہ اس مبارک حویلی کا تفصیلی ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ عرصہ درازیعنی 800ھ 1397ء تک ان مبارک حویلیوں کا ظاہری وجود اپنی تمام تر برکتوں اور عظمتوں کے ساتھ موجود تھا جو کہ اصحاب سیر کی تحریر سے ثابت ہے۔ مگر بعد میں توجہ نہ دینے کی وجہ سے اب ان جگہوں کا تعین کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ حضرت کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی سے ملحقہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی تھی۔ بقول حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ 800ھ تک ان حویلیوں کے نشانات موجود تھے۔ یہ دونوں حویلیاں مسجد قبا شریف کے جنوب میں واقع تھیں۔ سعد بن خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کو بعض اصحاب سیر مسجد قبا کی قبلہ سمت بتاتے ہیں۔ بہر حال یہ دونوں مبارک حویلیاں مدینہ منورہ میں زیارت گاہ عام تھیں۔ بعد میں تُرک حکومت نے ان حویلیوں کو سفید قبوں (نشانات یا گنبد وغیرہ) کی شکل میں باقی رکھا۔ آجکل اس جگہ پر مدرسہ قبا پرائمری سکول بنا دیا گیا ہے۔ یہ حویلیاں تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل تھیں۔

آثار المدینہ مولفہ عبدالقدوس انصاری۔ صفحہ۔28

(2) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک حویلی

ہجرت کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں جس حویلی کو رہائش سے عزت بخشی وہ تاریخ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حویلی مسجد نبوی کی مشرقی جانب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے ملتی ہے۔ اس طرح ہم جب باب جبریل علیہ السلام سے جنت البقیع کی طرف جائیں تو حویلی اس راستہ پر واقع ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد بزرگ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب وصال شریف ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حویلی میں رہائش پذیر تھے۔ کتب تاریخ مدینہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدینہ منورہ میں دو حویلیاں تھیں۔ ایک تو یہی جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں اور دوسری کا نام خوفیۃ الصدیق تھا۔ یہاں ان حویلیوں کا اتنا ذکر کر دینا ہی ہمارے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔ متلاشیان علم مزید ذوق و تحقیق کے لئے وفا الوفا اور آثار مدینہ کتب سے مراجعت فرما سکتے ہیں۔

آثار المدینہ۔ صفحہ۔37

(3) حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی حویلی

سیدنا حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب حویلی سب سے پہلے حارثہ بن نعمان انصاری

کے قبضہ میں تھی۔ یہ حویلی مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں واقعہ تھی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی اور یہ حویلی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد یہ حویلی سیدنا حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آئی۔ موجودہ دور میں یہ حویلی محکمہ اوقاف کے قبضہ میں ہے۔ حکومت کا کسی کی ذاتی حویلی کو اوقاف کے سپرد کر دینا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید اسی حویلی کے آخری باسی نے وقف کی وصیت کر دی ہو۔ حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

وفا الوفا امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ۔ جلد۔2، صفحہ۔733

آثار المدینہ۔ صفحہ۔32 وغیرہ

(4) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی

تاریخ مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور حویلی وہ جگہ ہے جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرصہ تقریباً چھ ماہ تک قیام فرمایا اور یوں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک قدموں کی برکت سے اس جگہ نے تاریخ عالم و تاریخ اسلام میں جس قدر اہمیت حاصل کی محتاج بیان نہیں۔ مدینہ منورہ میں باب اسلام سے جب قبلہ کی سمت جانے والی گلی میں داخل ہوں تو یہ مبارک حویلی وہاں تھی۔ اس کی دومنزلیں تھیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی (قصویٰ) اللہ کے حکم سے اسی حویلی کے سامنے بیٹھ گئی تھی پھر فخر دوعالم علیہ السلام نے اسی حویلی میں رہائش اختیار فرمائی۔ ملاقاتیوں کے آرام کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نچلی منزل میں رہائش اختیار فرمائی جبکہ اوپر کی منزل میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہتے تھے۔ اس حویلی کو تبع اول حمیری نے تعمیر کرایا تھا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ایک خط لکھ کر حویلی کے رہائشی کے حوالے کیا اور وصیت کی کہ میرا یہ خط نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے انشاءاللہ ہجرت مدینہ کے باب میں ہم اس کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ مصنف روضۃ الانف امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد یہ حویلی افلح کے قبضہ میں آئی پھر انہوں نے یہ حویلی ایک ہزار دینار کے عوض حضرت مغیرہ بن عبدالرحمٰن کو فروخت کر دی۔ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد اس حویلی کو ملک شہاب الدین غازی نے خرید لیا اور یہاں مدرسہ شہابیہ قائم کیا۔ جہاں سینکڑوں طالب علم علمی پیاس بجھاتے رہے۔ اس حویلی مبارکہ کی دیوار پر ایک پتھر نصب تھا جس پر تحریر تھا' یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان ہے'۔ راقم نے اس حویلی کی زیارت کی ہے مگر اب حکومت نے اس حویلی کو ختم کر دیا ہے اور وہ مسجد نبوی کی توسیعی نئی تعمیر میں آچکی ہے۔

روضۃ الانف و آثار المدینہ صفحہ۔28

Marfat.com

وفاالوفا۔ جلد۔2،صفحہ۔732وغیرہ

(5) حویلی ریظ

تاریخ مدینہ المنورہ میں ریظ کی حویلی کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ حویلی ریظ نامی عورت کی ملکیت تھی جو کہ ابو العباس سفاح کی بیٹی تھی۔ مسجد نبوی شریف کے باب النساء کو باب ریظ بھی کہہ دیتے ہیں۔ تاریخ المدینہ کے مورخ مطری کا بیان ہے کہ دارالابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حویلی ریظ ایک ہی جگہ کے نام ہیں مگر علامہ سمہودی مطری کے اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ اصل میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مبارک ریظ کی حویلی کے عقب میں مشرق کی جانب واقع ہے۔ اس لئے ان دونوں حویلیوں کو ایک کہنا غلط ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب اور مختلف قرائن نے بھی حضرت سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس جگہ پر زاویہ الشمان واقع تھا۔ مختصراً تاریخی شواہد کے مطابق حویلی ریظ بنت ابوالعباس کی ملکیت ہی تھی۔

(6) سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی

تاریخ مدینہ منورہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسی مقدس شہر میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو حویلیاں تھیں۔ یہ دونوں حویلیاں مسجد نبوی شریف کے مشرقی جانب واقع تھیں۔ یہ دونوں حویلیاں رقبے اور رہائش کے اعتبار سے برابر نہ تھیں اس لئے انہیں دار کبریٰ و دار صغریٰ کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں حویلیاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانہ پاک میں تعمیر ہوئی تھیں۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ مدینہ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعد میں دار صغریٰ رباط (سرائے یعنی Inn) میں تبدیل کر دی گئی اور ساتھ ہی ایک عظیم کتب خانہ بھی بنایا گیا۔ لوگ زیارت گنبد خضراء کے لئے آتے تو اسی حویلی میں ٹھہرتے تھے اس کے علاوہ علم کے تلاش میں آنے والے اس کتب خانہ سے علمی پیاس بجھاتے تھے۔ بعض اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حویلی میں رہائش پذیر تھے۔ کتب خانہ اور سرائے بنانا خلافت عباسیہ کا کارنامہ ہے۔ دار کبریٰ کو دار صغریٰ کی طرح ہی ایک اور شاندار سرائے میں تبدیل کر دیا گیا تھا جس کا نام سرائے اصفہانی مشہور ہوا۔ یہ سرائے جنت البقیع کے جنوب میں واقع تھی۔ اس حویلی کے مغرب میں موضع الجنائز اور دوسری طرف زقاق حبشہ واقع ہے۔ اس طرح یہ باب جبریل علیہ السلام کے سامنے واقع ہے۔ اس سرائے اصفہانی کو سرائے عجم بھی کہا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ سرائے دار شیخۃ الحرم اور شیخۃ الخذ کے ناموں سے بھی یاد کی جاتی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں اس جگہ شیخ الحرم کا قیام تھا۔ یہ دونوں حویلیاں تاریخ مدینہ منورہ میں نہایت ہی اہمیت کی حامل تھیں۔

از وفا۔ جلد۔2،صفحہ۔734

آثار المدینہ۔ صفحہ۔204

Marfat.com

(7) حجاز ریلوے

حجاز ریلوے جسے عثمانی ترکوں نے 1901ء میں دمشق سے مدینہ منورہ تک بچھایا تھا تاکہ ترکی، شام اور مصر وغیرہ شمالی ممالک کے حجاج کرام وزائرین آسانی سے سفر کرسکیں اور مدینہ منورہ ومکہ مکرمہ پہنچ سکیں۔ شام، اردن اور حجاز مقدس کو ملانے والی اس ریل گاڑی میں دمشق سے مدینہ منورہ تک آٹھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے میں چار دن صرف ہوتے تھے۔ یہ پٹڑی ابھی مدینہ منورہ تک ہی بچھائی جاسکی تھی کہ جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ ترکی اور برطانیہ میں شدید رقابت تھی۔ لارنس آف عربیا (Lawrence of Arabia) نے عربوں کے ہمدرد کا بھیس بدلا اور عربوں کے ہی اپنے ہاتھوں سے رسل ورسائل کے اس اہم ذریعے کو 1917ء میں تباہ کروادیا۔ شاہراہیں جسد تمدن کی شاہ رگ ہوتی ہیں۔ ریلوے کے اس اہم ذریعہ کی بربادی سے تمدن کے لحاظ سے اس علاقہ کی پیش رفت کو شدید دھچکا لگا۔ مدینہ منورہ کے ریلوے سٹیشن پر ریل کے ڈبے یعنی بوگیاں آج بھی ان ایام کی یاد دلاتی ہیں اور رسل ورسائل کے زیادہ بہتر زمینی ذرائع اختیار کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہیں اور خصوصی طور پر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جدہ کے درمیان جلد از جلد ریلوے لائن بچھائے جانے کا تقاضا کرتی ہیں جسے بعدازں دمشق اور دوسرے اہم مقامات تک توسیع دے کر اسلامی ممالک میں قریبی روابط کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔

درجہ حرارت

مدینہ منورہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یثرب کے نام سے مشہور تھا۔ فخر کونین علیہ السلام کے قدموں کی طفیل یہ بیماریوں کا شہر کہلانے والا یثرب مدینہ منورہ بن گیا۔ یہ عظیم شہر مبارک سطح سمندر سے 619 میٹر بلند ہے۔ اس کا طول 39 درجہ جبکہ عرض 24 درجے ہے۔ یہ شہر 15 دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے۔ موسم گرما میں یہاں کا درجہ حرارت 48 ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ موسم سرما میں رات کے وقت درجہ حرارت صفر سے بھی 5 درجے نیچے گر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسم سرما میں صبح کے وقت پانی یخ ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں ظہور اسلام سے پہلے آباد قومیں

ظہور اسلام سے پہلے اس شہر میں عمالقین آباد تھے۔ جنکی جگہ آہستہ آہستہ یہودیوں نے لے لی۔ ظہور اسلام کے وقت یہاں یہود کے مشہور قبائل اوس وخزرج آباد تھے۔ جدید تحقیق کے مطابق قوم عمالقہ 3200 ق م میں مصر کی حکمران تھی اور 1600 ق م میں مصر سے اس قوم کو نکال دیا گیا۔ اور یوں یہ قوم یثرب میں آکر آباد ہوگئی۔ انکا زمانہ 1600 ق م اور 3200 ق م کے درمیان ہے۔ اس طرح شہر یثرب کی بنیاد کا بھی یہی زمانہ بنتا ہے۔ عمالیق کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں یعنی بنوخزرج اور بنواوس جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے یہاں آکر آباد ہوئیں۔ ابتدا میں یہ دونوں یہود

قبائل تھے۔ بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انصار کے عظیم لقب سے نوازے گئے۔ یہ وہی انصار ہیں جن کو سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ساتھیوں کی مہمان نوازی کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔

بنولام قبیلہ طے کی ایک مشہور شاخ ہے جو کہ مدینہ منورہ کے کوہستانی علاقے میں آباد تھی۔ بنوکلاب کا مشہور قبیلہ اطراف مدینہ منورہ یعنی، ربذہ، فدک اور عوالی میں آباد تھا۔ حجاز مقدس کا ایک اور صحت افزا سرسبز وشاداب علاقہ طائف ہے اس کو حجاز کی جنت کہا جاتا ہے۔ ہر قسم کے پھل قدرت نے یہاں وافر مقدار میں پیدا کر رکھے ہیں۔ ابتدا میں یہ علاقہ عدوان قبیلہ کے زیراثر تھا۔ مگر بعد میں بنوثقیف یہاں قابض ہوگئے۔ 8ھ میں سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر کا محاصرہ فرمایا اور یوں 9ھ میں سردار قبیلہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور خود تبلیغ اسلام کی وجہ سے اپنی قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت رنگ لائی اور قبیلہ بنوثقیف خود حضور علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اسلام کی دولت سے مالامال ہوا۔

قبیلہ ثمود

مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ہی شمال کی جانب قبیلہ ثمود آباد تھا۔ جس میدان میں اس قبیلے کی سکونت تھی وہ جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا صدر مقام حجر تھا۔ قرآن کریم میں اس قبیلہ کا ذکر مندرجہ ذیل سورتوں میں تقریباً 26 دفعہ موجود ہے۔

سورۃ المومن آیت 31، سورۃ حم، السجدہ آیت 13، 17 سورۃ ق آیت 12، سورۃ الذاریات آیت 43، سورۃ النجم آیت 51، سورۃ القمر آیت 23، سورۃ الحاقہ آیت 4، 5، سورۃ البروج آیت 18، سورۃ الفجر آیت 19، سورۃ الشمس آیت 11، سورۃ بنی اسرائیل آیت 59، سورۃ الاعراف آیت 73، سورۃ توبہ آیت 70، سورۃ ھود آیت 61، 68، 95، سورۃ ابراھیم آیت 9، سورۃ الحج آیت 42، سورۃ الفرقان آیت 38، سورۃ الشعراء آیت 141، سورۃ النمل آیت 45، سورۃ العنکبوت آیت 38 اور سورۃ ص آیت 13۔

یہ شہر سیدنا حضرت صالح علیہ السلام کے نام مبارک سے مدائن صالح (علیہ السلام) کہلاتا ہے۔ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو اس شہر سے گزرے تھے۔

قوم ثمود کی آبادیاں حجر میں تھیں۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک پھیلا ہوا میدان قوم ثمود کی جائے رہائش تھا۔ موجودہ دور میں اس مقام کو ''فج الناقۃ'' کہا جاتا ہے۔ اس قوم کی بستیوں کے کھنڈرات اور دیگر نشانات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے مصر کے چند ماہرین آثار قدیمہ اس علاقے کا دورہ کرنے کے لیے ان کھنڈرات اور کچھ قدیم آثار دیکھ چکے ہیں۔ انکا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہ صرف ایسے مکانات ہی دیکھے ہیں جو اہل ثمود نے بنائے تھے بلکہ ان مکانات کے کھنڈروں میں داخل بھی ہوئے جو اہل ثمود کے شاہی محلات تھے۔ ان

محلات میں کئی کمرے ہیں اور حویلی کے صحن میں ایک بہت بڑا حوض بھی ہے۔اس حویلی نما گھر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پوری کی پوری حویلی پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہے اور مکانات کی یہ طرز تعمیر اہل ثمود کے فن تعمیر کی شاندار عکاسی کرتی ہے۔حجر کا یہ مقام جہاں قوم ثمود آباد تھی حجر ثمود کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام مدین شہر کے جنوب مشرق میں یوں واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے بالکل سامنے ہے۔اس قوم کو ثمود ارم یا عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں۔قوم ثمود کیونکہ قوم عاد کا ہی بقیہ ہیں اس لیے اس قوم کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے جو حقیقت حال کے قریب تر ہے پھر تاریخی شواہد سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

اہل یورپ کی غلط تحقیق

اہل یورپ کے علماء جو مشرق کی تاریخ اور مشرقی علوم کے بارے میں نظریات رکھتے ہوئے جو کچھ تحریر کرتے ہیں اور خاص طور پر حجاز مقدس اور عرب کے بارے میں جو لکھتے ہیں وہ غلط بیانی پر مبنی جھوٹ کا پلندہ ہی ہوتا ہے۔ تعصب اور مذہب دشمنی کی بنا پر حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کرنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔اسی عادت کے مطابق ان لوگوں نے قوم ثمود کی تاریخ کو بھی اپنی تحقیق کا تختہ مشق بنایا ہے۔ان لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ قوم ثمود کی اصل کیا ہے؟ ان کا وجود کب اور کس طرح زمانہ میں ہوا؟ پھر اپنی خود ساختہ حقائق سے ہٹ کر تحقیق کے مطابق جو جوابات تحریر کیے وہ یقیناً حقیقت حال سے دور اور انکی کم علمی و تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔اہل یورپ کے ہاں بھی مذکورہ سوالات کا جواب دینے والے دو گروہ ہیں جو اپنی تحقیق کو یوں پیش کرتے ہیں۔

پہلا گروہ

پہلا گروہ کہتا ہے کہ قوم ثمود حقیقت میں اہل یہود میں سے ہی تھا مگر حالات و واقعات کی وجہ سے فلسطین میں داخل نہ ہو سکا اور اسی جگہ یعنی مقام حجر میں ہی آباد ہو گیا۔اس قول کو پڑھ کر ہر عقل مند ان لوگوں کی کم علمی تاریخی واقعات سے دوری اور حقیقت حال سے ناواقفیت کا آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے۔تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کے تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے تو قوم ثمود کی بستیوں کو تباہ و برباد ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔اس قوم کے کسی فرد کا دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ پھر دنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن کریم اس بات کی تشریح و تصریح بیان کر رہی ہے کہ جب فرعون مصر اور اسکی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی تو آل فرعون میں سے ہی ایک شخص جو مرد مومن تھا اس نے اپنی قوم کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے ڈرایا اور یوں کہا ''اے قوم فرعون تم اہل حق کو ناجائز تنگ کر رہی ہو یاد رکھو کہیں تمہارا بھی وہی انجام بد نہ ہو جو پہلے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور باقی ایسی قوموں کا ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو ناجائز تنگ کیا۔انکی تکذیب کی اور انکی حق باتوں کو ماننے سے انکار کیا''۔غور فرمائیں اہل

یورپ کے علماء اور خود ساختہ اہل قلم کس طرح حقائق اور تاریخی شواہد کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اہل یورپ کے تمام اہل علم وقلم غلط بیانی سے کام لیتے ہیں یا سب کے سب علم سے دور ہیں ان میں سے بعض حضرات حقیقت میں اہل علم وقلم ہیں اور اس میدان میں کمال مہارت بھی رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں نے تاریخ عالم کے میدان میں قلم اٹھاتے ہوئے بہت حد تک حقائق ہی بیان کیے ہیں۔ مگر کہیں نہ کہیں تعصب اور بغض کی وجہ سے احتیاط کو چھوڑ دیا ہے۔ بہر حال اقوال مورخین وتاریخ دان، کتاب حق قرآن مجید اور تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ قوم ثمود کا زمانہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے بہت پہلے کا ہے۔ اور مستشرقین یعنی تاریخ مشرق اور علوم مشرق سے شغل رکھنے والے علماء اہل یورپ کا مذکورہ نظریہ باطل اور خود ساختہ ہے

دوسرا گروہ

یورپ کے علماء کا دوسرا گروہ قوم ثمود کی تاریخ کے بارے میں پہلے گروہ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا انکا اس قوم کے بارے میں اپنا الگ نظریہ ہے جو حقائق اور علم تاریخ کی روشنی میں پہلے گروہ کی تحقیق کی طرح درست نہیں ہے۔ اس گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ قوم ثمود اصل میں قوم عمالقہ کا ہی حصہ تھی۔ یہ قوم دریائے یا وادی فرات کے مغربی ساحل سے اٹھ کر یہاں یعنی حجر کے مقام پر آ کر آباد ہو گئی پھر اسکی نسل بڑھتے بڑھتے سارے علاقے میں پھیل گئی۔

مذکورہ گروہ کے چند افراد قوم ثمود کے بارے میں مزید یوں تحریر کرتے ہیں کہ قوم ثمود عمالقہ قوم کے وہ افراد تھے جن کو مصر کے بادشاہ احمس نے چند وجوہات کی بنا پر ملک مصر سے نکال دیا۔ یہ لوگ مصر میں رہتے ہوئے سنگ تراشی کے فن میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ اس لیے حجر کے مقام پر پہنچ کر انہوں نے مستقل ڈیرے ڈال دیئے اور اپنے فن کو مزید ترقی دینے کے لیے شب وروز مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں کو تراش کر نہایت ہی ہنر مندی سے بڑے بڑے وسیع، دیدہ زیب، عالی شان اور خوبصورت گھر ومحلات تعمیر کیے ہم گزشتہ اوراق میں قوم عاد کی تاریخ لکھتے ہوئے حقائق سے ثابت کر چکے ہیں کہ قوم عاد وثمود دونوں سامی اقوام میں سے ہی ہیں۔ عملیق بن اُد کا اس نسل سے کوئی تعلق یا رشتہ نہیں ہے۔ مختصراً ہماری تحقیق کہ قوم ثمود قوم عاد کا ہی بقیہ ہے تاریخی حقائق اور ماہرین انساب کی آراء کے مطابق بالکل صحیح ہے۔ ہمارے اس خیال کا سب سے بڑا ثبوت حضرت صالح علیہ السلام کا خطاب ہے جس میں آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت 74۔

وَاذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَٱذْكُرُوٓا۟ ءَالَآءَ ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: ''اور تم اس وقت کو یاد کرو کہ تم کو اللہ نے عاد کے بعد ان کا قائم مقام بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اس کی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے ہو اور سنگ تراشی کر کے پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو''۔

مذکورہ فرمان مبارک کے بعد اس بات میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ قوم ثمود قوم عاد کا ہی ایک حصہ تھی جسکا تعلق بھی سامی اقوام سے تھا۔

قوم ثمود کا مذہب

قوم ثمود بھی گزشتہ اقوام کی طرح باطل مذہب یعنی بت پرستی کی ذلیل لعنت میں گرفتار تھی۔ اس قوم نے واحد خالق کائنات کے علاوہ بہت سے خود ساختہ بت بنا رکھے تھے جن کو معبود حقیقی کے مقابلہ میں خالق و مالک مانتے ہوئے ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ قوم شب و روز شرک میں مبتلا رہتی۔ اللہ کریم نے اس قوم کی اصلاح اور انکو راہ حق پر لانے کے لیے انہی میں سے ایک برگزیدہ ہستی حضرت صالح علیہ السلام کو انکا پیغمبر و رسول منتخب فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی گمراہ قوم کو راہ راست پر لانے کے لیے صبح و شام وعظ و نصیحت فرماتے رہتے۔ آپ قوم سے فرماتے تم لوگ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو یاد رکھو حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز خالق کائنات کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ دنیا کی کوئی دوسری ہستی عبادت و پرستش کے لائق نہیں۔ تم لوگ میری اس نصیحت کو مان کر راہ راست پر آ جاؤ ورنہ یاد رکھو اللہ کا عذاب تمہارا نام ونشان مٹا دے گا اور یوں تم گزشتہ اقوام کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو بار بار سمجھاتے رہے مگر قوم اس قدر ہٹ دھرم ضدی اور گمراہ ہو چکی تھی کہ سیدھی راہ پر آ جانے کی بجائے وہ مزید بغض و عناد کی وجہ سے اپنے باطل نظریات پر پکی ہوتی گئی۔ چند اہل حق ضرور ایسے تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی حق باتوں کا اثر قبول کرتے ہوئے بت پرستی چھوڑ کر راہ حق اختیار کر لی۔ ان لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ قوم کے سردار اور امیر لوگ اللہ کریم کی عطا شدہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفران نعمت پر کمربستہ تھے۔ یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے اے صالح (علیہ السلام) اگر ہم لوگ راہ حق پر نہ ہوتے تو اللہ ہمیں اس قدر دولت، ثروت، طاقت اور عیش و آرام ہرگز نہ دیتا۔ یہ سرسبز و شاداب میوہ جات سے بھرے ہوئے باغات بلند و بالا عالی شان فلک بوس محلات شیریں نہریں اور مرغزار جن سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیش و آرام کی زندگیاں بسر کر رہے ہیں اس بات کا عیاں ثبوت ہے کہ ہم لوگ ہی حق پر ہیں اور اللہ کے مقرب بندے ہیں جب کہ تم لوگ ان نعمتوں سے اس لیے محروم ہو کہ (نعوذ باللہ) تم حق پر نہیں ہو۔ اس کے علاوہ قوم ثمود کے یہی مذکورہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے اہل حق

Marfat.com

سے کہتے کہ یہ ہمارے لیے سخت تعجب کی بات ہے کہ ہم جیسا ہی ایک انسان جو ہم میں سے ہی ہے اللہ کا پیغمبر بن جائے اور ہمیں احکام الٰہی سنائے۔

حضرت صالح علیہ السلام ان لوگوں کی باتیں سن کر فرماتے اے قوم کے مغرور اور سرکش لوگو اللہ کی طرف سے ملنے والی ان تمام نعمتوں اور آرام وسکون پر شیخی نہ مارو اور اللہ کے سچے نبی کا مذاق نہ اڑاؤ اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو یاد رکھو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فناہ ہو جاؤ گے۔ یہاں تک کہ تمہارا نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ اے قوم یاد رکھو ہر قسم کا سامان راحت عیش وخوشنودی کا مل جانا گو اللہ کی عظیم عطا ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو اسکے شکر گزار بندے ہیں۔ اگر بندے سرکش اور نافرمان ہیں تو پھر یہ تمام نعمتیں انکے لیے حق ہونے کی نشانیاں نہیں بلکہ سخت امتحان کا سبب ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنی بدبختی کی بنا پر دعوت حق کو تسلیم کرنے کی بجائے الٹا مخالفت پر ہی کمر بستہ رہی۔ آخر میں قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا اگر تم واقعی اللہ کے سچے نبی ہو تو ہمیں معجزہ دکھاؤ۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تمہارے مطالبہ پر تمہارے لیے میرا معجزہ اونٹنی کی شکل میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچایا تو یاد رکھو پھر یہی نشانی تمہارے لیے ہلاکت وتباہی کا سبب بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دوسرے جانوروں اور اس اونٹنی کے لیے تالاب سے پانی پینے کی باری مقرر کر دی ہے ایک دن پانی یہ اونٹنی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم لوگ یاد رکھو اس مقررہ باری میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ بدبخت قوم اپنے وعدہ پر قائم نہ رہ سکی اور انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا یوں اللہ کے عذاب نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔

ناقۃ اللہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو اللہ کریم نے قوم کی مرضی کے مطابق اپنی نشانی اونٹنی کو پیدا فرمایا جس کا نام ناقۃ اللہ رکھا۔ ساتھ ہی قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے حکم فرما دیا کہ اس اونٹنی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے اگر ایسا کیا گیا تو سخت عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔ قوم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور پھر قوم ثمود حکم اللہ کے مطابق نیست ونابود کر دی گئی۔ قرآن کریم میں (سورۃ الاعراف آیات 75 تا 77) ناقۃ اللہ کے بارے میں اس قدر ہی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل سورتوں میں فرمایا ہے:

(1) سورۃ الاعراف آیات 73، 75، 77

(2) سورۃ ہود آیات 61، 62، 66، 89

(3) سورۃ الشعراء آیت 142

(4) سورۃ النمل آیت 45

باقی قوم کا اونٹنی بطور معجزہ طلب کرنا اور نبی سے یہ کہنا کہ اسکی نشانی یہ ہو کہ وہ اسطرح پیدا ہو وغیرہ وغیرہ یہ تمام روایات یا تو بائبل سے لی گئی ہیں یا قدیم تاریخ وروایات حدیثی سے۔ محدثین کے نزدیک ان اخبار میں سے چند صحیح اور معتبر بھی ہیں اور بعض ضعیف بھی۔ البدایہ والنہایہ کے مصنف حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ناقۃ اللہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اسے ایک تاریخی واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ ہم یہاں اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے بیان کررہے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو شب وروز دین حق کی دعوت وتبلیغ کرنے میں مصروف رہتے قوم کے سردار اور سرکردہ افراد راہ راست پر آنے کو تیار نہ تھے۔ آخر ایک دن یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی خدمت میں اکھٹے ہو کر قوم کے دوسرے افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے کہنے لگے ''اے صالح (علیہ السلام) اگر تم واقعی اللہ کے مقرب نبی ہو تو ہمیں اپنی سچائی کے طور پر کوئی نشانی دکھاؤ تا کہ ہم اس نشانی کو دیکھ کر تمہاری صداقت کا یقین کرتے ہوئے تم پر ایمان لے آئیں''۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان لوگوں سے فرمایا ''ایسا نہ ہو کہ میں تم لوگوں کو نشانی دکھاؤں تو تم لوگ پھر بھی سرکشی اور گمراہی پر ہی قائم رہو''۔ ان سرداروں نے قوم کے سامنے جواب دیا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں نشانی آجانے کے بعد آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ سرداروں کی بات سن کر حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''ٹھیک ہے اب بتاؤ تم کس قسم کی نشانی چاہتے ہو''۔ وہ کہنے لگے۔

ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ بستی کے سامنے والے پہاڑ پر جو بڑا پتھر نظر آرہا ہے تم اس میں سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کرو جو گابھن (بچہ جننے کے قریب) ہو اور پتھر سے باہر آتے ہی بچہ دے۔ قوم کا مطالبہ سن کر حضرت صالح علیہ السلام نے اسی وقت بارگاہ الٰہی میں دعا کی سب نے دیکھا کہ دعا کے نتیجہ میں پتھر سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے باہر آتے ہی بچے کو جنم دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھ کر قوم ثمود کے جتنے لوگ وہاں موجود تھے حیران وپریشان ہو گئے۔ اکثریت یہ معجزہ دیکھ کر حق کی طرف مائل نظر آنے لگی قوم ثمود کے سرداروں میں سے جندع بن عمرو سب سے زیادہ طاقت ور اور بااثر سردار تھا یہ معجزہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا دوسرے سرداروں نے بھی اسلام لانے کا ارادہ کر لیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر قوم ثمود کے مہنتوں اور کاہنوں نے اپنا حلوہ مانڈا جاتا دیکھ کر سرداروں کو سبز باغ دکھائے اور یوں سرتوڑ کوشش کے بعد ان لوگوں کو اسلام لانے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح وہ بدبخت لوگ اپنی بدبختی پر ہی قائم رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا اے قوم تمہاری خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی ''ناقۃ اللہ'' تمہارے سامنے پیدا فرمادی ہے اب اللہ کا حکم ہے کہ جہاں سے تمہارے دوسرے مویشی پانی پیتے ہیں اسکی باری مقرر کردی ہے ایک دن یہ اونٹنی وہاں سے اکیلی پانی پیا کرے گی اور دوسرے روز تمہارے دیگر مال

مویشی اور تم سب۔ خبردار اگر تم لوگوں نے اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی یا اس اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچایا تو پھر تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ قوم ثمود اونٹنی کا معجزہ اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ چکی تھی گو انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر اونٹنی کے معاملہ میں حسب حکم الٰہی قائم رہے۔

اونٹنی آزادی کے ساتھ اپنے بچے کے ہمراہ چشمے سے پانی پیتی دوسرے روز قوم چشمے سے فائدہ اٹھاتی اونٹنی اور اسکا بچہ کسی روک ٹوک کے بغیر کھلی چراہ گاہوں میں چرتے قوم اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک اسی طرح چلتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوم ثمود اپنی بری عادات کی وجہ سے یہ سوچنے لگی جگہ جگہ صلاح مشورے ہونے لگے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا جائے اور یوں ہم لوگ اس باری والے مسئلہ سے نجات حاصل کر سکیں کیونکہ یہ باری کی قید نہ تو ہمارے لیے اور نہ ہی ہمارے مویشیوں کے لئے مزید قابل برداشت ہے۔

گو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی تھیں مگر کسی کو اونٹنی کے ہلاک کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخرکار قوم ثمود کی ایک خوبصورت اور مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے پیش کیا اور کہا اگر تم اونٹنی کو ہلاک کر دو تو تم میری ہر چیز اور میرے مالک ہو گے۔ اسی طرح ایک اور عورت عنیزہ نے اپنی جواں سال خوبصورت لڑکی کو قیدار کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم اور مصدع اونٹنی کو ہلاک کر دو تو یہ لڑکی تمہاری ملکیت ہوگی۔ کچھ عرصہ محنت کے بعد وہ عورتیں مصدع اور قیدار کو اپنی سکیم یعنی منصوبے پر عمل کرانے کے لیے راضی کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ طے یہ پایا کہ جب اونٹنی چراگاہ میں چرنے کے لیے جائے گی تو یہ دونوں راستے میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے جیسے ہی اونٹنی قریب آئے گی تو اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیں گے۔ اس کام کے لیے قوم کے کچھ اور لوگ بھی ان دونوں کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے۔

چنانچہ ایک روز حسب پروگرام یعنی لائحہ کار یہ لوگ راستے پر چھپ کر بیٹھ گئے جیسے ہی اونٹنی ان کے قریب سے گزرنے لگی انہوں نے فوراً کمین گاہ سے نکل کر اونٹنی پر حملہ کر دیا اور یوں اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپس میں حلف کیا کہ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر حملہ کر کے نعوذ باللہ حضرت اور ان کے اہل وعیال کو بھی قتل کر ڈالیں گے پھر صبح کے وقت حضرت کے عزیز رشتہ داروں کو قسمیں اٹھا اٹھا کر یقین دلائیں گے کہ معلوم نہیں یہ برا کام کس نے کیا ہے ہم اس سے بری ہیں۔ جب ان لوگوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اونٹنی کا بچہ یہ دیکھ کر چیختا ہوا بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور پھر وہاں سے غائب ہو گیا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام کو اس افسوس ناک واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ علیہ السلام نے قوم کو مخاطب ہو کر یوں ارشاد فرمایا۔

"اے قوم آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اب تم لوگ اللہ کے عذاب سے کسی صورت نہیں بچ سکتے۔ یہ عذاب آج سے ٹھیک تین روز بعد آئے گا اور تم لوگوں کا نام ونشان ہی مٹ جائے گا۔ اب اس عذاب کا انتظار کرو" پھر

Marfat.com

اسطرح عذاب نے تین روز کے بعد ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا اور یوں قوم ثمود آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان بن گئی۔

البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 138، 139۔

قوم عاد

قوم عاد کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح مانا جاتا ہے۔ شام کی دوبارہ آبادی کے بعد ام سامیہ کی ترقی عاد ہی سے شروع ہوئی ہے۔ عاد کا مرکزی مقام ارض احقاف ہے یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ان کی آبادی حضرت موت اور یمن میں خلیج کے ساحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن ان کا دارالحکومت تھا۔

قرآن کریم میں تقریباً 23 مرتبہ اس قوم عاد کا ذکر مندرجہ ذیل سورتوں میں آیا ہے۔

سورۃ مومن آیت 31، سورۃ حم السجدہ آیت 13، 15، سورۃ الاحقاف آیت 21، سورۃ ق آیت 13، سورۃ الذاریات آیت 41، سورۃ النجم آیت 50، سورۃ القمر آیت 18، سورۃ الحاقہ آیت 4، 6، سورۃ الفجر آیت 6، سورۃ الاعراف آیت 65، 74، سورۃ التوبہ آیت 70، سورۃ ھود آیت 50، 59، 60، سورۃ ابراھیم آیت 9، سورۃ الحج آیت 42، سورۃ الفرقان آیت 38، سورۃ الشعراء آیت 123، سورۃ العنکبوت آیت 38 اور سورۃ ص آیت 12۔

عاد بت پرست تھے اور ان کے معبودان باطل بھی قوم نوح کی طرح ودّ، سواع، یغوث اور نسر ہی تھے۔ عاد اپنی مملکت کی سطوت و جبروت، جسمانی قوت وصولت کے غرور میں ایسے چمکے کہ انہوں نے خدائے واحدہ لاشریک کو بھلا دیا اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک پیغمبر حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ھود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی عبادت کی طرف دعوت حق دی اور لوگوں کو ظلم وجور اور شیطانی افعال سے منع فرمایا۔ مگر عاد نے ان کو سختی کے ساتھ جھٹلایا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تند آندھی سے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں فرمایا گیا ہے:

(1) سورۃ الاعراف آیت 65

(2) سورۃ ھود آیات 50، 53، 58، 60، 89

(3) سورۃ الشعراء آیت 124

تیما

تیما اس شہر سے متصل دوسری آبادی ہے۔ یہ مقام حجاز مقدس کا اہم مقام ہے۔ اس سے آگے مقام تبوک ہے۔ تبوک کے مقام پر سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے اوران لوگوں کو مدینہ منورہ کی طرف جانے سے روکنے کی غرض سے قیام فرمایا تھا۔

خیبر

مدینہ منورہ کے مغرب میں خیبر کا مشہور علاقہ ہے جو یہودیوں کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ اس جگہ یہود نے بڑے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کرر کھے تھے جن کو اہل حق نے فتح کرلیا تھا۔ یہ علاقہ 7ھ میں فتح ہوا۔

مدین

حجر کے مقابل مغرب کی سمت بحراحمر کے ساحل پر مدین کا شہر آباد ہے۔ جو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دارالہجرت تھا۔ یہ مدیانیوں کا پایہ تخت تھا۔ اسلام سے پہلے یہاں بھی یہودیوں کے بہت سے مضبوط قلعے تھے جن کو عہدرسالت میں یکے بعد دیگرے فتح کرلیا گیا۔ مدین کا ذکر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل سورتوں میں کیا گیا ہے:

سورۃ الاعراف آیات 85، سورۃ التوبہ آیت 70، سورۃ ھود آیات 84، 95، سورۃ طٰہٰ آیت 40، سورۃ الحج آیت 44، سورۃ القصص آیات 22، 23، 45 سورۃ العنکبوت آیت 36۔

(2) صوبہ یمن

یمن عرب کا نہایت زرخیز وشاداب وسیع اور تمدن یافتہ صوبہ ہے۔ امن اور برکت کی وجہ سے اس صوبہ کا نام یمن رکھا گیا۔ یہ صوبہ جزیرہ نمائے عرب کا انتہائی جنوبی حصہ ہے اس کا رقبہ 555,000 مربع کلومیٹر ہے اور دارالحکومت صنعاء ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یمن کی حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں مگر اس صوبے کی طبعی حدود یہ ہیں۔

مشرق: یمن کے مشرق میں عمان (اومان) وبحرین ہے۔

مغرب: مغرب میں بحراحمر ہے۔

شمال: شمال میں حجاز، نجد اور یمامہ کے علاقے ہیں۔

جنوب: جنوب میں بحرعرب واقع ہے۔

صوبہ یمن سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اور بعد میں بھی علم وعرفان کا مرکز رہا ہے۔ اس صوبے کی تاریخ نہایت ہی قدیم ہے۔ زمانہ قدیم کی تہذیب وتمدن کی نشانیاں یہاں پائے جانے والی

عمارات اور قلعوں سے صاف عیاں ہے۔ یہ قدیم آثار یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ سلطنت روم اور حبشہ اکثر اس حصہ پر حملہ آور ہوتے رہے بعض اوقات یہ اس علاقے پر حکومت کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے مگر ان کی حکومتیں زیادہ دیر قائم نہ رہ سکیں۔ شہر سباء جسے مآرب کہتے ہیں اسی خطے میں آباد تھا۔

اہل یمن مصریوں، حبشہ والوں اور اہل فارس میں آباد قوموں سے اکثر ملتے جلتے رہتے تھے۔ یہ اقوام اہل یمن کے پاس بحر ہند کو عبور کر کے آتی جاتی تھیں۔ یہاں ایک منظّم حکومت قائم تھی۔ اس صوبہ کی قدیم تاریخ تو مورخین سے مخفی ہے البتہ رومیوں اور یونانی مورخین کے پاس بعض قدیم معلومات ہیں۔ جہاں تک اس کی تاریخ معلوم ہو سکی ہے وہ کچھ یوں ہے۔ یہاں کے باشندوں کے زیادہ تر پیشے زراعت و باغبانی اور تجارت تھے۔ زمانہ قدیم میں اہل یمن، مصر، ایران اور ہندوستان وغیرہ سے تجارت کیا کرتے تھے۔ یہاں کے باشندے گو زراعت پیشہ تھے مگر ان لوگوں نے زراعت کی مکمل واقفیت حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دی بس روایتی انداز سے ہی کاشت کاری کرتے رہے۔ قہوہ اس علاقے کی عمدہ اور مشہور ترین پیداوار ہے۔ جو اس علاقے کی دولت کا باعث ہے۔ اس علاقے کی زمین اور مرطوب آب و ہوا قہوہ کی پیداوار کے لئے اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ آب و ہوا قہوہ کے پودے کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اگر اہل یمن قہوہ کاشت کرنے کے جدید طریقے اختیار کرتے تو یہ پیداوار بہت ہی زیادہ ہو سکتی تھی۔ اس صوبے میں درج ذیل قہوہ کی پیداوار کے لئے مشہور ہیں۔

1. مخا 2. جدیدہ 3. لدیہ 4. عدن وغیرہ

اس سرزمین پر وقتاً فوقتاً اہل معین، عمالیق، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں قائم رہ چکی ہیں معینین کا دور حکومت 1200 سے 600 قبل مسیح سباء کا 930 تا 115 ق م اور حمیر کا 115 قبل مسیح سے 525 عیسوی تک شمار ہوتا ہے۔ ان قوموں نے اس صوبہ میں نہایت شاندار اور عظیم عمارتیں تعمیر کیں جن کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے زراعت کے لئے اس علاقے میں بڑے بڑے بند تعمیر کئے جن میں سے مشہور ترین بند "سد مآرب" ہے۔ اس بند کی تباہی کا قرآن کریم (سورۃ سباء آیت 15، 16) میں ذکر موجود ہے۔ (سد مآرب نزول قرآن سے تقریباً چار سو (400) سال پیشتر ٹوٹا اور سارا علاقہ تباہ ہو گیا)۔ یہاں کے لوگ پہاڑوں سے قیمتی معدنیات اور جواہر بھی نکالتے تھے۔ عطریات و بخورات اسی علاقے سے دنیا کی بڑی اور مہذب قوموں و ممالک کو برآمد ہوتے تھے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ یمن پر اسلام سے پہلے تقریباً ستر برس کے عرصہ تک اہل حبشہ قابض رہ چکے تھے۔ مگر اہل فارس نے اپنی طاقت کے زور سے اہل حبشہ کا یمن پر قبضہ ختم کر دیا اور خود یہاں قابض ہو گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا اور ہر سو اسلام کا چرچا ہونے لگا اس وقت اہل فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا جس نے 7ھ میں اسلام قبول کر لیا۔ اہل یمن کی اکثریت یہودی مذہب کی پیروکار تھی۔ 10ھ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر یہ لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ یمن کا مشہور قبیلہ

ہمدان ایک دن میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔

اہل یمن جب دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تو ان لوگوں نے وہاں نہایت ہی پر شکوہ، شاندار اور عالی شان مساجد تعمیر کیں۔ صنعاء مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی مثال آپ ہے۔ صنعاء سے تقریباً 13 میل مشرق کی طرف مآرب یا سبا کا ویران اور بے آب وگیاہ علاقہ واقع ہے۔ یہ علاقہ زمانہ قدیم میں یمن کا دارالحکومت تھا جو اب محض ایک قصبہ رہ گیا ہے۔ بارہویں صدی کا مورخ ادریسی لکھتا ہے کہ اس ویران علاقے میں وہ محلات بھی شامل ہیں جن کو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا اور ایک محل وہ بھی ہے جسے سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی بیوی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ مشہور زمانہ ملکہ سبا بھی اسی علاقے کی تھی جو جمہور اہل تاریخ کے نزدیک یہاں سے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملنے آئی تھی قرآن کریم میں سباء کا ذکر سورۃ النمل آیت 22 اور سورۃ السباء آیت 15، 16 میں کیا گیا ہے۔ یمن کے قدیم مشہور ترین مقامات کے نام یہ ہیں۔

1. معین مآرب ظفا
2. شیبان
3. اوزال
4. براقش
5. نشق
6. خولان
7. قرن
8. سبوہ
9. عمران
10. صنعاء وغیرہ

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے عدن صوبہ یمن کا مشہور شہر ہے۔ مشہور تاریخ دان ادریسی لکھتا ہے کہ عدن وہ مشہور شہر تھا جہاں ہندوستان وچین سے مختلف اقسام کی لاجواب اور قیمتی اشیاء درآمد کی جاتی تھیں۔ جن میں سے اہم ترین یہاں سے یہ چیزیں درآمد کی جاتی تھیں۔

1. چمڑہ
2. تلواروں کے جوہر دار پھل
3. گھوڑوں کی زین
4. مشک
5. آبنوس کی لکڑی
6. ہڑ بہیڑا
7. کچھوے کی ہڈی
8. مختلف قسم کے نباتات
9. لونگ
10. دارچینی
11. کافور
12. جائے فل وغیرہ

اس کے علاوہ تاروں کا بنا ہوا کپڑا، قیمتی مخمل، ہاتھی دانت، بید اور مختلف قسم کا گھاس وغیرہ۔

صوبہ یمن کے اکثر پرانے مقامات ویران اور ریگستان میں دفن ہو کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ سباء یمن کا

مشہور ترین مقام وشہر تھا۔ عرصہ دراز تک یہ شہر اس صوبے کا پایہ تخت رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر کو جزیرۃ العرب کا پایہ تخت بھی کہا جاتا تھا۔ تبابعہ، فارس اور اہل حبشہ جب اس علاقے پر مختلف اوقات وادوار میں حکمران رہے انہوں نے اسی شہر کو ہمیشہ اپنا پایہ تخت بنائے رکھا۔

(3) حضر موت

حضر موت بحر ہند کے ساحل پر صوبہ یمن کے مشرق میں واقع ہے۔ شمال میں بحر ہند جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف جبکہ مغرب میں صنعاء واقع ہے۔

حضر موت نہایت ہی قدیم مقامات میں سے ایک ہے۔ یہاں کی تاریخ آبادی بہت پرانی ہے۔ قحطان جس کو بعض تاریخ دانوں نے یقطان بھی لکھا ہے یمن کا پدر اول تھا۔ اس شخص کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام حضر ماوت تھا۔ تورات میں یہی نام تحریر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ یہ خطہ اپنے جد اول حضر ماوت بن قحطان کے نام سے منسوب ہے جو حالات کے ساتھ ساتھ اصل نام تبدیل کر کے حضر موت بن گیا جبکہ اصل نام کے اعتبار سے حضر ماوت ہونا چاہیے تھا۔

حضر موت کے باشندوں نے ایک وقت میں یہاں اپنی الگ حکومت بھی قائم کر لی تھی جو زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ بابائے تاریخ علامہ ابن خلدون نے اس حکومت کا مختصراً حال قلم بند کیا ہے۔ مشہور زمانہ قبائل جن کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے یعنی قوم عاد وثمود اس شہر کے اصل باشندے تھے۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قوم عاد اس شہر سے نقل مکانی کرنے کے بعد کچھ فاصلے پر جا کر آباد ہو گئی تھی۔ اور پھر قوم ثمود اس جگہ کو چھوڑ کر حجاز مقدس کے پار جا کر آباد ہو گئی۔ یہ شہر سرسبزی اور شادابی میں صنعاء سے کم نہیں ہے۔ ہر سال حضر موت میں سوق الرابیہ کے نام سے ایک میلہ لگتا ہے۔ جہاں لوگ جوق در جوق اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضر موت کے بالکل قریب مقام ثمر مہرہ پر دوسرا مشہور میلہ لگتا ہے جو کہ لوگوں کی خاص دلچسپی ہے۔ ہر سال میلہ لگنے کی یہ بہت پرانی رسم ہے۔ حضر موت کے جہاں دوسرے پھل اور دیگر چیزیں مشہور ہیں وہاں اس شہر کا عود قافلی بہت ہی مشہور ہے۔ پوری دنیا میں اس عود کا کوئی مقابل نہیں۔

(4) مہرہ

یہ شہر حضر موت کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ مقام حضر موت کی نسبت سرسبز وشادابی میں بہت ہی کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسائل کی کمی یہاں کے لوگوں کو دوسرے علاقوں میں روزگار ومعیشت کی تلاش کے لئے جانے پر مجبور کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کے تمام باشندے تو روزگار کی تلاش میں دوسرے ممالک کو نہیں جا سکتے اس لئے قدرت نے شہر میں رہ جانے والے لوگوں کو گزر اوقات کے لئے یہاں کے سمندر میں بہت زیادہ مچھلیاں پیدا کر دی ہیں جن کو

برآمد بھی کیا جاتا ہے اور یہاں کے باشندے بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ لوگ مویشیوں کی پرورش پر بھی گزر اوقات کرتے ہیں۔ بہر حال زندگی بسر کرنے کے لئے قدرت نے ان لوگوں کا انتظام کر رکھا ہے۔

(5) عمان (اومان)

عمان جنوب مشرق اور شمال میں خلیج فارس اور بحر ہند سے ملا ہوا ہے مسقط دارالحکومت ہے۔اس کی جنوب مغربی سرحد میں مہرہ واقع ہے۔ یہ علاقہ حد نگاہ تک ریگستان پر مشتمل ہے۔اس علاقہ کے بیچوں بیچ کچھ سرسبز و شاداب گھاٹیاں واقع ہیں۔عمان (اومان) کا حاکم سلطان ہے جس کی رہائش مسقط میں ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک شہر کی کسی بھی اعتبار سے کوئی حیثیت نہ تھی مگر قدرت نے جو اس شہر کو تیل کی دولت سے نواز رکھا تھا اس کی دریافت سے اب اس شہر کا شمار بھی عرب کی اہل ثروت سلطنت میں ہوتا ہے۔عمان (اومان) بھی اس ترقی یافتہ دور میں خوب ترقی کر رہا ہے۔

(6) الحساء یعنی بحرین

ملک الحساء سلطنت عمان (اومان) کی سرزمین سے لے کر خلیج فارس کے کنارے کنارے اس مقام تک چلا گیا ہے۔ جہاں دریائے فرات اس خلیج میں آ کر گرتا ہے۔ بحری سفر کرنے والے مسافر جو بحر فارس میں سے ہو کر گزرتے ہیں ان کو الحساء کے ساحل پر حد نگاہ تک ویران و بے رونق مقام کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔اس ملک کے مکمل حالات تو معلوم نہیں ہو سکے مگر ایک عجیب اور مثالی اہمیت یہاں ضرور نظر آتی ہے۔سال کے دوران جب غوطہ زنی اور قیمتی سمندری موتی نکالنے کا وقت آتا ہے تو یہی بے رونق ویران ساحل تجارتی منڈی کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ ہر طرف لوگوں کا جم غفیر یہاں کی زندگی میں عجیب رونق اور زندگی کی لہر پیدا کر دیتا ہے۔اس ساحل پر چاروں طرف سے موتیوں کے تاجر گروہ در گروہ اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں ہر طرف انسانوں کی چہل پہل نظر آتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میلہ لگا ہوا ہے۔

الحساء بحرین بھی کہلاتا ہے آج کل اس کا یہی مشہور نام ہے۔ تاجر حضرات بلاواسطہ قطاء اور قطیب و جریب میں موتیوں کی خرید و فروخت کے لئے شب و روز مصروف رہتے جب موتی سمندر سے اکٹھے کرنے کا وقت گزر جاتا تو تاجر حضرات اپنے اپنے گھروں کا رخ کرتے اور یوں یہ ساحل پھر ویران اور بے رونقی کی سابقہ تصویر بن جاتا تھا۔ یہاں کی آبادی بہت کم ہے۔ القطیب سے بصرہ تک ایک عظیم صحرا ہے۔ بحرین سے حاصل شدہ موتی اپنی خوبصورتی قدر و قیمت اور بے مثالی میں پورے عالم میں مشہور ہیں۔اب اہل بحرین نے بھی قدرت کے ختم نہ ہونے والے تیل کے ذخائر دریافت کر لئے ہیں۔اور یوں اس قیمتی دولت کی وجہ سے یہ ملک امیر ممالک کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔ یہاں کی فی کس آمدنی بہت ہے۔ بحرین کے حاکم اپنے عوام کی ترقی کے لئے شب روز کوشاں ہیں جس کا نتیجہ عالم اسلام دیکھ رہا ہے۔

(7) نجد

علاقہ نجد عرب کا وسطی حصہ ہے۔ یہ صحرائے شام کے جنوب میں واقع ہے۔اس حصے میں بڑے بڑے مشہور قصبے واقع ہیں۔ گو یہ علاقہ نہایت زرخیز وشاداب ہے مگر اطراف سے ریگستان میں گھرا ہوا ہے۔ یہاں دشوار گزار ٹیلے کثرت سے موجود ہیں۔ سطح سمندر سے اس علاقے کی بلندی 1200 میٹر ہے۔ اطراف سے بے آب وگیاہ صحرا میں گھرے ہونے کہ وجہ سے یہ علاقہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ ہے۔اس علاقے کا حدود اربعہ یہ ہے۔

1. شمال۔صحرائے شام اس علاقے کے شمال میں واقع ہے۔
2. جنوب: نجد کے جنوب میں صوبہ یمامہ واقع ہے۔
3. مشرق: اس صوبے کے مشرق میں صحرائے دہنا واقع ہے۔
4. مغرب: مغربی حصہ میں صحرائے حجاز ہے۔

صوبہ نجد سے پہلے جزیرۃ العرب کے ان علاقوں کا مختصر احال تحریر کیا ہے جو ساحل سمندر پر واقع ہیں۔اب ان علاقوں کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے جو جزیرۃ العرب کے اندرونی حصے میں واقع ہے۔

جزیرۃ العرب کا مشہور ترین قبیلہ بکر بن وائل اسی علاقے میں سکونت پذیر تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے نزدیک اس قبیلے کا سردار کلیب نہایت ہی محترم ومعزز تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے قبیلہ بکر بن وائل اور قبیلہ تغلب چالیس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ خونی ہولی کھیلتے رہے۔ تاریخ عرب میں ان قبیلوں کی جنگ بڑی مشہور اور خون آشام ہے۔ ماضی میں صوبہ نجد کے علاقے میں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عرب الگ ریاست قائم تھی۔ یہ ریاست زندگی کے ہر شعبہ میں سلطنت حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ شاہ فارس نوشیرواں کے باپ قباد نے جب مزدک کا مذہب اختیار کیا تو منذر کے مقابلے میں شاہ فارس (ایران) کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہان کندہ نے بھی اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا اور آخر یہی وجہ کندہ کی تباہی کا سبب بنی۔

(8) احقاف

احقاف کا یہ خطہ، عمان، الحساء (بحرین)، نجد، حضر موت اور مہرہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ ایک بیابان اور ویران صحرائی خطہ ہے۔ جہاں دور دور تک زندگی کے آثار بہت کم نظر آتے ہیں بہر حال یہ بدوؤں کی جائے سکونت ضرور ہے جو نہایت ہی جفاکش ہیں اور بڑی سخت زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ تاریخ کی بعض کتب میں اس علاقے کو یمامہ سے ملحق بتایا گیا ہے۔ احقاف کا وہ علاقہ جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے وہاں کہیں کہیں یہ بدو لوگ آباد ہیں۔ قدیم زمانہ میں حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں قوم عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔اس قبیلے کے لوگوں

نے ہمیشہ ہی اللہ کریم کے ہر حکم کی نافرمانی کی آخر اس جرم کی پاداش میں اللہ کے عذاب نے اس قبیلہ کو نیست و نابود کر ڈالا۔ قرآن کریم میں عاد ارم کا ذکر سورۃ الفجر آیت 7 میں ہے۔

زبان عرب

عربی زبان اسی صوبے نجد کی آب و ہوا سے عجیب مناسبت رکھتی ہے۔ مہلل جو عرب کا مشہور ترین شاعر تھا اور اپنی ذہانت اور سخن شاعری کی وجہ سے آدم کہلاتا تھا اسی خطے میں پیدا ہوا تھا۔ یہ شاعر سردار بکر بن وائل کلیب کا حقیقی بھائی تھا۔ اس کے علاوہ عربی کا مشہور زمانہ شاعر امراء القیس جو کہ عربی شاعری میں اپنی مثال آپ ہے اور ملک الشعراء کہلاتا تھا اسی حکومت کندہ کا بے تاج شہزادہ تھا۔ امراء القیس کے اشعار آج بھی عربی زبان سیکھنے کے لئے لازمی اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ زمانہ کی تبدیلی اور جدید ترقی یافتہ دور کی وجہ سے اب جبکہ پورے جزیرۃ العرب میں فصیح عربی زبان کا وجود ختم ہو چکا ہے مگر اس علاقے کے پہاڑوں میں زندگیاں بسر کرنے والے آج بھی کسی اختلاط (ملاوٹ) کے بغیر فصیح عربی زبان بولتے اور لکھتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں یہ صوبہ عدنانیہ قبائل کا مسکن تھا۔ بعد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور شاخ بنو طے، آجا وسلمی کی پہاڑیوں میں آباد ہوگئی تھی۔ بنوغطفان کا قبیلہ نجد میں ہی آباد تھا جس نے ظہور اسلام کے وقت اس دین حنیف کی سخت مخالفت کی یہاں تک کہ اہل حق کو ہر طرح سے تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ چنانچہ اس قبیلے کی سرکوبی کے لئے فخر دو عالم نور مجسم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو ہمراہ لے کر 4ھ میں نجد تشریف لے گئے اصحاب سیر اس مہم کو غزوہ ذات الرقاع لکھتے ہیں۔ اسی طرح بنو ہوازن اور بنو سلیم صوبہ نجد کے مغربی حصے پر قابض تھے جبکہ بنوحطیم کی ایک شاخ بھی نجد میں آباد تھی۔ اس اعتبار سے نجد بہت اہمیت کا حامل صوبہ ہے۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل تک صوبہ نجد تین حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان تین حصوں یعنی شمر، قصیم، عارض پر الگ الگ حکمران حکومت کر رہے تھے یعنی شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق اور حجاز مقدس کے ساتھ جڑا ہوا ہے ایک شیخ کے زیر اثر تھا جبکہ جبل شمر اور جبل سلمی اور چند اور وادیاں دوسرے کی زیر نگرانی تھیں۔ شہر کی اراضی شاداب پہاڑوں اور وادیوں پر مشتمل ہے جہاں پہلے آل رشید حکمران تھی۔ اس علاقے کی آبادی تقریباً پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر یہاں آباد تھی اسی نسبت سے اس ملک کو ہی شمر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں آل رشید کے خاندان کی حکومت کو ابن سعود نے ختم کر دیا اور یوں یہ ملک اب سعودی عرب کا حصہ بن چکا ہے۔ عارض یمن کے صوبہ احقاف کے برابر واقع ہے اس علاقے کو نجد الیمن کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جب نجد کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی علاقہ لیا جاتا ہے۔ نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں کے باسی لوگوں کو عرف عام میں اسی علاقہ نجد کی نسبت سے نجدی یا وہابی کہا جاتا ہے۔ سعودی حکومت اسی مسلک کے

زیر اثر ہے۔ اس علاقے کی آبادی تقریباً سات (7) لاکھ کے قریب ہے۔ اس علاقے کے گھوڑے اور اونٹ اپنی خوبصورتی اور طاقت کی وجہ سے مشہور زمانہ ہیں۔ یہاں بے شمار قسم کے پھول اور تقریباً ہر قسم کے میوہ جات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ لاتعداد سر سبز چراگاہیں موجود ہیں۔ یہاں کی پہاڑیوں اور وادیوں کی زمین کاشت کاری کے لئے بہت موزوں ہے۔ مختصراً صوبہ نجد تاریخ عرب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

عرب معاشرے کی خصوصیات

سرزمین عرب میں آباد اقوام اور خصوصی طور پر عرب معاشرے کے جغرافیائی اور سیاسی حالات ہم بیان کر چکے ہیں یہاں ہم اس معاشرے کے اخلاقی و دیگر خصوصی حالات بیان کریں گے جن کو پڑھ کر انسانی عقل دنگ اور ششدر رہ جاتی ہے کہ قدرت نے جزیرہ نما عرب جس کا اکثر حصہ لق و دق صحرا اور بیابان تھا جہاں بظاہر انسانی زندگی کا وجود ہی حیرت انگیز تھا۔ قدرت نے وہاں کے باشندوں میں اسقدر فہم و فراست، تدبر، عقل سلیم، سخاوت، شجاعت، غیرت اور فصاحت و بلاغت جس پر ساری دنیا فخر کر سکتی ہے کیوں رکھ دی تھی۔ یہ امر بھی تعجب سے خالی نہیں کہ یہاں کے باشندے علمی میدان میں ان پڑھ تھے پھر مالک کائنات نے ان لوگوں کو مذکورہ خوبیاں کیوں عطا فرمائیں۔ اسکی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ خالق ارض و سما نے اس خطے میں اپنے پیارے محبوب فخر آدم، محسن انسانیت، آقائے دو جہاں تاجدار عرب و عجم، مراد خلیل محبّ الفقراء، امام القبلتین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلوہ گر فرمانا تھا۔ گو عرب معاشرہ جب اللہ اور رسولوں کے احکامات کو چھوڑ کر فسق و فجور میں مبتلا ہو کر پوری دنیا کے لئے تماشہ عبرت بن چکا تھا مگر انکی فطرت میں وہ سب کمال اور خوبیاں موجود تھیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بس ان لوگوں نے خود ساختہ عقائد اور رسومات کو ان پر غالب کر لیا تھا۔ فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر عرب معاشرے کی دفن شدہ خوبیوں کو اپنی رحمت اور نور ازلی کی وجہ سے زندہ فرما دیا اور پھر اہل عرب نے اپنی ان خوبیوں اور کمالات کو اسلام کے مطابق جب استعمال کیا تو کرہ ارض پر آباد تمام بنی نوع انسان انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان لوگوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو امانت عظمیٰ بخشی ہے ہم اسکے حقیقی حقدار تھے یہاں میں اہل عرب کی وہ خصوصیات جن پر انہیں بجا طور پر فخر تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔

اہل عرب اور جود و سخاوت

عرب معاشرہ جود و سخا کے میدان میں ہمیشہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔ اس کے باوجود کہ سرزمین عرب کا اکثر حصہ وسیع و عریض ریگستانوں پر مشتمل تھا اور اہل عرب معاشی اعتبار سے بڑی ناگفتہ بہ حالت سے دوچار تھے مگر انکی سخاوت اور فیاضی ضرب المثل تھی۔ اہل عرب نے سخاوت اور فیاضی کے میدان میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے انکو پڑھ کر انسانی عقل محو حیرت رہ جاتی ہے۔ وہ معاشرہ اپنی فیاضی اور کرم و

سخاوت پر اس قدر نازاں تھا کہ شعراء عرب کے دیوان اکثر ان اشعار پر ہی مشتمل ہیں جن میں ان کی سخاوت اور فیاضی کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

اہل عرب کے ہاں دستور تھا کہ وہ رات کے وقت ریت کے ٹیلوں پر آگ روشن کر دیتے تا کہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا ادھر سے گزر ہو تو وہ آگ روشن دیکھ کر ان کے خیموں کے پاس آجائے۔ اس طرح جب کوئی بھٹکا ہوا مسافر انکے پاس آجاتا تو اسکی دیکھ بھال اور خدمت کرنے میں کمال کی حدوں کو چھونے لگتے تھے۔ خود بھوکے رہ جاتے مگر مہمان کی خاطر و مدارت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

اہل عرب کی سخاوت اور مہمان نوازی کی کوئی حد نہ تھی۔ سخت سردی کے موسم میں اگر کوئی مسافر یا مہمان انکے گھر آجاتا تو وہ لوگ جن کے پاس چاہے ایک اونٹ ہی ہوتا جس کے ذریعے اس گھر کا کاروبار چلتا تھا یعنی اس اونٹ کی مدد سے کاروبار کرتے اور کنبے کا واحد ذریعہ آمدنی ہوتا تھا۔ اپنی سخاوت کی عمدہ عادت کی وجہ سے اسے ذبح کر کے مہمان کو پیش کر دیتے تھے۔ سخاوت و مہمان نوازی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔

اگر کسی شخص سے حادثاتی طور پر دوسرے کی جان تلف ہو جاتی تو بھاری سے بھاری دیت ادا کرنے سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔ کسی دوسرے شخص کو مالی مجبوری میں گرفتار دیکھ کر بھاری سے بھاری مالی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے اور اپنے اس عمل کو فخریہ بیان کرتے تھے۔

اہل عرب سرد اور گرم راتوں کو ریت کے ٹیلوں پر آگ روشن رکھتے اور اس خیال سے کہ آنکھوں والا بھٹکا ہوا مسافر تو آگ دیکھ کر انکے پاس آجائے گا لیکن اگر کوئی مسافر ایسا ہو جو بینائی سے ہی محروم ہو تو وہ کیا کرے گا چنانچہ اسکی سہولت کے لئے آگ کے الاؤ پر خوشبودار بخور چھڑکتے رہتے جسکی خوشبو دور دور تک جاتی اسطرح بینائی سے محروم مسافر اس خوشبو کی مدد سے انکے پاس پہنچ جاتا تھا۔

دیوان عرب میں ایک شاعر کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے غلام سے کہتا اونچے ٹیلے پر جا کر آگ روشن کر دے کیونکہ رات نہایت ہی سرد ہے یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ اگر تیری جلائی ہوئی آگ کو دیکھ کر کوئی مہمان میرے پاس آ گیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

لوگ اپنے ڈیروں پر بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لئے کتے پالا کرتے تھے ایک طرف تو وہ کتے انکے ریوڑوں کی حفاظت کرتے اور دوسری طرف ان کتوں سے یہ فائدہ بھی اٹھاتے کہ جب وہ رات کے وقت بھونکتے تو آواز رات کے سناٹے میں دور دور تک جاتی تھی اور یوں رات کو بھٹکے ہوئے مسافر اس آواز کو سن کر آسانی سے خیموں کے قریب آجاتے اور یوں اہل خیمہ اپنے جذبہ مہمان نوازی کو پورا کر لیتے تھے۔

اہل عرب اپنی سخاوت کی عادت کو پورا کرنے کے لئے شراب نوشی پر فخر کیا کرتے تھے۔ شراب نوشی بذات خود کوئی قابل فخر فعل تو نہیں تھا مگر شراب کا نشہ انکے جود و سخا کو دو چند کر دیتا تھا۔ نشے کی حالت میں گراں قدر مال

سخاوت کرتے وقت انسانی طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اور یوں وہ لوگ اس میدان میں دل کھول کر حصہ لیتے یہی وجہ ہے کہ عربوں کے ہاں انگور کی بیل کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکرم (یعنی انگور کی بیٹی) کہتے تھے۔

عرب کا مشہور شاعر عنترہ بن شداد عبسی کہتا ہے ''میں نے دوپہر کی تیزی رکنے کے بعد بائیں جانب رکھی ہوئی تابناک منہ بند زرد رنگ کی دھاری دار بلوری جام میں رکھی شراب جس پر نشانی لگی ہوئی تھی اور وہ نہایت صاف شفاف بھی تھی، پی لیتا ہوں۔ اسکے بعد اپنا مال خوب لٹاتا ہوں مگر اپنی آبرو پر حرف نہیں آنے دیتا۔ اس پر کسی قسم کی چوٹ نہیں لگتی۔ پھر جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی میری جودوسخاوت میں کوئی فرق نہیں آتا تم لوگ میری عادت اور اخلاق کو اچھی طرح جانتے ہو''۔

تاریخ عرب وہاں کے رہنے والے لوگوں کی فیاضی، سخاوت اور جودوکرم کی ایسی ایسی مثالیں پیش کرتی ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ شعراء عرب نے سخاوت اور فیاضی کے اس قدر حسین مناظر پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر تحسین وآفرین کے پھولوں کی بارش کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اگر ہم ہر ایک شعراور عرب کے ہر فیاض کا صرف ایک ایک واقعہ ہی لکھنا شروع کریں تو شاید دفتر درکار ہوں پھر ہمارا موضوع بھی بہت طویل ہو جائے گا اس لئے یہاں چند واقعات جودوسخاوت اور کچھ اشعار تحریر کرنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں تاکہ آپ لطف اندوز ہوسکیں اور آپکے جذبہ فیاضی میں مزید اضافہ ہو۔

سالم بن قحفان

تاریخ عرب میں سالم بن قحفان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ایک دفعہ اسکی بیوی کا بھائی (اسکا سالا) اس کے ہاں آیا۔ سالم نے اپنے انٹوں میں سے ایک اونٹ اسکو بطور تحفہ دیا اور کہا میری طرف سے یہ اونٹ کا تحفہ قبول کرتے ہوئے اسے اپنے اونٹوں کی قطار میں شامل کرلو اس نے جب ایسا کرلیا تو سالم نے اپنی بیوی سے کہا رسی لے آؤ وہ رسی لائی تو سالم نے ایک اور اونٹ رسی میں باندھ کر اپنے سالے کو دیا پھر بیوی سے کہا ایک رسی لاؤ بیوی نے جواب دیا اب میرے پاس اور رسی نہیں ہے اس پر سالم نے کہا ''اونٹ دیتے جانا میرا کام ہے اور اونٹوں کے لئے رسیاں لانا تمہارا کام ہے''۔ یہ سن کر اسکی بیوی نے سر کی چادر اتاری اور خاوند کی طرف پھینک کر کہا اسکو پھاڑ کر رسیاں بناتے جاؤ اور اونٹ سخاوت کئے جاؤ۔ سالم نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر چند شعر فی البدیہ کہہ ڈالے۔ ان اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

1. ''تو مجھے بخشش اور سخاوت کرنے میں ملامت نہ کرنا اور جب بھی کوئی اونٹ طلب کرنے والا میرے پاس آئے تو اس کے لئے رسی مہیا کرنا''۔
2. ''جب تک اونٹوں کے بچے چرنے کے لئے سبز گھاس پاتے رہیں گے وہ میری موت پر روئیں

گے نہیں''۔

3. ''میں اونٹوں کی مانند کوئی دوسرا ایسا مال نہیں دیکھتا جسکو بچا کر اپنے پاس رکھا جائے اور جب حق ادا کرنے کا موقعہ آئے تو اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے''۔

خاوند جب اشعار مکمل کر چکا تو بیوی جو کہ فی البدیہ اشعار کہنے میں خاوند سے کم نہیں تھی اسکی رگ شاعری بیدار ہوئی اور خاوند کو اشعار کی زبانی جواب اسطرح دیا، ترجمہ اشعار۔

1. ''اے ابن قحفان میں اس ذات کی قسم اٹھاتی ہوں جس نے میدانوں اور پہاڑوں میں ہر چیز کو رزق مہیا کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے''۔

2. ''جب تک اونٹ اپنے پاؤں پر چلتے رہیں گے میں انکے لئے رسیاں تیار کرتی رہوں گی''۔

3. ''تم اپنی سخاوت جاری رکھو اور جو تم سے مانگنے کے لئے آئے اسکے سامنے بخل کا مظاہرہ نہ کرنا کیونکہ تم میرے پاس اونٹوں کے لئے رسیاں موجود پاؤ گے اسطرح تمہاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی''۔

اہل عرب اپنی فیاضی اور سخاوت میں چار چاند لگانے کے لئے جوا کھیلنا پسند کرتے تھے۔ انکے خیال میں جوا بھی سخاوت کی ایک راہ تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جوا جیتنے کی صورت میں جو مال ہاتھ آتا اسے اپنی جود وسخاوت کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ ایسا کرتے بھی تھے۔ پھر جس جگہ جوا کھیلا جاتا وہاں کا مکین جیتنے والے کے نفع میں سے رقم لے کر غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔

عمیلہ فزاری

تاریخ عرب میں جہاں فیاض اور سخی لوگوں کا ذکر آتا ہے وہاں عمیلہ فزاری کی سخاوت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گو عمر کے اعتبار سے وہ ابھی جوانی کی ابتدائی منازل میں ہی تھا جہاں نوجوان کھیل کود اور وقت برباد کرنے کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں مگر سخاوت کے میدان میں جو عمل اس نے پیش کیا وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

ابوریاش تحریر کرتا ہے کہ ایک دفعہ عمیلہ فزاری کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اسکا ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ابن عنقا فزاری اپنی بکریوں کے لئے گھاس کاٹ رہا تھا۔ عمیلہ یہ دیکھ کر رک گیا اور ابن عنقا سے پوچھا تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی اس نے جواب دیا زمانہ کی گردش۔ بھائیوں کے منہ پھیر لینے اور تم جیسے لوگوں کی بخل کی وجہ سے میں اس حال کو پہنچا ہوں۔ عمیلہ فزاری ابن عنقا کا یہ جواب سن کر بولا خدا کی قسم کل سورج طلوع ہونے سے پہلے تمہاری یہ حالت برقرار نہیں رہے گی یہ کہا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابن عنقا بکریوں کے لئے گھاس اٹھائے اپنے گھر آیا مگر رات بھر بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا اسے

بار بار عمیلہ فزاری کی بات یاد آتی اور جوں جوں وہ اس پر غور کرتا بے چینی میں مزید اضافہ ہوتا جاتا۔ بیوی نے جب خاوند کی بے قراری دیکھی تو اس سے پوچھا کیا بات ہے۔ ابن عنقا نے صبح کا سارا واقعہ بیوی کو سنا دیا۔ بیوی بولی کیا تم دیوانے ہو گئے ہو جو اس نوخیز جوان کی بات کو سچ مان کر بے قراری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ رات ایسی کیفیت میں کسی نہ کسی طرح کٹ گئی صبح کے وقت بیٹی نے باپ سے کہا میرے خیال میں اگر آپ عمیلہ کے پاس چلے جاتے تو بہتر تھا کیونکہ اس نے آپ کے ساتھ اپنا مال تقسیم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ہوسکتا ہے وعدہ پورا ہی کر دیتا۔ یہ سن کر باپ نے کہا بیٹی عمیلہ اس وقت نشے میں مدہوش تھا اس لئے وہ تو جانتا ہی نہیں ہوگا کہ اس نے مجھے کیا کہہ دیا ہے اس لیے جانا بیکار تھا۔ ابھی باپ بیٹی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا سامنے سے اونٹوں بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کا ایک لشکر چلا آ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد ہی وہ لشکر ان کے قریب پہنچ گیا اچانک عمیلہ فزاری نے بلند آواز سے پکارا ''اے ابن عنقا میرے پاس آؤ میرا سارا مال حاضر ہے اسے آپ اور میں بانٹ لیتے ہیں'' اس کے بعد عمیلہ نے گھوڑے، اونٹ، بھیڑ بکریاں یہاں تک کہ غلام اور لونڈیاں بھی نصف نصف بانٹ کر ایک حصہ ابن عنقا کے حوالے کیا اور دوسرا نصف حصہ لے کر واپس چلا گیا۔ سخاوت کی ایسی مثال کہیں خال خال ہی ملتی ہے مگر اہل عرب کے ہاں ایسے عملی مظاہرے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔

حاتم طائی

سرزمین عرب میں قدرت نے سخاوت اور فیاضی کے میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک انسان پیدا کیا۔ حاتم طائی بھی ان میں سے ایک تھا مگر قدرت نے جیسا دل اور حوصلہ اسے عطا فرمایا۔ سخاوت کے میدان میں شائد ہی کسی اور کو ملا ہو۔ حاتم کی سخاوت اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ صرف اہل عرب کے ہاں ہی نہیں بلکہ اطراف عالم میں حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل بن چکی تھی اور اب تو دنیا کا شائد ہی کوئی ایسا معاشرہ ہو جہاں اسکی سخاوت کو بطور مثل استعمال نہ کیا جاتا ہو۔ اس سخی انسان کا نام حاتم تھا لیکن وہ قبیلہ (طی) طے کا سردار بھی تھا اس لیے اسکے نام کے ساتھ قبیلے کی نسبت سے طائی استعمال کرتا تھا پھر یہ لفظ ہمیشہ کے لئے اسکے نام کا حصہ ہی بن گیا اور اب اسی نام سے مشہور زمانہ ہے۔ ویسے تو حاتم طائی کی سخاوت کے بے شمار واقعات اوراق تاریخ کی زینت ہیں ان سب کا ذکر کرنا تو یہاں ممکن نہیں البتہ ایک دو واقعات تحریر کر رہا ہوں۔

ایک مرتبہ حاتم طائی کا علاقہ خشک سالی کی وجہ سے سخت قحط کا شکار ہو گیا۔ قحط اسقدر شدید تھا کہ بھوک کی وجہ سے سارے جانور ہلاک ہو گئے حاتم طائی کے ذاتی استعمال کا گھوڑا اتفاقاً زندہ بچ گیا۔ قحط کی اس کیفیت میں ایک رات حاتم طائی کے اپنے بچے بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو گئے بھوک کی شدت نے اس قدر غلبہ کیا کہ وہ رونے لگے حاتم نے اپنے بیٹے عدی اور بیٹی سفانہ کو کسی نہ کسی طرح بہلا کر سلا دیا۔ حاتم کی بیوی جو کہ اس واقعہ کی راوی ہے بیان

کرتی ہے کہ حاتم نے جب دیکھا کہ بچے سوگئے ہیں تو اس نے میری دلجوئی شروع کر دی تا کہ مجھے بھی نیند کا دیوتا اپنی آغوش میں لے لے۔ ماویہ زوجہ حاتم مزید بیان کرتی ہے کہ مجھے اپنے خاوند کی حالت پر ترس آیا اور میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا جیسے سو چکی ہوں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ حاتم نے ایک دوبار مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا سوگئی ہو؟ میں نے کوئی جواب نہ دیا تا کہ حاتم کو میرے سو جانے کا یقین ہو جائے اور اسکے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ حاتم خاموش لیٹا تھا کہ اچانک اس کی نظر خیمے سے باہر کھڑی ایک عورت پر پڑی۔ حاتم اٹھ کر باہر گیا تب اس عورت نے فریاد کرتے ہوئے کہا اے سفانہ کے باپ میں اپنے معصوم بچوں کو بھوک سے بلکتے گھر چھوڑ آئی ہوں خدارا میری کچھ مدد کرو تا کہ میں انکے کھانے کا کچھ بندوبست کرسکوں۔ حاتم نے فوراً اس عورت سے کہا جاؤ اور اپنے بچوں کو یہاں لے آؤ میں ضرور انکو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤں گا۔ عورت چلی گئی تو میں نے اٹھ کر خاوند سے کہا اس عورت کے بچوں کو کیا دو گے جبکہ تمہارے اپنے بچے بھوک سے بے حال ہو کر سوئے ہیں۔ حاتم میری بات سن کر خاموشی سے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل کر سیدھا گھوڑے کے پاس گیا اور اسے ذبح کر دیا پھر آگ جلا کر اسکا گوشت بھونا اور عورت سے کہا اپنے بچوں کو پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ اس کے بعد مجھے کہا بچوں کو جگاؤ تا کہ وہ بھی کھانا کھالیں۔ میں نے عدی اور سفانہ کو جگایا وہ بھی گوشت کھانے لگے تب حاتم طائی نے کہا یہ کسقدر کم ظرفی کی بات ہے کہ ہم لوگ تو پیٹ بھر کر کھانا کھائیں اور اہل قبیلہ بھوک سے نڈھال گھروں میں سخت پریشانی کے عالم میں رہیں۔ حاتم نے یہ کہا اور اٹھ کر چلا گیا اس نے ایک ایک گھر کے دروازے پر جا کر مسکینوں سے کہا میرے ساتھ چل کر تیار شدہ ضیافت میں شامل ہوں سب لوگ اس کے ساتھ آ گئے اور یوں شکم سیر ہو کر گھوڑے کا گوشت کھایا۔ اہل قبیلہ ضیافت سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر حاتم چادر سے منہ ڈھانپے ایک طرف بیٹھا رہا اور اس نے خود ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ اس واقعے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حاتم طائی کس قدر سخی اور رحم دل انسان تھے۔

بلوغ العرب میں حاتم طائی کے بارے میں ایک نہایت ہی عجیب وغریب واقعہ درج ہے۔ لکھتے ہیں حاتم طائی جب اس دنیا سے کوچ کر گیا تو یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ کیا ہی تعجب کی جگہ ہے کہ ایک زندہ انسان سے تو شائد مذکورہ واقعہ سے بڑھ کر سخاوت کا مظاہرہ ممکن ہے مگر مر جانے کے بعد اس قسم کے واقعہ کا وجود میں آنا نہایت ہی حیرانگی اور تعجب کا باعث ہے۔ حاتم طائی کو فوت ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک روز قبیلہ عبدالقیس کا ایک گروہ حاتم طائی کی قبر کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اچانک امیر گروہ نے اعلان کیا ساتھیو رات سر پر آ پہنچی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ رات حاتم کی قبر کے پاس بسر کی جائے۔ سب نے امیر کے اس فیصلے پر آمین کہا اور ساز وسامان کھول کر رات بسر کرنے کے لئے پڑاؤ ڈال دیا۔ جب سب لوگ آرام سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر حاتم طائی کی قبر پر ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں اور ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا اے حاتم طائی تمہیں شرم نہیں آئی ہم تیرے مہمان ہیں اور تو آرام سے سویا ہوا ہے اٹھو اور ہماری میزبانی کے فرائض سرانجام دو۔ گروہ میں سے کسی نے کہا تمہیں شرم نہیں آئی

مرے ہوئے شخص کی قبر کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے کیا لغو گفتگو کر رہے ہو۔ پہلے شخص نے جواب دیا میں یہ سب کچھ اس لیے کر رہا ہوں کہ میں نے اہل طے کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص حاتم طائی کی قبر کے نزدیک رات کو بسر کرے تو وہ اسکی مہمان نوازی ضرور کرتا ہے۔ اہل قافلہ نے کہا اس بات کو چھوڑو اور آرام سے سو جاؤ۔ تقریباً آدھی رات کے قریب وہی شخص جس نے قبر کو ٹھوکریں ماری تھیں گھبرا کر چیختا ہوا اٹھا وہ کہہ رہا تھا ہائے میری سواری!، ہائے میری سواری!، لوگوں نے اس کی چیخ و پکار سن کر پوچھا تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے خواب میں حاتم طائی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جسکی مدد سے اس نے میری سواری اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالی ہیں۔ میں یہ سب کچھ اچھی طرح دیکھ رہا تھا سن رہا تھا۔ حاتم طائی نے مجھ سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے جو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔

اشعار کیونکہ عربی میں تھے اس لیے انکا صرف ترجمہ تحریر کیا جا رہا ہے:۔

"اے ابوالخیری تم ایسے انسان ہو جس نے قبیلے پر ظلم کیا ہے اور مجھے برا بھلا کہا ہے تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایسے گڑھے پر مہمانی طلب کرنے آئے ہو جس میں دفن شخص کی کھوپڑی تک گل چکی ہے۔ کیا تم رات کے وقت میرے لیے تکلیف کا ارادہ کرتے ہو حالانکہ تمہارے اردگرد بنی طے کا قبیلہ آباد ہے اور اسکے اونٹ بھی موجود ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے مہمانوں کو پیٹ بھر کر کھلاتے ہیں اور اپنی اونٹنیوں کو دیر کے بعد دوہتے ہیں"۔

اہل قافلہ اس شخص کی اونٹنی کے قریب گئے تو دیکھا اونٹنی کا ایک پاؤں کٹا ہوا ہے اس اونٹنی کو ذبح کر لیا گیا اور پھر سب نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا۔ سب گوشت بھی کھاتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے حاتم طائی کیا ہی فیاض آدمی ہے جس نے مرنے کے بعد بھی ہماری مہمان نوازی کی ہے۔ صبح کے وقت قافلے والوں نے چلنے کی تیاری کی جس شخص کی اونٹنی ذبح کی گئی تھی اسکو قافلے والوں میں سے ایک اونٹ والے نے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور قافلہ منزل مقصود کی طرف چل پڑا۔ راستے میں قافلے والوں کو ایک شتر سوار ملا اسکے ہاتھ میں ایک دوسرے اونٹ کی مہار تھی۔ شتر سوار نے قافلے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تم میں سے ابوالخیری کون ہے اسکو بتایا گیا کہ ابوالخیری یہ ہے تب شتر سوار نے کہا یہ دوسرا اونٹ جسکی نکیل میرے ہاتھ میں ہے تم پکڑ لو۔ میں حاتم طائی کا بیٹا عدی ہوں۔ والد گرامی مجھے خواب میں ملے تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ ابوالخیری کی اونٹنی قافلے والوں کو ذبح کر کے میری طرف سے بطور ضیافت کھلا دی گئی ہے اس لیے یہ اونٹنی میری طرف سے ابوالخیری کو پہنچا دو والد گرامی کے حکم کی تکمیل کے لیے یہ اونٹنی حاضر ہے قبول کرو تاکہ میں انکی روح کے سامنے سرخرو ہوسکوں۔ ابوالخیری نے عدی کے ہاتھ سے اونٹنی کی رسی پکڑ لی۔ عدی اونٹنی اسکے حوالے کرنے کے بعد فوراً واپس اپنے مکین کی طرف روانہ ہوگیا۔ محرز اس واقعہ کے راوی ہیں یاد رہے یہ بزرگ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اسی طرح کعب بن حامہ الایادی، اوس بن حارثہ الطائی، ہرم بن سنان اور عبداللہ بن جدعان وغیرہ اہل عرب

کے ہاں سخاوت، ہمدردی اور فیاضی کے میدان میں بڑی شہرت اور عظمت کا درجہ رکھتے تھے۔ان سب کے حالات اور سخاوت کے واقعات تحریر کرنے کے لئے بیشمار صفحات درکار ہیں مگر مجھے تنگ دامانی وقت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ موضوع بہت ہی طویل ہوجائے گا اس لیے یہاں مذکورہ تحریر پر ہی اکتفا کررہا ہوں۔

اہل عرب اورانکی قوت حافظہ

قدرت نے اہل عرب کوفہم وفراست کی دولت سے مالا مال کررکھا تھا۔وہ لوگ لکھنے پڑھنے سے کوسوں دور ہونے کے باوجود بلاکے ذہین اور دوربین تھے۔محض چند حروف سن کر ہی بات کی گہرائی تک پہنچ جاتے تھے۔ان لوگوں کی یادداشت اسقدر عمدہ تھی کہ پرانے سے پرانا واقعہ کی تفصیلات اور گزرے ہوئے واقعات کو یوں ازبر کرلیتے کہ پھر انکے ذہنوں میں گویا جیسے نقش ہوجاتے تھے۔

اہل عرب کی یاداشت اور دماغی صلاحیتوں کا یوں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنا شجرہ نسب تو یاد ہوتا ہی تھا وہ اپنے جانوروں تک کے شجرہ نسب سے پوری طرح واقف تھے۔خاص طور پر گھوڑا جوانکے لیے قیمتی ترین سرمایہ تھا اسکے نسب ناموں سے پوری طرح آگاہ تھے۔میدان جنگ میں غیر معمولی شجاعت اور دلیری دکھانے والے گھوڑے کی نسل سے پوری طرح واقف ہوتے تھے۔اسی طرح صحرائی جہاز یعنی اونٹ کی اقسام نسلیں انکی کارکردگی علاج اور دیگر اوصاف کے بارے میں پوری جان کاری رکھتے تھے۔گھوڑا ہمیشہ نسل کے اعتبار سے اعلیٰ ترین پالتے یہی وجہ ہے کہ عربی النسل گھوڑا وفاداری، دلیری، طاقت اور خوبصورتی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ایک دفعہ جو چیز دیکھ لیتے اسے مدتوں بلکہ نسل درنسل یادرکھتے تھے۔قوت حافظہ کے میدان میں انکا کوئی ثانی نہ تھا۔

اہل عرب کے ہاں جو تہوار ادبی محافل اور میلے منعقد ہوتے ان میں دور دراز سے اہل علم اور اہل فن شرکت کرتے بڑے بڑے فصیح الکلام شاعر اور شعلہ بیان مقررین اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اکثر شاعر تو اس قدر خداداد صلاحیتوں کے مالک ہوتے کہ سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصیدے ان کو زبانی یاد ہوتے تھے۔پھر سامعین حضرات میں بھی حیران کن دماغی صلاحیتیں رکھنے والے موجود تھے۔جو شاعر کے بیان شدہ دیوان کے دیوان صرف ایک دفعہ سن کر زبانی یاد کرلیتے تھے حد تو یہ تھی کہ خطبہ دینے والے مقرر کی تقریر کا ایک ایک حرف انکو ایسے یاد ہوجاتا تھا کہ بعض اوقات خود مقرر حیران وپریشان ہوجاتا کہ آیا یہ کلام میرا ہے یا اسکا جو صرف ایک دفعہ سن کر دوبارہ بیان کررہا ہے۔

اہل علم جب گفتگو کرتے تو اتفاقاً اگر ان کی زبان سے کوئی فی البدیہہ شعر یا جملہ نکل جاتا تو پھر وہ جملہ یا شعر ضرب المثل کی شکل اختیار کرلیتا اور یوں بڑے ہی قلیل وقت میں عرب کے گوشے گوشے میں پھیل جاتا۔صرف شعر ہی ضرب المثل کی شکل اختیار نہیں کرتا تھا بلکہ ان لوگوں کو وہ واقعہ یا خطبہ بھی ازبر ہوجاتا جس کے پس منظر میں جملہ یا شعر فی البدیہہ نکلا ہوتا۔اہل عرب کے ہاں غیر معمولی یادرکھنے والے مخصوص لوگ ہوتے جن کا صرف یہ کام ہوتا کہ شاعر کا

کلام اور خطیب کا خطبہ سنتے ہی اسے فوری زبانی یاد کر لیتے تھے۔ یہ ایک باقاعدہ تربیتی فن تھا اس فن کے ماہر کو 'راویہ' کہتے تھے یعنی ہر کلام کو ایک دفعہ ہی سن کر یاد کر لینے والا۔ راویہ اسقدر حاضر اور تازہ دماغ ہوتے کہ انکو نہ صرف اشعار ہی زبانی یاد ہو جاتے تھے بلکہ وہ اشعار کی مختلف اقسام جز، رجز اور قصیدے کے بند وغیرہ بھی ذہن میں محفوظ کر لیتے تھے۔

اہل عرب کے ہاں فنی اعتبار سے اصمعی کو باتفاق رائے ادب کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسکا اپنا قول ہے کہ میں ابھی بالغ نہیں ہوا تھا کہ مجھے اعراب بادیہ کے بارہ ہزار (12000) ارجوزے باالفاظ دیگر شعر زبانی یاد تھے۔ بالغ ہونے کے بعد آخری عمر تک اس شخص کو مزید کتنے اشعار یاد ہوں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یادداشت کے میدان میں دنیا کی تمام اقوام اس بات پر متفق ہیں کہ حافظہ اور قوت یادداشت کے میدان میں دنیا کی کوئی قوم بھی عربوں کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اور اس بات کی تاریخ عرب تو کیا تاریخ عالم گواہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ عربی زبان ہے خالق کائنات نے اپنی اس زبان کو اسقدر وسعت عطا فرمائی ہے جو دنیا کی کسی دوسری زبان کو میسر نہیں۔ عربی زبان میں مترادف الفاظ اس قدر کثرت سے موجود ہیں جن کا شمار کرنا ہی مشکل ہے۔ ان کے ہاں شعر و سخن کا دائرہ جس قدر وسیع ہے۔ دنیا کی کسی دوسری زبان کو میسر نہیں۔ عربی زبان کے تمام مترادف الفاظ کو بیان کرنا تو ممکن نہیں یہاں متلاشیان علم کے ذوق کے لئے چند مثالیں عرض کر دیتا ہوں جن کو پڑھ کر عربی زبان کی دنیا میں رائج دیگر زبانوں پر فوقیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لفظ شہد کو ہی لیجئے دنیا کی تمام زبانوں میں شہد کے لئے شاید چند مختلف نام ہوتے ہوں جبکہ عربی زبان میں شہد کے لئے اسّی (80) مختلف نام استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح اونٹ کے لئے مختلف زبانوں میں کتنے نام استعمال ہوتے ہوں گے جبکہ عربی زبان میں اس جانور کے ایک ہزار نام ہیں۔

شیر جسے جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے اقوام عالم میں بولی، پڑھی اور لکھی جانے والی زبانوں میں اسکے چند نام ہی ہونگے مگر عربی زبان میں اسکے پانچ سو نام ہیں۔ اسی طرح سانپ کے دو سو نام ہیں۔ جنگی ہتھیار تلوار کے لئے ایک ہزار نام موجود ہیں جبکہ رنج و غم اور مشکل و مصیبت کے لئے تقریباً چار ہزار نام لیے جاتے ہیں۔

اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس زبان میں ایک چیز کے ہی سینکڑوں اور ہزاروں نام ہو سکتے ہیں ان ناموں کو یاد کرنے کے لئے کس قدر پختہ اور زبردست قوت حافظہ اور ذہانت کی ضرورت ہوگی۔ قدرت نے اہل عرب پر احسان عظیم فرماتے ہوئے ایک تو ان کو عظیم ترین زبان عربی عطا فرمائی جسکو اقوام عالم کی تمام زبانوں پر فوقیت حاصل ہے اور دوسرا اس زبان کو یاد رکھنے کے لئے عظیم قوت حافظہ بھی عنایت کی۔ یہی وجہ ہے کہ زبان اور قوت حافظہ کے میدان میں کرہ ارض پر بسنے والی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی ہمسری کا دعویٰ کرنے کی کوشش ہی کر سکتی

ہے۔ یہاں مجھے خلیفہ ولید جس کا تعلق اموی خاندان سے تھا اسکے زمانہ میں حماد نامی راویہ کا دعویٰ یاد آ گیا جو انشاء اللہ متلاشی علم کے ذوق کو مزید فرحت بخشے گا۔ حماد نے خلیفہ ولید کے دربار میں کھڑے دعویٰ کیا ''اے خلیفہ اسلام میں انہی قدموں پر کھڑے رہتے ہوئے آپ کو ایک سو قصیدے زبانی سنا سکتا ہوں جبکہ ہر قصیدہ میں بیس سے لے کر سو اشعار تک ہوں گے''۔ یہ خالی دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ اس قدر حیران کن قوت حافظہ رکھنے والے اہل علم وفن اکثر موجود تھے۔

اہل عرب کی ذہانت وفراست

قدرت نے اہل عرب کو بے مثال فراست، عقل اور ذہانت عطا فرما رکھی تھی۔ مورخین نے تاریخ عرب میں حیران کن واقعات درج کئے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر واقعہ اپنی جگہ تاریخ رکھتا ہے جس کو پڑھ کر انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ وہ تمام واقعات تو یہاں درج کرنا بہت مشکل ہیں البتہ علم اور ذوق کے لئے چند چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر یہاں کر رہا ہوں جنکا مطالعہ نہایت ہی دلچسپ ثابت ہوگا۔ یہ چند واقعات سب سے پہلے قرآن کریم اور پھر تاریخ عرب کی مشہور کتب سے اخذ شدہ ہیں:۔

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ایک تھے۔ اہل عرب کے ہاں آپ بڑی قدر ومنزلت اور شہرت کے مالک تھے۔ گو حضرت لقمان کے اقوال زریں زبان زدعام تھے اور حکمت ودانائی میں لاجواب تھے اس کے باوجود کہ نہایت مشہور شخصیت تھے اور پھر قرآن مجید میں آپ کے نام سے ایک سورۃ موجود ہے جسے سورۃ لقمان کہا جاتا ہے۔ آپ کے حالات اور خاندان ونسب کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ہم یہاں وہ تمام اقوال تحریر کر رہے ہیں تاکہ متلاشی علم تمام حالات و واقعات پڑھ کر خود فیصلہ کرے کہ صحیح قول کیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حضرت لقمان اپنے وقت کے نہایت مدبر، عاقل، صاحب الرائے، حکمت ودانائی کے پیکر اور علمی دنیا میں مثالی حیثیت کے مالک تھے۔ خود قرآن مجید میں خالق کائنات حضرت لقمان کے متعلق ارشاد فرماتا ہے سورۃ لقمان آیت 12

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ

ترجمہ: ''اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی''۔

حضرت لقمان کون تھے

حضرت لقمان کے بارے میں ایک قول یہ ہے جسے حضرت امام ابن جریر و حضرت امام ابن کثیر و حضرت امام

سہیلی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مشہور لقمان یا حکیم لقمان افریقی النسل تھے اور عرب میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے۔ انکا شجرہ نسب یوں ہے۔

''لقمان بن عنقا یا شار بن سندون''

حضرت لقمان سوڈان کے قبیلہ نوبی سے تعلق رکھتے تھے۔ پستہ قد بھاری بدن سیاہ رنگ، موٹے ہونٹ اور بھدے ہاتھ پیر والے تھے۔ آپ نہایت عابد وزاہد صاحب حکمت و دانائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ انکی حکمت و دانائی اہل عرب کے ہاں ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔

روض الانف۔ جلد۔ 1 تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔ 3

مذکورہ حضرات اپنا قول بیان کرنے کے بعد اسکی تائید میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ارشادات یوں نقل فرماتے ہیں۔ ترجمہ: ارشاد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ''سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے''۔

ترجمہ ارشاد حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان پستہ قد موٹے ہونٹ والے نوبہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

روض الانف جلد۔ 1، ابن کثیر۔ جلد۔ 2

ترجمہ: ارشاد حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مصری سوڈانی تھے انکے ہونٹ بہت موٹے تھے اللہ تعالیٰ نے انکو اگرچہ نبوت نہیں دی تھی مگر حکمت و دانائی وافر عطا فرمائی تھی'' حضرت عبد الرحمان بن حرملہ کہتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ایک حبشی حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کوئی سوال پوچھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تم اس بات سے غمگین نہ ہو کہ تو کالا ہے وہ اس لئے کہ سوڈانیوں میں تین آدمی ایسے ہوئے ہیں جو دنیا کے بہترین انسان تھے یعنی سیدنا حضرت بلال، حضرت عمر کا غلام مہجع اور لقمان حکیم رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ یہ سب سوڈانی نوبی تھے اور انکے لب بہت بھدے اور موٹے تھے۔

تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔ 3، تاریخ ابن کثیر۔ جلد۔ 2

حضرت لقمان کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ عاد ثانیہ قوم حضرت ہود علیہ السلام میں سے ایک نیک بادشاہ تھے۔ اس طرح تاریخ قدیم میں ایک لقمان بادشاہ اور دوسرا لقمان حکیم تھا۔ مشہور زمانہ مورخ محمد بن اسحاق

رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد یعنی عرب بائدہ کی نسل سے تھے اور وہ غلام نہیں بلکہ بادشاہ تھے۔ پھر وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

ترجمہ ارشاد حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب شداد بن عاد کا انتقال ہو گیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو ملی اور اللہ تعالیٰ نے لقمان کو وہ چیز عطا فرمائی تھی جو اس زمانہ کے انسانوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو سو انسانوں کے برابر عقل فہم وحافظہ عطا فرمایا اور وہ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ طویل قامت تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت لقمان کا شجرہ نسب یوں بیان فرمایا۔

''لقمان بن عاد بن ملطوط بن سلک بن وائل بن حمیر اور وہ نبی تھے مگر رسول نہ تھے''۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت لقمان کے سوڈانی نوبی حبشی ہونے کے بارے میں جو قول حضرت امام ابن جریر و حضرت امام ابن کثیر و حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے وہ اپنے قول میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پیش کرتے ہیں جبکہ دوسرا قول پیش کرنے والے مورخ حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے قول کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہی پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں اقوال کے بعد ہم قرآن عزیز میں حضرت لقمان کے تذکرہ کا ذکر بھی کر رہے ہیں تاکہ خالق کائنات کے ارشاد گرامی کی روشنی میں حتمی معلوم ہو سکے کہ حضرت لقمان پیغمبر تھے، نبی یا صرف برگزیدہ حکیم ودانا جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتیں عطا فرما رکھی تھیں جنکی بدولت وہ اپنے زمانہ کی مشہور شخصیت تھے۔

قرآن مجید اور ذکر حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کا ذکر اپنی پاک کلام میں فرمایا ہے بلکہ اس سورۃ کا نام ہی سورہ لقمان رکھ دیا ہے۔ اس سورہ میں حضرت لقمان کی حکیمانہ باتوں کو بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے اور نہایت ہی سبق آموز نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے فرزند ارجمند کو کیں۔ ہم ان نصیحتوں کو آگے چل کر انشاءاللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خالق کائنات نے حضرت لقمان کی حکمت ودانائی کو بیان فرمایا ہے مگر انکے سلسلہ نسب اور خاندان کی بحث میں جانا پسند نہیں فرمایا۔ اس طرح حضرت لقمان کی شخصیت کے بارے میں ایک حد تک روشنی پڑتی ہے۔ میں یہاں قرآن حکیم کے ان ارشادات کو تحریر کر رہا ہوں تاکہ حضرت لقمان کے بارے میں صحیح تر قول کا علم ہو سکے۔

سورہ لقمان

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کرے اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے (فائدہ) کو ہی شکر کرتا ہے۔ اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے اور مالک ہے سب خوبیوں کا۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا۔ اے میرے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے آدمی کو اسکے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔ اسکی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا اور کمزوری پر کمزوری برداشت کرتی رہی۔ اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ میرا حق مان اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھ تک ہی آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو انکا کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں انکا اچھی طرح ساتھ دے اور اسکی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں بتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔ اے میرے بیٹے برائی اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ

اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرتے وقت اپنے رخسار کو مت کجا (تکبر کے ساتھ رخسار پر ہاتھ پھیرنا اور انکو کجانا) اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے اور شیخی خور کو پسند نہیں فرماتا۔ اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر۔ بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے"۔

سورہ لقمان آیات 12 تا 19

حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحتیں

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ کلام کو پڑھنے کے بعد وہ نصیحتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کیں۔ یہ حکمت ودانائی کی باتیں ہیں یہاں چند چیزوں پر زور دیا گیا ہے جو یہ ہیں:

1. حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "اے بیٹا اللہ کا کسی کو شریک مت ٹھہرانا کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے جو اللہ کریم کبھی معاف نہیں کرے گا ہاں اس صورت میں اگر شرک کرنے والا سچے دل سے اس گناہ عظیم سے توبہ کرتے ہوئے آئندہ زندگی میں باز رہے۔
2. دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ اولاد کے لئے ماں باپ کی ہر حال میں تابع فرمانی فرض ہے البتہ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اللہ کا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تمہیں علم نہیں تو انکا کہنا ہرگز نہ مانیں۔
3. حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ہر برائی سے خود کو محفوظ رکھنا کیونکہ رائی کے برابر کی جانے والی برائی بھی چاہے وہ پتھر میں ہو آسمانوں یا زمین میں اللہ تعالیٰ اسکو خوب جاننے والا ہے۔
4. حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے سے یہ بھی ارشاد فرمایا نماز قائم کر اور ہمیشہ اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر۔
5. حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو مصیبت یا افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔
6. ہمیشہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے از راہ تکبر وغرور لوگوں سے منہ موڑ لینا بہت برا ہے۔

Marfat.com

7. اللہ تعالیٰ کی زمین پر اکڑ کر نہیں چلنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ مغرور اور اکڑنے والے کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔
8. چلتے ہوئے ہمیشہ اپنی رفتار میں توازن قائم رکھنا چاہیئے۔
9. گفتگو کرتے وقت ہمیشہ اپنی آواز کو نرم رکھنا چاہیے کیونکہ چیخ کر بات کرنا انسانوں کا کام نہیں بلکہ چیخنا اور کرخت آواز میں کلام کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر سب سے بہتر آواز گدھے کی ہوتی جو ہمیشہ اونچی کرخت آواز میں بولتا ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں ارشاد فرمائیں اوپر ہم نے انکا ذکر کر دیا ہے اب ان حکمت کی باتوں پر باریک نظر سے غور کریں تو سارا معمہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ یعنی اگر حضرت لقمان غلام ہوتے تو کوئی غلام اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کر سکتا ہے کہ بیٹا زمین پر اکڑ کر غرور سے کبھی نہ چلنا کیونکہ غلام تو ہمیشہ گردن جھکائے سر نیچا کیے ہی چلتا ہے۔ اکڑ کر غرور سے چلنا تو بادشاہوں، شہزادوں اور امراء اور وزراء کا عمل ہوتا ہے۔ یہ دولت، ثروت، اقتدار اور طاقت کے نشہ میں چور لوگ ہی ایسا کرتے ہیں نا کہ غلام یا غلام زادہ۔ ہماری مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت لقمان اور حکیم لقمان غلام نہیں بلکہ عاد ثانیہ کے نیک ترین بادشاہ تھے وہ حبشی الاصل نہیں بلکہ عربی الاصل تھے یعنی حبشی نہیں بلکہ عربی تھے۔ دوسرا لقمان اور حکیم لقمان دو الگ الگ نام نہیں بلکہ ایک ہی نام ہے۔ ہم نے یہاں اپنے خیال کا اظہار کر دیا ہے اب قارئین کرام خود بھی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حقیقت میں حضرت لقمان حبشی تھے یا عربی۔

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکیمانہ اقوال

حضرت لقمان اہل عرب میں اپنی حکمت و دانائی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے اکثر ان کی مجالس میں حضرت لقمان کی حکمت و دانائی اور ان اقوال زریں کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ حضرت لقمان کے تمام اقوال تو یہاں تحریر کرنا موضوع کی طوالت کا سبب ہوگا اس لئے ان میں سے بعض اہم ترین اقوال یہاں رقم کر رہا ہوں۔

1. حکمت و دانائی مفلس کو شہنشاہ بنا دیتی ہے۔
2. جب کبھی مجلس میں داخل ہو تو سب سے پہلے سلام کرو پھر ایک جانب جہاں خالی جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ پھر جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اہل محفل کیا گفتگو کر رہے ہیں اپنی گفتگو ہرگز شروع نہ کرو۔ اگر اہل محفل ذکر الٰہی میں مشغول ہوں تو تم بھی اس میں سے اپنا حصہ لے لو اور اگر اہل محفل فضول گفتگو میں وقت برباد کر رہے ہوں تو تم فوراً اس محفل سے اٹھ آؤ اور دوسری جگہ کوئی اچھی محفل دیکھ کر اس میں شریک ہوجاؤ۔
3. اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کو امین بنائے تو اس امانت دار کا فرض ہے کہ ہر حال میں اس امانت کی

حفاظت کرے۔

4. حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے بیٹا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ریا کاری کے نزدیک مت جاؤ کیونکہ ریا کاری سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اے بیٹا ریا کاری سے لوگوں کے سامنے اللہ سے ڈرنے کا مظاہرہ نہ کرتا کہ لوگ تیری عزت کریں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے تو گناہ گار ہو جائے گا۔

5. اے بیٹا جاہل سے دوستی نہ کر کہ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید اسکی جاہلانہ باتیں تمہیں پسند ہیں اور عقل مند کے غصے کو لا پرواہی سے نہ ٹال کہ کہیں وہ تجھ سے جدائی اختیار نہ کر لے۔

6. یاد رکھ عقل مند و داناؤں کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی طاقت ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی کچھ نہیں بولتا مگر یہ کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ اسی طرح کرنا چاہتا ہو۔

7. بیٹا تیرے دستر خوان پر ہمیشہ نیک لوگوں کا اجتماع رہے تو بہتر ہے اور مشورہ صرف علماء حق ہی سے لینا چاہیے۔

8. اے بیٹا یاد رکھو خاموشی میں کبھی ندامت نہیں اٹھانا پڑتی اور اگر خاموشی چاندی ہے تو سکوت سونا ہے۔

9. کسی نے حضرت لقمان سے دریافت کیا کہ بدترین انسان کونسا ہے؟ فرمایا وہ جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسکی برائی اور اسے برائی کرتا دیکھ کر برا سمجھیں گے۔

10. اے بیٹا ہمیشہ شر سے دور رہو اسطرح شر تم سے دور رہے گا کیونکہ شر سے ہی شر پیدا ہوتا ہے۔

11. کسی نے حضرت لقمان سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ صابر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جس کے صبر کے پیچھے ایذا نہ ہو۔

12. کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ جواب دیا جو دوسروں کے علم کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔

13. حضرت لقمان سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا 'غنی' سائل نے پھر پوچھا غنی سے مراد مال دار آدمی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں بلکہ غنی وہ ہے جو اپنے اندر خیر کو تلاش کرے تو موجود پائے اگر ایسا نہ ہو تو خود کو دوسروں سے دور اور مستغنی رکھے۔

14. حضرت لقمان نے بیٹے سے فرمایا غیظ و غضب سے بچو اس لئے کہ شدت غضب دانا کے دل کو مردہ بنا دیتی ہے۔

15. بیٹا خوش کلام بنو اگر ایسا کرو گے تو تم لوگوں کی نظروں میں اس شخص سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤ

گے جو ہر وقت انکو داد و دہش کرتا رہتا ہو۔

16. بیٹا یاد رکھو جو تم بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

17. بیٹا یاد رکھو نرم خوئی دانائی کی جڑ ہے۔

18. اے بیٹا ہمیشہ اپنے اور اپنے والد کے دوست کو محبوب رکھو۔

از تفسیر ابن کثیر۔جلد۔3، تاریخ ابن کثیر۔جلد۔2، ماخوذ از امام احمد رحمتہ اللہ علیہ

حاصل کلام

سورۃ لقمان کے مطالعہ اور حضرت لقمان کے حکیمانہ اقوال پڑھنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انبیاء اور رسول علیہم السلام کے بعد جس ہستی کو اللہ کریم حکمت و دانائی کی دولت لازوال عطا فرمائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہی عظیم الشان مرتبے والی ہوجاتی ہے۔ ہماری اس بات کا ثبوت حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں سامنے ہے۔ حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کریم نے انکی حکمت، دانش مندی تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے بڑا بلند مرتبہ اور عزت عطا فرمائی یہاں تک کہ قرآن مجید میں انکی توصیف وثنا کے سلسلے میں سورہ لقمان نازل فرماتے ہوئے انکی بعض حکیمانہ باتوں کا ذکر فرمایا جو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمائی تھیں۔

قرآن کریم میں والدین کے حقوق واطاعت کے احکامات وفرامین

حقوق والدین

سورۃ مبارکہ یعنی سورۃ لقمٰن کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ باپ نے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے امت محمدیہ کو ماں باپ کی تابع فرمانی کی نصیحت کرنا نہایت ضروری انداز میں ارشاد فرمایا۔ والدین کی شفقت ومحبت کا اندازہ کیجئے کہ وہ دنیا اور آخرت کی زندگی میں اولاد کو بے راہ اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے ہیں انہیں جتنے بھی دنیوی مصائب مشکلیں اور دشواریاں پیش کیوں نہ آئیں یہ سب کچھ وہ اپنی ذات پر جھیل لیں گے مگر اولاد کو ہر حال میں ان سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ اولاد کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی معرفت کے بعد والدین کی خدمت اور انکے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دیتے ہوئے ہر حال میں انکی تابع فرمانی کرے چاہے والدین کافر ومشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر والدین اولاد کو دین حق چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کا کہیں اور اس بات پر زور دیں تو انکی اس بات کو ہرگز قبول نہ کرے کیوں کہ اللہ ورسول صلی اللہ وعلیہ وسلم کو نہ ماننا اور انکی نافرمانی کرنے میں کسی کی اطاعت بھی ہرگز ہرگز قبول نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ وعلیہ وسلم کا ارشاد

گرامی ہے۔لا طاعه المخلوق فی حهة الخالق.

ترجمہ:''اللہ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کی جاسکتی''۔

والدین کی اطاعت

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے والدین کی تابع فرمانی اور حسن سلوک کے سلسلے میں جو نصیحت کی اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت کو نہایت سبق آموز انداز سے یوں ارشاد فرمایا۔سورۃ لقمان آیت 14۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

ترجمہ:''اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اور اسکا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے''(سورۃ لقمان آیت 14)

والدین اولاد کے لئے جو مصیبتیں اور مشکلات برداشت کرتے ہیں اس کے بارے میں اللہ کریم قرآن مجید میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے۔سورۃ احقاف،آیت 15

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

ترجمہ:''اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے''۔یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں''۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ آیت 133 میں ارشاد فرماتا ہے:

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

ترجمہ: ''بلکہ تم میں کے خود موجود تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد کس کی پوجا کرو گے۔ بولے ہم پوجیں گے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم واسمٰعیل و اسحاق کا ایک خدا اور اس کے حضور گردن رکھے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 133)

قرآن کریم فرقان حمید میں والدین کی اولاد پر شفقتوں اور مہربانیوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیات 23،24:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا''۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 23،24)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان سے حسن سلوک کا متعدد بار حکم فرمایا ہے جن میں سے چند آیات قرآنی درج ذیل ہیں:

1. سورۃ البقرآیت 83،215
2. سورۃ بنی اسرائیل آیت 23،24
3. سورۃ النساء آیت 36
4. سورۃ مریم آیت 14،15
5. سورۃ الانعام آیت 151
6. سورۃ النمل آیت 19
7. سورۃ التوبہ آیت 23
8. سورۃ لقمان آیت 14،15
9. سورۃ ابراہیم آیت 41
10. سورۃ احقاف 15،17

ارشادات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعلقہ والدین

والدین کی تابع فرمانی اور انکے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں قرآن کریم کے ارشادات کے بعد فخر کونین تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک میں سے چند یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ ان کی روشنی میں اولاد کے لئے والدین کا مقام اور انکی عزت وتکریم کا اہم ترین موضوع مکمل ہو سکے۔ یوں حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو والدین کے سلسلے میں جو نصیحت فرمائی تھی اسکی اہمیت وضرورت اولاد کے لئے عیاں ہو جائے گی جس پر عمل کرنا ان کے لئے دین ودنیا کی بھلائی، ترقی اور رفعت کا باعث ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے''

ترمذی شریف روایت از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ کی اطاعت والد کی اطاعت ہے اور اللہ کی معصیت والد کی معصیت ہے''۔

طبرانی شریف روایت از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''وہ دونوں تیری جنت اور وہ دونوں تیری دوزخ ہیں''۔

ابن ماجہ شریف روایت از ابی امامتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''والد جنت کے سب دروازوں میں درمیان کا دروازہ ہے اب تو چاہے تو اس دروازے کو اپنے ہاتھ سے کھودے چاہے نگاہ رکھ''

ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف روایت از ابن حبان عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فخر کونین تاجدار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ: ''سب گناہوں کی سزا اللہ کریم چاہے تو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کہ اسکی سزا جیتے جی پہنچاتا ہے''۔

کنز الایمان میں سورۃ بنی اسرائیل کی آیات 23، 24 کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ''حدیث شریف میں ہے کہ والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ دوسری

حدیث میں ہے کہ والدین کا فرماں بردار جہنمی نہ ہوگا اور ان کا نافرمان جو کچھ بھی عمل کرے گرفتار عذاب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا والدین کی نافرمانی سے بچو اس لیے کہ جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ تک آتی ہے اور نافرمان وہ خوشبو نہ پائے گا، نہ قاطع رحم، نہ بوڑھا زناکار، نہ تکبر سے اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا''۔

الحاکم والطبر انی روایت از ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مذکورہ ارشادات خالق کائنات و سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ کر والدین کے مقام عظمت اور درجہ کا ہر ذی عقل کو علم ہوجاتا ہے۔ والدین کی تابع فرمانی اور انکے ساتھ حسن سلوک کا ثمرہ دونوں جہانوں میں ترقی اور کامیابی کی واضح دلیل ہے۔ اس کے برعکس عمل کرنے والی اولاد دین و دنیا دونوں میں ذلیل و رسوا ہی ہوگی۔ ہم آئے دن اخبارات، رسائل اور ٹیلی ویژن میں یہ خبریں پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ بیٹے نے جائیداد کی لالچ میں باپ یا ماں کو قتل کردیا۔ فلاں مقام پر اولاد نے ماں باپ کو گھر سے نکال دیا کسی جگہ اولاد نے نافرمانی کا ثبوت دیتے ہوئے والدین کو زدوکوب کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے انکی تذلیل کی وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ ہمارے نام نہاد پڑھے لکھے طبقے نے ایک خودساختہ اصطلاح Generation gap یعنی پشتوں میں دوری ایجاد کی ہے جس کے تحت اپنے بزرگوں اور والدین کی تذلیل کرتے رہتے ہیں۔ معاشرے کی اکثریت بزرگوں کے سنہری اقوال کو فرسودہ، پرانے اور بیکار کہتے ہوئے ان پر طرح طرح کے بے بنیاد اور لغو اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ معاشرہ کے ان نئی تہذیب کے متوالوں کو چاہیے کہ وہ اللہ و رسول کے مذکورہ ارشادات کا مطالعہ کریں اور ان احکامات پر عمل کریں اس طرح دین و دنیا میں سرخ روئی اور کامیابی حاصل کریں جو اصل میں انسانی تخلیق کا مقصد ہے۔ دنیا کی یہ چند یوم کی زندگی تو عارضی ہے ہر ایک نے مالک حقیقی کے حضور پیش ہونا ہے جہاں چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل کا حساب ہوجائے گا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے کرہ ارض پر بسنے والی تمام مسلمان اولاد کو والدین کی تابع فرمانی اور حسن سلوک روا رکھنے کی عملی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعلقہ حسن اخلاق

تکبر، شیخی اور بدخلقی کی مذمت

اسی سورہ مبارکہ میں حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹے کو جو نصائح کرنے کا ذکر ہے ان میں تکبر، شیخی اور بدخلقی سے بچنے کی تلقین شامل ہے۔ حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مذکورہ برائیوں کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ یہی چیزیں اصل میں ہمارے معاشرہ کی تمام برائیوں اور خرابیوں کی بنیاد اور اصل ہیں۔ اگر ان کمزوریوں

پر قابو پا لیا جائے تو زندگی جنت نظیر کا نمونہ بن جائے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہوئے خاص طور پر قرون اولیٰ کے مسلمان معاشرہ پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں میں تکبر، شیخی اور بد خلقی جیسی امراض کا وجود ہی نہ تھا اس لئے وہ لوگ زمانے بھر میں معزز تھے۔ ان لوگوں کے کارہائے نمایاں اور مبارک زندگیوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم مسلمانوں کے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب سے قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے پوری دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

اعلیٰ اخلاق

قرآن کریم کی اس سورہ (سورہ لقمٰن) میں اللہ کریم نے اہل حق کو تکبر، شیخی اور بد خلقی سے پیش آنے سے منع کرتے ہوئے انہیں حسن اخلاق، عجز و انکساری اور تواضع سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اس مضمون کی مزید وضاحت اور اہمیت کی خاطر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے ارشادات ہیں سب کو بیان کرنا تو مجھ جیسے کم علم کی طاقت میں نہیں البتہ ان میں سے چند ہدیۂ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ارشادات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تفسیر کبیر کی جلد 3 میں حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ میمون بن مہران سے نقل حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں''

تفسیر کبیر، جلد۔ 3

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ترجمہ: ''بلاشک وشبہ ایک بندہ عبادت میں کمزور ہونے کے باوجود اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے آخرت کے بلند درجات اور منازل اعلیٰ حاصل کر لیتا ہے اور بندہ عابد ہونے کے باوجود اپنی بد خلقی کی وجہ سے جہنم پاتا ہے''

از معجم طبرانی۔ جلد۔ 8، صفحہ۔ 25

اسی سلسلے میں سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا مسلمان سب سے زیادہ صاحب فضیلت ہے؟ تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو ان میں سب سے زیادہ حسن اخلاق رکھتا ہے وہی سب سے زیادہ افضل ہے''

دلائل النبوت از بیہقی

موطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ میں فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یوں درج ہے:

ترجمہ: ''فرمایا بے شک میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ محاسن اخلاق کو درجہ کمال تک پہنچاؤں''۔

موطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ

تکبر وشیخی

حضرت امام حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ تکبر وشیخی کی ممانعت کے سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث شریف بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''وہ شخص ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے قلب (دل) میں ذرہ کی مقدار کے برابر بھی تکبر ہوگا''

تفسیر کبیر از حافظ عماالدین ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ۔ جلد۔3

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ترجمہ: ''جو شخص اپنے لباس کو تکبر وشیخی کی شکل میں زمین پر کھینچتا ہوا چلتا ہے اللہ تعالیٰ روز قیامت اسکی جانب رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا''۔

از صحیح مسلم شریف

اصحاب السنن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث ہے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ترجمہ: ''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر (تکبر) ہے اللہ تعالیٰ اسکو اوندھے منہ جہنم میں گرا دے گا''۔

تواضع وانکساری

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے تواضع وانکساری پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ تواضع وانکساری وہ خوبی ہے جو انسان کو ترقی وکامران کی منزل پر فائز کر دیتی ہے۔ تاریخ عالم ایسی بے شمار مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ تواضع وانکساری سے کام لینے والی شخصیات ہمیشہ خالق کائنات کے قرب کی مستحق رہیں اور جو انسان اب بھی اس سنہری اصول پر عمل کرے گا قرب اعلیٰ اور بلند مقام کا حامل ہوگا۔ یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی نقل کرتے ہوئے مزید سلسلہ کلام آگے بڑھاؤں گا۔ اس ارشاد گرامی کو حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں یوں رقم کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ترجمہ: ''ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو نیک اور بے نفس ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ جب مجلس میں

موجود ہوں تو کوئی تعارف نہ کرائے اور جب مجلس سے غائب ہو جائیں تو کوئی تلاش نہ کرے۔ یہی روشن چراغ ہیں جو ہر تاریکی اور پر خطر فتنہ سے محفوظ ہیں''۔

تفسیر کبیر از حافظ عما الدین ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ۔ جلد۔3

نرم گفتاری

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو نرم گفتاری کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''اور آواز کو گفتگو میں نرم رکھو اس لئے کہ چیخنا چلانا انسانوں کا کام نہیں ہے اگر کرخت اور بے وجہ بلند آواز پسندیدہ چیز ہوتی تو گدھے کی آواز قابل ستائش خیال کی جاتی حالانکہ اس کی آواز بدترین آواز شمار ہوتی ہے۔ علمی اور حقیقت کے اعتبار سے یہ بات واضح ہے کہ نرم گفتاری و شیریں بیانی اصل میں حسن خلق کا شعبہ ہے جبکہ سخت کلامی کرخت لہجہ اور درشت روی بدخلقی ہے یہی وجہ ہے کہ سخت کلامی اور کرخت لہجہ میں کی جانے والی گفتگو کو گدھے کی آواز سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور اور معروف حدیث مبارکہ تحریر کر رہا ہوں تا کہ کرخت اور سخت لہجہ میں گفتگو کرنے والے حضرات آئندہ اپنی اس عادت کو ترک کر دیں۔ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو اور گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز کرتا ہے''۔

تفسیر ابن کثیر از حافظ عماد الدین رحمتہ اللہ علیہ۔ جلد۔3، صفحہ۔11

مذکورہ حدیث مبارکہ میں ارشاد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو سے مراد یہ ہے کہ مرغ کی آواز ملائکہ کے نزول کی دلیل ہے کیونکہ مرغ سحر کے وقت تسبیح کا عادی ہے اور یوں آغاز سحری اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے کرتا ہے جبکہ گدھے کی آواز شیاطین کے نازل ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ہر مکروہ آواز اور ہر وہ چیز جو فطرتِ سلیم کے لئے ناگوار اور ناقابل قبول ہے شیطان کے لئے یہ سب کچھ محبوب اور باعث مسرت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نرم آواز سے کلام کرنا پسند تھا اور سخت آواز سے بولنے کو ناپسند کرتے تھے۔

ہم نے یہاں حضرت حکیم لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر تاریخ اور ان کے حکیمانہ اقوال زریں تحریر کر دیئے ہیں جنکی بنا پر صرف اہل عرب کے ہاں ہی نہیں بلکہ تمام اہل علم کے نزدیک حضرت لقمان حکیم بڑی شہرت اور قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ امید قوی ہے کہ اس کتاب کا قاری ان اقوال سے بہت کچھ سیکھتے ہوئے اپنی اصلاح کرتے ہوئے اس احقر کے حق میں دعا خیر ضرور کرے گا۔ انشاء اللہ۔

Marfat.com

اصحاب الکہف

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم فرقان حمید میں اصحاب کہف کا ذکر تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس ذکر میں اہل ایمان کے لئے خصوصی طور پر اور باقی لوگوں کے لئے عمومی اعتبار سے جو نصیحتیں اور ہدایات ارشاد فرمائی ہیں یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قرآن کریم کے فرمان مبارک کے ساتھ ساتھ قاری کے علمی ذوق میں اضافے کے لئے تفسیروں کے حوالہ جات اور تاریخی بیانات بھی تحریر کر رہا ہوں تا کہ اس واقعہ کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق و ہمت عطا فرمائے آمین۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل قریش ابتداء سے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت پر کمر بستہ تھے اور ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے سے اہل حق کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے مگر ہمیشہ ذلیل و رسوا ہی ہوئے۔ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ قریش کے وڈیروں نے مشہور کیا کہ ہمیں چاہیے کوئی ایسا یقینی فیصلہ کریں جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبوت کا دعویٰ رکھتے ہیں یہ اس میں سچے ہیں یا نہیں پھر اس ثبوت کی روشنی میں جو رائے قائم ہو اس پر عمل کیا جائے۔ باہمی فیصلہ ہوا کہ اہل یہود سے رابطہ کیا جائے جو اہل کتاب ہیں اور ایسے معاملات میں ہم سے زیادہ اور بہتر عقل و بصیرت رکھتے ہیں قریش مکہ نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد اپنے دو آدمی نفر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو یہودیوں کے علماء کے پاس روانہ کیا۔ دو آدمیوں کا یہ وفد علماء یہود سے ملا اور انکو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی۔ علماء یہود نے قریشی وفد سے کہا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری بتائی ہوئی تین باتوں کے بارے میں سوال کرنا اگر وہ ان باتوں کے صحیح جواب بتا دیں تو بلاشک وشبہ وہ اللہ کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لئے تم لوگوں کو آئندہ کے لئے ان کی مخالفت سے باز رہنا ہوگا اور اگر وہ ان سوالوں کے جواب نہ دے سکے تو پھر تم لوگوں کو حق حاصل ہوگا کہ جو چاہو انکے ساتھ سلوک کرو۔ اور یاد رہے ان سوالات کے صحیح جواب دینا یقیناً انکے حق ہونے کی دلیل ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ علماء یہود نے ان تین سوالوں کے جوابات قریش کے وفد کو بتائے یا نہیں گمان غالب ہے کہ انہوں نے دو سوالوں کے جواب تو اپنی کتاب توراۃ کے مطابق بتائے ہوں گے جبکہ تیسرے سوال کے جواب کے بارے میں وہ لوگ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ یہودی علماء نے قریش کے وفد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو تین باتیں پوچھنے کو کہا وہ باتیں درج ذیل تھیں۔

1. ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟
2. اصحاب کہف کون تھے؟
3. روح کی کیا حقیقت ہے؟

قریش مکہ کے وفد نے واپس آ کر سرداران قریش کو علماء یہود کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔
قریش کے سرداروں نے علماء یہود کی طرف سے پیش کی جانے والی تجویز کو پسند کیا اور یوں سرداران قریش نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تینوں سوالات پیش کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے سوالات سن کر ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کو ان سوالات کے جوابات وحی آنے پر دوں گا۔ پھر جیسے ہی وحی نازل ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قریش کو ان واقعات کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا۔

ارشاد خداوندی۔ قرآن مجید سورۃ کہف آیات 9 تا 26۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْیَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَ تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ
اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ
مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ
فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا
عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا
رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا
عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا
عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ
رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ
رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ
اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾
وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ
رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ
ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے (یہ) خیال کیا کہ غار والے اور جنگل کے کنارے والے (ہی) ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟ (بلکہ اور بھی بہت سی عجیب نشانیاں ہیں) جب ان جوانوں نے (ایمان بچانے کے لئے) غار میں پناہ لی تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنی طرف سے رحمت دے اور ہمارے (کافروں سے ایمان بچانے والے) کام سے متعلق ہمارے کامیابی (کے اسباب) تیار کر۔ تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر

گنتی کے کئی برس (تک) تھپکا (انہیں گہری نیند سلادیا) پھر ہم نے انہیں جگایا تاکہ ہم دیکھیں کہ (اختلاف کرنے والے) دوگروہوں میں سے ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کس نے زیادہ یاد رکھی۔ (اب) ہم ان کا حال تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور انہیں ہدایت میں بڑھایا (علم وعمل میں ترقی دی)۔ اور ہم نے ان کے دلوں کی (عزم واستقلال کی مضبوط) ڈھارس بندھائی کہ (جب بادشاہ نے انہیں بت پرستی پر مجبور کیا تو) انہوں نے کھڑے ہوکر کہا ہمارا رب (وہی ہے جو) آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (اگر ہم نے کسی اور کو معبود کہا تو) اس وقت ہم نے ضرور حد سے گذری ہوئی بات کہی۔ (پھر وہ بادشاہ کے دربار سے نکل کر آپس میں کہنے لگے) یہ جو ہماری قوم ہے انہوں نے اللہ کے سوائی خدا بنا رکھے ہیں یہ ان (کے معبود ہونے) پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا؟ اور (ساتھیو) جب تم ان (بت پرستوں) سے اور جن (بتوں) کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں (ان سب) سے الگ ہوچکے تو (چلواب) غار میں پناہ لو تمہارا رب اپنی (بے حد رحمت میں سے) کچھ رحمت تمہارے لئے پھیلائے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام سے متعلق آسانی بنادے گا (آخر وہ غار میں جا چھپے)۔ اور (اے حبیب) تم سورج کو دیکھو گے جب وہ نکلتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے بائیں طرف کترا جاتا ہے (ان پر دن بھر سایہ رہتا ہے) حالانکہ وہ اس غار کے (درمیان) ایک کھلے میدان میں ہیں (اور انہیں تازہ ہوا یہیں پہنچتی رہتی ہے) یہ (مذکورہ بیان) اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک نشانی) ہے جسے اللہ سیدھے راستے پر چلائے تو وہی سیدھے راستے پر ہے اور وہ جسے (اس کی ہٹ دھرمی پر) گمراہ کرے تم اس کے لئے کوئی مددگار راہ دکھانے والا ہرگز نہیں پاؤ گے۔ اور تم انہیں (دیکھ کر) سمجھو گے کہ وہ جاگ رہے ہیں (کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہیں) حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور (انسانی عادت کے مطابق) ہم انکی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا (غار کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) ہے (اے سننے والے) اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور تو ان کی ہیبت سے بھر دیا جائے (نہایت خوفزدہ ہوجائے)۔ اور (جس طرح ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں جگایا (کہ جسم ولباس ویسے ہی تھے) تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (حال) پوچھیں (اور ہماری قدرت دیکھ کر ان کا یقین زیادہ ہو) ان میں سے ایک کہنے والے (ان کے سردار اور بڑے مکسلمینا) نے کہا تم (یہاں غار میں) کتنی دیر رہے؟ کچھ بولے ایک دن رہے یا ایک دن سے کم۔ دوسرے بولے جتنی دیر تم (غار میں) ٹھہرے اسے تمہارا رب بہتر جانتا ہے تو تم اپنے (میں سے) کسی ایک کو اپنی یہ چاندی (رائج الوقت دقیانوسی سکہ) دے کر شہر (افسوس، اب جس کا نام طرطوس ہے) کی طرف بھیجو پھر وہ (جاکر) دیکھے کہ اس شہر کا کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور اسے چاہیئے کہ (آنے جانے اور خریدنے میں) نرمی (اور احتیاط) کرے اور کسی کو تمہاری ہرگز خبر نہ دے۔ بے شک اگر انہیں تمہاری خبر ہوگئی (اور

وہ تم پر غالب آ گئے) تو وہ (آ کر) تمہیں پتھراؤ کریں گے یا وہ تمہیں اپنے دین میں پھیر لیں گے اور (اگر ایسا ہوا تو) اس وقت تم ہرگز کبھی کامیاب نہ ہو گے۔ اور (جس طرح ہم نے ان کو سلایا اور جگایا) اسی طرح ہم نے (دقیانوس کے صدیوں بعد بیدروس کے زمانہ کے لوگوں کو) انکی اطلاع کر دی تاکہ (جو مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر ہیں) وہ جان لیں کہ (مرنے کے بعد اٹھانے کا) اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور یہ کتاب (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے (انکی اطلاع ہم نے اس وقت دی) جب وہ (شہر والے) اپنے (عقیدہ کے) معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے (کہ حشر جسمانی ہوگا یا روحانی اب سب جان گئے کہ جسمانی ہوگا) پھر (اصحاب کہف کی موت کے بعد) کافروں نے کہا ان (کی غار کے دروازہ) پر ایک عمارت بنا (کر دروازہ بند کر) دو ان کا رب ان (کے حال کی مکمل حقیقت) کو بہتر جانتا ہے اور ان (بیدروس بادشاہ اور دوسرے ایمان والے) لوگوں نے جو اپنے (عقیدہ حشر جسمانی کے) معاملہ (میں منکرین) پر غالب رہے کہا ہم ان (کی غار کے دروازہ) پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (تاکہ نمازیں پڑھیں اور اصحاب کہف سے برکتیں بھی پائیں)۔ اب (تمہارے زمانہ کے نصاریٰ میں سے) کچھ لوگ کہیں گے کہ (اصحاب کہف) تین ہیں چوتھا انکا کتا اور کچھ کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا۔ بے دیکھے الاؤ تکا بات۔ اور کچھ لوگ (مسلمان) کہیں گے (اصحاب کہف) سات ہیں اور آٹھواں انکا کتا فرما دیجئے میرا رب انکی گنتی بہتر جانتا ہے ان (کی صحیح گنتی) کو تھوڑے لوگ (اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان سے سننے والے) ہی جانتے ہیں تو ان کے بارے میں (اہل کتاب سے) ظاہری (سرسری) بحث (جو قرآن میں ہو چکی اس) کے سوا (مزید) بحث نہ کیجئے (بس وہی پڑھ لیا کیجئے) اور انکے بارے میں اہل کتاب میں سے کسی سے کچھ نہ پوچھیے۔ اور کسی چیز کے بارے میں ہرگز نہ کہنا کہ بے شک کل میں اسے کرنے والا ہوں مگر یہ (کہا کرو) کہ (اگر) اللہ چاہے (تو یہ کروں گا) اور جب تم (انشاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو (جب یاد آئے انشاء اللہ کہہ کر) اپنے رب کو یاد کر لو اور (یوں) کہو (واقعہ اصحاب کہف جو وحی میں نے تمہیں سنائی) قریب ہے کہ میرا رب اس سے زیادہ سچائی کا راستہ مجھے دکھائے (چنانچہ اس کے بعد آپ کو بے شمار معجزے دئے گئے) اور (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال (سوئے) رہے اور نو برس اوپر۔ (اگر کوئی اسکا انکار کرے تو) کہہ دیجئے جو مدت وہ غار میں رہے اسے اللہ بہتر جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لئے ہے وہ (ہر موجود کو) کیا ہی خوب دیکھنے والا اور (ہر سننے کے قابل چیز کو) کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ ان (آسمانوں اور زمین والوں) کے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''

(سورہ کہف آیت 9 تا 26)

اصحاب کہف کا واقعہ

کتب تفاسیر احادیث مبارکہ، سیرت شریفہ اور تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو اصحاب کہف کے واقعہ کے

بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔خاص طور پر جب سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عرب اولاد کے مذہب سے متعلق تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام جب تک مکہ مکرمہ میں رہی وہ اپنے باپ دادا کے دین حق یعنی دین ابراہیمی پر سختی سے کاربند رہی پھر وقت گزرنے کے ساتھ اولاد کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا ان لوگوں کے مصری، شامی اور عراقی عوام کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے جن میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔مصر، شام اور عراق میں لاتعداد بت خانے موجود تھے جو ان لوگوں کے مذہبی مراکز تھے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے صنم پرستوں کے ساتھ تعلقات استوار کرلئے جن میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے عقیدہ میں بت پرستی شامل ہوتی گئی یہاں تک کہ عمرو بن لحی نامی شخص نے عرب میں باقاعدہ بت پرستی اور ستارہ پرستی کی داغ بیل ڈالی اور یوں بڑے ہی قلیل عرصہ میں اہل عرب بت پرستی کے میدان میں اسقدر آگے بڑھ گئے کہ بت پرستی کے بانیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے صاحب زادہ کا نام نابت یا نبط تھا عرصہ دراز گزرنے کے بعد عرب بت پرستوں میں نابت کی اولاد بھی شامل ہوگئی۔لات، منات، ہبل، کسعہ، عمیانس اور ذوالشریٰ انکے مشہور بت تھے جنکی صبح وشام پرستش کرتے تھے۔اولاد اسماعیل علیہ السلام جب تعداد میں زیادہ ہوگئی تو مکہ مکرمہ سے نقل مکانی کرتے ہوئے معاش کی تلاش میں اطراف عرب میں پھیل گئی اسطرح یہ سلسلہ چلتا رہا صدیاں گذر گئیں اور یہ قوم خاص طور پر نبطی بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا رہے۔جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے بت پرستی، شرک اور گمراہی میں غرق قوم کو صراط مستقیم پر چلنے کی تبلیغ فرمائی تو بہت سے لوگ انکے دائرہ ارادت میں داخل ہوگئے یوں آپ علیہ السلام کا دین آہستہ آہستہ ہر طرف پھیلنے لگا پھر ایک ایسا وقت بھی آ گیا کہ اہل روم اپنے بادشاہ سمیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شامل ہوگئے۔اس زمانہ میں ایلہ کے قریب ''اُفسُوس'' نام کا شہر تھا جسکا حکمران نبطی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور عقیدہ کے اعتبار سے بت پرست تھا۔کتب تفاسیر میں اس حکمران یا بادشاہ کا نام دقیانوس بتایا گیا ہے۔اس کے شہریوں میں سے چند مدبر اشخاص نے دین عیسیٰ علیہ السلام اختیار کرلیا اور شرک و بت پرستی سے بیزار ہوکر توحید کا راستہ اختیار کیا۔یہ وہ زمانہ تھا جب شام وغیرہ کے علاقے میں عیسائیت کا زور تھا۔نبطی حکمران کو ان جوانوں کے دین عیسیٰ علیہ السلام کو قبول کرنے کی اطلاع پہنچی تو اس نے فوراً ان جوانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ آیا یہ اطلاع درست ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی کی بجائے دین عیسیٰ اختیار کرلیا ہے۔ان نوجوانوں نے نہایت ہی دلیری سے بادشاہ کو جواب دیا کہ یہ حقیقت ہے ہم لوگ بت پرستی سے سخت بیزار ہیں اور ہم نے دین حق اختیار کرلیا ہے۔دقیانوس نوجوانوں کا جواب سن کر سخت طیش میں آ گیا مگر کسی مصلحت کے تحت وقتی طور پر اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے ان نوجوانوں سے کہنے لگا میں تم لوگوں کو چند یوم کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملہ پر غور کرلو اسکے بعد صورت حال کے مطابق تم لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

Marfat.com

نوجوان بادشاہ کے دربار سے رخصت ہوکر ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھے اور فیصلہ کیا کہ اس جابر وظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خاموشی سے کسی پہاڑ کی کھوہ (غار) میں پوشیدہ ہوجائیں اسطرح ہم اس مشرک بادشاہ اور دوسرے مشرکین لوگوں سے محفوظ ہوجائیں گے اور یوں ہم اطمینان سے عبادت الٰہی میں مشغول رہیں گے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ نوجوان پہاڑ کی ایک غار میں پوشیدہ ہوگئے۔ جیسے ہی وہ نوجوان غار میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری فرمادی۔ اسطرح وہ خواب کی حالت میں غار کے اندر رہتے ہوئے کروٹیں بھی بدلتے رہتے ہیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تفسیر خازن میں روایت منقول ہے کہ ان نوجوانوں کے نام یہ تھے۔

1.	مکسلمینا/مفشیلمینا	2.	یملیخا	3.	مرطونس/مرتونس
4.	بینونس/نینونس	5.	سارینونس/ساربونس	6.	ذونوانس/دنوانس
7.	کشفیط/فلیستطیونس	8.	طنونس		

(از تفسیر خازن)

جب یہ نوجوان غار کی کھوہ میں پوشیدہ ہونے کے ارادے سے جارہے تھے تو انکا پالتو کتا بھی انکے ہمراہ تھا۔ جب یہ لوگ غار میں پوشیدہ ہوگئے تو وہ کتا غار کے منہ پر بیٹھ گیا قرآن کریم میں اس کتے کا ذکر بھی موجود ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ''قطمیر'' تھا۔

جس غار میں یہ نوجوان پوشیدہ ہیں اللہ کریم نے اس غار میں اپنی قدرت کے عجیب نشان رکھ دیئے ہیں۔ یہ غار اندر سے بڑی وسیع ہے اللہ کریم نے اس غار کے اندر زندگی کی بقاء کے تمام سامان پیدا فرما رکھے ہیں۔ غار کی ایک طرف دہانہ ہے تو دوسری طرف سے تازہ ہوائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اس غار کا رخ شمالاً جنوباً ہے اس لئے سورج کی گرمی غار کے اندر نہیں جاتی۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو غار سے دائیں طرف ہٹ کر گزرتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے غار کی بائیں طرف سے کترا کر نکل جاتا ہے۔ اس طرح سورج کی روشنی غار کے اندر اسطرح پہنچتی ہے کہ نہ تو تاریکی کی کیفیت ہوتی ہے کہ کچھ نظر ہی نہ آئے اور نہ ہی اتنی روشنی ہوتی ہے جیسے کھلے میدان میں ہوتی ہے بلکہ ہلکی ہلکی روشنی اس انداز سے ہوتی ہے کہ ہر چیز نظر آئے۔ اسطرح یہ نوجوان غار میں پوشیدہ رہے اور یوں برسوں گزر گئے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ نوجوان یعنی اصحاب کہف تین سونو (309) سال تک غار میں آرام کے ساتھ محفوظ رہتے ہوئے سوتے رہے۔ اصحاب کہف جب غار میں پوشیدہ ہوئے تو کچھ عرصہ بعد نبطی حکومت پر رومی عیسائی حملہ آور ہوئے اور ان حملہ آوروں نے نبطی بادشاہ ''دقیانوس'' کو قتل کردیا اور شہر ''افسوس'' پر قابض ہوگئے یوں اہل شہر نے بھی عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔

اصحاب کہف طویل عرصہ تک غار میں آرام سے سوئے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیند سے بیدار کیا۔

وہ لوگ اٹھنے کے بعد ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم لوگ کتنی مدت سوتے رہے۔ ان میں سے ایک نے کہا ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی ایک شہر جا کر کھانا لے آئے اور یہ سکے جو ہم ساتھ ہی لے آئے تھے ہمراہ لے جائے اور شہر جا کر لین دین اس انداز میں کرے کہ شہر والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ اگر لوگوں کو علم ہو گیا کہ ہم کون ہیں تو بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے کیونکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بادشاہ نہایت ظالم ہے اور مشرک بھی وہ ہمیں زبردستی شرک کرنے پر مجبور کرے گا ہم کسی حال میں بھی شرک نہیں کریں گے نتیجہ یہ نکلے گا کہ بادشاہ ہمیں قتل کروا ڈالے گا اس لئے نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء اتنی احتیاط سے خریدی جائیں کہ کسی شہر والے کو ہم پر شک نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد ان جوانوں میں سے یملیخا سکہ لے کر غار سے نکلا اور شہر ''افسوس'' پہنچ گیا وہاں اس نے دیکھا کہ حالات ہی بدلے ہوئے ہیں ایک نئی دنیا نظر آ رہی تھی اہل شہر کسی خوف خطرہ کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کے دوران سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسم مبارک کی قسمیں اٹھا رہے تھے۔ یملیخا یہ سب کچھ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے کل تو کوئی شخص اپنا ایمان بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا جو اہل بصیرت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی لیتا اسے سخت اذیتیں دے کر قتل کر دیا جاتا مگر آج کیفیت یہ ہے کہ لوگ کسی خوف خطرہ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی لے لے کر قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ یملیخا اسی حیرانگی کی کیفیت میں ایک نان بائی کی دوکان پر پہنچ گئے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور دکاندار کو دقیانوسی سکہ دیا۔ دکاندار وہ سکہ دیکھ کر سخت حیران ہوا اور کہنے لگا یہ کس زمانے کا سکہ مجھے دے رہے ہیں میں نے تو اپنی زندگی میں پہلے یہ سکہ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ آہستہ آہستہ یہ بات دوسرے دکانداروں تک پہنچی سب بازار والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے خیال کیا کہ اس شخص کے ہاتھ کوئی پرانا خزانہ لگ گیا ہے چنانچہ بازار والے یملیخا کو پکڑ کر حاکم وقت کے پاس لے گئے اور سارا حال اسکے گوش گزار کیا۔ حاکم وقت نیک دل انسان تھا اس نے یملیخا سے پوچھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ یملیخا نے جواب دیا کہ یہ ہمارا اپنا سکہ ہے جو کہ رائج الوقت ہے مجھے کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ملا۔ حاکم وقت بولا کہ تمہاری اس بات پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سکے پر جو سن تحریر ہے وہ تین سو سال پرانا ہے جبکہ تم ابھی جوان ہو اور ہم لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ سکہ جس بادشاہ کا ہے وہ مشرک اور بت پرست تھا جسے مرے ہوئے قریباً تین سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ہم سب لوگ عرصہ دراز سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں۔ اتنا پرانا سکہ تمہارے پاس ہے اور پھر تم یہ بھی نہیں جانتے کہ اب کس کی حکومت ہے لوگ کس دین پر ہیں تمہارا حالات سے اسقدر بے خبر ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے پورے حالات سے آگاہ کرو تا کہ اس مسئلے کا حل نکل سکے۔ حاکم کی یہ گفتگو سن کر یملیخا نے جواب دیا کہ تم کہہ رہے ہو دقیانوسی نام کا ایک مشرک بادشاہ یہاں حکمران تھا جسے مرے ہوئے تین سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے جبکہ میں اور میرے دوسرے ساتھی کل ہی اس بادشاہ دقیانوسی کے خوف سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے ہیں اور ہم سب قریبی

پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہیں اگر تم لوگ میری بات پر یقین نہیں کرتے تو میرے ساتھ چلو میں تم لوگوں کو پہاڑ کی اس غار میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا دیتا ہوں۔ یملیخا کی یہ گفتگو سن کر حاکم اور عمائدین شہر اسکے ہمراہ چل پڑے۔ ادھر یملیخا کے ساتھی اسکا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جب غار کے قریب کثیر لوگوں کی آوازیں سنیں تو سمجھے کہ ہمارا ساتھی دقیانوس کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے اور اب بادشاہ کے سپاہی ہمیں گرفتار کرنے کے لئے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اتنی دیر میں یملیخا لوگوں کے ہجوم کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا اور اپنے ساتھ پیش آنے والا پورا واقعہ ساتھیوں کو بتایا جسے سن کر وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا جس نے تین سو سال کا عرصہ اپنی قدرت سے ہمیں نیند میں رکھا اور اب بیدار کیا ہے تا کہ لوگ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ موت دیکر دوبارہ اس طرح زندہ کرے گا۔

روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حاکم غار میں پہنچا تو اس نے وہاں ایک تانبے کا صندوق دیکھا جب اسے کھولا تو اسکے اندر سے تختی برآمد ہوئی جس پر ان غار میں آرام کرنے والوں کے نام اور انکے کتے کا نام بھی تحریر تھا۔ اس تختی پر یہ بھی تحریر تھا کہ یہ لوگ دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئے دقیانوس کو علم ہو گیا کہ یہ لوگ اس غار میں چھپے ہیں۔ دقیانوس نے حکم دیا کہ غار کا منہ دیوار چن کر بند کر دیا جائے۔ ہم یہ سب کچھ یعنی ان لوگوں کا حال اس لئے لکھ رہے ہیں کہ جب غار کھلے تو دیکھنے والوں پر ان اصحاب کا حال عیاں ہو جائے۔ حاکم نے جب یہ تحریر پڑھی اور وہاں پر موجود لوگوں کو سب کچھ بتایا تو وہ لوگ سخت حیران ہوئے اور سب اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائے جسکی قدرت کا کرشمہ انکے سامنے تھا۔ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ جب مشرک حکمران دقیانوس نے ان اصحاب کو غار میں پناہ لینے کے بارے میں سن کر حکم دیا کہ غار کے منہ پر دیوار تعمیر کر کے منہ بند کر دیا جائے تو اس وقت جس شخص کی زیر نگرانی دیوار تعمیر کرنے کا کام لگایا گیا وہ نرم دل شخص تھا اس نے دیوار تعمیر کرنے سے پہلے تمام اصحاب کے نام ایک تختی پر لکھ کر تانبے کے صندوق میں محفوظ کر دیئے پھر وہ صندوق غار کے اندر ان اصحاب کے قریب رکھ دیا اسی صندوق کا حوالہ ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں واللہ اعلم۔ (از خازن وغیرہ)

کتب تاریخ وتفسیر میں اصحاب کہف کے واقعہ کی جو مزید تشریح مذکور ہے یہاں اسکو بھی تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ اس سلسلے میں کوئی گوشہ یا واقعہ تشنہ تکمیل نہ رہ جائے میرا کام تو مختلف کتب کی مدد سے واقعات کو ترتیب کے ساتھ تحریر کرنا ہے واقعات کی صحت کے سلسلے میں کتب قدیم کی عبارات پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اصل حقیقت حال کیا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ دقیانوس بادشاہ نبطی قوم سے تعلق رکھتا تھا جو کہ مذہباً بت پرست تھا اسکا حال بیان ہو چکا اس بادشاہ کے بعد قوم نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب اختیار کر لیا تھا وقت گزرتا رہا مختلف حکمران اپنے اپنے دور میں حکومتیں کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اس دنیا سے کوچ کرتے رہے۔ بیدروس نامی بادشاہ اس قوم کا حاکم تھا جو کہ نہایت ہی نیک دل انسان تھا اس نے قریباً اڑسٹھ (68) سال نہایت احسن طریقے سے

عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی۔ بدقسمتی سے اس کے دور میں فرقہ بندی پیدا ہوگئی یوں دو گروہ بن گئے ان میں سے ایک گروہ نے کہنا شروع کر دیا کہ انسان جب مرجاتا ہے پھر اسکا قصہ تمام ہوجاتا ہے۔ وہ نہ تو دوبارہ زندہ ہوگا اور نہ ہی قیامت کوئی چیز ہے یہ لوگ یقیناً باطل نظریہ پر تھے جبکہ دوسرا گروہ اہل حق کا تھا جن کا مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان تھا۔ سورہ کہف کی آیت 21 میں ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

ترجمہ: ''اسی طرح ہم نے (دقیانوس کے صدیوں بعد بیدروس کے زمانے کے لوگوں کو) انکی اطلاع کر دی تاکہ (جو مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر ہیں) وہ جان لیں کہ (مرنے کے بعد اٹھانے کا) اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔ (انکی اطلاع ہم نے اس وقت دی) جب وہ (شہر والے) اپنے (عقیدہ کے) معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے (کہ حشر جسمانی ہوگا یا روحانی اب سب جان گئے کہ جسمانی ہوگا)''۔

بادشاہ بیدروس کو جب اس معاملہ کا علم ہوا تو اس نے خود کو ایک کمرہ میں بند کر لیا اور نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اللہ کے دربار میں دعا کرنے لگا کہ یاالٰہی مجھ پر کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس کی بدولت عوام کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت قائم ہونے کا یقین حاصل ہوجائے۔ اللہ کریم نے اسکی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے ایک واقعہ کا ظہور فرمایا ہوا یوں کہ اسی قوم کا ایک چرواہا اپنی بکریاں لے کر اس غار کے قریب پہنچ گیا اس نے غار کے منہ پر تعمیر شدہ دیوار کو گرا دیا کشادہ غار دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہ جگہ بکریوں کے باڑے کے لئے نہایت مناسب ہے۔ دیوار کا گرنا تھا کہ اس شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے بھاگ اٹھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو نیند سے بیدار کر دیا وہ لوگ نہایت شگفتہ چہروں کے ساتھ اٹھے ایک دوسرے کو سلام کیا اور عبادت میں مشغول ہوگئے فارغ ہونے پر یملیخا سے کہا کہ تم شہر جا کر کچھ کھانے پینے کے لئے لے آؤ پورا واقعہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ حاکم شہر نے اپنے بادشاہ بیدروس کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال عرض کیا۔ بیدروس فوراً سجدے میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا جس نے قوم کے ایک گروہ کی طرف سے پیدا شدہ مسئلہ کا حل فرما کر باطل نظریہ رکھنے والوں کو ذلیل ورسوا کیا۔ بادشاہ بیدروس اسی وقت کمرہ سے باہر آیا اور امراء وعمائدین کے ہمراہ غار میں گیا۔ اصحاب کہف نے بادشاہ کو غار میں اپنے پاس حاضر دیکھا تو اس کے ساتھ فرداً فرداً معانقہ کیا اور فرمایا ہم لوگ تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت فرمائے اور تمام جن وانس سے محفوظ رکھے۔ ان کلمات کو ادا کیا اور اللہ حافظ کہتے ہوئے خوابگاہوں کی طرف واپس ہو کر محو خواب ہوئے اور یوں بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دی۔

بادشاہ بیدروس نے ان حضرات کے اجسام کو عمدہ صندوقوں میں محفوظ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کہف کی یوں حفاظت فرمائی ہے کہ اس مقام پر ایسا رعب اور دبدبہ پیدا کر دیا ہے کہ کوئی بھی اس غار میں جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ بعد میں بادشاہ نے اس غار کے منہ پر مسجد تعمیر کرائی اور عبادت کا ایک دن مقرر کیا۔ لوگ ہر سال عید کی طرح ایک دن اس جگہ اکٹھے ہو کر خیر و برکت حاصل کرنے لگے۔ (از: خازن وغیرہ)

(غار اصحاب کہف دمشق (شام) شہر کے مضافات میں پہاڑ میں واقع ہے اور راقم کو اب سے تقریباً پچیس (25) سال قبل یعنی تقریباً 81-1980ء میں اس غار کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اُس وقت ایک کثیر المنزلہ مسجد پہاڑ کے نشیب سے غار کی اونچائی کا احاطہ کرتے ہوئے زیر تعمیر تھی۔ غار کے منہ پر دیوار چنی ہوئی تھی)۔

خواص اسمائے اصحابِ کہف

کتب تفاسیر میں اصحاب کہف کے اسمائے گرامی مذکور ہیں گذشتہ صفحات میں انکا ذکر کر چکے ہیں انہی کتب میں اصحاب کہف کے اسمائے گرامی کی برکات اور خواص بھی درج ہیں جنہیں یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ ہر پڑھنے والا اور اسکے حلقہ احباب میں شامل شخصیات ان برکات و خواص سے فائدہ اٹھا کر میرے لئے دعا خیر فرمائیں۔ اہلِ ایمان مدتوں سے ان اسمائے گرامی کی برکات حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔

خواص و برکات

1. جو بچہ روتا ہو اگر اس کے گلے میں یہ اسمائے گرامی لکھ کر تعویذ کی صورت میں ڈال دیں تو انشاء اللہ اسکا رونا بند ہو جائے گا۔
2. اگر کسی مکان کے دروازے پر یہ اسمائے مبارکہ لکھے ہوں تو اس مکان کو آگ نہیں لگے گی۔
3. جس سامان پر یہ اسمائے گرامی لکھے جائیں یا کاغذ پر لکھ کر وہ کاغذ سامان میں رکھ دیا جائے تو ان اسماء کی برکت سے وہ سامان چوری نہیں ہوگا۔
4. جو سوار یہ اسمائے مبارکہ لکھ کر اپنے پاس رکھے انشاء اللہ اسے اور سواری کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔
5. اگر کسی کا کوئی عزیز رشتہ دار یا جاننے والا گھر سے بھاگ جائے ان اسمائے مبارکہ کا اس گھر میں ورد کیا جائے تو بھاگی ہوئی شخصیت واپس آجائے گی۔
6. اگر کسی جگہ آگ لگی ہو اور وہ بجھ نہ رہی ہو تو کپڑے کے ایک صاف ٹکڑے پر یہ اسمائے مبارکہ لکھ کر آگ میں پھینک دیئے جائیں تو اللہ کے حکم سے آگ بجھ جائے گی۔
7. تیسرے دن کا بخار جسے باری کا بخار کہتے ہیں کسی شخص کو آرہا ہو یعنی اگر کوئی اس بخار میں مبتلا ہو تو

Marfat.com

ان اسمائے گرامی کو لکھ کر تعویذ کی شکل میں اس کے گلے میں ڈال دیا جائے تو انشاء اللہ بخار جاتا رہے گا۔

8. اگر کوئی سر درد کی ازیت میں مبتلا ہو تو یہ اسمائے مبارکہ کسی کاغذ پر لکھ کر مریض کے دائیں بازو پر باندھ دیئے جائیں تو درد فوراً جاتا رہے گا۔

9. جس بچے یا بڑے کو ام العبیان کا دورہ پڑتا ہو یعنی اسکی مٹھیاں بند ہو جاتی ہوں آنکھیں الٹ جاتی ہوں منہ سے جھاگ بہتی ہو ان اسمائے مبارکہ کو تعویذ کی شکل میں اس کے گلے میں ڈال دیا جائے تو اللہ کے حکم سے دورہ نہیں پڑے گا۔

10. خشکی دریائی اور ہوائی سفر میں یہ اسمائے گرامی لکھ کر پاس رکھنے والا اللہ کے فضل وکرم اور اسکے حفظ وامان میں رہے گا۔

11. مرد وعورت یا بچہ بچی کند ذہن ہو ان اسماء مبارکہ کو کاغذ پر لکھ کر اسکے گلے میں تعویذ بنا کر ڈال دیں تو اسکا ذہن تیز ہو جائے گا۔

12. جس گناہ گار کی قبر میں یہ اسمائے مبارکہ کاغذ یا کپڑے پر لکھ کر رکھ دیئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے خاص لطف وکرم سے اسکی نجات ہو جائے گی۔

13. قید میں پڑے ہوئے شخص کی آزادی کے لئے اگر یہ اسماء مبارکہ لکھ کر تعویذ کی شکل میں اسکے بازو پر باندھ دیئے جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اسے آزادی نصیب ہوگی۔

تفسیر جمل جلد۔3،ص۔7،تفسیر خازن وغیرہ

عربوں کی ذہانت وفراست

نزار کے بیٹوں کی ذہانت وفراست کا واقعہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ نسب میں نزار کا نام انیسویں پشت میں آتا ہے۔اس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نزار کے درمیان انتیس (29) پشتوں کا فاصلہ ہے۔نزار معد کا بیٹا تھا باپ کے بعد سردار خاندان بنا اور قدرت نے پھر اسے چار بیٹوں کی دولت سے نوازا۔اس کے چاروں بیٹے عقل وفراست منفرد اوصاف کے مالک تھے مگر مضر کو قدرت نے حضور علیہ السلام کے نور کی برکت سے اس قدر عقل وفہم، حسن اور جملہ کمالات عطا فرمائے جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔بہر حال نزار کے بیٹوں کے نام یہ تھے۔

1. مضر 2. انمار 3. ایاد 4. ربیعہ

نزار نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنی جائیداد کے بارے میں بیٹوں کے لئے وصیت کر دی تھی۔سب کو بلا کر

اس وصیت سے باخبر کر دیا اور ساتھ ہی کہا اگر پھر بھی تم بھائیوں کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو فیصلہ کے لئے نجران کے دانشمند افعی جرہمی کے پاس چلے جانا وہ تمہارے جھگڑے کا نہایت ہی بہتر حل بتادیگا۔ حسن اتفاق سے جائیداد کے سلسلے میں بھائیوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا وہ سب باپ کی وصیت کے مطابق نجران روانہ ہو گئے تا کہ افعی جرہمی سے فیصلہ طلب کرسکیں۔ سفر کے دوران مضر نے سرسبز گھاس دیکھی جس کو کسی جانور نے تازہ تازہ چرا تھا۔ گھاس دیکھ کر کہنے لگا جس اونٹ نے اس گھاس کو چرا ہے وہ کانا تھا۔ ربیعہ بولا وہ اونٹ لنگڑا بھی تھا۔ تیسرا بھائی ایاد کہنے لگا اس اونٹ کی دم کٹی ہوئی تھی۔ چوتھے نے کہا وہ اونٹ مالک سے بھاگ کر آیا تھا۔ بھائیوں نے یہ گفتگو سفر کے دوران کی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ سامنے سے ایک شخص آتا ہوا نظر آیا جب قریب آیا تو دیکھا اس نے اونٹ کا کجاوا سر پر اٹھا رکھا ہے اس شخص نے بھائیوں سے دریافت کیا کہ میرا اونٹ تو نہیں دیکھا مضر بولے وہ کانا تھا؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں وہ کانا تھا پھر ربیعہ نے پوچھا وہ لنگڑا تھا اس نے جواب دیا ہاں ایسا ہی تھا اس کے بعد ایاد نے دریافت کیا اس کی دم کٹی ہوئی تھی وہ شخص بولا ہاں آخر میں انمار نے کہا اونٹ بھاگ کر آیا تھا وہ شخص بولا بالکل بھاگ کر آیا تھا۔ اب مہربانی فرما کر بتائیں میرا اونٹ کہاں ہے۔ سب بولے خدا کی قسم ہم نے تمہارا اونٹ دیکھا ہی نہیں۔ یہ جواب سن کر بدو بولا یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم لوگوں نے دیکھے بغیر اونٹ کی ہر نشانی صحیح بتائی ہے۔ بھائیوں نے کہا حقیقت یہی ہے کہ ہم نے تیرے اونٹ کو نہیں دیکھا اونٹ کا مالک اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور انکے ساتھ شریک سفر ہو گیا تا کہ نجران پہنچ کر جو قریب ہی تھا افعی جرہمی سے اپنے اونٹ کا فیصلہ کرائے۔ جب یہ سب افعی جرہمی کے پاس پہنچے تو اونٹ والے نے دعویٰ کیا کہ ان مسافروں نے میرا گم شدہ اونٹ دیکھا ہے مگر مجھے اس کا پتہ نہیں بتاتے۔ افعی نے بھائیوں سے پوچھا یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم لوگوں نے اونٹ کو دیکھا ہی نہیں مگر اس کی تمام نشانیاں ٹھیک بتا رہے ہو۔ افعی جرہمی کے اس سوال پر مضر نے جواب دیا کہ

1. میں نے جب اس گھاس کو دیکھا جسے اونٹ نے چرا تھا تو وہ ایک طرف سے جوں کی توں موجود تھی جس کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ اونٹ کانا ہے کیونکہ جس طرف سے اسے نظر آتا تھا وہ گھاس تو چر گیا جبکہ دوسری طرف سے نظر نہ آنے کی وجہ سے گھاس محفوظ رہی۔
2. ربیعہ نے کہا میں نے اونٹ کے پاؤں کے نشان دیکھے ایک پاؤں کا نشان بالکل واضح اور مکمل تھا جبکہ دوسرے پاؤں کے نشان غیر واضح تھے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اونٹ لنگڑا ہے۔
3. ایاد نے جواب دیا میں نے اونٹ کی مینگنیاں دیکھیں جو سالم تھیں بس میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس اونٹ کی دم کٹی ہوئی تھی کیونکہ سالم دم کا اونٹ جب مینگنیاں کرتا ہے تو وہ صحیح سالم زمین پر نہیں گرتیں بلکہ دم کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہیں۔
4. آخر میں انمار نے کہا میں نے دیکھا کہ اونٹ نے صرف گنجان گھاس کو چرنے کے لئے ہی منہ

استعمال کیا ہے اور پھر اس گھاس کو بھی پورا چرنے کے بغیر آگے نکلتا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اندازہ لگالیا کہ اونٹ بھاگ کر آیا ہے اس لئے سکون کے ساتھ گھاس نہیں چر سکا۔

افصی جرہمی نے بھائیوں کی گفتگو سن کر اونٹ کے مالک سے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں انہوں نے تیرا اونٹ نہیں دیکھا اس لئے بہتر ہے کہ تم جا کر اپنا اونٹ تلاش کرو۔ وہ بدو یہ سن کر چلا گیا۔ پھر جرہمی نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں اور کس مقصد کے لئے میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ بھائیوں نے جواب دیا ہم نزار کی اولاد ہیں اور اپنے باپ کی وصیت کے مطابق آپ سے اپنے باہمی جھگڑے کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ یہ جواب سن کر جرہمی نے کہا نہایت تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ اس قدر عاقل، دوراندیش اور فہم وذکا کے مالک ہوتے ہوئے اپنے جھگڑے کا فیصلہ مجھ سے کرانے آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ہمارے والد کی یہی وصیت تھی۔ جرہمی یہ سن کر خاموش ہو گیا اور پھر ان لوگوں کو نہایت ہی پر تکلف دعوت دی۔ کھانے کے بعد شراب پیش کی۔ کھانے اور شراب سے فارغ ہو کر مضر نے کہا ایسی عمدہ شراب پہلے کبھی نہیں پی مگر اے کاش اس انگور کی بیل قبر پر اگی ہوئی نہ ہوتی۔ ربیع بولا اس میں شک نہیں ایسا عمدہ گوشت زندگی میں پہلی بار کھایا ہے مگر افسوس اس بکری کی پرورش کتیا کے دودھ پر کی گئی تھی۔ ایاد نے کہا میں نے جرہمی جیسا نیک ہمدرد اور عاقل شخص نہیں دیکھا کاش یہ نطفہ حلال سے ہوتا۔ انمار بولا میں نے آج تک ایسی پر مغز اور مفید گفتگو پہلے کبھی نہیں سنی۔ افصی جرہمی ان بھائیوں کی گفتگو نہایت توجہ اور سکون کے ساتھ سنتا رہا جب وہ خاموش ہو گئے تو جرہمی وہاں سے اٹھ کر سیدھا اپنی ماں کے پاس گیا اور کہنے لگا سچ سچ بتاؤ میں کس کا بیٹا ہوں اور میرا باپ کون ہے۔ جرہمی کی ماں نے جواب دیا میں ایک سردار کی بیوی تھی اور عرصہ تک وہ سردار لاولد ہی رہا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تو اس کی تو نسل ہی ختم ہو جائے گی پس میں نے ایک شخص کے ساتھ بدفعلی کی اور تم پیدا ہوئے۔ جرہمی اپنی ماں کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ناظم مطبخ (باورچی خانہ) کو طلب کیا اور اس نے پوچھا تم جو شراب لائے تھے کہاں کی تھی ناظم نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے والد کی قبر پر انگور کی ایک بیل لگائی تھی اور یہ شراب اس بیل کے انگوروں سے کشید شدہ تھی۔ پھر بکریوں کے ریوڑ کی رکھوالی کرنے والے چرواہے کو طلب کیا اور پوچھا جس بکری کا گوشت آج مہمانوں کو پیش کیا گیا اس کی پرورش کیسے ہوئی۔ چرواہے نے عرض کیا ریوڑ میں سے ایک بکری نے بچے کو جنم دیا اور مر گئی میں نے اس بچے کی پرورش کتیا کے دودھ سے کی تھی۔ اب جب وہ جوان ہو چکی تھی تو اسے ذبح کر کے گوشت مہمانوں کو پیش کر دیا۔ جرہمی اپنی تحقیق مکمل کرنے کے بعد نزار کی اولاد کے تدبر، فراست اور ذہانت کا صدق دل سے قائل ہو گیا۔ پھر اس نے نزار کی وصیت کے مطابق بیٹوں کے جھگڑے کا فیصلہ سنایا اور یوں چاروں بیٹے فیصلہ سن کر واپس چلے گئے۔

مذکورہ واقعہ پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کریم نے فخر کونین تاجدار عرب وعجم کے اجداد کو کس قدر حیران کن فہم وفراست عطا فرمائی تھی۔ حقیقت میں یہ سب کچھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہی آپ

علیہ السلام کے اجداد کو حاصل ہوا۔ کیونکہ اصل میں مقصود کائنات تو فخر دوعالم علیہ السلام کی ذات مقدسہ ہی ہے۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جس خطے میں مبعوث فرمایا اس میں رہنے والے لوگوں کو اسقدر عقل و دانش عطا فرمائی کہ عام عرب اونٹ کی مینگنیاں دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیتے تھے کہ اونٹ کس علاقے کا ہے اس پر کون سوار تھا اور کس قدر بوجھ لادا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ یہ بھی بتا دیتے تھے کہ اونٹ نے کیا کھایا ہوا ہے۔ یہ سب عقل و دانش حضور علیہ السلام کے صدقے سے ان لوگوں کو نصیب ہوئی تھی۔

اہل عرب میں سے ہی ایک دولت مند شخص تھا جس کی اپنی فراست کا تو کیا بیان اس کی بیٹیاں بھی اس میدان میں لاثانی تھیں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یہ واقعہ عرض کر رہا ہوں۔

عرب دولت منداوراس کی بیٹیاں

عرب کا ایک دولت مند شخص اپنے دو غلاموں کو ہمراہ لے کر سفر پر روانہ ہوا۔ ان لوگوں نے جب نصف راستہ طے کر لیا تو دونوں غلاموں کی نیت میں فتور پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے آقا کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ ان کا آقا نہایت ہی دوراندیش و دوربین تھا اس نے غلاموں کی حرکات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اسے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ لوگ اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے اور پھر اس وقت میرا کوئی مددگار بھی نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اس آقا نے غلاموں سے کہا مجھے پختہ یقین ہو چکا ہے کہ تم لوگ مجھے ضرور قتل کرو گے اس لئے میں نہ تو تم لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور نہ ہی تمہیں اس ارادے سے روکنے کی طاقت رکھتا ہوں۔

بس تم میری ایک بات ماننے کا مجھے حلف دو۔ غلاموں نے پوچھا کس بات کا حلف دیں آقا نے کہا جب تم لوگ مجھے قتل کرنے کے بعد واپس جاؤ تو میری دونوں بیٹیوں کو میرا یہ شعر ضرور سنا دینا۔ پھر اس نے شعر پڑھا۔

من مبلغ بنتی ان اباھما   للہ درکما و درابیکما

کون ہے جو میری بیٹیوں کو یہ اطلاع دے اے بچیو تم دونوں اور تمہارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔

وہ دونوں غلام بھی شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے جب انہوں نے شعر سنا تو ایک دوسرے کو کہا اس شعر کو آقا کی بچیوں تک پہنچانے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لئے حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں دوسرا ہمیں اس مرنے والے کی آخری خواہش کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان دونوں نے وعدہ کر لیا کہ ہم تمہارا یہ شعر بچیوں تک ضرور پہنچا دیں گے۔ یاد رہے اہل عرب جب کسی سے وعدہ کرتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے تھے۔ اب ان دونوں نے آقا کو قتل کر دیا اس کا سارا مال و متاع اپنے قبضے میں کیا اور سفر سے واپس گھر کی طرف چل پڑے۔ منزل مقصود پر پہنچ کر جب حسب وعدہ وہ آقا کے گھر گئے اور ان کی بڑی بیٹی جو گھر میں موجود تھی اس کو بتایا کہ راستے میں تمہارے باپ کو موت نے آلیا اور ہم اس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ مرنے سے پہلے تمہارے باپ نے ایک شعر پڑھا تھا اور ہم سے وعدہ لیا

تھا کہ گھر جا کر میرا یہ شعر میری بچیوں کو ضرور سنا دینا اب ہم حسب وعدہ وہ شعر تمہیں سنا رہے ہیں پھر انہوں نے مذکورہ شعر پڑھا۔ بیٹی نے شعر سن کر کہا مجھے تو اس شعر میں کوئی خاص حکمت یا پیغام سمجھ نہیں آیا جو میرا باپ ہمیں دینا چاہتا تھا تم لوگ ذرا انتظار کرو میں چھوٹی بہن کو بلا کر لاتی ہوں۔ شاید اس کی سمجھ میں کوئی بات آ جائے۔

یہ کہہ کر بڑی بہن گھر سے باہر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد چھوٹی بہن کو ہمراہ لے کر واپس آئی پھر اس کو غلاموں کی زبانی سنا ہوا پورا واقعہ بیان کیا اور آخر میں شعر سنایا۔ شعر سنتے ہی بہن نے اپنی چادر سر سے اتار کر رونا پیٹنا اور آہ و فغاں شروع کر دی۔ وہ بلند آواز سے کہتی جا رہی تھی اے گروہ عرب ہمارے ساتھ ظلم ہو گیا ان دونوں ظالم غلاموں نے ہمارے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شور و فغاں کی آواز سن کر لوگ اکٹھے ہو گئے اور لڑکی سے پوچھا کیا قصہ ہے اس نے شعر پڑھ کر سنایا تو لوگوں نے پوچھا شعر سے تو کچھ ثابت نہیں ہوتا پھر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ غلاموں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ لڑکی نے جواب دیا اس شعر کے دونوں مصرعے نامکمل ہیں اور یہ دوسرے مصرعوں کے محتاج ہیں۔ جب دوسرے مصرعے ان کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں تو میرے دعویٰ کا ثبوت مل جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا تو پھر شعر مکمل کر کے ہمیں سناؤ۔ لڑکی نے کہا پہلا اور دوسرا شعر یوں ہونا چاہیے۔

من مخیر بنتی ان اباھم امسی قتیلاً بالفلاۃ مجنلاً

للّٰہ درکما و درابیکما لن یبرح الصبدان حتی یقتلاً

''کون ہے جو میری دونوں بچیوں کو اطلاع دے کہ انکا باپ قتل کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی لاش جنگل میں خاک آلودہ پڑی ہے۔''

''اے بچیو، تم دونوں کی اور تمارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ ان غلاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔''

اشعار سن کر لوگوں نے دونوں غلاموں کو پکڑ لیا اور واقعہ کی پوری پوری تحقیقات کی وہ دونوں کیونکہ مجرم تھے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد ہی انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور یوں قصاص کے قانون کے مطابق ان کو قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر عقل محو حیرت رہ جاتی ہے اور یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ سرزمین عرب میں رہنے والے عقل و فراست کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

سعد بن مالک اور نعمان بن منذر

اہل عرب میں سے سعد بن مالک کا جو واقعہ عرض کر رہا ہوں اس کو پڑھنے کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قدرت نے اسے تدبر، برداشت، علم و دانش کی عظیم دولت سے کس حد تک نواز رکھا تھا۔ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا ہی اثر انگیز، سبق آموز اور منفرد قسم کا ہے۔ سعد بن مالک ایک مرتبہ نعمان بن منذر کے کے دربار میں گیا۔

نعمان نے جو سوال بھی سعد سے پوچھا اس نے نہایت فصاحت اور فہم و فراست سے اس کا جواب دیا۔ نعمان سعد کی ذہانت اور فراست پر خوش ہونے کی بجائے حسد کی وجہ سے اندر ہی اندر جل گیا اور سعد سے کہنے لگا تم بڑے ہی چرب زبان اور باتونی ہو میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے ایک درباری سے تمہاری گفتگو کرائی جائے تاکہ تمہاری حاضر دماغی کا امتحان ہو سکے کیا تم میرے آدمی کے ساتھ گفتگو کرنا پسند کرو گے۔ سعد بن مالک نے جواب دیا اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایک گزارش میری بھی ہے کہ اگر میں نے آپ کے آدمی کو لاجواب کر دیا تو آپ مجھے کسی قسم کی سزا یا ناراضگی کا اظہار نہیں کریں گے۔ سعد بن مالک نے نعمان بن منذر کی گفتگو سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ حسد کی وجہ سے میرا امتحان لے کر نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ اس لئے سعد نے یہ شرط پیش کی۔ نعمان بن منذر نے وعدہ کیا کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ نعمان نے اپنے ایک ملازم کو دربار میں طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ سعد بن مالک کے چہرے پر طمانچہ مارو؟

غلام نے اپنے آقا کے حکم کی بجا آوری میں سعد کے چہرے پر طمانچہ مارا۔ نعمان کا مقصد تھا کہ سعد بن مالک طمانچہ کھانے کے بعد غلام کو برا بھلا کہے گا اور اسے آداب شاہی کو توڑنے کی وجہ سے سخت سزا دوں گا۔ مگر نعمان کی آرزو کے برعکس سعد بن مالک طمانچہ کھانے کے بعد بالکل خاموش کھڑا رہا۔ یہ دیکھ کر نعمان نے کہا غلام کے فعل کا جواب دو۔ سعد بن مالک نے بڑے سکون کے ساتھ جواب دیا "اے بادشاہ یہ ایک احمق شخص ہے جسے جو حکم دیا گیا اس نے تعمیل کی ہے"۔

سعد کا یہ جواب سن کا نعمان نے غلام سے پھر کہا اسے دوسرا طمانچہ مارو۔ غلام نے اس دفعہ بھی سعد بن مالک کے چہرے پر طمانچہ مارا۔ مگر جواب میں سعد پھر پہلے کی طرح خاموش کھڑا رہا۔ یہ دیکھتے ہوئے نعمان نے سعد سے کہا دوسرے طمانچہ کا جواب دو۔

سعد بن مالک بولا "اگر اس غلام کو پہلے روکا جاتا تو دوبارہ یہ حرکت نہ کرتا"۔

نعمان نے پھر غلام کو حکم دیا کہ سعد بن مالک کے چہرے پر تیسرا طمانچہ مارو۔

غلام نے بادشاہ کے حکم کی تیسری دفعہ تعمیل کرتے ہوئے اپنا عمل پورا کیا۔ تیسری دفعہ بھی سعد بن مالک نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑا رہا۔ نعمان نے کہا اس طمانچے کا تو جواب دو؟

سعد بن مالک بولا "ایک مالک اپنے غلام کو آداب سکھا رہا ہے"۔

نعمان بن منذر نے غلام کو پھر حکم دیا کہ اس شخص کے چہرے پر پھر طمانچہ مارو؟

غلام نے حسب سابقہ آقا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چوتھی بار سعد کے چہرے پر طمانچہ مارا سعد بن مالک چوتھی دفعہ بھی طمانچہ کھانے کے بعد نہایت سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔ نعمان نے کہا اس کا جواب دو؟

سعد بن مالک نے جواب دیا کہ "تم مالک ہو تمہاری شان یہ ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو"۔

نعمان بن منذر سعد بن مالک کا یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور کہنے لگا اے سعد تم نے ٹھیک کہا ہے میرے لئے یہ زیبا ہے اب بیٹھ جاؤ۔ سعد بن مالک نشست پر بیٹھ گیا۔

اندازہ کیجئے کہ سعد بن مالک ذہانت وفراست کے کس درجہ کمال پر فائز تھا کہ دربار میں بظاہر نہایت توہین آمیز سلوک کو کس قدر تدبر اور بردباری سے برداشت کرتے ہوئے بادشاہ کو درباریوں کے سامنے لاجواب اور شرمندہ کر دیا۔ لکھنے اور پڑھنے کی حد تک تو سعد بن مالک کا سکون اور قوت برداشت نہایت تدبر کی علامت نظر آتا ہے اور یہ ہے بھی مگر اس سکون کا مظاہرہ وہی شخص کر سکتا ہے جو کمال درجے کی ذہانت فراست اور برداشت کی طاقت رکھتا ہو۔

نعمان بن منذر نے بظاہر تو سعد بن مالک کی ذہانت وفراست کا اعتراف کر لیا تھا مگر دلی طور پر وہ سعد کو نیچا دکھانے کا ارادہ ختم نہ کر سکا۔ اس نے کہا ہم نے عمرو بن مالک کو اپنی چراگاہوں کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا مگر اس نے اس قدر دیر کر دی ہے جو ہماری قوت برداشت سے باہر ہے اس لئے ہم اسے قتل کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں۔

سعد بن مالک اور عمرو بن مالک

جیسا کہ ہم سعد بن مالک کے واقعہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ نعمان بن منذر نے عمرو بن مالک کو قتل کرنے کی قسم اٹھائی اس اس وقت سعد بن مالک جیسا مدبر فہم وفراست کا پیکر بھی دربار میں موجود تھا۔ عمرو بن مالک سعد بن مالک کا حقیقی بھائی تھا اس نے جب بادشاہ کا عمرو کے بارے میں حکم سنا تو خون نے فوراً جوش مارا اس نے فیصلہ کر لیا کہ ہر حال میں بھائی کو نعمان سے بچائے گا۔ ابھی وہ عمرو کو بچانے کی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ بھائی دربار میں داخل ہوا۔ نعمان اپنے وزراء کے ہمراہ تخت شاہی پر بیٹھا عمرو کے انتظار میں ہی تھا۔ اس سے پہلے کہ سعد کا بھائی عمرو نعمان کے کسی سوال کا جواب دیکر اپنی موت کو یقینی بنالیتا سعد نے نعمان سے درخواست کی اے بادشاہ کیا تم مجھے اتنی اجازت دیتے ہو کہ میں اپنے بھائی سے بات کرلوں؟

سعد بن مالک کا سوال سن کر نعمان بن منذر بادشاہ وقت بولا اے سعد اگر تو نے اپنے بھائی سے بات کی تو میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔

سعد بن مالک نے کہا اے بادشاہ میں اپنے بھائی کو اشارہ کر سکتا ہوں۔ نعمان بن منذر بولا اے سعد بن مالک اگر تو نے اپنے بھائی کو اشارہ کیا تو میں تیرا ہاتھ ہی کاٹ دوں گا۔

سعد پھر بولا اے بادشاہ کیا میں بھائی کو آنکھ کا اشارہ کر سکتا ہوں؟

نعمان بن منذر نے جواب دیا سعد اگر تو نے ایسا بھی کیا تو میں تمہاری آنکھیں نکال دوں گا۔

آخر میں سعد نے کہا اے بادشاہ کیا میں بھائی کو عصا کی مدد سے کچھ بتا سکتا ہوں۔ نعمان بن منذر نے کہا ہاں تم بھائی کو عصا کی مدد سے جو کچھ بتانا چاہو اس کی اجازت ہے۔

اجازت مل جانے پر سعد بن مالک نے ایک درباری کے ہاتھ سے عصا پکڑا اور اسے اپنے ہاتھ میں تھام لیا پھر بائیں ہاتھ میں اپنا ذاتی عصا پکڑ لیا۔ ادھر عمرو بن مالک خاموش کھڑا اپنے انجام کا انتظار کر رہا تھا۔ سعد نے اپنے عصا کو دوسرے عصا کے ساتھ کھٹکھٹایا آواز سن کر عمرو نے بھائی کی طرف دیکھا سعد نے عصا کی مدد سے کچھ اشارہ کیا بھائی عمرو فوراً سمجھ گیا کہ سعد کہہ رہا ہے اپنی جگہ کھڑے رہو۔ سعد نے اپنے عصا کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر دوسرے عصا کی مدد سے بلند کئے عصا کو چھوا۔ سمجھ گیا کہ بھائی کہہ رہا ہے نعمان کو جواب دو میں نے خشک سالی کے آثار نہیں پائے۔ پھر سعد نے ایک عصا کے کنارے کو دوسرے عصا کے ساتھ بار بار کھٹکھٹایا اور اسے اونچا کیا۔ عمرو یہ اشارہ بھی فوری سمجھ گیا کہ چراگاہ میں گھاس اگی نہیں تھی۔ اس کے بعد سعد نے عصا کو کھٹکھٹاتے ہوئے عمرو کی طرف کیا عمرو سمجھ گیا کہ بھائی کہتا ہے اب بادشاہ کے ساتھ کلام کرو۔ وہ نعمان کے قریب ہو گیا۔ نعمان بن منذر نے عمرو سے پوچھا کیا چراگاہوں کی زرخیزی قابل تعریف ہے۔ یا وہاں نظر آنے والی خشک سالی کی تم مذمت کرتے ہو۔ عمرو نے نعمان کو اپنے بھائی کے اشاروں سے سمجھ آنے والی گفتگو کی روشنی میں جواب دیا۔ بادشاہ سلامت نہ تو میں وہاں خشک سالی کی مذمت کرتا ہوں اور نہ ہی میں وہاں کی زرخیزی اور سرسبزی کی تعریف کرتا ہوں۔ وہاں کی زمین ہی ایسی ہے کہ نہ تو اس کی زرخیزی کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی اس کے بنجر اور ویران ہونے کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو قافلے کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں وہ اس جگہ گھاس اور پانی کے لئے ٹھہر جاتے ہیں۔ اس طرح واقف شخص عارف کی منزل پا لیتا ہے جبکہ وہاں موجود شخص جو کہ بظاہر امن میں ہے وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ نعمان نے وہ پرمغز جوابات سن کر عمرو اور سعد کی قابلیت فہم، تدبر، اور ذہانت وفراست کی دل کھول کر داد دی اور یوں عمرو سعد کی عقل مندی اور اپنی ذہانت کی وجہ سے نعمان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

اہل عرب اور شجاعت

سرزمین عرب میں بسنے والے عرب جن جن خوبیوں کے مالک تھے شجاعت، بہادری اور دلیری ان سب میں سرفہرست ہے۔ اہل عرب اپنی عزت وناموس اور غیرت کی حفاظت کے لئے جان جیسی قیمتی چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اہل عرب عین نوجوانی میں جبکہ انسان دنیا سے بے نیاز اپنی دھن میں مگن ایام بسر کرتا ہے اپنی حیات کو عزت وغیرت کے تحفظ کے لئے قربان کر دیتے تھے۔ میدان جنگ میں اس قدر دلیری کا مظاہرہ کرتے کہ انسانی عقل ششدر رہ جاتی تھی۔ غیرت اور اپنی آبرو کے تحفظ کے لئے گروہ در گروہ تلواروں اور نیزوں کی چھاؤں میں خون کی ہولی کھیلتے تھے۔ وہ لوگ بستر پر ایڑیاں رگڑتے مرجانے کو پسند نہیں کرتے تھے ان کا پسندیدہ شغل میدان جنگ میں اپنی متاع زیست کو قربان کر دینا تھا۔ ذاتی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے تو اکثر لوگ جان کی بازی لگا دیتے تھے مگر اہل عرب تو اپنے قبیلے کی عزت بچانے کے لئے خون کا نذرانہ پیش کرنا اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔

اس طرح ان لوگوں کی ساری زندگیاں ہی دشمن سے لڑتے ہوئے گزر جاتی تھیں۔

اہل عرب جنگ وجدل کو اپنی زندگیوں کا جزو لاینفک سمجھتے تھے۔عرب کی کشادہ فضا کھلا ماحول سادہ غذا اور بلاتکلف زندگی نے ان لوگوں کے اندر بے خوفی، نڈر پن اور موت سے آنکھیں چار کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔تاریخ عرب گواہ ہے کہ اونٹ دوڑ اور جانوروں کو پانی پلانے میں پہل حاصل کرنے پر قبیلوں کے درمیان جھگڑے کا آغاز ہوا تو جنگ وقتل کا یہ سلسلہ سالوں چلتا رہا یہاں تک کہ دو فریقین میں سے کوئی باقی نہ بچا۔سب کے سب نذر جنگ ہوگئے مگر خون آشام تلواریں پھر بھی تشنہ ہی رہیں۔عرب کے شاعروں نے شجاعت و دلیری کے بارے میں لاتعداد اشعار اپنے دیوانوں کی زینت بنائے۔تمام اشعار تو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں البتہ ذوق کی تسکین کے لئے چند شعروں کا اردو ترجمہ تحریر کر رہا ہوں۔ایک مشہور عرب شاعر ابوالعول کہتا ہے:۔

ترجمہ:

''میری تمام دولت اور جان بھی ان سواروں پر قربان ہو جائے جنہوں نے میرے گمانوں کو سچا کر دکھایا۔وہ سوار ایسے ہیں جو خوفناک جنگ میں مرنے والوں کی لاشیں دیکھ کر دل برداشتہ نہیں ہوئے۔وہ سوار کبھی بھی اچھائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور جب انہیں سختی کا مقابلہ کرنا پڑے تو وہ نرمی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔انہوں نے دشمن کے حملوں کو دور کر دیا اور یوں جنون کا جواب بھی جنون سے دیا''۔

اہل عرب سے ہی ایک شاعر سموول جوانوں کو میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور داد شجاعت کے لئے یوں کہتا ہے اور اپنے سرداروں کی دلیری کو بڑے فخریہ انداز میں پیش کرتا ہے۔

ترجمہ اشعار:۔

''ہمارے کسی مقتول کا خون رائیگاں نہیں گیا اور نہ ہی ہمارا کوئی سردار ایسا گزرا ہے جو طبعی موت مرا ہو۔ہماری جانیں تلوار کی تیز دھار کے علاوہ اور کسی دوسری چیز پر نہیں بہتیں''۔

ان اشعار کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل عرب میدان جنگ میں مرنا کس قدر پسند کرتے تھے ان کا عام آدمی تو ایک طرف رہا سردار قبیلہ ہمیشہ میدان جنگ میں داد شجاعت دیتا ہوا ہی مرتا۔اس بات کو شاعر نے اپنے شعر میں بطور امتیاز بیان کیا ہے۔ان لوگوں کو میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا طریقہ آتا ہی نہیں تھا وہ ہمیشہ میدان جنگ میں سینہ تان کر لڑتے لڑتے موت کو لبیک کہتے تھے۔اور یہی ان کا طرہ امتیاز تھا۔اس سلسلے میں ایک شاعر نے اپنے خیالات کا اظہار اشعار کی زبان میں کچھ اس طرح کیا ہے۔

ترجمہ اشعار:۔

"میرے گھوڑے کے پٹھے نیزوں پر حرام ہیں اس کا سینہ اور گردن ہی ہمیشہ
میدان جنگ میں لہولہان ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے نیزوں پر بھی یہ
بات حرام ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا نشانہ بنائیں جو منہ پھیر کر بھاگ رہا
ہو۔ ہمارے نیزے تو ہمیشہ اپنے دشمن کے سینے میں جا کر گڑتے ہیں اور دو
ٹکڑے ہو جاتے ہیں"

اہل عرب جنون کی حد تک دلیر اور موت سے نہ ڈرنے والے تھے۔ مشہور ہے کسی شخص نے ایک عرب سے جا کر کہا "تمہارا بھائی جنگ کرتے ہوئے قتل ہو گیا ہے اس نے بڑے سکون سے جواب دیا یہ کونسی حیران کن بات ہے اس سے پہلے میرا باپ اس کا بھائی اور اسکا چچا سب میدان جنگ میں ہی قتل ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم ہم بستر پر نہیں مرا کرتے بلکہ نیزوں کی انیاں ہمارے جسموں کے پرزے اڑاتی ہیں اور ہم لوگ تلواروں کے سائے میں موت کا پیغام قبول کرتے ہیں"۔ اس جواب سے آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موت ان لوگوں کے سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔

خودداری و عزت نفس کو قائم رکھنا اور کسی بھی حال میں ظلم و جبر برداشت نہ کرنا اہل عرب کے اخلاق اور عادات کا لازمی حصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں شجاعت اور دلیری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ عادت کے خلاف معمولی سی بات بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور فوراً غصے سے بھڑک اٹھتے۔ چھوٹی سے چھوٹی ایسی بات جس سے ذلت وتوہین کا کوئی پہلو بھی نکلتا ہو قطعی برداشت نہیں کرتے تھے فوری شمشیر و سنا اٹھا لیتے اور یوں خون ریز جنگ کا آغاز ہو جاتا۔ اس طرح لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دینا ان کے لئے باعث فخر تھا۔ اہل عرب اپنی جاہلیت کی بنا پر جس کام کو اپنے لئے عزت وافتخار خیال کرتے اس کو انجام دینے کے لئے جان تک قربان کر دیتے غرض کسی قسم کی بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ان لوگوں کا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔

وفائے (ایفائے) عہد اور اہل عرب

وفائے عہد اہل عرب کے امتیازی نشانوں میں سے ایک تھا۔ عرب معاشرے کی دور جاہلیت کی تاریخ کا مطالع کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وفائے عہد ان کے اخلاق فاضلہ میں سے تھا۔ وعدہ پورا کرنا ان لوگوں کے نزدیک دین کی حیثیت رکھتا تھا۔ وفائے عہد کو پورا کرنے کے لئے وہ لوگ اپنی اولاد، اپنی جان، گھر بار غرض ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وفا، سچائی اور انصاف کے بغیر ممکن ہی نہیں جبکہ دھوکہ، فریب اور جھوٹ ظالم لوگوں کا طریقہ ہے۔ پھر وفا صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ اس کا عملی ثبوت دینا بنیادی شرط ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ اللہ کریم نے ایفائے عہد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے اسے پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے لئے خود فرمایا ہے کہ میں سب سے بڑا وعدہ پورا کرنے والا ہوں۔ یہ بات جس قدر حقیقت کے قریب ہے شاید ہی کوئی دوسری بات حقیقت کے اس قدر قریب ہو۔

قرآن کریم میں ایفائے عہد سے متعلق احکامات، تفصیل سورۃ وآیات

قرآن کریم میں ایفائے عہد کے متعلق بہت سی آیات میں احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ آیت 40، سورۃ المائدہ آیت 1، سورۃ رعد آیت 20، سورۃ النحل آیت 91، سورۃ بنی اسرائیل آیت 34، سورۃ روم آیات 5، 6۔

اقوام عالم، مذاہب عالم اور دنیا میں موجود تمام معاشروں کا مطالعہ فرمائیں تو یہ بات ہر جگہ اظہر من الشمس نظر آئے گی کہ انسانی معاشرہ باہمی تعاون کے بغیر نہ تو زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔ اس لئے پیار، محبت امن وسلامتی ایفائے عہد جس معاشرے کی بنیاد ہوگی وہ معاشرہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی یافتہ اور مثالی ہوگا جبکہ اس کے برعکس نفرت، ظلم اور عہد شکنی و وعدہ خلافی جس معاشرے کی بنیاد ہوگی پہلے تو وہ معاشرہ کہلانے کا ہی حق دار نہیں ہوگا اور اگر کسی طرح کچھ عرصہ کے لئے معاشروں کی فہرست میں شامل ہو جائے تو وہ انحطاط اور بدامنی کا شکار ہوگا۔ عرب معاشرے کی ایفائے عہد کی صفت بیان کرنے کے لئے تمہید کے طور پر یہ چند سطور رقم کی ہیں۔ موضوع کی طوالت کے پیش نظر انہی الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں۔

اہل عرب طبعی وقدرتی طور پر سچ بولنے کو ہر حال میں عزیز رکھتے تھے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتے اور اسے نہایت ہی حقیر اور ذلیل عمل سمجھتے تھے۔ وہ لوگ سچے اور ایماندار شخص کی دل کی گہرائیوں سے قدر و عزت کرتے تاریخ عرب ایفائے عہد کے لازوال کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ جنکو پڑھ کر انسانی عقل حیرانی کے سمندر میں غوطہ زن نظر آتی ہے۔ ان کارناموں کو سرانجام دینے کے لئے عربوں نے ہمیشہ اپنا مال، جان اور یہاں تک کہ اولاد کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ ہانی بن مسعود شیبانی، حاجب بن زارہ اور سموال وغیرہ کے حالات پڑھ کر ہی انسانی عقل محو حیرت رہ جاتی ہے جبکہ دیگر پیکر وفا اور وعدہ ایفا کرنے والوں کے بے شمار واقعات بھی تاریخ عرب کے صفحات پر موجود ملتے ہیں۔ یہاں ہم متلاشیان علم کی دلچسپی اور ذوق کے لئے سموال یا بعض اصحاب سیر کے نزدیک سموول بن عادیا اور چند ایک دوسرے وفا شعار لوگوں کے واقعات رقم کر رہے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک وفائے عہد کس قدر اہم چیز ہے۔

سموال بن عادیا

سموال بن عادیا یا سموول بن حادیا عرب کا ایک محترم حاکم تھا۔ عرب کا مشہور شاعر امراء القیس جس کا ہم

پہلے ذکر کر چکے ہیں قیصر روم کی ملاقات کے لئے عرب سے روانہ ہوا تو اپنی زر ہیں بطور امانت سموال کے پاس رکھ گیا۔ امراء القیس کو دربار قیصر سے زندہ واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شام کے بادشاہ نے سموال پر چڑھائی کر دی سموال طاقت کے اعتبار سے حملہ آور بادشاہ کی نسبت کمزور تھا۔ اس نے اپنی رعایات سمیت خود کو اپنے قلعہ میں محفوظ خیال کرتے ہوئے بڑے اہتمام سے قلعہ کو نہایت ہی مضبوطی سے بند کر لیا۔ اتفاقاً اس کا حقیقی بیٹا قلعہ سے باہر رہ گیا اور اسے شاہ شام نے گرفتار کر لیا۔ حملہ آور نے جب دیکھا کہ اس مضبوط قلعہ کو سر کرنا ممکن نہیں تو اس نے با آواز بلند سموال بن عادیا کو پکارا۔ آواز سن کر سموال قلعہ کی فصیل پر آیا اور جھانک کر باہر دیکھا۔ حملہ آور بادشاہ نے اسے مخاطب ہو کر یوں کہا اے سموال دیکھ تمہارا حقیقی بیٹا میرے قبضے میں ہے۔ میں امراء القیس کا رشتہ دار ہوں اگر تم مجھے اس کی امانت میں رکھی ہوئی زر ہیں دے دو تو میں تمہارے بیٹے کو چھوڑ دوں گا۔ اور اگر تم نے میری یہ بات نہ مانی تو میں تمہارے بیٹے کو ذبح کر دوں گا۔ سموال یہ سن کر فصیل سے نیچے اترا سب اہل خانہ کو اکٹھا کیا اور حملہ آور بادشاہ کا تقاضہ بیان کرتے ہوئے ان سے مشورہ طلب کیا۔ سب نے مشورہ دیا کہ امراء القیس کی امانت حملہ آور بادشاہ کے حوالے کرتے ہوئے اپنا بیٹا اس کی قید سے آزاد کرا لیں۔ یہ مشورہ سن کر سموال دوبارہ فصیل پر گیا اور حملہ آور بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا امراء القیس جو زر ہیں مجھے بطور امانت دے گیا تھا میں وہ زر ہیں تمہیں ہرگز نہیں دوں گا اس لئے تمہارے دل میں جو آئے اس پر عمل کرو۔ ظالم حملہ آور بادشاہ نے سموال کا یہ جواب سن کر اس کے بیٹے کو باپ کے سامنے ذبح کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ قلعہ فتح کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہوا اور آخر کار مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد سموال وہ زر ہیں لے کر امراء القیس کے اہل خانہ کے پاس گیا اور امانت ورثا کے سپرد کر دی۔ اندازہ کیجئے عرب کس حد تک ایفائے عہد کے پابند تھے سموال نے بیٹے کو قربان کر دیا مگر امانت اس کے حق دار کے سپرد ہی کی۔ اس موقع پر سموال نے جو اشعار کہے ان کا ذکر نہ کرنا انصاف کے خلاف ہوگا کیونکہ ان اشعار میں اس نے اپنے وفائے عہد کو بڑے فخریہ انداز میں پیش کیا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سموال کا حق بھی تھا۔ اشعار کا ترجمہ تحریر کیا جا رہا ہے۔

''میں نے امراء القیس کی کندی کی زر ہیں اس کے ورثا کو پہنچا دیں۔ میں ایسے حالات میں بھی اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں جب دوسری قومیں امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ وہ قومیں کہتی ہیں کہ یہ خزانہ بڑا قیمتی اور پرکشش ہے لیکن خدا کی قسم میں کسی سے دھوکہ نہیں کروں گا جب تک میں زمین پر چلتا رہوں گا۔ میرے دادا عادیہ نے میرے لئے ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ تعمیر کر دیا ہے۔ اور اس نے میرے لئے ایک گہرا کنواں بھی کھود دیا ہے جس میں سے جب چاہوں پانی پیتا ہوں''۔ اسی سموال کا ایک قصیدہ عرب شاعری کی جان خیال کیا جاتا ہے پورا قصیدہ تو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے مگر اہل عرب کی صلاحیت اور ادبی مقام کو بیان کرنے کے لئے چند اشعار کا ترجمہ بیان کر رہا ہوں۔ یہ اشعار یقینی طور پر ہر علم وادب کے شیدائی کے لیے پڑھنے اور یاد کر لینے کے قابل ہیں۔

Marfat.com

ترجمہ اشعار قصیدہ سموال

''جب تک کسی شخص کی عزت کو بدنامی کا داغ نہ لے اس وقت تک وہ جو لباس بھی پہن لے اس کے جسم پر خوبصورت اور اچھا لگتا ہے۔ میری بیوی ہمیشہ میری توجہ اس طرف مبذول کراتی رہتی ہے کہ ہماری تعداد بہت کم ہے مگر میں اسے ہمیشہ یہ جواب دیتا ہوں کہ شریف لوگوں کی تعداد کم ہی ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی اولاد ہماری اولاد جیسی ہو وہ تعداد میں کبھی قلیل نہیں ہوتے۔ اور جن کے نوجوان اور عمر رسیدہ لوگ بلندیوں اور عظمت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے فخر میں رہتے ہوں انہیں کون قلیل تعداد میں کہے گا۔ یہ تعداد کا کم ہونا ہمارے لئے ہرگز نقصان کا باعث نہیں۔ جب تک ہمارے پڑوسی عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جب کہ اکثر لوگوں کے پڑوسی ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ ہمارے شب وروز دشمنوں کے نزدیک عمومی طور پر مشہور ومعروف ہیں۔ ہمارے لازوال کارناموں کی وجہ سے ان کے چہروں پر بھی سفید نشان ہیں اور ان کے پاؤں بھی روشن اور چمکدار ہیں''۔

مختصراً سموال نے جس طرح امراء القیس کی امانت کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنا بیٹا تک ذبح کروا دیا یقیناً یہ اہل عرب کی ایفائے عہد کی زریں مثال ہے۔

حاجب سردار بنو مضر

اہل عرب ایفائے عہد کو مال وجان کی قربانی دے کر بھی پورا کرتے تھے اسی سلسلے میں قبیلہ بنو مضر کے سردار حاجب کا واقعہ نہایت ہی دلچسپی کا باعث ہے۔ مشہور اہل علم ومحقق علامہ امام مرزوقی اپنی تصنیف میں تحریر کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ مضر کے لئے قحط سالی کا ارشاد فرمایا اور یوں ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان اقدس سے جو بات نکلی وہ ضرور پوری ہو کر رہی''۔ قبیلہ مضر سخت ترین قحط سالی کا شکار ہو گیا۔ متواتر سات سال تک بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسا یہاں تک کہ چاروں طرف گھاس گرمی کی شدت سے جل گئی۔ درختوں کے پتے جھڑ گئے اور وہ سوکھ کر مردہ ہو گئے تمام تالابوں اور چشموں کا پانی خشک ہو گیا۔ انسان اور جانور بھوک اور پیاس کے ہاتھوں مرنے لگے۔ سردار قبیلہ حاجب نے حالات کی مناسبت سے تنگ آ کر اہل قبیلہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور کہا میں نے فیصلہ کیا ہے شاہ ایران کسریٰ کے پاس جا کر اس سے درخواست کروں کہ ہمیں اپنے علاقے میں رہائش اختیار کرنے کی اس وقت تک اجازت دے جب تک ہمارے علاقہ میں قحط سالی ختم نہیں ہو جاتی۔ یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل کرتے ہوئے باقی بچ جانے والے لوگوں کی زندگیاں بچائی جا سکتی ہیں۔ اہل قبیلہ نے حاجب کی اس تجویز کو بہت پسند کیا اور درخواست کی کہ وہ پہلی فرصت میں ہی کسریٰ کے پاس جا کر اجازت حاصل کرے۔

حاجب کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوا اور اسے اپنی درپیش مشکلات کا حوالہ دیتے ہوئے رہائش کے لئے جگہ مانگی۔ شاہ ایران کسریٰ نے حاجب کی گفتگو سن کر کہا ''میں اچھی طرح جانتا ہوں تم لوگ لوٹ مار، قتل وغارت اور ایسی

ہی دوسری بری عادتوں کے خوگر ہو اس لئے میں تم لوگوں کو اپنے علاقے میں رہائش کے لئے جگہ دے کر اپنی قوم کے لئے مشکل پیدا نہیں کرنا چاہتا''۔ حاجب نے کسریٰ سے کہا ''میں اپنی قوم کی ضمانت دیتا ہوں کہ جب تک وہ تمہارے علاقے میں رہے گی کسی قسم کی غیر انسانی اور غیر اخلاقی حرکت نہیں کرے گی۔ نیز اس علاقے کے امن اور سکون کو بدستور برقرار رکھے گی''۔

کسریٰ نے حاجب سے کہا تمہارے اس دعویٰ کا کوئی ضامن ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر قائم رہو گے۔ حاجب نے اپنی کمان بطور ضمانت کسریٰ کو پیش کی۔ جب اس نے اپنی کمان کسریٰ کے سامنے رکھی تو اہل دربار کمان کی بظاہر خستہ حالت کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ مگر دوسری طرف کسریٰ نے وہ کمان بطور ضمانت قبول کر لی اور حاجب کو اہل قبیلہ کے ہمراہ اپنے سرسبز وشاداب علاقے میں قحط ختم ہونے تک رہنے کی اجازت دے دی۔ حالات وواقعات اس کے شاہد ہیں کہ جب تک قبیلہ مضر کسریٰ کے علاقے میں سکونت پذیر رہا ہر فرد اپنے سردار کے اس قول پر سختی سے قائم رہا۔ جب حاجب مر گیا تو اہل قبیلہ فخر کائنات تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اپنی تمام سابقہ غلطیوں کی معافی مانگنے کے لئے خدمت اقدس میں التماس کی۔ رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عفو درگزر کی عادت کریمہ کا مظاہرہ فرماتے ہوئے نہ صرف معاف ہی کر دیا بلکہ ان لوگوں کے لئے بارش کی دعا بھی مانگی۔ قدرت نے اپنے حبیب علیہ السلام کے صدقے موسلا دھار بارشیں عطا فرمائیں اور کچھ ہی عرصے میں قبیلہ مضر کا علاقہ پھر سے سرسبز وشاداب ہو گیا زندگی کی تمام رونقیں لوٹ آئیں۔ قبیلہ مضر ایرانی علاقہ چھوڑ کر دوبارہ اپنے مسکن میں منتقل ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حاجب سردار بنو مضر کا بیٹا عطارد جو باپ کے بعد سردار قبیلہ تھا شاہ ایران کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوا تاکہ اپنے باپ کی وہ کمان واپس لا سکے جو اس نے کسریٰ کے پاس بطور ضمانت چھوڑ رکھی تھی۔ (یاد رہے اہل عرب جہاں امانت کو اس کے اصل حقدار کے حوالے کرنے کو دین کا ضروری حصہ خیال کرتے تھے اسی طرح اپنی امانت واپس لینا بھی ان کے نزدیک دین کا لازمی حصہ تھا) عطارد نے کسریٰ سے کہا کہ قبیلہ مضر کی وہ کمان واپس کر دیں جو حاجب ان کے پاس بطور ضمانت رکھ گیا تھا۔ اب جبکہ ہمارا قبیلہ واپس اپنے مقام پر آباد ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو خوب پورا کیا ہے۔ کسریٰ نے کہا مگر تم تو وہ آدمی نہیں ہو جو کمان میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔ عطارد نے عرض کی آپ نے سچ فرمایا وہ میرا باپ تھا جس نے آپ کے پاس اپنی کمان چھوڑی تھی مگر اب وہ مر چکا ہے۔ اس لئے بحیثیت اس کا بیٹا اور سردار قبیلہ میں وہ کمان واپس لینے آیا ہوں۔ شاہ ایران نے عطارد کو نہ صرف اس کے باپ کی کمان واپس دی بلکہ بہت سا انعام وکرام اور خلعت بھی عطا کی۔ عطارد وہ خلعت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بطور ہدیہ خدمت میں پیش کی مگر رحمت عالم علیہ السلام نے وہ خلعت قبول نہ فرمائی۔ چنانچہ عطارد نے وہ خلعت ایک یہودی کے ہاتھ چار ہزار درہم میں فروخت کر دی۔ قبیلہ مضر کے نزدیک یہ بات باعث

Marfat.com

عزت وافتخار ٹھہری۔ قبیلہ مضر کی اس کمان کا مشہور عرب شاعر ابوتمام ذکر یوں کرتا ہے۔

''اگر بنومضر اپنی کمان کی وجہ سے فخر محسوس کرتے ہیں جوان کو کسریٰ نے واپس کی۔ تو اے میری قوم تم وہ دلیر اور بہادر ہو جن کی تلواروں نے جنگ ذی قار میں ان بادشاہوں کی افواج کو الٹ کر رکھ دیا جن کے پاس حاجب نے اپنی کمان گروی رکھی تھی''۔

منذر بن ماء السماء شاہ حیرہ

جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں اہل عرب کی ایفاء شعاری اور وفائے عہد کے حیرت انگیز واقعات سے تاریخ عرب کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ ان واقعات میں سے ہر واقعہ اپنی جگہ بیان کے قابل ہے مگر طوالت کے خوف سے چند واقعات بیان کر دینا ہی ممکن ہے۔ یہاں جو واقعہ بیان کر رہا ہوں وہ ایفائے عہد کی ایسی مثال ہے کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ آیا ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو وعدہ پورا کرنے کے لئے اپنا قیمتی ترین دولت یعنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ منذر بن ماء السماء حیرہ کا بادشاہ تھا اس نے ایک انوکھا اصول بناتے ہوئے اپنی طرف سے سال میں دو یوم مقرر رکھے تھے۔ ایک کا نام ''یوم نعیم'' یعنی خوشی اور بخشش کا دن رکھا ہوا تھا جبکہ دوسرے کا نام ''یوم البوس'' یعنی رنج الم اور دوسرے معانی میں سزا کا دن تھا۔

پہلے دن یعنی ''یوم نعیم'' کو صبح سویرے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلتا سب سے پہلے جس شخص پر اس کی نظر پڑتی اسے فوری طور پر سو اونٹ بطور انعام دیتا تھا۔ اور یوم البوس میں جب سوار گھر سے باہر نکلتا تو جس بدقسمت پر اس کی نظر پڑتی اسے فوراً قتل کروا دیتا تھا۔ انسانی عقل کا بھی عجیب حال ہے جو بھی اقتدار والا چاہے خود ساختہ قانون بنا کر مجبور عوام کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح منذر بن ماء السماء کا بنایا ہوا قانون انسانی عقل وشعور کا مذاق اڑانے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ بہر حال وہ بادشاہ وقت تھا اور اپنے قانون پر سختی سے عمل کرتا تھا۔ ایک دفعہ رفقاء کے ساتھ شکار کے لئے نکلا اور جنگل میں جانور کا پیچھا کرتے ہوئے ساتھیوں سے بہت دور نکل گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں نہ تو شکار اس کے ہاتھ آیا اور نہ ہی اس کے ساتھی مل سکے اب رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا اور آسمان سیاہ بادلوں سے گھرا ہوا تھا اچانک بارش بھی شروع ہوگئی۔ منذر بن ماء السماء سخت پریشان ہوا۔ ہر سمت ہو کا عالم تیز بارش اور وہ اکیلا۔ بارش سے بچنے کے لئے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسے مکان تک پہنچ گیا جس میں بنی طے کا ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اس شخص کا نام حنظلہ تھا۔ ماء السماء نے دروازے پر دستک دی جب حنظلہ اس قدر شدید بارش میں دستک کی آواز سن کر باہر نکلا تو ایک شخص کو پانی اور کیچڑ سے لت پت باہر کھڑا دیکھا۔ اجنبی نے پوچھا کیا مجھے رات بھر کے لئے پناہ مل سکتی ہے۔ حنظلہ نے فوری جواب دیا ضرور اندر تشریف لے آئیں۔ رات اور سخت بارش کی وجہ سے گھر سے باہر جانا ممکن نہ تھا اور عربوں کی عادت مہمان نوازی جو ان کا طرہ امتیاز تھی اسے

بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ حنظلہ نے بیوی سے مشورہ کیا کہ اب کیا کریں وہ بولی میرے پاس کچھ آٹا پڑا ہے جسے گوندھ کر میں روٹی پکاتی ہوں تم اپنی اکلوتی بکری کو فوراً ذبح کرو تاکہ مہمان کی خاطر تواضع کر سکیں۔

حنظلہ نے ماء السماء کے لباس اور سواری دیکھ کر یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ اجنبی کوئی معزز شخصیت ہے مگر وہ یہ ہرگز نہیں جانتا تھا کہ یہ اجنبی حیرہ کا بادشاہ ہے۔ بہر حال اس نے پہلے بکری کا دودھ دوہا (نکالا) پھر اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا اور روٹیوں کے ہمراہ اجنبی کی خدمت میں پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر رات بھر اس اجنبی کے ساتھ محو گفتگو رہا یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو مہمان نے بے حد شکریہ کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ جاتے جاتے اجنبی حنظلہ سے یوں مخاطب ہوا "اے میرے رحم دل میزبان میں حیرہ کا بادشاہ ہوں کبھی میرے ہاں ضرور تشریف لانا میں تمہیں اس مہربانی کا صلہ دوں گا"۔ حنظلہ نے وعدہ کیا کہ جب مجھے ضرورت محسوس ہوئی ضرور خدمت شاہ میں حاضر ہوں گا۔ کچھ عرصہ بعد حنظلہ کے علاقے کو سخت قحط نے آلیا اس کی مالی حالت نہایت گفتہ بہ ہوگئی۔ یہ حالات دیکھتے ہوئے حنظلہ کی بیوی نے اس سے کہا یاد ہے حیرہ کا بادشاہ ایک رات ہمارا مہمان رہا تھا اور جاتے ہوئے تمہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دے گیا تھا اب وقت ہے جاؤ اور اسے اپنے حالات سے آگاہ کرو۔ حنظلہ بیوی کی بات سن کر شاہ حیرہ سے ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا مگر بد قسمتی سے حنظلہ جس روز ماء السماء کے علاقے میں پہنچا وہ یوم بوس (منحوس) دن تھا شاہ حیرہ محل سے نکل کر باہر آیا تو سب سے پہلے اس کی نظر حنظلہ پر پڑی۔ شاہ حیرہ نے اسے فوراً پہچان لیا اور ہمراہ لے کر دربار میں آیا۔

ماء السماء نے دربار میں اپنی شاہی نشست پر بیٹھ کر تمام درباریوں کی موجودگی میں حنظلہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "اے میرے محسن کاش تم آج کے دن سب سے پہلے مجھے نہ ملتے کیونکہ آج میرے اصول کے مطابق یوم بوس ہے اور اس دن جو شخص سب سے پہلے میرے سامنے آتا ہے میں اس کو قتل کروا دیتا ہوں" حنظلہ نے کہا مگر اے بادشاہ مجھے تو آپ کے اس قانون کا قطعی علم نہ تھا۔ بادشاہ بولا مگر میں اپنے قانون کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تم تو میرے ایک رات کے محسن ہی ہوا گر آج کے دن میرا بیٹا قاموس بھی میرے سامنے آجاتا تو میں اس کو بھی قتل کروا دیتا۔ اب میرے لئے تمہیں قتل کرانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں اس لئے اگر تمہاری کوئی حاجت ہے تو مجھے بتاؤ پرانے احسان کی وجہ سے تمہاری حاجت ضرور پوری کروں گا۔ حنظلہ نے کہا اے بادشاہ اگر میرے قتل کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تو میری حاجت پوری کرتے ہوئے مجھے کچھ مہلت دو تاکہ میں اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنے اور ان کو آخری وصیت کرنے کے بعد تمہارے پاس واپس آسکوں۔ بادشاہ نے کہا اگر تم اپنا کوئی ضامن دے سکتے ہو تو تمہیں واپس جانے کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ حنظلہ نے دربار میں ادھر ادھر نظر دوڑائی اور شریک بن عمرو پر نظر پڑتے ہی اس سے درخواست کی کہ کچھ مدت کے لئے میری ضمانت دے دیں مگر عمرو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت بنی کلب کا ایک شخص قراد بن اجدع دربار میں موجود تھا۔ حنظلہ کی حالت زار دیکھ کر رحم کے جذبہ سے مغلوب ہو کر کھڑا ہوا اور

بادشاہ سے مخاطب ہو کر عرض کی "اے شاہ حیرہ میں اس شخص کا ضامن ہوں"۔

شاہ حیرہ نے حنظلہ کو ایک سال کی مہلت دیتے ہوئے پانچ سو اونٹنیاں اس کو بطور تحفہ دیں اور رخصت کیا۔

اس طرح ایک سال کا عرصہ گزرنے میں صرف ایک دن باقی رہ گیا مگر حنظلہ واپس شاہ حیرہ کے دربار میں نہ آیا۔ شاہ حیرہ نے قراد کو دربار میں طلب کیا اور کہا حنظلہ وعدہ کے مطابق ابھی تک واپس نہیں آیا اور تم اس کے ضامن ہو اس لئے اگر وہ کل تک واپس نہ آیا تو پورا سال مکمل ہو جائے گا اذریوں تمہیں اس کی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا مگر حنظلہ کا کہیں نام ونشان نہیں تھا شاہ حیرہ مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ یوم بوس کو نظر آنے والے پہلے شخص کو قتل کیا کرتا تھا۔ سپاہی قراد کو بھی وہاں لا چکے تھے شاہ حیرہ نے حکم دیا قراد کو سامنے لایا جائے جب وہ خدمت میں پیش کیا گیا تو جلاد کو حکم دیا اس کا سر قلم کر دو۔ حقیقت میں شاہ حیرہ چاہتا تھا کہ حنظلہ جس نے مہمان نوازی کا قابل تعریف مظاہرہ کیا تھا موت سے بچ جائے اس لئے وہ قراد کو فوری طور پر قتل کروانا چاہتا تھا۔ شاہ حیرہ کے وزراء نے کہا بادشاہ جب تک آج کا دن ختم نہ ہو جائے قراد کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آج دن ختم ہونے پر ہی سال کا عرصہ پورا ہوگا۔ سورج جب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تو قراد کو کپڑے اتار کر اسے ایک تہہ بند باندھ دی گئی اور اس مقام پر کھڑا کر دیا گیا جہاں قتل کرنے کی جگہ تھی۔ جلاد نے تلوار کو نیام سے باہر نکال رکھا تھا اور وہ بادشاہ کے اشارے کا منتظر تھا۔ عین اسی وقت لوگوں نے دیکھا کہ دور سے ایک انسان آتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ شاہ حیرہ نے جلاد سے کہا جب تک نظر آنے والا شخص قریب نہ آ جائے اور معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کون ہے قراد کو قتل نہیں کرنا۔ آنے والا قریب آیا تو سب نے پہچان لیا وہ حنظلہ تھا۔ شاہ حیرہ نے حنظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جب تم ایک بار قتل سے بچ گئے تھے تو پھر واپس کیوں آئے۔

حنظلہ نے جواب دیا "اے بادشاہ الوفا یعنی مجھے ہر حال میں کیا ہوا وعدہ پورا کرنا تھا۔ میں نہایت شرمندہ ہوں کہ وقت سے پہلے نہ آ سکا سفر کی مجبوری تھی۔

شاہ حیرہ نے حنظلہ سے پوچھا تمہیں وفا کا یہ درس کس نے دیا؟ اس نے جواب دیا میرے مذہب نے، شاہ حیرہ نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے؟ حنظلہ نے جواب دیا نصرانیت، بادشاہ نے کہا اپنے مذہب کی تعلیمات کے بارے میں مجھے بتاؤ۔ حنظلہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بارے میں چیدہ چیدہ باتیں بتائیں جنہیں سن کر شاہ حیرہ ماء السماء نے اسی وقت نصرانیت قبول کر لی۔ اسی طرح اہل حیرہ اپنے بادشاہ کی پیروی کرتے ہوئے اسی مذہب میں داخل ہو گئے۔

شاہ حیرہ نے اسی وقت اعلان کر دیا کہ سال میں جو دو دن مقرر تھے آج کے بعد میں ان کو ختم کرتا ہوں۔ پھر اس نے قراد اور حنظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "خدا کی قسم میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ تم دونوں میں سے زیادہ کریم اور وفادار کون ہے۔ کیا حنظلہ جو ایک مرتبہ قتل ہونے سے بچ گیا مگر دوبارہ خود ہی واپس آ گیا۔ یا وہ یعنی قراد جس نے حنظلہ

کی ضمانت دی۔ بہر حال میں ان دونوں سے زیادہ ذلیل اور کم ظرف بننا نہیں چاہتا''۔

حنظلہ نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کہا ''میں قراد کے اس حسن ظن کو جو اسے میرے بارے میں تھا ہرگز غلط ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ میری گمراہی نے مجھے بار بار وعدہ خلافی کے لئے اکسایا۔ مگر میں نے اپنی گمراہی یعنی نفس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور یوں اپنی شرافت پر حرف نہیں آنے دیا۔ میں ہر حال میں وعدہ پورا کرنے والا شخص ہوں۔ اور میں ہر احسان کے بدلے اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتا ہوں''۔

خاندان قریش

خاندان قریش کا تعلق اقسام عرب کی پہلی قسم یعنی حضری سے ہے یہ لوگ مکہ مکرمہ میں باقاعدہ تعمیری عمارات میں رہائش پذیر تھے ان کا گزر اوقات بدوی قبائل کی طرح لوٹ مار پر نہیں تھا بلکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے۔ اس لئے مال دار تھے۔ سرداری ان کے پاس تھی یہ لوگ عرب سے نکل کر شام، عراق، ایران اور دیگر دور دراز علاقوں تک جا کر تجارت کیا کرتے تھے۔ اہل قریش اس زمانے کے اعتبار سے ترقی یافتہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان قریش کو سرزمین عرب میں ممتاز مقام حاصل تھا۔

اہل عرب کی سرداریاں

حکومتیں، تجارتی حالات، اقتصادی حالات، ادیان و مذاہب، معاشرتی، اجتماعی واخلاقی حالات

یہ تمام حالات قرآن کریم، احادیث، تاریخ عرب، تاریخ عالم اور دیگر جو صحیح ذرائع موجود ہیں ان کے اعتبار سے ترتیب کے ساتھ یہاں بیان ہوں گے۔ دعا ہے اللہ کریم حق لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

گذشتہ صفحات میں تاریخ عرب قبل از اسلام کے بارے میں گفتگو چل رہی ہے یہاں اہل عرب کی حکومتیں، سرداریاں، تجارتی، اقتصادی، ادیان، معاشرتی واخلاقی واجتماعی حالات کے بارے میں تفصیلی گفتگو کر رہے ہیں کیونکہ اگر ان حالات کے بارے میں بیان نہ کیا جائے تو تاریخ عرب مکمل کرنے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ سرزمین عرب پر دو قسم کی حکمرانیاں تھیں جن کی مختصر تاریخ بیان کر چکے ہیں۔ یعنی حضری اور بدوی حکمران۔ تاج پوش حکمران مکمل طور پر آزاد نہ تھے بلکہ یہ لوگ رومی یا فارسی حکومت کے تابع تھے مثلاً عراق میں (شاہان حیرہ) یمن میں (شاہان یمن) شام میں (آل غسان) وغیرہ۔

1. شاہان حیرہ

عراق اور اس کے گردونواح میں اہل فارس کی حکمرانی تھی۔ فارسی حکومت (حکومت ایران) کوروش کبیر کے زمانے (557ق۔م) سے ہی چلی آرہی تھی۔ اس حکومت نے اس قدر طاقت وعروج حاصل کرلیا تھا کہ کوئی دوسری طاقت ان کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ آخر (333ق۔م) میں سکندر نے داراسوم (336-330ق۔م) کوشکست دے کر فارسیوں کی طاقت کمزور کردی۔ اور یوں ملک فارس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ فارس کی سرزمین پر انتشار کی یہ صورت تقریباً سن (230ء) تک قائم رہی۔ اس عرصہ میں قحطانی قبائل ترک وطن کر کے عراق کی سرزمین کے وسیع علاقہ میں پھیل کر آباد ہو چکے تھے۔ قحطانی قبائل کے زوال پر عدنانی تارکین وطن کا سورج طلوع ہوا ان لوگوں نے بزور شمشیر جزیرہ فرات کو اپنا وطن بنالیا۔ سن (226ء) میں اہل فارس کی قسمت کا آفتاب دوبارہ افق پر رونما ہوا اور یوں ان کو اردشیر کی شکل میں بادشاہ مل گیا۔ جس نے ساسانی حکومت کی بنیاد رکھی۔

اردشیر نے اہل فارس کی منتشر قوت کو بڑے تدبر اور محنت کے بعد ایک جھنڈے تلے اکٹھا کیا۔ پھر اس قوت کی مدد سے ایران کی سرحدوں پر آباد عرب قبائل کو زیر کیا۔ بنو قضاعہ تو نقل مکانی کرنے کے بعد ملک شام کی طرف نکل گئے جبکہ حیرہ اور ابناء نے اہل فارس کا باجگزار بننا قبول کرلیا۔ شاہ فارس کی طرف سے جذیمۃ الوضاع بادیہ عراق، ربیعی اور مضری قبائل پر حکمران تھا۔ شاہ فارس، اردشیر اچھی طرح جانتا تھا کہ اہل عرب پر براہ راست حکمرانی کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے اس نے سیاسی حکمت عملی کے تحت اپنی زیر سرپرستی عرب قبائل پر ان میں سے ہی کسی ایسے شخص کو حکمران بنا دیا جسے اہل کنبہ اور قبیلے کی مکمل حمایت حاصل ہو۔ اس طرح ایک طرف تو عرب باشندے خوش ہو گئے اور دوسری طرف شاہ فارس نے اپنے قدیم دشمنوں یعنی اہل روم کے اچانک حملوں کی صورت میں اپنا دفاع بھی کرلیا۔ ابتداء میں حکمرانی اور حیرہ کی ذمہ داری قبائل جذیمہ کے سردار الوضاع کے پاس تھی اس کے مرجانے کے بعد یہ سرداری وحکمرانی قبیلہ نعم کے پاس چلی گئی۔ شاہان حیرہ 115ق م سے 525ء تک حکمران رہے۔

قبیلہ نعم حاکم حیرہ

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ابتدا میں قبیلہ جذیمہ حیرہ کا حاکم تھا مگر اس قبیلے کے سردار الوضاع کے انتقال کے بعد قبیلہ نعم کا عمرو بن عدی حاکم حیرہ بنا اور حیرہ کی حکمرانی قبیلہ نعم کے حصہ میں آئی۔ فارس کے بادشاہ شاپور اور اردشیر کے زمانہ میں یہی عمرو بن عدی حاکم حیرہ تھا۔ پھر شاہ فارس قباذ بن فیروز کے عہد تک حیرہ کا تخت خاندان نعم کے قبضہ میں ہی رہا قباذ بن فیروز شاہ فارس ہی تھا کہ اس زمانہ میں مزدک نامی ایک شخص نے نیا دین نکالا خود شاہ فارس اور اسکے بہت سے ساتھی مزدک کے پیروکار ہو گئے۔ قباذ بن فیروز شاہ فارس نے حیرہ کے حکمران منذر بن ماء السما کو پیغام

بھیجا کہ تم بھی میرے پیرومرشد یعنی مزدک کا مذہب اختیار کرلو مگر منذر نے ایسا کرنا اپنی غیرت کے خلاف سمجھا اور اس نے شاہ فارس قباذ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا یہ انکار سن کر قباذ شاہ فارس نے منذر کو حیرہ کی حکمرانی سے معزول کر دیا اور اسکی جگہ حارث بن عمرو کو جو کہ مزدک کا پیروکار تھا حاکم حیرہ بنا دیا کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا مگر قباذ بن فیروز کے انتقال کے بعد تخت فارس پر کسریٰ نوشیرواں آبیٹھا۔ یہ شخص ہر مذہب کا باغی تھا اس لیے تخت نشین ہوتے ہی حارث بن عمرو حاکم حیرہ کو اس نے معزول کر دیا اور اسکی جگہ منذر کو دوبارہ حیرہ کا حکمران بنا دیا۔

کسریٰ نوشیرواں نے مزدک اور اسکے لاتعداد ساتھیوں کو قتل کروا دیا اور حاکم حیرہ حارث بن عمرو کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ حارث ہوشیار آدمی تھا کسریٰ کا ارادہ سمجھ گیا اور حیرہ سے بھاگ کر بنو کلب کے علاقہ میں پناہ گزین ہوا اور پھر وہیں اسکا انتقال ہوا۔ منذر بن ماء السماء حیرہ پر حکمرانی کرتا رہا اسکے مرجانے کے بعد اسی کا بیٹا نعمان بن منذر حیرہ کا حکمران بنا۔ جو نہایت عقل مند اور صاحب کمال شخص تھا۔ اسکی دانائی اور ہر دل عزیزی سے حسد رکھتے ہوئے زید بن عدی نے شاہ فارس کسریٰ سے نعمان بن منذر کی اس انداز میں جھوٹی شکایت کہ کہ کسریٰ نعمان بن منذر کے سخت خلاف ہو گیا اور اسے فوری دربار میں طلب کیا نعمان بن منذر کسریٰ کی نیت کو سمجھ گیا اور وہ چپکے سے اپنے اہل عیال اور تمام دولت کو لے کر بنو شیبان کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ اپنا مال اور اہل عیال سردار بنو شیبان ہانی بن مسعود کے پاس بطور امانت چھوڑ کر کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوا کسریٰ نے نعمان بن منذر کو قید کر دیا اور یوں وہ حالت قید میں ہی مر گیا۔

بنوشیبان

شاہ فارس کسریٰ نے نعمان بن منذر کو قید کر لیا اور اسکی جگہ ایاس بن قبیعہ طائی کو حیرہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ کسریٰ نے ایاس کو حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سردار بنو شیبان سے نعمان بن منذر کی رکھی ہوئی امانت واپس طلب کرے۔ اس نے کسریٰ کے حکم پر ہانی بن مسعود سے امانت طلب کی۔ ہانی ایک غیرت مند اور شجاع سردار تھا اس نے ایاس کو امانت واپس کرنے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ حکومت حیرہ کے خلاف اعلان جنگ بھی کر دیا۔ ایاس حیرہ، مرزبان اور کسریٰ کا لشکر لے کر ہانی کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں میدان ذی قار میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ شدید خونریز جنگ کے بعد بنو شیبان نے ایاس کو شکست فاش دی۔ اہل عرب کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے عجمی افواج اور وہ بھی فارسیوں کی عظیم طاقت پر فتح حاصل کی۔

فارسیوں کو جب میدان ذی قار میں عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تو کسریٰ کی طاقت کو شدید جھٹکا لگا۔ اس جنگ کے چند روز بعد ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس پیدائش مبارکہ ہوئی۔ چند مفسرین نے لکھا ہے کہ پیدائش مبارکہ تقریباً آٹھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ اس طرح سردار بنو شیبان کچھ عرصہ اپنی فتح کا مزہ لے سکا کہ سن (632ء) میں نعمی خاندان دوبارہ حیرہ کی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایاس کی شکست کے بعد کسریٰ

نے حیرہ پر ایک فارسی حکمران مقرر کر دیا، مگر وہ اپنی کمزوری اور نعمیوں کی طاقت کے سامنے ٹھہر نہ سکا اس طرح دنیا کی اس عظیم طاقت فارس کو حیرہ سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ منذر بن معرور نامی ایک شخص بنو نعم میں سے حاکم حیرہ بنا۔ اس شخص کو حکومت حیرہ کی باگ ڈور سنبھالے صرف آٹھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدین اسلام کے ہمراہ حیرہ پر حملہ آور ہوئے اور یوں طاقت حیرہ سیف اللہ سیدنا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ریت کا ٹیلہ ثابت ہوئی۔ حیرہ کی قدیم تاریخی بادشاہت حکومت اسلام کا حصہ بن گئی۔ تاریخ اسلام میں حیرہ کی فتح اور اسکا اسلامی ریاست میں شامل ہونا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ حیرہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کی طرف قدم بقدم فتح وکامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے رواں رہے یہاں تک کہ دار الحکومت کو روندنے ہی والے تھے کہ خلیفہ اسلام سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو شام کے محاذ پر رومیوں سے نمٹنے کے لئے واپس طلب فرمالیا اور پھر بعد میں خلیفہ دوئم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فارس کی فتح کا سہرا جنگ قادسیہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر رہا۔

2. سلطنت یمن

اہل عرب کی اقسام میں عرب عاربہ کی قدیم ترین قوم باشندگان یمن تھے۔ یمن جزیرہ نمائے عرب کا انتہائی جنوبی حصہ ہے۔ اس کے شمال میں بلاد عیر ہے۔ زمانہ قدیم میں یہاں کے باشندے حمیر کہلاتے تھے۔ اہل مصر، اہل حبشہ اور اہل فارس ہند کے سمندر (بحر ہند) سے ہوتے ہوئے اس علاقہ میں تجارت کی غرض سے آئے تھے اور یوں یمن کے باشندوں سے انکے اچھے تجارتی تعلقات تھے۔ یمن کے علاقہ میں ایک منظم حکومت قائم تھی حمیر کی اس حکومت کو قوم سباء نے حاصل کیا اور شہر صنعاء کو اپنا مستقر بنایا۔ آج کل بھی یمن کے سب سے بڑے امیر کا یہی شہر دار الحکومت اور مستقر ہے۔ بہر حال ان قدیم ترین باشندوں کو تاریخ میں قوم سبا کہا جاتا تھا۔ محکمہ آثار قدیمہ عراق نے کھدائی کے دوران جو کتبات حاصل کئے ان کے مطابق تقریباً (2500 ق م) میں قوم سباء کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تاریخ عرب و تاریخ عالم و تاریخ یونان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو اصل معنی میں عروج (1100 ق۔م) میں حاصل ہوا۔ اسطرح قوم سباء مختلف ادوار میں ترقی وتنزلی کی جن جن منازل سے گزری انکا مختصراً ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قوم سباء کی تاریخ گو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں مگر یہاں اس قوم کی خصوصی طور پر یمن کی حکومت کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس تاریخ کو ہم چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مقدسہ سے تقریباً سات صدیاں پہلے قوم سبا کو عروج حاصل تھا۔ اور حکمران سبا مکرب کا لقب اپنے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس قوم کا صرواح شہر دار الحکومت تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات

دور حاضر میں بھی موجود ہیں۔ لقب مکرب یا مکارب دو لفظوں کا مرکب ہے یعنی ''مکا'' اور ''رب''۔ مکا کے معنی مذہبی بادشاہ کے ہیں جبکہ رب کے معنی بڑا اور بادشاہ کے ہیں۔ عام طور پر اس وقت مکا مذہبی بادشاہ یا کاہن کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ مقام یا قلعہ صرواح سبا کے کاہن بادشاہوں کا مسکن تھا۔ اس قوم کی مدت حکمرانی تقریباً ساڑھے تین سو سال (350) یا زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار سو سال (450) کے قریب بنتی ہے۔ نسل کے اعتبار سے اگر پچاس سال فی پشت خیال کئے جائیں تو اسطرح نو (9) پشتوں کا زمانہ بنتا ہے اور اگر پچیس سالہ عمومی طور پر مروجہ دور حکومت لگایا جائے تو اٹھارہ (18) پشتیں بنتی ہیں۔ مگر تاریخ میں ہمیں پورے نام نہیں ملتے جس قدر مل سکے وہ تحریر کر رہے ہیں۔ ملکہ سبا اس قوم کی مشہور شخصیت تھی (سورۃ النحل آیت 22، 23، 31) جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ حکومت 986 سے 932 قبل مسیح تک شمار ہوتا ہے۔ مورخین کے مطابق سباء کی راجدھانی 930 ق م سے 115 ق م تک رہی۔ ساتویں صدی ق م کے بہت سے کتبے دستیاب ہوئے ہیں۔ سبائی حکمرانوں کے نام اگر غور سے پڑھ کر آخری حرف دیکھا جائے تو یہ تمام لوگ یا تو ایک خاندان سے ہی تعلق رکھتے تھے یا پھر انکا ایک دوسرے کے ساتھ قریبی نسبی تعلق ضرور تھا۔ حکمران سبا کے نام کچھ یوں تھے۔

قوم سبا کے حکمران

1. نومر علی مکارب
2. یدع ایل وزح بن سمہی علی نیوف
3. یثع امروتار بن سمہی علی نیوف
4. یثع امر بین بن سمہی علی نیوف
5. کرب ایل نیوف بن زمر علی
6. سمہی علی نیوف بن زمر علی
7. کرب ایل، بین بن یثع امروتار
8. یدع ایل بین بن یثع امروتار وغیرہ

قوم سبا نے اسقدر عروج حاصل کیا کہ اس قوم نے اندرون اور بیرون عرب اپنی بے شمار نو آبادیات قائم کر لی تھیں۔ قوم سبا نے بعد میں صرواح کی بجائے مآرب کو اپنا دار الحکومت بنالیا اور یوں ان لوگوں نے مکرب کا لفظ چھوڑ کر اپنے لیے بادشاہ (ملک) کالقب استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس مآرب شہر کے کھنڈرات اب بھی صنعاء سے ساٹھ میل دور موجود ہیں۔

Marfat.com

حکمران سباء یمن کی انتظامی تقسیم

حکومت یمن جس پر ابتدا میں قوم سبا حاکم تھی انکے زمانہ میں ملکی تنظیم کی تقسیم اسطرح تھی۔ یہ لوگ قلعہ تعمیر کرتے جنکی تقسیم اسطرح کرتے۔

1. ابتدا میں قلعہ تعمیر کیا جاتا پھر اس قلعے کے اطراف میں گاؤں کی شکل میں مختصر آبادیاں ہوتی تھیں۔ ان آبادیوں کے مجموعہ کو محفد کہا جاتا تھا۔ اس قلعہ کا حاکم یعنی قلعدار ان تمام آبادیوں کا حکمران ہوتا تھا۔ حکمران قلعہ کا لقب ذو ہوتا تھا۔ جیسے مثلاً ذوغمدان وذوثعلبان وغیرہ، لفظ ذواضافت کے ساتھ مالک یا صاحب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
2. بہت سے ایسے قلعے مل کر ایک ''مخلاف'' کے تحت ہوتے تھے۔ یعنی موجودہ ترتیب حکومت کے مطابق ''مخلاف'' کو صوبہ کہا جاسکتا ہے۔ مخلاف ان قلعوں کا حکمران ہوتا جو ''قیل'' کا لقب استعمال کرتا تھا۔ ایقال قیل کی جمع ہے۔
3. ملکی تقسیم کے اعتبار سے جتنے بھی ایقال تھے وہ سب اس قوم کے بادشاہ کے ماتحت ہوتے۔ اسی کو مکارب سبا، ملک سبا یا بادشاہ سبا کہا جاتا تھا۔

سد مآرب یعنی مآرب ڈیم

عرب کے جغرافیہ پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس خطے میں کوئی دریا یا نہر نہیں ہے۔ اس علاقے کے باشندے بارشوں کے پانی کو جمع کر کے اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں پہاڑی چشمے بھی موجود تھے جن کا پانی اس علاقے میں رہنے والوں کے لئے آب حیات سے کم نہ تھا۔ اس علاقے کے لوگ بارشوں اور چشموں کے پانی سے بہت کم فوائد حاصل کرتے کیونکہ ان پانیوں کو محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ انکے پاس نہ تھا نتیجتاً زیادہ تر پانی بہہ کر وادی کے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ریگستان میں جذب ہو کر ضائع ہو جاتا۔ قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی عظیم دولت سے خصوصی طور پر نواز رکھا تھا۔ اس قوم کو فن تعمیر اور ہندسہ میں بہت کمال حاصل تھا۔ اس قوم نے بارشوں اور چشموں کے تمام پانی کو استعمال میں لانے کے لئے حدود حکومت میں قریباً سو سے زائد بند تعمیر کئے تاکہ قدرت کی اس عظیم نعمت سے صرف انسانی بقا کا کام ہی نہ کیا جائے بلکہ اس پانی سے باغات و زراعت کو سرسبز و شاداب بنا کر دیگر انسانی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ مذکورہ بندوں میں سب سے زیادہ عظیم الشان اور بڑا بند (ڈیم) ''سد مآرب'' دارالحکومت ''مآرب'' میں بنایا گیا۔ سد مآرب فن تعمیر کا عظیم الشان شاہکار تھا۔ سد مآرب کی طرز تعمیر پڑھ کر آج کا ترقی یافتہ انسان بھی حیران رہ جاتا ہے کہ صدیوں پہلے موجودہ دور کی مانند ذرائع اور دیگر سہولتیں نام کو بھی نہ تھیں قوم سباء نے ایسا لاثانی شاہکار ڈیم تعمیر کیا اور اس کے پانی سے باغات اور زراعت کو ایسی ترقی دی کہ یمن کا وہ ٹکڑا جنت نظیر کا نقشہ

پیش کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس وحضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سد مآرب قوم سباء کی ملکہ بلقیس کے حکم پر تعمیر کیا گیا۔ ڈیم (بند) کو تعمیر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل سبا بارشوں کے پانی کو اپنی اپنی وادیوں میں لے جانے پر لڑتے رہتے تھے۔ پانی کو ذخیرہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لئے بارشوں کے دوران لوگ وادی میں بہنے والے پانی کا اپنی اپنی زمینوں کی طرف رخ تبدیل کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان ہوتے رہتے۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بند سباء بن یشجب نے تعمیر کرایا تھا جو اپنی عمر میں اسکو مکمل نہ کرا سکا بعد میں حمیر کے بادشاہوں نے اسکو مکمل کرایا۔ علامہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سد مآرب کو جس شخصیت نے مکمل کرایا اس شخص کا نام لقمان بن عاد تھا جبکہ علامہ کمال الدین الدمیری لکھتے ہیں کہ سد مارب ملکہ سباء (بلقیس) نے تعمیر کرایا۔ ملکہ بلقیس نہایت مدبر، دور اندیش اور فہم فراست کی مالکہ تھی اس نے اس باہمی کش مکش کو ختم کرنے کے لئے دو پہاڑوں کے درمیان بڑے بڑے پتھروں کو تاروں کی مدد سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کروا کے ایک دیوار بنوادی جسے لغت حمیر میں عم کہتے تھے۔ اس طرح بارشوں کا پانی اس دیوار نے روک لیا۔ اس عم یعنی بند کے تین درجے تھے اور پانی کے نکاس کے لئے بارہ مختلف راستے (Spill water ways) بنائے گئے تھے جن کی مدد سے زراعت اور دیگر ضروریات کے لئے پانی کو استعمال میں لایا جاتا تھا یوں اس بند کی تعمیر سے اہل سبا کی نہ صرف باہمی چپقلش ہی ختم ہوگئی بلکہ ایک دیرینہ مسئلے کا ایسا حل مل گیا جسکی وجہ سے قوم سبا کی کھیتیاں سرسبز اور انواع اقسام کے میوہ جات سے لد گئیں۔

سد مآرب کی طرز تعمیر

مقام مآرب کے جنوب میں دائیں اور بائیں دو پہاڑ ہیں جو کوہ ابلق کے نام سے مشہور ہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان نہایت وسیع طویل وعریض وادی ہے جسکو وادی اذنیہ کہتے ہیں۔ جب بارشیں ہوتیں تو چشموں کا پانی بھی کناروں سے باہر نکل آتا یوں بارشوں اور چشموں کا پانی مل کر وادی میں بہنے لگتا اسطرح مذکورہ وادی ایک عظیم دریا کی شکل اختیار کر جاتی۔ پھر یہ پانی بہتا ہوا ریگستان میں پہنچ کر ریت کی گہرائیوں میں یوں جذب ہو کر غائب ہو جاتا جیسے گویا وہاں پانی کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ قوم سباء نے اپنی ملکہ کے حکم سے قدرت کی اس عظیم نعمت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور یوں اہل سباء کے ماہرین تعمیرات اور علم ہندسہ نے مل کر پانی کو محفوظ کرنے کے لئے بند بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اسطرح 800 ق۔م میں کوہ ابلق کے دونوں پہاڑوں کے درمیان بند باندھنا شروع کر دیا اور نہایت محنت اور مہارت سے کئی سالوں میں ایک عظیم الشان بند تیار کر دیا۔ پانی کو پہاڑوں کے درمیان روکنے کے لئے ایک سو پچاس (150) فٹ اونچی اور پچاس فٹ چوڑی پتھروں کی دیوار تیار کی جسکو لوہے کی تاروں کی مدد سے پتھروں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا گیا۔ زمانہ گزر جانے کے بعد گو اس دیوار کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو چکا ہے مگر اب بھی

اس دیوار کا کچھ بچا ہوا حصہ موجود ہے۔ سد (ڈیم) مآرب اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ موسموں کے تبدیل ہونے کی صورت میں آب پاشی کے لئے پانی کے اوپر نیچے تین درجے قائم کئے تھے ہر درجے میں تیس تیس کھڑکیاں رکھی تھیں جن کے دروازے کھول کر حسب ضرورت پانی استعمال کیا جاتا اور پھران دروازوں کو بند کر دیا جاتا۔ ان درجوں کے نیچے ایک بہت بڑا حوض بنایا گیا تھا جسکی بائیں اور دائیں جانب دو بڑے بڑے آہنی پھاٹک بنائے گئے جن کے ذریعے حوض کا پانی تقسیم ہو کر مآرب کی دونوں جانب بنائی گئی نہروں میں چلا جاتا پھران نہروں کے پانی کو آگے تقسیم کرنے کے لئے راجبائے (کھالے) بنائے گئے جن سے ہوتا ہوا کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتا۔ نہروں کی تعداد بارہ تھی۔ اسطرح قریبا تین سو مربع میل تک کا علاقہ اس پانی سے سیراب ہوتا۔ اس علاقے میں حد نگاہ تک چھواروں کے باغات ہر قسم کے میووں اور پھلوں کے لاتعداد درخت خوشبوؤں کے کھیت جن میں دارچینی، عود، بلساں، عنبر اور اسطرح کے بے شمار گنجان خوشبودار درختوں کی بہتات تھی یوں تین سو مربع میل کا علاقہ گویا جنت الفردوس کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ ابن منبہ کہتے ہیں کہ اس علاقے میں میوہ جات کی کثرت کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی عورت یا مرد کسی بھی موسم میں سر پر ٹوکری رکھ کر ان باغات کے اندر سے گزرتا یا گزرتی تو ہاتھ لگائے بغیر انکی ٹوکری پکے ہوئے پھلوں کے خود بخود ٹپکنے سے بھر جاتی۔ قرآن کریم میں خالق کائنات نے اس قوم کو ملنے والی عظیم نعمت کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ سورہ سبا آیت 15۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''بے شک سباء کے لئے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ داہنے اور بائیں۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر۔ اور بخشنے والا رب (سورۃ سباء آیت 15)

سد (ڈیم) مآرب اہل سباء کی تعمیری مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

(از البدایہ والنہایہ، جلد۔2، صفحہ۔158)

اہل سباء کے شب وروز

اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو اپنی لاتعداد نعمتوں سے نواز رکھا تھا انکے علاقے میں ہر سو خوشبوؤں پھلوں، پھولوں اور دیگر میوہ جات کے درختوں کی کثرت تھی۔ سد مارب کی وجہ سے ان قدرتی نعمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ قوم سبا تجارتی میدان میں بھی انتہائی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اس علاقے میں معدنیات کے بے پناہ ذخائر موجود تھے۔ سونا، چاندی، قیمتی جواہرات کی بہتات تھی۔ ملک میں پھیلے ہوئے چمنستانوں کی وجہ سے آب وہوا میں اس

Marfat.com

قدر اعتدال وسرور کیف تھا کہ یہ لوگ شب وروز خوش عیشی فارغ البالی اور اطمینان سے زندگیاں بسر کر رہے تھے۔
قدرت نے اس قوم کو ایک ایسی نعمت خاص عطا فرما رکھی تھی جو بہت ہی کم قوموں کو نصیب ہوئی وہ یہ کہ اس علاقہ میں مچھر، پسو، سانپ، بچھو وغیرہ اور دیگر ایذا رساں جانوروں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ پورا علاقہ نہایت پاک وصاف تھا۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی عطا شدہ عنایات کا اندازہ اس بات سے باخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی دوسرے علاقے کا کوئی ایسا شخص جس کے بالوں یا کپڑوں میں جوئیں وغیرہ ہوتیں جب قوم سبا کے علاقے میں آجاتا تو اسکی سب جوئیں وغیرہ مر جاتی تھیں۔ اہل سبا کی اس قابل رشک زندگی کا ذکر کرتے ہوئے جس میں ان کے شب وروز گزر رہے تھے مشہور یونانی مورخ اگا ترشیڈ جو 145 ق۔م میں تھا اہل سبا کے بارے میں یوں رقمطراز ہے۔

''سباء عرب آبادان میں رہتے ہیں جہاں کثیر تعداد میں اچھے اچھے میوہ جات پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی زمین سمندر کے ساتھ لگتی ہے جس میں بلسان اور ایسے ہی خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں بڑے ہی خوبصورت ہوتے ہیں۔ ملک کے اندرونی حصے میں بخورات، دارچینی اور چھوارے کے بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں۔ ان درختوں سے نہایت ہی پر کیف خوشبو اطراف میں پھیلتی رہتی ہے۔ درختوں کی اس قدر کثرت ہے کہ تمام درختوں کی اقسام انکے نام اور اوصاف تحریر کرنا مشکل ہے۔ ان درختوں سے اڑنے والی خوشبو گویا ایسی ہے جیسے جنت کی خوشبو مختصراً اس خوشبو کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ زمین سے دور ساحل سمندر سے گزرنے والے لوگ جب ان درختوں سے اڑنے والی خوشبو کو ہوا کی لہروں کے ساتھ سونگھتے ہیں تو گویا جھوم جھوم جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ خوشبو آب حیات کا کام دیتی ہے تو پھر بھی یہ تشبیہ شاید اسکی محسوس کی جانے والی لطافت کا پورا حق ادا نہ کر سکے۔ اہل سباء دولت کے میدان میں اپنے علاقہ میں سب سے زیادہ مال دار ہیں۔ سونا اور چاندی کثیر مقدار میں ہر طرف سے انکے ہاں لایا جاتا ہے۔ یہ علاقہ کیونکہ بہت دور واقع ہے اس لئے کوئی بھی حملہ آور اس طرف نہیں گیا یوں یہ علاقہ کبھی کسی نے فتح نہیں کیا۔ اہل سبا کے دربار میں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے برتن استعمال ہوتے ہیں۔ دربار کے تخت ودیگر نشست گاہیں نہایت ہی خوبصورت ہیں جن کے ستونوں کو سونے اور چاندی کے شاندار بیل بوٹوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ محلات اور دربار کے دروازے زر وجواہر کے نقش ونگار سے بنائے گئے ہیں۔ اس تمام آرائش و زیبائش کو بڑی محنت اور ہنر مندی سے بنایا گیا ہے''۔

شہر افسس کا مشہور مورخ آرٹی میڈور جسے بعض کتب میں آرٹی میڈ رورس کے نام سے بھی لکھا گیا ہے 100 ق۔م میں ہوا اہل سبا کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتا ہے۔

''قوم سباء کے بادشاہ کا تخت وایوان مآرب میں ہے۔ یہ جگہ اطراف سے درختوں میں گھری ہوئی ہے۔ قوم نہایت خوش حال ہے۔ میوؤں ودیگر پھلوں کی کثرت نے پوری قوم کو نہایت سست اور ناکارہ بنا دیا ہے۔ عوام اکثر خوشبو دار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبو دار درختوں کی

لکڑی استعمال کرتے ہیں۔قوم کے بعض افراد زراعت کے پیشے سے بھی منسلک ہیں۔ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ملکی اور غیر ملکی مصالحوں کی تجارت کرتا ہے۔ یہ مصالحے ساتھ والے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں۔تاجر لوگ چمڑے کی کشتیوں پر بیٹھ کر دریا عبور کرتے ہیں اور مصالحے و دیگر اشیاء لاتے ہیں۔قوم سبا کے قرب وجوار میں رہنے والے قبائل سبا والوں کے ہاں آ کر تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور پھر آگے اپنے ہمسایہ لوگوں کو فروخت کر کے گزر اوقات کرتے ہیں۔اس طرح یہ لوگ سامان تجارت خریدتے اور فروخت کرتے ہوئے ملک شام اور اسکے جزائر تک پہنچ جاتے ہیں''۔

سدِّ مآرب یا بند (ڈیم) مآرب

قوم سبا کوئی جنگجو قوم نہ تھی بلکہ یہ صلح پسند ماہر تعمیرات اور تاجر پیشہ قوم تھی۔اس قوم نے اپنی تمام تر صلاحیتیں تعمیرات اور تجارت کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تعمیر شدہ عمارات کے کھنڈرات عہد اسلام تک باقی تھے۔اسلامی مورخین نے جابجا ان تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔قصیدہ حمیرہ جو کہ نشوان بن سعید حمیری نے تحریر کیا تھا اس میں تقریباً پچیس سبائی عمارتوں کا ذکر ملتا ہے۔ان تعمیرات میں سب سے زیادہ مشہور اور عجوبہ زمانہ تعمیر سدِّ مآرب یعنی مآرب ڈیم تھا۔

قوم سباء نے عرب کے خشک حالات اور پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے پہاڑوں کو کاٹ کر بڑے بڑے بند تعمیر کر رکھے تھے۔دار الحکومت مآرب کے جنوب میں واقع کوہ ابلق کے دو پہاڑوں کے درمیان وادی اذینہ ہے۔بارشوں کا پانی اردگرد سے آکر اس وادی میں اکٹھا ہو جاتا تھا۔800 قبل مسیح میں اس قوم نے ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار تعمیر کی جس کے اندر بارشوں کا پانی محفوظ کر لیا جاتا اور پھر سارا سال اس ڈیم کے پانی کو استعمال میں لایا جاتا تھا۔پانی کو روکنے کے لئے جسطرح آجکل ڈیم میں دروازوں کا استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح قوم سبا نے بہت سے چھوٹے چھوٹے دروازے بنا رکھے تھے پھر ڈیم کی بائیں اور دائیں جانب مشرق و مغرب میں دو بڑے گیٹ (پھاٹک) بنا رکھے تھے۔حسب ضرورت انکو کھول کر ضرورت کے مطابق پانی استعمال کیا جاتا جس سے زمینوں کو کاشت کے لئے سیراب کیا جاتا۔وادی چپ راست کی تقریباً تین سو مربع میل اراضی اس بند کے پانی سے سیراب کی جاتی تھی اسطرح ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور خوشبودار درخت موجود تھے۔ گویا یہ وادی جنت الفردوس کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ان خوشبودار باغات کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ
كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ
غَفُورٌ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''اہل سبا کے لئے خود ان کی آبادی میں قدرت کی ایک عجیب نشانی موجود تھی۔ دو باغوں کی شکل میں دائیں اور بائیں، سبا کے لوگو۔ اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اسکا شکرادا کرو۔ یہ شہر پاکیزہ ہے اور تمہارا رب بخشنے والا ہے''۔ (سورۃ سباء آیت 15)

دوسرا دور

قوم سباء کے بارے میں تورات مقدس میں کافی تفصیل موجود ہے۔ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ قوم سبا کے بادشاہ اسکونذریں دیں گے اور سونا پیش کریں گے۔ قوم سبا کی دولت وعظمت کا حال تورات نے بیان کیا ہے۔ اس دور میں قوم سبا بہت خوشحال تھی۔ خوشحالی کی وجہ سے نہایت سست اور کاہل ہو چکی تھی۔ تاریخ قدیم کا مورخ آرٹی میڈوروس کہتا ہے یہ قوم ہر وقت خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹی رہتی۔ جلانے کے لئے بھی یہ لوگ عام لکڑی کی بجائے دارچینی اور دیگر خوشبودار لکڑی استعمال کرتے۔ چمڑے سے تیار شدہ کشتیوں میں سوار ہوکر ارد گرد کے علاقوں میں تجارت کی غرض سے جاتے یہ لوگ مصالحہ (مسالا) جات کی تجارت کرتے مگر اکثریت کھیتی باڑی کے پیشہ سے منسلک تھی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ جب کوئی قوم ترقی وعروج کی انتہا کو پہنچ جائے تو پھر اسکی تنزلی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ قوم سباء کے ساتھ بھی پیش آیا۔

تیسرا دور

قوم سباء جب ترقی کے عروج کو چھونے لگی تو اسکی اپنی ذاتی سستی اور کاہلی کی وجہ سے زوال نے آلیا۔ 300 ق۔م سے 115 ق۔م کا دور اسکے زوال کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس دور میں قوم حمیر نے سبا کی قوم پر غلبہ حاصل کرلیا اور مآرب کی بجائے ریدان کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔ کچھ عرصہ بعد شہر ریدان کا نام تبدیل کر کے ظفار (ضفار) رکھ دیا گیا۔ اس شہر کے کھنڈرات آج بھی مدور پہاڑی پر موجود ہیں۔ ظفار (Dhofar) زمانہ قدیم میں یمن کا علاقہ تھا اور اب ظفار اومان یعنی عمان کا حصہ ہے۔ یہ ایک قدیم بندرگاہ ہے۔ شمالی حجاز کے علاقے میں نبطیوں نے اپنا اقتدار قائم کیا اور قوم سبا کی نوآبادیات کو ختم کر دیا۔ اسطرح سبائی مجبوراً اس علاقے سے نقل مکانی کر گئے۔ ادھر حکومت روم نے قوم سبا کے بحری تجارتی راستے یعنی مصر اور شام پر قبضہ کرلیا۔ اسطرح آہستہ آہستہ قوم سبا کی تجارت قصہ پارینہ بن گئی۔ قحطانیوں نے پہلے کچھ عروج حاصل کیا مگر بعد میں باہم دست وگریبان ہوکر اسقدر کمزور ہو گئے کہ اپنا وطن چھوڑ کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ اسطرح ہر کمال را زوال کے محاورہ کے مطابق قوم سبا زوال پذیر ہوگئی۔

چوتھا دور

قوم سبا کا یہ چوتھا دور وہ ہے جس میں یہ قدیم قوم اپنا عروج واقتدار بالکل ہی کھو چکی تھی۔ تقریباً 300ء کے

بعد ظہور اسلام تک کا دور قوم سبا کا آخری زمانہ تھا۔ اس دور میں یمن مسلسل خانہ جنگی اور اضطراب کی کیفیت سے دوچار رہا۔ رومیوں نے اسی دور میں عدن پر فوجی تسلط حاصل کر لیا۔ رومیوں کی مدد سے حبشیوں نے قوم حمیر وہمدان کی باہمی جنگوں کی وجہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 340ء میں یمن پر قبضہ کر لیا اور پھر انکا یہ قبضہ 378ء تک برقرار رہا۔ گو 378ء کے بعد حکومت یمن بحال ہوگئی مگر اس زمانے میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنکی وجہ سے یمن کی حکومت پارہ پارہ ہوگئی۔

سدِّ مآرب یعنی بند (ڈیم) مآرب کی تباہی

یمن مسلسل کئی صدیوں سے اندرونی و بیرونی جنگوں کی وجہ سے نہایت کمزور ہو چکا تھا پھر تقریباً 450ء میں ایک عظیم واقعہ رونما ہوا یعنی قوم سبا کا تعمیر شدہ بند مآرب جو تاریخی حیثیت کا حامل تھا اور اس بند کی وجہ سے یہ علاقہ جنت نظیر کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس میں آہستہ آہستہ رخنے پڑنا شروع ہو گئے۔ پھر قدرت نے وہ عظیم سیلاب برپا کیا جسکی وجہ سے یہ بند (ڈیم) ٹوٹ گیا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ نے ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی'' صفحہ 119 پر تحریر کیا ہے کہ یہ بند 544ء میں ٹوٹ گیا) بند سے خارج ہونے والے پانی نے ایسی زبردست تباہی پھیلائی کہ بستیوں کی بستیاں تباہ و برباد ہوگئیں۔ ہر طرف ویرانہ ہی ویرانہ نظر آنے لگا۔ جہاں ہر سو سبزہ، پھل دار کثیر درخت اور خوشبودار پودوں کا وسیع ذخیرہ تھا یکدم تباہی و بربادی کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ بند کے ٹوٹ جانے کی شکل میں قوم سبا پر حقیقی عذاب نازل ہوا جو انکے اپنے اعمال کا ثمرہ تھا۔ قرآن کریم کی سورۃ سبا میں اس سیلاب کو سیل رواں کا نام دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

ترجمہ: ''پھر انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند توڑ کر زور کا سیلاب بھیجا''۔ (سورۃ سباء آیت 16)۔

سیلاب کے بعد اکثر قبائل سرزمین عرب پر ادھر ادھر پھیل گئے اور یوں اس قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔

یہودی شاہ ذونواس کا ظلم

اہل یمن بند مآرب کی تباہی کے بعد ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ پھر یمن پر ایک یہودی ذونواس نامی شخص حکمران ہوا۔ یہ نہایت ہی ظالم شخص تھا۔ اس نے نجران کے عیسائیوں پر زبردست حملہ کیا اور ان لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ عیسائی مذہب چھوڑ کر یہودی ہو جائیں۔ مگر نجرانی عیسائیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ذونواس نے جب دیکھا کہ عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں ہو رہے تو اس نے گہری خندقیں کھدوا کر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ قرآن کریم نے سورۃ بروج (آیات 4،5) میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔

عیسائی جو حکومت روم کی قیادت میں پہلے سے ہی سرزمین عرب پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے پر تول رہے تھے انہوں نے یہودی بادشاہ ذونواس کے اس ظلم کو بنیاد بنا کر حبشیوں کو بحری بیڑہ مہیا کیا تا کہ وہ حکومت یمن پر قبضہ کر لیں۔ حبشی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے یمن پر قبضہ کرلیا۔ حبشیوں کے اس ستر ہزار لشکر کی قیادت ارباط کے سپرد تھی۔ فتح کے بعد شاہ حبش نے ارباط کو یمن کا حاکم مقرر کر دیا مگر کچھ عرصہ کے بعد ارباط کی فوج کے ایک کمانڈر ابرہہ نے ارباط کو قتل کر دیا اور یمن کی حکمرانی سنبھال لی۔ ابرہہ کی اس حرکت کو شاہ حبشہ نے معاف کرتے ہوئے اسے بدستور حاکم یمن رہنے دیا۔

ابرہہ الاشرم

تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام عرب مورخین بیان کرتے ہیں کہ ارباط نے یمن پر بیس سال حکومت کی۔ ارباط کی فوج کے کمانڈر ابرہہ نے اس فوج میں ایک باغی گروہ تیار کیا اور پھر ایک رات اچانک حملہ کر کے ارباط کو قتل کر دیا اور خود حاکم یمن بن بیٹھا۔ ابرہہ اصل میں ابراہیم کو کہتے ہیں۔ مگر حبشی کیونکہ ابراہیم کا تلفظ ابرہہ ادا کرتے تھے اس لیے یہ نام ہی مشہور ہو گیا۔ الاشرم کے معنی کٹی ہوئی ناک والا کے ہیں۔ ابراہیم یا ابرہہ کا ناک کٹا ہوا تھا اس لیے اسکو الاشرم کہتے تھے۔

''ایک عیسائی مورخ پروکوپیوس تحریر کرتا ہے کہ ابرہہ ایک رومی حبشی غلام تھا جس نے شاہ حبشہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم یمن کو قتل کر دیا اور خود حاکم یمن بن گیا۔ ادھر حبشہ کا بادشاہ ''یلا اصبحہ'' مر گیا اور یوں اسکی اولاد نے ابرہہ سے صلح کر لی۔ اور اسے اپنی طرف سے یمن کا حاکم تسلیم کر لیا''۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

ابرہہ عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ اس نے بہت سے گرجے تعمیر کرائے۔ مآرب کا گرجا بڑا مشہور تھا۔ ابرہہ نے مذہب عیسائیت کی اشاعت کے لئے مقام صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کرایا اور اسکا نام کعبہ رکھا۔ ابرہہ کا مقصد تھا کہ عرب خانہ کعبہ کو چھوڑ کر اسکے تعمیر شدہ کلیسا کی طرف جھکیں اور یہ عظیم الشان عبادت گاہ بن جائے۔ عربوں کو جب ابرہہ کی اس نیت کا علم ہوا تو ایک عرب نے صنعاء پہنچ کر رات کے وقت ابرہہ کے تعمیر شدہ کلیسا کو نجس کر دیا۔ ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اہل عرب سے اس حرکت کا بدلہ لینے کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی نیت سے حملہ آور ہوا۔ راستے میں قبائل عرب نے ابرہہ کو روکنا چاہا مگر ابرہہ کے سیل رواں کے سامنے ریت کی دیواریں ثابت ہوئے اسطرح ابرہہ چلتا ہوا مکہ کے قریب اپنے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔

واقعہ الفیل

ابرہہ الاشرم جب مکہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طائف کے قریب سے گزرا تو بنوثقیف کا سردار اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اسکی پیشوائی کے لئے نکلا اس نے ابرہہ سے کہا کہ تم جس گھر کو گرانے جارہے ہو وہ مکہ میں ہے ہم تیرے غلام ہیں۔ راستہ بتانے کے لئے میں تمہیں ایک راہ نما دیتا ہوں جسکی مدد سے تم جلد مکہ تک پہنچ جاؤ گے۔ ابرہہ نے راہ نما لینے پر رضا مندی ظاہر کی اور مسعود ثقفی نے ابورغال نامی شخص کو اسکے ہمراہ روانہ کیا۔ ابرہہ سفر کرتا ہوا مخمس کے مقام پر پہنچا اور آرام کے لئے رک گیا۔ اسی جگہ مسعود ثقفی کا آدمی ابورغال مر گیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اہل عرب جب اس مقام سے گزرتے تو ابورغال کی قبر پر پتھر مارا کرتے تھے۔ ابرہہ نے اپنا ایک حبشی سردار اسود بن مقصود جسکا نام تھا تہامہ کی طرف روانہ کیا تا کہ مکے والوں کے تمام جانور گھیر کر لے آئے اس نے ایسا ہی کیا ان جانوروں میں حضرت عبدالمطلب کے 200 اونٹ بھی تھے۔ آپ کو جب علم ہوا تو ابرہہ کے پاس تشریف لائے۔ ابرہہ دیکھ کر تخت سے نیچے اتر آیا ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور آنے کی وجہ پوچھی حضرت عبدالمطلب نے فرمایا میرے اونٹ جو تمہارے آدمی پکڑ لائے ہیں واپس کر دو کیونکہ میں مکہ کا سردار ہوں اور تمہارا یہ فعل مجھے پسند نہیں آیا۔ ابرہہ نے کہا آپ اپنے اونٹ واپس لینے آگئے ہیں جس گھر کے محافظ ہو اسکا تمہیں کوئی خیال نہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے انکے بارے میں کہہ رہا ہوں جو کعبہ کا مالک ہے وہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ اس جواب سے حیران رہ گیا اور اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکنے والے نور محمدی کا یہ کمال تھا کہ ابرہہ جیسا سنگ دل بھی موم ہو گیا۔ ابرہہ کے حملے کا مکمل مفصل حال انشاء اللہ آگے چل کر تحریر کیا جائے گا۔ یہاں اس قدر لکھ دینا ہی کافی ہے۔ ابرہہ کی فوج پر اللہ کریم نے چھوٹے چھوٹے پرندے ابابیل لشکر کی شکل میں حملہ کے لئے مسلط فرمائے جن کی چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسائیں اور لشکر کو اسطرح ہلاک کر دیا کہ وہ کھائے ہوئے بھس کی مانند ہو گئے۔ سورۃ فیل میں اسکا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرماتے ہوئے حبشیوں کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ ابرہہ کے لشکر میں 15 ہاتھی بھی شامل تھے۔ اس لئے اس لشکر کا نام ہی اصحاب فیل مشہور ہو گیا۔

اس واقعہ فیل کے چالیس روز بعد فخر کونین سرکار مدینہ، سرور سینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطن آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کائنات میں تشریف لائے۔ قرآن کریم نے ابرہہ کے واقعات کو سورۃ الفیل میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اے محبوب کیا تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا حال کیا۔ کیا اس نے انکی تدبیر کو تباہی میں نہ ڈالا۔ اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے وہ پرندے ان پر کنکریاں مارتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لشکر کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا''۔

واقعہ فیل کے بعد حبشیوں کی ساری طاقت خاک میں مل گئی وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ اہل یمن کو جب معلوم ہوا کہ حبشی اپنی طاقت کھو چکے ہیں تو انہوں نے حکومت فارس سے مدد طلب کی تا کہ حبشیوں کی بچی کھچی طاقت کو بھی ختم کر کے یمن کو انکے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔ اہل یمن نے حبشوں کے خلاف بغاوت کر دی اور بزور شمشیر حبشیوں کو یمن سے باہر نکال دیا۔ باغی افواج کی کمان معدی کرب کے ہاتھ تھی۔ اسطرح 575ء میں معدی کرب کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہوئے سیف ذی یزن حمیری کے خاندان کی زیر قیادت خود مختار حکومت قائم کر لی۔ معدی کرب یزن حمیری کا بیٹا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد معدی کرب نے ایک سخت غلطی کی اور چند حبشیوں کو خدمت شاہی کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک روز موقعہ پا کر ان حبشیوں نے معدی کرب کو دھوکے سے قتل کر دیا اسطرح ذی یزن حمیری کا خاندان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکمرانی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ شاہ فارس کسریٰ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے وقت کو غنیمت جانتے ہوئے صنعاء پر ایک ایرانی حاکم مقرر کر دیا۔ اسطرح فارسی گورنر مقرر کرنے سے صنعاء فارس کا ایک صوبہ بن گیا۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یمن ظہور اسلام تک فارس (ایران) کا متواتر صوبہ ہی رہا۔ جس پر یکے بعد دیگرے ہمیشہ فارسی گورنر ہی حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ باذان گورنر کا زمانہ آ گیا۔ ادھر اسلام اپنی نورانی کرنوں سے کرہ ارض کو منور کر رہا تھا۔ یمن بھی ان کرنوں کی روشنی سے محروم نہ رہا۔ باذان گورنر یمن نے اسلام کی حقانیت اور روشنی کو دیکھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ اسطرح یمن اہل فارس کے اقتدار سے آزاد ہو کر سلطنت اسلام کا ایک صوبہ بن گیا۔ اہل یمن نے اسلام کے فروغ کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

3. بادشاہت شام

ملک شام تاریخ عرب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک مشہور ملک اور اہم ترین تجارتی مرکز تھا۔ اطراف سے تجارت کی غرض سے آنے والی قومیں اور قبائل یہاں کثرت سے آتے جاتے تھے۔ ملک شام کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ جس زمانے میں اہل عرب رومیوں اور فارسیوں سے تنگ آ کر ہجرت کرتے جا رہے تھے اسی دور میں قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں حدود شام میں آ کر آباد ہو گئیں۔ اور ان شاخوں میں سے ضجعم کو رومیوں کی مدد سے اس علاقے کی حکمرانی حاصل ہوئی۔

بنو ضجعم یا ضجاعمہ

عرب قبائل جس زمانہ میں رومیوں اور فارسیوں کی روز روز کی جنگوں سے دل برداشتہ ہو کر ہجرت پہ ہجرت

کیے جا رہے تھے تاکہ اس روز روز کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرسکیں اور کسی دوسری جگہ آرام سے سکونت اختیار کر کے پرامن زندگیاں بسر کرسکیں۔ اسی زمانہ میں قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں ہجرت کرنے کے بعد حدود شام میں آکر آباد ہوگئیں۔ ان میں سے ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیم بھی تھی۔ رومیوں نے اس شاخ کو قبائل عرب کی لوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ہر قسم کی مدد فراہم کرتے ہوئے اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ یہاں تک کہ اس شاخ کے ایک فرد کے سر پر تاج رکھ کر اسکو حکمران بھی تسلیم کرلیا۔ یہ شاخ کئی سال اسی طرح حکمرانی کرتی رہی۔ زیاد بن ہبولہ انکا مشہور ترین بادشاہ تھا۔ یہ شاخ دوسری صدی عیسوی تک بڑی شان سے حکومت کرتی رہی۔ پھر جب آل غسان نے نقل مکانی کرتے ہوئے ادھر کا رخ کیا اور بنو ضجاعمہ پر بزور شمشیر قابو پالیا تو انکی حکومت ختم ہوگئی۔ آل غسان کی مکمل تاریخ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کرچکے ہیں۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ آل غسان ضجاعمہ پر مکمل طور سے حاوی ہو چکے ہیں تو انہوں نے بھی آل غسان کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ یوں رومیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے آل غسان عرب باشندوں کے بادشاہ تسلیم کرلیے گئے۔ ''دومۃ الجندل'' آل غسان کا دارالحکومت تھا۔ ملک شام پر عرصہ دراز تک آل غسان حکمران رہے پھر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں 13ھ کو جنگ یرموک پیش آئی۔ اور یوں غسانی حکمران جبلہ بن ایہم حلقہ بگوش اسلام ہوگیا مگر اپنی بدبختی کی وجہ سے بعد میں مرتد ہوگیا اور اسی حالت میں مرگیا۔ یہ حالات ہم آل غسان کی تاریخ میں بیان کرچکے ہیں۔

4. امارت حجاز

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ مکہ مکرمہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا۔ آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ 137 سال تھی۔ آپ علیہ السلام تاحیات کعبہ کے متولی رہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد دو صاحبزادے یعنی نابت اور قیدار یکے بعد دیگرے مکہ مکرمہ کے والی مقرر ہوئے۔ ان کے بعد مفاض بن عمرو جرہمی مکہ مکرمہ کا حاکم بنا۔ اسکا تعلق قبیلہ جرہم سے تھا۔ یاد رہے قبیلہ جرہم سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا سسرالی قبیلہ تھا۔ گو قبیلہ جرہم نے مکہ مکرمہ کی سرداری حاصل کرلی تھی مگر انکا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ سلوک نہایت ہی اچھا اور شفقت آمیز تھا۔ جرہم جو کہ اولاد اسماعیل کا رشتہ میں نانکا یا ننھیالی قبیلہ تھا اس قبیلہ نے اولاد اسماعیل کو باوقار مقام ضرور دیا مگر اقتدار و اختیار میں انکو کوئی حصہ نہ دیا۔ اسطرح مدتوں گزر جانے پر بھی اولاد اسماعیل گمنامی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ اہل جرہم کو مکہ پر حکومت کرتے کافی عرصہ گزر گیا تو تقاضہ قدرت کے تحت یعنی ہر کمال را زوال کے مطابق جرہم کی طاقت آہستہ آہستہ کمزور پڑگئی اور انکی جگہ اہل عدنان نے حاصل کرلی ادھر بخت نصر نے جب سرزمین عرب کو فتح کرنے کے لئے بڑی قتل و غارت کی اسکی فوج مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی مگر چند ناگزیر حالات کی وجہ سے اسے واپس جانا

Marfat.com

پڑا۔قبیلہ عدنان اسکا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا اس لیے جب 587ق۔م میں بخت نصر دوبارہ مکہ پر حملہ آور ہوا تو اس وقت اہل عدنان کی سرداری معد بن عدنان کے پاس تھی۔ جسے بنی اسرائیل کے نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام اپنے ساتھ ملک شام لے گئے اور یوں معد، بخت نصر (605ق م-562ق م) کے ہاتھوں بچ گیا۔جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بخت نصر کے مکہ پر حملہ کے وقت گو سرداری قبیلہ جرہم کے پاس ہی تھی جس میں کچھ حد تک بنو عدنان کا بھی تعلق تھا۔

بنو جرہم کی امارت کا خاتمہ

بخت نصر کا زور ٹوٹ جانے کے بعد معد بن عدنان ملک شام سے واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔اس وقت قبیلہ بنو جرہم کا ایک مشہور سردار جرشم بن جلہمہ مکہ میں کمزور طاقت کے ساتھ قبیلہ کا امیر تھا۔معد نے اسکی بیٹی سے شادی کی اور اس کے بطن سے نزار پیدا ہوا۔روز بروز قبیلہ جرہم کی طاقت ختم ہوتی جا رہی تھی ان لوگوں نے معاش کے ہاتھوں تنگ آ کر بیت اللہ کی زیارت کے لئے آنے والے زائرین پر زیادتیاں شروع کر دیں۔انکا مال واسباب لوٹ لیتے یہاں تک کہ خانہ کعبہ شریف کا مال بھی کھانے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔جرہم کی ان حرکات کو اہل عدنان پسند نہیں کرتے تھے۔

اتفاقاً انہی ایام میں بنو خزاعہ نے مقام مرالظہر ان پر ڈیرے ڈالے۔ بہت جلد بنو خزاعہ یہ سمجھ گئے کہ بنو عدنان بنو جرہم کی ان گھٹیا حرکات کی وجہ سے ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنو خزاعہ نے بنو عدنان میں سے ایک شاخ بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ کو اپنے ساتھ ملا کر بنو جرہم پر حملہ کر دیا تھا۔بنو جرہم پہلے ہی بہت کمزور ہو چکے تھے اس لئے بنو خزاعہ اور بنو بکر کا مقابلہ نہ کر سکے اور یوں مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بنو جرہم نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور انہیں مکہ چھوڑ کر جانا پڑے گا تو انہوں نے بیت اللہ شریف کے تبرکات سونے کے دونوں ہرن، حجر اسود اور دیگر کچھ چیزیں زمزم کے کنویں میں پھینک کر اسکو پاٹ دیا۔ بعد میں حضرت عبدالمطلب کے زمانہ تک یہ اشیاء اور کنواں دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہا۔اسے حضرت عبدالمطلب نے اللہ کی طرف سے اشارہ ملنے پر کھود کر دوبارہ صاف اور قابل استعمال بنایا تفصیل انشاء اللہ آگے چل کر خاندان عبدالمطلب کے بیان میں عرض کروں گا۔

امارت بنو خزاعہ

قبیلہ جرہم جس کے پاس مکہ کی امارت تقریباً دو ہزار ایک سو برس تک رہی آخر بنو خزاعہ اور بنو بکر کے ہاتھوں شکست کھا کر مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ لوگ مکہ سے جبری نقل مکانی کے بعد اپنے سردار عمرو بن حارث کی زیر قیادت یمن میں آباد ہو گئے۔ بنو جرہم کے بعد بنو خزاعہ نے مکہ مکرمہ پر بنو بکر کی مدد سے قبضہ کیا تھا مگر قبضہ کرتے ہی خود

سیاہ وسفید کے مالک بن گئے اور یوں قبیلہ بنو بکر کو حکومت سے بالکل الگ کر دیا البتہ تین اہم اور امتیازی منصب بنو عدنان کے پاس رہنے دیئے۔جنکی تفصیل یہ ہے۔

1. بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے آنے والے حاجیوں کو میدان عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النحر (قربانی) کے بعد منیٰ سے واپسی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز الیاس بن مضر کے خاندان بنو غوث بن مرہ کے حصہ میں آیا۔منیٰ کی وادی سے جب تک یہ لوگ خود نہ گزر جاتے کسی دوسرے حاجی کو نہیں گزرنے دیتے تھے۔اس خاندان کے خاتمہ پر یہ اعزاز بنو تمیم کی ایک شاخ بنو سعد بن زید مناۃ کے حصہ میں آیا۔
2. ذی الحج (ذی الحجہ) کی دسویں تاریخ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب روانگی کا اعزاز بنو عدنان کو حاصل تھا۔یعنی جب تک یہ لوگ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف خود روانہ نہ ہوتے کسی دوسرے حاجی کو روانہ نہیں ہونے دیتے۔
3. سال میں جتنے حرم یا حرمت والے مہینے ہیں انکو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کرنے کا کام بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔

مختصراً اس طرح مکہ مکرمہ پر بنو خزاعہ تقریباً تین سو برس تک قابض رہے۔اس زمانہ میں عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد کے اطراف میں عراق اور بحرین وغیرہ میں پھیل گئے۔مکہ کے اردگرد قریش کی چند شاخیں باقی رہ گئیں اور وہ بھی منتشر تھیں۔بنو کنانہ میں قریش کے چند گھرانے آباد تھے مگر انکا بیت اللہ کی تولیت میں کوئی حصہ نہ تھا۔یہاں تک کہ پھر قصیٰ بن کلاب کا زمانہ آگیا جس نے مکہ پر حکومت سنبھالی اور یوں بیت اللہ پر قصیٰ کا اقتدار قائم ہو گیا۔قصیٰ کی تاریخ اور اسکا وہ نظام حکومت جو اس نے مکہ میں رائج کیا ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

امارت بنو قصی

بنو قصیٰ مکہ کا بے تاج حاکم تھا۔اسکے تینوں بیٹوں میں سے عبدالدار سب سے بڑا تھا مگر قصیٰ کی زندگی میں ہی عبد مناف جو کہ چھوٹا بیٹا تھا اہل عرب کے ہاں نہایت مقبول اور شرف وسیادت کے مقام تک پہنچ چکا تھا۔قصیٰ نے یہ دیکھتے ہوئے بڑے بیٹے عبدلدار کی دلجوئی کے لئے اپنے سارے اعزازات وصیت کے مطابق عبدالدار کے سپرد کر دیئے جن میں دارالندوہ کی سربراہی، خانہ کعبہ کی حجابت، سقایت وغیرہ شامل تھی۔قصیٰ کیونکہ سیاہ وسفید کا مالک تھا اس لئے اسکا کوئی حکم بھی ایسا نہ تھا جسے ٹال دیا جاتا یا کوئی اسکی مخالفت کرتا۔اسطرح قصیٰ کی زندگی اور اسکی موت کے بعد بھی اسکی اولاد نے وصیت پر عمل کیا۔مگر عبد مناف کی موت کے بعد بنو عبد مناف اور بنو عبدالدار کے درمیان رنجش کا سلسلہ چل نکلا۔نوبت شاید خون خرابہ تک پہنچ جاتی مگر چند عقل مندوں کے تدبر سے عبدالدار کے پاس جو اعزازات تھے انکو

بنوعبدمناف اور بنوعبدالدار میں باہم تقسیم کردیا گیا۔اسطرح سقایت اور رفادہ کے مناصب بنوعبدمناف کے حصے میں آئے۔بنوعبدمناف نے ان اعزازات کی تقسیم کے لئے قرعہ ڈالا جو ہاشم کے نام نکلا۔اسطرح ہاشم اپنی زندگی میں یہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔انکے بعد حضرت عبدالمطلب نے یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا یہاں تک کہ دوراسلام میں یہ مناصب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے۔جسکی تفصیل آگے چل کرعرض کروں گا۔

سیرۃ ابن ہشام صفحہ 124،125،129،132،142،130،179 وغیرہ

2. تجارت العرب قبل اسلام

تاریخ وجغرافیہ عرب اس بات کا عیاں ثبوت ہے کہ یہ سرزمین صحرا، ریتلے میدان اور سنگستانی علاقوں پر مشتمل ہے۔کسی بھی ملک یا خطے کی ترقی کا دارومدار زراعت یا تجارت پر ہوتا ہے۔جہاں زرعی اراضی بہت زیادہ ہو وہ جگہ یا ملک زرعی ملک کہلاتا ہے جبکہ زراعت نہ ہونے کی صورت میں تجارت ہی اس علاقے کی ترقی خوشحالی اور رہنے والوں کی زندگیوں کی ضامن ہوتی ہے۔سرسبز وشاداب علاقے ہرقسم کی اجناس پیدا کرتے ہیں اور پھر یہ اجناس دیگر غیر زرعی ممالک خرید کر تجارتی دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔سرزمین عرب کیونکہ زیادہ غیر آباد ہے اس لیے وہاں کے باشندوں کا ذریعہ معاش ہی تجارت ہے۔قدرت نے سرزمین عرب کو تجارتی اعتبار سے ہی بنایا ہے۔اس کے آباد حصوں کے تین طرف بحری سواحل واقع ہیں۔مثلاً مغرب سے چلنا شروع کریں تو خلیج بحرین عمان خلیج فارس یعنی خلیج عرب موجود ہیں۔شمال میں حضرموت اور یمن بحرعرب کے کنارے ہیں۔جبکہ مشرق میں حجاز ومدین بحراحمر پر واقع ہے۔اسطرح عرب کی تین سمتیں سمندر کے کنارے واقع ہیں۔اسطرح نقشہ کچھ یوں بنتا ہے۔

1. مغرب خلیج فارس یعنی خلیج عرب کے کنارے بحرین اور عمان (اومان) ہیں۔
2. شمال بحرعرب کے کنارے۔حضرموت اور یمن واقع ہے۔
3. مشرق بحراحمر کے کنارے۔حجاز ومدین کا علاقہ آباد ہے۔

اندرون ملک

سرزمین عرب کا اندرونی علاقہ جو سرسبز حصہ پر مشتمل ہے وہاں کاشتکاری وزراعت کی جاتی ہے۔اس اعتبار سے کچھ حصہ زرخیز بھی ہے۔زرخیز علاقے یہ ہیں۔

1. یثرب (مدینہ منورہ) (صوبہ حجاز میں ہے)
2. نجد (صوبہ نجد۔وسطی صوبہ)
3. یمامہ (وسطی صوبہ)

4. خیبر وغیرہ (صوبہ حجاز یعنی مغربی صوبہ)
5. جزان (صوبہ جزان ملحقہ یمن)
6. ابھا (صوبہ عسیر ملحقہ صوبہ جزان ونجران)
7. نجران (صوبہ نجران ملحقہ یمن)
8. طائف (صوبہ حجاز میں واقع ہے اور بہت زرخیز ہے)

عرب کے جغرافیہ پر اگر گہری نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تمام ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے سامنے واقع ہیں۔ مثلاً

1. حضرموت کے افریقہ اور ہندوستان کے ساتھ بحری ذریعے سے تعلقات ہیں۔
2. عمان وبحرین ایران وعراق کے سامنے واقع ہیں۔
3 حجاز کے سامنے مصر جبکہ شام کا ملک حجاز کے ایک بازو پر ہے۔

اس قدرتی جغرافیائی تقسیم کی بدولت عرب کے ہر صوبے کو دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کے ساتھ تجارتی سہولت حاصل ہے۔ مذکورہ وجوہات کی بنا پر اہل عرب نے تجارت کی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی اور انکا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ دنیا کے بہت سے ممالک کے ساتھ استوار ہو گیا۔ یہاں ہم مختصراً ان علاقوں کے بارے میں تجارتی اعتبار سے کچھ عرض کر رہے ہیں۔

بحرین وعمان کے تاجر

ابتدا میں عرب کے کچھ قبائل جن میں اکثریت تجارت پیشہ تھے بحرین کے پاس آباد ہو گئے۔ یہ شام وکنعان کے بحری علاقے تھے۔ بنی اسرائیل ان لوگوں کو آرامی اور کنعانی کہہ کر پکارتے تھے جبکہ اہل یونان کے ہاں انکو فنیشین یعنی شامی سواحل کے فونیشیائی باشندے کہا جاتا تھا۔ ان عربوں نے نہ صرف یورپ اور افریقہ کے ابتدائی علاقوں بلکہ انتہائی علاقوں تک اپنا تجارتی حلقہ پیدا کر لیا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یونان کی مشہور زمانہ تہذیب وتمدن کا آغاز ہی ان عرب تاجروں کے ذریعے ہوا تھا۔ اس سے پہلے اہل یونان تہذیب وتمدن سے نا آشنا تھے۔

یمن وحضرموت کے تاجر

یمن وحضرموت میں آباد عرب بحر افریقہ کو عبور کرنے کے بعد حبشہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ہندوستان کے سواحل اور وہاں واقع صوبوں تک بھی پہنچ چکے تھے۔ یہ تاجران علاقوں سے جو کچھ مال تجارت دستیاب ہوتا لے کر کشتیوں وجہازوں کے ذریعے حجازی عربوں تک پہنچاتے اور وہ بھی

مال آگے شام ومصر کی مشہور منڈیوں میں فروخت کرتے تھے۔اسطرح تجارت کا یہ حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

توراۃ مقدس اور تاریخ یونان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب یہ تجارتی کاروبار تقریباً 200ق۔م سے کرتے چلے آرہے ہیں۔یہ لوگ افریقہ اور ہندوستان سے تجارتی سامان بحری راستوں سے لاکر حضرموت اور یمن کے سواحل پر اتارتے۔پھر یہ سامان خشکی کے راستے بحراحمر کے کنارے واقع حجاز، مدین اور وادی القریٰ سے ہوتا ہوا بحرروم کو عبور کر کے یورپ پہنچا دیا جاتا۔یا پھر ملک شام کی سرحد سے گزر کر مصر چلا جاتا اور پھر سکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کے لئے روانہ کر دیا جاتا۔بظاہر ان تجارتی بھول بھلیوں کو دیکھا جائے تو یوں نظر آتا ہے کہ شاید عام انسان اتنی گزرگاہوں سے سامان یورپ تک نہ پہنچا سکے مگر عرب تاجر اس میدان میں اتنی مہارت رکھتے تھے کہ یہ تجارتی سامان ہمیشہ باقاعدگی سے اتنی منازل طے کرنے کے بعد اہل یورپ تک پہنچا دیتے تھے۔

عربوں کے جن ممالک سے تجارتی تعلقات تھے

گزشتہ تفصیلات کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ عرب تاجروں کے خارجی تجارتی تعلقات بہت سے ممالک کے ساتھ تھے۔جن میں چیدہ چیدہ ممالک کے نام یہ ہیں۔

1. ہندوستان
2. حبشہ
3. یونان
4. ایران
5. بابل
6. شام
7. مصر

عرب تجارتی میدان میں ان مذکورہ ممالک کے ساتھ گہرے مراسم رکھتے تھے۔ان ممالک کو نقشہ پر دیکھیں تو عرب کے اطراف میں یہ کچھ اسطرح واقع تھے کہ گویا عرب دائرہ نقطہ بنتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ عرب تاجران ممالک میں تجارت کی غرض سے کسی خوف وخطرہ کے بغیر آتے جاتے تھے۔

سرزمین عرب کے تجارتی شہر

توراۃ مقدس اور تاریخ یونان کے مطابق سرزمین عرب کے اندرون جو شہر تجارتی اعتبار سے بڑے مشہور تھے انکے نام یہ ہیں:

1. شبلوہ حضرموت
2. قریہ بحرین یا یمامہ
3. بندرگاہ حضرموت "مارب"
4. معین
5. اوزال
6. عدن
7. مدین
8. اوفر

9. ایلہ وغیرہ

بیرون ممالک سے درآمد کیا ہوا سامان تجارت اہل عرب کے لئے انہی شہروں کی منڈیوں میں فروخت کیا جاتا تھا۔

تجارتی راستوں کی مسافت

اہل قلم اور خاص طور پر تاریخ دان جب کسی قوم وملک کی تاریخ وجغرافیہ تحریر کرتے ہیں تو وہ کسی پہلو کو بھی اپنی طاقت کے مطابق تشنہ تکمیل نہیں چھوڑتے اسطرح عرب کی تاریخ وجغرافیہ لکھنے والوں نے بھی ہر زاویہ نگاہ سے مکمل معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان تجارتی راستوں کی مسافت جن پر سے گزر کر تاجر سامان تجارت لاتے تھے اسکی لمبائی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک مفکر کے نزدیک اہل عرب جن راستوں سے سامان تجارت لاتے تھے اسکی تفصیل یوں بیان کرتا ہے۔

''حضر موت سے ملک سباء تک کا راستہ چالیس یوم کا ہے۔ اسی طرح مقام معین سے ایلہ کا راستہ ستر دن کا ہے''۔ اسطرح اگر ایک تاجر اپنے سفر کا حضر موت سے آغاز کرے تو عقبہ ایلۃ تک پہنچنے میں اسے ایک سو دس دن کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ ایک مسلمان جغرافیہ دان ابن الطالک الہمدانی ''صفتہ جزیرہ العرب ارض'' میں تحریر کرتا ہے کہ اگر ایک شخص سواری پر پورے ملک عرب کے اطراف میں سفر کرے تو اسے سات مہینے (سات ماہ) گیارہ یوم کی مدت لگے گی۔

مختصراً ہم نے تجارتی نقطہ نظر سے اہل عرب کے تجارتی راستوں جن ممالک کے ساتھ تجارت کرتے تھے ان سب کا ذکر تحریر کر دیا ہے۔ یہاں ان اشیاء کا ذکر کر رہے ہیں جو عرب برآمد و درآمد کرتے تھے۔

اشیا برآمد

آجکل کا دور لیں یا پرانا کسی بھی ملک کا ترقی کا راز یہ ہے کہ اسکی برآمدات درآمدات کی نسبت زیادہ ہوں۔ کیونکہ جس قدر برآمدات زیادہ ہونگی زرمبادلہ اتنا ہی زیادہ حاصل ہوگا، جو ملکی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ جب کہ درآمدات کی زیادتی کی صورت میں ملک اشیا تو حاصل کرے گا مگر ملکی سرمایہ باہر چلا جائے گا اور درآمدات کے لئے زرمبادلہ میسر نہیں آسکے گا۔ یہاں اس میدان میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ سرزمین عرب تو بنجر و ویران بے آب وگیاہ ہے۔ جہاں کچھ علاقوں میں صرف سبزہ ہے تو پھر عرب تاجر کون کون سی چیزیں برآمد کرتے تھے۔ عرب کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس سوال کا جواب کم ہی ملے گا مگر توراۃ اور تاریخ یونان کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جو چیزیں دیگر ممالک کو برآمد کرتے تھے انکی پوری پوری ناموں کے ساتھ تفصیل موجود ہے۔ یہاں ہم ان اشیاء کے نام اور جہاں جہاں سے حاصل کی جاتی تھیں اور جن علاقوں کو برآمد ہوتی تھیں تحریر کر رہے ہیں۔

عرب تاجر عام طور پر جو چیزیں برآمد کیا کرتے تھے انکو ہم تین شعبوں میں تقسیم کر رہے ہیں تا کہ ہر شعبے کی مختصر وضاحت بھی کر دی جائے۔

1. خوشبودار اشیاء و گرم مصالحہ جات
2. لوہا، سونے اور دیگر قیمتی جواہرات
3. زین پوش، چمڑا، کھالیں اور بھیڑ بکریاں وغیرہ

توراۃ اور تاریخ یونان وغیرہ میں تحریر ہے کہ عرب تاجر تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح مار بامصر کی طرف تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ یہ تاجر لوبان صنوبر اور ایسی ہی دوسری خوشبودار چیزیں ہمراہ لے جاتے۔ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام جنکا زمانہ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح (1012 تا 972 ق م) ہے انکے حالات میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ آپ علیہ السلام نے ملک سباء کا سونا طلب فرمایا تھا۔ پھر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام (986 تا 932 ق م) کے دربار میں جب ملکہ سباء آئی تو وہ اپنے ہمراہ عطریات و دیگر خوشبودار چیزوں کے علاوہ بہت سا سونا اور قیمتی جواہرات بھی تحفہ میں لے کر آئی۔

زمانہ قدیم میں اہل سباء عمدہ خوشبو، جواہرات و سونا، حاران، قانہ اور عدن کی راہ سے ملک شام میں لاتے تھے۔ حضرت اشعیا علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا ذکر موجود ہے کہ اوزال سے فولاد، تیزپات اور گرم مصالحہ جات وغیرہ ملک شام کو جاتے تھے۔ پھر شام میں عبادت کے لئے جو ہیکل تعمیر تھے وہاں لوگ عبادت کے دوران خوشبو کے لئے جو لوبان جلاتے تھے وہ عرب سے ہی آتا تھا۔ پھر قیدار کے خاندان میں سے جو سردار گزرے ہیں وہ اپنے جانور یروشلم کی منڈیوں میں لاکر فروخت کرتے تھے۔ پھر حضرت حزقیال علیہ السلام کے زمانہ میں بھی۔ آبدار فولاد تیزپات، مصالحہ، بکری، مینڈھے، عطریات اور دیگر اسی قسم کی چیزوں کی فروخت کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ عرب تاجر تو اس سرزمین کے رہنے والے تھے جس کا اکثر حصہ لق ودق صحرا اور بیابان ہے پھر یہ لوگ سب چیزیں کہاں سے لاتے تھے۔ تاریخ یونان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اکثر خوشبودار چیزیں بھاری مقدار میں عرب کے علاقہ یمن میں کاشت کی جاتی تھیں۔ اس علاقہ میں حدنگاہ تک بخورات یعنی جلانے والی لکڑی جو خوشبودار ہوتی تھی اسکے درخت نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ دارچینی اور چھوہاروں کے بلند درختوں کا جنگل موجود تھا۔ لوبان اور عمدہ ترین زعفران بھی بکثرت پایا جاتا تھا۔ اسکندریہ اور یروشلم کے بازاروں میں مشہور زمانہ فروخت ہونے والا سونا عرب کی کانوں سے نکالا جاتا تھا۔ یمامہ اور نجد میں سونے اور چاندی کی چھ کانیں موجود تھیں جہاں سے سونا، چاندی اور تانبا نکالا جاتا تھا۔ تاریخ انگلستان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انگریز قوم کو مدین کے سونے کی کانیں ہی اہل عرب کی طرف کھینچ کر لے گئیں۔ اس کے علاوہ عرب کے انہی علاقوں سے عقیق اور درعدن جیسے خوبصورت اور نایاب زمانہ پتھر بھی نکلتے تھے جنکی ساری دنیا میں اب بھی مانگ ہے۔

موتیوں کا خزانہ

قیمتی جواہرات میں عرب کے سواحل اور خاص طور پر بحرین و عمان بڑی شہرت کے حامل ہیں۔ یہ دریا اور سمندر قیمتی موتیوں کا خزانہ ہیں۔ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اطراف سے سال کے مخصوص ایام میں ان ساحلوں پر موتیوں کے تاجر اپنے مستقل ڈیرے ڈال دیتے تھے اور پھر سمندر سے حاصل شدہ موتیوں کو دیگر ممالک میں فروخت کر کے کثیر رقم حاصل کرتے۔ قرآن کریم کی سورۃ رحمٰن میں بھی ان موتیوں اور سمندر کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾
فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''خدا نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ملے ہوئے اور پھر ان کے درمیان میں پردہ حائل کر دیا تاکہ وہ حد سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔ ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں''۔ (سورۃ الرحمٰن آیات 19 تا 22)

کھالیں

عرب تاجر جن کھالوں کا کاروبار کرتے تھے وہ نہایت ہی عمدہ طریقے سے دباغت شدہ ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کھالوں کی شہرت ہر طرف پائی جاتی تھی۔ ویسے تو کھالوں کی دباغت بہت سے ممالک میں کی جاتی ہے مگر اہل عرب نے اس میدان میں شہرت اس لئے حاصل کی کہ وہ لوگ نہ صرف فن دباغت سے ہی باخبر تھے بلکہ ان لوگوں نے قدرت کے پیدا کردہ ستاروں سے اس تارے کا کھالوں پر اثر ہونا دریافت کر لیا تھا جسے ''ستارہ سہیل'' کہتے ہیں یہ ستارہ کھالوں کی دباغت میں عجیب سحر انگیز اثر رکھتا ہے۔ ستارہ سہیل کیونکہ ملک یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے اس لئے اہل عرب اس ستارے کی روشنی میں دباغت کا کام کرتے اور روشنی کھالوں پر حیرت انگیز اثر رکھتی تھی۔ اہل عرب کا یہ علم فن کا کمال تھا جو صرف انہیں ہی حاصل تھا۔ اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ ستاروں کی روشنی کے اثرات سے بھی کس حد تک واقف تھے۔ اہل طائف اس پر فضا مقام پر زندگیاں بسر کرتے ہوئے پھلوں کے اعتبار سے ہی صرف خود کفیل نہ تھے بلکہ یہ پھل دوسرے علاقوں کو بھی بھیجتے تھے۔ یہ لوگ فن دباغت میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔ دباغت کا کام اس علاقے میں اس قدر عروج پر تھا کہ اس شہر کو ہی ''بلد الدباغ'' کہا جانے لگا۔ یعنی دباغت کا شہر۔

اب ہم عرب کی درآمدات کے بارے میں کچھ تحریر کرتے ہیں تاکہ ملک میں لائی جانے والی اور ملک سے باہر بھیجی جانے والی اشیاء پر روشنی ڈالی جا سکے۔

اشیاء درآمد

اہل عرب جن جن اشیاء کی برآمد کرتے تھے انکا قدرے تفصیلی ذکر ہم کر چکے ہیں۔ یہاں ہم ان اشیاء کا ذکر کر رہے ہیں جو اہل عرب درآمد کرتے تھے۔ برآمدات اور درآمدات کا ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ برآمد کسی بھی ملک کی ترقی اور مستحکم معیشت کی نشانی ہے جبکہ درآمدات سے ملک کو فائدہ کم اور مضر اثرات زیادہ اٹھانے پڑتے ہیں۔ بہرحال اہل عرب غیر ممالک سے حسب ذیل چیزیں درآمد کرتے تھے۔ پہلے ان چیزوں کے نام درج کرنے کے بعد پھر انکی تفصیل کا ذکر کریں گے کہ کہاں کہاں سے لائی جاتی اور کن کن مقامات پر انکو فروخت کیا جاتا تھا۔

1. کپڑا
2. غلہ
3. شراب
4. سامان آرائش
5. ہتھیار وغیرہ

کپڑا

کپڑا انسانی ضروریات میں سرفہرست ہے۔ اس اعتبار سے اہل عرب کے ہاں کپڑے کی درآمد بہت تھی۔ گو عرب میں بھی کپڑا تیار کیا جاتا تھا جیسے یمن کا علاقہ اس صنعت کے لئے مشہور تھا "بردیمانی" یعنی یمنی چادر عرب کی مشہور ترین صنعتی پیداوار تھی۔ قدیم عربی شعراء نے اپنے شعروں میں اس چادر کا ذکر کیا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ یمنی چادر بہت پسند تھی۔ اسی طرح مقام مآرب جو کہ سباء کا دارالحکومت تھا وہاں بھی روئی اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا بلکہ یہ کاروبار تو عہد اسلام تک جاری تھا۔ ابوداؤد کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں کے لوگوں پر جب جزیہ لگایا تو فرمایا ان لوگوں سے نقد جزیہ لینے کی بجائے کپڑے کی شکل میں جزیہ وصول کیا جائے۔ ہماری اس تحریر کو پڑھ کر عام آدمی یہی سمجھے گا کہ جب کپڑا عرب میں ہی تیار ہوتا تھا تو پھر اسے درآمد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسکی وضاحت عرض ہے کہ یمن کا زیادہ تر کاروبار ہندوستان کے ساتھ تھا۔ اب تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یقینی طور پر یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ سارا کپڑا یمن میں ہی تیار ہوتا تھا۔ کیونکہ اہل عرب یمنی کپڑے کے جو نام لیتے تھے وہ اصل میں سنسکرت سے لئے گئے تھے اور یہ زبان اس وقت ہندوستان میں بولی جاتی تھی اس لئے ممکن ہے زیادہ تر کپڑا ہندوستان سے ہی درآمد کیا جاتا ہو۔ مثلاً سنسکرت زبان میں جس کپڑے کا نام ململ تھا اہل عرب اسکوشاس کہتے تھے۔ اسی طرح سنسکرت میں چارخانہ تہبند کو کہا جاتا تھا جبکہ عرب اسکوفوطہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی نام ہیں جنکی اصل سنسکرت ہے مگر عربی زبان میں انکو اپنے انداز سے استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر تاریخ عرب بتاتی ہے کہ ظہور اسلام کے آغاز میں زیادہ تر کپڑا ملک شام سے درآمد کیا جاتا اور یہودی اس کے تاجر ہوتے

تھے۔ ترمذی شریف (صفحہ۔155) میں لکھا ہے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے شام کا لایا ہوا کپڑا خریدا۔ بہرحال سرزمین عرب میں بھی کپڑا تیار کیا جاتا تھا مگر وہ ضروریات سے بہت کم ہوتا اس لئے ہندوستان اور ملک شام سے زیادہ تر کپڑا درآمد کیا جاتا تھا۔

اناج یا غلہ

سرزمین عرب زرعی اعتبار سے کاشت کاری کے قابل نہیں چند علاقوں میں کاشت کی جاتی ہے مگر یہاں پیدا ہونے والا اناج اہل عرب کے لئے بالکل کافی نہ تھا۔ روزمرہ کی اس اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غلہ بھاری مقدار میں درآمد کیا جاتا تھا۔ اہل عرب غلے کے بیوپاریوں کا شدت سے انتظار کرتے تھے۔ یہاں غلہ یمن اور زیادہ شام سے آتا تھا۔ قرآن کریم میں سورۃ جمعہ کی تلاوت بمعہ ترجمہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ اناج حاصل کرنے کے لئے لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ مبارک کے دوران ہی غلے کے بیوپاریوں کی آمد کا سن کر مسجد سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ غلہ خرید سکیں اس پر اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔ سورۃ الجمعہ آیت 11۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ
قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ
وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿11﴾

ترجمہ: ''جب یہ لوگ کسی تجارت یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور تم کو تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ کا رزق سب سے اچھا''۔
(سورۃ الجمعہ آیت 11)

یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان وکرم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اب سعودی عرب غلہ میں خود کفالت حاصل کر چکا ہے۔

دیگر سامان تجارت

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں شراب کے بڑے ہی شوقین تھے یہ لوگ شراب کو پانی کی طرح استعمال کرتے تھے۔ پھر بدمست ہو کر انسانیت سے گری ہوئی حرکات کے مرتکب ہوتے۔ ملک شام میں مقام اندرین کی شراب عربوں کے ہاں بڑی مقبول تھی بھاری معاوضہ دے کر اس شراب کو حاصل کرتے تھے۔ ان کے شاعر (اندرین) کی شراب پر شعر بھی کہا کرتے تھے۔

اسی طرح جب اہل عرب کے ہاں لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو لکھائی کے لئے شام سے کاغذ درآمد کیا جاتا تھا۔

یہودی بیوپاری جو اس وقت بھی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور آج بھی دنیا میں تجارت اور دولت کی بنا پر نہ صرف چھائے ہوئے ہیں بلکہ ساری دنیا کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے جس ملک میں جب چاہیں جو چاہیں تبدیلی لے آتے ہیں کا غذ درآمد کیا کرتے تھے۔

تجارتی میلے

اہل عرب زرخیز ملک کے باشندے تو نہیں تھے اس لئے انکا پورا دھیان تجارت کی طرف تھا۔تجارت کے میدان میں انکے شوق اور دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حیرہ کے بادشاہ تک عکاظ کے سالانہ میلوں میں اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتے تھے۔بادشاہ حیرہ عکاظ کے سالانہ میلے میں جو اپنا سامان تجارت بھیجتا تھا اسکو لطمیہ کے نام سے پکارتے تھے۔ایک دفعہ یہ تجارتی سامان عکاظ کے میلے کے لئے روانہ کیا گیا مگر راستے میں ہی اس قافلے کو بمعہ سامان لوٹ لیا گیا جس کے نتیجہ میں عرب فجار کے نام سے جنگ برپا ہوئی۔اس جنگ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اہل خاندان کے ہمراہ شرکت فرمائی۔اسلام سے پہلے یہ آخری جنگ تھی۔اہل عرب کے ہاں میلوں کا بہت ہی رواج تھا اور یہ میلے گویا ان لوگوں کے لئے سامان حیات کا سبب تھے۔مشہور اسلامی مؤرخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں ان میلوں کے بارے میں پورا باب تحریر کیا ہے۔امام مرزوقی نے ان میلوں یا بازاروں کی تعداد تیرہ (13) تحریر کی ہے جو پورے سال میں الگ الگ مقامات پر لگتے تھے۔دور دور سے سوداگران ان میں حصہ لینے آتے۔

اہل عرب کے ہاں سال میں ایک دفعہ بڑا میلا (میلہ) لگتا تھا جس کا دائرہ ان تمام دوسرے بازاروں اور میلوں تک چلا جاتا تھا۔سرزمین عرب میں حجاز کے علاوہ دیگر تمام آبادی جزیرۂ عرب کے کنارے کنارے یا دریا سے متصل ہے۔یہ بڑا میلا شام کے قریب دومتہ الجندل سے شروع ہو کر عراق کی حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا بحر ہند کے سامنے حضرموت سے گزر کر ایام حج میں مکہ مکرمہ اور پھر حجاز سے ہوتا ہوا شام میں ہی اکثر ختم ہو جاتا تھا۔گویا اسطرح ساری سرزمین عرب پر ان میلوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔یہاں ہم ان میلوں کی مختصراً کیفیت تحریر کر رہے ہیں۔میلوں کے نام یہ تھے۔

1. دومتہ الجندل
2. مشقر
3. صحار
4. دبا
5. شحر
6. عدن
7. صنعاء
8. حضرموت
9. عکاظ
10. ذوالحجاز
11. منیٰ
12. خیبر
13. یمامہ

1. میلہ دومتہ الجندل

حجاز کی آخری شمالی سرحد پر صوبہ الجوف میں دومتہ الجندل واقع ہے۔ ربیع الاول شریف کی پہلی تاریخ کو یہاں میلے کا آغاز ہوتا جس میں دور دراز سے لوگ آکر شریک ہوتے۔ ربیع الاول شریف کی پندرہ تاریخ تک اس میلے میں رونق اور لوگوں کی آمدورفت عروج پر ہوتی تھی۔ ہر سمت زندگی کی لہر نظر آتی پندرہ تاریخ کے بعد میلے کی رونق آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جاتی۔ اور پھر چند یوم کے بعد یہ میلہ اجڑ جاتا۔ کلب اور جدیلہ نام کے دو قبیلے دومتہ الجندل کے پہلو میں آباد تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں سے جس قبیلے کا سردار طاقتور ہوتا وہی اس میلے کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا۔ عراق اور شام کے تاجر اس میلے میں شریک ہوتے تھے۔ اس میلے کے دو اصول اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑے ہی دلچسپ تھے۔ ایک یہ کہ جب تک حاکم میلہ (میلا) کا سامان تجارت بک نہ جاتا دوسرے شریک تاجر اپنا مال فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کا سامان خریدنے کا طریقہ عجیب اور کس قدر دلچسپ تھا۔ یعنی کسی گاہک کو اگر کوئی مال پسند آجاتا تو وہ قیمت لگانے یا پوچھنے کی بجائے اس مال پر ایک کنکر اٹھا کر ڈال دیتا اور یوں وہ مال خریدار کا ہو جاتا تھا چاہے مالک کتنی ہی قیمت کیوں نہ مانگ لے مگر عام طور پر تاجر قیمت مناسب ہی مانگتا تھا۔

2. مشقر کا میلہ

دومتہ الجندل میں پندرہ یوم تک جو میلہ لگتا تھا وہ اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ بحرین میں مشقر کے مقام پر منتقل ہو جاتا۔ مشقر میں اس میلے کی پوری رونق جمادی الاولیٰ کے تیس یا انتیس روز تک متواتر قائم رہتی۔ بحرین کا علاقہ کیونکہ ایران کے بالکل قریب ہے اس لئے ایرانی سوداگر و تاجر اپنا قیمتی اور انواع واقسام کا مال تجارت لے کر اس میلے میں شرکت کرتے۔ اس میلے میں خرید و فروخت کا طریقہ دومتہ الجندل سے مختلف اور ایک انوکھے انداز سے ہوتا یعنی خریدار اور مالک مال زبان سے کچھ نہیں بولتے تھے بلکہ اشاروں سے ہی سودا طے کر لیتے اور یوں عام خرید و فروخت ہوتی۔ مشقر کا یہ میلہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

3. صحار کا میلہ

صحار عمان کا مشہور مقام ہے اس جگہ اکیس رجب المرجب سے ہی سوداگر اپنا اپنا مال تجارت لے کر جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے۔ اسطرح مذکورہ دونوں بازاروں یا میلوں میں جو تاجر اپنی ذاتی مجبوریوں یا سفر کی مشکلات کے پیش نظر حصہ نہیں لے سکتے تھے وہ اس میلے میں شریک ہو جاتے ہر طرف گہما گہمی کا منظر نظر آتا۔ اس میلے میں خرید و فروخت کا اپنا ایک نیا اور مخصوص انداز تھا۔ تمام تاجر اپنا اپنا مال نہایت صفائی اور قرینے کے ساتھ سجا دیتے۔ گاہک جب مال کی خریداری کرنا چاہتا تو وہ مختلف اقسام کے سجے ہوئے مال پر پتھر اٹھا کر پھینکتا اور یوں جس مال پر پتھر جا کر

گرتا گاہک وہ مال اٹھالیتا تھا۔اس طرح پتھر پھینک کر مال اٹھالینے سے ہرگز یہ مراد نہ تھی کہ خریدار بغیر قیمت ادا کئے مال حاصل کر لیتا۔نہیں مال اسکا ضرور ہو جاتا مگر اسے مالک کو قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔البتہ یہ الگ بات ہے کہ پتھر پھینک کر مال خریدنے کا یہ انوکھا طریقہ کیوں رائج تھا۔

4. دبا کا بازار یا میلہ

صحار کا میلہ رجب المرجب کے آخری ہفتے تک جاری رہتا۔ پھر آخری ہفتے میں یہ بازار و میلہ اپنے تاجروں، سامان اور خریداروں سمیت منتقل ہو کر عمان کی بندرگاہ دبا میں سج جاتا وہاں اطراف کے ممالک سے سوداگر مال تجارت لے کر آتے اور یوں میلے کی رونق میں مزید اضافہ ہو جاتا۔اس میلے کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں ہندوستان، چین اور افریقہ سے بھی تاجر خرید وفروخت کے لئے آتے تھے۔اسطرح اس بازار میں دیار غیر اور سرزمین عرب کی چیزیں خریدی اور فروخت کی جاتی تھیں۔

5. شحر کا میلہ یا بازار

دبا کا میلہ چند روز تک تاجروں کے لئے خرید وفروخت کا مرکز رہتا اسکے بعد یہی لوگ اپنا اپنا سامان تجارت باندھتے اور یوں تاجروں کا یہ قافلہ حضر موت اور عمان کے درمیان بحر عرب کے ساحل پر شحر کے مقام پر خیمہ زن ہوتے۔شحر کا یہ میلہ نصف شعبان سے شروع ہوتا اور چند روز پوری شان وشوکت کے ساتھ خرید وفروخت کا مرکز بنا رہتا۔اس میلے میں زیادہ تر چمڑے اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا۔اس کے علاوہ دیگر ضروریات زندگی کی چیزیں بھی خریدی اور فروخت کی جاتی تھیں۔اس میلے میں کچھ تاجر ایسے بھی آتے تھے جو نباتاتی دوائیں فروخت کرتے لوگ ان دواؤں میں خاص دلچسپی لیتے اور یوں اس شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ سال بھر کی روٹی کما لیتے تھے۔

6. عدن کا میلہ

عدن کیونکہ بندرگاہ تھی اس لئے شحر کے میلے سے فارغ ہونے کے بعد تاجر حضرات اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اس بندرگاہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیتے۔ یہاں زیادہ تر وہ سوداگر اپنا مال فروخت کے لئے لاتے جن کا تعلق سمندری اور دریائی چیزوں سے ہوتا تھا۔یہ میلہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر بیس رمضان المبارک تک رہتا تھا۔ سرزمین عرب پر لگنے والے مذکورہ میلوں میں جن جن تاجروں کا مال بچ جاتا تھا وہ عدن کے اس میلے میں فروخت ہو جاتا۔یمن کے حکمران عدن کے اس میلے پر خصوصی توجہ دیتے تاجروں اور خریداروں کے لئے ہر قسم کی سہولت اور آرام کا بندوبست کرنا یہاں کے حکمران کے ذمہ ہوتا تھا۔اس میلے میں عرب کے ہر علاقے سے تیار شدہ خوشبو اور عطر فروخت کے لئے لایا جاتا۔اہل عرب خوشبو اور عطر کے میدان میں اسقدر ماہر تھے کہ وہ دعویٰ کرتے دنیا میں ہمارے

علاوہ خوشبو اور عطر کوئی تیار ہی نہیں کرسکتا انکا یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی تھا۔ آج بھی عرب اس میدان میں منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ عدن کے میلے سے دوسرے ممالک یعنی ایران، ہندوستان، روم اور ایران کے خشکی کے راستے یہاں سے ہی اشیاء جاتی تھیں۔

7. صنعاء کا میلہ

عدن کا میلہ جب اپنے عروج کے بعد اختتام کو پہنچتا تو پھر صنعاء کے میلے کی باری آتی۔ یہ میلہ صنعاء کے مقام پر منعقد ہوتا جو کہ ملک یمن کا دارالحکومت تھا (اور اب بھی یہی دارالحکومت ہے)۔ دیگر میلوں سے ہٹ کر یہاں روئی، زعفران اور مختلف رنگ فروخت ہوتے تھے۔ یہاں فروخت ہونے والا زعفران خاصیت میں لاجواب تھا۔ اسکے علاوہ اس میلے میں لوہا اور کپڑے کی فروخت بھی ہوتی۔ لوگ بڑی دلچسپی اور شوق سے یہ اشیاء خرید کرلے جاتے۔ یہ میلہ بڑے مختصر وقت یعنی پندرہ سے بیس رمضان المبارک تک پوری چہل پہل کے ساتھ رہتا تھا۔ اس میلے کے تمام شرکا میلہ ختم ہوجانے پر بھی واپس اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے بلکہ کچھ مزید عرصہ تک کاروبار کرتے تھے اور خریدار مال خریدتے البتہ اس خرید وفروخت میں پہلے جیسی تیزی نہیں رہتی تھی۔

8. حضرموت کا میلہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے صنعاء کے میلے میں شریک تاجر وخریدار بیس رمضان المبارک کے بعد تمام تو نہیں مگر زیادہ تر حضرموت کے میلے میں شرکت کے لئے چلے جاتے۔ حضرموت کا میلہ بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ لگتا تھا۔ اس میلے میں ضروریات زندگی کی تمام چیزیں فروخت ہوتی تھیں اہل حضرموت سال بھر اس میلے کا شدت سے انتظار کرتے رہتے تھے اور پھر میلہ کے دوران ضروریات زندگی کی مطلوبہ اشیاء حسب توفیق خرید کر اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔

9. عکاظ کا میلہ

حضرموت اور عکاظ کا میلہ تقریباً ایک ہی وقت لگتا تھا۔ یہ میلہ عرفات اور نجد کے درمیان مقام عکاظ پر لگتا تھا۔ اس میلے کی تاریخ پندرہ ذیقعد مقرر تھی۔ ایام جاہلیت میں یہ سب سے بڑا اور مشہور ترین میلہ تھا۔ اس میلے کی شکل بہت بڑے بازار کی تھی۔ اس میلے میں عرب کے مشہور قبائل، یعنی قریش، ہوازن، غطفان، بنوخزاعہ، بنوحارث، بنوعبد مناف، بنوعقل اور بنومصطلق وغیرہ حصہ لیتے تھے۔ ان قبائل کے شیوخ خاص امتیازی شان سے اس میلے میں اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ آتے۔ ہر قبیلے کے لوگ اپنی شجاعت، جوانمردی اور اپنی اپنی خوبیوں کے قصیدے بیان کرتے۔ شعلہ بیان خطیب اپنے فن خطاب کا مظاہرہ کرتے۔ قبائل کو درپیش مسائل کا حل کیا جاتا اور ہر قسم کے مقدموں کے

فیصلے سناتے۔تمام شیوخ مل بیٹھ کرآپس میں آئندہ سال بھر کے لئے معاہدے طے کرتے۔ یہ میلہ گویا خرید وفروخت کی نسبت زیادہ تر قبائل کو درپیش مسائل اور آئندہ سال بھر کے ترقیاتی پروگراموں کو طے کرنے کا ایک باہمی ذریعہ تھا۔ جیسے ہی ذوالحجہ کا چاند نظر آتا یہ میلہ اختتام پذیر ہو جاتا۔

10. ذوالحجاز کا میلہ

عکاظ کے میلے میں تمام قبائل کے شیوخ جب آئندہ سال کے لئے پروگرام (لائحہ کار) مرتب کرنے کے بعد فارغ ہو جاتے تو پھر خرید فروخت کے لئے سب مل کر ذوالحجاز کے مشہور بازار میں ڈیرے ڈال دیتے۔ کہنے کو تو یہ بازار تھا مگر اسکی شکل ایک مستقل میلے سے کم نہ تھی۔ یہاں لین دین اور خرید وفروخت سے ذوالحجہ کی 9 تاریخ تک سب لوگ فارغ ہو جاتے۔ پھر فریضہ حج ادا کرتے اور یوں آئندہ سال پھر اسی ترتیب سے میلوں میں شرکت کے انتظار کو ہمراہ لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ ان تمام میلوں کا ذکر پڑھ لینے کے بعد آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل عرب تقریباً سارا سال ہی میلوں میں مصروف رہتے اسطرح ایک طرف تو انکی مصروفیت اور دلچسپی کا سامان موجود ہوتا دوسرا ان میلوں میں ہونے والی تجارت ہی ان لوگوں کا اصل میں ذریعہ معاش تھا۔

11. منیٰ کا میلہ یا بازار

میدان منیٰ بھی اہل عرب کے ہاں بازار یا میلے کی جگہ تھی جہاں سال میں ایک بار لوگوں کا تجارتی اجتماع ہوتا تھا۔ گو اس تجارتی اجتماع کی کیفیت دوسرے میلوں کی طرح نہیں ہوتی تھی مگر اہل عرب اس کو بھی میلے کی طرح ہی شمار کرتے تھے۔

12. خیبر کا میلہ یا بازار

خیبر کا علاقہ عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح بنجر اور صحرائی نہیں تھا یہاں زمین کاشت کے لئے نہایت موزوں تھی لاتعداد باغات یہاں موجود تھے۔ یہ علاقہ زیادہ تر یہودیوں کے زیر اثر اور انکی آبادیوں پر مشتمل تھا۔ عرب کی ساری معیشت انہی یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ پھر یہ بات امر مسلمہ ہے کہ صرف کاشت کاری کی بنا پر ہی کسی ملک یا خطہ کی معیشت کو قابو نہیں کیا جاسکتا جب تک وہاں کی تجارت پر بھی مکمل قابو نہ ہو۔ یہودی ان میدانوں میں چھائے ہوئے تھے سال میں ایک بار اس مقام پر بھی میلہ منعقد ہوتا تھا جس میں یہودی تاجروں کی اجارہ داری ہوتی تھی۔ یہاں مال کی خرید وفروخت میں یہ لوگ مالی انداز سے اپنی تجوریاں مزید بھاری کر لیتے تھے۔

13. یمامہ کا میلہ

خیبر کی طرح سرزمین یمامہ بھی نہایت زرخیز اور زیادہ تر قابل کاشت تھی۔ یہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر کھیتی باڑی اور کاشت کاری تھی۔ مگر سال میں ایک بار یہ لوگ بھی میلے کی شکل مین خرید وفروخت اور تجارت میں حصہ لینے کے لئے میلہ منعقد کرتے تھے۔ اس طرح یمامہ کے میلے کا شمار بھی عرب کی سرزمین پر لگنے والے دیگر میلوں میں ہوتا تھا۔

ہم نے اوپر سرزمین عرب پر لگنے والے قدیم میلوں کا حال قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔ اب یہاں خصوصی طور پر قبیلہ قریش کی تجارت کا مختصراً حال بھی بیان کر رہے ہیں کیونکہ آگے چل کر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہی قبیلہ بار بار ہمارا موضوع تحریر ہوگا اس لئے بہتر ہے کہ اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈال دی جائے۔

قریش کی تجارت کا بیان

تاریخ وجغرافیہ عرب قبل اسلام لکھنے کا میرا مقصد اس خطہ ارض کی مکمل تفصیل بیان کرنا ہے جہاں تاجدار عرب وعجم فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے لئے رشد وہدایت کے پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ اس ارض پر جس خاندان میں آپ علیہ السلام کا تولد شریف ہوا اسے قریشی ہاشمی کہا جاتا ہے اس لیے گزشتہ صفحات پر تو میں نے قبل اسلام اہل عرب کی عمومی طور پر تجارت کا ذکر کیا ہے مگر یہاں قبل اسلام اور آمد اسلام تک یہ مخصوص نسل یعنی قریش تجارت کے میدان میں جو مقام رکھتی تھی اسکا تفصیلی ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ تا کہ اس خاندان کی جاہ وحشمت کے بارے میں متلاشیان علم کما حقہ آگاہ ہوسکیں جس خاندان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مقدس سے دنیا کی عظمت اور رفعت حاصل ہوئی۔ تجارت اہل عرب کا قدیم ترین پیشہ رہا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ تجارت ہی اہل عرب کا پیشہ تھا باقی چند علاقوں میں کاشت کاری سے جو لوگ منسلک تھے انکی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ قریش تجارت کے پیشے کو کس قدر اہمیت ومقام دیتے تھے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھنے کے بعد اسکا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

صحیح بخاری (جلد 2) باب ذکر قتل ابوجہل میں آتا ہے "قریش ایک تاجر قبیلہ تھا۔ زراعت اور کاشتکاری کو وہ لوگ کمتر پیشہ خیال کرتے تھے"۔

اہل قریش دیگر عربوں کی طرح تجارت کیا کرتے تھے یہ سلسلہ مدتوں سے جاری تھا مگر ظہور اسلام سے تقریباً ایک صدی قبل جب یمن اور شام سیاسی کشمکش میں مبتلا تھے اور ہر روز نئی سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اس تجارتی پیشے پر بھی اسکے اثرات مرتب ہوئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے قریش کے سرداروں نے نہایت دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے چند اقدامات اٹھائے۔

شاہ یمن اور قیصر روم سے تجارتی فرمان کا حصول

قبیلہ قریش کے سردار قصی نے سب سے پہلے اور پھر ہاشم نے اپنی تجارت کو منظم کرنے کے لئے شاہ یمن نجاشی جو کہ حبشی النسل تھا اور قیصر روم کے دربار میں جا کران حکمرانوں سے اپنے لیے تجارتی پرمٹ یا فرمان یعنی اجازت نامے حاصل کیے۔ان دونوں حکمرانوں نے قریش کو بغیر کسی روک ٹوک کے تجارتی مقصد کے لئے آمد ورفت کی اجازت دے دی۔اسطرح قریش سال میں دو مرتبہ موسم سرما اور موسم گرما میں اپنے تجارتی قافلے لے کر جایا کرتے تھے۔موسم سرما میں ان تجارتی قافلوں کی منزل یمن ہوتی جبکہ موسم گرما میں نہ صرف ملک شام تک جاتے بلکہ ایشیائے کوچک تک بھی قریشی اپنا تجارتی سامان لے کر جایا کرتے تھے۔اس زمانے کے حالات کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر سمت سخت بدامنی اور لوٹ مار کا راج تھا اسکے باوجود کہ بعض اوقات شاہ یمن یا قیصر روم کے قافلوں تک کو لوٹ لیا جاتا تھا مگر قریش کے تجارتی قافلے ہمیشہ پرامن طریقے سے آتے جاتے تھے۔اسکی وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ مکرمہ کے باشندے تھے اور کعبہ کے متولی بھی۔اہل عرب کی نظروں میں بیت اللہ شریف کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔وہ لوگ قریش کو اللہ کے پڑوسی کہا کرتے تھے اور انکی بڑی قدر ومنزلت اور عزت کرتے۔اسطرح قریش اپنے تجارتی قافلوں کے ہمراہ بے دھڑک صبح وشام اپنا سفر جاری رکھتے اور یوں پرامن طریقے سے تجارت کا کاروبار چلا رہے تھے۔قریش کا یہ پرامن طریقے سے بدنظمی اور لوٹ مار کے زمانے میں بھی تجارتی سفر جاری رکھنے کی اصل وجہ تھی اس کے بارے میں اللہ کریم نے قرآن پاک میں دو دفعہ اپنے پیارے محبوب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا تا کہ قریش کو علم ہو سکے کہ انکا پرسکون اور بے خوف وخطر تجارتی قافلوں کا لے جانا اصل میں اللہ کریم کے گھر بیت اللہ کی برکت سے تھا نا کہ اس میں قریش کا کوئی اپنا کمال تھا پھر اس بیت مقدسہ سے اہل حق کو بھی یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ قریش کے دھوکے میں نہ آئیں۔ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 196۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

ترجمہ:''اے سننے والے ان کافروں کا شہر شہر پھرنا ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے''(سورۃ آل عمران آیت 196)

مذکورہ آیات میں تو اہل ایمان کو بتایا گیا کہ وہ کفار کے بے روک ٹوک ملک ملک پھرنے کو انکا کمال خیال نہ کریں بلکہ یہ سب کچھ تو اللہ کے کرم اور اسکے گھر کی برکت کی وجہ سے ہے۔پھر قرآن کریم میں سورہ قریش نازل فرما کر براہ راست قریش کا نام لے کر خطاب فرمایا کہ وہ اسکے احسان ونعمت کا احساس کرتے ہوئے سیدھی راہ پر آجائیں۔ارشاد فرمایا۔سورۃ قریش آیات 1 تا 4۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''قریش کو سردی اور گرمی دونوں موسموں کے سفر میں رغبت دلایا تو انہیں چاہیے اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا'' (سورۃ القریش آیات 1 تا 4)

قریش کے تجارتی قافلے سارا سال تجارت کی غرض سے اطراف عرب کا سفر جاری رکھتے مگر ماہ ذیقعد میں ہمیشہ مکہ مکرمہ لوٹ آتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس ماہ کا نام ذیقعد رکھ دیا گیا۔ عربی زبان میں ذیقعد کے معنی ''بیٹھنے'' کے ہیں۔ یعنی گھروں میں آرام کرنے کے ہیں۔ ماہ ذیقعد کے بعد ماہ ذی الحجہ یعنی حج کا مہینہ آتا ہے۔ اس ماہ میں اہل عرب کا فرض تھا کہ وہ حاجیوں کی دیکھ بھال اور انکے رہنے کا بندوبست کریں۔ ایام حج میں دور دراز سے جو قبائل حج کی غرض سے مکہ مکرمہ آتے یہ وہی لوگ ہوتے جو سارا سال قریش کے تجارتی قافلوں کو امن سے اپنے اپنے علاقوں سے گزرنے دیتے تھے۔ اہل قریش ان قبائل کے اس احسان کا بدلہ یوں چکاتے کہ مکہ مکرمہ میں اپنا تجارتی مال خود لے کر ان قبائل کے پاس جاتے اور یوں خرید وفروخت کرتے تھے۔ اہل قریش تجارت کے میدان میں اسقدر ترقی حاصل کر چکے تھے کہ انکی عورتیں بھی جو بیوہ اور بظاہر لاچار تھیں اپنا سرمایہ تجارتی کاروبار میں لگا دیتی تھیں اور یوں معقول منافع حاصل کرتیں۔ سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات زندگی میں اسکی تفصیل عرض کروں گا۔ انشاء اللہ۔

اہل قریش کے عام آدمی سے لے کر سرداروں تک یہی تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ابوطالب بن عبدالمطلب، ابوجہل، ابوسفیان، ابولہب، عتبہ، شیبہ وغیرہ سب تاجر تھے۔ اور اپنا سامان تجارت لے کر دور دراز کے ممالک میں جاتے رہتے تھے۔ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اکثر تجارت کی غرض سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کئی دفعہ بصرہ تشریف لے گئے ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں جا کر آپ علیہ السلام نے قریش کے تجارتی قافلوں کو جو شام کی طرف جاتے تھے چھیڑنا شروع کر دیا غزوۂ بدر اسکا نتیجہ تھا۔ انشاء اللہ آگے چل کر غزوات کے باب میں اس کی تفصیل پیش کروں گا۔

تاریخ اسلام اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ کفار مکہ نے جب مسلمانوں کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا تو مسلمانوں نے انہیں دھمکی دی تھی کہ ہم تمہارے تجارتی قافلوں کو مدینہ منورہ کے قریب شام کے راستے میں روک لیں گے۔ یہ دھمکی اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ قریش مکہ نے مجبوراً سن 6ھ میں مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ حدیبیہ تحریر کیا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں مقام ''دسلع'' پر کپڑے کا کارخانہ تھا۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کیا کرتے اور انکا مال ایران تک جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ کھجوروں، پنیر اور کپڑے وغیرہ کی تجارت کیا کرتے تھے۔ مہاجرین نے مدینہ منورہ پہنچ کر تجارت میں اسقدر ترقی حاصل کی کہ صدیوں

سے یہودیوں کی تجارت پر قائم اجارہ داری کو ہی ختم کر دیا بلکہ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے ہی نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ مختصراً اہل قریش تجارتی میدان میں بجا طور پر منظم تھے۔

طبقات ابن سعد، باب غزوہ بدر
صحیح بخاری شریف۔جلد۔2، باب مغازی
صحیح بخاری شریف کتاب الایمان
طبقات ابن سعد۔جلد۔3، صفحہ۔130
مسند احمد۔جلد۔1، صفحہ۔62
مسند احمد ابن حنبل۔جلد۔3، صفحہ۔247
یعقوبی۔جلد۔1، صفحہ۔314
کتب سیرۃ ذکر ہجرت مدینہ منورہ
صحیح بخاری کتاب الحج، التجارۃ
فتح الباری۔جلد۔3، صفحہ۔473 وغیرہ

قبل اسلام اقتصادی حالت

عام طور پر دیکھا گیا ہے اور اکثر مورخین تاریخ بھی اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ کسی قوم یا ملک کے اقتصادی حالات وہاں کے اجتماعی حالات کے تابع ہوتے ہیں یہی صورت حال اہل عرب کے ہاں بھی پائی جاتی تھی۔ اہل عرب کے ذرائع معاش کا مطالعہ کریں تو ہماری مذکورہ بات آپ کو عیاں نظر آئے گی۔ سرزمین عرب کے کچھ علاقے چھوڑ کر جہاں مقامی آبادی کی ضروریات کے مطابق کاشت کاری ہوتی تھی۔ باقی سارا ملک تجارت سے ہی زندگیاں بسر کرتا تھا گویا یوں کہنا چاہیے کہ اہل عرب کی معاش کا دارومدار ہی تجارت پر تھا۔ تجارتی کاروبار کے لئے اندرون اور بیرون ملک حالات اور آمدورفت کا پرسکون اور پرامن وسلامتی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ ہم پہلے بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں کہ اہل عرب جاہلیت کی وجہ سے ہمیشہ قتل وغارت اور لوٹ مار پر ہی یقین رکھتے تھے۔ صرف قریش ایسا قبیلہ تھا جو بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کی وجہ سے ان قاتل لٹیروں سے بچا ہوا تھا۔ پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے تقریباً سو سال پہلے جب یمن پر حبشی اور شام پر رومن قابض تھے ہر طرف افراتفری اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا مگر مناف اور ہاشم کے تدبر سے اہل قریش پرامن طریقے سے تجارت کرتے تھے۔ ورنہ عام طور پر سال میں حرم والے مہینوں کے علاوہ باقی سارا سال کوئی قافلہ یا راستہ لٹیروں سے محفوظ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے مشہور میلے جہاں سال بھر کے لئے تجارتی خرید وفروخت ہوتی تھی یعنی بازار عکاظ اور ذی المجاز انہی حرمت والے

Marfat.com

مہینوں میں سجتے تھے کیونکہ ان ایام کا تقدس پیش نظر رکھتے ہوئے لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور قتل گری رک جاتی تھی۔ اگر اہل عرب قتل وغارت گری نہ کرتے تو اقتصادی میدان میں یہ لوگ نہایت ترقی یافتہ اور مستحکم معاش کے مالک ہوتے۔ بہر حال اقتصادی اعتبار سے اہل عرب اگر بہت زیادہ مستحکم نہیں تھے تو اتنے کمزور بھی نہ تھے۔

اسلام سے پہلے مذاہب عرب

تاریخ انسانی کی ابتداء پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت سے لے کر آج تک اور پھر آج سے قیامت تک یہ حضرت انسان اندرونی طور پر ہر لحہ اپنی عاجزی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ گو بظاہر بڑا ہی مغرور بننے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان اپنی تخلیق کے آغاز میں اپنی ذات کے علاوہ ہر چیز سے ڈرتا تھا۔ اس ڈر وخوف کی وجہ سے ہر شے کو اپنا مدد گار خیال کرتا تھا۔ اسے اپنے وجود سے جو بھی چیز بڑی نظر آتی اسے ہی اپنا مدد گار اور خدا سمجھنے لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک بلند پہاڑ، بڑے بڑے درخت، دریا، سمندر، جنگلی جانور غرض اس قسم کی بے شمار چیزیں خدائی کا درجہ رکھتی تھیں۔ عرصہ دراز تک ان چیزوں کو پوجتا رہا مگر جب انکی اصل حقیقت سے آگاہ ہوا تو ان تمام چیزوں کو اپنے تابع خیال کرتے ہوئے ان سے دستبردار ہو گیا۔ پھر اسکی عقل نے چاند، ستاروں اور سورج کو بے پناہ قوتوں کا مالک جان کر انکی پرستش شروع کر دی۔ جوں جوں عقل انسانی ترقی کرتی رہی حضرت انسان ان چیزوں کو بھی چھوڑ کر آنکھوں سے اوجھل قوتوں یعنی روحوں وغیرہ کو اپنا معبود بنا بیٹھا۔ ارواح نظر آنے والی چیزیں نہ تھیں اس لئے انسان نے اپنی عقل کے مطابق انکی خیالی مورتیاں بنا کر انکو پوجنا شروع کر دیا۔ ان مورتیوں کے حضور نذرانے پیش کرنے لگا یہاں تک کہ نہایت عقیدت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے لئے خونی عطیات پیش کر دیتا۔ انسان کی اس جہالت، کم عقلی اور بے راہ روی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اسکی اصلاح کے لئے ہر زمانہ میں اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے کچھ لوگ تو انکی نصیحت کو مانتے ہوئے راہ راست پر آگئے جبکہ کچھ ایسے مغرور، اجڈ اور جاہل بھی تھے جو بدستور ان باطل اور فانی چیزوں کی برابر پرستش کرتے رہے۔ سرزمین عرب پر بسنے والے انسان عجیب وغریب عقلوں کے مالک تھے ہر ایک اپنے اپنے خود ساختہ نظریات پر قائم تھا۔ اسطرح بے شمار مختلف مذاہب موجود تھے جنکی اگر الگ الگ تفصیل لکھی جائے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ ستارہ پرست، بت پرست، ارواح پرست، ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار، حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے، ملحد، دہریئے، جو کہ کسی چیز کو نہیں مانتے تھے وغیرہ بے شمار فرقے اور مذاہب موجود تھے۔ مذاہب عرب کو تفصیلاً بیان کرنے کے لئے تین مختلف گروہ یا طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو کہ یہ تھے۔

1. امم یا قوم سام اولیٰ (اول) ''انکو عرب بائدہ بھی کہتے ہیں''
2. قوم قحطانیہ ''انہیں عرب عربا کہا جاتا''

3. اولاد ابراہیم علیہ السلام ''یہ عرب مستعربہ کہلاتے تھے''

قوم سام اولیٰ کا مذہب

سرزمین عرب پر بسنے والی یہ سب سے قدیم قوم تھی۔ قوم سام کے تاریخی حالات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف انکے مذہبی حالات پر ہی روشنی ڈالی جائے گی۔ اس قوم میں عاد، ثمود اور جرہم وغیرہ مشہور قبائل تھے۔ جو عرب سے لے کر مصر، شام اور عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔ تاریخ عرب کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی۔ قصص الانبیاء میں جہاں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا ذکر آتا ہے وہاں ہمیں یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ لوگ خدائے قدوس کو چھوڑ کر بہت سے دوسرے خداؤں کو پوجتے تھے۔ اس سلسلے میں سورۃ اعراف کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

بت پرست

قدیم کتب تاریخ، کتبات اور حاصل شدہ تحریروں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ قوم مختلف قبائل میں تقسیم تھی اور ہر قبیلہ الگ الگ آبادیوں کی شکل میں رہتا تھا۔ ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں ضرور ہوتی تھیں ایک کا نام بیت الحکومہ اور دوسری کا نام ہیکل ہوتا تھا۔ آبادی کا حاکم بیت الحکومہ میں رہتا تھا، جبکہ ہیکل کا نظم ونسق اور خود مختاری آبادی کے کاہن کے پاس ہوتی تھی۔ اسطرح ایک آبادی پر ایک وقت میں مذہبی اور سیاسی دو الگ الگ حاکم ہوتے تھے۔ سیاسی حاکم کی نسبت مذہبی کاہن زیادہ اثر، بااختیار اور طاقت ور ہوتا تھا۔ جب دو آبادیوں کے درمیان جنگ ہوتی تو جیتنے والا شکست خوردہ آبادی کے دیوتا کو بھی اٹھا کر ہمراہ لے جاتا تھا۔ پھر مفتوح جب تک فاتح سے اپنا دیوتا لڑ کر یا پھر منت سماجت کر کے واپس نہ لے لیتا چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔ سورۃ بقرہ (رکوع 32،33) کا مطالعہ کریں تو طالوت وجالوت کے واقعہ میں یہ بات تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

ستارہ پرست

قوم سام بت پرستی کے علاوہ ستاروں کی پوجا بھی کرتی تھی۔ دنیا میں ستارہ پرستی کی ابتداء اسی قوم نے کی۔ قوم سام جن علاقوں میں رہائش پذیر تھی وہاں کی آب وہوا اور جغرافیائی کیفیت قدرت نے کچھ اسطرح کی بنائی ہوئی تھی کہ فضاء ہمیشہ گرد وغبار سے پاک صاف رہتی۔ اس علاقے کے لوگ رات کو اپنے مویشی بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ لے کر کھلے آسمان کے نیچے رہتے تھے۔ رات کو سونے سے پہلے اور رات کے کسی وقت بھی جب انکی آنکھ کھلتی اوپر کھلے آسمان پر ستاروں کی دنیا کو چمکتا دیکھتے اور یوں آہستہ آہستہ ان ستاروں کو ہی خدا سمجھتے ہوئے پوجنے لگے۔ سورۃ انعام میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے

ستاروں کو دیکھ کر جنہیں قوم پوجتی تھی ارشاد فرمایا ''یہ خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تو چھپ جاتے ہیں''۔ پھر اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ ''میں تو اس کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں جو ان ستاروں کو پیدا کرنے والا ہے''۔ یہ سن کر قوم آپ علیہ السلام کے خلاف ہوگئی مگر قوم کی شدید مخالفت کے باوجود آپ علیہ السلام خداوند قدوس کی واحدانیت کا اعلان فرماتے رہے۔ سورۃ انعام دیکھیں، ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام آیت 74

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد آزر سے فرمایا کہ آپ بتوں کو اپنے خدا بناتے ہو''
اسی طرح سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے عاد کی اس جماعت سے جو مصر کی حکمران تھی ارشاد فرمایا'' اے قید کے ساتھیو یہ الگ الگ معبود اچھے ہیں یا ایک خدا جو زبردست ہے، تم لوگ چند بے معنی، بے اصل اور فضول ناموں کی پوجا کرتے ہو، جن کو تم نے خود یا تمہارے باپ داداؤں نے گھڑا ہے''۔ بہر حال بتانا یہ ہے کہ اس قوم نے ستاروں کو دیکھ کر اپنے ذہنوں کے مطابق انکی شبیہ بنا کر انہیں پوجنا شروع کر دیا۔

سورج دیوتا

مصر میں آباد سامی قوم بھی ستارہ پرست تھی۔ انکے نزدیک سب سے بڑا دیوتا سورج تھا۔ مصری زبان میں سورج کو (رع) کہتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے دارالحکومت کا نام ہی ''مدینۃ الشمس'' یعنی سورج کا شہر رکھا ہوا تھا۔ اس شہر میں ایک مخصوص مندر تھا جسکو آفتاب دیوتا کا مندر کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ وقت سورج کا بیٹا ہوتا ہے۔ اس لیے بادشاہ کو کہا ہی ''ابن شمس'' جاتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ ان حکمرانوں کے دماغ اس قدر خراب ہوگئے کہ انہوں نے خود کو خدا ہی کہنا شروع کر دیا۔ قرآن کریم میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مناظرہ کا حال بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے فرعون مصر کے ساتھ کیا جو خود کو خدا کہتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 258۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ
الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا
اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ
الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

ترجمہ: ''اے محبوب کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ان کے خدا کے بارے میں جھگڑا اس لئے کیا کہ خدا نے اسکو بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا

میرا رب آفتاب مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکالو۔ اس دلیل کو سن کر کافر کے ہوش اڑ گئے اور وہ کافر لا جواب ہو گیا اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو"۔ (سورۃ البقرۃ آیت 258)

غرض یہ قوم گمراہی کے گہرے کھڈوں (گڑھوں) میں گر چکی تھی اور ہر سمت بت پرستی ونجم پرستی وشخصی خدائی کا راج تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، عاد، ثمود، لوط اور قوم ابراہیم، مدین اور فرعون مصر پر تباہی نازل فرمائی جسکا حال قرآن کریم میں مذکور ہے۔

پیغمبران قوم سامیہ اولیٰ

تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ام سامیہ اولیٰ کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین پیغمبر مبعوث فرمائے۔ یعنی سیدنا حضرت ابراہیم، سیدنا حضرت ہود اور سیدنا حضرت صالح علیہما السلام۔

(1) سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبائل سامیہ میں مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ تقریباً دو ہزار قبل مسیح ہے۔ اس زمانے میں یہ قبائل بابل، شام اور مصر میں آباد تھے۔ سفر تکوین کے مطابق آپ علیہ السلام ان تینوں ملکوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انہی ممالک میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کو بت پرستی، نجم پرستی اور خدائی کا دعویٰ کرنے سے روکا۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ نمرود نے آپ علیہ السلام کی دعوت حق کو نہ صرف ماننے سے ہی انکار کیا بلکہ آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا مزید تفصیل کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اس قوم کو آپ علیہ السلام نے زندگی کے ہر موڑ پر گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی مزید تفصیل میں جانا ہمارے موضوع کو بہت زیادہ طویل کردے گا اس لیے انہی الفاظ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں بابل کا ذکر سورۃ البقرہ آیت 103 میں کیا گیا ہے۔

(2) سیدنا حضرت ہود علیہ السلام

سیدنا حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سامیہ قوم کے ان قبائل کی طرف مبعوث فرمایا جو جنوبی عرب میں سکونت پذیر تھے۔ ان قبائل کے باشندوں نے بھی بابل، شام اور مصر کے لوگوں کی مانند سیدنا حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت حق کو قبول نہ کیا، قرآن کریم میں اس قوم کے بارے میں ذکر موجود ہے۔ اللہ کے اس پیغمبر کی دعوت حق کو ٹھکرانے کی وجہ سے جنوبی عرب کے ان قبائل کو عذاب الٰہی سے ہلاک کردیا گیا۔

(3) سیدنا حضرت صالح علیہ السلام

سیدنا حضرت صالح علیہ السلام ان سامی قبائل میں تشریف لائے جو شمالی عرب میں سکونت پذیر تھے۔ ان قبائل نے بھی دعوت حق کو قبول نہ کیا بلکہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ میری اونٹنی ایک روز چشمے سے پانی پیا کرے گی اور ایک روز قوم کے مویشی مگر اس قوم نے اپنے پیغمبر کے اس حکم پر عمل نہ کیا۔ تفصیلی واقعہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہ قبائل یعنی عاد سامیہ اولیٰ اور ثمود وغیرہ کو اللہ کے ان پیغمبروں نے باطل، گمراہی اور بت پرستی سے باز رکھنے کے لئے عرصہ دراز تک تبلیغ فرمائی۔

قوم قحطانیہ یا عرب عاربہ

بنوقحطان قوم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوبی عرب میں برسراقتدار آئے۔ تاریخ عالم اور خاص طور پر تاریخ عرب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ مختلف قبائل میں الگ الگ ستاروں کو پوجا کیا جاتا تھا۔ جس جگہ ستاروں کی پوجا کی جاتی تھی اس جگہ کو ہیکل کہتے تھے۔ اس قوم نے ستاروں کی خالی مورتیاں بنا کر ان ہیکلوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مورتیوں کی نگرانی کے لئے جو لوگ ہیکلوں میں مقرر تھے انکو کاہن کہا جاتا تھا۔ عبادت کے وقت یہ لوگ ان ہیکلوں کے اندر لوبان اور خوشبودار لکڑیاں جلایا کرتے تھے۔ بنوقحطان میں جو قوم یا قبیلہ پہلے شمار پر تھا اسکو قوم سبا کہتے ہیں۔

قوم سباء (سورج کی پجاری قوم)

قوم قحطانیہ یا بنوقحطان میں سب سے مشہور قبیلہ یا قوم سبا تھی۔ اس قوم کی اکثریت سورج کی پوجا کرتی اسکو اپنا خدا مانتی تھی۔ قرآن کریم میں اس قوم کا ذکر موجود ہے۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد نے جب ملکہ سبا کا بتایا تو اس نے قوم سبا کے مذہب کا ذکر بھی کیا تھا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "سورۃ النمل آیت 24۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

میں نے ملکہ اور قوم سباء کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے۔ (سورۃ النمل آیت 24)

قدیم یونانی مورخین کے ہاں بھی ملکہ سباء کے مذہب کا ذکر موجود ہے۔ تھیوفرستینس جو کہ قوم سباء کا ہم عصر تھا

اس نے تقریباً حضرت عیسٰی علیہ السلام سے 312 برس قبل لکھا ہے کہ ''ملک سباء والے بخورات کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ بخورات کا ڈھیر ہیکل میں ہر وقت موجود رہتا جہاں سورج کی پوجا کی جاتی تھی۔ یہ بخورات اس قوم کے نزدیک نہایت اہمیت کے حامل تھے''۔ عرب تاریخ دان اس بات کو با اجماع بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا کے مورث اعلیٰ کا نام عبد شمس تھا ''عبد شمس کے معنی سورج کا پرستار کے ہیں''۔ یورپی مورخین کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ 986 تا 932 قبل مسیح ہے۔

ملک یمن سے کھدائی کے دوران آثار قدیمہ کو کچھ قدیم کتبات ملے ہیں۔ جن پر قوم سبا اور اسکے مختلف قبائل میں پوجے جانے والے معبودوں کے نام درج ہیں۔ تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان ناموں سے برکت اور مدد کی درخواست کیا کرتے تھے نیز ان کتبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا سورج کے علاوہ ستاروں کی بھی پرستش کرتی تھی۔ اسی طرح ملک عرب کے آثار وکتبات میں جنوبی عرب کے مختلف قبائل کے دیوتاؤں کے جو نام ملتے ہیں انکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

اہل معین

1۔ عشتار (زہرہ) 2۔ نکروہ (عداوت) (مریخ)
3۔ ود (محبت) 4۔ شمس (سورج)

اہل قتاب

1۔ عشتار (زہرہ) 2۔ عم (چاندی)
3۔ بنای (عطارد) 4۔ شمس (سورج)

حضرموت

1۔ عشتار (زہرہ) 2۔ سین (چاند)
3۔ حول (قوت) 4۔ شمس (سورج)

اہل سباء

1۔ عشتار (زہرہ) 2۔ ہوبس (چاند)
3۔ المقہ (تحریر شدہ نشانات) 4۔ شمس (سورج)

مذکورہ دیوتاؤں کے نام غور سے پڑھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا اور اسکے مختلف قبائل جس قدر دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے ان میں دو نام مشترک ہیں یعنی عشتار (زہرہ) اور شمس (سورج) ان کے علاوہ باقی الگ

الگ ستاروں کے نام ہیں۔ جو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی وجہ سے جو اشکال اختیار کرتے انکی اسی طرح پوجا کی جاتی تھی۔ تاریخ عرب پر گہری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ قحطانی قبائل ظہور اسلام سے پہلے جن بتوں اور دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے انکی تفصیل یہ ہے۔

1. بنوحمیر۔ شمس (سورج)
2. بنوذوالکلاع۔ نسر (ستارے کا نام ہے)
3. بنوخیوان یا (ہمدان) یعوق (روکنے یا ٹالنے والا استاذہ)
4. بنوخولان (یمنی قبیلہ عمیانس یا عم (اس کا معنی انسان کا چچا یا محافظ ہے)
5. بنوعبدالمدان یمنی قبیلہ مدان ستارہ
6. حضرموت۔ جلسد
7. اہل صنعاء یمنی قبیلہ۔ کعیت اور اسکی بیوی
8. اہل نجران ایک درخت کی پوجا کرتے تھے

اس قوم نے ہر دیوتا کے لئے الگ الگ چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے اہم ہیکل تعمیر کر رکھے تھے جہاں انکی پوجا یا پرستش کی جاتی۔ ان ہیکلوں میں چند بہت بڑے اور مشہور ترین تھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہیکلوں کا ذکر بھی تحریر کر دیا جائے تا کہ کوئی پہلو بھی تشنہ تکمیل نہ رہے۔

1۔ ہیکل ریام

یہ ہیکل ریام یمن میں واقع تھا۔ یہاں چاند اور سورج کی مورتیاں بنا کر رکھی ہوئی تھیں۔ جنکی پرستش کی جاتی۔ اہل عرب کے ہاں اس ہیکل کو قدیم ترین مذہبی عمارتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بقول ابن اسحاق اہل یمن اس عمارت کی بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ یہاں انسانی قربانیاں بھی دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری تک اس عمارت کے در و دیوار پر خون کے نشانات موجود تھے۔ مختصراً ہیکل ریام اہل یمن کے ہاں تقدس کا نشان تھا۔

2۔ غمدان

اہل یمن کے ہاں عشار کی زیادہ پوجا کی جاتی تھی۔ صنعاء میں مشہور ترین ہیکل تھا۔ جہاں زہرہ کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس وجہ سے وہ جگہ ہی ہیکل زہرہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس ہیکل کے بانی کا نام ایشرح بن یحصب تھا۔ ہیکل زہرہ کی عمارت سات منزلہ تھی۔ ان منازل میں سے ایک شیر کے مجسمہ کی طرح بنی ہوئی منزل تھی۔ دور خلافت اسلامیہ میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس ہیکل کو مسمار کر دیا گیا تھا۔ ہیکل زہرہ کی عمارت سات منزلہ ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید اہل یمن نے اس سے مراد سات آسمان لئے ہوں یا پھر شاید ہفتے کے

سات یوم کی نسبت سے ایسا کیا ہو۔ یہ ہمارا ذاتی خیال ہے صحیح صورت حال کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

3۔ ذوالخلعہ

مکہ سے یمن کی طرف سات منزل کے فاصلے پر یہ ہیکل ذوالخلعہ واقع تھا۔ اہل عرب کے ہاں اس ہیکل کی انتہائی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ جس قدر دوسرے ہیکل موجود تھے ان سب کی نسبت یہ ہیکل زیادہ متبرک اور اہم ترین تھا۔ اسکا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ اہل عرب اس ہیکل ذوالخلعہ کو یمن کا کعبہ کہتے تھے۔ اس ہیکل میں سفید سنگ مر مر کا ایک بت کھڑا کیا گیا تھا جس کے سر پر سنگ مرمر کو کاٹ کر پھول، بیل بوٹوں کا ایک تاج رکھا ہوا تھا۔ بت کے گلے میں پتھروں کو تراش کر خوبصورت ہار ڈالا گیا تھا۔ یہاں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل یمن پتھروں کو تراش کر مختلف اشکال بنانے میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ قبیلہ دوس، خشعم، بجیلہ وغیرہ اس بت کے پجاری تھے۔

صحیح بخاری شریف باب سریہ الخلعہ میں آتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہیکل ذوالخلعہ کو مسمار کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے جاکر اس ہیکل کو ہی جلا کر خاک کر ڈالا تھا۔ 12ھ میں جب فخر کونین تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال شریف ہوگیا۔ اور سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت آیا تو یہ قبائل بھی مرتد ہوگئے ان لوگوں نے ہیکل ذوالخلعہ کو دوبارہ زندہ کرنا چاہا مگر سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسقدر سختی کے ساتھ ان قبائل کی سرکوبی فرمائی کی پھر دوبارہ ان لوگوں کو ایسا کرنے یا سوچنے کی ہمت نہ ہوئی۔

4۔ قلیس

ملک حبشہ کے عیسائیوں نے یہ قلیس یا کلیسا بنا رکھا تھا۔ تاریخ عرب بتاتی ہے کہ اس کلیسا میں دو بت نصب تھے۔ ان دونوں کو پوجا کرنے والوں نے میاں بیوی قرار دے رکھا تھا۔ میاں یا خاوند بت کا نام ''کعب'' تھا جو کہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اسکی لمبائی ساٹھ ہاتھ یعنی 90 (نوّے) فٹ تھی۔ لوگ بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ اس بت کی پوجا کرتے اور اس پر گراں قدر چڑھاوے نچھاور کرتے تھے۔ عرصہ دراز تک اس بت کی پرستش ہوتی رہی آخر عباسی دور خلافت (132ھ-656ھ) میں اس ہیکل کو برباد کر دیا گیا اور یوں کرہ ارض اس ناپاک لکڑی کے خدا سے پاک ہوئی۔ جس قدر ہیکل اور بتوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور انکے علاوہ مزید بت سرزمین عرب پر پوجے جاتے تھے۔ پجاری قومیں ان بت خانوں اور وہاں دیکھ بھال کرنے والوں کو ضروریات واخراجات کے لئے اپنی پیداوار اور تجارتی کمائی میں سے ایک مخصوص حصہ بڑی باقاعدگی سے ان بت خانوں کی نذر کرتی تھیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ اہل حضرموت دیگر علاقوں میں بسنے والی تمام اقوام کی نسبت اس اصول کے بڑے سخت پابند تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ الانعام آیت 136۔

Marfat.com

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

''اور خدا نے جو جانور اور کھیتی پیدا کی ہے۔ یہ کافر اس کا ایک حصہ خدا کے لئے نکالتے ہیں۔ اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے تو وہ جو ان کے دیوتاؤں (بتوں) کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان کے دیوتاؤں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔'' (سورۃ الانعام آیت 136)

ہم پہلے کئی مقامات پر ذکر کر چکے ہیں کہ ایران اور روم کی باہمی جنگوں میں اہل عرب کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شمالی عرب کے سرحدی قبائل نے اہل روم کی ہمیشہ کھل کر مدد کی اور یہاں تک کہ ان لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اہل روم نے ان علاقوں میں خصوصی طور پر اور عرب کے دیگر علاقوں میں عمومی طور پر عیسائیت کے فروغ کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔ حبشہ کے عیسائی اس مقصد کے لئے پیش پیش تھے۔ نجران میں ان لوگوں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی مگر اندرون عرب یہودیوں کی اکثریت تھی۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ اہل یمن کی اکثریت نے بھی یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ صرف حمیر کے علاقے میں عیسائی بادشاہ حکمران تھا۔ تاریخ عرب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سرزمین عرب پر عیسائی اور یہودی ہی کثرت میں آباد تھے۔ پھر اللہ کریم کو سرزمین عرب پر رحم آیا اور اس نے اپنے پیارے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا پر احسان عظیم فرماتے ہوئے مبعوث فرمایا جنہوں نے بڑے ہی قلیل عرصہ میں سرزمین عرب اور اطراف کو نور اسلام کی روشنی سے چمکا دیا۔

اولاد ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد شمالی عرب میں بھی آباد تھی۔ جسطرح جنوبی عرب بابل اور اہل عراق کے درمیان مذہبی خیالات میں اتحاد نظر آتا ہے بالکل اسی طرح شمالی عرب یعنی حجاز مقدس، مدین اور نجد کے علاقوں وشام اور اہل فلسطین کے درمیان مذہبی میدان میں مکمل اتحاد نظر آتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کی سرزمین کفر سے ہجرت کر کے شام اور عرب کی سرزمین پر تشریف فرما ہوئے تھے (قرآن کریم میں بابل کا ذکر سورۃ البقرہ آیت 133 میں کیا گیا ہے) جہاں آپ علیہ السلام کی اولاد بے شمار قبائل میں تقسیم ہوئی۔ اس لیے مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک یہ بات اظہر من الشمس ہونی چاہیے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کی ابتدا

توحید پر تھی اور وہ سب لوگ موحد تھے۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن کریم فرقان حمید کی سورہ بقرہ کی آیت تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا سوال اور پھر آپ علیہ السلام کی اولاد نے جو جواب دیا اسکا ذکر فرمایا ہے اللہ کریم کے اس ارشاد مبارک کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور یوں یہ موجودہ مذاہب ان لوگوں کے خود ساختہ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 133۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِى ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

ترجمہ: ”کیا آپ موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی اور جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کا ایک خدا۔ اور ہم اسکے تابع فرمان رہیں گے“۔ (سورۃ البقرہ آیت 133)

اب پھر تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ جب اولاد ابراہیم زمانہ گزرنے کے ساتھ برابر پھولتی پھلتی رہی تو انکے لئے سرزمین عرب تنگ ہوتی چلی گئی چنانچہ اولاد آہستہ آہستہ ہجرت کرتی گئی۔ یوں بنو اسرائیل مصر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے دین ابراہیمی علیہ السلام کو بھلا دیا اور خود ساختہ بدعات اس حد تک دین میں شامل کر دیں کہ اسکی اصل روح ہی ختم ہوگئی اللہ کریم نے ان لوگوں کی اصلاح کے لئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قوم میں مبعوث فرمایا۔ بنو اسرائیل نے دین ابراہیمی کی حالت اسقدر مسخ کر دی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متواتر تبلیغ کے باوجود یہ قوم جب غفلت کا شکار ہوتی تو بھاگ بھاگ کر پھر بتوں کے آگے سجدہ ریز ہو جاتی۔ تاریخ یہود اور توراۃ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ بنی اسرائیل کی اکثریت نجم (ستارہ) پرست تھی۔ یہ لوگ بڑے بڑے ہیکل اور بت خانے تعمیر کرتے۔ جن میں ستاروں کی پرستش ہوتی۔ سونے، چاندی اور پتھروں کے بت بنا کر انکے سامنے سجدہ کرتی۔ بھاری رقوم اور دیگر قیمتی اشیاء نذر چڑھائی جاتیں۔ ان لوگوں کے ہاں ”بعل“ نامی بت بہت مشہور تھا۔ اسکے علاوہ یہروت، مولک، شمس، قمر اور دیگر بہت سے ستاروں وغیرہ کو درجات کے اعتبار سے پوجتے تھے۔ اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد سرزمین عرب پر آباد تھی وقت کے ساتھ ساتھ بنو اسرائیل کی طرح اس نے بھی مذہب حق چھوڑ کر خود ساختہ بے شمار عقائد اور مذاہب اختیار کر لئے تھے۔

یہاں ہم سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جن قبائل کا سرزمین عرب پر آباد ہونا ثابت ہے

ان میں سے چیدہ چیدہ اور اہم ترین مشہور قبائل کا اختصار کے ساتھ ذکر تحریر کر رہے ہیں اگر تمام قبائل کا مفصل حال تحریر کیا جائے تو موضوع بہت ہی طویل ہو جائے گا اور پھر اس کے لئے الگ کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

خاندان مدین

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد سرزمین عرب پر آباد تھی اس میں سے خاندان مدین کافی شہرت کا حامل تھا۔ قرآن کریم میں اس خاندان کی بت پرستی کا ذکر آتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خود ساختہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم میں مبعوث ہوئے اور ان لوگوں کو راہ حق پر چلنے کی متواتر ہدایت فرماتے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میرا محبوب پیغمبر اپنی اس قوم کو راہ راست پر چلنے کی تلقین فرماتا رہا۔ ارشاد فرمایا سورۃ العنکبوت آیت 36۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱرْجُوا۟ ٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا تو اس نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اور پچھلے دن کی امید اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو'' (سورۃ العنکبوت آیت 36)

سورۃ ہود آیت 84۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا

قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ وَلَا تَنقُصُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ إِنِّىٓ أَرَىٰكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ

ترجمہ: ''اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا (آپ نے اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں۔ اور مجھے تم پر گھیر لینے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔'' (سورۃ ہود آیت 84)

حضرت شعیب علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کو سن کر قوم جو جواب دیتی تھی۔ قرآن کریم نے اسکا ذکر یوں بیان کیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ ہود آیت 87۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ
اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ

ترجمہ: ''بولے اے شعیب (علیہ السلام) کیا تمہاری نماز تم کو یہ کہتی ہے کہ ہم اسکو چھوڑ دیں جسکو ہمارے اسلاف پوجتے آئے ہیں'' (سورۃ ہود آیت 87)

قرآن کریم میں مدین کا ذکر سورۃ الاعراف آیات 85 سورۃ توبہ آیت 70، سورۃ ہود آیات 84،95، سورۃ طٰہٰ آیت 40، سورۃ الحج آیت 44، سورۃ القصص آیات 22،23، 45 اور سورۃ العنکبوت آیت 36 میں کیا گیا ہے۔

توراۃ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ قوم مدین جس بت کی پرستش کرتی تھی اسکا نام ''بعل'' تھا۔ بعل یمن کی زبان میں ''آقا'' اور ''مالک'' کو کہا جاتا تھا۔ سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام کو جس قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا وہ قوم اس دیوتا کو پوجتی تھی اس کے علاوہ بہت سی مشرقی سامی اقوام بھی اسی دیوتا کو پوجا کرتی تھیں۔ ملک میں ''بعلبک'' نام کا ایک قدیم شہر بھی تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس بعل دیوتا کا جو بت ان لوگوں نے بنا رکھا تھا وہ خالص سونے کا بنا ہوا تھا جسکی لمبائی تقریباً (اکیس) 21 فٹ تھی۔ اس بت کے چار منہ تھے۔ وہ لوگ اس بت کے نام پر قربانی کرتے۔ بہت بڑے بڑے ہیکل تعمیر کرتے جہاں ہر وقت لوبان اور دیگر بخورات جلائے جاتے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ اس بت کی خاطر اپنی اولاد بھی آگ میں ڈال دیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کے لئے تبلیغ فرمائی جس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی عبادت شروع کر دی تھی۔ مگر اکثریت بت پرستی پر ہی قائم رہی اور آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب مسلط فرمایا۔

قوم دوان

قوم دوان جن کو اصحاب الایکہ بھی کہا جاتا ہے۔ اہل مدین کی طرح بت پرست تھی۔ اصل میں دونوں قومیں ہر اعتبار سے ایک ہی تھیں۔ قرآن کریم نے ان دونوں قوموں یا خاندانوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی طرف سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کو ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ یہ دونوں قومیں سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کی پڑوسی تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے دو بیٹے مواب اور عمون تھے۔ جنکی اولاد بھی بت پرست تھی۔ اسطرح یہ ساری قومیں جن الگ الگ بتوں کی پوجا کرتی تھیں انکی تفصیل یہ ہے۔

1۔ اہل مدین - بعل دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔
2۔ مواب خاندان - کموش کو پوجتے تھے۔
3۔ عمون خاندان - مولک کی پرستش کرتے تھے۔

اس طرح یہ تینوں قومیں گو الگ الگ بتوں کو پوجتی تھیں مگر انکا طریقہ ایک جیسا ہی تھا۔ یہ لوگ ان بتوں پر

اپنی اولاد کو بھی قربان کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان مدین کی طرح ان دونوں خاندانوں کو بھی اللہ کے عذاب نے آلیا۔ اصحاب الایکہ کا ذکر قرآن مجید کی آیات الحجر 78، شعراء 176، ص 13، ق 14 میں فرمایا گیا ہے۔

قوم ایوب علیہ السلام

سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کی قوم یا قبیلے کا نام ادوم تھا۔ گو اس قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بیان نہیں کیا گیا مگر سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کا اس قبیلے میں مبعوث ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ سورج اور چاند کی پرستش کرتا تھا۔ ان لوگوں کی پوجا کا طریقہ بھی عجیب تھا۔ وہ سورج اور چاند کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ اس سمت بلند کرتے اور پھر ہاتھوں کو چوم لیتے تھے۔ اس عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اگر سورج اور چاند نزدیک ہوتے تو ہم انکو ہاتھ لگانے کی بجائے چوم لیتے مگر یہ دونوں دور ہیں جہاں تک ہاتھوں کی رسائی نہیں اس لیے ہم دور دور سے ہی اپنی ہاتھوں کو اس سمت پھیلا کر چوم لیتے ہیں۔

اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہم علیہ السلام سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی مکہ میں چھوڑ گئے تھے جہاں وہ آباد ہوئے اور ان کی نسل اطراف میں پھیل گئی مفصل حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرصہ تک آپ کی اولاد دین ابراہیمی پر ہی قائم رہی۔ مگر بعد میں جب اولاد بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس نے آہستہ آہستہ نقل مکانی شروع کر دی تو جو قبیلہ نقل مکانی کرتا وہ اپنے مقدس مقام یعنی خانہ کعبہ سے ایک پتھر تبرکاً ہمراہ لے جاتے تا کہ مقدس مقام کی یاد ان کے دلوں میں اس پتھر کو دیکھ کر ہمیشہ تازہ رہے۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کعبہ مکرمہ کے پتھر کا امتیاز بھی اٹھ گیا اور حالت یہ ہوگئی کہ کہیں سے بھی کوئی خوبصورت پتھر مل جاتا اسے اٹھا کر اپنے گھروں میں بطور دیوتا سجا لیتے اور اسکی پوجا شروع کر دیتے۔ اسطرح وقت گزرنے کے ساتھ ان لوگوں میں بت پرستی کا مرض عام ہوتا گیا۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ نسبی سلسلوں میں سے صرف تین کے حالات تاریخ کتب میں کسی حد تک ملتے ہیں یعنی

1. قیدما (اصحاب الرس)
2. بنایوط (اصحاب الحجر)
3. قیدار (اصحاب الرس) وغیرہ

Marfat.com

اصحاب الرس

اصحاب الرس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ ق آیت 12 اور سورۃ الفرقان آیت 38 میں کیا گیا ہے (رس ایک کنواں ہے جہاں یہ لوگ معہ اپنے مویشی کے مقیم تھے اور بتوں کو پوجتے تھے۔ یہ کنواں زمین میں دھنس گیا اور اس کے قریب کی زمین بھی یہ لوگ اور ان کے اموال اس کے ساتھ دھنس گئے۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو بت پرستی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ایذا دی اور تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا اور تمام قوم مع اپنے مکانوں کے اس کنوئیں کے ساتھ زمین میں دھنس گئی)۔

اصحاب الحجر

تیسرے قبیلے یعنی قیدار یا اصحاب الرس کے بارے میں قرآن کریم میں سورۃ ق آیت 12 اور سورۃ الفرقان آیت 38 میں مختصر ذکر کے علاوہ کوئی تفصیل نہیں ہے۔ البتہ اس قوم کا مجرم یعنی مشرک قوموں کی فہرست میں نام ضرور موجود ہے۔ اصحاب الحجر یعنی بنا یوط کے بارے میں قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے۔ سورۃ الحجر آیات 80 تا 84۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾
وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ: ''بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے منہ پھیرے رہے اور وہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے بے خوف۔ تو انہیں صبح ہوتے چنگھاڑ نے آلیا (اور وہ عذاب میں گرفتار ہوئے)''
(سورۃ الحجر 81 تا 84)

اہل حجر کی قبور پر ان کے دیوتاؤں کے نام کندہ ملتے ہیں۔ جسکی توراۃ نے تفصیل بیان کی ہے۔ ان دیوتاؤں کے جو نام ہمیں معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

1۔ ذوالشریٰ 2۔ لات 3۔ منوت
4۔ ہبل 5۔ قیش 6۔ عمی ند
7۔ خریش وغیرہ

مفسرین نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ''حجر ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے درمیان جس میں قوم ثمود رہتی تھی انہوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور چنگھاڑ سے ہلاک کردیئے گئے''۔

ان مذکورہ دیوتاؤں میں سے آخری دو کے علاوہ عرب کے شمالی علاقوں میں باقی سارے دیوتاؤں کی ظہور اسلام کے وقت بھی پوجا جاری تھی۔ جو قبائل ان دیوتاؤں کو پوجا کرتے تھے ان کے نام کچھ اسطرح تھے۔

1۔ ذوالشریٰ قبیلہ اوس کا دیوتا تھا

2۔ لات قبیلہ ثقیف کا دیوتا تھا

3۔ منوت یعنی مناۃ اوس وخزرج کے قبائل کا دیوتا یعنی رب تھا

4۔ قیش عدنانی قبیلہ عبدالقیس اسکا پجاری تھا وغیرہ

اصحاب الحجر کے جو قدیم کتبات آثار قدیمہ نے دریافت کئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں قبرستان کا صحن حرم کا درجہ رکھتا تھا۔ ان لوگوں کے ہاں ایک باقاعدہ منتخب شدہ کاہن ہوتا جو لوگوں کو بت پرستی کی تعلیم دیتا ان کو بت پرستی کے آداب سکھاتا اور اس کاہن کا بڑا بلند مقام تھا۔ بت پرستی میں حصہ نہ لینے والے لوگوں کو وہ مذہبی جرمانہ بھی کیا کرتا تھا۔ قبرستان میں جگہ مخصوص کی جاتی اور وہاں سب سے پہلے عائذ بن کیل نامی شخص نے مقبرہ تعمیر کیا اور اس جگہ کو اپنی اولاد کے لئے وقف کردیا۔ وہاں عبارت تحریر تھی کہ جو شخص اس جگہ کو استعمال کرے فروخت کرے، رہن رکھے، کرائے پر دے یا اس پر کسی قسم کے نقش وغیرہ بنائے اس پر ذوالشریٰ، منوت (مناۃ) اور قیس کی لعنت ہو۔ اسطرح قوم ابناط کے نزدیک یہ جگہ حرم مقدس تھی بت پرستی کے علاوہ اس قوم میں چاند کو گھٹنے اور بڑھنے کے اعتبار سے بھی پوجا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک ہبل اور منات میاں بیوی بت تھے۔ یعنی ہبل مذکر اور منات مونث بت تھا۔ ہر عقل مند یہ بات اچھی طرح جان سکتا ہے کہ جو قوم ایک بے جان پتھر کی پوجا کرنے پر ہی اکتفانہ کرے بلکہ ان پتھر کی مورتیوں کو میاں بیوی کے رشتہ میں منسلک تصور کرے وہ کس قدر عقل سے دور اور جاہلیت کی کتنی گہری کھڈوں (گڑھوں) میں گرچکی تھی۔

قوم تبع

قوم تبع کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ الدخان آیت 137 اور سورۃ ق آیت 14 میں کیا گیا ہے۔ (تبع حمیری بادشاہ یمن صاحب ایمان تھے اور ان کی قوم کافر تھی جو نہایت قوی زور آور اور کثیر التعداد تھی)۔

اصحاب الایکہ

قوم ایکۃ کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ الحجر آیت 78، الشعراء آیت 176، ص آیت 13 اور سورۃ ق آیت 14 میں کیا گیا ہے۔ ایکۃ جھاڑی کو کہتے ہیں ان لوگوں کا شہر سرسبز جنگلوں اور مرغزاروں کے درمیان تھا اور یہ لوگ کافر تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان پر رسول بنا کر بھیجا ان لوگوں نے نافرمانی کی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا عذاب بھیج کر۔ یہ لوگ شام کے متصل معان کے حصہ زمین پر آباد تھے اور مدین والوں کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ یہ علاقہ تبوک کے بالمقابل واقع تھا۔

اوس وخزرج

یثرب (مدینہ منورہ) میں آباد مشہور قبیلے اوس اور خزرج مناۃ کی پوجا کرتے تھے۔ یہ مونث بت ان قبائل کی زندگی کا حاصل تھا۔ بحر احمر کے ساحل پر مناۃ نصب تھا جہاں جا کر یہ دونوں قبائل اس دیوی کی پرستش کرتے۔ اوس و خزرج کے لوگ جب فریضہ حج ادا کر لیتے تو اس دیوی (بت) مناۃ کے قریب احرام اتارنے کی رسم ادا کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے گھروں میں پتھر، لکڑی اور دیگر چیزوں سے بنی ہوئی مورتیاں رکھی رہتی تھیں۔ منات دیوی کی مورتی لکڑی کی بنی ہوتی تھی جو یثرب میں موجود تھی اس مورتی کو گھر کے کچھ آدمی ملکر اٹھاتے تھے۔ اوس وخزرج کی طرف سے ایک آدمی اس کی دیکھ بھال، حفاظت اور تقدس کو قائم رکھنے کے لئے مقرر تھا۔ سرزمین عرب پر جب اسلام کی نورانی کرنوں کا جال پھیلا تو ان دیوتاؤں کے انتظام کے لئے جو شخص مقرر تھا اسکا نام عمرو بن قیس تھا۔ یہ اوس وخزرج وہی قبائل تھے جن کے چند لوگوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورانی چہرہ اقدس دیکھا تو فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر چند ہی برسوں میں ان قبائل کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ انہی لوگوں کی دعوت پر رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے۔ قدرت نے اوس وخزرج کو انصار کے عظیم الشان خطاب سے نوازا۔

بنو قیدار

بنو قیدار ابتداء سے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر قائم تھے۔ پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ اس قوم نے بت پرستی شروع کر دی۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو صحیح روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالنے والا شخص عمرو بن لحی تھا۔ یہ شخص تجارت کی غرض سے ملک شام گیا اور وہاں اہل شام کو بت پرستی کرتے دیکھا اس شخص کو انکا طریقہ عبادت پسند آیا اور یوں عمرو بن لحی بہت سے بت ملک شام سے لے کر واپس مکہ وحجاز آیا اور لوگوں کو ان بتوں کی پوجا کرنے کو کہا پھر وہ جب بھی ملک شام گیا ہمیشہ اپنے ہمراہ

Marfat.com

بت لے کر آیا۔ اسطرح اس نے خانہ کعبہ کے اردگرد بہت سے بت لا کر نصب کر دیئے اور پھر رفتہ رفتہ یہ عدنانی قبائل توحید کا راستہ چھوڑ کر بت پرست ہوتے گئے۔ اس قبیلے کا سب سے بڑا بت 'ہبل' تھا جو خاص خانہ کعبہ شریف میں نصب تھا۔ اس کے علاوہ یہ عدنانی قبائل لات اور عزیٰ کی بھی پرستش کرتے تھے۔ عرب کے صحت افزا مقام طائف کے عدنانی باشندے جس بت کی پوجا کرتے اس کا نام ''لات'' تھا جبکہ مکہ مکرمہ سے چند میل دور نخلہ کے مقام پر ایک بت نصب تھا جس کا نام عزیٰ تھا۔ گویا اس طرح بنو قیدار یا عدنانی قبائل تین بتوں یعنی ہبل، لات اور عزیٰ کے پجاری تھے۔ ان بتوں کے نام پر قربانیاں دی جاتیں۔ گراں قدر نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے لوگ دور دور سے چل کر ان بتوں کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ سرزمین عرب پر جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی انکی صحیح تعداد بیان کرنا تو ممکن ہی نہیں البتہ کتب تاریخ، کتب سماوی اور دیگر حوالہ جات سے جس قدر بتوں کے نام ہمیں مل سکے ہیں وہ متلاشیان علم کی دلچسپی اور علمی اضافہ کی خاطر بمعہ پرستش کرنے والے قبائل کے ناموں کے ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

بت کا نام	پرستار قبیلہ	مقام
1۔ ذوالشریٰ	اوس۔ دوس وازد	ساحل بحر احمر
2۔ لات	بنو ثقیف	طائف (مربع پتھر تھا)
3۔ منات	اوس وخزرج وغسان	بحر احمر کے کنارے پر واقع تھا (اوس وخزرج جب مدینہ سے حج کرنے آتے تو ارکان حج ادا کر کے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے)
4۔ باجر	ازد	حدود شام مقام جبس
5۔ ود	کلب بن دبرہ	جبس
6۔ یغوث	انعم قبیلہ طی کی شاخ	جلبس
7۔ ذوالکفین	دوس	جبس (ارض دوس واقع یمن۔ مالک وبلکان پسران کنانہ۔ ساحل جدہ، فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اس بت کو جلا دیا)
8۔ فلس	طی	جبس قبیلہ طی کے دو پہاڑ اجا وسلمیٰ مدینہ منورہ سے جانب شمال عدی بن حاتم 9ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔
9۔ عائم	ازدوالراۃ	حدود شام
10۔ اقیصر	قضاعہ، نجم، جذام	حدود شام

11۔ ہبل	عدنانی قبائل وقریش وغیرہ	خانہ کعبہ (تین سوساٹھ بتوں میں سب سے بڑا بت تھا)
12۔ لات	اہل طائف شاخ قبیلہ عدنان	طائف
13۔ عزیٰ	اہل نخلہ شاخ عدنان	وادیٔ نخلہ (مکہ سے جانب شمال دو دن کا راستہ۔ یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان درختوں کو کاٹ دیا تھا)
14۔ سواع	ہذیل قبیلہ	دومتہ الجندل (دمشق اور مدینہ کے وسط میں واقع ہے)
15۔ اساف	--	مکہ مکرمہ
16۔ سعد	بنی خزیمہ۔ بنی ملکان	ساحل جدہ (طویل پتھر تھا اس پر خون بہایا جاتا تھا)
17۔ رضاء یا رضی	--	بنی ربیعہ بن کعب مکہ مکرمہ (اس کا ذکر صنعاء کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے)
18۔ نائلہ	--	مکہ مکرمہ
19۔ جبار	بنو ہوازن	عکاظ
20۔ ذوالکعبات	ایاد قبیلہ	سنداد حدود عراق
21۔ مناف	اہل قریش	عکاظ
22۔ اوال	بکر و بنو تغلب	عکاظ
23۔ محرق	بکر و بنو ربیعہ	عکاظ
24۔ یالیل	بنو ثقیف	طائف
25۔نسر	حمیر (یمن کے لوگ)	بلخع سرزمین سباء واقع یمن میں ہے
26۔نہم	--	اس کا پجاری خزاعی بن عبد نہم فرنی تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنا تو اس بت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا
27۔عمیانس	خولان	خولان واقع یمن
28۔ ذوالخلعہ	قبیلہ خثعم وبجیلہ	مقام بتالہ (بتالہ مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان سات دن کی راہ ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا)

29۔ سعیر	قبیلہ غرہ	مقام بتالہ
30۔ کسعہ	نامعلوم	نامعلوم
31۔ فراض	سعدالعشیرہ	بتالہ
32۔ جہبہ	نامعلوم	خانہ کعبہ
33۔ جریش	نامعلوم	خانہ کعبہ
34۔ شارق	نامعلوم	مکہ مکرمہ
35۔ عوف	نامعلوم	خانہ کعبہ شریف
36۔ بجہ	نامعلوم	خانہ کعبہ شریف

جیسا کہ پہلے گزارش کر چکا ہوں کتب تاریخ عرب وتاریخ عالم کے مطالعہ کے بعد جس قدر بتوں کے نام مجھے مل سکے ان کو گزشتہ صفحات پر درج کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب اور اطراف عرب میں جس قدر بت پوجے جاتے تھے ان کی صحیح تعداد کا نہ تو کسی کو علم ہے اور نہ ہی ناموں کا۔ بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ (360) بتوں کی تعداد موجود تھی یہ تمام کے تمام پتھر اور لکڑی و دیگر دھات کے بنے ہوئے نہیں تھے کیونکہ یہ تعداد بیت اللہ شریف کے اندر آ بھی نہیں سکتی تھی۔ اصل میں پتھر اور دھات وغیرہ کے بنے ہوئے بت تعداد میں بہت کم تھے وہاں دیواروں پر بزرگوں، دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کعبہ مکرمہ تمام عربوں کے لئے ایک مرکزی تقدس کی جگہ تھی۔ اس لئے ہر قوم اور قبیلے نے کسی نہ کسی انداز سے اپنے بزرگوں کے بت اور تصاویر وہاں ضرور رکھ چھوڑی تھیں چنانچہ تاریخ عرب واسلام بتاتی ہے کہ ان لوگوں نے بیت اللہ شریف کی دیواروں پر سیدنا حضرت ابراہیم سیدنا حضرت اسماعیل سیدنا حضرت موسیٰ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔ اس طرح دھات، پتھر، لکڑی اور دیواروں پر بنی ہوئی تصاویر سب مل جل کر تعداد میں 360 تھیں جو اہل عرب اور اطراف میں بسنے والے قبائل واقوام کے لئے پوجا کا مرکز تھیں۔ سرکار دوعالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس پاک گھر کو فتح مکہ کے بعد ان 360 بتوں سے پاک وصاف کر دیا۔ تمام پتھر، لکڑی اور دھات کے بنے ہوئے بت اٹھا کر بیت اللہ شریف سے باہر پھینک دیئے جبکہ دیواروں پر بنی ہوئی تصاویر اور بتوں کے نقش ونگار تمام صاف کر دیئے گئے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن لحی حجاز مقدس اور مکہ شریف میں بت پرستی کا بانی تھا۔ یہ شخص نیکی اور صدقہ خیرات کرنے والے غریبوں مسکینوں کا عملی ہمدرد تھا اس لئے جب وہ ملک شام سے اپنے ہمراہ بت لے کر آیا جن کو وہ سرزمین انبیاء یعنی ملک شام کا بہترین تحفہ خیال کرتا تھا۔ اور خیال کرتا تھا کہ اس سرزمین پر آسمانی کتب نازل ہو چکی ہیں اس لئے بت پرستی بھی اس مذہب کا حصہ ہے۔ یوں عمرو بن لحی نے ملک شام سے بت لا لا کر کعبہ اور حجاز کے گرد پھیلا دیئے اور لوگوں کو بت پرستی میں شرکت کی دعوت دی۔ لوگ اس شخص کے مقام ورتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے

بت پرستی میں شامل ہو گئے۔اس طرح بت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی۔اس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حق کے پیروکار آہستہ آہستہ اس دین کو چھوڑ کر ان میں سے غالب اکثریت بت پرست بن گئی۔

اہل عرب کے ہاں بت پرستی کے کچھ مخصوص انداز تھے جنکا بانی بھی عمرو بن لحی ہی تھا۔لوگ ان طریقوں پر عمل کرتے ہوئے خیال کرتے تھے کہ یہ انداز ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔ قارئین کرام کی دلچسپی اور معلومات کے لئے یہاں ہم ان مخصوص عبادتی طریقوں کا حال درج کر رہے ہیں جو خالصتاً عمرو بن لحی کی اپنی اختراعات فی الدین تھیں۔

بت پرستوں کے مخصوص طریقے

1۔ مجاورت

مشرکین عرب واطراف عرب بت پرستی کے جو مخصوص انداز رکھتے تھے ان میں سے مجاورت یعنی بتوں کے قرب میں بیٹھنا بھی تھا۔ یہ پجاری ان بتوں کے قریب بیٹھ کر ان کی پناہ حاصل کرتے تھے۔ با آواز بلند ان بتوں کے نام لے کر مدد کے لئے پکارتے۔ان سے التجائیں اور فریادیں بیان کرتے۔مشرکین کا یہ ایمان تھا کہ ہمارے سب کام یہی بت سرانجام دیتے ہیں اور زندگی کی گاڑی ان بتوں کی وجہ سے ہی چل رہی ہے۔

2۔ بتوں کو سجدہ کرنا

دور جاہلیت میں مشرکین جس انداز سے بتوں کی پوجا کرتے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بت کے گرد طواف کیا جاتا اور پھر نہایت ہی عجز وانکساری سے بت کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس طرح بت نہ صرف ان کی حاجت کو سنتے ہیں بلکہ پوری بھی کرتے ہیں۔ایسا عقیدہ کھلا شرک ہے۔

3۔ بتوں کے نام پر قربانی

دور جاہلیت میں مشرکین جن بتوں کی پوجا کرتے ان کے نام پر بڑی بڑی جانوروں کی قربانیاں بھی چڑھایا کرتے تھے۔قربانی کے ان جانوروں کو کبھی بتوں کے سامنے لے کر جا کر ذبح کرتے اور اکثر اوقات بتوں کے سامنے ہی ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگ ذبح جہاں اور جس مقام پر بھی کرتے نام اپنے بتوں کا ہی لیتے تھے۔

قرآن کریم میں ان کی اس بت پرستی کا حال یوں بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔سورۃ الانعام آیت 121۔

Marfat.com

وَلَا تَأْكُلُوْا
مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ

ترجمہ: ''یادرہے اس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ بے شک حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں''۔

(سورۃ الانعام آیت 121)

4۔ پیداوار اور جانوروں میں بتوں کا حصہ

مشرکین کے ہاں بتوں کی پوجا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ اپنی کھیتی باڑی، پیداوار، اور جانوروں کی پیداوار میں سے کچھ حصہ بتوں کے نام پر مخصوص کر دیتے۔ ان لوگوں کی عقل مندی کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ بتوں کی طرح ان لوگوں نے اللہ کے نام کے لئے بھی پیداوار، کھیتی باڑی اور جانوروں وغیرہ میں سے ایک حصہ مخصوص کر رکھا تھا۔ اگر مال ومتاع میں کسی قسم کا نقصان ہو جاتا کھیتی اچھی فصل نہ دیتی یا پھر جانور مر جاتے وغیرہ وغیرہ تو یہ لوگ اللہ کے مخصوص حصے کو بتوں کی طرف منتقل کر دیتے مگر ایسا کبھی نہ کرتے کہ بت کے لیے مخصوص حصہ اللہ کی طرف منتقل کرتے۔ مشرکین کے اس فعل کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ الانعام 136۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ
مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا
هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: ''اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لئے مقرر کیا اور کہا یہ اللہ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کیلئے ہے تو جو ان کے شرکا (بت) کے لئے ہوتا وہ تو اللہ تک نہ پہنچتا (مگر) جو اللہ کے لئے ہوتا وہ بتوں تک پہنچ جاتا ان لوگوں کا یہ فیصلہ کتنا برا ہے''۔ (سورۃ الانعام 136)

5۔ کھیتی اور جانوروں میں نذریں ماننا

مشرکین نے ایک نہایت ہی عجیب طریقہ عبادت اور طریقہ عمل بنا رکھا تھا۔ وہ لوگ کاشت کے وقت اور بعد

میں کھیتوں کی پیداوار کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے اور کسی دوسرے کو کھیتی کی اس پیداوار کو کھانے کا حکم نہ تھا یہی حال ان لوگوں نے جانوروں کے سلسلے میں بھی اختیار کر رکھا تھا۔ ایسے مخصوص جانوروں پر نہ تو سواری کرتے اور نہ ہی اس کا گوشت استعمال کرتے۔ اللہ کریم نے مشرکین کے اس فعل کی کلام پاک میں مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان مشرکین نے کھیتوں کی پیداوار اور جانوروں کی پیٹھوں پر سواری کو اپنی طرف سے حرام کر رکھا ہے جبکہ اللہ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں اور یہ لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں۔

مشرکین نے جن جانوروں کو اپنے لیے کھانے اور سواری کی غرض سے حرام کر رکھا تھا انکی تفصیل یہاں عرض کر رہا ہوں ان جانوروں میں:۔

1۔ بحیرہ 2۔ سائبہ

3۔ وصیلہ 4۔ حامی۔ وغیرہ شامل تھے

(1)۔ بحیرہ

بحیرہ کس جانور کو کہتے تھے ابن اسحاق نے اسکی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

بحیرہ اونٹنی کی بچی کو کہا جاتا تھا۔ یہ عام اونٹنی کی بچی کا نام نہیں تھا بلکہ خاص اونٹنی ہوتی جس کو وہ لوگ سائبہ کے نام سے پکارتے تھے۔

(2)۔ سائبہ

سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جس کے اوپر نیچے بغیر کسی وقفہ کے دس مادہ بچے ہی پیدا ہوں۔ یعنی مزید تفصیل یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ ان دس مادہ بچیوں کے درمیان کوئی نر بچہ پیدا نہ ہو۔ جو اونٹنی اس طریقے سے بچیوں کو جنم دیتی تھی اسکو مشرکین آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس پر سواری کرتے نہ اسے ذبح کرتے اور نہ ہی اسکے بال کاٹتے تھے۔ سائبہ اونٹنی کا دودھ صرف مہمان کو پینے کے لئے دیا جاتا تھا اس کے سوا دوسرا کوئی اور سائبہ کا دودھ بھی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ دس بچیوں کے بعد یہ اونٹنی جب مزید بچی کو جنم دیتی تو یہ لوگ اس اس مادہ بچی کا کان چیر کر ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ ماں کی طرح اس بچی پر نہ سواری کی جاتی نہ اسکا گوشت استعمال کرتے اور نہ ہی اسکے بال کاٹتے تھے اس بچی کو بحیرہ کہا جاتا تھا۔ اسطرح ان لوگوں نے خودساختہ رواج کے مطابق سائبہ اور بحیرہ اونٹنی کے ساتھ اس سلوک کو مذہب کا حصہ بنالیا تھا۔

(3)۔ وصیلہ

دور جاہلیت میں مشرکین نے جہاں مذکورہ تشریح کے مطابق اونٹنی کے لئے خودساختہ اصول بنا رکھتے تھے اسی

Marfat.com

طرح ان لوگوں نے بکری کے لئے بھی ایسا ہی طریقہ رائج کررکھا تھا۔ جو بکری پانچ دفعہ پے در پے دو دو مادہ بچے پیدا کرتی یعنی وقفہ کے بغیر پانچ بار دس مادہ بچیاں پیدا کرتی ان کے درمیان کوئی نر بچہ نہ ہوتا تو مشرکین ایسی بکری کو ''وصیلہ'' کہا کرتے تھے۔ عربی زبان میں وصیلہ جوڑنے یا ملانے کو کہتے ہیں۔ ایسی بکری وقفہ کے بغیر دس مادہ بچیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کا سبب بنتی تھی اس لیے وصیلہ کہلاتی تھی۔

پانچ دفعہ دو دو مادہ بچیاں یعنی دس مادہ پیدا کرنے کے بعد اگر وصیلہ بکری مزید کوئی بچہ پیدا کرتی اسکو ذبح کر کے صرف مرد کھا سکتے تھے عورتوں کو اسکا گوشت کھانے یا دودھ پینے کی اجازت نہیں تھی۔ ہاں اگر وصیلہ بکری کے بطن سے کوئی مردہ بچہ پیدا ہوتا تو اسکا گوشت عورتیں اور مرد دونوں استعمال کرسکتے تھے۔ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی مشرکین کے اس رواج کو پڑھ کر ان لوگوں کی عقلوں اور اصولوں پر بُرا کہنے کے علاوہ کیا کرسکتا ہے۔ مگر اس زمانے کے جاہل مشرک نہ صرف اس اصول پر فخر کرتے تھے بلکہ انہوں نے تو اس خودساختہ اصول کو اپنے مذہب کا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ جس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الانعام آیت 139۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ
خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِنْ يَكُنْ
مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ
عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾

ترجمہ: ''ان (مشرکوں) نے کہا ان چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں مرد وعورت سب اس میں شریک ہیں قریب ہے کہ اللہ انہیں ان کی ان باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ حکمت وعلم والا ہے''۔ (سورۃ الانعام 139)

(4)۔ حامی

اوپر بکری (وصیلہ) اور اونٹنی (بحیرہ وسائبہ) کا بیان گزر چکا۔ یہاں ہم حامی کی تشریح بیان کررہے ہیں۔
حامی اس نر اونٹ کو کہا جاتا تھا جسکے نطفہ سے وقفہ کے بغیر اونٹنی سے دس مادہ بچیاں پیدا ہوں۔ ان مادہ بچیوں کے درمیان کوئی نر پیدا نہ ہو۔ ایسے اونٹ کے بارے میں مشرکین نے خودساختہ اصول بنا رکھے تھے یعنی اس اونٹ پر کوئی بھی سواری نہیں کرسکتا تھا۔ اسکے بال نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں اس لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ نسل بڑھ سکے۔ اسطرح نسل بڑھانے کے علاوہ ایسے اونٹ سے دوسرا کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔
دور جاہلیت کے مشرکین نے جو یہ اصول اپنی طرف سے رائج کرتے ہوئے ان کو مذہب کا حصہ بنا لیا تھا ان کے بارے میں قرآن مجید یوں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ المائدۃ آیت 103۔

Marfat.com

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ
بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ترجمہ: ''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ نہ کوئی (کان چرا ہوا) سائبہ نہ کوئی وصیلہ اور نہ ہی کوئی حامی بنایا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے'' (سورۃ المائدہ 103)

صحیح بخاری شریف جلد 1 صفحہ 499، سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 89، 90

مشرکین نہ صرف مذکورہ خود ساختہ اصولوں پر سختی سے کاربند تھے بلکہ انہوں نے اور بے شمار مذہبی اصول بھی بنا رکھے تھے جن میں سے کچھ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں بقایا میں سے چیدہ چیدہ یہاں بیان کر رہے ہیں۔

6۔ ازلام (فال گیری)

دور جاہلیت میں اہل عرب کے ہاں ازلام یعنی (فال گیری) کا رواج بھی عام تھا۔ یہ لوگ کام شروع کرنے سے پہلے فال ضرور نکلواتے اور پھر اس کے مطابق عمل کرتے۔ لفظ ازلام اصل میں زلم کی جمع ہے اور عربی زبان میں زلم اس تیر کو کہا جاتا ہے جس کے پیچھے پر نہیں لگا ہوتا۔ لڑائی میں استعمال ہونے والے تیروں کے پیچھے پر ضرور لگا ہوتا تھا مگر یہ بے پر کے تیر صرف فال گیری کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ فال گیری کے لئے استعمال ہونے والے تیروں کی تین اقسام تھیں جن پر تین مختلف عبارات لکھی ہوتی تھیں یعنی

1۔ وہ تیر جن پر لفظ ''ہاں'' لکھا ہوتا تھا
2۔ وہ تیر جن پر لفظ ''نہیں'' لکھا ہوتا تھا
3۔ وہ تیر جن پر مختلف عبارتیں ہوتیں

قسم اول

یہ تیر نکاح یا سفر پر جانے کے لئے فال نکلوانے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ اگر فال میں لفظ ہاں والا تیر نکل آتا تو جس کام کے لئے فال نکلوائی جاتی وہ کام سرانجام دے لیتے تھے۔ اگر لفظ نہیں والا تیر نکل آتا تو پھر سال بھر کے لئے اس کام کو ملتوی کر دیتے تھے۔ اور یوں آئندہ سال اسی اصول کے مطابق فال نکلواتے اسطرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

قسم دوم

فال گیری کی اس دوسری قسم کے لئے جو تیر نکالے جاتے ان پر مویشی یا دیت وغیرہ درج ہوتا۔ جس کے

مطابق معاوضہ ادا کیا جاتا۔ دیت اسلام سے پہلے ہی اہل عرب کے ہاں رائج تھی اسلام کے بعد بھی زمانہ قدیم کے قانون کے مطابق دیت کا اصول وہی رہا یعنی اگر مرد حادثاتی طور پر مرجائے تو اسکے ورثاء کو ایک سو (100) اونٹ ادا کیے جاتے۔ جب کہ اگر عورت حادثاتی طور پر مرجائے تو اسکے ورثاء کو پچاس (50) اونٹ ادا کیے جاتے۔ فقہ کی رو سے مسئلہ دیت نہایت ہی اہم ہے اور خاصی تفصیل مانگتا ہے۔ یہیں ہم اسکی تفصیل بیان کرنا شروع کر دیں تو اپنے موضوع سے ہٹ جائیں گے اس لئے دیت کی اس مختصر سی تعریف پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔ جیسے بہار شریعت وغیرہ

قسم سوم

فال گیری کے لئے استعمال کیے جانے والے تیروں کی تیسری قسم وہ تھی جس میں کسی تیر پر لکھا ہوتا۔

1۔ تم میں سے ہے۔ کسی پر یوں تحریر ہوتا

2۔ تمہارے علاوہ کسی سے ہے۔ جبکہ ایک تیر پر یہ عبارت درج ہوتی

3۔ ملحق ہے

ان مذکورہ مختلف عبارتوں والے تیروں کا استعمال یوں کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کے نسب کے بارے میں شبہ ہوتا تو اس شخص کو ایک سو اونٹوں کے ہمراہ ہبل بت کے پاس لے جایا جاتا۔ سو اونٹ اس مہنت یا پجاری کے حوالے کر دیتے اور اس سے فال گیری کی درخواست کرتے۔ وہ تینوں تیروں کو ایک ساتھ ملا کر گھماتا اور پھر ایک جگہ پٹخ دیتا اس کے بعد ایک تیر اٹھالیتا اگر اٹھائے جانے والے تیر پر یہ عبارت درج ہوتی۔

1۔ تم میں سے ہے۔ تو اس کو انکے قبیلے کا معزز ترین فرد تسلیم کر لیا جاتا اور اگر یہ عبارت درج ہوتی

2۔ تمہارے علاوہ کسی اور سے ہے۔ تو وہ شخص اس قبیلے کا حلیف قرار پاتا اور اگر درج ہوتا

3۔ 'ملحق' ہے تو اس شخص کی قبیلے میں حشمت بدستور برقرار رہتی۔ اسے نہ تو قبیلے کا فرد تسلیم کیا جاتا اور نہ ہی حلیف۔

7۔ کاہن

دور جاہلیت میں مشرکین کاہنوں کی خبروں پر اندھا اعتقاد رکھتے تھے۔ عرف عام میں آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرتے اور پوشیدہ راز سے واقفیت رکھنے کے علم کا دعویدار کاہن کہلاتا۔ بعض کاہن اس بات کے دعویدار تھے کہ انکو ایسا علم وفہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ غیب کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بہرحال ان کاہنوں کے چکر میں مشرکین جکڑے ہوئے تھے اور صبح وشام ان لوگوں کی ہر جائز وناجائز خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

8۔ عراف

مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنکا دعویٰ تھا کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے وہ سائل کے قول وفعل اسکی حالت یا اسباب پر غور کرنے سے واردات والی جگہ کا پتہ چلا لیتے تھے۔ ایسا دعویٰ کرنے والے کو عرب ''عراف'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آسان انداز میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایسا شخص اپنے علم کے زور پر چوری، گم شدہ جانور اور جس جگہ وہ مال و جانور چھپا رکھا ہوا سکا پتہ بتا دیتا تھا۔

9۔ نجومی

دور جاہلیت میں مشرکین جہاں کاہنوں اور عراف کے چکر میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے وہاں نجومی بھی ان کے نزدیک نہایت احترام اور قابل قدر شخصیت تھی۔ نجومیوں سے اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔ نجومی ستاروں پر غور کرنے کے بعد انکی رفتار اور اوقات کے حساب سے دنیا کو آئندہ پیش آنے والے واقعات وحالات کا اندازہ لگاتے تھے۔ ان نجومیوں کی خبروں کو ماننا اصل میں علم نجوم کو ماننا تھا۔

10۔ بدشگونیوں پر یقین

مشرکین عرب ہر قسم کی بدشگونیوں پر یقین رکھتے تھے۔ بدشگونی کو عربی زبان میں ''طیرۃ'' کہتے ہیں۔ اہل عرب ظہور اسلام سے پہلے جس قدر کی بدشگونیوں پر یقین رکھتے تھے انکا حال پڑھ کر مشرکین کی عقلوں پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ وہ لوگ کسی ہرن یا چڑیا کے قریب جا کر اسے بھگاتے۔ اسطرح اگر چڑیا یا ہرن دائیں جانب کو مڑ کر بھاگ پڑتا تو وہ لوگ اسے اپنے لئے کامیابی وکامرانی کی علامت تصور کرتے ہوئے اپنے کام کر لیتے اور اگر چڑیا یا ہرن دوسری طرف بھاگتے ہوئے بائیں طرف یعنی الٹے ہاتھ کی طرف مڑ جاتا تو اسے اپنے لئے باعث نحوست خیال کرتے ہوئے اپنے کام کو سرانجام دینے سے باز رہتے تھے۔

مشرکین عرب ایسی ایسی خود ساختہ رسومات اور بدشگونیوں کو اپنے اوپر طاری کر چکے تھے کہ ان شیطانی اور جاہلانہ حرکات کو دیکھ کر عربوں کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ مثلاً وہ لوگ گھروں میں خیر وبرکت کے لئے خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکا دیتے تھے۔ سال کے کچھ مہینے اور دن جانوروں میں سے بعض اور گھروں وعورتوں میں سے بھی بعض کو منحوس خیال کرتے تھے۔ تقریباً تمام بیماریوں کو نحوست خیال کرتے اور چھوت پر یقین رکھتے ہوئے مریض کے پاس نہیں جاتے تھے۔ دور جاہلیت کے مشرکین کی عقل کا اندازہ لگانا ہو تو مزید دیکھیں۔ وہ لوگ اس عقیدہ کے قائل تھے کہ مرنے کے بعد انسانی روح اُلّو کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا جب کسی شخص کو قتل کر دیا جاتا اسطرح ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جب تک مقتول کے قتل کا بدلہ نہ لے لیا جاتا اسکی روح اُلّو کی شکل میں

ہی رہتی تھی۔ یہ روح اُلّو کی شکل میں دہشت و بیابان میں چکر لگاتی رہتی اور اسکی زبان پر ایک ہی کلمہ ہوتا تھا پیاس، پیاس، اسطرح جب تک قتل کا بدلہ نہ لے لیا جاتا روح در بدر چکر لگاتی رہتی۔ مشرکین اس عقیدہ پر سختی سے کاربند تھے۔ ادھر برصغیر پاک و ہند میں بسنے والے ہندو بھی اسی عقیدہ یعنی آواگون کے قائل ہیں۔ مرنے کے بعد کئی دوسرے جنم لینا ہندوؤں کے ہاں مذہب کا حصہ ہے۔ بہر حال دور جاہلیت کے عرب ان بدشگونیوں کا بہت بری طرح شکار تھے۔

سرزمین عرب اور دیگر مذاہب

گذشتہ صفحات پر ہم سرزمین عرب پر آباد اقوام کے ان مذاہب کا ذکر کر چکے ہیں جو آسمانی کتب اور تاریخ میں بہت زیادہ شہرت کے حامل تھے اور انکا کتب میں بار بار ذکر آیا ہے۔ انکو عرب میں بت پرست کہا جاتا تھا۔ بت پرستی کے علاوہ سرزمین عرب پر اور مذاہب بھی آباد تھے جن کا مختصراً ذکر تحریر کر رہے ہیں۔

1۔ ملحد (بے دین) یا دہریئے

دور جاہلیت میں اہل عرب کے ہاں مذہبی اعتبار سے بت پرستی کا بہت زیادہ زور تھا اسکے علاوہ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو کہ ملحد یعنی بے دین تھے۔ یہ لوگ کسی دین کے قائل نہ تھے۔ ان لوگوں کا خودساختہ عقیدہ یہ تھا کہ دنیا خود بخود ہی چل رہی ہے اور چلتی رہے گی اسے چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ اہل عرب قیامت اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔

2۔ صابئیت (ستارہ پرست)

صابئیت کا مطلب ستاروں کی پرستش ہے۔ اہل عرب کا ایک گروہ ستاروں کی پرستش کرتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ستارے ہی اصل معبود ہیں جن کی وجہ سے کارخانہ قدرت چل رہا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ان لوگوں کا تفصیلی حال گزر چکا ہے۔ ان لوگوں کی اکثریت یمن میں آباد تھی اس کے علاوہ کچھ شمالی عرب میں بھی سکونت پذیر تھے۔ ستارہ پرست عرب کے قدیم مذاہب میں سے ایک گروہ تھا۔ قرآن کریم میں صابئین کا ذکر سورۃ البقرہ آیت 62، سورۃ المائدہ آیت 69 اور سورۃ الحج آیت 17 میں آیا ہے۔ اس ذکر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس مذہب کے اصول کیا تھے ان کا بانی کون تھا اور یہ مذہب کہاں پیدا ہوا۔ اہل قلم، تاریخ دان، مورخین اور مفسرین و شارح احادیث اس مذہب کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ جن کا مختصراً حال یہاں درج کر رہا ہوں۔ صابئین کا اصل وطن بابل تھا۔ ابتدا میں ذکر گزر چکا ہے کہ یہ قوم ستاروں کی پرستش کرتی تھی عبادت کے لئے بڑے بڑے ہیکل بنا رکھے تھے اس کے علاوہ یہ لوگ ارواح کی پوجا بھی کرتے تھے ملک عراق کا یہ قدیم ترین مذہب تھا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مذہب میں یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت سرایت کر گئی تھی۔ یہ لوگ خدائے واحد پر ایمان ضرور رکھتے تھے

Marfat.com

مگر ستاروں اور ارواح کو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ خیال کرتے تھے۔ یہ لوگ دن میں تین مرتبہ قطبی ستارے کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے یعنی

1۔ طلوع آفتاب کے وقت

2۔ دوپہر کو عین زوال کے وقت

3۔ شام کو سورج غروب ہوتے وقت تک

یہ قوم عقیدہ رکھتی تھی کہ قطب شمالی ستاروں کا اصل مرکز ہے۔ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے ستارے اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے ہیں مگر قطبی ستارہ کائنات کے آغاز سے جس جگہ اور جس حال میں ہے نہ کبھی اپنی جگہ سے ہٹا ہے اور نہ ہی اسکی کیفیت تبدیل ہوئی ہے۔ اس قوم کے افراد دن میں تین دفعہ اپنی عبادت کے لئے غسل کرتے اور پھر قطبی ستارے کی طرف رخ کر کے دعا مانگتے اور مناجات پڑھا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں سورہ بقرہ آیت 62، سورہ مائدہ آیت 69 اور سورہ حج آیت 17 میں صابئی قوم کا ذکر آیا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صابئی قوم کا مذہب یہود اور مجوس سے مرکب ہے اسی طرح امام رازی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ صابئی ستارہ پرست قوم ہے۔ جو ستارہ کو اس اعتقاد سے پوجتی ہے کہ خدا نے اس کو قبلہ بنایا ہے اور تدبیر عالم اس کے سپرد کی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے اقوال بھی موجود ہیں مگر یہاں ان پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا اور ہمارے موضوع سے بھی ہٹ جائے گا۔

لفظ صابئ کے عبرانی زبان میں معنی ستارگان کی جماعت کے ہیں جبکہ عربی زبان میں صبا کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں۔ یہ قوم کیونکہ ستاروں کی پرستش کرتی تھی اس لیے صابئ کہلائی۔ سب سے پہلے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ جنہوں نے اس قوم کی ہدایت کے لئے ان کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکامات پہنچائے ہم عدنانی عربوں کے حالات میں اس قوم کے ستاروں جنکی وہ پوجا کرتے تھے نام تحریر کر چکے ہیں۔

3۔ حنفیت (دین ابراہیمی)

لفظ حنفیت کے سلسلے میں اہل یورپ نے بہت موشگافیاں کی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس لفظ کی کچھ تشریح بیان کر دی جائے۔ عربی زبان میں لفظ ''حنیف'' کے معنی جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جانے کے ہیں۔ اسطرح یہ لفظ اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یورپی مورخین صرف عربی زبان دانی کا دعویٰ کر سکتے ہیں جبکہ وہ لوگ اسلامی قدروں اور روح سے بالکل ناواقف ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اہل یورپ اسلام دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں نے تعصب کے تمام تیر اسی لفظ پر استعمال کر کے سچے دین کو جھوٹا ثابت کرنے کی ناکام

کوشش کی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یورپی مورخین نہ تو ابتداء تاریخ اسلام سے واقف ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کو عربی زبان کے قواعد سے آگاہی ہے۔ ہم جو تفصیل بیان کرنے جارہے ہیں اس کے بعد یورپی مورخین کی کم علمی اور تعصب شدہ ذہنیت کا پردہ خود بخود چاک ہو جائے گا۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں لفظ حنیف کا معنی اچھے اور برے دونوں طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لفظ موقع محل کے اعتبار سے کن معنوں میں استعمال ہورہا ہے۔ فرض کریں اگر یہ لفظ اچھی بات کو چھوڑ کر بری بات کے لئے استعمال کیا جارہا ہو جیسے یورپی مورخین استعمال کرتے ہیں تو حنیف کے معنی وہی ہوں گے جو عبرانی یا سریانی زبان میں آتے ہیں۔ اور اگر یہ لفظ برے کام کو چھوڑ کر اچھا کام کرنے یعنی کفر چھوڑ کر حق اختیار کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے معنی وہ ہوں گے جو عربی زبان میں ہیں۔ یعنی راہ حق پر دین دار اور خدا پرست وغیرہ۔ اب یہ بات معمولی علم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اہل عرب کے ہاں لفظ حنیف برائی چھوڑ کر بھلائی اختیار کرنے کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے نہ کہ اس کے الٹ۔

قرآن کریم میں دین حنیف کا لفظ بہت سی سورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

1. سورہ الانعام آیات 79، 161
2. سورۃ یونس آیت 105
3. سورۃ آل عمران آیات 67، 95
4. سورۃ النساء آیت 125
5. سورۃ البقرۃ آیت 135
6. سورۃ النحل آیات 120، 123
7. سورۃ الروم آیت 30

اہل عرب کے نزدیک حنیف سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا۔ اس لئے ان کے مذہب کا نام ملت حنیف رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جب تاریخ عرب کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب میں سے کچھ نیک سیرت اور حق کی تلاش میں مصروف لوگ یہودیت اور عیسائیت کے مفاسد، خودساختہ نظریات سے گھبرا کر اسی دین حنیف کو اختیار کر کے تسلی اور قرار حاصل کرتے تھے۔ لفظ حنیف اہل عرب اور مسلمانوں کے ہاں جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسکی مکمل تائید قرآن کریم اور تاریخ عالم میں حقائق کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صابی قوم میں مبعوث فرمایا پھر آپ علیہ السلام نے دلائل، حقائق اور عمل یعنی ہر طریقے سے صابئ مذہب کی سخت تردید فرماتے ہوئے ان باطل پرست لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اور لوگوں کو خدائے برحق پر ایمان لانے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام آیت 78، 79۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ”(آخر ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا لوگو! میں ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں اپنا چہرہ ان کی طرف سے پھیر کر اُس پاک ذات کی طرف جھکاتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا حنیف بن کر (ایک اسی کا ہو کر) اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں“ (سورۃ الانعام آیت 78 تا 79)

اسی طرح قرآن کریم میں کئی اور سورتوں میں بھی لفظ حنیف کا ذکر کھل کر بیان فرمایا گیا اور ارشاد خداوند قدوس ہوتا ہے۔ سورۃ یونس آیت 105۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: ”اپنا چہرہ سچے مذہب کی طرف کرو (باطل پرستوں) سے موڑ کر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا“ (سورۃ یونس آیت 105)

سورۃ البقرہ آیت 135 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: ”تم فرماؤ بلکہ ہم ابراہیم (علیہ السلام) کا دین لیتے ہیں جو کہ باطل سے جدا تھے۔ اور مشرکین میں سے نہ تھے“ (سورۃ البقرہ آیت 135)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران آیت 67 میں ارشاد فرمایا

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ”ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا موحد مسلم تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے“ (سورۃ آل عمران آیت 67)

ارشاد باری تعالیٰ سورۃ النحل آیت 120۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: ”بے شک ابراہیم (علیہ السلام) راہبر تھے۔ متواضع اور خدا کا فرمانبردار موحد اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے“۔ (سورۃ النحل آیت 120)۔

مذکورہ قرآنی آیات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب

حنیف تھا اور اہل عرب لفظ حنیف کے جو معنی بیان کرتے ہیں وہی اصل حق اور سچ ہیں باقی سب معنی غلط اور باطل ہیں۔ اور ان کا اطلاق یہاں کسی صورت نہیں ہوسکتا۔ پھر یہودی اور عیسائی انصار مسلمانوں سے کہتے رہتے تھے۔ کہ ہمارا مذہب ہی حق ہے یہ حنیف مذہب تم لوگ کہاں سے لے آئے ہو یہ تو تمہارا خود ساختہ مذہب ہے۔ یہودی اور عیسائیوں کی اس بکواس اور غلط بیانی کا جواب خود خالق کائنات نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: ''اور کتابی بولے یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ حق پاؤ۔ آپ فرما دیجئے نہیں بلکہ ہم ابراہیم (علیہ السلام) موحد کا دین لیتے ہیں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۃ البقرہ آیت 135)

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ البقرہ آیت 140۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: ''بلکہ (اے یہودیو اور عیسائیو) تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور انکے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی۔ آپ فرما دیجئے کیا تم بہتر جانتے ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو وہ اسے چھپائے اور اللہ تمہارے اعمال (کوتکوں) سے بے خبر نہیں'' (سورۃ البقرہ آیت 140)

مذکورہ آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ دعویٰ غلط اور جھوٹ پر مبنی تھا کیونکہ یہودیت اور عیسائیت تو دونوں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں اسلئے اسلام نے اپنے حق ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہود اور عیسائیوں میں سے ہو ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام تو حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ علیہم السلام کے جد ہیں۔ یہ لوگ یعنی یہودی اور عیسائی جھوٹ بولتے ہیں پھر ختنہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھا اور انکی اولاد کے ساتھ جس پر اہل عرب سختی سے قائم تھے اسکے علاوہ بیت اللہ شریف کا طواف سنت ابراہیمی ہے اہل عرب اس مذہبی فریضہ کی بجا آوری کے لئے ہمیشہ تیار رہتے اور اس پر دل وجان سے عمل کرتے تھے۔ توحید کے باقی اصول وقت گزرنے کے ساتھ ان لوگوں نے فراموش کر دیئے اور انکی جگہ خود ساختہ بے شمار بدعات رائج کر دی تھیں۔ لسان العرب کا مطالعہ

کریں تو معلوم ہوگا کہ آخر میں اہل عرب کے ہاں دین حنیف کی پہچان صرف ختنہ اور حج کرنا رہ گئی تھی۔ ہم یہاں چلتے چلتے ان بدعات کا بھی مختصر حال بیان کر رہے ہیں تا کہ کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

دین حنیف میں قریش کی بدعات

دور جاہلیت میں اہل عرب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین حنیف کو فراموش کر چکے تھے مگر ان لوگوں نے اس دین ابراہیمی کو مکمل نہیں چھوڑا تھا بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ختنہ کرنا حج وعمرہ ادا کرنا عرفات ومزدلفہ میں قیام اور قربانی وغیرہ کرنا ان کے ہاں عملی طور پر رائج تھا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے دین حنیف میں بے شمار بدعات شامل کر لی تھیں اور یوں یہ سچا دین اپنی اصل حالت میں برقرار نہیں رکھا گیا تھا۔ چیدہ چیدہ اہم بدعات یہ تھیں۔

(1)۔ حرم کی پاسبانی کا دعویٰ

دور جاہلیت میں اہل قریش نے دین ابراہیمی میں سب سے پہلے جو بدعت شامل کی وہ حرم کی پاسبانی کا دعویٰ تھا۔ انکا کہنا تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں حرم کے پاسبان ہیں۔ اس لیے بیت اللہ کی ولایت ہمارا ہی حق ہے لہٰذا کوئی دوسرا شخص ہمارا ہم مرتبہ ہو ہی نہیں سکتا اور ہمارے حقوق کے برابر کسی دوسرے کے حقوق نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے اپنا نام ہی حمس یعنی بہادر اور گرم جوش رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ حرم کی حدود سے باہر جانا اپنی شان کے خلاف خیال کرتے تھے۔ اس طرح اہل قریش دوران حج نہ تو میدان عرفات جاتے اور نہ ہی افاضہ کرتے تھے۔ افاضہ کا فریضہ مزدلفہ میں ٹھہر کر ہی ادا کرتے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان لوگوں کے اس فعل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا۔ سورۃ البقرہ آیت 199۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ
حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: ”پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو تم لوگ بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے سارے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو۔ بے شک بخشنے والا مہربان ہے“ (سورۃ البقرہ آیت 199)۔

(2)۔ گھی پنیر اور کمبل کے خیمے کو استعمال نہ کرنا

دور جاہلیت میں مشرکین نے دین حنیف میں جو بدعات شامل کر لی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اہل قریش احرام کی حالت میں گھی اور پنیر بنانا درست خیال نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی لوگوں کے نزدیک یہ جائز تھا کہ بال والے گھر یعنی کمبل سے تیار شدہ خیمے میں داخل ہوں اس طرح سخت گرمی کی حالت میں اگر سائے میں بیٹھنا مقصود ہوتا

تو یہ لوگ چمڑے سے تیار شدہ خیمے میں بیٹھتے تھے۔ یہ سب کچھ اہل عرب کی خودساختہ بدعات تھیں جن کو مذہب کا حصہ بنا دیا تھا۔ اسی طرح قریش نے ایک اور بدعت شامل دین حنیف کر رکھی تھی یعنی عمرہ اور حج کی غرض سے آنے والے بیرون مکہ حاجیوں کے ہاتھ سے کوئی بھی کھانے والی چیز نہیں لیتے تھے۔

(3)۔ طواف کعبہ

مشرکین اور خاص طور پر اہل قریش نے ایک بدعت یہ بھی پیدا کر رکھی تھی کہ حرم سے باہر کے باشندوں پر حکم لاگو کر رکھا تھا کہ حرم میں داخل ہونے کے بعد پہلا طواف ان کپڑوں میں کریں گے جو وہ حمس سے حاصل کرتے ہیں۔ اگر اتفاق سے حمس کا کپڑا میسر نہ آتا تو پھر مرد ننگے طواف کرتے تھے۔ اسی طرح عورتیں تمام کپڑوں سے بے نیاز ہو کر صرف ایک چھوٹے کرتے پر اکتفا کرتیں اور پھر اسی حالت میں طواف کرتیں۔ اللہ کریم نے قریش کی ان خرافات کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت 31۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

ترجمہ: اے اولاد آدم، جب مسجد میں جاؤ تو اپنی زینت اختیار کر لیا کرو'۔ (سورۃ الاعراف آیت 31)

اگر کوئی عورت یا مرد بیرون حرم سے لائے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر لیتا تو جیسے ہی طواف سے فارغ ہوتا یا ہوتی پہنے ہوئے کپڑے اتار کر پھینک دیتا۔ اسطرح یہ احمق لوگ ان کپڑوں سے نہ تو خود فائدہ حاصل کرتے اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت ہوتی۔ یہ بھی مذہب میں خودساختہ تبدیلی تھی۔

(4)۔ گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونا

قریش کی ایک خودساختہ دین حنیف میں تبدیلی یہ بھی تھی کہ حالت احرام میں یہ لوگ اپنے گھروں میں سامنے کے دروازے سے اندر داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ گھر میں داخل ہونے کے لئے پچھواڑے کی دیوار میں بڑا سوراخ بنا لیتے جس میں سے گزر کر گھر کے اندر آتے جاتے تھے۔ دور جاہلیت کے قریش اپنی اس بے وقوفانہ حرکت کو باعث صد اجر و ثواب خیال کرتے تھے اور اس پر سختی سے عمل کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے قریش کی اس بدعت کی سختی کے ساتھ مخالفت فرماتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا (سورۃ البقرہ آیت 189) کہ قریش کا یہ فعل نہایت غلط اور خودساختہ ہے۔ بہر حال قریش کے اس خودساختہ اضافے کو جس کی وجہ سے دین حق کی شکل ہی یکساں بدل چکی تھی اسلام نے سختی سے کچل دیا اور زندگی کے ہر موڑ پر اسکی سخت مخالفت کرتے ہوئے آخر کار ان بدعات کو سرزمین عرب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہی ختم نہ کر دیا بلکہ پوری دنیا سے اس خودساختہ مذہب کی جڑیں نکال کر پھینک دیں۔ مذہب اسلام کا پوری دنیا پر احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانیت کو اصل معنوں میں زندگی کی حقیقی راہ دکھائی۔

Marfat.com

4۔ مشرکین

سرزمین عرب میں گو بہت سے مذاہب موجود تھے مگر سب سے وسیع اور اثر رکھنے والا مذہب شرک تھا۔ شرک کے معنی ایک خدا کو مان کر پھر کسی غیر خدا کو ذات یا صفات میں اسکا شریک ٹھہرانا۔ اہل عرب کی اکثریت اسی عقیدے پر قائم تھی۔ وہ لوگ لاتعداد بتوں، دیویوں اور دیوتاؤں کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ وہ اللہ کی ذات کے بھی قائل تھے۔ انکا عقیدہ تھا کہ آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کارخانہ قدرت کو چلانے والا اللہ ہی ہے مگر ہمارے یہ خودساختہ بت اللہ کی امداد کے لئے اسکے مددگار اور انصار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء عرب کے کلام میں زیادہ تر اللہ کا نام استعمال کیا گیا ہے۔ مشرکین دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ کا عزیز اور قرابت دار خیال کرتے تھے اور انکی پرستش اس لئے کرتے تھے کہ اللہ ہم سے خوش ہو کر اسکے بدلے ہمارے سارے کام کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ان مشرکین کو اس عقیدہ پر متنبہ کیا اور فرمایا تم لوگ آسمان، ستاروں، سورج کو کیوں پوجتے ہو جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ سب کچھ میں نے ہی پیدا کیا ہوا ہے اور اصل قوت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن کریم میں ان مشرکین کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ المومنون آیت 84 تا 91۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾

ترجمہ: ''تم فرماؤ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ زمین اور اس میں جو کچھ ہے یہ سب کس کا ہے اب وہ کہیں گے اللہ کا تم فرماؤ کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے سوچتے آپ ان سے پوچھیں کہ سات آسمانوں کا اور عظیم الشان عرش کا کون مالک ہے کہیں گے کہ سب اللہ ہی کی شان ہے۔ کہو کہ پھر اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شئے کی حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اسکے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم ہو۔ جواب دیں گے یہ تو اللہ ہی کی شان ہے ان سے فرمادیں تو پھر تم کیوں (جادو کے میں پڑے ہوئے ہو) عقل نہیں کرتے۔ حق یہ ہے کہ سچی بات ہم نے انکو پہنچادی اور وہ بے شک جھوٹے ہیں نہ تو خدا نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اسکے ساتھ کوئی اور خدا ہے یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر اپنی تعلّی چاہتا یہ مشرکین جو باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے''۔ (سورۃ المومنون آیت 84 تا 91)

مذکورہ سورۃ میں مشرکین کے عقائد اور انکے جوابات کھول کر بیان کر دیئے۔ یہاں ایک بات نہایت قابل

توجہ ہے کہ اللہ کریم نے یہاں جس ولدیت کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد عیسائیوں کا عقیدہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں بلکہ یہاں مشرکین کے عقیدہ کو بیان کیا جارہا ہے کہ وہ باطل ہے۔ مشرکین بھی فرشتوں کو اللہ کے بیٹے مانتے تھے۔ مختصراً مشرکین کے خودساختہ عقائد کا خدا نے کھلے لفظوں میں رد فرمادیا اور ساتھ ہی انکو کہا کہ تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ اصل میں مشرکین اس بات سے سخت چڑ کھاتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا اکیلا نام کیوں لیتے ہیں اس کے ساتھ ہمارے بتوں کو کیوں شریک نہیں فرماتے۔ ہماری اس بات کی تائید سورۃ بنی اسرائیل سے ہوجاتی ہے جس میں ارشاد فرمایا۔ سورۃ بنی اسرائیل یعنی اسراء آیت 46۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن میں اپنے اکیلے رب کی یاد کرتے ہو وہ (مشرکین) پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے'' (سورۃ بنی اسرائیل آیت 46)

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا سورۃ المومن آیت 12۔

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ

ترجمہ: ''جب ایک اللہ پکارا جاتا ہے تو تم کفر (انکار) کرتے ہو اور اگر اسکا کوئی شریک ٹھہرایا جاتا ہے تو تم مان لیتے ہو''۔ (سورۃ مومن آیت 12)

مذکورہ آیات سے ثابت ہوجاتا ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے برحق ہونے کو مانتے تھے مگر ان بدبختوں نے خدا کے ساتھ اپنے خودساختہ معبودوں کا جو رشتہ قائم کر رکھا تھا قرآن کریم نے اسکو بھی کھول کر بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ یونس آیت 18۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ: ''اور اللہ کے علاوہ وہ اسکو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔ (سورۃ یونس آیت 18)

مشرکین مکہ اپنی جاہلیت میں اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہی تھے مگر اس سے بڑھ کر مزید ظلم یہ کرتے کہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے اور انکو عورت خیال کرتے تھے اللہ کریم نے مشرکوں کے اس باطل خیال وایمان کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔ سورۃ النجم آیات 21، 22، 23۔

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''کیا تم کو بیٹا اور اس کو بیٹی ۔ یہ تو سخت بھونڈی تقسیم ہے یہ تو فقط چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیا اور اللہ نے اسکی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی وہ تو نرے گمان اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے ہیں حالانکہ بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آئی''۔

(سورۃ النجم آیت 21 تا 23)

مشرکین بھوت پریت اور جنات کے بھی قائل تھے انکو خدا اور اسکا ہم پلہ خیال کرتے تھے۔ انکا واسطہ دیتے اور انکے قہر و غضب سے ڈرتے تھے۔ مشرکین میں اس قدر خود ساختہ عقائد تھے کہ اگر ہر ایک کا مفصل حال تحریر کریں تو ہم اپنے اصل مقصد سے دور نکل جائیں گے۔

5۔ یہودی

سرزمین عرب میں یہودی مذہب کافی حد تک اثر انداز تھا گو اس مذہب کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے مگر یہاں ادیان عرب کے سلسلے میں مختصر تشریح بیان کر رہا ہوں۔ سرزمین عرب میں قوم یہود کے دو ادوار گزرے ہیں پہلا دور وہ تھا جب فلسطین میں بابل اور آشور کی قومیں قابض ہوئیں اور یوں یہودیوں کو مجبوراً نقل مکانی کرنا پڑی۔ بخت نصر نے تو یہودیوں کی بستیوں کی بستیاں تباہ و برباد کر ڈالی تھیں۔ یہودی ترک وطن کرنے کے بعد ادھر ادھر پھیل گئے اور اس طرح ان لوگوں نے حجاز کے شمالی علاقوں میں اپنی بستیاں آباد کر لیں اور آہستہ آہستہ ان علاقوں میں مکمل اثر و اختیار حاصل کر لیا ہر قسم کی تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور باالفاظ دیگر یہ قوم مذکورہ علاقوں کی بے تاج بادشاہ تھی۔

70ء میں جب رومیوں نے ہرقل کی زیر قیادت فلسطین پر سخت حملے کے بعد قبضہ کر لیا تو رومیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی بڑی تباہی ہوئی۔ اس علاقے سے یہود بھاگ کر بھاری تعداد میں حجاز مقدس میں آباد ہو گئے۔ ان لوگوں نے یثرب، خیبر اور تیما میں اپنی باقاعدہ منظم آبادیاں قائم کر لیں۔ آبادی کے تحفظ کے لئے قلعے تعمیر کر لئے کاروبار تجارت پر قابض ہو گئے اور یوں اہل عرب یہودی مذہب کے قریب ہونے لگے۔ خیبر، مصطلق، نضیر، قریظہ اور بنو قینقاع یہودیوں کے مشہور قبائل تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا اس وقت تقریباً بیس یہود قبائل حجاز میں آباد تھے۔

تبان اسعد نامی ایک عرب یہودی تھا جسکی وجہ سے یہ مذہب یمن میں پھیلا اور وہاں کے باشندوں نے

Marfat.com

یہودی مذہب کی بڑی پذیرائی کی۔ ابو کرب تبان اسعد کی وجہ سے اہل یمن جوق در جوق یہودی مذہب میں داخل ہونے لگے کرب کے مرجانے کے بعد اسکا بیٹا یوسف ذونواس یمن کا حکمران بنا۔ یہ شخص بڑا ہی سخت یہودی تھا اس نے نجران کے عیسائیوں کو یہودیت قبول کرنے کی دعوت دی جب اہل نجران نے اسکی دعوت پر لبیک نہ کہا تو یہ ظالم شخص نجران پر حملہ آور ہوا اور اس نے بڑی گہری خندق کھدوائی اور اس میں ایندھن ڈال کر آگ لگوادی جب آگ خوب بھڑک پڑی تو اس سفاک کے حکم سے نجرانی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں تک کو اس آگ میں جھونک دیا۔ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر آتش کئے جانے والے لوگوں کی تعداد تقریباً چالیس ہزار (40000) تھی قرآن کریم فرقان حمید کی سورۃ بروج (آیت 5) میں اسکا ذکر آیا ہے۔

بہرحال یہودیت بھی اس زمانے میں سرزمین عرب پر بسنے والے لوگوں کا مذہب تھا۔ فلسطین سے ملک بدر ہوکر جب یہ لوگ حجاز میں آباد ہوئے تو انہوں نے شب وروز اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے کام کیا اور یوں اہل عرب میں سے کافی لوگ ان سے متاثر ہوکر یہودیت اختیار کر چکے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ ان لوگوں کی خودساختہ بدعات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور پورا حجاز مقدس اسلام کی نورانی کرنوں سے منور ہو گیا۔

6۔ عیسائی

سرزمین عرب میں عیسائی مذہب کی آمد حبشی اور رومی فاتحین کے ذریعے ہوئی۔ عیسائیوں کے ہاں بھی بہت سے فرقے ہیں۔ بلاد عرب میں کونسا فرقہ سب سے پہلے آباد ہوا اسکے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کے ہر فرقے کا دعویٰ ہے کہ وہ ہی سب سے پہلے سرزمین عرب میں آباد ہوا۔

عیسائیوں کے مشہور فرقوں میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ تاریخ عرب اس بات کی گواہ ہے کہ چھٹی صدی تک عرب میں پروٹسٹنٹ فرقے کا وجود ہی نہیں تھا۔ عرب میں آباد عیسائی عقائد کے اعتبار سے یورپ کے نئے عقائد والے فرقوں سے بالکل ہی الگ اور مختلف تھے۔ ان دونوں فرقوں میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے یہ بہت دفعہ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء بھی ہو چکے ہیں۔ پہلا فرقہ تثلیث پرست ہے انکے نزدیک باپ بیٹے اور روح القدس تینوں کی مستقل الوہیت ہے۔ دوسرا فرقہ دعویٰ رکھتا ہے کہ مسیح کی ایک ہی ذات ایک وقت میں خود خدا ہے۔ اور جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا وہ خود خدا ہی تھا۔ ان کے عقیدہ کو آسان الفاظ میں سوال کے طور پر یوں پوچھا جاسکتا ہے جس کا جواب آج تک یہ خود نہیں دے سکے یعنی:-

''ایک تین ہے یا تین ایک ہے''

بہر حال سرزمین عرب میں عیسائیت کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ ہوئی البتہ 340 عیسوی میں حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا جو کہ 378ء تک برقرار رہا۔اس مدت میں یمن مسیحی مشن کے زیر اثر رہا۔ پھر ایک عیسائی زاہد جو کہ بڑی کرامت کا مالک تھا یمن سے نجران پہنچا اور وہاں عیسائیت کی تبلیغ کی اہل نجران اسکی تبلیغ سے اسقدر متاثر ہوئے کہ سارا نجران حلقہ بگوش عیسائیت ہو گیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یمن کے عیسائی گورنر ابرہہ نے حکومت سنبھالتے ہی بڑے زوروں سے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی اس نے یمن میں ایک کعبہ اس مقصد کے لئے تعمیر کیا کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف سے روک کر اپنی طرف راغب کرے جب اسکی کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اس نے بیت اللہ شریف کو (خدا نخواستہ) مسمار کرنے کے لئے حملہ کیا مگر اللہ کریم نے اسکی فوج اور اسکا جو براحشر فرمایا وہ قیامت تک بنی نوانسانیت کے لئے باعث عبرت رہے گا۔ سرزمین عرب کے چند قبائل جو رومی سلطنت کے ہمسائے تھے انہوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ اسطرح آل غسان، بنو تغلب اور بنو طی نصرانیت کے پیروکار بن گئے۔ اس کے علاوہ حیرہ کے بعض عرب حکمران بھی عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ بنو قضاء میں سے بھی کچھ لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ مکہ مکرمہ کے باشندوں میں ورقہ بن نوفل اور چند اور عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ مذکورہ حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد آسانی سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سرزمین عرب میں عیسائیت خال خال ہی موجود تھی۔ اور جو عیسائی یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ اہل عرب میں عیسائیت نے بڑی مقبولیت حاصل کی انکا یہ دعویٰ حقائق پر مبنی نہیں بلکہ غلط فہمی پر مشتمل ہے۔

7۔ مجوسیت (آتش پرست)

دیگر مذاہب کی طرح سرزمین عرب میں کہیں کہیں مجوسیت بھی موجود تھی۔ اصل میں مجوسیت ایران کا قدیم مذہب تھا۔ تاریخ زرتشت (زرتشت 660-583 ق م) کو اس مذہب کا بانی بتاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ زرتشی خود کو مجوسی نہیں کہتے تھے۔ کیونکہ مجوسی یونانی زبان کا لفظ ہے جبکہ فارسی میں اسکو مغ کہا جاتا ہے۔ بہر حال مجوسیت عام لفظ ہے اس لئے ہم یہاں اسکو استعمال کر رہے ہیں۔ مجوسیت کے معنی آگ کی پوجا یا پرستش کرنا کے ہیں۔ اہل فارس (ایران) اس مذہب کے اصل بانی تھے اس لیے انکو مجوسی کہا جاتا تھا۔

اہل فارس دو خداؤں کو مانتے تھے جنکے نام یزدان اور اہرمن تھے۔ ان کے نزدیک یہ دونوں خدا الگ الگ صفات کے مالک تھے یعنی

1۔ یزدان، اہل فارس کے نزدیک خیر اور بھلائی کا خدا تھا۔

2۔ اہرمن۔ مجوسیوں کے نزدیک اہرمن شر اور بدی کا خدا تھا۔

اہل فارس کے نزدیک یزدان نور اور اہرمن ظلمت اور تاریکی کے مالک تھے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کے اس خود ساختہ عقیدے کا ردیوں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔سورۃ النحل آیت 51۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوخدا نہ بناؤ خدا تو ایک ہی (معبود) ہے''(سورۃ النحل آیت 51)

مجوسی بلاشبہ مشرک ہیں۔

قرآن کریم میں مجوسیوں (یعنی آتش پرستوں) کا ذکر سورۃ الحج آیت 17 میں مشرکوں کے طور پر فرمایا ہے۔

ایران کے ہمسایہ عرب قبائل میں کچھ حد تک مجوسیت فروغ پذیر تھی۔مثلاً عراق عرب، بحرین یعنی الاحساء ہجر اور خلیج عرب کے ساحلی علاقے وغیرہ۔اس کے علاوہ یمن پر جب ایران کا قبضہ ہوا تو وہاں بھی چند لوگوں نے یہ مذہب اختیار کرلیا ظاہر ہے ان لوگوں نے مجوسیت ایرانی غلبے اور رعب کی وجہ سے ہی اختیار کی تھی۔قبیلہ بنوتمیم مجوسی مذہب پر بڑی سختی سے کاربند تھا۔اہل قبیلہ عملاً آگ کو خدا مان کر بڑے زوروں سے اسکی پرستش کرتا۔ان لوگوں کے نزدیک آگ ہی سب سے بڑا دیوتا تھا۔بعد میں جب حق آیا تو مجوسیت کے خودساختہ مذہب کو اس نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

سیرت النبی الکامل از ابن ہشام جلد۔1۔صفحہ۔90،89

سیرت النبی الکامل از ابن ہشام جلد۔1۔صفحہ۔103،102

سیرت النبی الکامل از ابن ہشام جلد۔1۔صفحہ۔200،199

سیرت النبی الکامل از ابن ہشام جلد۔1۔صفحہ۔35،34،33،27،22،21،20

صحیح بخاری شریف جلد۔2۔صفحہ۔499

صحیح بخاری شریف جلد۔2۔صفحہ۔857،851

صحیح بخاری شریف جلد۔1۔صفحہ۔226،222

محاضرات خضریٰ جلد۔1۔صفحہ۔52

صحیح مسلم شریف جلد۔1۔صفحہ۔95

قلب جزیرۃ العرب صفحہ۔251

تفسیر سورہ بروج وغیرہ

8۔ سورج پرست

سرزمین عرب پر ایسے لوگ بھی موجود تھے جو سورج کی پرستش کرتے تھے۔یہ سورج پرست عجیب احمقانہ عقیدہ رکھتے تھے۔ان لوگوں کا سورج کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ اصل طاقت کا سرچشمہ یہ سورج ہی ہے اور دنیا کی تمام موجودات اسی سے پیدا ہوئی ہیں۔سورج دیوتا زمین وآسمان کا مالک وشہنشاہ ہے۔اس لئے سورج کو سجدہ کیا

جائے اس سے مرادیں مانگی جائیں۔

ان لوگوں نے سورج کی پرستش کے لئے ایک بہت بڑا ہیکل تعمیر کررکھا تھا۔ جہاں ایک خاص انسانی مجسمہ بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کی مانند سرخ موتی پکڑا ہوا تھا۔ اس مجسمے کے آگے سجدہ ریز ہوتے۔ ہیکل کی دیکھ بھال کے لئے کثیر تعداد میں خدام مقرر تھے جنکی گزر اوقات اور ہیکل کی دیکھ بھال کے لئے خرچ ہونے والی رقم لاتعداد نذرانوں اور زمینوں سے حاصل ہوتی جو خاص طور پر اس مقصد کے لئے وقف شدہ تھیں۔ دن میں تین بار باقاعدگی سے عبادت کا فریضہ سرانجام دیتے۔ بت کے لئے روزے رکھتے اسکو سجدہ کرتے نمازیں پڑھتے بیمار لوگ خصوصی طور پر ہیکل میں جا کر سربسجود ہوتے اور صحت یابی کے لئے دعائیں مانگتے۔ یہ لوگ سورج کے طلوع ہونے پر دعائیں مانگتے سجدے کرتے پھر غروب آفتاب کے وقت بھی یہی فریضہ ادا کرتے اس طرح عین دوپہر کے وقت جب سورج نصف النہار پر ہوتا تو عبادت کرتے۔

تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سرزمین عرب پر موجود قبیلہ حمیر سورج پرستی میں بہت مشہور تھا۔ اس قبیلے کی ملکہ بلقیس جو کہ تاریخ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں سخت آفتاب پرست تھی قرآن کریم سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہدہد کی زبانی جو اس ملکہ سباء کا حال بیان کرتا ہے اس میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ''ایک ایسی قوم کو دیکھ کر آرہا ہوں جو اپنی ملکہ کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتی ہے'' (سورۃ النمل آیت 24)۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہی ملکہ بلقیس سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر نہ صرف اپنے لیے دین ودنیا میں کامیابی حاصل کرنے والی بنی بلکہ اسکا پورا قبیلہ ہی اسلام کی روشنی سے منور ہوگیا اور یہ علاقہ سورج پرستی کی لعنت سے آزاد ہو کر امن وسلامتی کے دائرے میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد سرزمین عرب پر کسی اور قبیلے کا سورج پرست ہونا ثابت نہیں۔

موجودہ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج زمین سے 12 لاکھ 80 ہزار گنا بڑا ہے اور سورج کی زمین سے دوری 9 کروڑ 45 لاکھ 7 ہزار 582 میل ہے۔

9۔ فرشتوں کے پجاری

سرزمین عرب پر جہاں بے شمار دیگر مذاہب وعقائد موجود تھے وہاں ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جو فرشتوں کو خدا مان کر انکی پوجا کرتے۔ کیا ہی عجیب عقیدہ تھا کہ فرشتے نظر آتے نہیں تھے مگر وہ لوگ تصورات میں ہی انکی پرستش کرتے رہتے تھے بعض نامعقول تو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ ان لوگوں کے اس خود ساختہ بدعقیدے کی قرآن کریم میں (سورۃ آل عمران آیت 80) بڑی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہوئے انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونے والے بتایا گیا ہے۔ سرزمین عرب میں فرشتوں کی پوجا کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

10۔ جنات کی پوجا کرنے والے

اہل سیر اور مورخین تاریخ عالم اور خاص طور پر مورخین تاریخ وعرب تحریر کرتے ہیں کہ سرزمین عرب میں نہایت ہی قلیل تعداد میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو جنات کو مالک ومختار سمجھتے ہوئے انکی پرستش کرتے تھے۔ انکا طریقہ پرستش کیا تھا اس سلسلے میں معلومات دستیاب نہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم فرقان حمید (سورۃ سباء آیت 41) میں ان لوگوں کی نہایت سختی سے مذمت فرماتے ہوئے انکے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے۔

11۔ چند اہل حق اور ان کے مختصر حالات

سرزمین عرب میں جب چاروں طرف بدعقیدہ خودساختہ، ظلم اور بربریت کا راج تھا۔ ظلمت کے گہرے سائے بحر نہنگ آشام کی طرح منہ کھولے ہر چیز کو اپنے اندر جذب کئے جا رہے تھے اس وقت بھی چند اہل حق اس سرزمین پر اپنی نورانی شکلوں میں خداوند قدوس کے فرمان کی سربلندی کے لئے کمربستہ تھے۔ گو انکی تعداد بہت ہی قلیل تھی مگر اپنی سچی اور پکی ہٹ پر قائم رہتے ہوئے وہ مالک کل کے احکامات پر عمل کر رہے تھے۔ تاریخ عالم نے دیکھا کہ آخر حق پرست ہی باطل پر غالب آئے اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ سرزمین عرب تو کیا سارا جہاں نور اسلام کی روشنی سے منور ہو گیا۔ یہاں ہم قبل اسلام حق پر چلنے والی برگزیدہ ہستیوں میں سے چند ایک اہم ترین کا مختصر حال ہدیۂ تحریر کر رہے ہیں تا کہ ان کے حالات پڑھ کر ہمارے دلوں میں روشن شمع ایمانی مزید روشنی حاصل کر سکے۔

(1)۔ کعب بن لوی

ایک دفعہ جمعہ کے دن جسے قریش یوم العروبہ کہتے تھے کعب نے اپنی قوم قریش کو جمع کیا اور ان سے مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

سنو! جانو اور سمجھو کہ راتیں گزرتی جا رہی ہیں۔ دن ویران ہوتے جا رہے ہیں۔ پست زمین ایک نہ ایک دن سب کا بچھونا ہو گی۔ آسمان بکھر جائیں گے۔ پہاڑ جو آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اول و آخر سب برابر ہو جائیں گے۔ اپنے نام ونسب کی باتیں کرنا چھوڑو۔ اپنے مستقبل کی فکر کرو۔ اپنے مال ومتاع سے پھل پانے کی کوشش کرو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جو چلا گیا پھر لوٹ کر آجائے گا یا جو مر گیا سو مر گیا۔ نہیں ایک اور جگہ آئندہ تمہارا گھر ہونے والی ہے۔ تمہارے گمان غلط ہیں۔ صحیح باتوں کا خیال کرو اور انہی کی عزت وحرمت تم پر لازم ہیں۔ میں تمہیں جلد ہی ایک خوشخبری سناؤں گا جو ایک نبی کریم کے بارے میں ہو گی۔ اس کے بعد کعب بن لوی نے حاضرین کو پند وموعظت اور عبرت پر مبنی کچھ اشعار بھی سنائے جو مختلف کتابوں میں آج تک محفوظ ہیں۔ آخر میں کعب بن لوی نے اسی طرح کی کچھ اور باتیں قریش کے سامنے کر کے اور انہیں نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے

بچنے کی نصیحت کر کے انہیں سیدھی راہ پر چلنے کا مشورہ دیا۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ کعب بن لوئی کی وفات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں پانچ سو ساٹھ سال کا فصل ہے۔

(2)۔ زید بن عمرو

اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ زید بن عمرو کا پورا خاندانی نام زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی القرشی العدوی تھا اور وہ نہایت عابد اور زاہد شخصیت تھے۔ وہ اس خوش قسمت گروہ میں شامل تھے جن پر اللہ کا خاص فضل و کرم تھا کہ اسقدر تاریک دور میں بھی وہ راہ حق پر گامزن تھے۔ کہا کرتے میں اس نبی برحق کا منتظر ہوں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت عبدالمطلب کی پشت سے پیدا ہوں گے مگر افسوس شاید میں انکا زمانہ دیکھنے سے پہلے ہی اس جہاں سے چلا جاؤں گا مگر خدا میرا گواہ ہے کہ میں اس آنے والے نبی برحق پر ایمان لے آیا ہوں انکی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زید کے دوست تھے اور اسکے عقیدہ سے باخبر تھے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے زید کا عقیدہ اور خدمت اقدس میں اسکا سلام عرض کیا۔ یہ سن کر فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں زید کو جنت میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی چادر کا پلو گھسیٹتے ہوئے چلے جا رہے ہیں''۔ سبحان اللہ کیا ہی مقام پایا کہ رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عنایت کے طفیل جنت کے حق دار ہو گئے۔ زید اچھے شاعر بھی تھے انکے اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو انکا جذبہ حق اور عقیدہ ایمان ہر ہر شعر سے عیاں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ متلاشی علم انکے اشعار دیوان شعراء عرب میں پڑھ سکتے ہیں۔

(3)۔ قس بن ساعدہ الایادی

اہل حق کے اس گروہ میں قس بن ساعدہ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں کتب تاریخ میں آتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تین سو اسی (380) برس کی طویل عمر پائی اور اسقدر خوش قسمت تھے کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ مبارک بھی پایا بعض مورخین نے جن میں امام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ اور امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل ہیں ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ جبکہ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ اقدس سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ بہر حال یہ بات ہر ایک کے ہاں مسلم ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں قیامت پر ایمان کا اقرار کیا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ جارود بن عبداللہ جو اپنی قوم کے سردار تھے مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس ذات مقدس کی قسم جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے توراۃ میں

حضور علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ پڑھے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی آمد مبارکہ کی بشارت دی ہے۔ اس لیے میں آپ پر ایمان لایا اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے سچے رسول ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ہمیں قس کے بارے میں بتائے اسکی زندگی کے حالات سے آگاہ کرے جارود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ہم سب لوگ اسکو اچھی طرح جانتے ہیں میں تو ہمیشہ اسکے پیچھے چلنے والوں میں سے تھا۔ وہ ایک معزز قبیلے کا شریف النفس شخص تھا۔ نہایت فصاحت وبلاغت سے کلام کرتا اور اس نے بڑی طویل عمر پائی۔ وہ اللہ کی عبادت کرنے والا شخص تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا ''میں نے قس بن ساعدہ کو خود عکاظ میں خاکستری رنگ کے اونٹ پر سوار محو گفتگو دیکھا''۔ اس پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن میں بھی عکاظ میں موجود تھا قس نے جو خطبہ دیا وہ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے جس میں اس نے عقیدہ توحید اور روز قیامت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ مختصراً قس بن ساعدہ الایادی اپنے زمانے میں دین حق کا سچا اور پکا عملی انسان تھا۔

(4)۔ امیہ بن ابی صلت ثقفی

مکہ مکرمہ میں خاص طور پر اور سرزمین عرب میں عمومی اعتبار سے کئی ایسے شاعر گزرے ہیں جن کے لئے اہل عرب قادر الکلام کے الفاظ استعمال کرتے تھے ان شاعروں میں سے ایک امیہ بن ابی صلت بھی تھا۔ تاریخ عرب میں اسکا پورا نام یوں آتا ہے۔ امیہ بن ابی صلت عبداللہ بن ابی رویعہ بن عوف بن ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن ابو عثمان۔ امیہ بن ابی صلت نہایت ہی عمدہ اشعار کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اسکے اشعار کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے اشعار کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ مسلم شریف میں رشید بن سوید سے حدیث بیان کی گئی ہے کہتے ہیں ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اونٹنی پر سوار تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ''تجھے امیہ بن صلت کا کوئی شعر آتا ہے''؟ میں نے عرض کیا حضور علیہ السلام مجھے اسکے بہت سے شعر آتے ہیں فرمایا ''سناؤ''۔ میں نے ایک شعر عرض کیا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اور سناؤ'' میں نے دوسرا شعر سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اور سناؤ'' یہاں تک کہ میں نے ایک سو اشعار خدمت اقدس میں سنائے اشعار سن لینے کے بعد گوہر فشاں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کے اشعار تو مومن ہیں لیکن اس کا دل کافر تھا''۔ اور ایسا ہی ہوا، امیہ بن ابی صلت اکثر لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ ایک نبی عنقریب اس سرزمین پر تشریف لانے والے ہیں مگر وہ اپنے دل میں یہی امید لگائے ہوئے تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں گا۔ پھر جب ہمارے آقا، مولا فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ بد بخت انسان حسد کی

وجہ سے جل گیا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کردیا اور یوں حالت کفر میں ہی مر گیا۔

(5)۔ سیف بن ذی یزن الحمیر ی

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عرب عاربہ کی قدیم ترین قوم سباء تھی جو یمن کی حکمران بنی عرصہ دراز حکومت کرنے کے بعد جب اس قوم کو زوال آیا تو ایک ظالم یہودی بادشاہ ذونواس نے یمن پر قبضہ کرلیا رومیوں نے حبشیوں کی مدد سے اس ظالم حاکم کو ابدی نیند سلا کر حکومت حبشیوں کے حوالے کردی گو یہ حبشی بھی مذہباً عیسائی تھے مگر عرب باشندے انکی حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے ابرہہ الاشرم حبشی کی عبرتناک تباہی کے بعد ایک عرب سردار سیف بن ذی یزن نے کسریٰ سے مدد لے کر اپنے اہل وطن کو حبشیوں کی غلامی سے آزادی دلائی یہ بھی مذہباً عیسائی تھے مگر عرب ہونے کی وجہ سے اہل عرب کا نجات دہندہ بن کر سب کی نظروں میں واجب الاحترام قرار پایا۔ اہل عرب وفود کی شکل میں سیف ذی یزن الحمیر ی کو مبارک باد دینے کے لئے دور دراز کا سفر طے کر کے جوق در جوق یمن میں اسکے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان وفود میں قریش مکہ کا وفد بھی شامل تھا۔ اس وفد قریش کے نامور سردار حضرت عبدالمطلب بن ہاشم تھے اور اس وفد میں ان کے ہمراہ امیہ بن عبدشمس ابی عبداللہ، عبداللہ بن جدعان، اور خویلد بن اسد شامل تھے۔

قریش کا وفد جب یمن گیا تو اس سے پہلے تاجدار عرب وعجم سرکار دوعالم سید الانبیاء فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہو چکی تھی۔ وفد کے سردار حضرت عبدالمطلب نے شاہ یمن سیف بن ذی یزن سے دربار میں گفتگو کی اجازت طلب کی، شاہ یمن نے کہا اگر آپ آداب شاہی سے واقف ہیں تو گفتگو کی اجازت ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس قدر پر مغز گفتگو فرمائی کہ شاہ یمن محو حیرت رہ گیا۔ گفتگو کے اختتام پر خوش ہو کر حکم دیا کہ قریش کے اس وفد کو شاہی مہمانوں کے طور پر ٹھہرایا جائے۔ اسطرح وہ وفد قریش مکمل ایک ماہ تک شاہی مہمان رہا۔ ایک ماہ کے بعد شاہ یمن نے وفد قریش کے سردار حضرت عبدالمطلب کو تنہائی میں طلب کیا اور نہایت ہی عزت واحترام سے پیش آتے ہوئے عرض کی میں آپ کو نہایت بردبار اور اہل خیال کرتے ہوئے ایک راز بتانا چاہتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس راز کو اس وقت تک اپنے سینے میں ہی رکھیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اسکو ظاہر کرنے کا خود فیصلہ نہیں فرماتا۔ پھر یوں گویا ہوا کہ "میرے پاس نسل در نسل ایک خفیہ تحریر ہے جسے ہم کسی دوسرے کو پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے"۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "مجھے اس راز سے آگاہ کریں اور میں وعدہ کرتا ہوں حسب شرط اسکو افشاں نہیں کروں گا"۔ اس پر شاہ یمن نے کہا کہ اس مکتوب میں لکھا ہے کہ "تہامہ میں جب ایک ایسا بچہ پیدا ہو جس کے کندھوں کے درمیان نشان ہو (مہر نبوت) وہی امام ہوگا۔ اس کے وسیلے سے قیامت تک تمہیں سرداری نصیب رہے گی" پھر شاہ یمن نے اس عبارت کی تفصیل بتاتے ہوئے یوں کہا "اس بچے کا نام احمد ہے اور اس کے والد اور والدہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے پھر اسکی کفالت اسکے دادا اور اسکے بعد چچا کے پاس رہے گی۔ وہ مشرکین مکہ کے

بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تمام آتش کدے سرد کر کر دیے جائیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے گی اور شیطان کو دھتکار دیا جائے گا۔ ہم اس کے مددگار بنیں گے اس کے دوستوں کو فتح نصیب ہوگی جسکا باعث ہم ہوں گے۔ اسطرح ہم اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کریں گے۔ اور آپ اے عبدالمطلب اس بچے کے دادا ہو"۔

شاہ یمن ابن ذی یزن کی یہ گفتگو سن کر حضرت عبدالمطلب سجدہ میں گر گئے یہ دیکھ کر شاہ یمن نے کہا "اے سردار قریش اپنا سر اٹھائیں اور مجھے بتائیں کہ جو علامات میں نے آپ کو بتائی ہیں ان میں سے آپ نے کچھ مشاہد فرمائی ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے سر اٹھایا اور شاہ یمن کو بتایا کہ وہ بچہ میرے بیٹے کے ہاں پیدا ہو چکا ہے اسکے ماں باپ وفات پا چکے ہیں اور اب وہ میرے زیر کفالت ہے۔ انکے کندھوں کے درمیان وہی نشان (مہر نبوت) موجود ہے۔ یہ سن کر شاہ یمن نے حضرت عبدالمطلب کو ہدایت کی کہ اس چیز کا کسی سے بھی ذکر نہ کرنا کیونکہ ہوسکتا ہے یہ سب کچھ جان کر کسی کے دل میں حسد کا مادہ پیدا ہو اور مبادا وہ اس بچے کو نقصان پہنچائے۔ خاص طور پر یہودیوں کو تو اسکی ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے کیونکہ یہ لوگ اس کے سب سے بڑے دشمن ہوں گے"۔ اس گفتگو کے بعد قریش کے پورے وفد کو دربار میں طلب کیا اور سب کو انعامات سے نوازا خصوصی طور پر حضرت عبدالمطلب کو سب سے زیادہ قیمتی انعامات بخشے اور یوں وفد قریش کو نہایت ہی عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا۔

(6)۔ ورقہ بن نوفل

مکہ مکرمہ میں ورقہ بن نوفل بن اسد کسی تعارف کے محتاج نہیں تھے۔ چوتھی پشت میں انکا سلسلہ نسب قصیٰ پر جا کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ اللہ کے خاص فضل وکرم سے ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں ہی ان خوش قسمت لوگوں میں شامل تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ آپ بت پرستی اور دیگر رسومات جاہلیت سے سخت بیزار تھے۔ ورقہ بن نوفل ہمیشہ اس جستجو میں رہتے کہ کسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا پتہ چل جائے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی معرفت حاصل کرسکیں۔ راہ حق کی تلاش میں انہوں نے دور دراز کے ممالک کا سفر کیا لاتعداد اہل علم کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیے آسمانی کتابوں کا علم رکھنے والے عالموں کی خدمات میں حاضر ہوئے آخری ایام میں نصرانیت (عیسائیت) قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر پختہ ایمان رکھتے تھے۔ توراۃ اور انجیل میں جس نبی برحق کی آمد کی خوشخبری دی گئی تھی ورقہ بن نوفل شدت سے اس نبی برحق کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تمام واقعات ورقہ بن نوافل کو بتائے تو ان واقعات کو سن کر ورقہ بن نوفل نے جن الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا صحیح بخاری میں

Marfat.com

انکا ذکر یوں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''یہ وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اے کاش میں اس وقت جوانی کی عمر میں زندہ ہوتا جب آپ علیہ السلام کی قوم آپ کو اس وطن سے جلاوطن کرے گی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ''کیا میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی''؟ ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں کوئی انسان بھی آج تک وہ امانت لے کر نہیں آیا جو آپ (علیہ السلام) لے کر آئے ہیں۔ مگر یہ کہ اس کے ساتھ قوم نے عداوت ودشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں اس وقت زندہ ہوا تو آپ (علیہ السلام) کی بھرپور مدد کروں گا'' اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد ہی ورقہ بن نوفل اس فانی دنیا سے کوچ فرما گئے۔

ویسے تو چند اور اصحاب جو زمانہ جاہلیت میں بھی توحید پر سختی سے یقین رکھتے تھے موجود تھے ان سب کا حال مختصراً بھی تحریر کرنا ہمارے موضوع کو بہت طویل بنادے گا اس لیے یہاں ان چند بزرگوں کے حالات تحریر کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

12۔ معاشرتی وسماجی حالات

سرزمین عرب میں بسنے والے انسانوں کی معاشی اور سماجی زندگیاں انتہائی گمراہی، جاہلیت اور تاریکیوں کی شکار تھیں۔ پورا عرب معاشرہ جاہلیت اور عصبیت کی عملی تفسیر تھا۔ ان لوگوں نے خود کو الگ الگ طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ چند ایسے طبقے بھی موجود تھے جو دیگر لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے رسم ورواج اور عادات کے اعتبار سے بات چیت کرنا تعلقات استوار رکھنا تو درکنار ان کو انسان خیال کرنا ہی پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ مخصوص طبقے زندگی کے ہر میدان میں خود کو دوسروں سے ممتاز رکھنے میں کوشاں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ عادات ان کی فطرت کا حصہ بن چکی تھیں۔ یوں عرب معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو چکا تھا یعنی ایک طبقہ حکمران، جابر، ظالم اور آقاؤں کا تھا جبکہ دوسرا طبقہ کمزور، غریب اور مظلوموں کا تھا جن کے ساتھ پہلے طبقے کا سلوک نہایت ہی توہین آمیز اور جانوروں جیسا تھا۔ اس طبقاتی کشمکش میں دوسرے طبقے کی جان، مال، عزت آبرو غرض کوئی چیز بھی محفوظ نہ تھی۔ تیسری کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو اس دوسرے طبقے کے حقوق کی خاطر پہلے طبقے کے سامنے سینہ سپر ہوتی۔ گویا دوسرے معنوں میں اگر یوں کہا جائے کہ جس کی لاٹھی اسکی بھینس کا محاورہ عرب معاشرہ پر مکمل صادق آتا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ ہر طرف جنگل کے قانون کا راج تھا۔ ہر طاقتور قبیلہ اور انسان جس چیز کو پسند کرتا یا جو بھی اسکی مرضی یا خواہش ہوتی وہی قانون ہوتا پورا عرب معاشرہ بد امنی، بے چینی، خوف وہراس اور افراتفری کا شکار تھا۔ گناہ، ظلم، بربریت اور بدی کا ہر سمت راج تھا۔ نیکی شرافت یا انسانیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔

ویسے تو عرب معاشرے میں کسی کمزور اور غریب کو کوئی مقام ہی حاصل نہ تھا مگر پھر بھی کبھی کبھار کوئی غریب

بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھالیتا۔ وہ الگ بات ہے کہ بعد میں اس کمزور کو اہل خانہ سمیت ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جاتا۔ کمزور اور غریب کے علاوہ جس مخلوق کی حالت سب سے زیادہ خستہ وابتر تھی وہ بے چاری عورت تھی۔ عورت کے ساتھ تو عرب معاشرہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھتا تھا۔

عورت کا سماج میں مقام

عرب معاشرے میں عورت کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا بے جان مال کی طرح عورت کو بھی مال وراثت خیال کیا جاتا۔ یہ لوگ ذلت کی ان گہرائیوں تک پہنچ چکے تھے جن کا بیان کرتے ہوئے انسانیت وشرافت شرمندہ ہوجاتی ہے۔ انکی قبیح حرکات سے عام عقل رکھنے ولا انسان بھی اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ عرب معاشرہ کس قدر ذلیل زندگی بسر کر رہا تھا اور عورت ان کے نزدیک کیا مقام رکھتی تھی۔ بعض اوقات ایک شخص ایک ہی وقت میں بے شمار عورتوں کو اپنے استعمال میں رکھتا۔ عام طور پر عورت کے معاملہ میں نہ تو کوئی حد مقرر تھی اور نہ ہی تعداد۔ ہر طرف ظلم کا راج تھا عورت کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا۔ وہ لوگ ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں کے ساتھ نکاح کر لیتے اور اسکو جائز خیال کرتے تھے۔

اہل عرب کے ہاں شادی کے طریقے

عرب معاشرے نے شادی کے جو طریقے اپنا رکھے تھے انکا مختصراً حال بیان کر رہا ہوں اسکا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل عرب کے ہاں عورت کی کیا قدر ومنزلت تھی۔ کرہ ارض پر بسنے والی مسلمان خوش قسمت عورتیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے نظام زندگی کی جس قدر احسان منداور شکرگزار ہوں وہ کم ہے کیونکہ اسی نظام کامل نے پستی، ذلت اور درندگی کی گہری کھائیوں (گڑھوں) میں غرق عورت کو نکال کر اوج ثریا تک پہنچا دیا ہے۔ آج کی تعلیم یافتہ کہلانے والی عورتیں جاہلیت کے زمانہ میں زندگی بسر کرنے والی عورت کے حالات پڑھیں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکرادا کریں کہ اسلام کی بدولت ہی انکو یہ عزت ورتبہ حاصل ہوا ہے ورنہ عورت کا مقام جوتیوں میں تھا اور اسکے ساتھ جانوروں سے برا سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ خود ساختہ تعلیم یافتہ مغربی معاشرہ سے مغلوب عورت مرد کے برابر حقوق حاصل کرنے کا رونا روتی رہتی ہیں اسے چاہیے کہ ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے اس دین حنیف کی پکی سچی پیروکار بن کر اپنی دنیا وعاقبت سنوار لیں۔ اگر عورت نے دین اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر دوسرے معاشرے اور مذاہب کی پیروکاری ترک نہ کی تو وہ دن دور نہیں کہ اس کے ساتھ معاشرہ پھر وہی سلوک شروع کر دے جس سے اسلام نے اسے نجات دلائی ہے۔

اہل عرب کے ہاں نکاح کے علاوہ بھی کئی اور ایسے طریقے رائج تھے جن پر عمل کرتے ہوئے عورت کو رشتہ

زوجیت میں منسلک مانا جاتا تھا۔ یہاں ان طریقوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوجائے گا کہ عرب معاشرہ کو کفروشرک کی آلودگیوں نے کس قدر تباہ وبرباد کردیا تھا۔ ان لوگوں میں غیرت وحمیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ایسی ذلیل حرکات کو وہ لوگ سرعام برداشت کرتے تھے نہ تو انکا ضمیر اس بے غیرتی پر انکو ملامت کرتا اور نہ ہی معاشرہ اسکے خلاف کسی قسم کا ردعمل ظاہر کرتا۔ شادی کے مختلف طریقوں کا حال کچھ یوں تھا۔

جائز طریقہ نکاح

سرزمین عرب میں بسنے والے چند شریف قبائل کے ہاں تو شادی بیاہ یا نکاح کے وہی طریقے رائج تھے جو عقل انسانی کے مطابق صحیح اور اسلام کے نزدیک بھی جائز تھے۔ یعنی نکاح کے خواہش مند لڑکیوں کے وارثوں کے پاس باقاعدہ شادی کا پیغام بھیجتے اور اگر لڑکی والے اسکو قبول کر لیتے تو عزیز واقارب کی موجودگی میں باقاعدہ نکاح کے بعد عورت ومرد رشتہ زوجیت میں منسلک ہوجاتے۔ آج کی موجودہ اصطلاح میں اسے Arranged Marriage کہا جاتا ہے۔ یہ ہر مذہب اور بااخلاق معاشرے کا طریقہ نکاح ہے۔

لائق اور نامور بیٹا حاصل کرنے کا طریقہ

اہل عرب کے ہاں لائق اور نامور بیٹا حاصل کرنے کا ایک خودساختہ طریقہ بھی رائج تھا جسے سن کر یا پڑھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے مگر دور جاہلیت کے لوگ اس طریقے پر فخریہ انداز سے عمل کرتے تھے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ منکوحہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہوتی تو اسکا خاوند اپنے قبیلے یا کسی اور شجاع وسخی آدمی کے پاس اپنی بیوی کو خود بھیج دیتا اور یوں جو بیٹا پیدا ہوا وہ نامور اور سخی ہوگا اور یوں اسے نامور بیٹے کا باپ بننے کا اعزاز حاصل ہوجائے گا۔ اس ذلیل ترین طریقے پر جس قدر لعنت اور افسوس کیا جائے کم ہے۔

ایک عورت متعدد مرد

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے ہاں شادی کے سلسلے میں ایک بدرسم یہ بھی رائج تھی کہ کئی آدمی باری باری ایک ہی عورت سے ہم بستر ہوتے اگر اس عورت کے حمل ٹھہر جاتا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ عورت ان مردوں کو اپنے ہاں طلب کرتی طلب کیے جانے والے مرد آنے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ اس عورت کے پاس آجاتے تو وہ ان میں سے کسی ایک سے کہتی تم اچھی طرح جانتے ہو جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے تمہارے اس فعل کا نتیجہ اس بچے کی شکل میں موجود ہے اسطرح وہ لڑکا اس مرد کی نسل میں شامل کردیا جاتا۔ گو یہ مرد اور عورت کا رشتہ باقاعدہ میاں بیوی والا تو نہیں ہوتا تھا سوائے اسکے کہ مرد اور عورت ایک یا اس سے زائد دفعہ میاں بیوی والے تعلقات استوار کرتے تھے۔ دوسرے معنی میں اسے زنا کہا جاتا ہے۔ اس فعل سے اگر لڑکا پیدا ہوتا تو عورت اپنے قریب آنے والے مردوں کو اپنے

ہاں بلاتی اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو کسی کو نہیں بلاتی تھی کیونکہ اس وقت کے رواج کے مطابق لڑکی کی پیدائش کو منحوس خیال کرتے ہوئے زندہ ہی دفن کر دیتے تھے۔ایسے ماحول میں ناجائز بچی کا بوجھ اٹھانے کے لئے کوئی کیسے تیار ہو سکتا تھا۔ اسطرح زنا کی یہ عجیب بدرسم عرب معاشرہ میں موجود تھی۔

فاحشہ عورتوں کا گھروں پر جھنڈے لہرانا

دور جاہلیت میں بدکار اور فاحشہ عورتیں کھلم کھلا اپنے گھروں کی چھتوں پر جھنڈے لہراتیں۔انکے دروازے صبح شام ہر شخص کے لئے کھلے رہتے اسطرح بدکاری اور زنا کا کام سرعام ہوتا تھا۔اس فعل بد کے نتیجہ میں اگر اس فاحشہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو پھر قیافہ شناس یعنی وہ شخص جو انسانی خدوخال دیکھ کر اندازہ لگاتے تھے کہ اولاد کس کی ہے اسے بلایا جاتا۔قیافہ شناس لڑکے کی جس طرف نسبت کر دیتا وہ اسی کا بیٹا قرار پاتا اور یوں اس لڑکے کی پرورش کا ذمہ دار وہی شخص ٹھہرتا جو اکثر اس فاحشہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اسکے علاوہ لڑکا وراثت کا بھی حق دار ہوتا تھا۔مذکورہ فحاشی کا کاروبار کرنے والی عورتوں کا تعلق نہ تو قبیلہ قریش سے تھا اور نہ ہی خالص عرب النسل ہوتی تھیں بلکہ ان میں اکثریت ان لونڈیوں کی ہوتی تھی جن کو عرب خرید کر لاتے یا پھر بعض اوقات دور دراز کے قبیلوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں مال غنیمت کے طور پر عورتیں ہاتھ لگ جاتیں۔زیادہ تر خریدی ہوئی لونڈیاں ہی ہوتی تھیں پھر ان لونڈیوں کے مالک خود ان سے یہ شرمناک پیشہ کراتے اور یوں اس حرام کی کمائی سے خود عیاشی کرتے تھے۔

خفیہ شادی یا نکاح

اہل عرب کے ہاں ایسی بدکاری جو خفیہ طور پر کی جاتی معیوب خیال نہیں کی جاتی تھی۔پوشیدہ بدکاری جو لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں معمول تھی۔سرعام بدکاری کو جسکا عام چرچا ہوا نکے ہاں سخت عیب اور ذلیل حرکت تصور کیا جاتا تھا۔معاشرہ ماحول یا خاندانی ڈر کی وجہ سے لوگ پوشیدہ شادیاں کر لیتے ان عورتوں کو الگ مکانوں میں رکھتے ان عورتوں کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرتے اسطرح مرد اور عورت بطور خاوند اور بیوی تعلقات استوار رکھتے مگر خفیہ طور پر جسکا کسی دوسرے کو بہت ہی کم پتہ چلتا تھا۔بعض اوقات اسی پوشیدہ شادی کی آڑ میں بدکاری کا دھندہ بھی کیا جاتا۔بہرحال خفیہ شادیاں کرنے کا یہ طریقہ بھی عرب معاشرے میں رائج تھا۔

بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا

زمانہ جاہلیت میں عورت مجموعی طور پر بدترین مخلوق بن چکی تھی عورت پر کئے جانے والے مظالم اور اجتماعی زندگی میں جو اسکو مقام حاصل تھا اسکا ہم قدرے تفصیل سے اوپر ذکر کر چکے ہیں۔اسی معاشرہ میں ایک نہایت سفاک سنگدلانہ اور انتہائی ظالمانہ رسم عام ہو چکی تھی جسے پڑھ کر انسان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر وہ سفاک درندہ صفت لوگ اس

رسم کو فخر یہ انداز سے سرانجام دیتے تھے۔ وہ رسم بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی تھی۔ کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو اہل خانہ کے چہرے غصے سے سرخ وسیاہ ہو جاتے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی۔ اہل خانہ لوگوں سے شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے۔ اس پیدا ہونے والی بچی کی باد ل نخواستہ چند سالوں تک پرورش کرتے پھر اپنے ہاتھوں گہرا کھڈ (گڑھا) کھود کر جگر کا ٹکڑا کہلانے والی معصوم بچی کو اس کھڈ میں زندہ دفن کر دیتے۔ اس ظالمانہ فعل پر نہ کوئی ملامت کرتا نہ ہی کسی قسم کا کوئی قانون اسکو پکڑتا اور نہ ہی ایسا کرنے والے ظالم باپ کے ماتھے پر شکن تک آتی۔ اہل عرب کی اس سفاکانہ رسم کا قرآن کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ النحل آیات 58،59۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: ”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت ملتی ہے تو اسکا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خبر پر وہ اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ آیا اسے ذلت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں دفن کر دے ارے بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں“ (سورۃ النحل آیت 58 تا 59)

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ قبیح رسم تقریباً عرب کے تمام قبائل میں کسی نہ کسی انداز سے رائج تھی۔ مگر خاص طور پر قبیلہ بنو تمیم تو اس ذلیل رسم پر سختی سے قائم تھا اور اس قبیلے میں بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا عام رواج تھا۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی کئی ایک وجوہات تھیں۔ یہاں ان وجوہات کا مختصراً حال تحریر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ یہ رسم زمانہ قدیم سے موجود تھی، یہ کس طرح رائج ہوئی اور اسکے پیچھے کیا عوامل کار فرما تھے۔

بنو تمیم، بنو کندہ اور چند دوسرے قبائل جن کے ہاں اس رسم کا عام رواج تھا اسکی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ان قبائل کے لوگ بچیوں کو اس لئے زندہ درگور کر دیتے تھے کہ بڑی ہو کر انکی نازیبا حرکات کی وجہ سے خاندان بدنام نہ ہو جائے۔ تاریخ میں دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بنو تمیم پر شاہ حیرہ نے ٹیکس (محصول) لگا دیا مگر بنو تمیم نے وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا شاہ حیرہ نعمان نے اپنے بھائی کو ایک مخصوص فوجی دستہ دے کر بنو تمیم کی طرف روانہ کیا تا کہ ان لوگوں سے ٹیکس وصول کرے اس فوجی دستے کی اکثریت کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ فوجی دستے نے بنو تمیم پر حملہ کر دیا انکے مویشیوں کو پکڑ لیا اور اہل تمیم کی اولاد کو گرفتار کر کے بطور جنگی قیدی حیرہ لے آئے۔ بنو تمیم نے شاہ حیرہ نعمان بن منذر کی خدمت میں اپنا ایک وفد مذاکرات کے لئے بھیجا۔ وفد نے قیدی عورتوں کی رہائی کا مطالبہ کیا اس پر نعمان شاہ حیرہ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ میں قیدی عورتوں کو انکی مرضی پر چھوڑ دیتا ہوں اگر وہ اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہیں تو ایسا کرنے میں آزاد ہیں اور اگر وہ حیرہ میں اپنے نئے آدمیوں کے پاس ہی رہنا چاہیں تو انکی مرضی۔ ان عورتوں میں سے اکثریت نے تو بنو تمیم کے پاس واپس جانے کا فیصلہ کیا مگر چند عورتوں نے حیرہ میں ہی نئے شوہروں کے پاس رہنے کا

اعلان کیا۔ ان عورتوں میں سردار بنو تمیم قیس بن عاصم کی بیٹی اور بنو ربیعہ کے سردار کی بیٹی بھی شامل تھی۔ ان دونوں سرداروں نے اس واقعہ کے بعد فیصلہ کرلیا کہ ان کے ہاں آئندہ جو بچی بھی پیدا ہوگی اسکو زندہ درگور کردیا جائے گا تاکہ مستقبل میں انکی کوئی بیوی، بیٹی یا بہو دوبارہ ایسی حرکت کرتے ہوئے اہل خاندان کی رسوائی اور غیرت کا جنازہ نکالنے کے لئے موجود ہی نہ ہوں اس وجہ سے ان کے ہاں اس رسم دختر کشی نے عام رواج اختیار کرلیا۔

بچیوں کو زندہ درگور کردینے کی اس ظالمانہ رسم نے عرب معاشرے کو دوسروں کے سامنے ذلیل وخوار کردیا تھا جب کوئی ظالم شخص بچی کا باپ بن جاتا تو اسے فوری دو فیصلے کرنا پڑتے ایک یہ کہ آیا بچی کو زندہ رہنے دینا ہے یا اسکو زندہ درگور کردینا ہے۔ اس رسم کو انکے ہاں وادکا نام یا طریقہ کہا جاتا تھا۔ اگر پہلا فیصلہ کرتا یعنی بچی کو زندہ رکھنے کا تو پھر اس بچی پر اس قدر ظلم کئے جاتے کہ اسکا شمار نہ تو زندوں میں ہوتا اور نہ مردوں میں اس بچی کو اون یا اونٹ کے بالوں سے تیار شدہ لباس پہنا کر عرب کی سخت ترین دھوپ میں اونٹ ودیگر مویشی چرانے کے کام پر لگا دیا جاتا۔ گھر پر اسکو کسی کروٹ آرام کرنے کی اجازت نہ ہوتی اسطرح وہ بے چاری ایک طرح سے زندہ رہتے ہوئے بھی زندہ درگور ہوتی تھی۔ دوسری صورت میں اگر بچی کو قتل کردینے کا ارادہ ہوتا تو اسے تقریباً سات سال کی عمر تک اس قدر ناز ونعم اور عزت وتکریم سے پالا جاتا کہ دیکھنے والے اسکی زندگی پر رشک کرتے۔ پھر سات سال کی عمر پوری ہوتے ہی کسی روز اچانک خاوند اپنی بیوی سے کہتا کہ بیٹی کو اچھی طرح نہلا کر عمدہ لباس پہنادو میں اسے ننھیال کے ہاں چند روز کے لئے چھوڑ آؤں۔ بیوی کو ایسا کہنے سے ایک روز پہلے جنگل میں دور کہیں ایک گہرا گڑھا کھود آتا تھا۔ جب بیوی حسب حکم بچی کو تیار کردیتی تو وہ شقی القلب باپ معصوم بیٹی کو ہمراہ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوجاتا جب اس گڑھے کے قریب پہنچتا تو کنارے پر کھڑی بیٹی سے کہتا اس گڑھے میں دیکھو کیا ہے بچی جھک کر گڑھے میں دیکھتی تو وہ اسے پیچھے سے دھکا دے کر گڑھے میں گرا دیتا اور پھر اس گہری قبر نما کھڈ (خندق) کو مٹی ڈال کر بھرنے لگتا معصوم بچی زندگی بچانے کے لئے چیختی، سفاک باپ کو محبت، الفت، بتوں، ماں غرض ہر ممکن چیز کا واسطہ دیتی خدا بہتر جانے اپنی توتلی زبان سے اور کس کس کا واسطہ دیتی ہوگی مگر ظالم قصاب باپ پر کوئی اثر نہ ہوتا یہاں تک کہ وہ درندہ صفت انسان اس بے گناہ معصوم بچی کی کسی فریاد پر کان نہ دھرتا اور اس گہرے گڑھے کو مٹی ڈال کر زمین کے برابر کردیتا۔ فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے نظام اسلام نے عورت کو اس سفاکانہ رسم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات عطا فرمائی۔ اب اس رسم پر عمل کرنا تو درکنار کوئی اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا یہ سب کچھ رحمت عالم نور مجسم علیہ السلام کے سرور کائنات ہونے کا صدقہ ہے۔

زمانہ جاہلیت کا گناہوں میں غرق معاشرہ صرف اور صرف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا پلندہ ہی تھا اور کچھ نہ تھا۔ انسانوں کو غلاموں کی شکل میں جانوروں کی طرح خریدا اور فروخت کیا جاتا تھا۔ بے حیائی، چوری، قتل وغارت، ڈاکے، عصمت فروشی اور گھناؤنے جرائم ہر طرف بغیر کسی روک ٹوک کے جاری تھے۔ گویا دوسرے الفاظ میں

عریانی، فحاشی اور بے حیائی مکمل طور پر عرب معاشرے کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ ظلم و جبر کا دیوتا چار سو دندناتا پھرتا تھا۔

اجتماعی حالات

گزشتہ اوراق میں ہم اہل عرب کے تجارتی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی حالات وغیرہ قدرے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں یہاں زمانہ جاہلیت اور اس سے قبل کے اجتماعی حالات مختصراً بیان کر رہے ہیں۔

سرزمین عرب پر بسنے والے لوگ اجتماعی اعتبار سے مختلف طبقات میں تقسیم تھے۔ حالت کے لحاظ سے ہر طبقہ دوسرے سے بہت ہی زیادہ الگ اور مختلف تھا۔ ان کے ہاں طبقہ اشراف خاصا ترقی یافتہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس طبقے کی سوچ، طرز زندگی اور حالات اس زمانے کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ تھے۔ اس طبقے میں عورت کچھ خود مختار تھی۔ اسکو قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا اور اسکی بات بھی مانی جاتی تھی۔ اس امر کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کے تحفظ کے لئے تلواریں تک نکل آتی تھیں۔ نتیجہ میں خونریز جنگیں پیش آجاتیں۔ اکثر اوقات عورت کے چاہنے سے قبائل کے درمیان کشت و خون ہو جاتا اور بعض اوقات قبائل کے درمیان صلح کرانے کے لئے عورت بڑا اہم کردار ادا کرتی کنبے کا سربراہ مرد کو ہی مانا جاتا تھا۔ اسکا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا بطور میاں بیوی رشتہ نکاح کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ نکاح کا حق صرف مرد کو حاصل تھا عورت کو نہیں۔

اسی معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کے یہ تمام تعلقات اور رشتے پہلے سے یکسر مختلف اور الگ تھے۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات جسطرح قائم تھے انکو بدکاری، فحاشی اور بے حیائی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا اس معاشرے کی تفصیل زندگی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یہاں اسقدر بیان کر دینا ہی کافی ہے۔

عرب کے تمام طبقوں میں زناکاری عروج پر تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ چند مرد اور عورتیں جو خود کو دیگر طبقوں سے ممتاز اور بڑا خیال کرتی تھیں اس ذلیل فعل میں مبتلا نہ تھیں۔ آزاد عورتیں لونڈیوں کی نسبت اس فعل میں کم مبتلا تھیں۔ زنا کی اس مکروہ رسم میں لونڈیوں کے لئے ہی زیادہ مصیبت تھی۔ پھر تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کا معاشرہ اس ذلیل فعل کو معیوب بھی خیال نہیں کرتا تھا۔ مقام عبرت ہے کہ لوگ فخریہ انداز میں بیان کرتے تھے کہ فلاں شخص میرا اس لئے بیٹا ہے کہ میں نے اسکی ماں کے ساتھ زنا کیا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ عرب معاشرہ اجتماعی طور پر پستی اور ذلت کے کسقدر گہرے اور تاریک گڑھے میں گرا ہوا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں اجتماعی طور پر نکاح کی بھی چار الگ الگ صورتیں تھیں جنکا ہم تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک حدیث صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ اس

حدیث مبارکہ میں ام المومنین نے چاروں طریقے کے نکاح بیان فرمائے ہیں۔ان طریقوں میں صرف وہی طریقہ حق اور جائز تھا جو آج ہمارے ہاں رائج ہے باقی سب طریقے فسق فجور اور بدکاری کا پلندہ تھے۔

عرب معاشرہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا اس ذلیل اور بے رحمانہ رسم کو اجتماعی طور پر برا یا قابل مذمت خیال نہیں کیا جاتا تھا۔رسم کا ہم پہلے تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔

اجتماعی اعتبار سے حقیقی اور چچازاد بھائیوں و اہل قبیلہ کے آپس میں تعلقات بڑے پختہ اور مضبوط تھے۔ معاشرہ میں قبائلی عصبیت کو بڑا ہی بلند مقام حاصل تھا اگر اس بات کو یوں بیان کیا جائے کہ قبائلی عصبیت ہی ان لوگوں کے قریب اصل زندگی تھی تو غلط نہ ہوگا۔اس وقت عربوں کے ہاں اجتماعی طور پر اس محاورے پر عمل کیا جاتا تھا یعنی اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔اس سے مراد اسلامی اصطلاح ہرگز نہیں۔اس اصطلاح کے مطابق معنی یہ ہے کہ ظالم کی شرعی اعتبار سے یوں مدد کرو کہ اسے ظلم سے روکو۔عرب معاشرہ تو عرف عام کے مطابق اپنے بھائی کا ساتھ ہی دیتا تھا چاہے وہ غلط ہوتا یا صحیح۔

قبائل کے درمیان اجتماعی طور پر تعلقات نہایت ہی خراب اور شکستہ تھے۔ہر وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر کمر بستہ رہتے تھے۔جس کے نتیجہ میں نسل در نسل جنگیں چلتی رہتی تھیں۔اور یوں انسان کو انسان فناہ کرنے میں مصروف تھا۔ملک چونکہ الگ الگ قبائل پر مشتمل تھا اس لئے اجتماعی طور پر کوئی قانون ہی موجود نہ تھا ہر قبیلے کا اپنا اپنا خود ساختہ قانون تھا جس کے مطابق سردار قبیلہ جو دل چاہتا فیصلہ کرتا تھا۔عام طور پر فیصلے غریب اور کمزور لوگوں کے خلاف ہی ہوتے تھے۔سردار، امیر اور طاقتور لوگ قانون سے بالاتر ہوتے، جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا محاورہ ان لوگوں پر صادق آتا تھا۔

اجتماعی اعتبار سے پورا عرب معاشرہ بت پرستی کی لعنت میں غرق تھا۔ہر قبیلے، شہر، گاؤں غرض ہر گھر میں ان لوگوں نے بتوں کی شکل میں اپنے اپنے خدا بنا رکھے تھے صبح شام انکے سامنے سجدہ ریز ہوتے ان سے مرادیں مانگتے غرض بت پرستی عروج پر تھی۔

عرب کے اجتماعی حالات پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں وہاں اخلاق، عقل و دانش اور بصیرت کا وجود ہی نہ تھا کس قدر افسوس اور حیرانگی کی بات ہے کہ وہ قوم جسکی فراست، ذہانت، سخاوت، شجاعت، ایفائے عہد، فصاحت و بلاغت اور غیرت ضرب المثل تھی یہاں ان وجوہات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں جن کی بنا پر ان خوبیوں اور کمالات کو چھوڑ کر یہ قوم ذلت کے مذکورہ گہرے کھڈوں (گڑھوں) میں گر گئی۔

وجوہات

ممکن ہے اہل قلم میری اپنی اس سوچ کے برعکس کئی اور وجوہات بھی بیان کریں جنکو چھوڑ کر یا جنکی وجہ سے

عرب معاشرہ زمانہ جاہلیت میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ گیا مگر واقعات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں اسکی وجہ صرف ایک ہی تھی وہ یہ کہ جب سرزمین عرب میں بسنے والے لوگوں نے وحی خداوندی کی روشنی میں سابقہ انبیاء علیہم السلام پر نازل احکامات اور انکی تعلیمات کو بالکل ہی فراموش کر دیا تو یہ معاشرہ اپنے تمام کمالات اور خوبیوں سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں علیہم السلام سے روگردانی کرنے کی وجہ سے انکی تمام خوبیاں اور کمالات محض خرابیوں اور انسانیت سوز حرکات کے لئے ہی وقف ہو کر رہ گئے۔ اور یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ قوم جو صرف ایک لفظ سن کر باقی پوشیدہ رموز و اسرار کا پتہ لگا لیتی تھی بت پرستی جیسی ذلیل حرکات میں مبتلا ہو کر عقل و شعور سے اس قدر دور نکل گئی کہ پتھر کے ان بے جان بتوں کو اپنا سب کچھ مان کر انکے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔

عرب معاشرہ نے راہ حق کو چھوڑا تو انکی فہم و فراست حیرت انگیز ذہانت اور عقل و شعور، یوں سلب کر لیا گیا کہ پھر وہ قوم محض جاہلیت کا مرکب بن کر ہی رہ گئی۔ عام قاری جب عرب معاشرے کی ابتدائی خصوصیات کا مطالعہ کرنے کے بعد انکی بعد والی مذکورہ زندگیوں کے حالات پڑھتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک تلاطم موجزن ہو جاتا ہے کہ ایسی دور اندیش اور ذہین قوم کو کیا ہو گیا اسکا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں علیہم السلام کے بتائے ہوئے احکامات اور راستے جب تک اس معاشرے کی زندگیوں کا اولین جز رہے وہ تمام خوبیوں کے مالک تھے۔ جب انہوں نے راہ حق سے انحراف کیا تو اپنی تمام فکری اور عملی صلاحیتوں سے محروم کر دیئے گئے۔ مختصراً دور جاہلیت میں عرب اجتماعی اعتبار سے ضعف و بے بصیرتی کی انتہائی پستی میں گرے ہوئے تھے۔ ہر سو خرافات کا دیوتا حکمران تھا۔ انسانی زندگی جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ سرزمین عرب پر ہمیشہ قتل و غارت کا بازار گرم رہتا تھا سال میں حرمت والے دو ماہ عرب معاشرہ کے لئے امن و سلامتی کا پیغام لے کر آتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان دو ماہ کے اندر ہی عرب کے مشہور زمانہ تجارتی میلے امن و امان کے ساتھ لوگوں کو مکمل خوشیاں بہم پہنچاتے تھے سال کے باقی مہینوں میں مار دھاڑ اور قتل و غارت ان لوگوں کا عام شغل تھا۔ دور جاہلیت میں عرب معاشرہ ہر لحاظ سے زبوں حالی کا شکار تھا۔

مسجد نبوی میں ترکی دور کی کندہ آیاتِ قرآنی کی سیرت نگار حضرات اور محققین نے مندرجہ ذیل تشریح کی ہے۔

حرم نبوی کی دیوار قبلہ رخ کی آیات قرآنی۔

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبلہ رخ دیوار پر آٹھ فٹ بلند دو سطر سبز زمین تیسری درمیانی سرخ زمین ڈال کر ایک انچ ابھرے ہوئے طلائی حروف میں تین سطروں کے اندر آیات قرآنی بخط ثلث۔

باب السلام سے مسجد میں داخل ہوں تو سیدھے ہاتھ پر پہلی سطر۔

پہلی سطر

1. سورۃ البقر آیات 185، 186

2. سورۃ حم سجدہ آیت 42

3. سورۃ ھود آیت 73

4. سورۃ البقر آیات 124 تا 129

5. سورۃ آل عمران آیات 35 تا 44

6. سورۃ الاحزاب آیات 36، 37

7. سورۃ النساء آیات 64، 65

8. سورۃ الفتح آیات 28، 29

9. سورۃ الحشر آیات 7، 8، 9

دوسری سطر

1. سورۃ البقر آیت 197

2. سورۃ المومنون آیت 61

3. سورۃ التوبہ آیات 18 تا 24

4. سورۃ الاحزاب آیت 56

تیسری سطر

1. سورۃ النور آیات 36 تا 38

2. سورۃ النحل آیات 98، 99

3. سورۃ الفتح آیات 1 تا 29

یہ کتابت باب السلام کے قریب قبلی دیوار کے گوشے سے شروع ہو کر عین مواجہ شریف پر ختم ہوتی ہے اور فن کتابت کا کمال کہ ہے کہ اوپر نیچے تینوں سطروں پر نگاہ کا وزن کیا گیا ہے یعنی ہر نیچے کی سطر اوپر کی سطر سے اتنی جلی لکھی گئی ہے کہ دیکھنے والے کو بالکل یکساں قلم معلوم ہوتی ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	اسمائے کتب	تالیف وتصنیف
1.	تفسیر مجاہد بن جبیر	مجاہد جبیر التوفی 103 ہجری
2.	تفسیر مقاتل بن سلیمان	مقاتل بن سلیمان التوفی 150 ہجری
3.	تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	ابراہیم بن معقل النسفی التوفی 295 ہجری
4.	تفسیر دیلمی	دیلمی التوفی 305 ہجری
5.	تفسیر امام ابن جریر طبری	امام محمد ابن جریر طبری التوفی 310 ہجری (923 عیسوی)
6.	تفسیر ابن ابی حاتم	ابن ابی حاتم التوفی 327 ہجری
7.	تفسیر ابن ابی حبان	ابن ابی حبان التوفی 369 ہجری
8.	تفسیر امام ابن مردویہ	علامہ ابن مردویہ التوفی 410 ہجری
9.	تفسیر بغوی	امام بغوی التوفی 516 ہجری
10.	کتاب اخبار الملوک	(ابوعبیدہ ولادت 110 ہجری وفات 209 ہجری)
11.	کتاب الاوس والخزرج	عبید بن شریہ
12.	لسان العرب	علامہ جمال الدین محمد بن مکرم التوفی 771ھ (1399ء)
13.	الانساب للسمعانی	علامہ عبدالکریم بن ابوبکر السمعانی التوفی 562ھ (1166ء)
14.	الترغیب وترہیب	امام منذری التوفی 656ھ (1259ء)
15.	کتاب طسم وجدلیس	ہشام کلبی ۔ ہشام بن محمد الکلبی (التوفی 204ھ، 819ء)
16.	کتاب عاد الاولیٰ وعاد الثانیہ	ہشام کلبی
17.	کتاب اصحاب الکہف	ہشام کلبی
18.	تفسیر درمنثور	امام جلال الدین سیوطی التوفی 911 ہجری
19.	فتوحات مکیہ	شیخ محی الدین ابن عربی التوفی 638 ہجری

نمبر	کتاب	مصنف
.20	طبقات ابن سعد	علامہ محمد بن سعد المتوفی 230 ہجری (168ھ تا 230ھ)
.21	کتاب الحیرۃ	ہشام کلبی (المتوفی 204ھ)
.22	مغازی	حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی 93ھ)
.23	سیرۃ ابن ہشام	ابن ہشام (محمد عبدالملک بن ہشام ابن ایوب الحمیر ی) المتوفی 213 ہجری (833ء) مقام فسطاط جو عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے آباد کیا اور آجکل قاہرہ کا ایک حصہ ہے)۔
.24	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی المتوفی 606 ہجری
.25	المصنف عبدالرزاق	امام ابوبکر عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 211 ہجری
.26	تاریخ القویم	علامہ طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ
.27	رحمت اللعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری
.28	سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی 1401 ہجری
.29	مرۃ الحرمین	علامہ ابراہیم رفعت پاشا (مصنفہ 1325 ہجری بمطابق 1908ء)
.30	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا 1974ء	ایڈیشن 1974ء
.31	صحیح بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل بخاری (ولادت 194 ہجری بخارا المتوفی 256 ہجری بمطابق 870ء خرتنگ)
.32	صحیح مسلم شریف	حضرت امام مسلم ابن حجاج نیشاپوری (ولادت 204 ہجری وفات 261 ہجری نیشاپور)
.33	معجم البلدان	علامہ شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی المتوفی 626 ہجری
.34	جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی (وفات 1052ھ)
.35	وفاء الوفا	حضرت علامہ سمہودی المتوفی 991 ہجری
.36	تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمن ابن خلدون (732-808 ہجری)
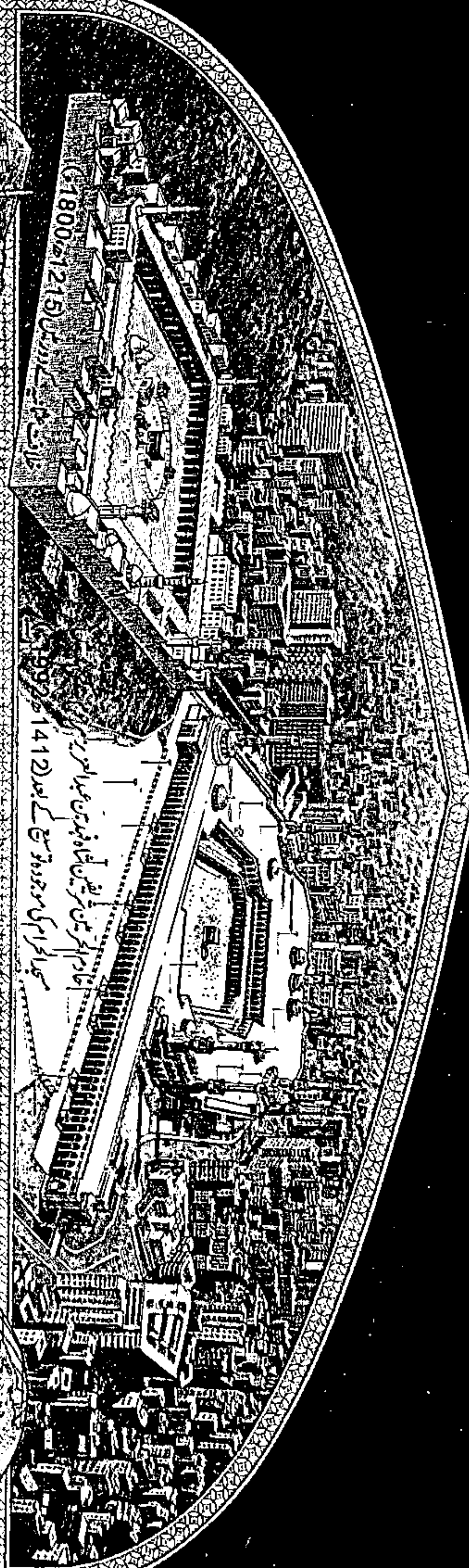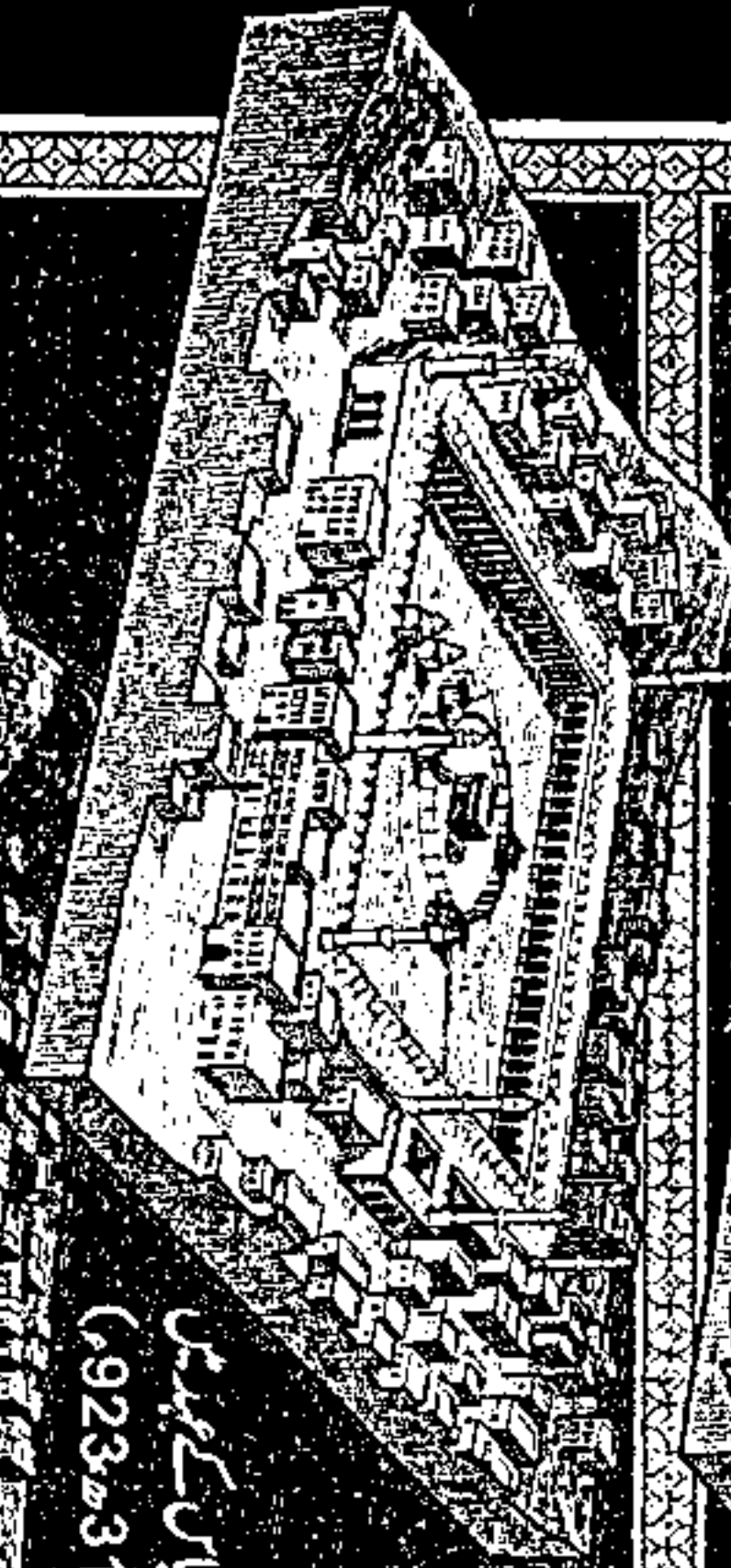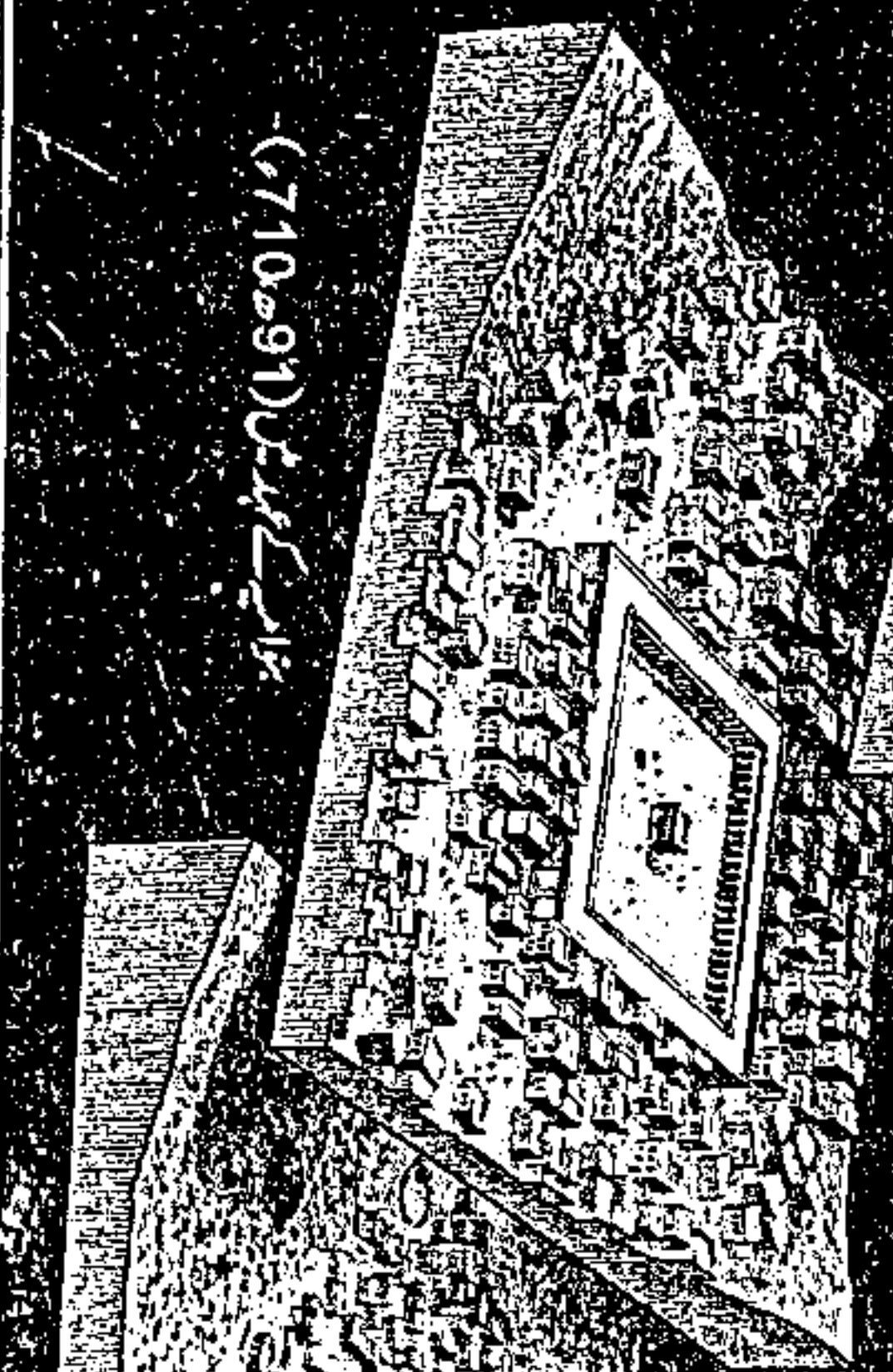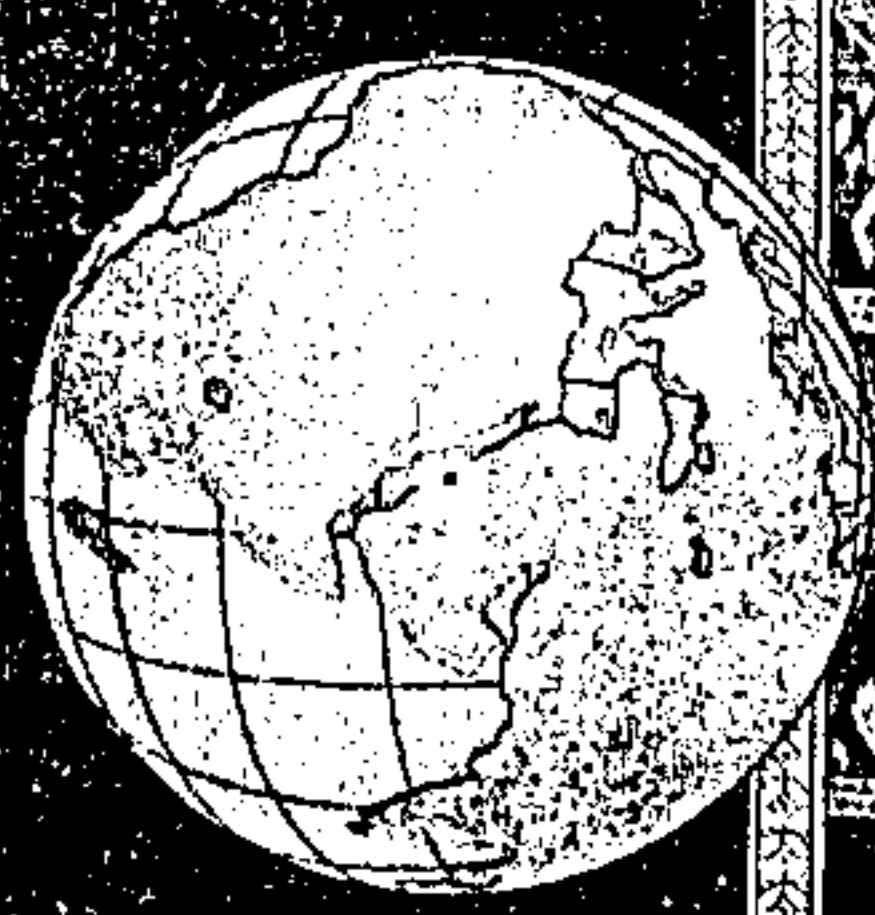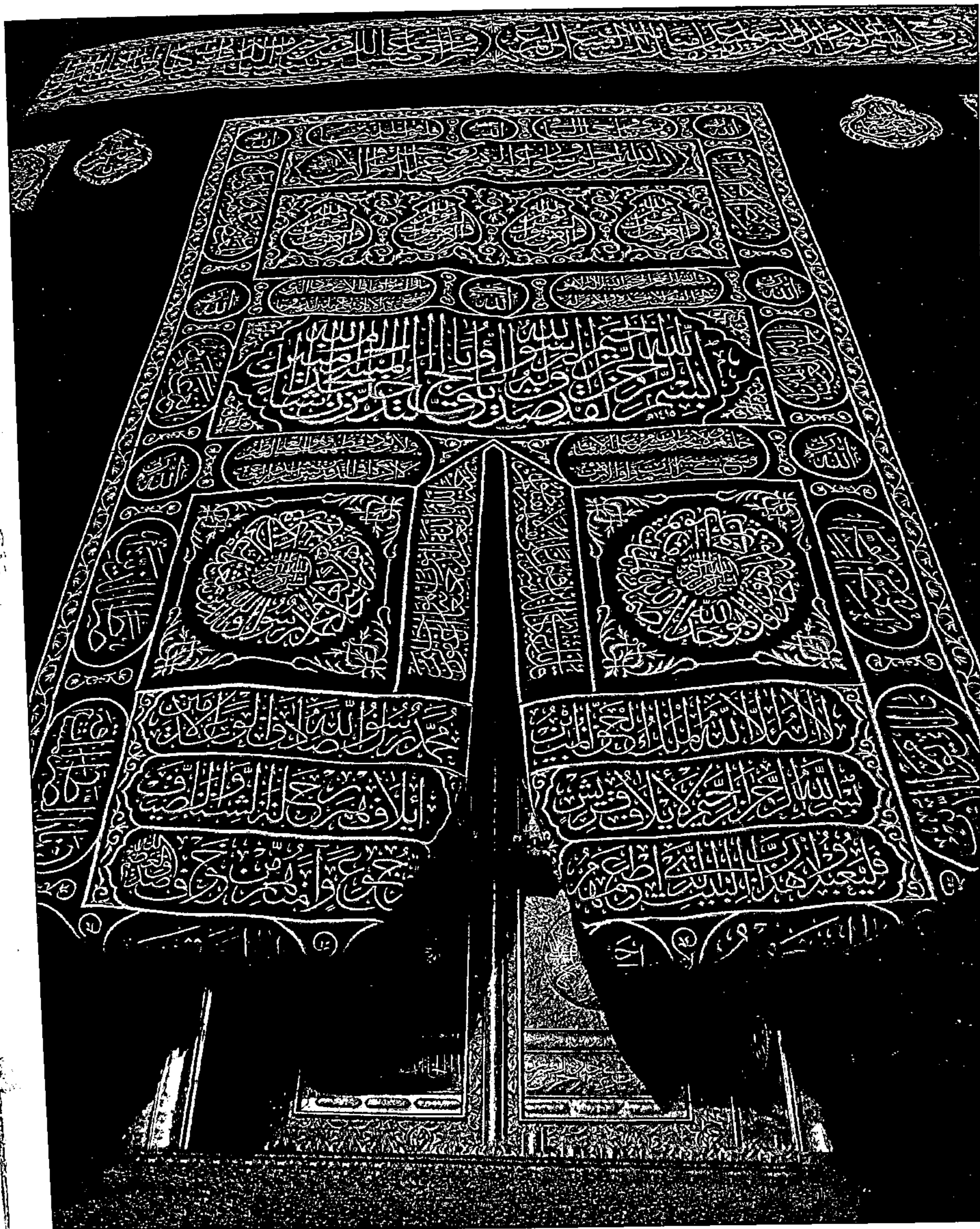
باب بیت اللہ شریف پر غلاف کعبہ معظّمہ

Marfat.com
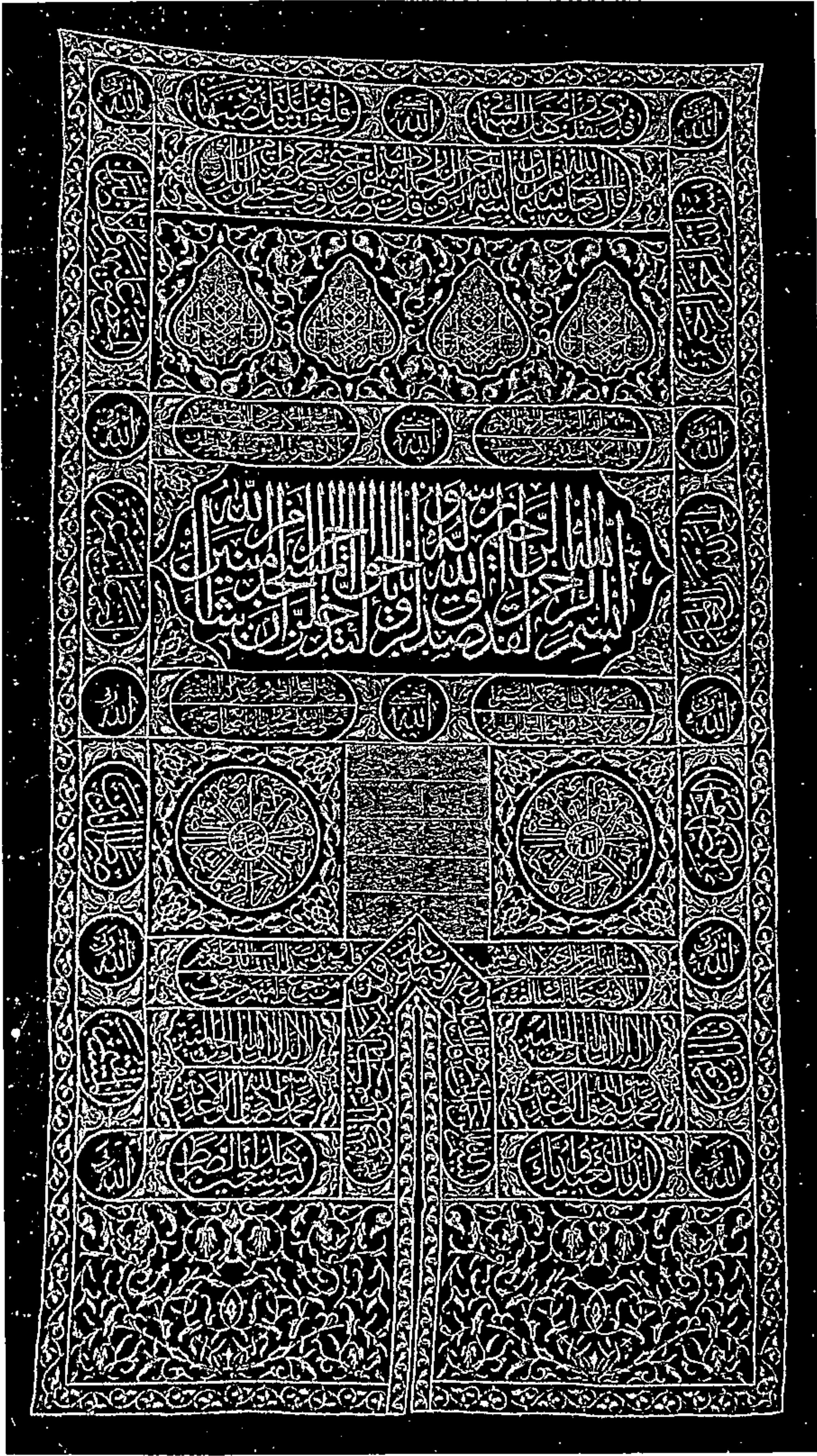
A view of the Curtain of the door of El Kaaba.

غلاف کعبہ (کعبہ معظّمہ کے دروازے کا غلاف ۔1326ھ) (مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ قاہرہ مصر)
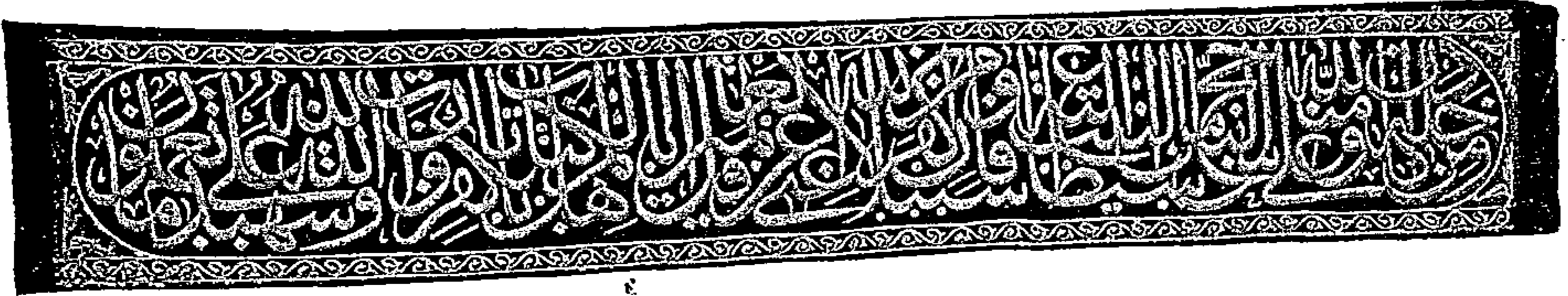
جهة الجنوب

جهة الغرب

جهة الشمال

حزام الكعبة المشرفة منقشا بالآيات القرآنية
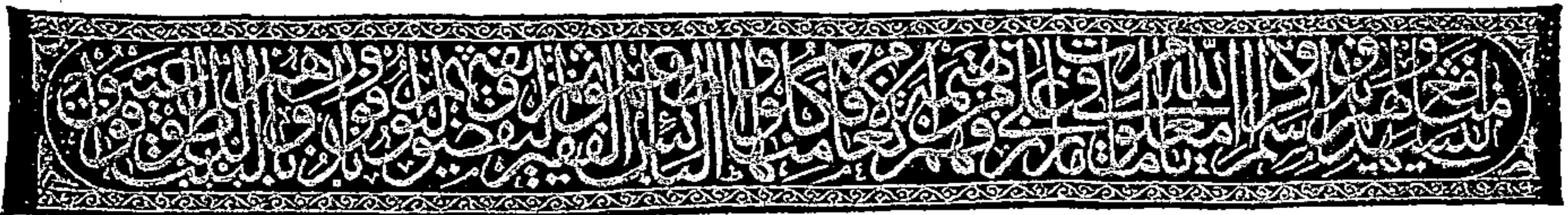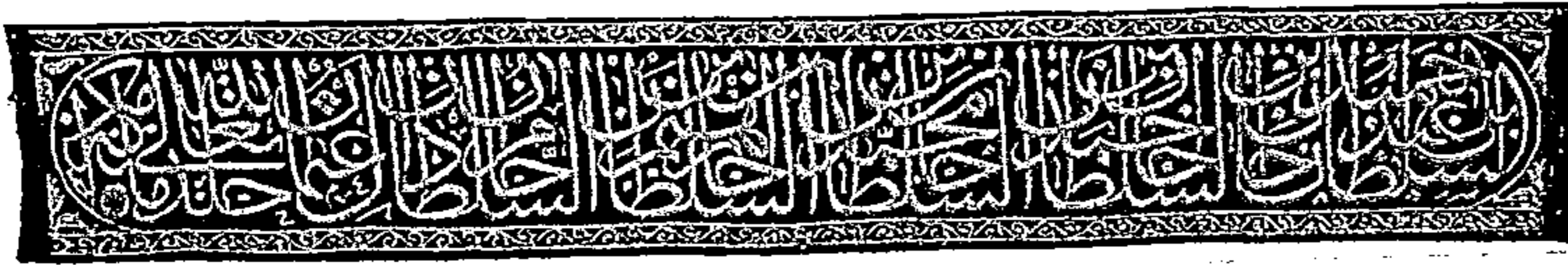
غلاف کعبہ 1326ھ میں آیاتِ قرآنی (منقش)

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ=1925ء قاہرہ مصر)
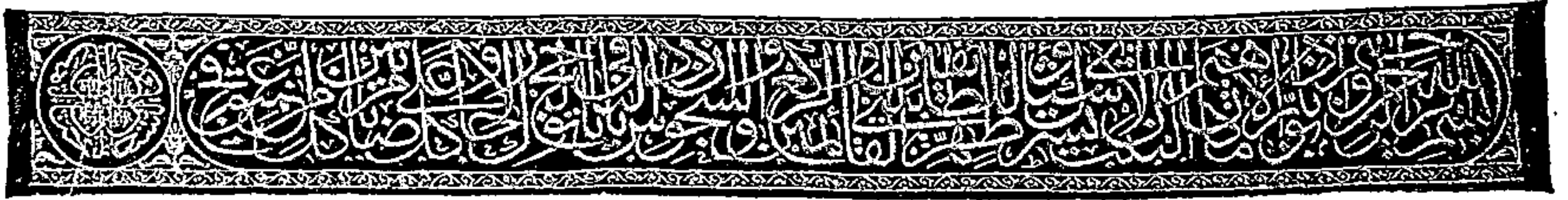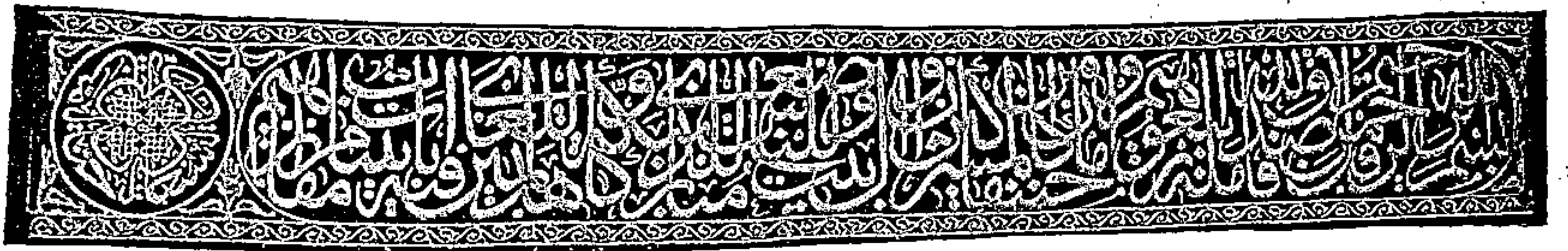
The Gilt belt of the Kaaba with verses from the Holy Quran (Koran).

غلاف کعبہ 1326ھ میں آیات قرآنی (منقش)

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ۔ قاہرہ مصر)

Marfat.com

کلید کعبہ معظّمہ۔ خانہ کعبہ کی چابیاں (توپ کاپی میوزیم۔ استنبول)

حجر اسود کا سونے کا خول 14 کلوگرام وزنی (توپ کاپی میوزیم استنبول میں محفوظ)
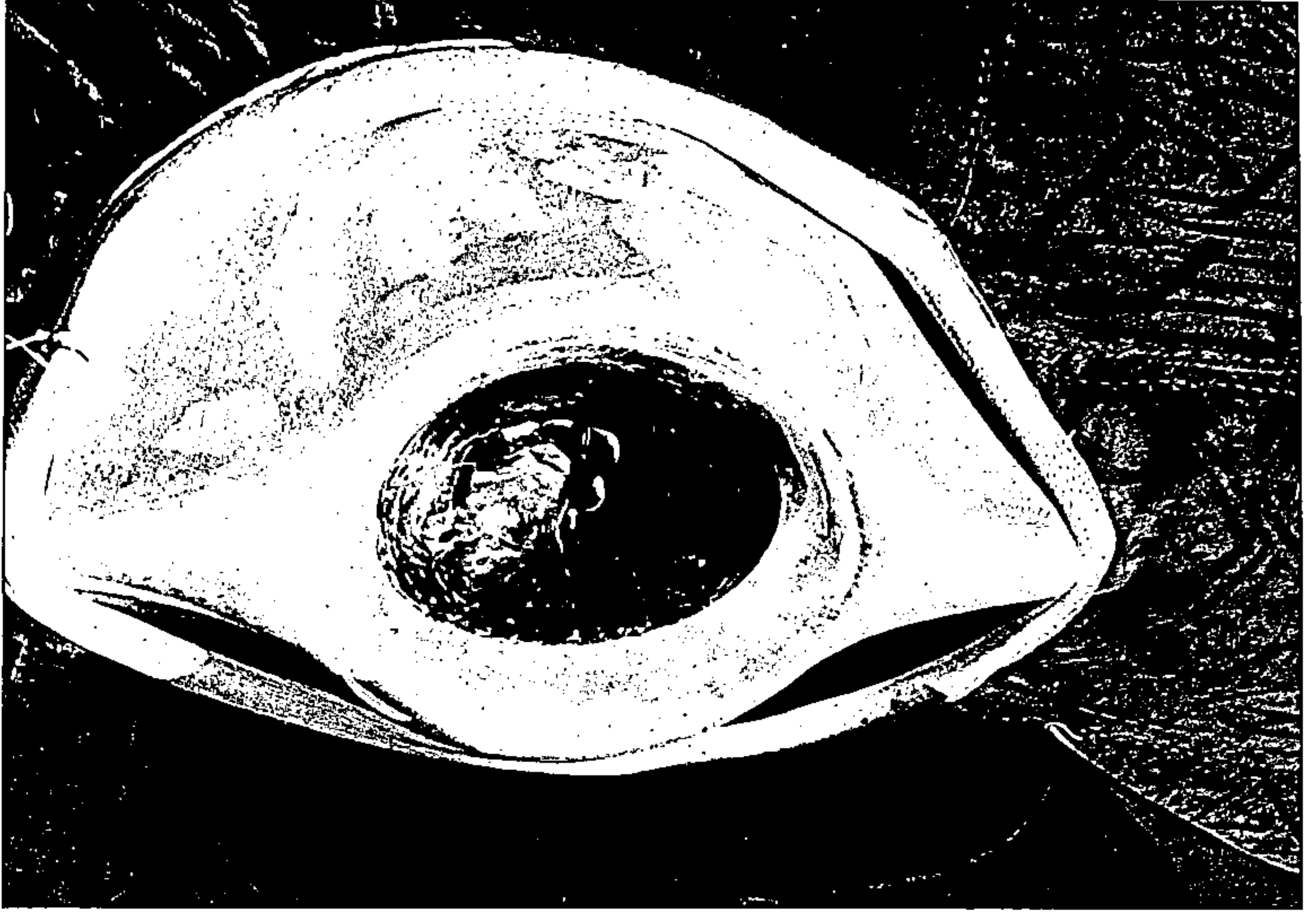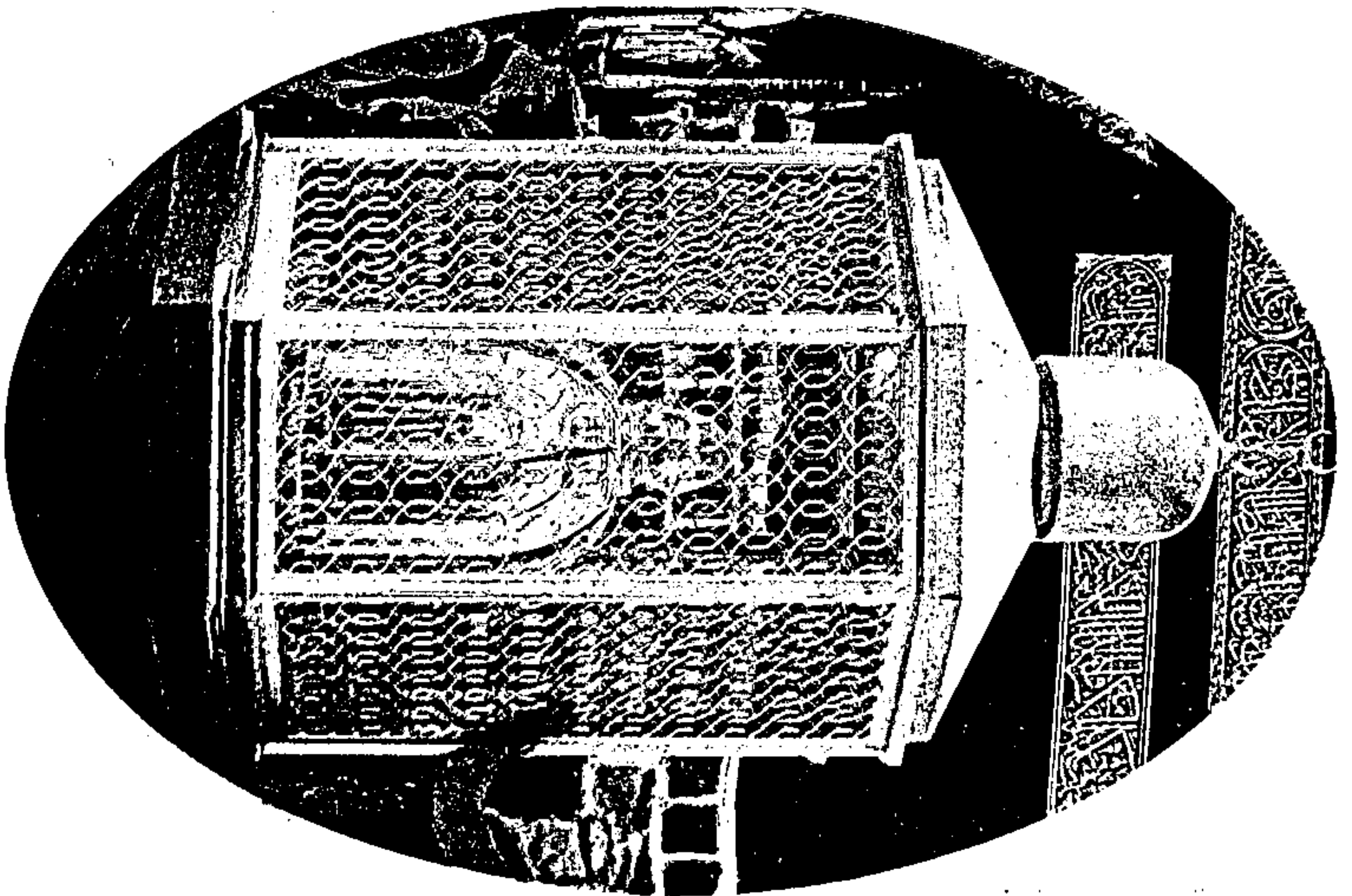
مقام ابراھیم علیہ السلام (مسجدِ الحرام)

الحجر الاسود بالکعبۃ المعظمۃ
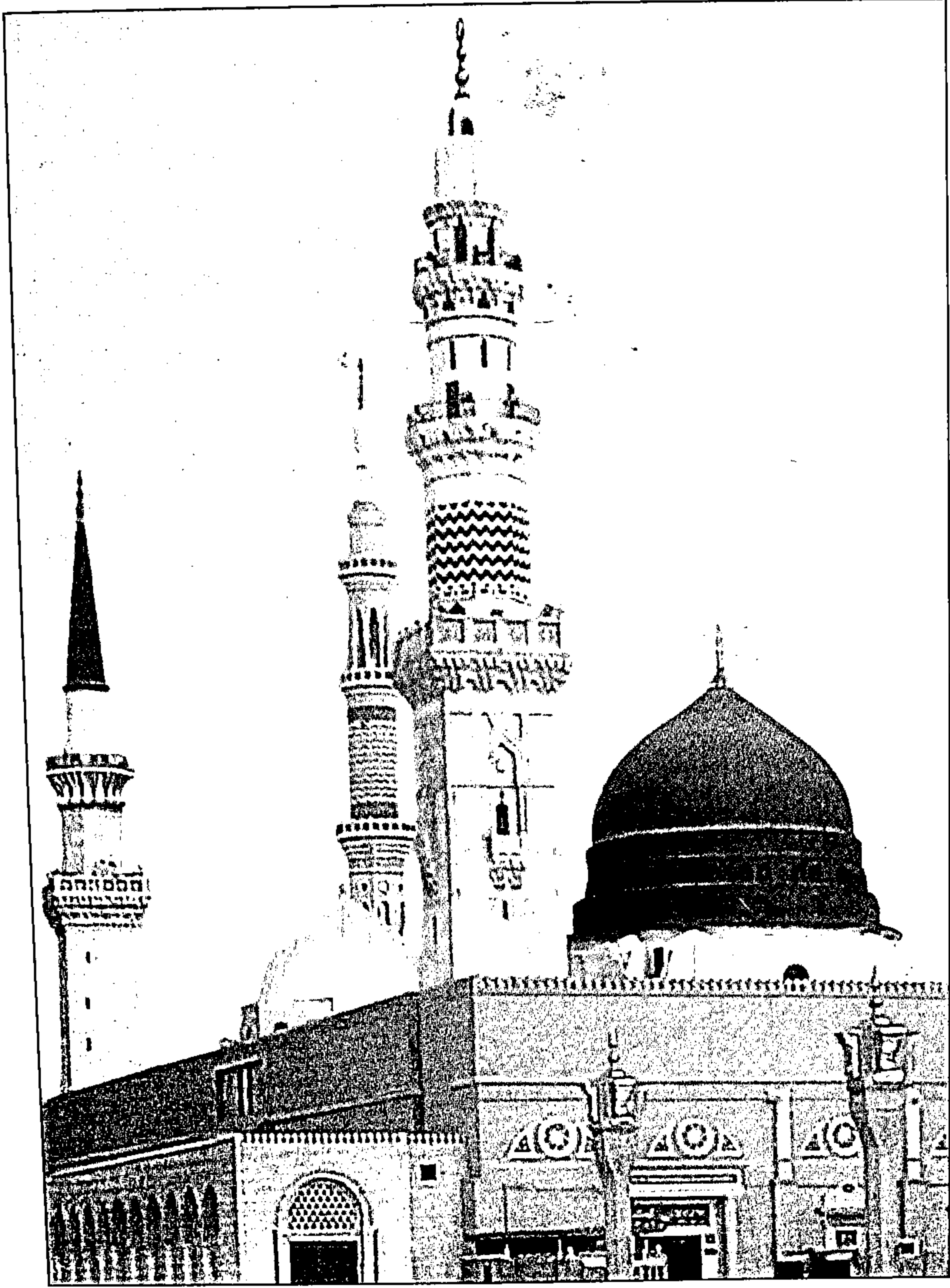
المسجد النبوی الشریف: تجاذبت قبائل الانصار "خطام القصواء" ناقة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم لینزل فی احیائهم وهویقول (خلوا سبیلها فانها مامورة) فلما برکت فی موضع مسجده و رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم الم ینزل و ثبت و سارت غیر بعید و التفتت خلفها و رجعت الی مبرکها الاول فنزل النبی علیه السلام واشتری الارض التی کانت مربداً لتجفیف التمر لیتیمین من بنی النجار. سهل و سهیل بنی عمرو. واشترک مع اصحابه فی بناء مسجد الشریف.

The Prophet's Mosque: The land on which it was built originally belonged to two young orphan boys from the Bani al-Najjar and was used as an open space to dry dates. The Prophet (S.A.W.A.W.) bought if from them to build his mosque.
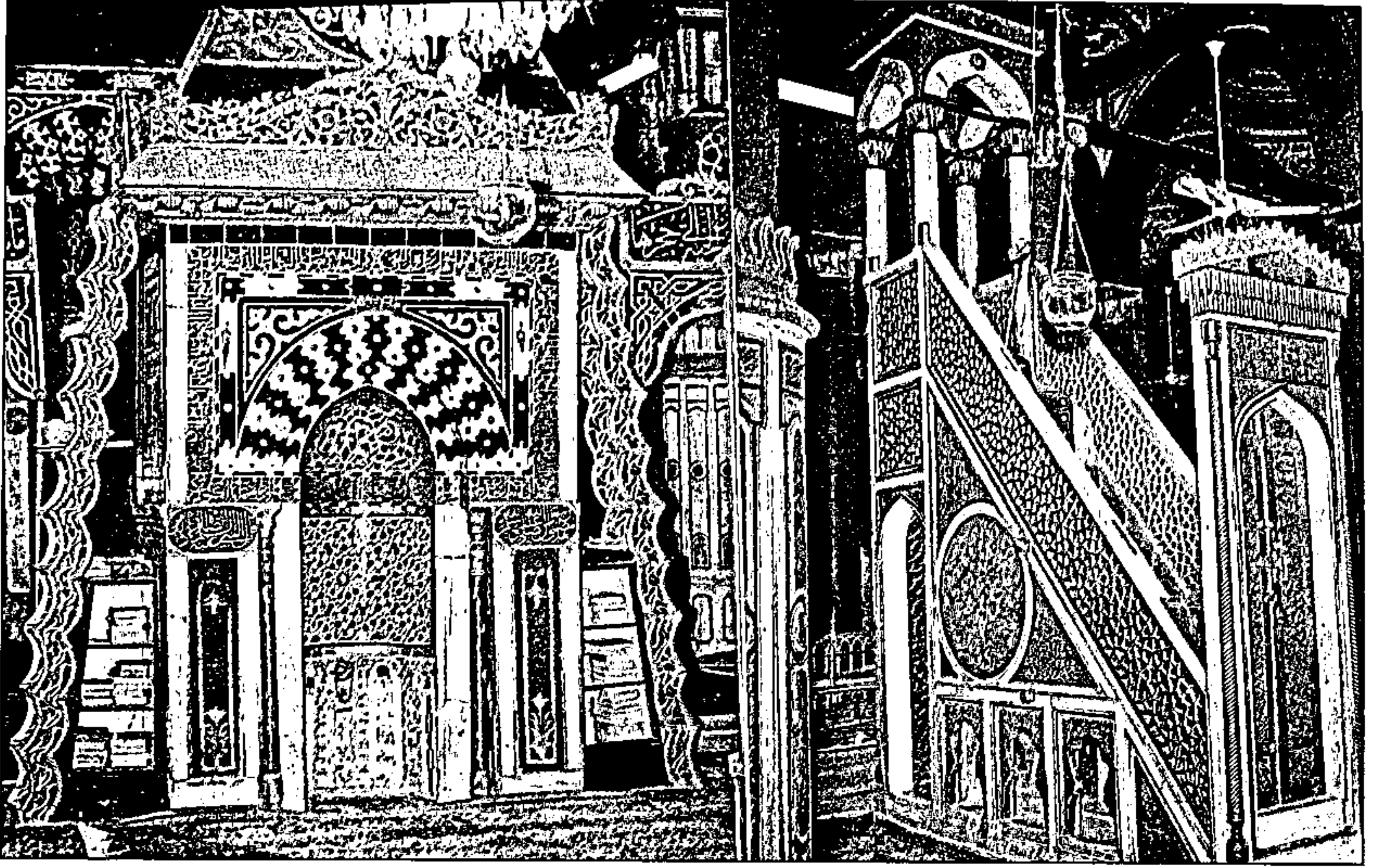
منبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور محراب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم (مسجدِ نبوی)
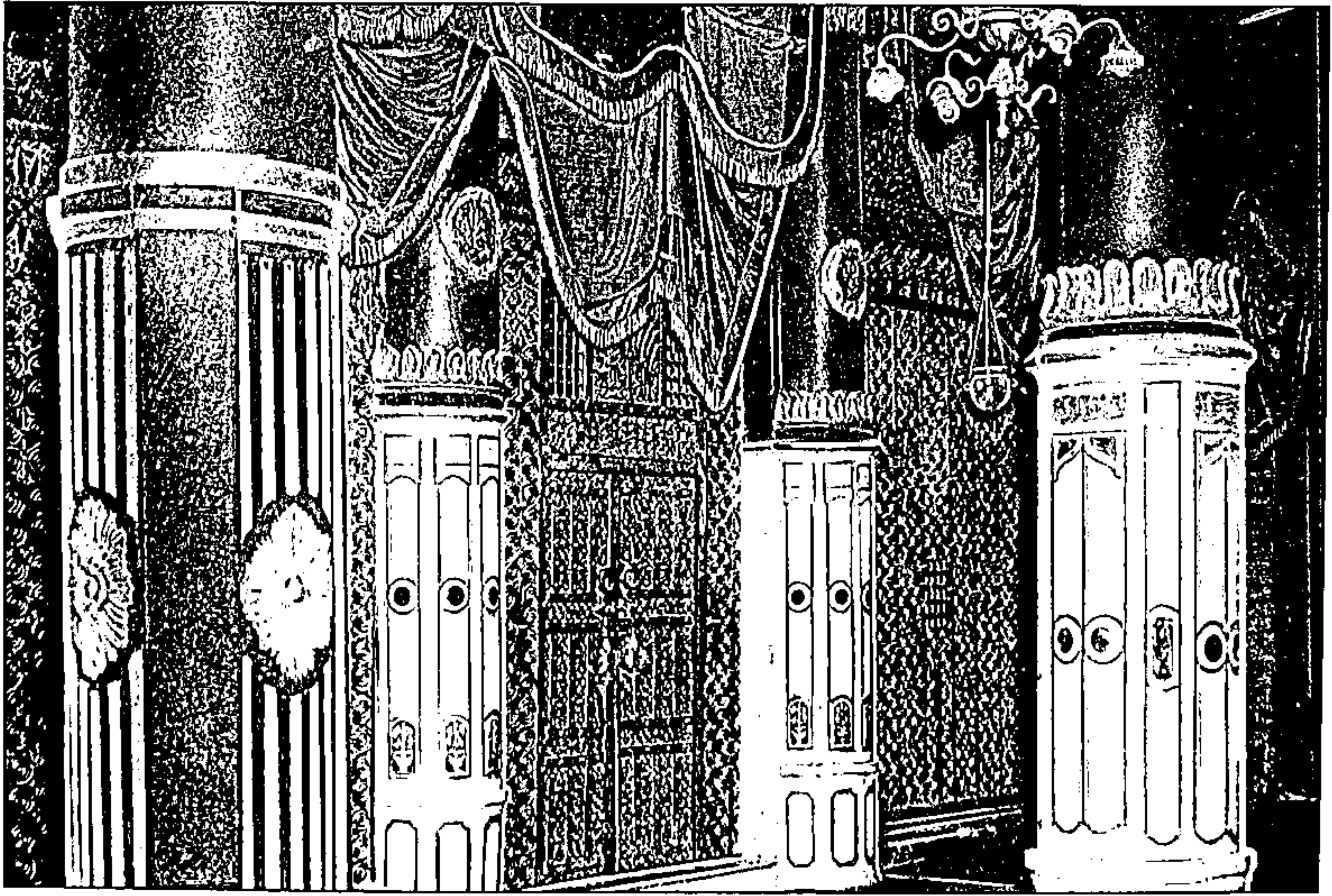
ریاض الجنۃ (مسجدِ نبوی)
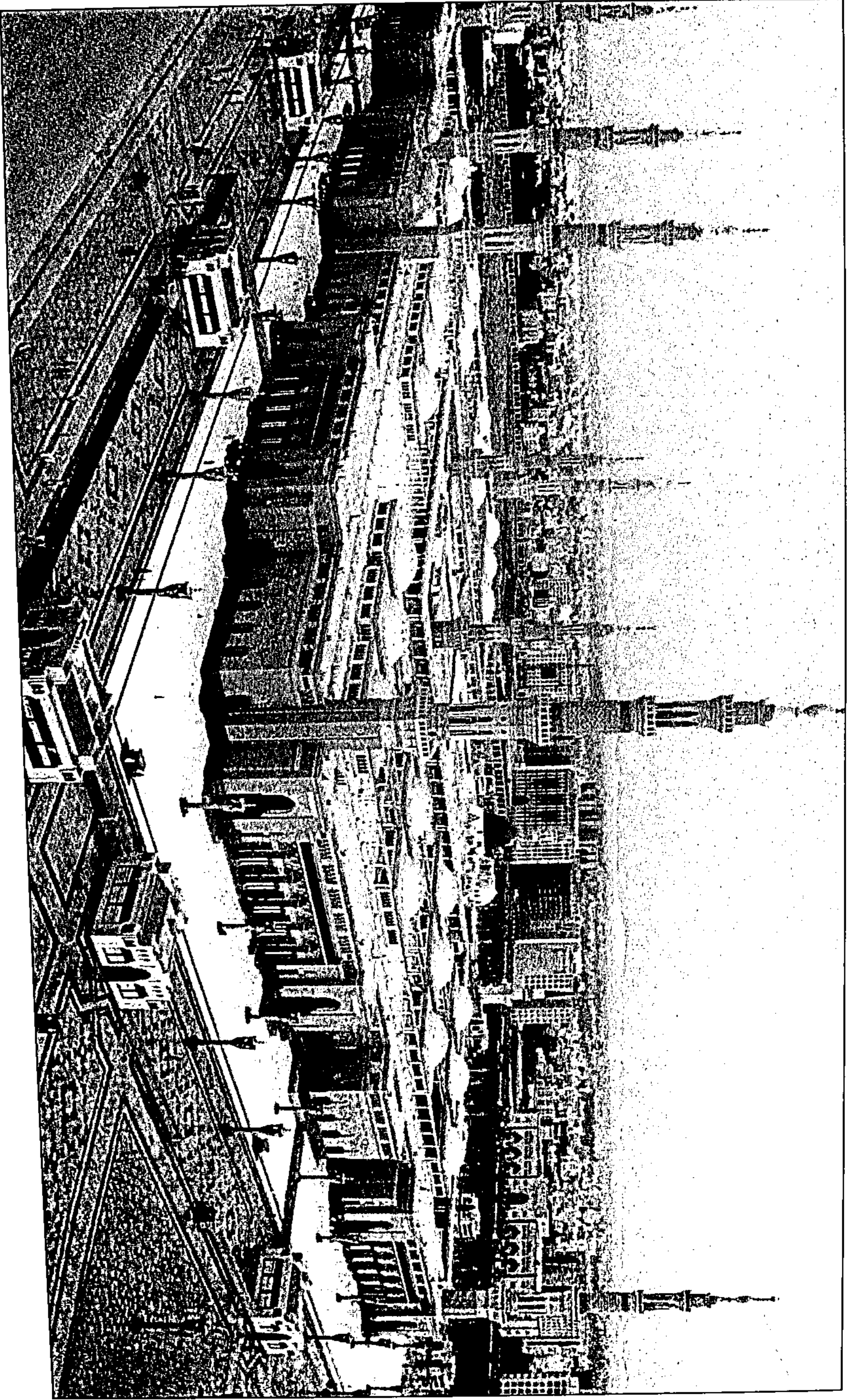
مسجدِ نبوی توسیع کے بعد کا خوبصورت منظر
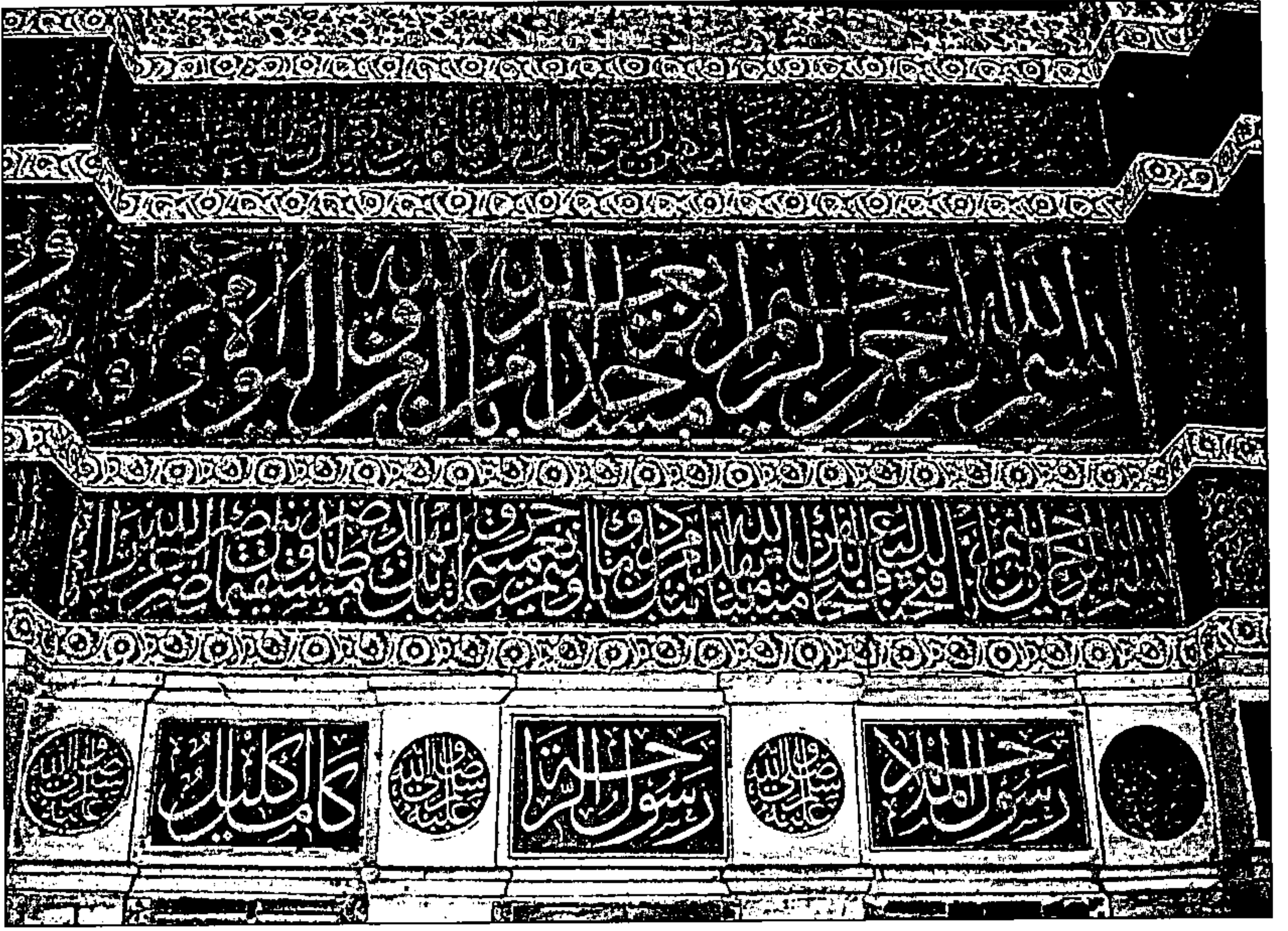
مسجدِ نبوی کے اندر قرآنی آیات کندہ ہیں
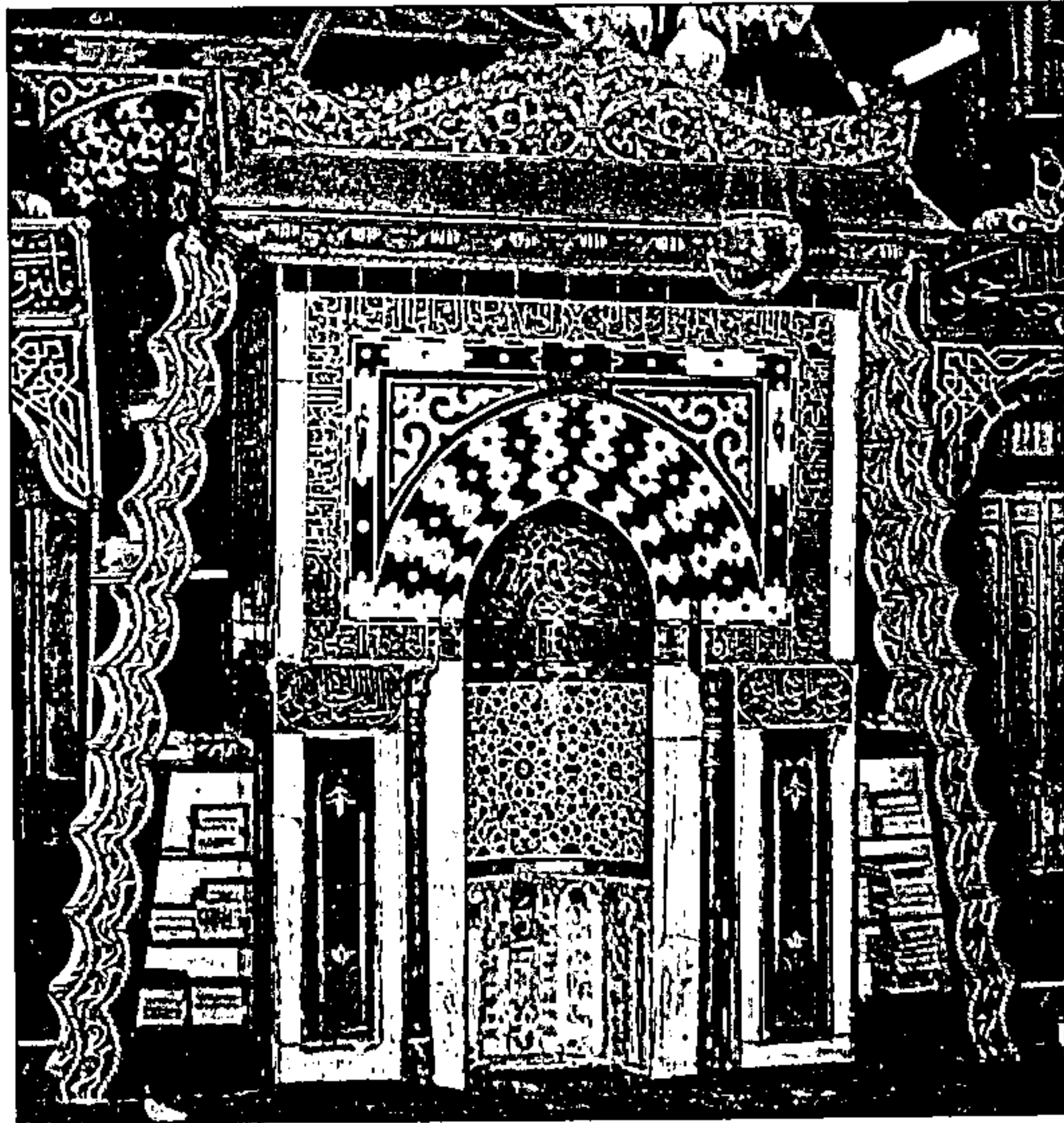
جائے نماز، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

Marfat.com

رسم المسجد النبوی علیہ السلام

نقشہ مسجد النبوی علیہ السلام۔1331ھ
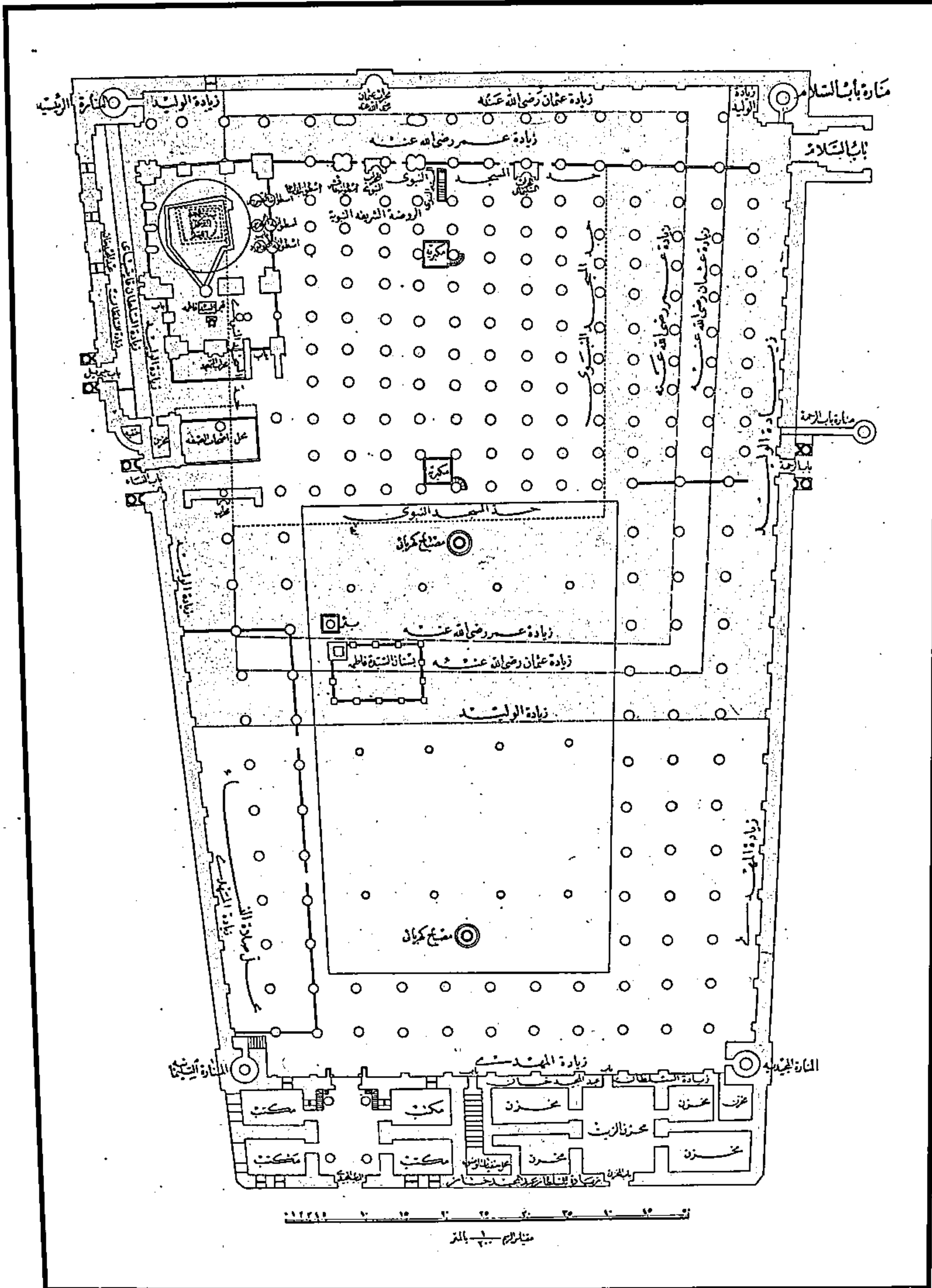
(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ قاہرہ مصر)
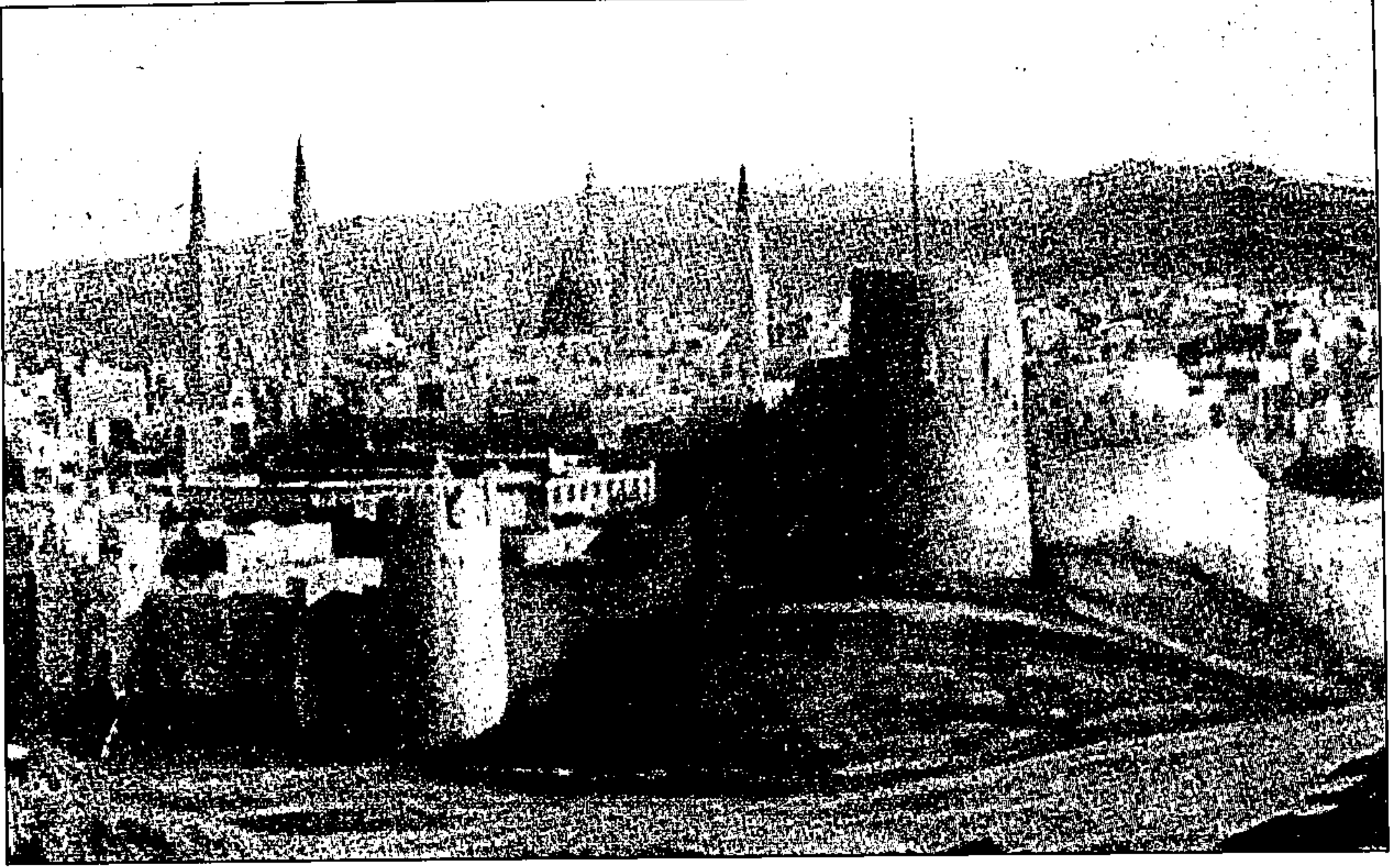
مدینہ منورہ کی ایک قدیم تصویر

عن سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللّٰھم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة(متفق علیہ)

Anas ibn Malik R.A.T.A. said: the Messenger of Allah S.A.A.W. said: "O Allah! Make the *Baraka* of Madina twice that of Makkah (Mecca)". (Bukhari and Muslim)

مسجد قباء : نزلت فيه الاية لمسجد اسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه فيه رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المطهرين. وورد فيه قول النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلّم من تطهر فی بیته ثم اتی مسجد قباء فصلی فیه صلاة ، کان له اجر عمرة وکان النبی علیه السلام یاتیه کل سبت ماشیاً وراکباً وقد اشترک رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلّم مع اصحابه فی بناته فکان یاخذ الحجر او الصخرة حتی یهصره الحجر (ای یمیله) فیصیب التراب بطنه فیاتی الرجل و یقول بأَبیی أنت و أمیی یا رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلّم اعطنیی اکفِک فیقول صلی الله علیه وآلہٖ وسلّم لا خذ مثله

The Quba Mosque: The first mosque to be erected on foundations of *taqwa*. One ritual prayer here attracts the reward of an *Umra* The Prophet (P.B.U.H.) walked or rode to it every Saturday.

Marfat.com
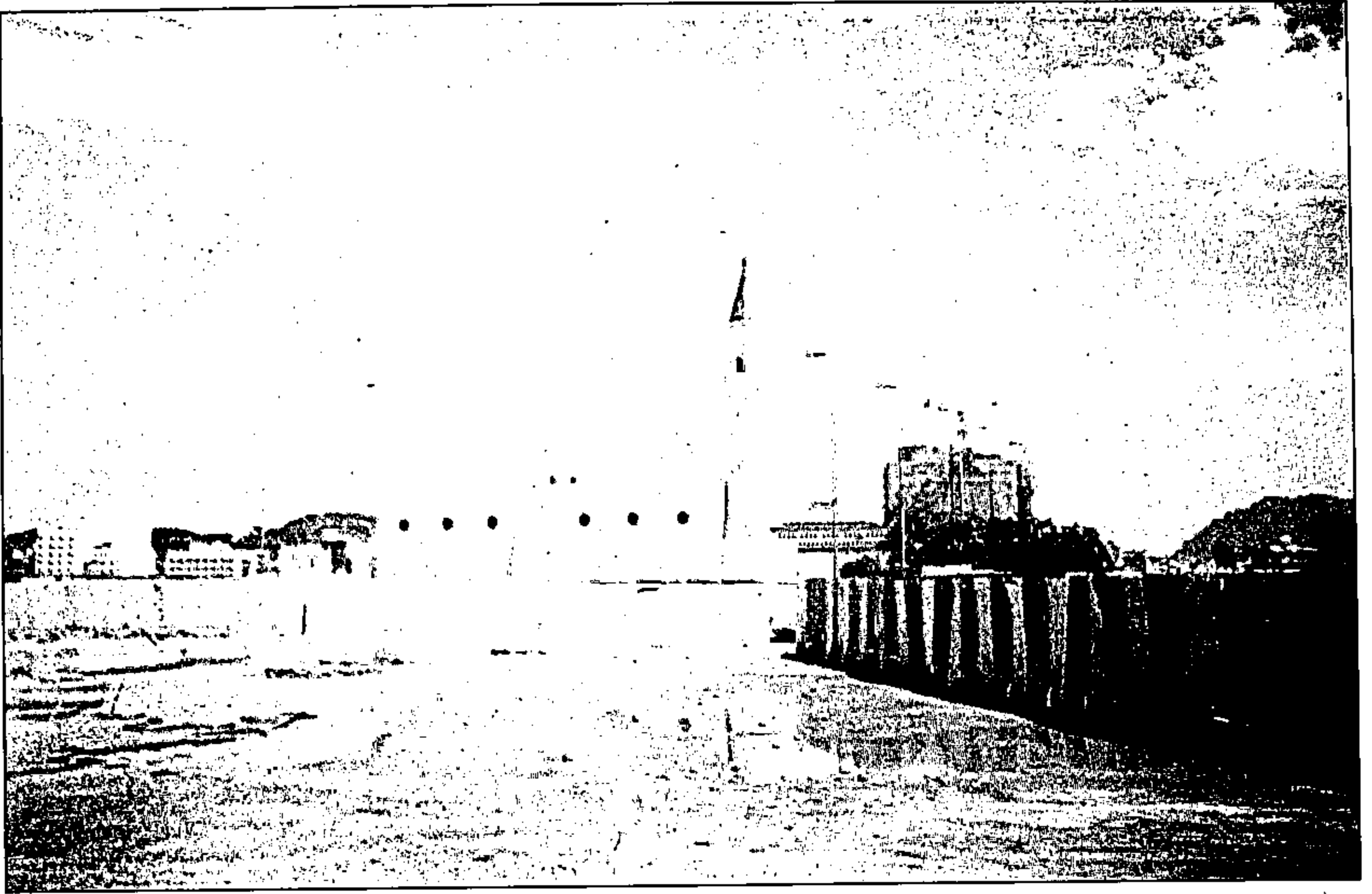
مسجد سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Masjid Ali Ibn-Abi Talib. Where the Prophet (P.B.U.H.) held the Eid al-Fitr prayer before shifting the location to where Masjid al-Ghamama now stands.
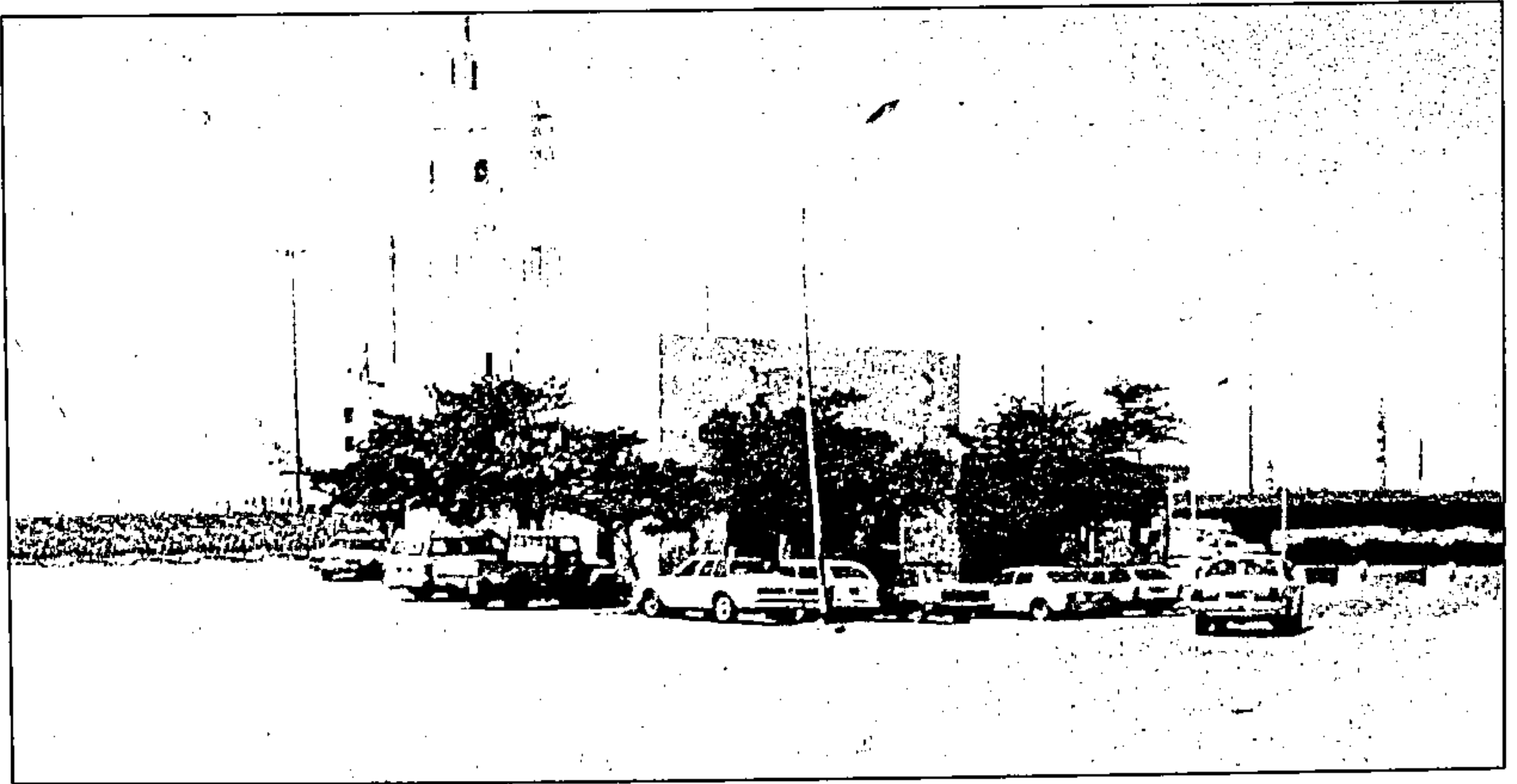
مسجد الشمس
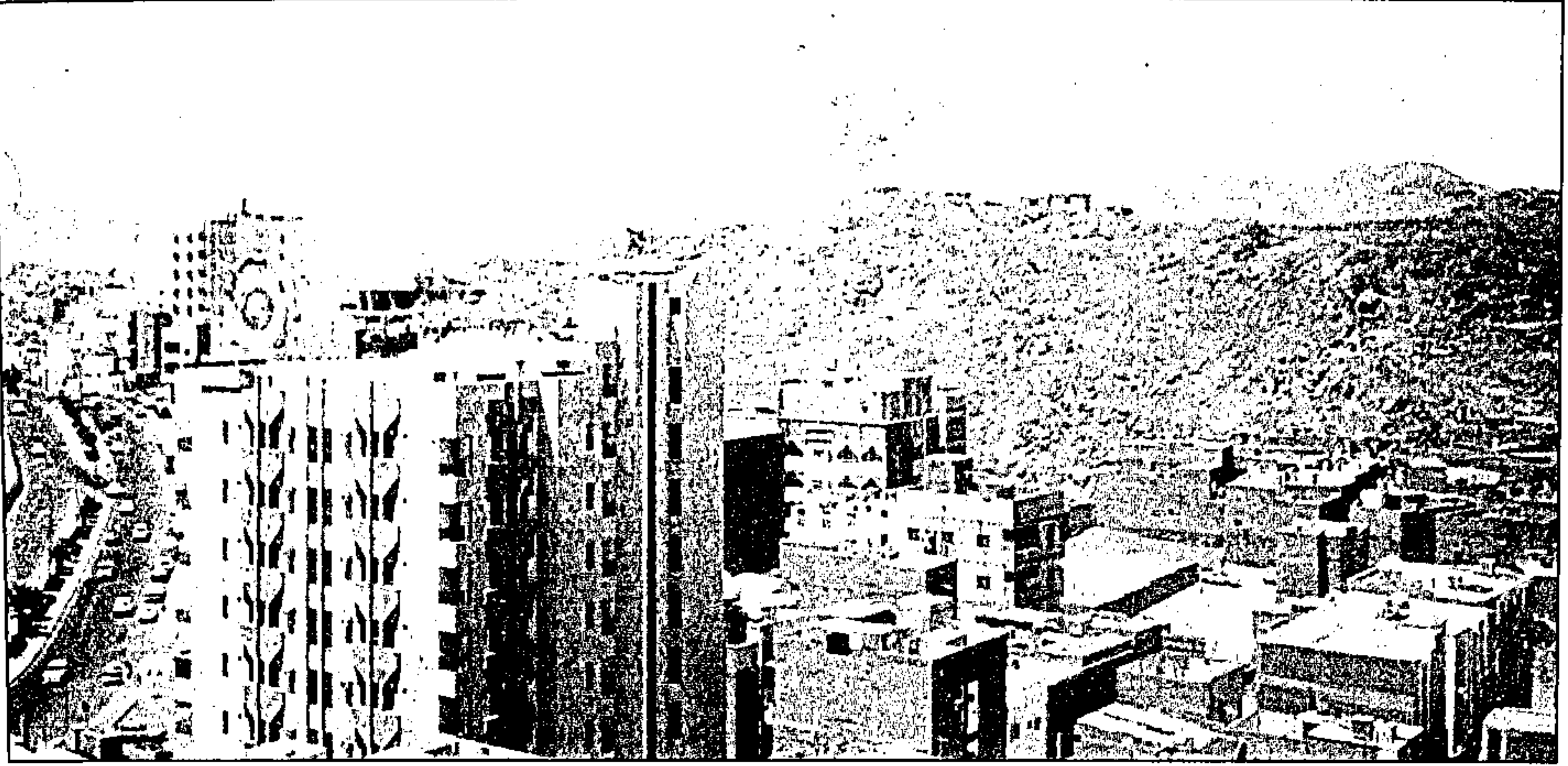
عن سيدنا عبد الله بن زيد بن عاصم رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم (ان ابراهيم حرم مكة و دعا لاهلها وانى حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة و انى دعوت فى صاعها و مدها بمثلى ما دعا ابراهيم لاهل مكة)

Abdullah ibn Zayd ibn Asim (R.A.T.A.) said: The messenger(P.B.U.H.) of Allah said : "Abraham declared Makkah (Macca) sacred and prayed for its people. I have declared Madina sacred as Abraham declared Macca sacred and I have prayed twice as much as Abraham has prayed for the people of Macca for its *sa* and its *mudd*." (sa & mudd are the cubic measures used by the Arabs.) (Ahmad, Tirmidhi and Ibn Majah)
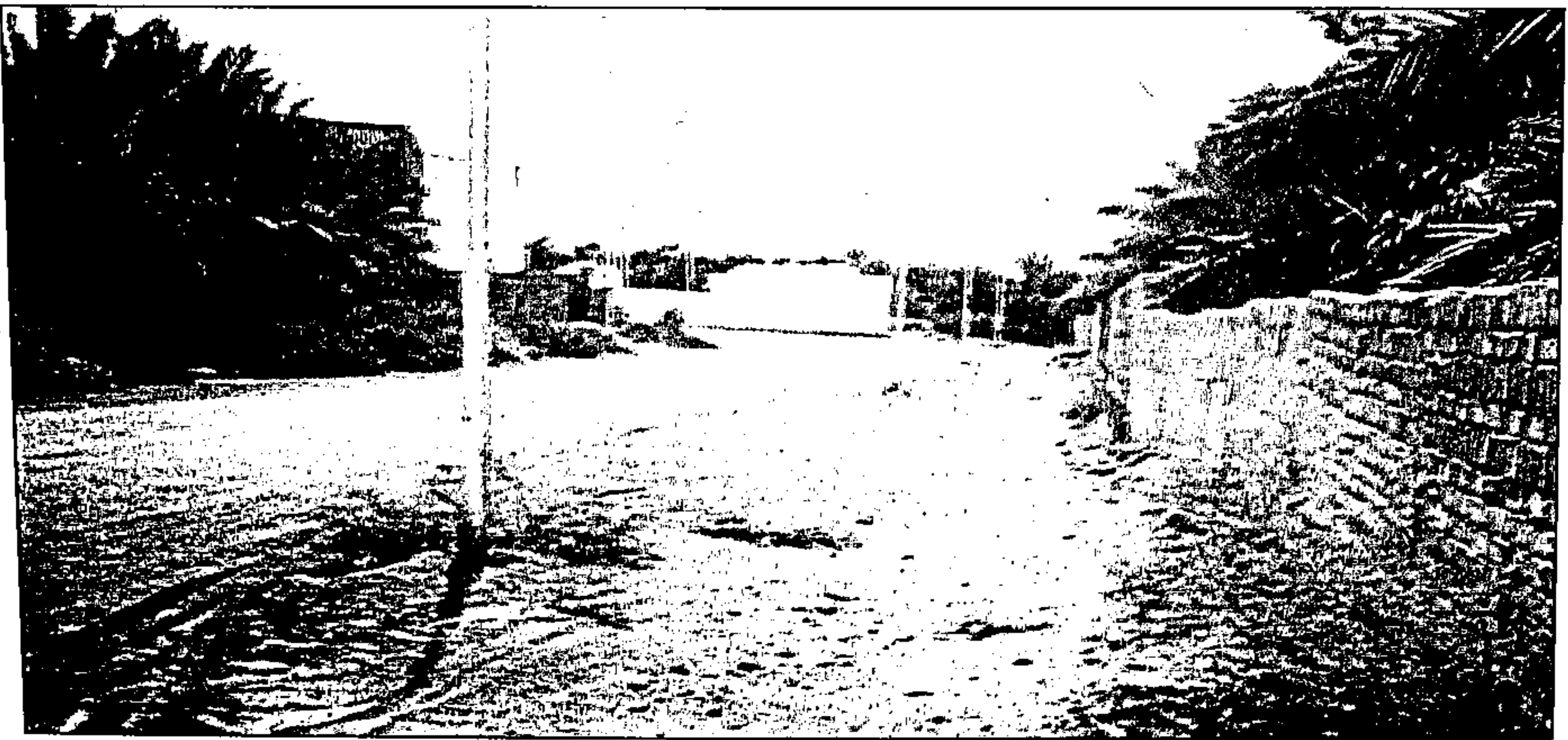
مسجد الفضيخ: عنده جلس بعض الصحابة يشربون الخمر و عند ايلاغهم بنزول تحريمها فضخوا (سكبوا) ما بايديهم من الخمر و عند ہ ضرب النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم قبته اثناء حصاره ليهود بنى النضير الذين زارهم النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم فى منازلهم فصعد احدهم على السطح ليلقى حجراً. على النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم فاخبره جبريل فتركهم و عاد بالمسلمين لحصارهم

Masjid al-Fadikh: this is where some Companions (R.A.T.A.) first learned of the prohibition of alcoholic beverages and immediately spilled the liquor they were drinking. This is also where the Prophet's(P.B.U.H.) tent was pitched during his siege of the Bani al-Nadir Jews.
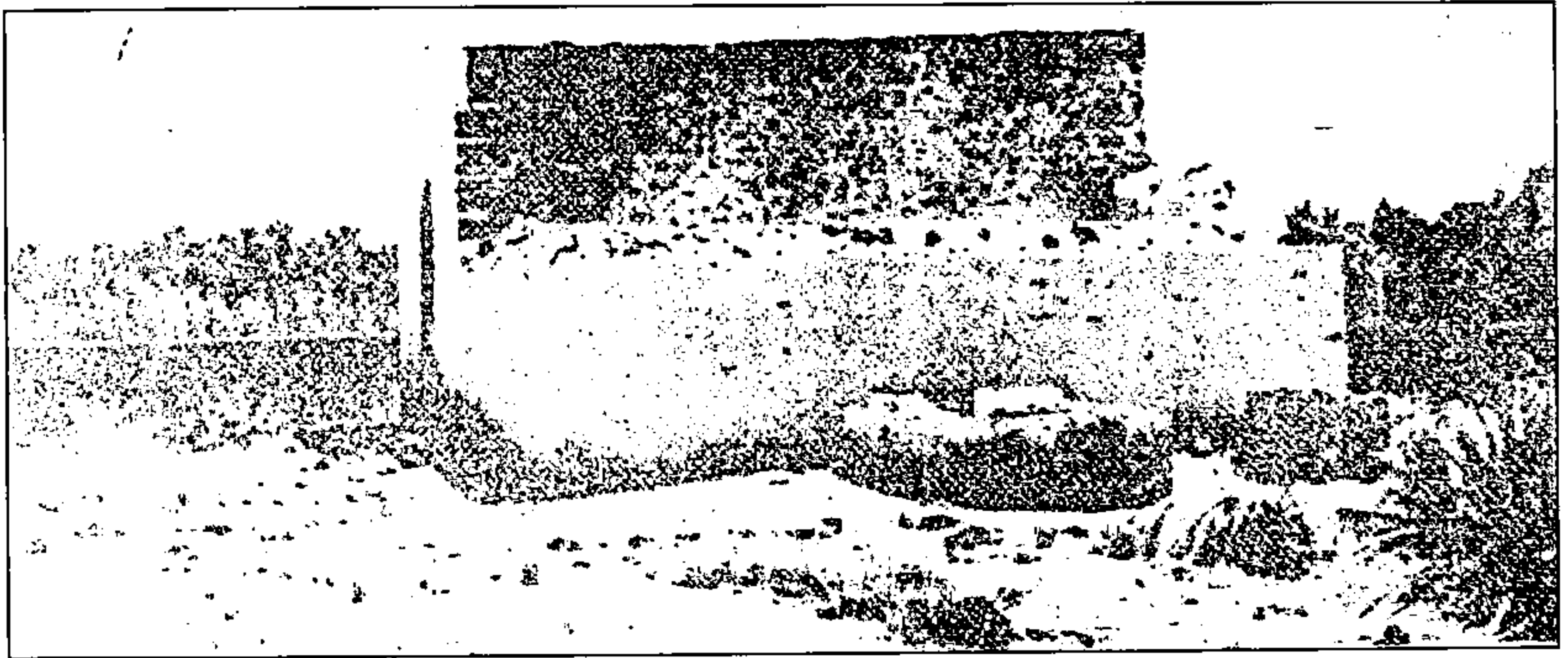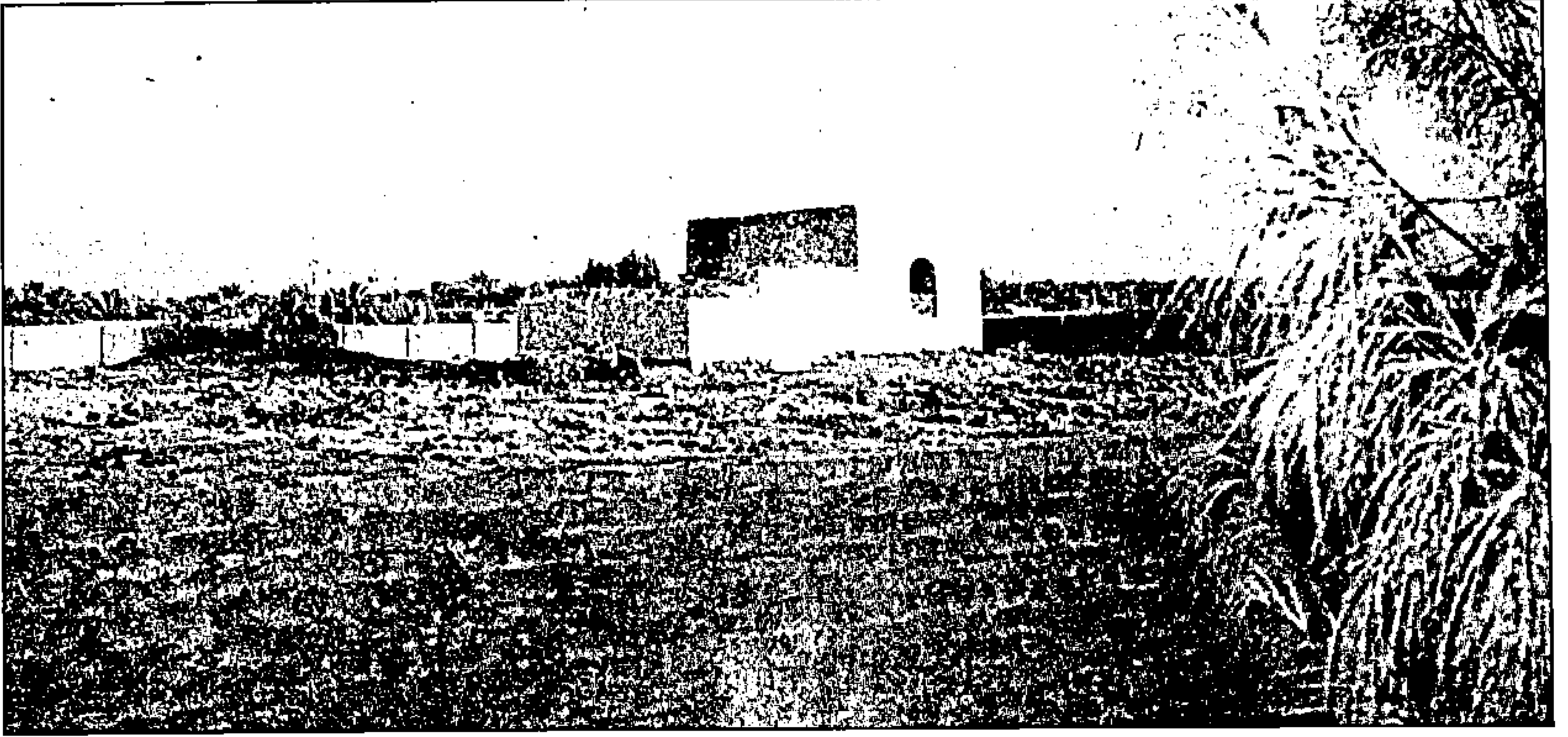
مسجد مشربة ام ابراهيم: وبها ولدت السيدة ماريا القبطية رضی اللهتعالیٰ عنهاسیدنا ابراهيم ابن النبی صلی اللهعلیه و آلہٖ وسلّم وتعلقت حين جاء ها المخاض فی خشبة بالعشربة، وينشابه اسمها مع المشربة النبی كانت عند بيوت النبی صلی اللهعلیه و آلہٖ وسلّم والتی نام فيها النبی صلی اللهعلیه و آلہٖ وسلّم لما سقط عن فرسه وأصيبت ساقه فعاده اصحابه فصلی بهم جالساً و فيها أقام النبی صلی اللهعلیه و آلہٖ وسلّم حين اعتزل نسائه، وقالوا طلقهن فجاء ه عمر رضی الله تعالیٰ عنه وأخبر رباحاً غلام رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم ان يستاذن له عند رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم مرتين فلم يؤذن له فرفع صوته قاتلاً: يا رباح استأذن لی عندک علی رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم فاتی أظن أن رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم ظن أنی أُتيت من اجل حفصة والله لو امرنی رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم بضرب عنقها لا ضربن عنقها فنسمع له فدخل فرأی النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم وعليه ازار ليس عليه غيره مضطجع علی حصير وقد اثر فی جنبه و خزانته خاوية فبکسی و قال: يا نبی الله وما لی لا ابكی وهذا الحصير قد اثر فی جنبک و هذه خزنتک لا أری فيها إلا ما أری و قيصر و كسری فی الثمار والانهار فقال النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلّم يا ابن الخطاب الا ترضی ان تکون لنا الآخرة ولهم الدنيا.

Mashrubat Umm Ibrahim mosque: This mosque was built to mark the location of the house where the Prophet's son, Ibrahim was born to Maria(R.A.T.A.) the Egyptian.
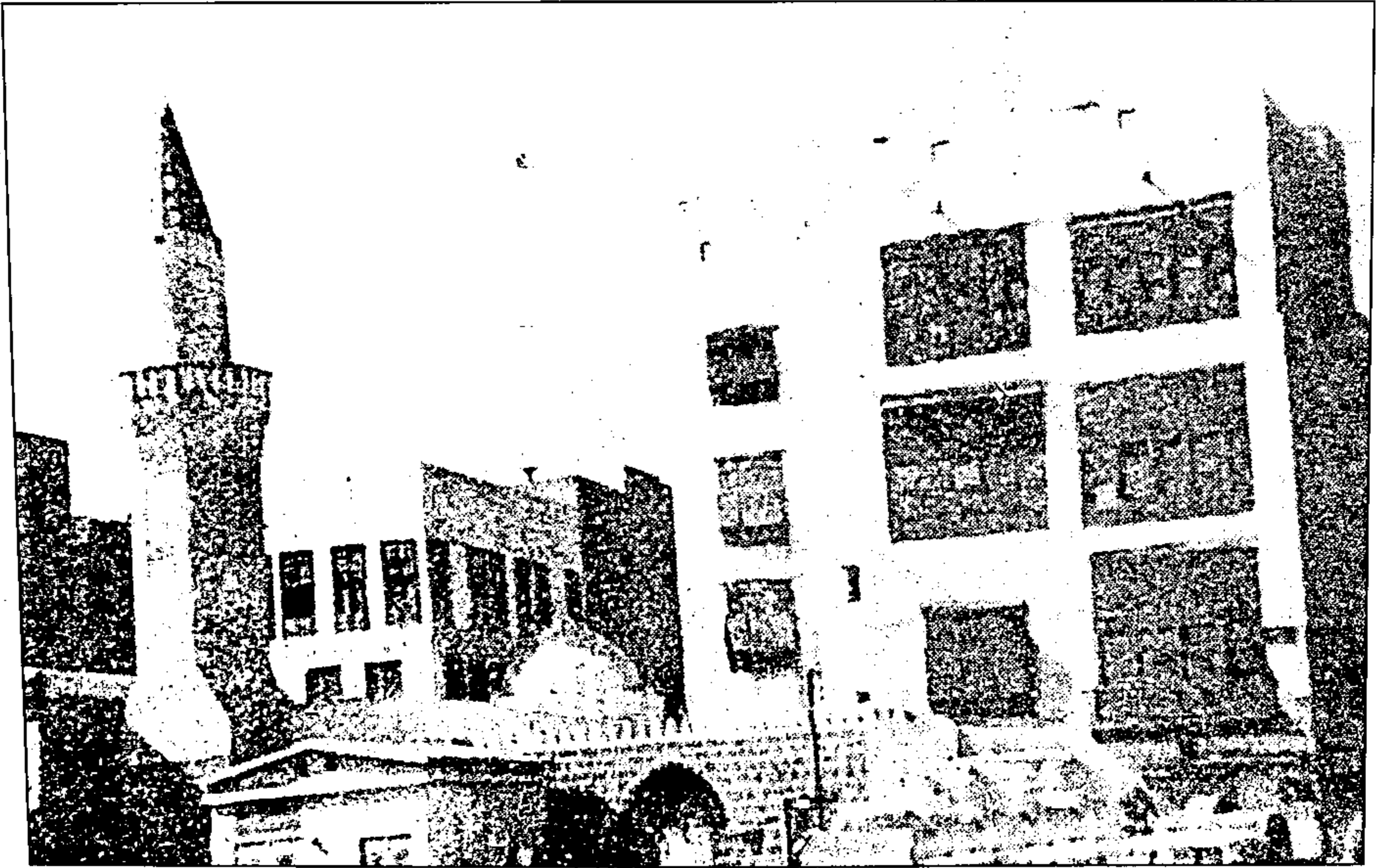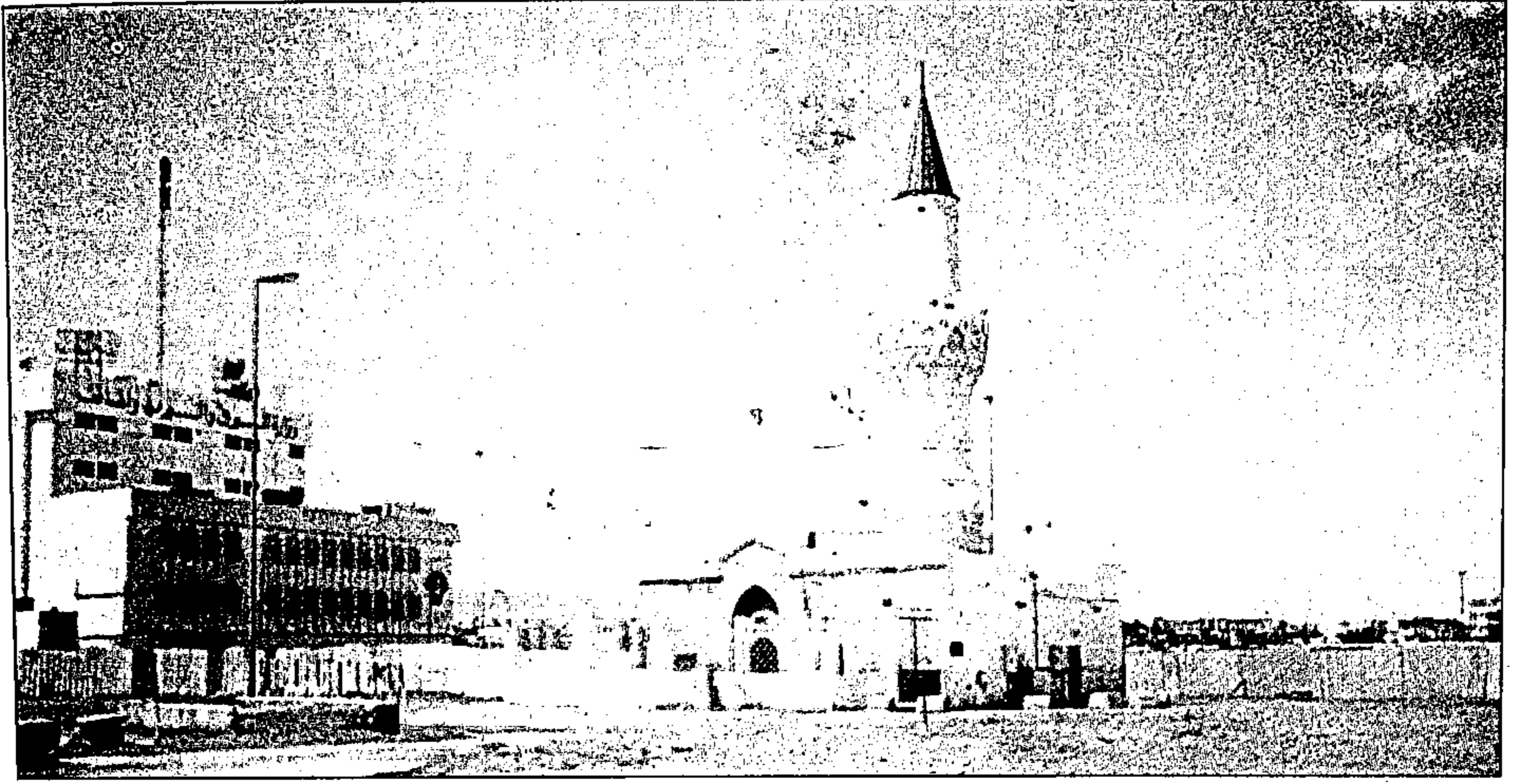
مسجد سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ : من أماکن مصلی الاعیاد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ، و عندہ صف النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اصحابہ و صلی علی النجاشی حین مات فی ارض الحبشۃ، فعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نعی لنا النجاشی صاحب الحبشۃ فی الیوم الذی مات فیہ و قال . استغفرو الأخیکم و صف بہم بالمصلی فصلی فکبر علیہ اربع تکبیرات و عن سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم : (مات الیوم عبد اللہ صالح اصحمۃ فقام فامنا وصلی علیہ)

Masjid Abu Bakr al Siddiq(R.A.T.A.). One of the locations where the Prophet(P.B.U.H.) used to hold the Eid prayer. This is also where the Prophet(P.B.U.H.) held the funeral prayer over the Negus of Abyssinia.
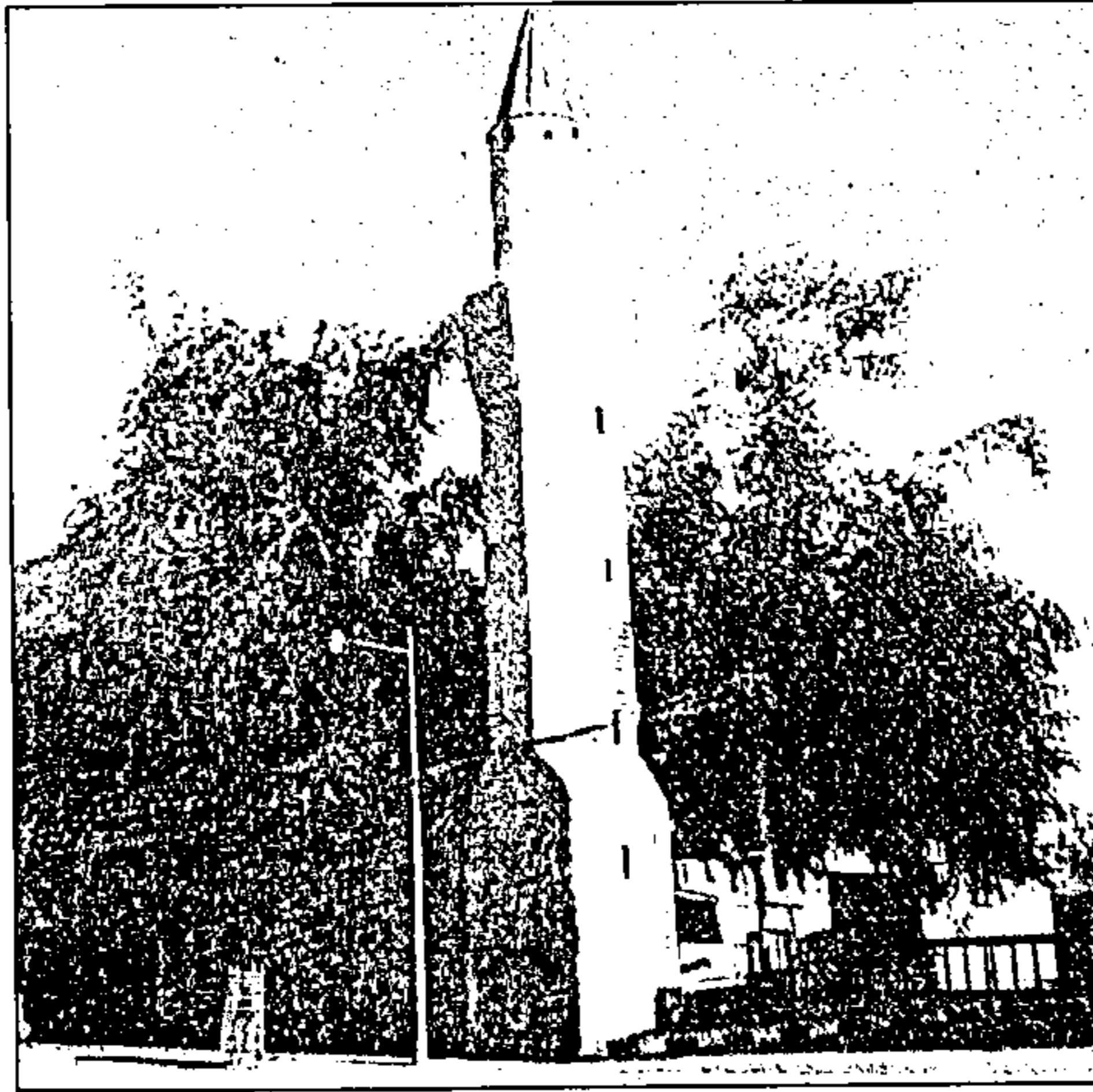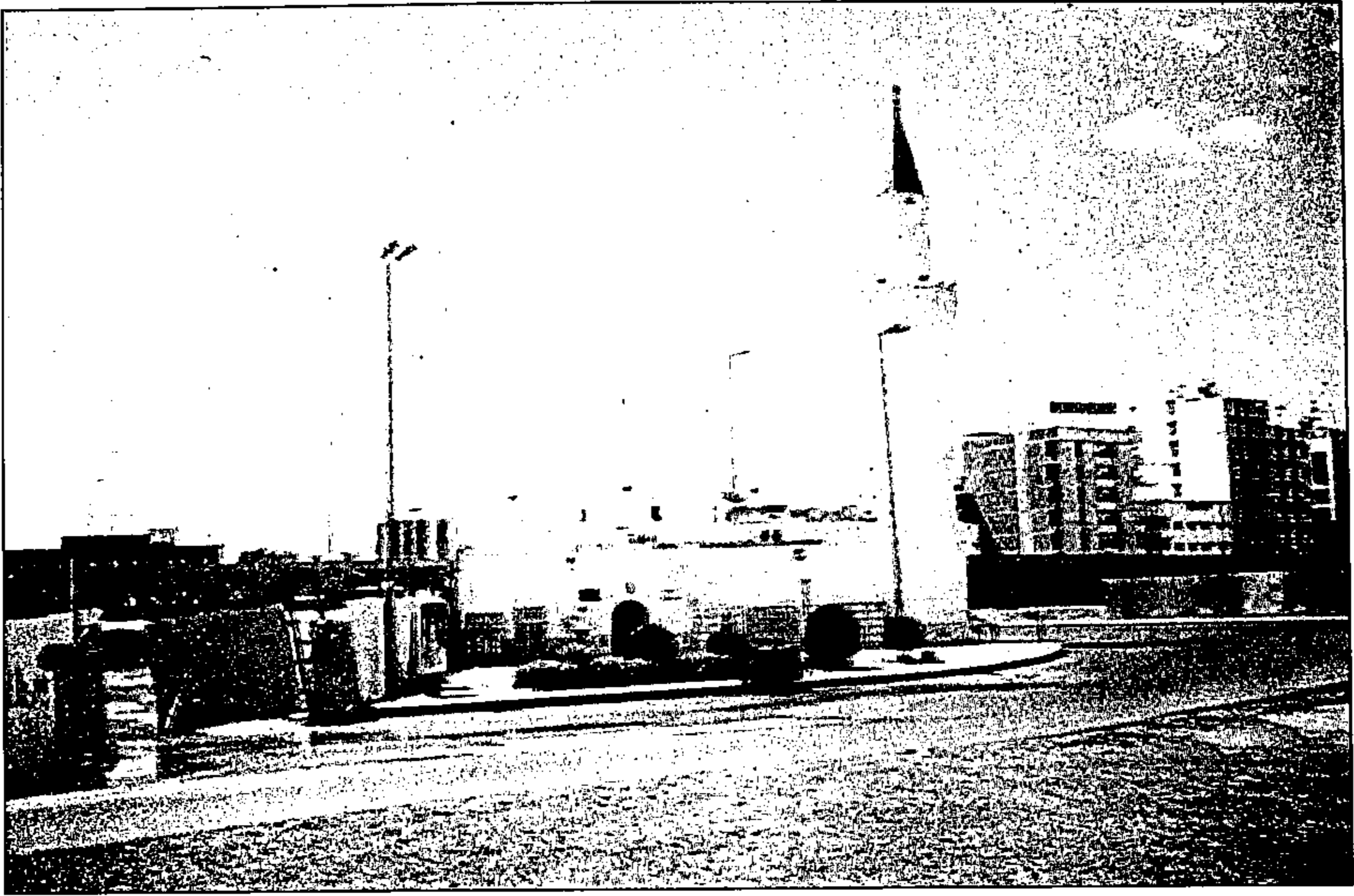
مسـجـد سيـدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه : كان النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم يصلى الاعياد فى الهواء الطلق وفى اماكـن متفرقة كل عام والمسجد صلى فيه سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه صلاة العيد فى اثناء خلافته ولا يعقل ان يصلى العيد فى مكان لم يصل فيه النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم هذه الصلاة

Masjid Umar ibn al-Khattab(R.A.T.A.): Umar(R.A.T.A.) prayed Eid here as Khalifa and , since it is inconceivable for him to have prayed where the Prophet(P.B.U.H.) never did, it is considered one of the Prophet's(P.B.U.H.) Eid prayer locations.
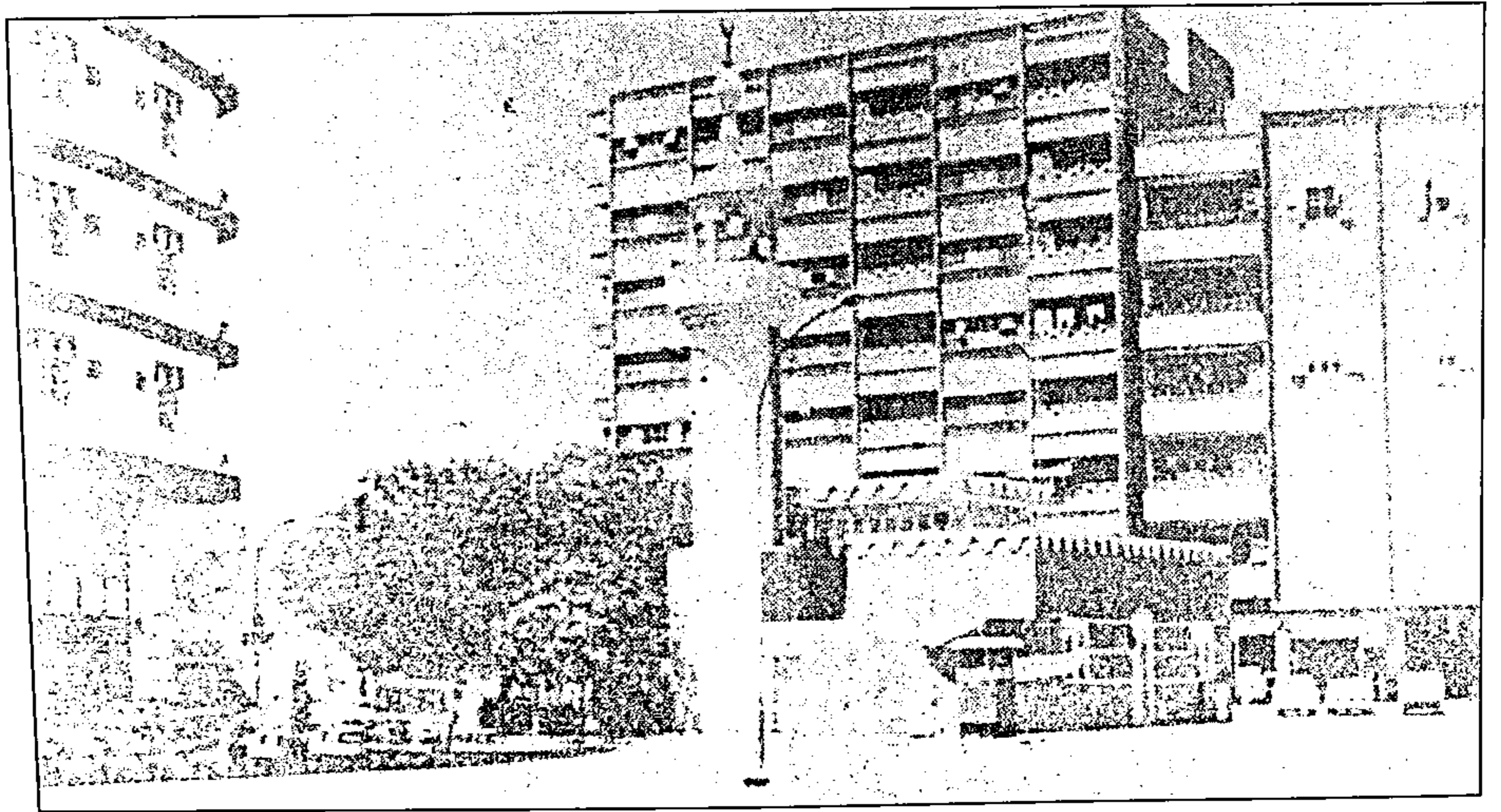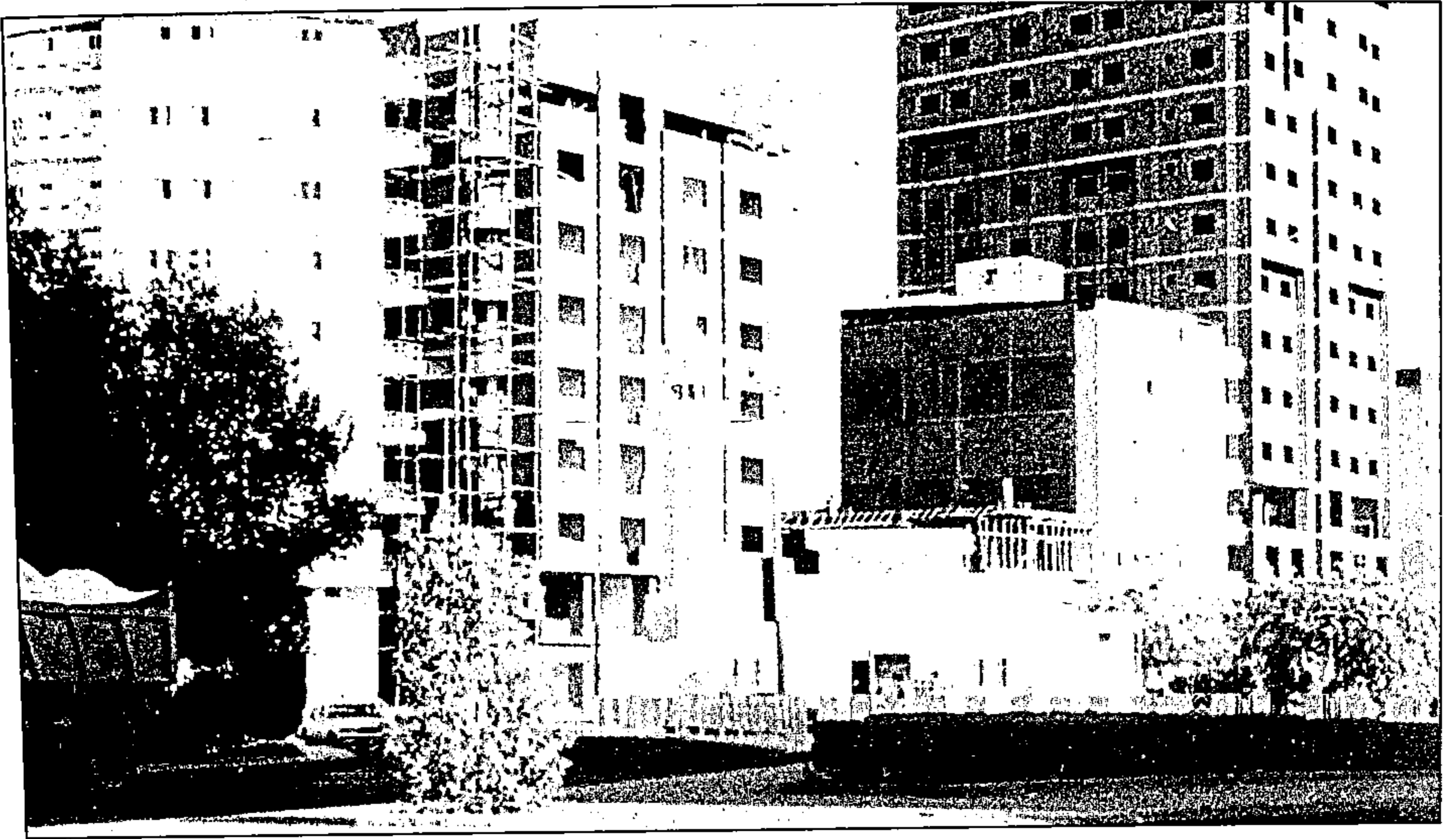
مسجد سیدنا ابی ذر الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ : او مسجد البحیر او مسجد طریق السافلة او مسجد السجدة، مسجد عنده النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شکر اللہ جلالہٗ و ذلک ان سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی انہ کان برحبة المسجد النبوی فرأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خارجا من الباب الذی یلی المقبرة فخرج علی اثرہ فدخل حائطاً من الاسواق فتوضاثم صلی رکعتین فسجد سجدةً اطال فیها، فلما قام من سجودہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اخبر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بما ظن من انہ قد قبض ثم اخبرہ ان جبریل علیہ السلام بشرنی ان من صلی علیٰ صلی اللہ علیہ ومن سلم علی سلم اللہ علیہ .

The Abu Zar Ghaffari (Dharr R.A.T.A) mosque: Also known as Masjid al-Sajda, becuase there the Prophet (P.B.U.H.) prostrated himself before Allah in gratitude, having been informed by Gabriel that whoever invoked Allah's blessings upon him, Allah would bless, and whoever greeted him, Allah would greet.

Marfat.com
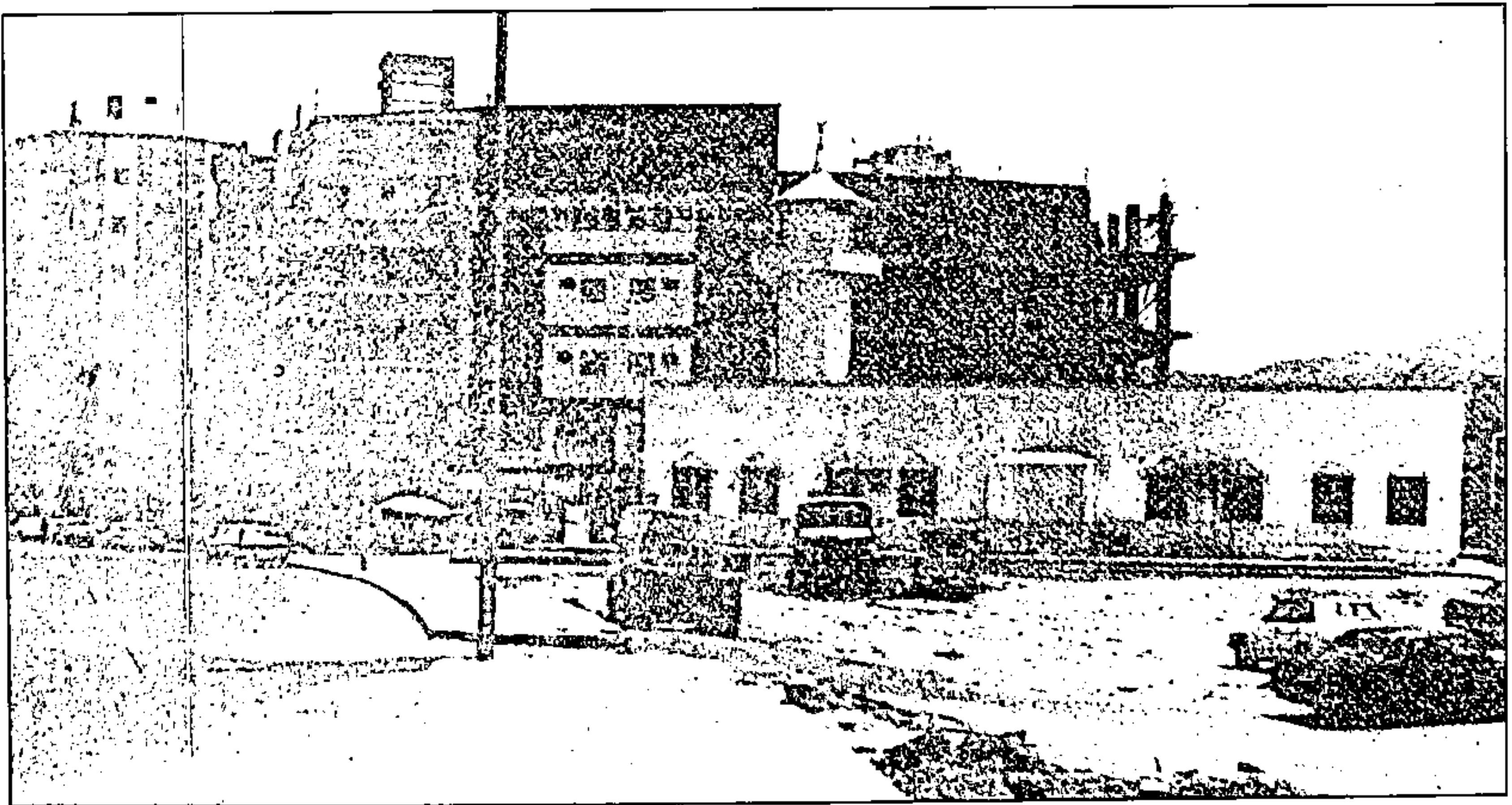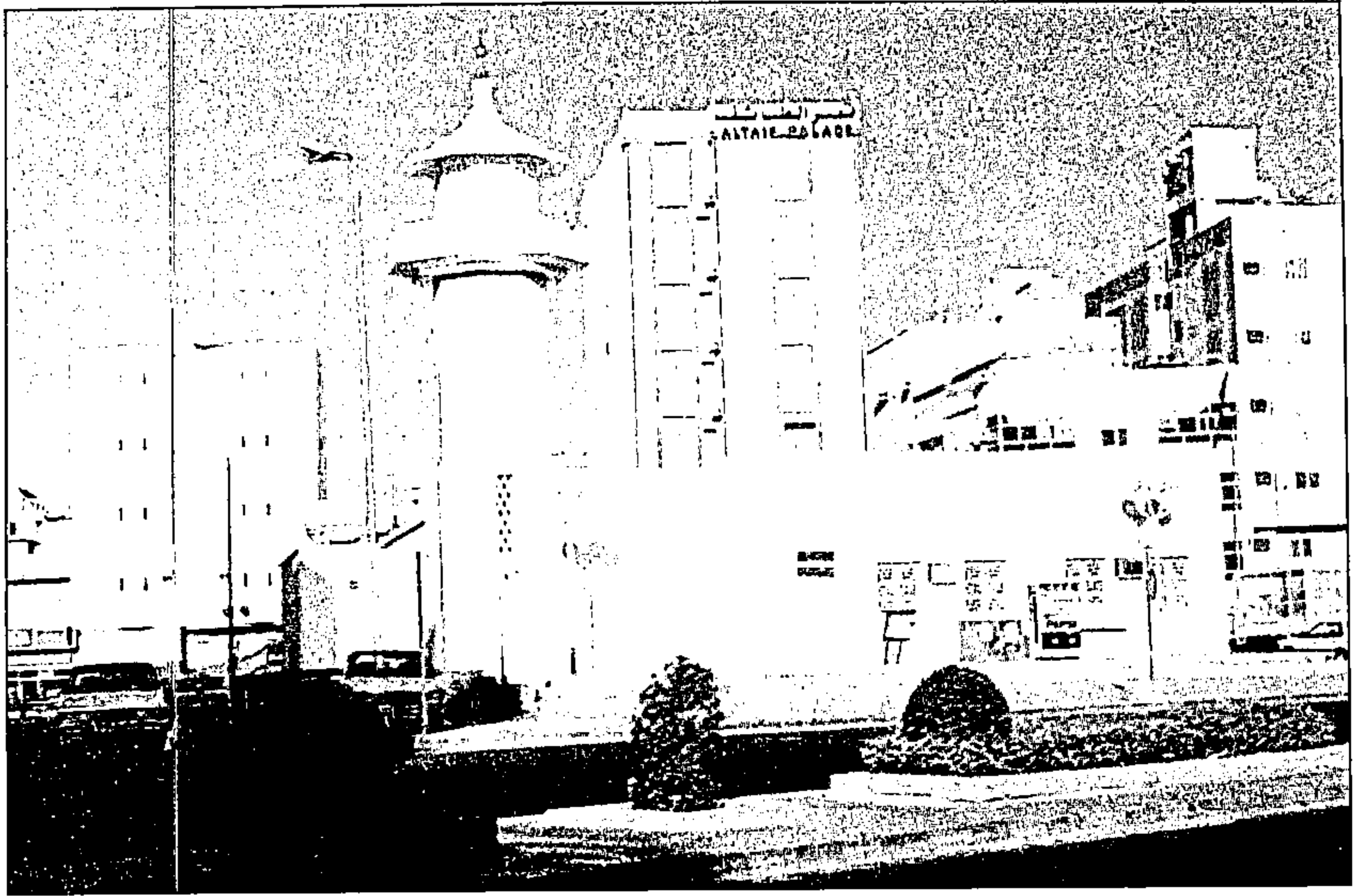
مسجد الاجابة او مسجد بنى معاوية : عن عامر بن سعد عن ابيه قال: ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم اقبل ذات يوم من العالية حتى اذا مر بمسجد بنى معاوية دخل فدى ركعتين وصلينا معه ودعا ربه طويلا ثم انصرف الينا فقال: سألت ربى ثلاثاً فاعطانى ثنتين و منعنى واحدة سألته الا يهلك أُمتى بالسنة (الجدب) فاعطانيها و سالته الا يهلك امتى بالغرق فاعطابيها وسالته الايجعل باسهم بينهم فمنعنيها.

Masjid al-Ijaba. Also known as Masjid Bani Mu awiya: This is where the Prophet(P.B.U.H.) made a long supplication to his Lord Allah that He (Allah) destroy not his nation by drought or drowning, nor by their destroying each other, Allah granted the first two requests but refused the last one.
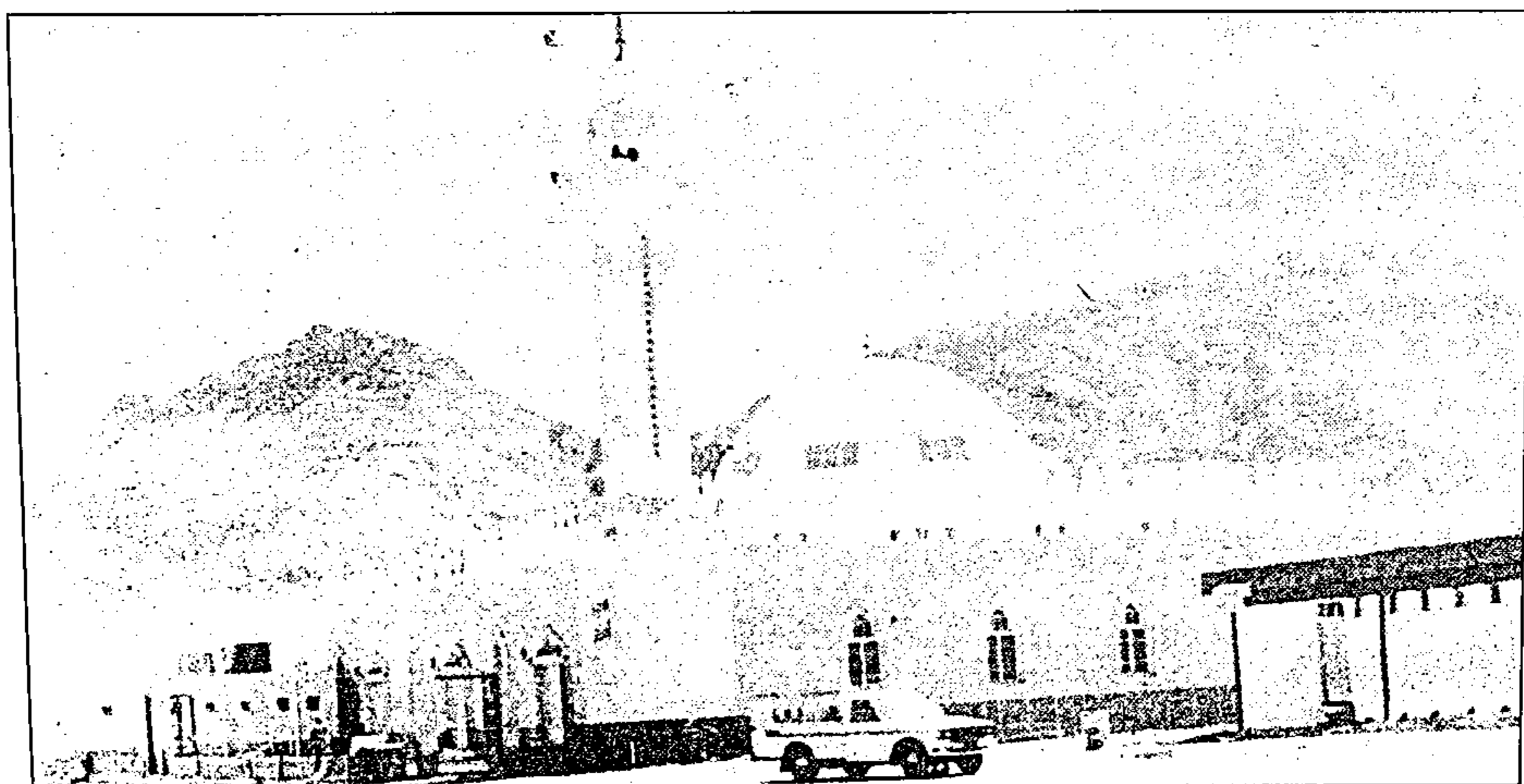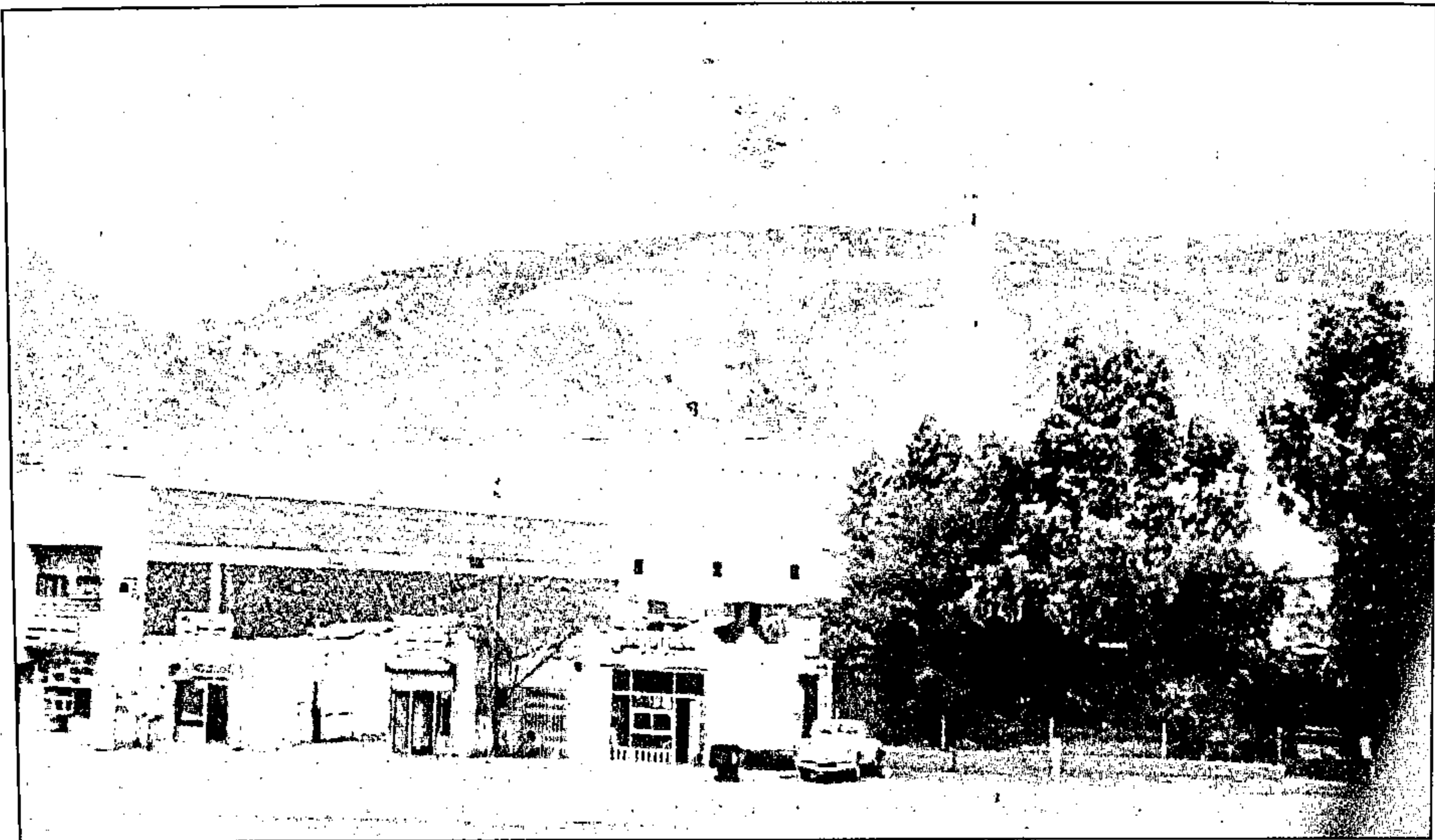
مسجد الميقات: ويعرف بمسجد ذى الحليفة او مسجد الشجرة وهو موضع الشجرة التى كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم يصلى تحتها عند خروجه لمكة فى حجه وعمرته وهو ميقات اهل المدينة المنورة والشام للحج، عن سيدنا عبدالله بن عمر رضى الله عنهما قال: ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم كان اذا استوت به راحلته قائمة عند مسجد ذى الحليفة اهل فقال لبيك اللهم لبيك ، لبيك لا شريک لک لبيک ، ان الحمد والنعمة لک و الملک لا شريک لک

The Miqat Mosque, also known as Dhul Hulafa and as masjid al-Shajara. This is where anyone coming from Syria or Madina itself has to enter into *ihram* before going to Hajj or Umra. The Prophet(P.B.U.H.) prayed the two *rak'as* of *ihram* under a tree at that spot.

Marfat.com
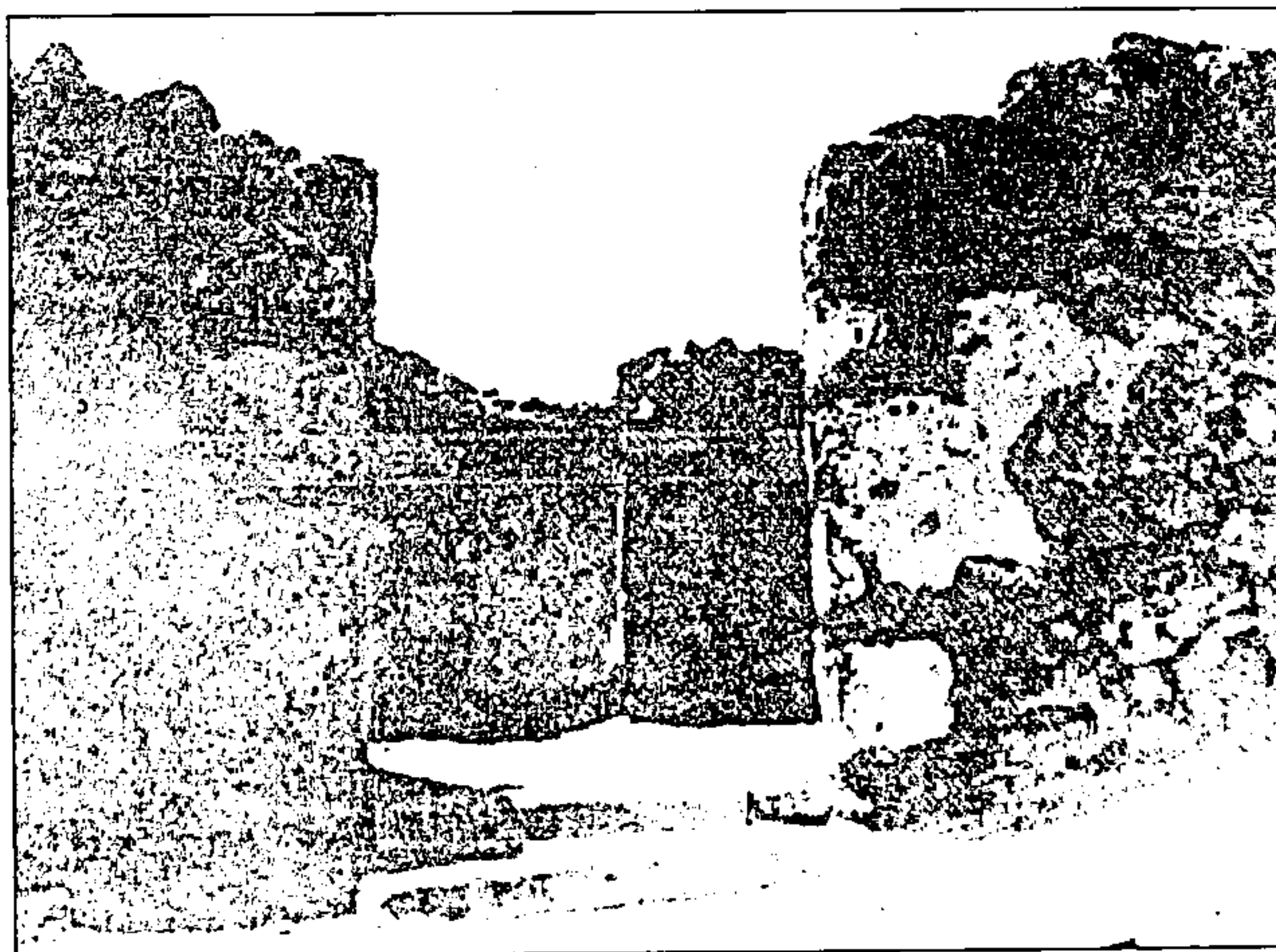
مسجد مصبح: بمنطقة قباء و قد سعی کذلک لا ستقبال الانصار رسول الله صلی الله علیه و آله وسلّم عنده صباحاً حین قدومه المبارک للمدینة المنورة مهاجراً من مکة المکرمة و یسمی کذلک مسجد بنی انیف لان النبی صلی الله علیه و آله وسلّم صلی فیه حین زار بنی أنیف فی حیّهم فیما کان یعود سیدنا طلحة بن البراء. رضی الله تعالیٰ عنه

Masjid Mosbih also called Bani Anif Mosque: This is where the Prophet (P.B.U.H.) was received when he arrived on his emigration and this is where he prayed in the course of his visit to Talha ibn al .Bara(R.A.T.A.)

Marfat.com
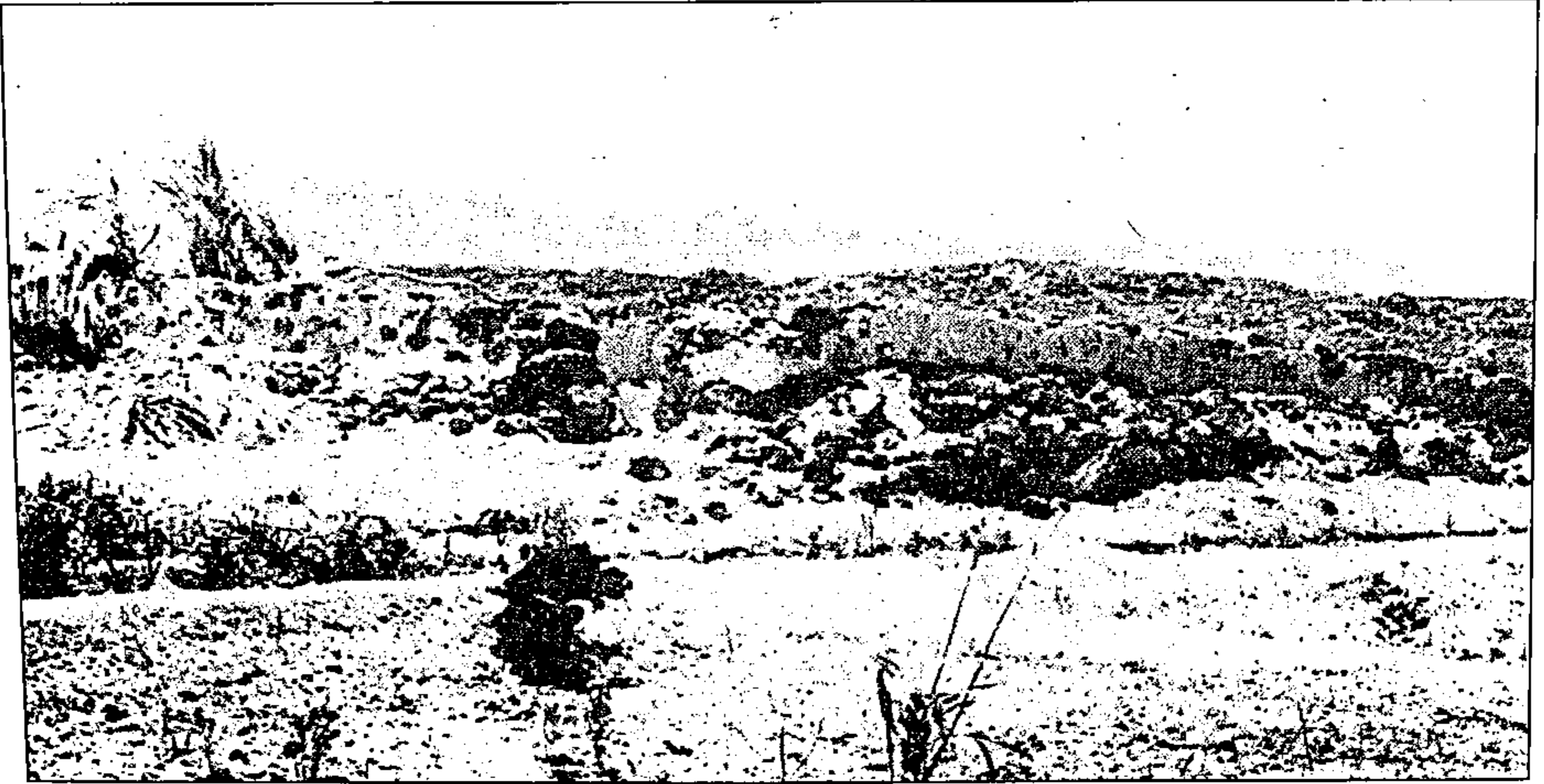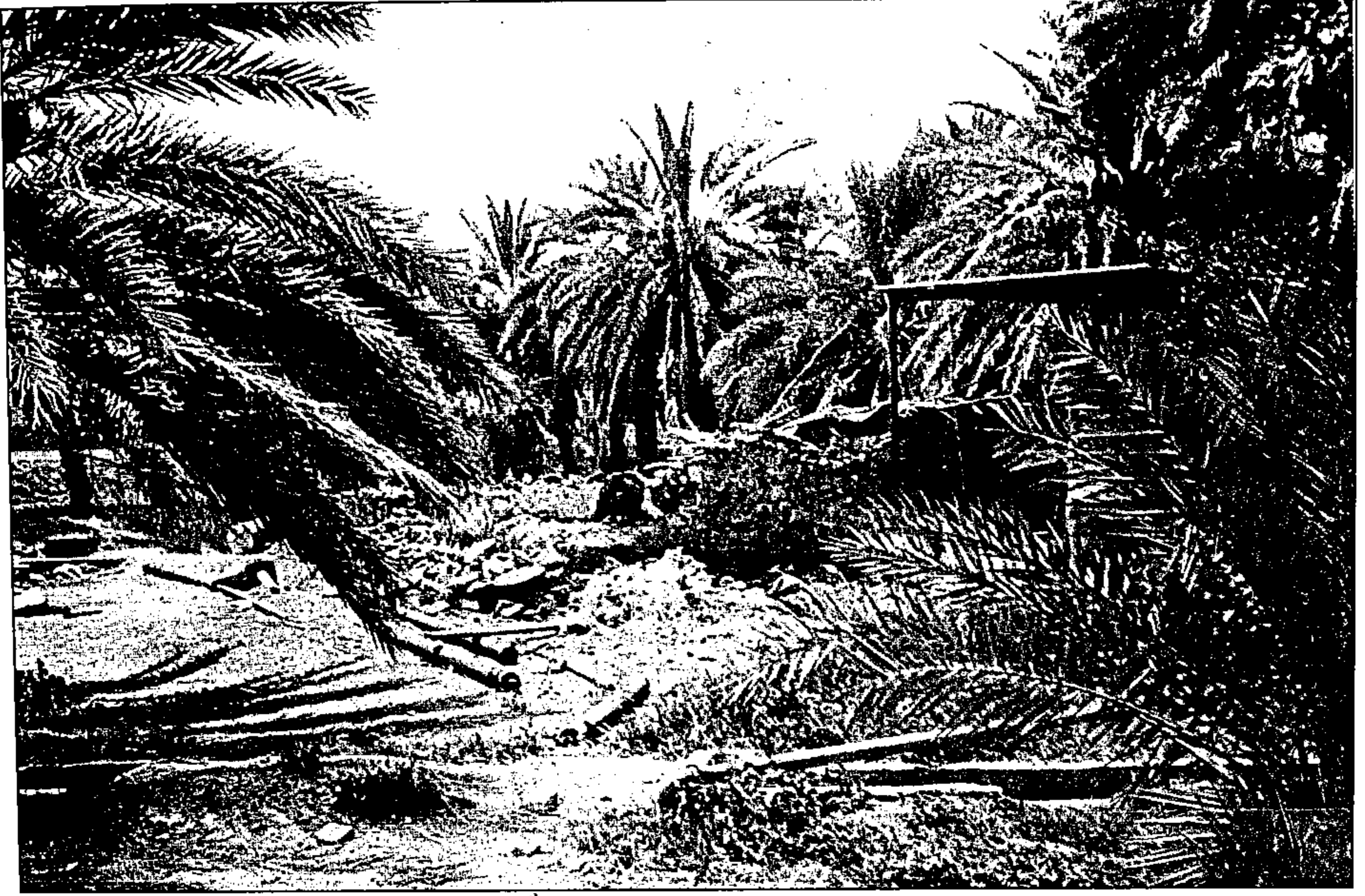
مسجد النور (التوبة) : فی منطقة العصبة بقباء و لعله الموضع الذیی انتهی الیه سیدنا اُسید بن حضیر و عباد بن بشررضی اللہ تعالیٰ عنهم و هما من بنی عبد الاشهل و کانا عند النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلّم فی لیلة ظلماء و تحدثا عنده حتی إذا خرجا اضاعت لهما عصا احدهما فمشیا علی ضوئها فلما تفرقت بهما الطریق اضاعت لکل واحد منهما عصاه.

Masjid al Tawba also known as Masjid al-Nur, the Mosque of the Light, since this is where the two companions, Usayd ibn H ud ayr and Abbad ibn Bishr(R.A.T.A.), were heading when they left the Prophet's (PBUH) house on a dark night and he made the staff of one of them miraculously to light their path for them.
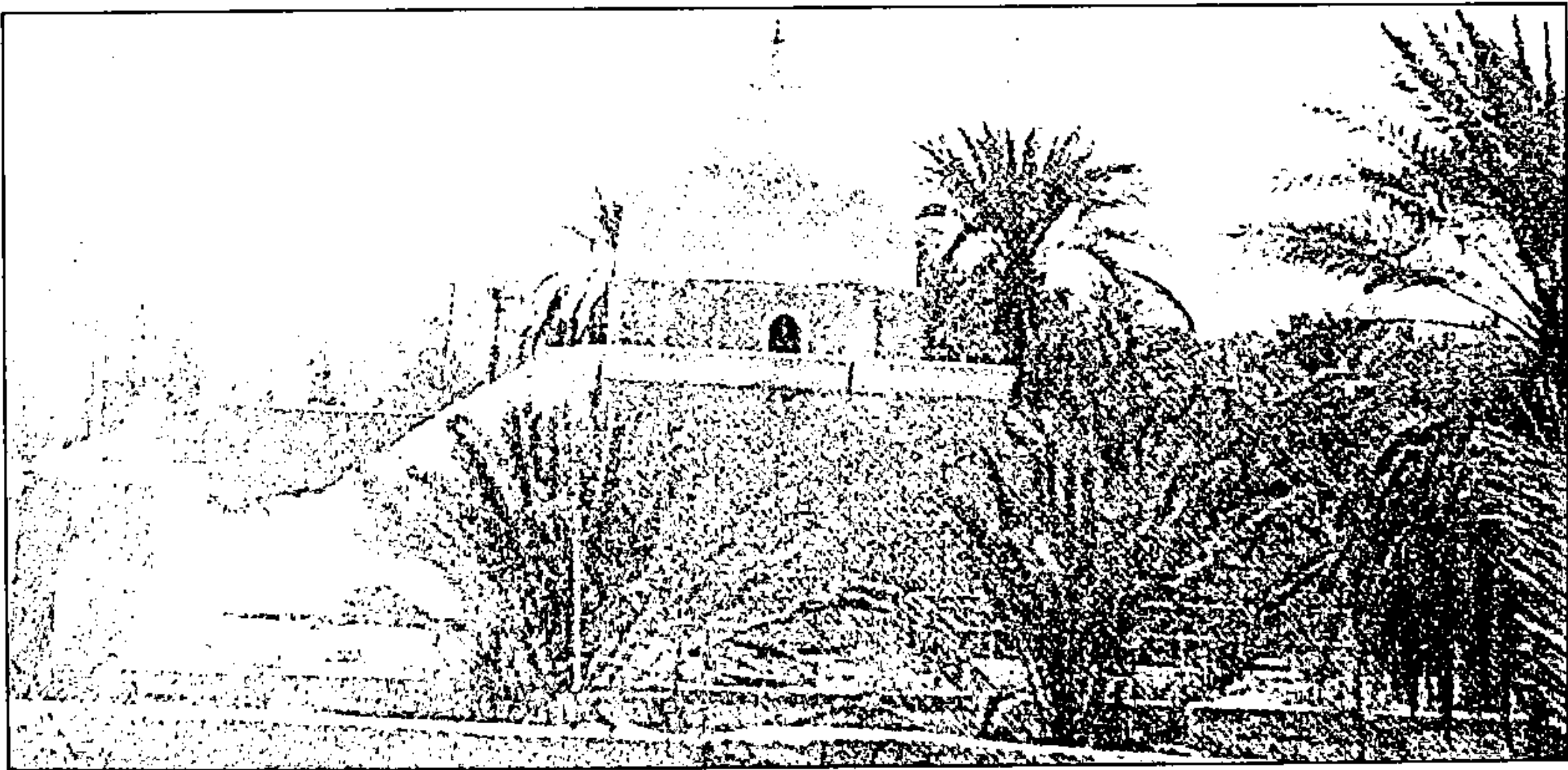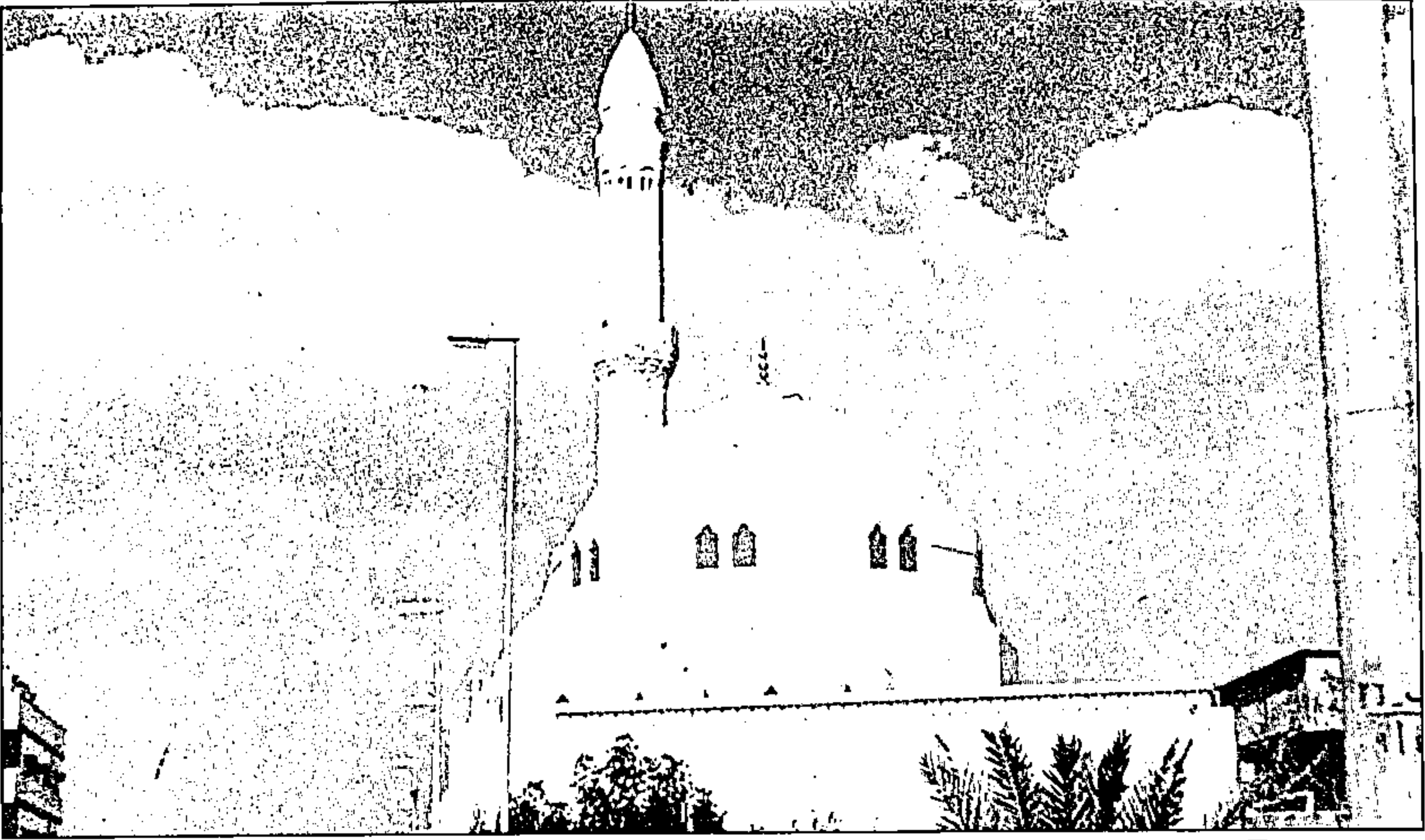
مسجد الجمعة: ويسمى مسجد عاتكة او مسجد الوادى ، عند نزول النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم من قباء الى المدينة المنورة عند قدومه مهاجراً من مكة المكرمة مربد يا ر بنى سالم بن عوف ابناء عم عمرو بن عوف اهل قباء فامسكو ا بخطام ناقته القصواء وقالوا: انزل فينا يا رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم ، فتبسم النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم و قال: خلوا سبيلها فانها مامورة فقالوا: يا رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم تمكث اياماً عند بنى عمنا و تمر بنا ولا تنزل فيكون ذلك فخرالّهم علينا الى الابد، فنزل رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم عندهم يومه وا دركته صلاة الجمعة فصلى اول جمعة فى الاسلام فى مسجد هم ببطن وادى رائوناء

The Friday or A-tika mosque: This is where the first jumua prayer in Islam was performed when the Prophet (S.A.A.W.) stopped there shortly after his arrival to Madina on his way from Quba, at that time on outlying village, to Madina proper.

Remains of the Mosques of the TWO QIBLAS
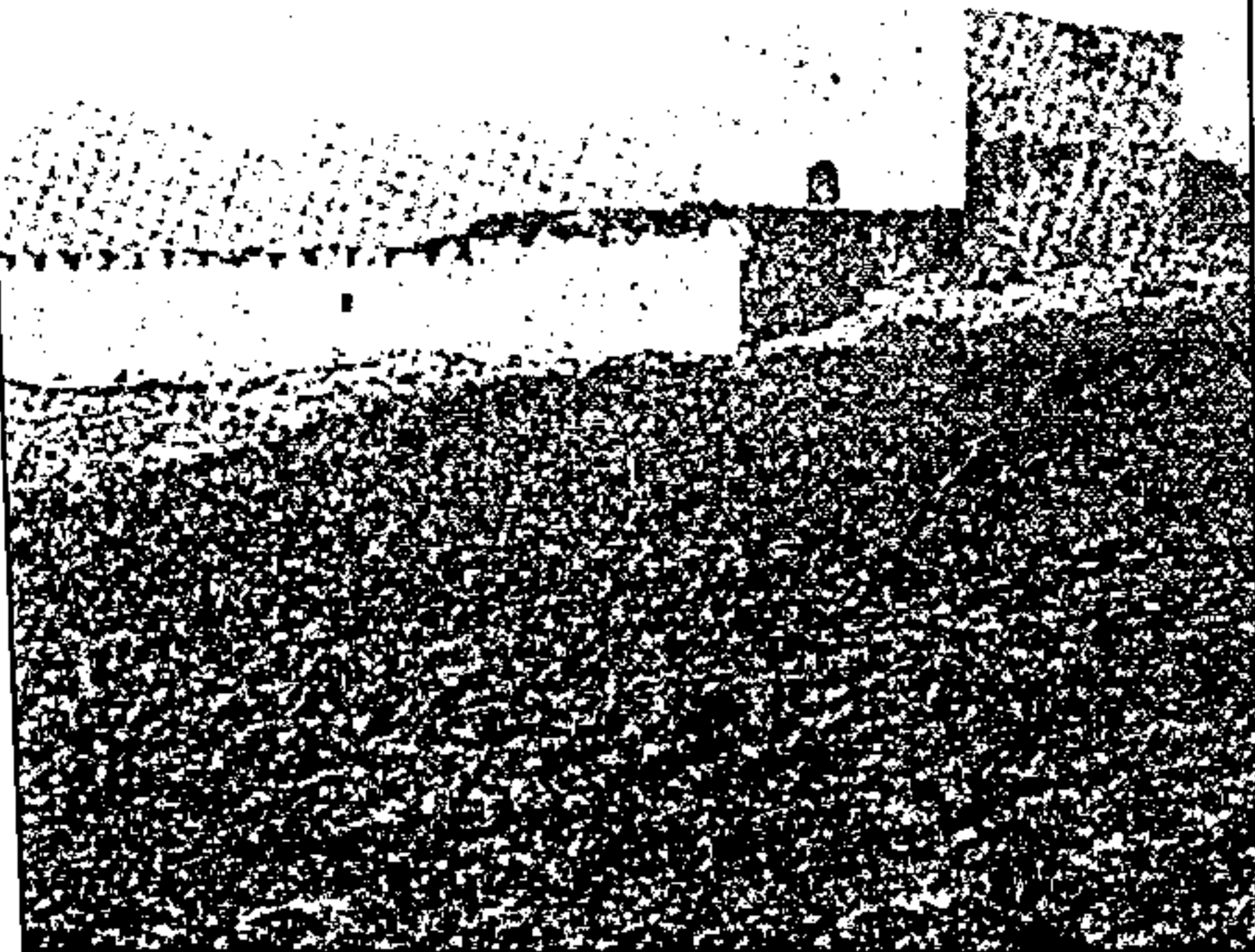
Qibla of the Mosque of the Two Qiblas

مسجد القبلتين او مسجد بنى سلمة: سمى بذلک لائيه صلى فيه بعض صحابة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم صلاة واحدة نصفها (ركعتين) الى بيت المقدس والنصف الآخر (ركعتين) الى مكة عند سماعهم. وهم فى الصلاة. بنزول آية تحويل اتجاه القبلة من المسجد الاقصى الى بيت الله الحرام.

Masjid al-Qiblatayn. "The Mosque of the Two Qiblas" (or Mosque of Bani Salama), so called becuase when the Divine order came to change the*qibla* from Jerusalem to Macca, the Companions(R.A.T.A.) who were in the middle of a ritual prayer and had already prayed two*rak'as* turned toward Macca and prayed the next two *rak'as*in that direction.

مسجد السقيا

بئر السقيا
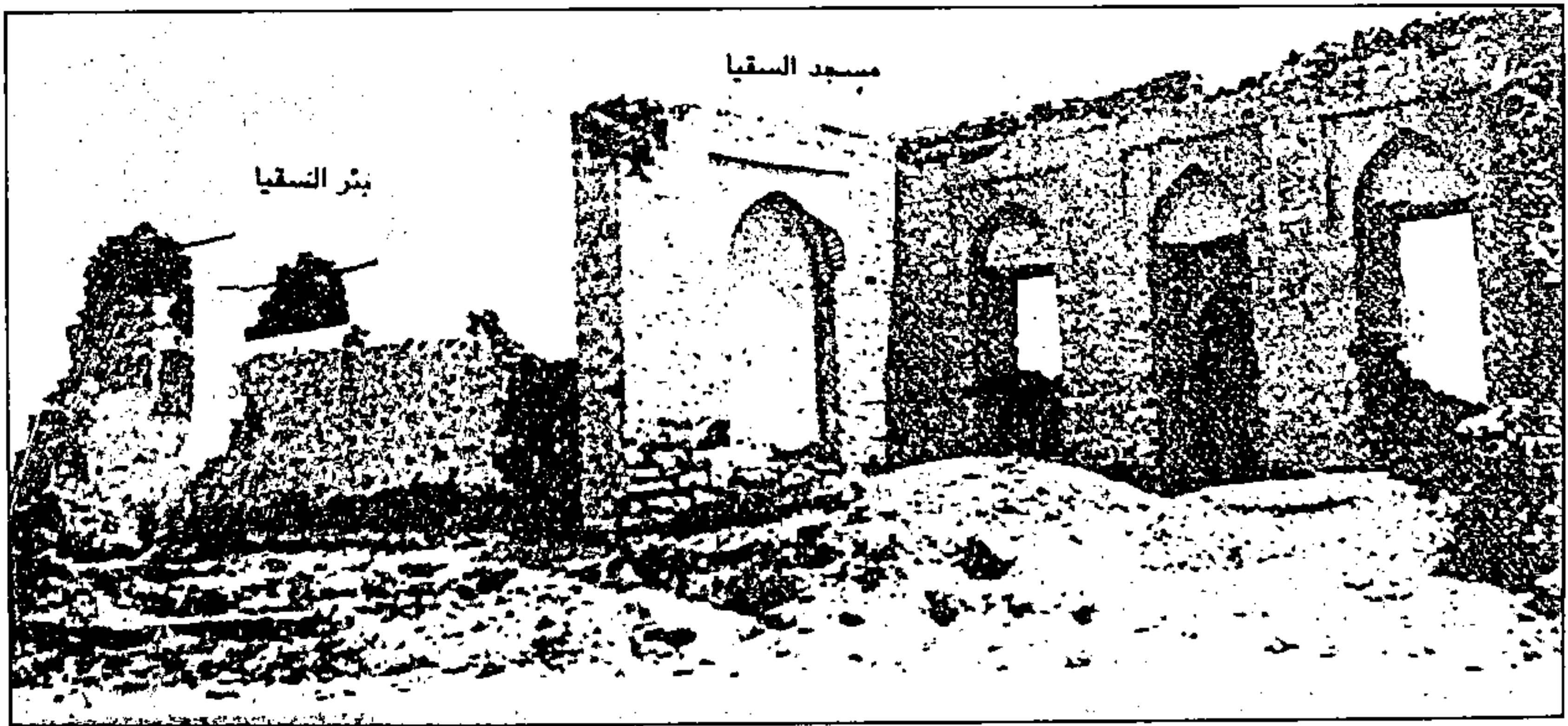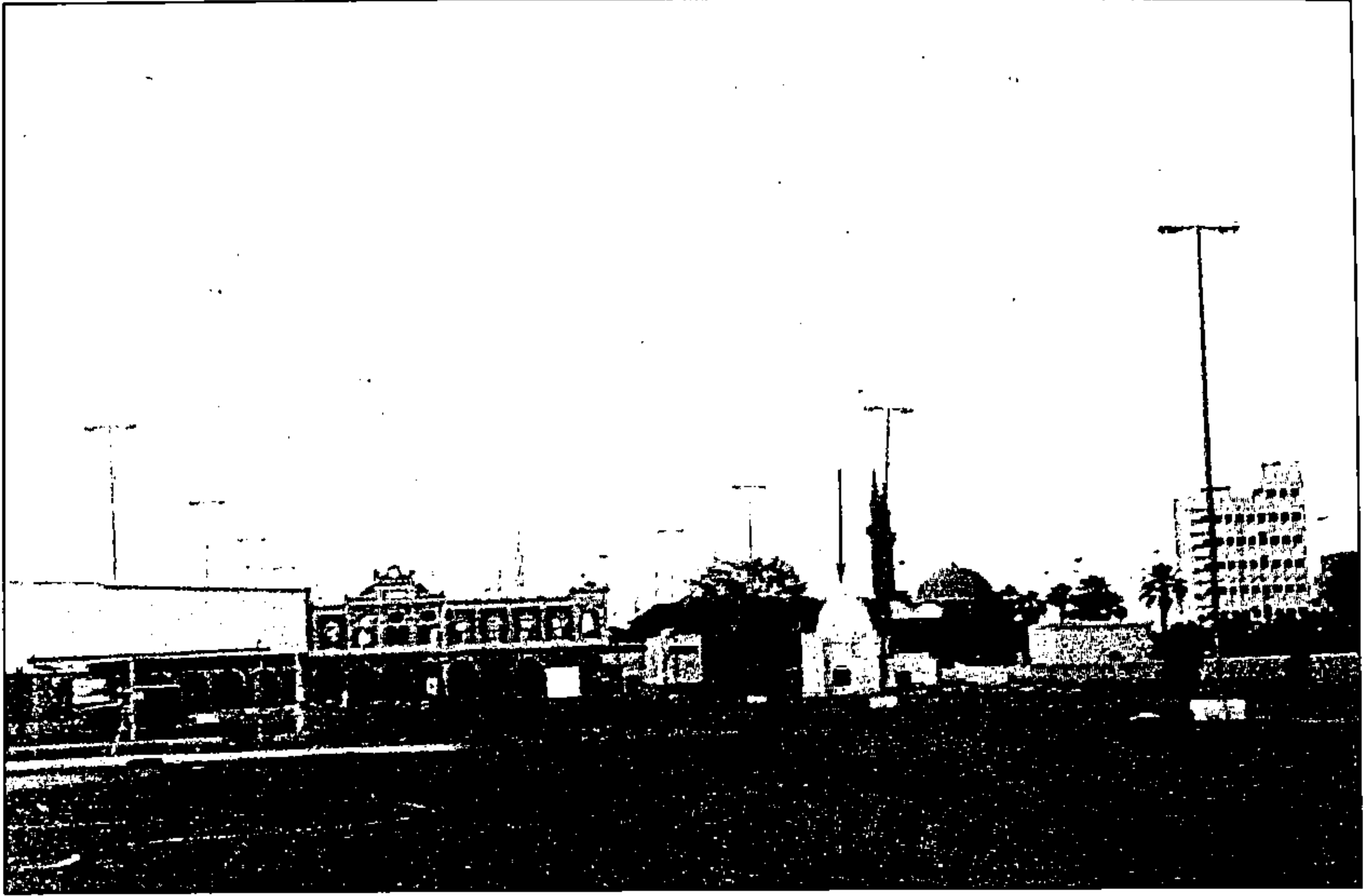
مسجد السقيا: بحرة السقيا التيى ضرب عندها النبى صلى اللّٰہعليه وآلہٖ وسلّم قبته عند الذهاب الغزوة بدر، واستعرض جيشه ورد من استصغر من ابناء الصحابة ، وبها دعا النبى صلى اللّٰہعليه وآلہٖ وسلّم ربه لاهل المدينة المنورة بالبركة وان يجعل حب المدينة فى قلوب المسلمين كحب مكة او اشد وكان بتلك بالحرة منازل بنى المصطلق قوم اُم المومنين السيدة جويرية رضى الله تعالیٰ عنها بنت الحارث (ابرک عروس على قومها) اذ اطلق المسلمون سبايا قومها بعد اسرهم فى غزوة بنى المصطلق عندما علموا ان النبى تزوجها وان قومها صاروا اصهاراً لرسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم

Masjid al Suqia, there the Prophet (P.B.U.H.) had his tent pitched before marching to Badr, there he paraded his army and there he prayed for the people of Madina that Allah should give them *baraka* and make the love of Madina in the hearts of Muslims the same as that for Macca or more.

مكان مسجد المعرس: يقع فى وادى العقيق خلف مسجد الميقات و عنده كان النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم يبيت ليلا قبل دخوله المدينة حين عورته من اسفاره أوحجه و عمرته

Masjid al-Muras in the blessed valley of al-aqiq: This is where the Prophet(P.B.U.H.) spent the night on his return from one of his journeys.

مسجد دار النابغة: هو النابغة من بنى النجار وهم أخوال النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم والدار ذفن بها عبد الله بن عبد المطلب ابو النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم الذى مات بالمدينة قبل ميلاد النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم

Masjid Daral Nabigha of the Bani al-Najjar: Where the Prophet's father. Abdullah was buried. It is said that the Prophet (P.B.U.H.) prayed there.
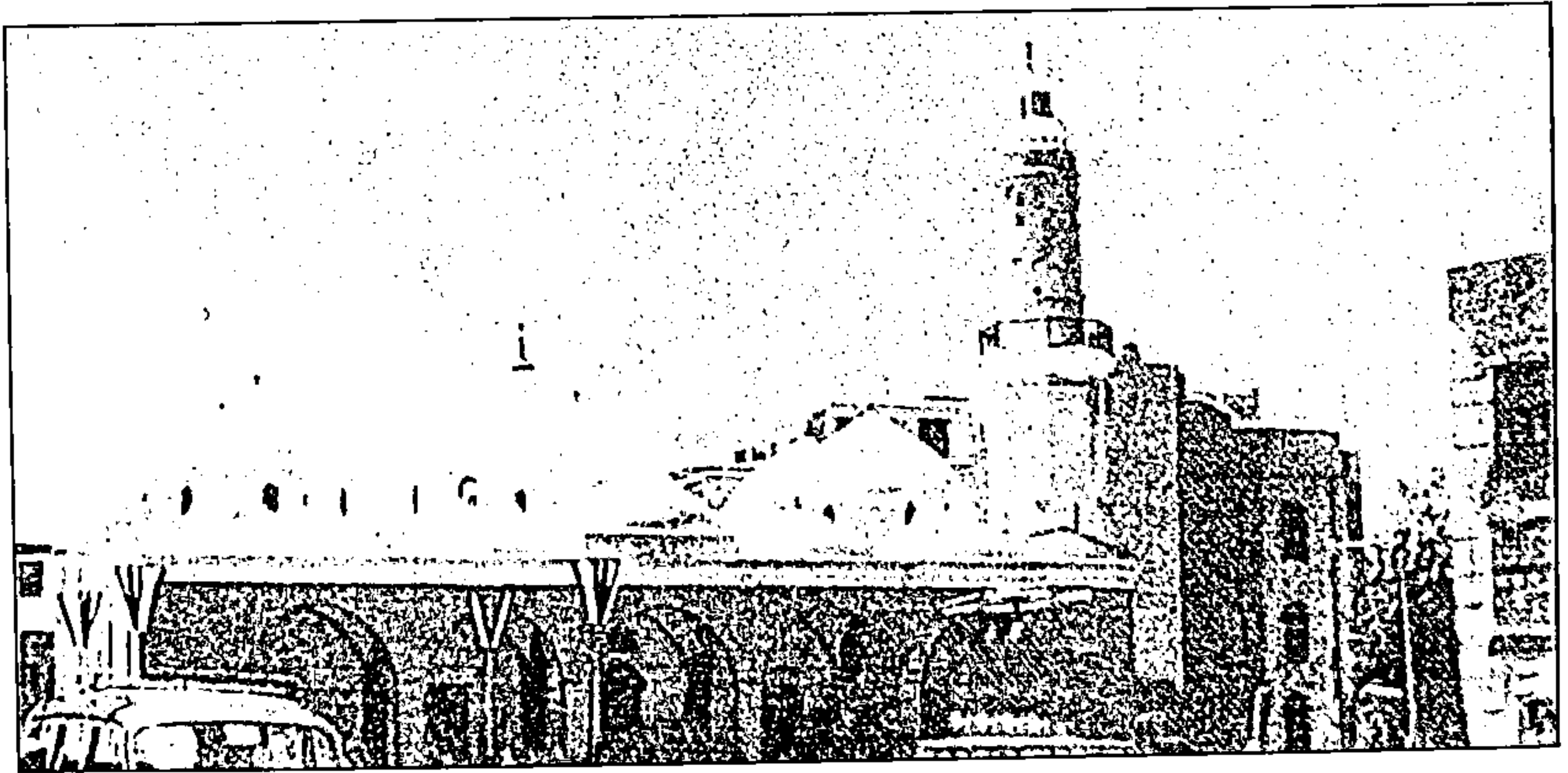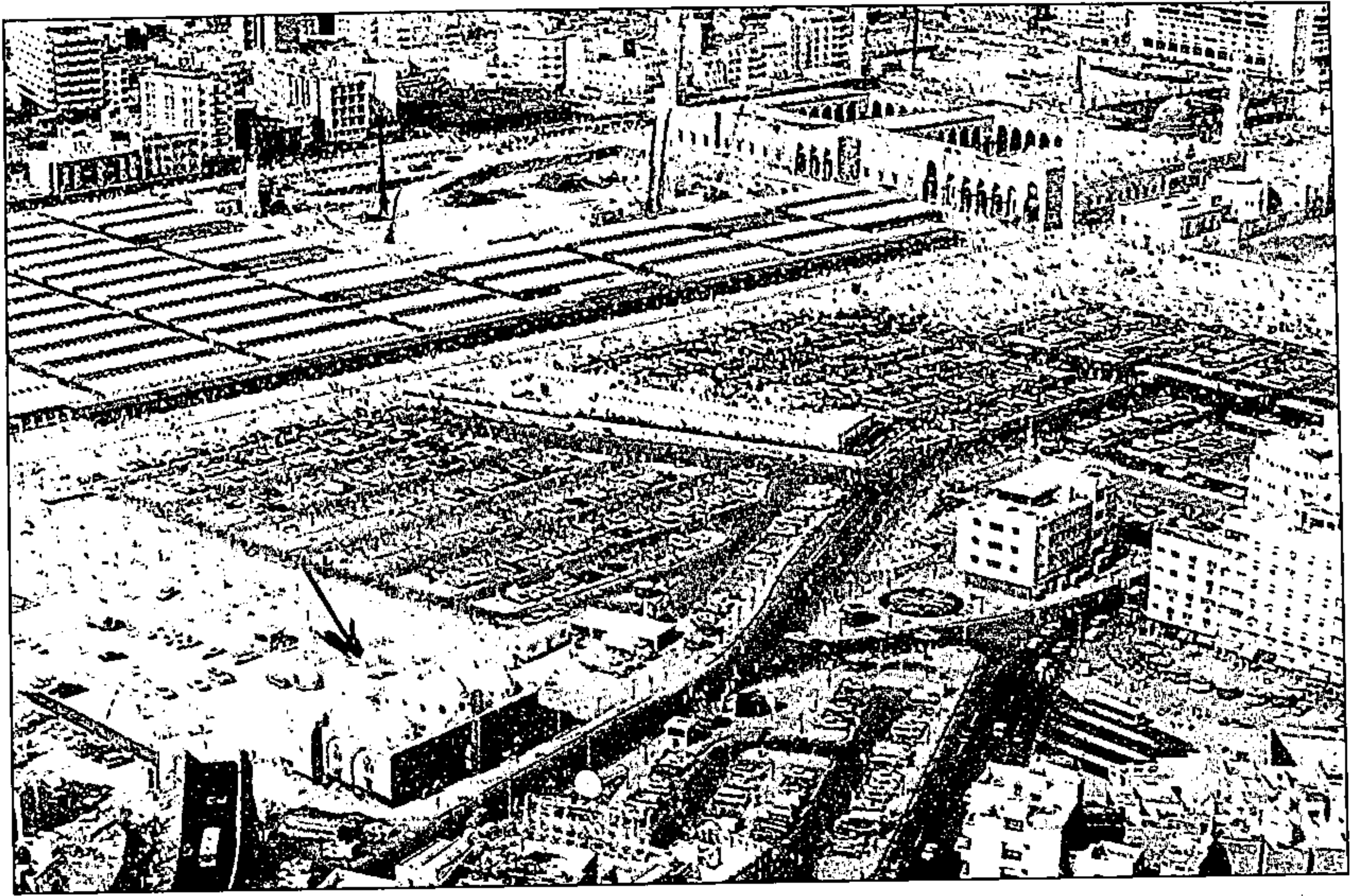
مسجد الغمامة: او مسجد المصلى وكان المصلى على عهد النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم مكاناً للا ستسقاء وللا عياد و اقامة الحدود واحياتاً للجنائز و عنده استسقى النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم ربه جل جلاله و بعد دعاء الاستسقاء ظللته الغمامة ونزل المطر مدراراً، و فى رواية (فالتفت النبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم إلى ابى بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه مبتسماً و سالـه ماذا قال الشيخ يريد عمه اباطالب فانشد ابو بكر رضى الله تعالىٰ عنه وابيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للارامل..... يطوف به الهلاک من بنى هاشم فهم عنده فى نعمة وفواضل) وقد ورد انه قحط الناس فاشتكوا للنبى صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم فجثا على ركبتيه فى المصلى ودعا ربه جل جلاله فامطرت السماء سبعة ايام بلياليهن، فاشتكواله، فضحک صلى الله عليه وآلہٖ وسلّم ورفع يديه الى السماء وقال: حوالينا ولا علينا، فصفت السماء

Masjid al-Ghamama. This is where the Prophet(P.B.U.H.) most frequently held the 'Eid prayer in open air and where he held the rain prayer, after which a cloud came over them and rained profusely.
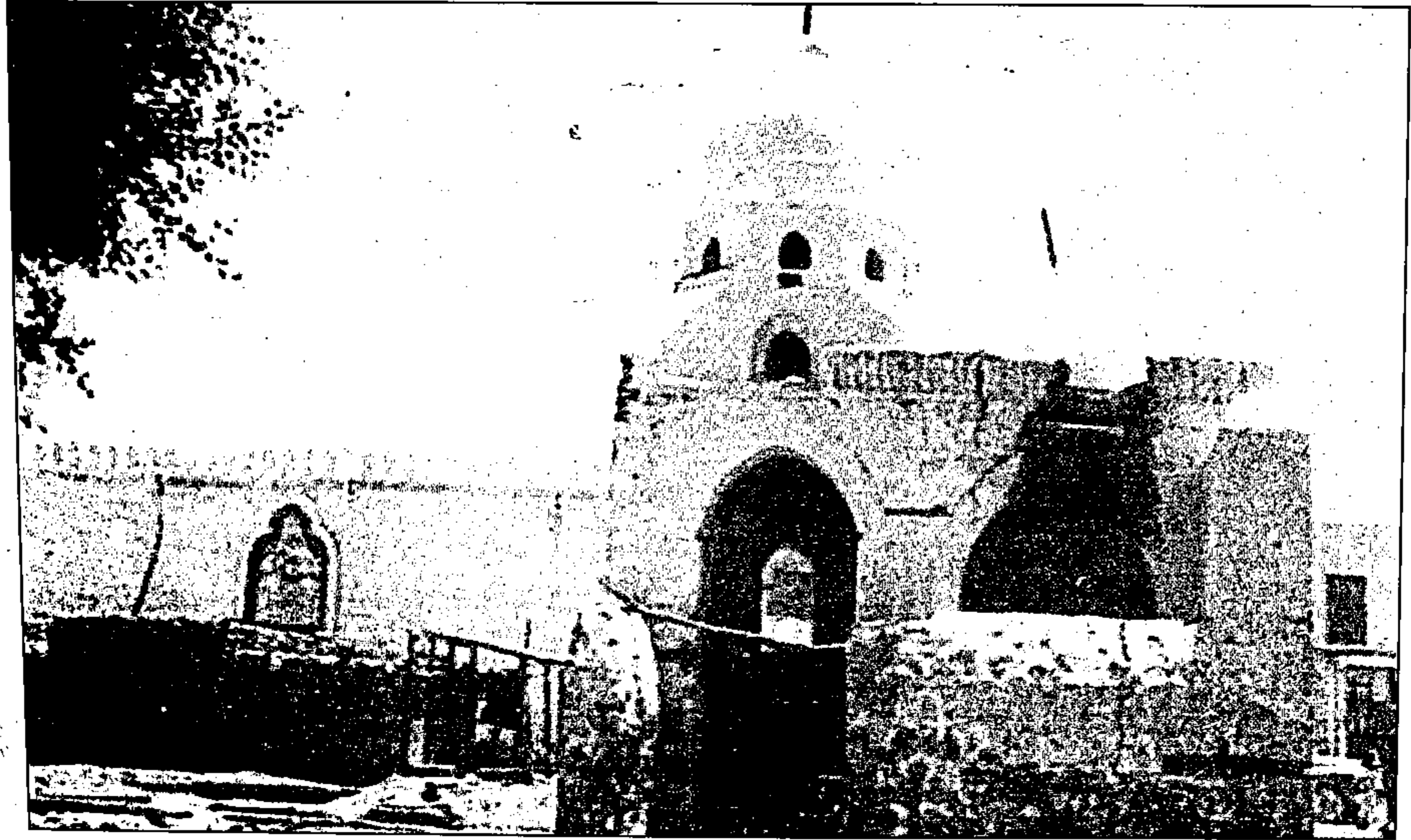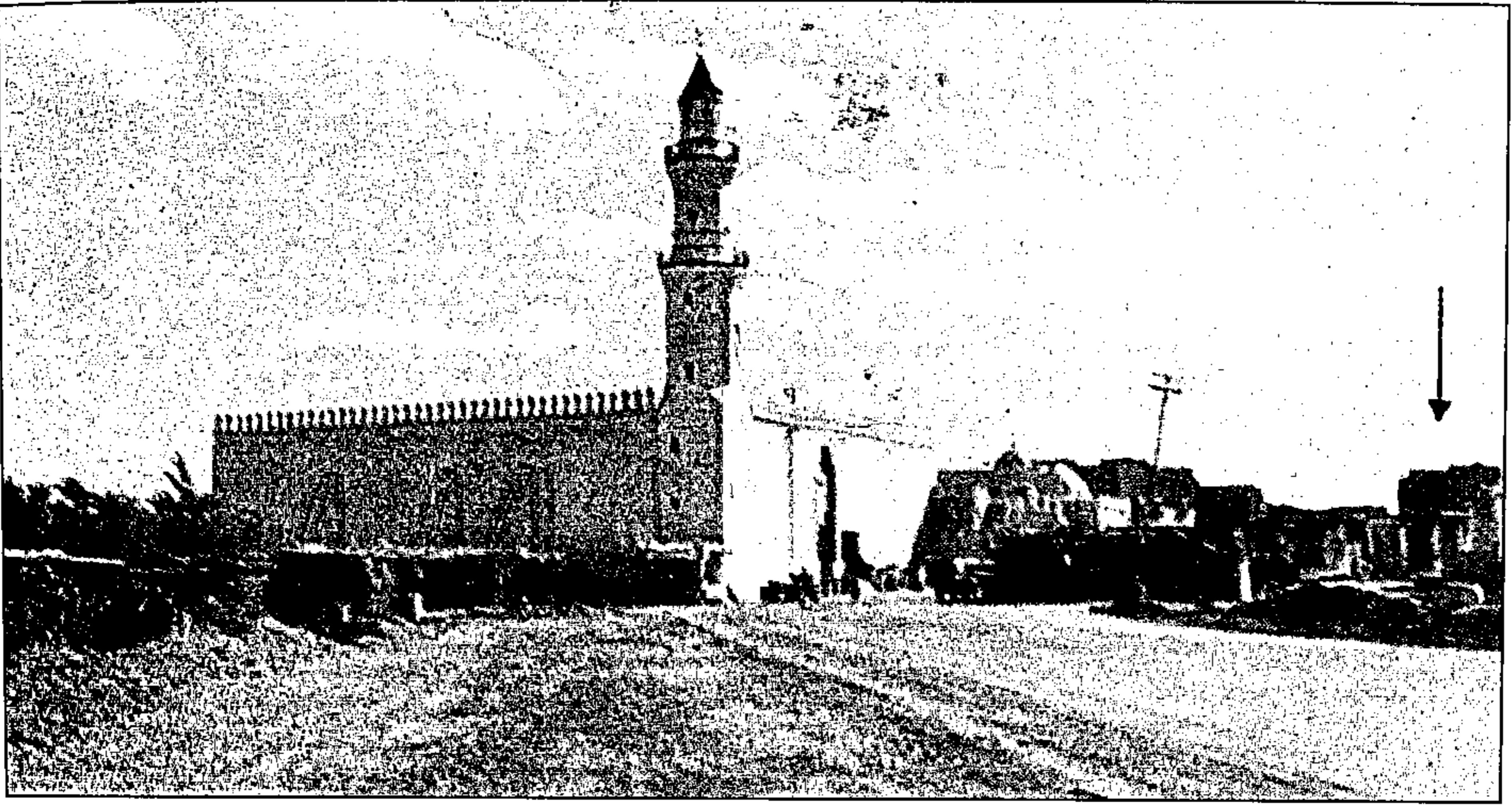
بئر اریس: وسمیت بئر الخاتم بعد سقوط خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم من ید سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہا اثناء خلافتہ، وروی ان النبی علیہ السلام دخل عندہا و جلس علی حافتہا ودلی ساقیہ فیہا و کان سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی بابہ فاتی سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یستاذن فی الدخول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فاذن لہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و بشرہ بالجنۃ ثم أتی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاذن لہ و بشرہ بالجنۃ ثم أتی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاذن لہ و بشرہ بالجنۃ علی بلوی تصیبہ

The Aris well near the mosque of Quba: This is where the Prophet(PBUH) used to sit and dangle his feet in the water. After the Prophet's ring fell from Usman's (Uthman's R.A.T.A.) hand into the well during his caliphate, it became known as the Well of the Ring.
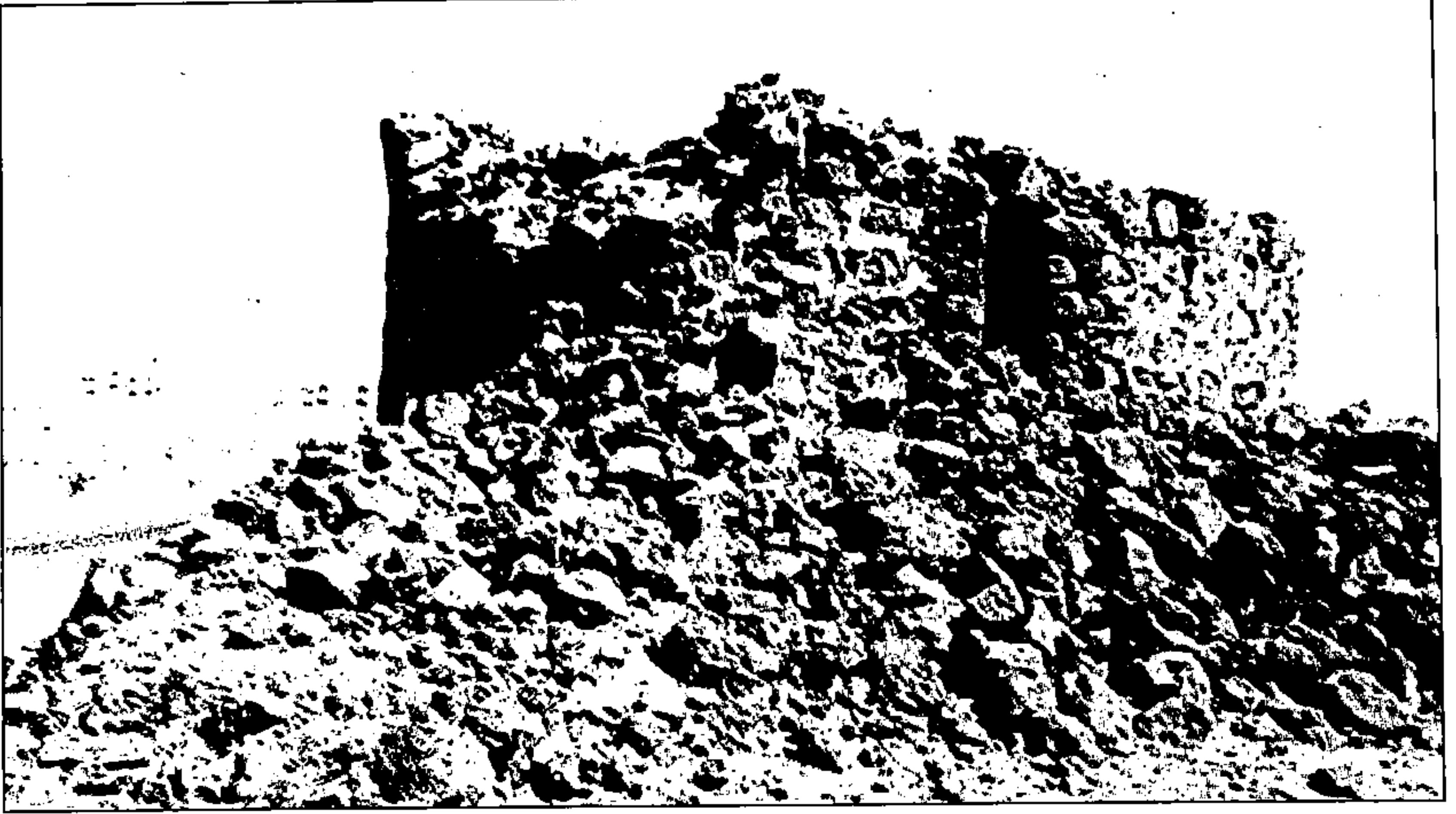
مسجد المنارتين : عنده رأى النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم شاة ميتة قدانتنت فأمسک الصحابة أنوفهم من رائحتها فقال رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلّم : للدنيا أهون على اللهمن هذه على صاحبها

The Mosque of the two Minarets: This is where the Prophet (P.B.U.H.) and his companions (R.A.T.A.) passed by the rotting carcass of a sheep, when the Companions(R.A.T.A.) held their noses, the Prophet(P.B.U.H.) remarked "The world is of less value to Allah than this sheep to its owner."
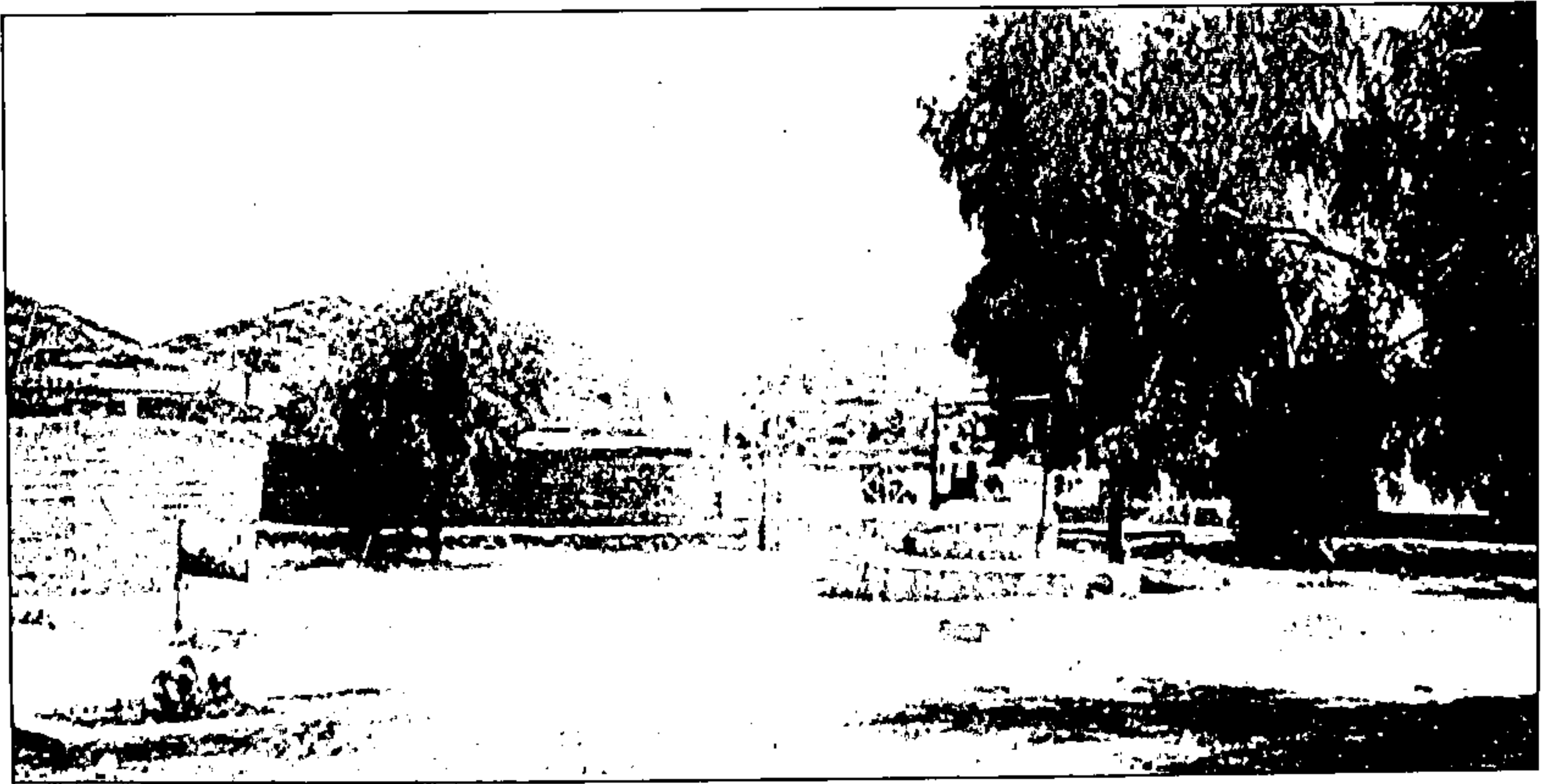
اٰبار على: بجوار مسجد الميقات وقد حفرها سيدنا على بن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه اثناء اقامته فى منطقة ذى الحليفة فى عهد الخليفة سيدنا عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه .

Ali's wells (Abyar Ali): Dug by Ali ibn Abi Talib(R.A.T.A.) when he lived in Dhul Hulayfa near the Miqat mosque during the caliphate of Uthman.(Usman R.A.T.A.)
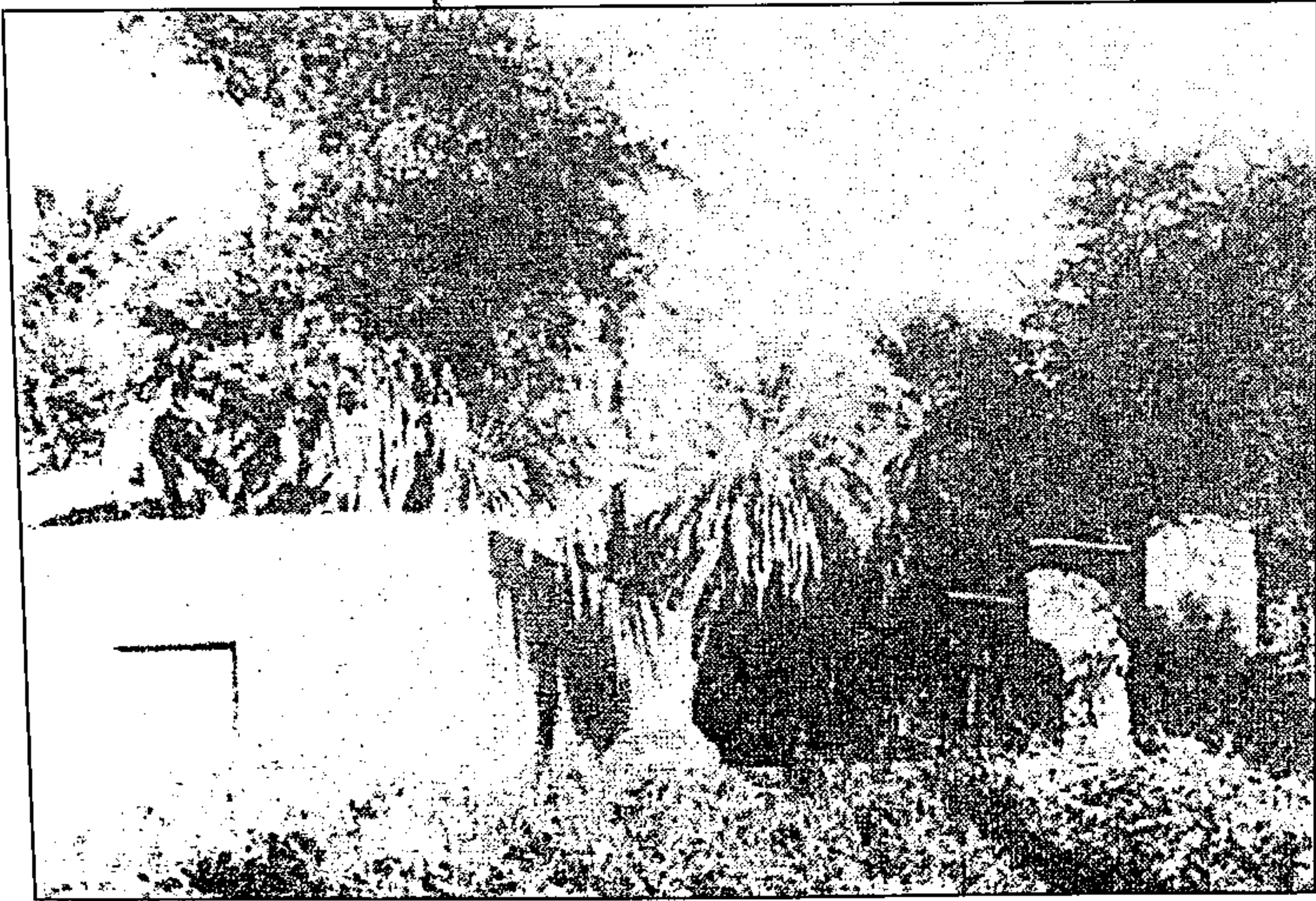
بئر غرس: جاء اليها النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و دعا بدلو ماء من مائها فتوضا منه وسكبه فيها و بزق فيها و اُهدی له عسل فصبه فيها، وورد فيها قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نعم البئر بئر غرس هی من عيون الجنة و ما وها اطيب المياه و قوله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم "رأيت الليلة انی اصبحت علی بئر من الجنة فاصبح علی بئر غرس، و عن سيدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم "اِذا انا مت فاغسلونی بسبع قرب من بئری بئر غرس."

The well of Ghars: From which the Prophet (P.B.U.H.) drank and made his ablution. He also spat in it once and poured in some honey he had been given. He (P.B.U.H.) said "it was a fountain of paradise and bid them wash him with seven waterskins from its water after his death."
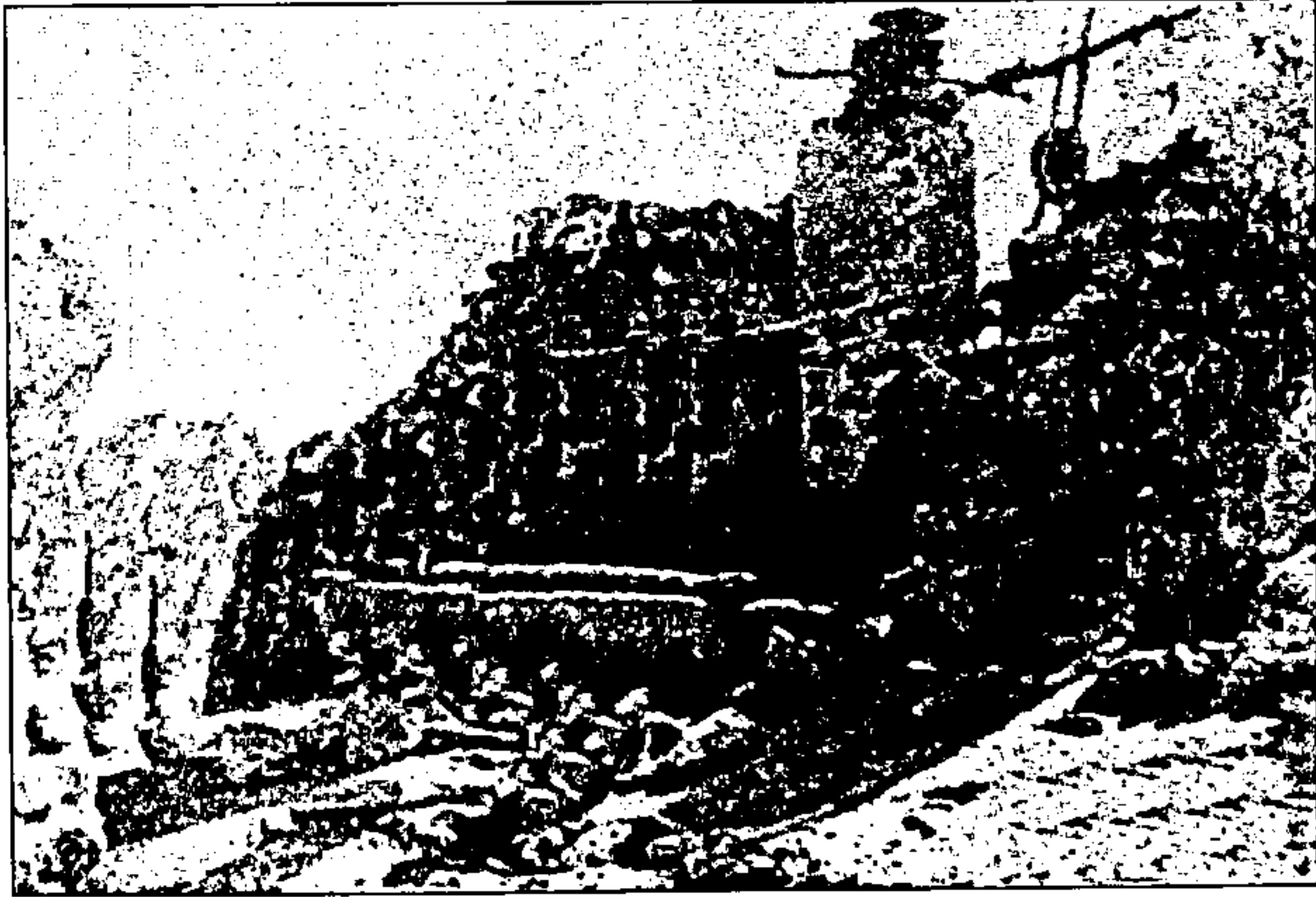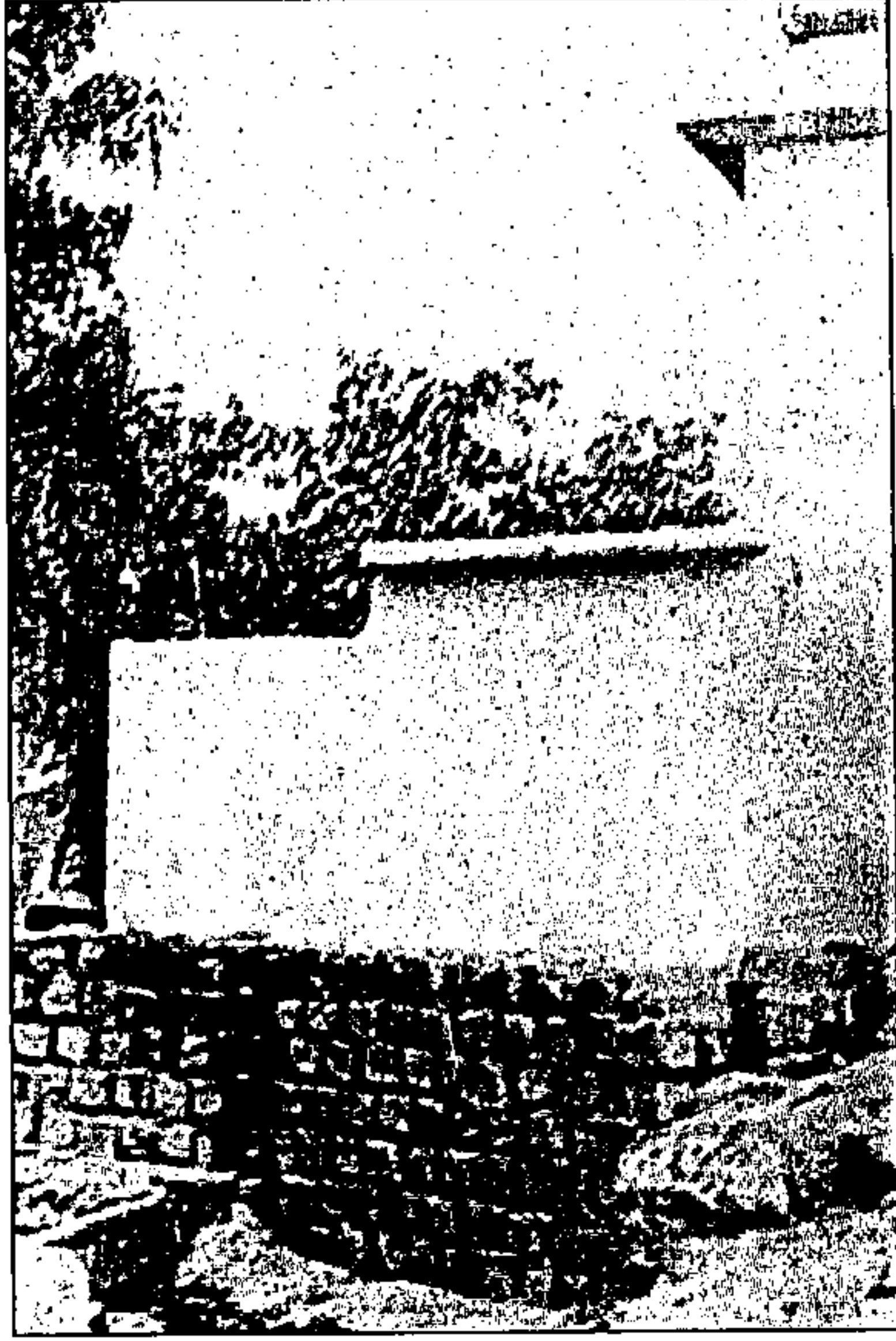
بئر رومه: کانت لرومه الغفاری ولم یکن بالمدینة ماء یستعذب غیرها و کان یستغل المسلمین فقال النبی صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم : من یشتری بئر رومة فیجعلها للمسلمین یضرب بدلوہ فی دلائهم وله بها شرب فی الجنة و قال صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم من اشتری رومة فله مثلها فی الجنة ثم طلب مالکها وقال له بغیها بعین فی الجنة فقال الرجل : یا رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم لیس لی ولا لعیالی غیرها، فبلغ الخبر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنه فاشتراها وهب مائها للمسلمین بلا ثمن وجاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم وقال له: یا رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم اتجعل لی مثل ما جعلت لرومة عیناً فی الجنة فقال له النبی صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم : نعم ، وقال النبی صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلّم : نعم الصدقة صدقة عثمان ، وسمیت بعد ذلک ببئر عثمان.

The Ru-ma well: It belonged to a man named Ruma who exploited the need of the surrounding Muslims for water and sold it to them expensively. Usman (R.A.T.A.) (Uthman) bought it and gave it to the Muslims, after which it was named the well of Usman (Uthman)(R.A.T.A.)
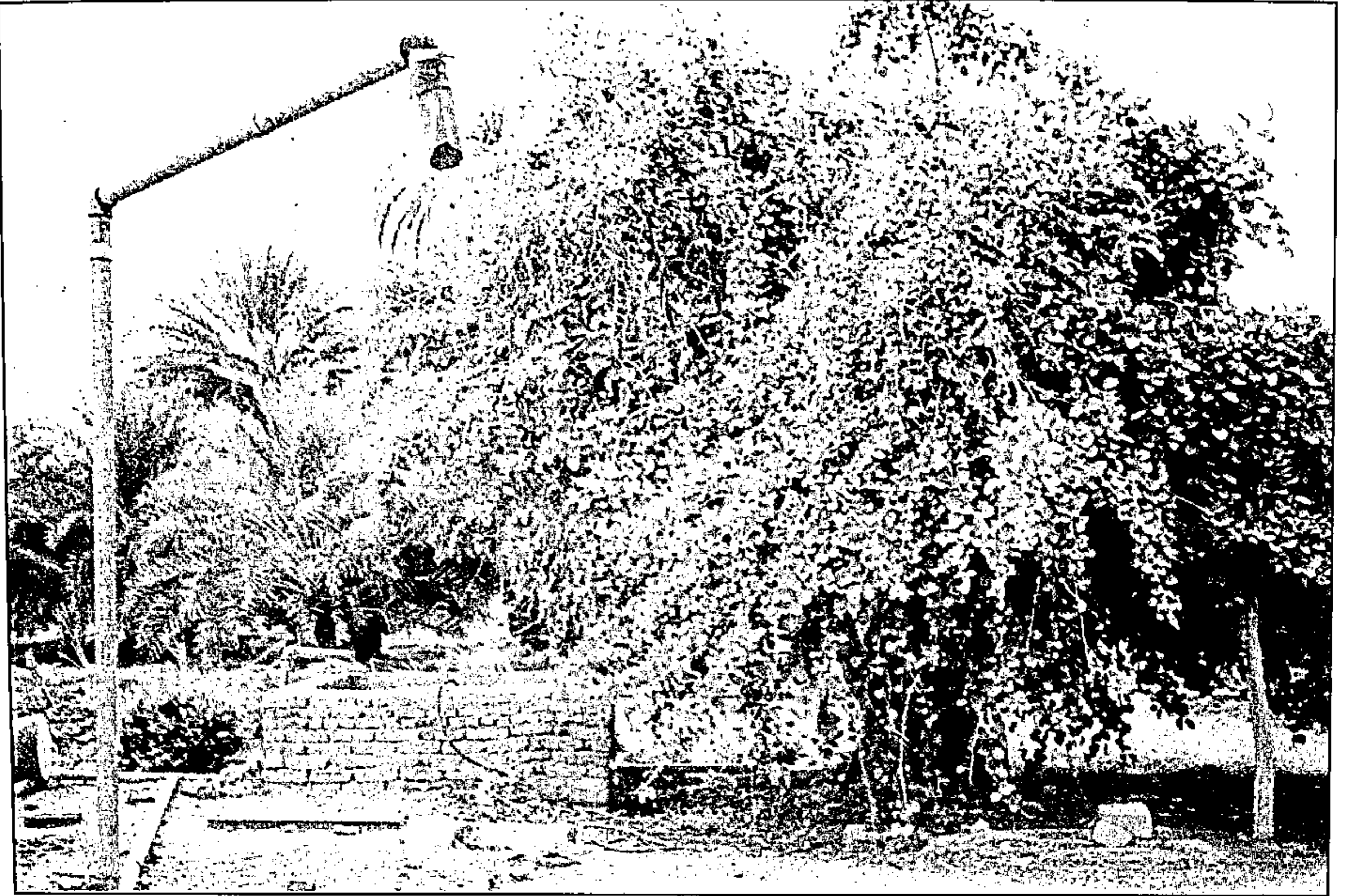
ر الهجيم : عن سیدنا افلح بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فی مسجد التوبة بالعصبة بئر هجيم والبئر الآن بجوار المسجد بمنطقة قباء

The well of al-Hajim in the Quba area: Next to the well is Masjid al-Tawba where the Prophet(P.B.U.H.) prayed.
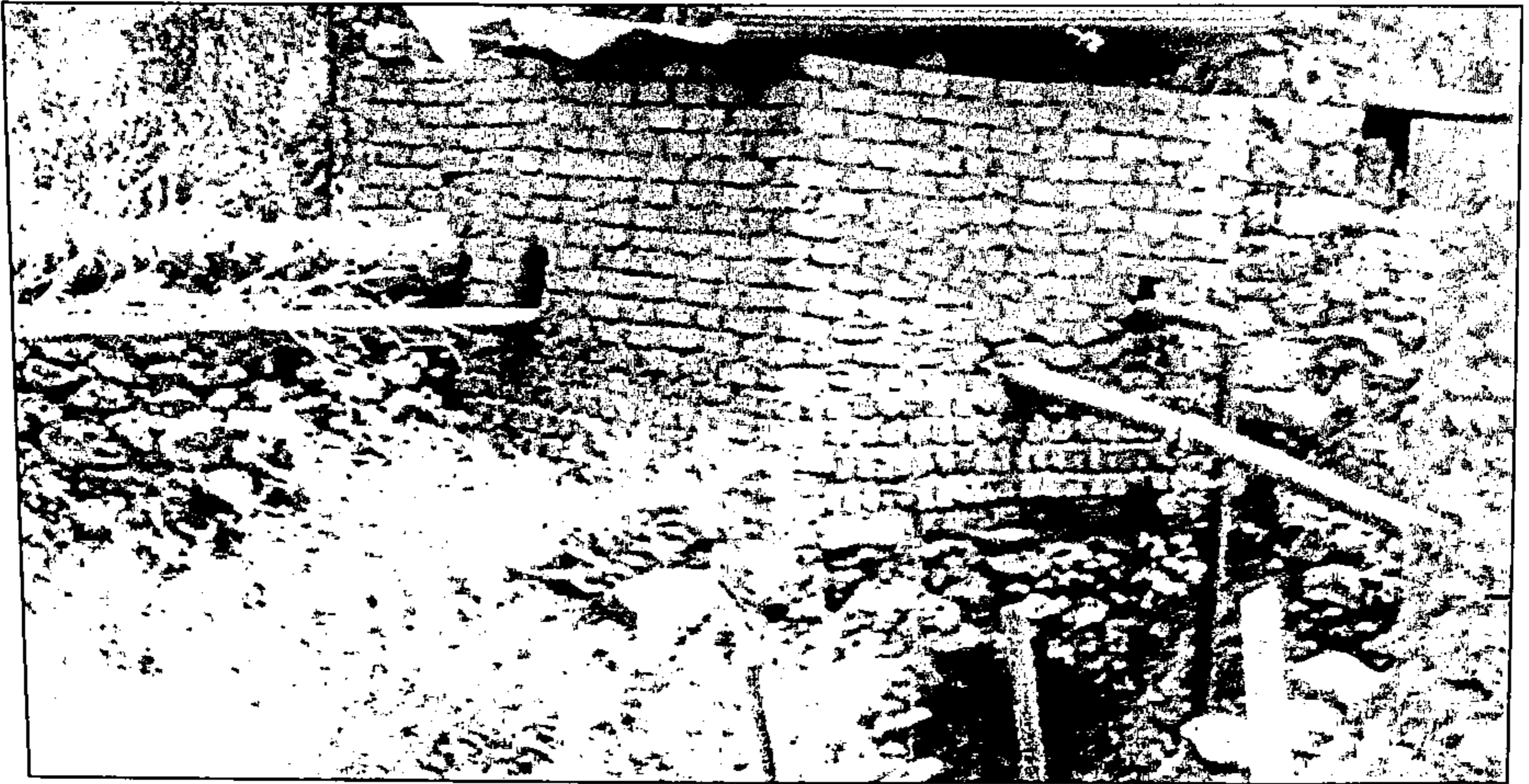
بئر البوصة: كانت لسيدنا ابی سعيد الخدری رضی اللہ تعالیی عنه و غسل النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم راسه من مائها و صب غسالة راسه وما بقی مما سقط من شعره الشريف فيها

The well of al-Bu sa: Which belonged to Abu Sa-id al-Khudri (R.A.T.A). The Prophet (P.B.U.H.) washed his head with its water and poured the rest of the water, with the few hairs that fell from his head, back into it.
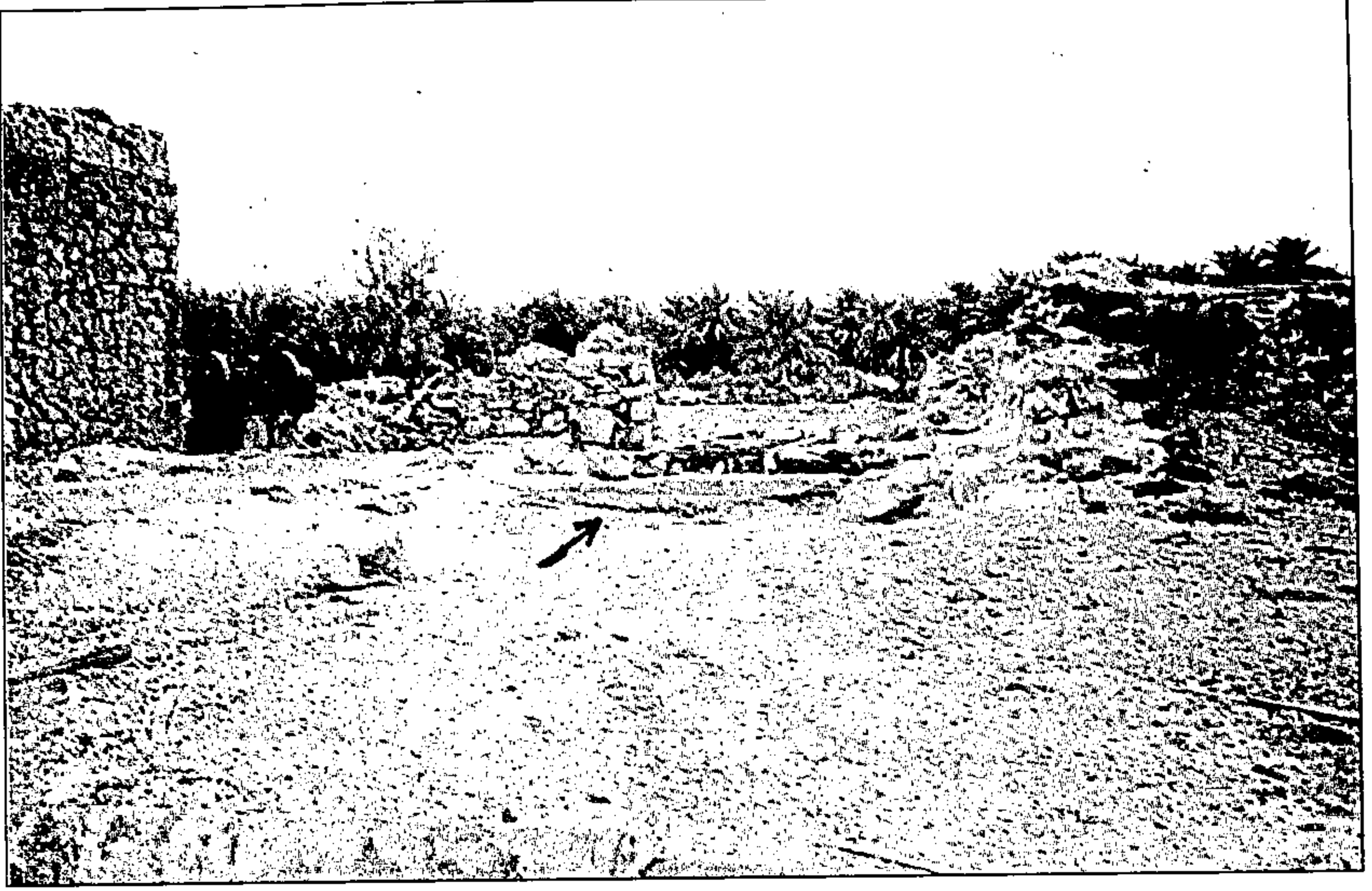
بئـر العهن (بئر اليسيرة) : جاء رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم بنى امية بن زيد فوقف على بئر لهم فقال: ماسمها؟ قالوا : عسيرة ، قال: لا ولكن اسمها اليسيرة ، وشرب و توضأ منها و بصق فيها ودعا لها بالبركة.

The well of al Ihn or al Yasira: The Prophet (P.B.U.H.) inquired about its name and was told it was Asira (difficult or hard), he said: "No, its name is al-Yasira (easy or soft)". He drank and made his ablution from it and also spat in it and prayed for Baraka.
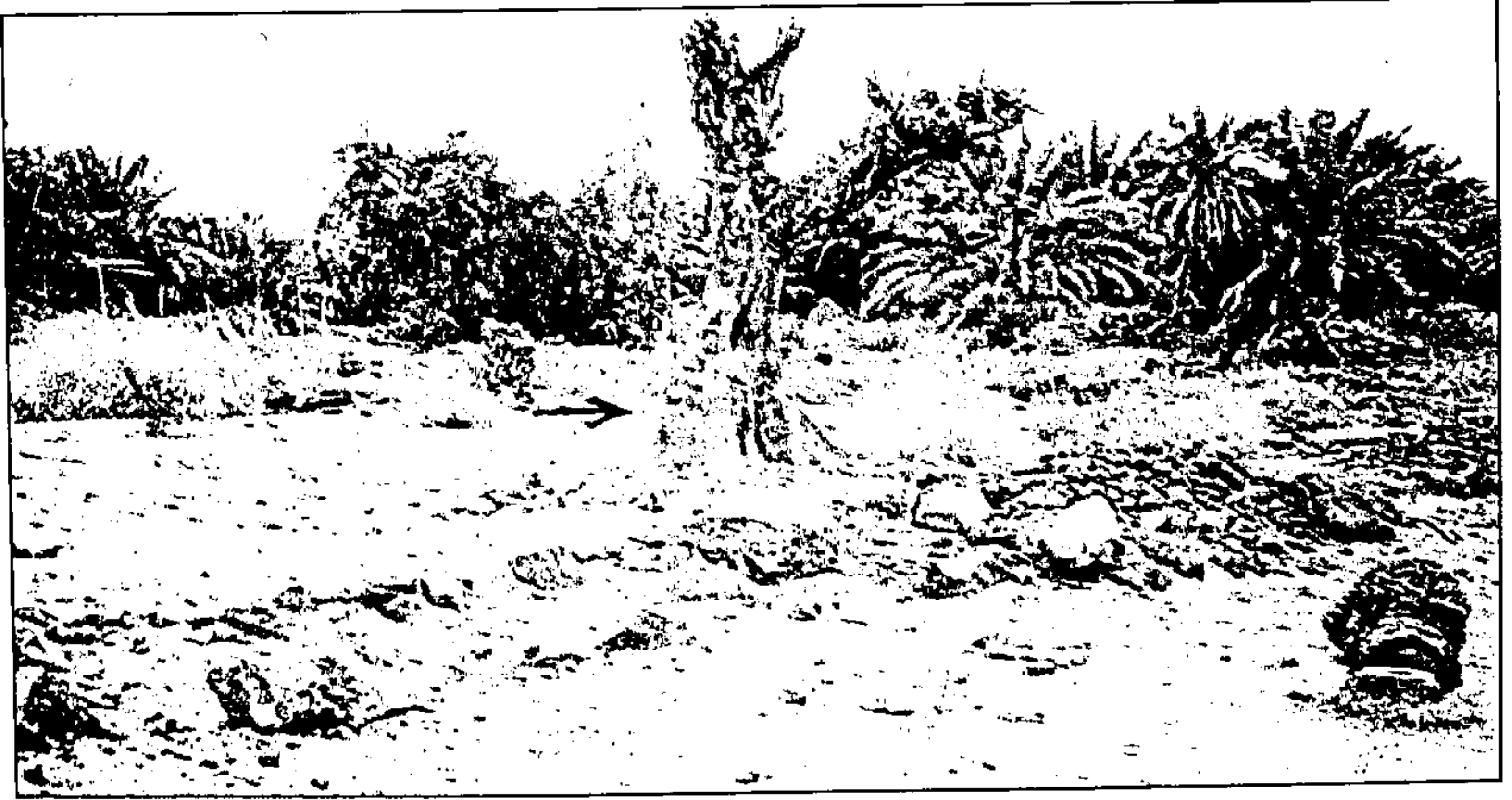
بئر العهين: بجوار بئر العهن و يفصلهما شجرة سدر (الموجودة بالصورة)

he well of al-Uhyhin: Separated by a lote tree from al-Ihn. Some scholars are of the opinion that this well is -Yasira not the previous one.

Marfat.com
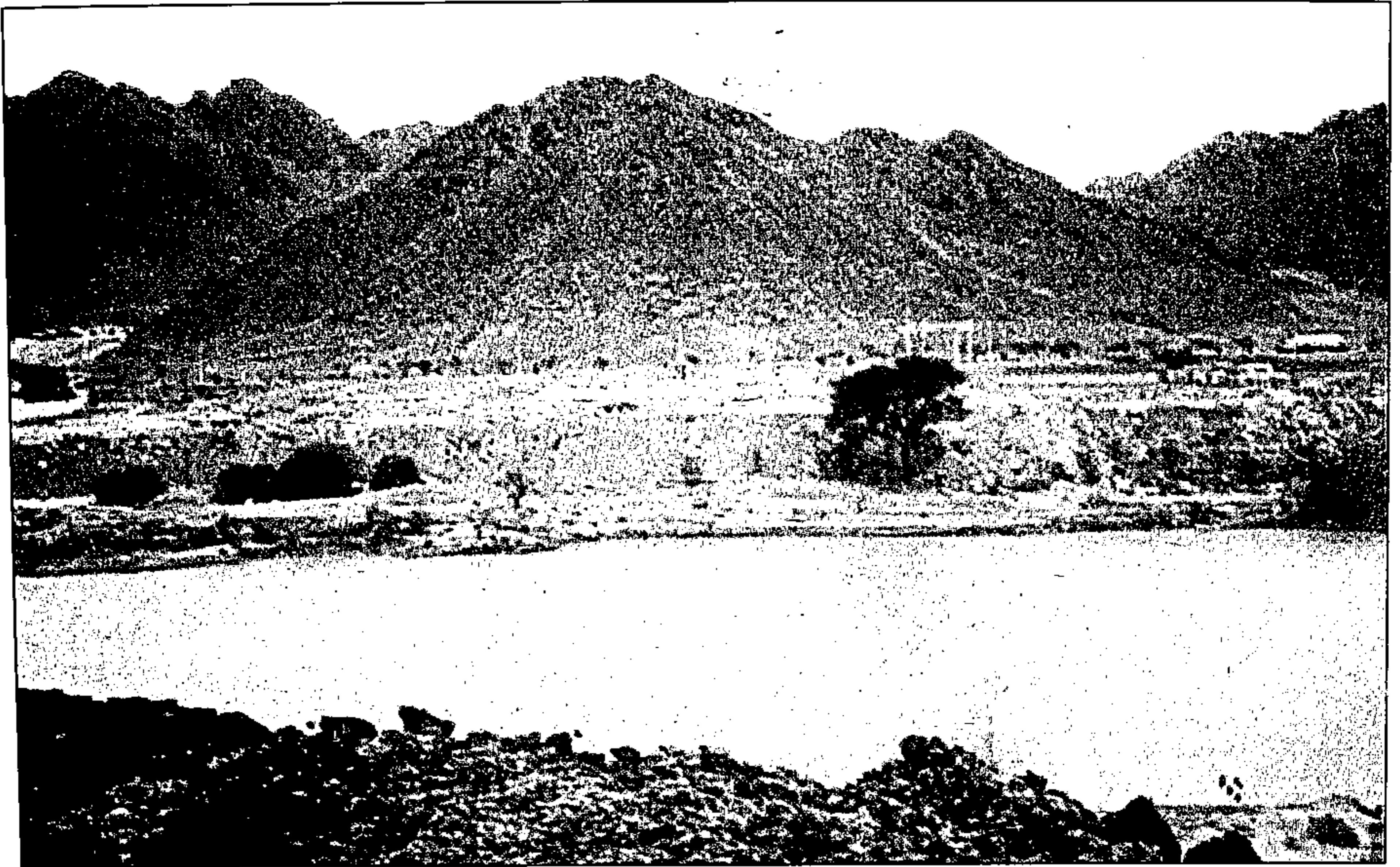
وادی الـمـکیمن: ورد فی اثر نبوی شریف اذا سال المکیمن فذلکم الربیع فذلکم الربیع وکانت ترعی فیه ابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و فیه منازل سیدنا ابی هریره رضی اللہ تعالیٰ عنه .

The Valley of al-Mukaymin: "When al'Mukayamin is flooded" said the Prophet (P.B.U.H.) "This is spring time, this is springtime!" In this valley the camels of the Prophet (PBUH) were sent to graze and Abu Huraraya(R.A.T.A) had his house.

وادی بـطـحـان: زار النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنه مریضاً فاخذ من تراب بطحان فجعله فی قدح ثم نفث علیه بماء وصبه علیه، وورد فبه قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بطحان علی برکة من برک الجنة"

The Valley of Bothin: About it the Prophet (PBUH) said : "Bothan is on a pool of paradise". When he (PBUH) visited Thabit (Sabit) ibn Qays (R.A.T.A.) there when he was ill, He (P.B.U.H.) took a handful of dust from Bothan, put it in a cup, blew some water from his mouth into it then poured it on him.

Marfat.com
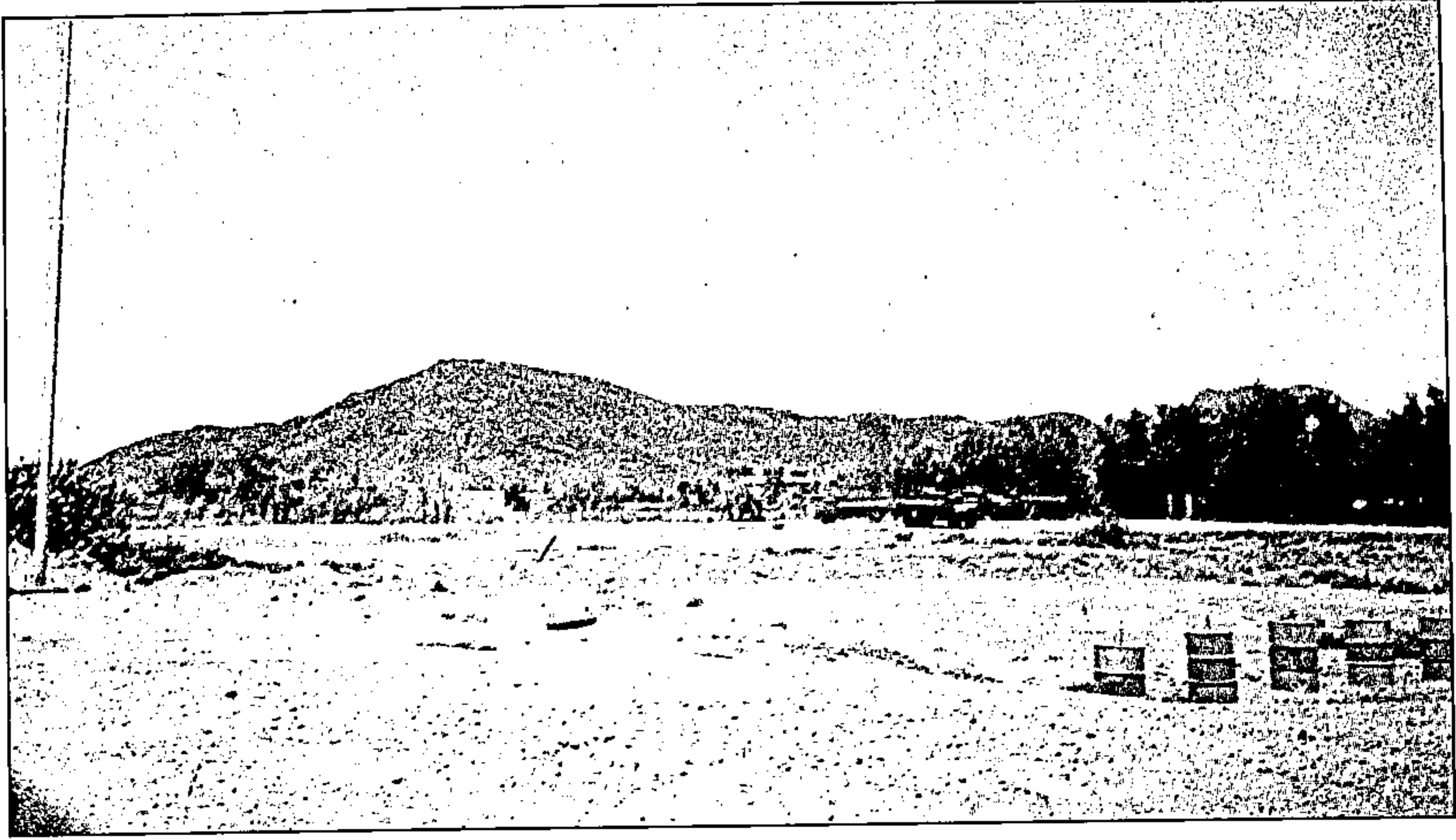
جبل ثور حد المدينة الشمالى، و قال النبى صلى الله عليه وآله وسلّم المدينة حرم ما بين عير الى ثور فمن احدث فيها حدثاً او اوى محدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين

The mountain of Thawr: The northern boundary of the sacred area of Madina "Madina is forbidden", said the Prophet "from ayr to Thawr".
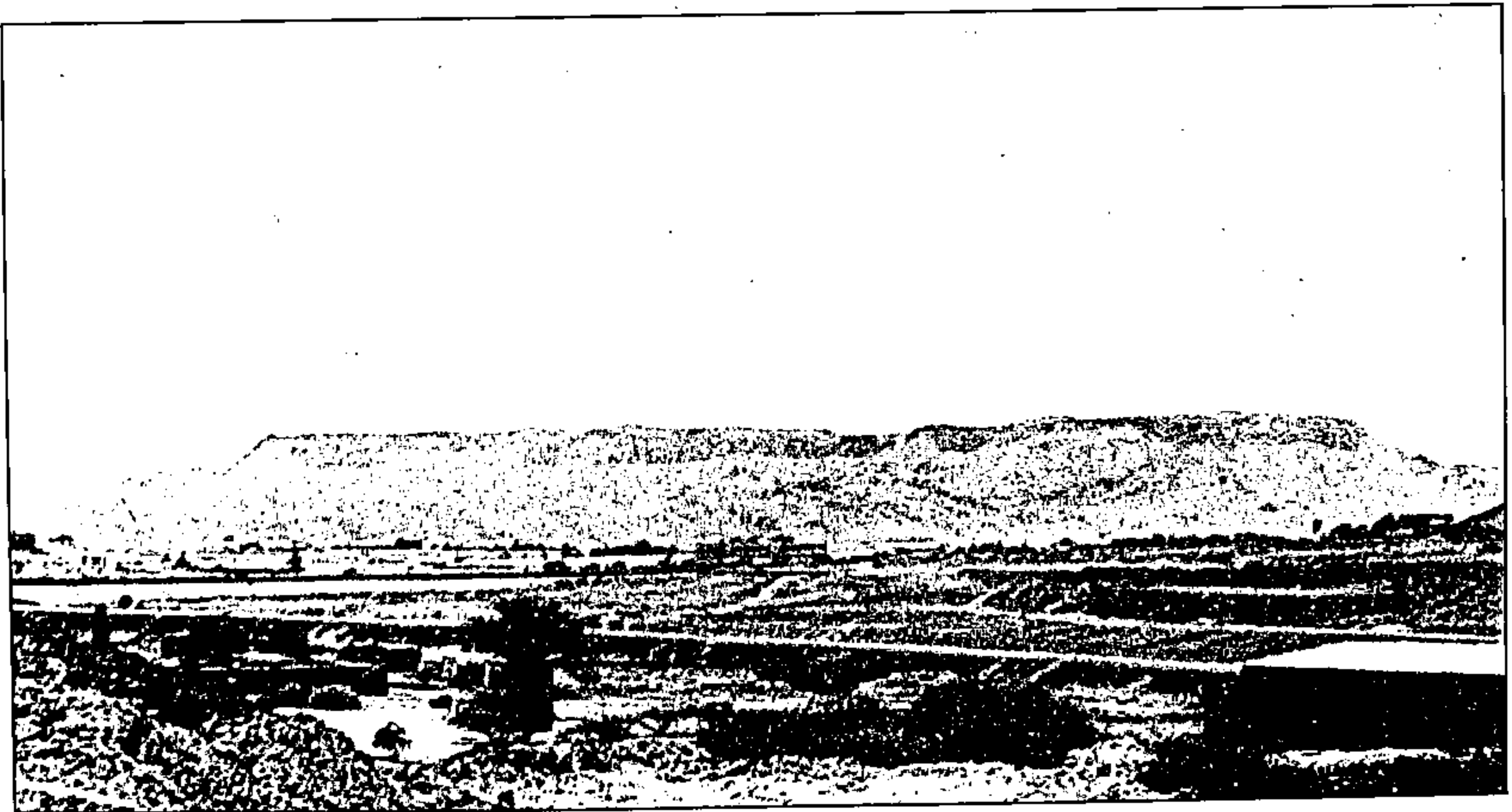
جبل عير : من حدود المدينة المنورة الجنوبية والتى حرم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم ان يقطع غضاها(شجرها) او يقتل صيدها وهو المقصود فى قول النبى صلى الله عليه وآله وسلّم اللّهم انى احرم ما بين جبليها مثل ما حرم ابراهيم مكة و فيه ورد قول رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم وهذا عير يبغضنا و نبغضه على باب من ابواب النار.

The mountain of Ayr. The southern boundary of Madina. The Prophet (P.B.U.H.) said "This is Ayr, it detests us and we detest it, it is on the gates of Hell".

ارض القرآن اور ملحقه ممالک

آسيا
الصين
التبت
الهند
بورما
تايلاند
فيتنام
كمبوديا
بحر الصين الجنوبي
ماليزيا
اندونيسيا
خليج البنغال
بحر العرب
سري لانكا
المحيط الهندي
استراليا
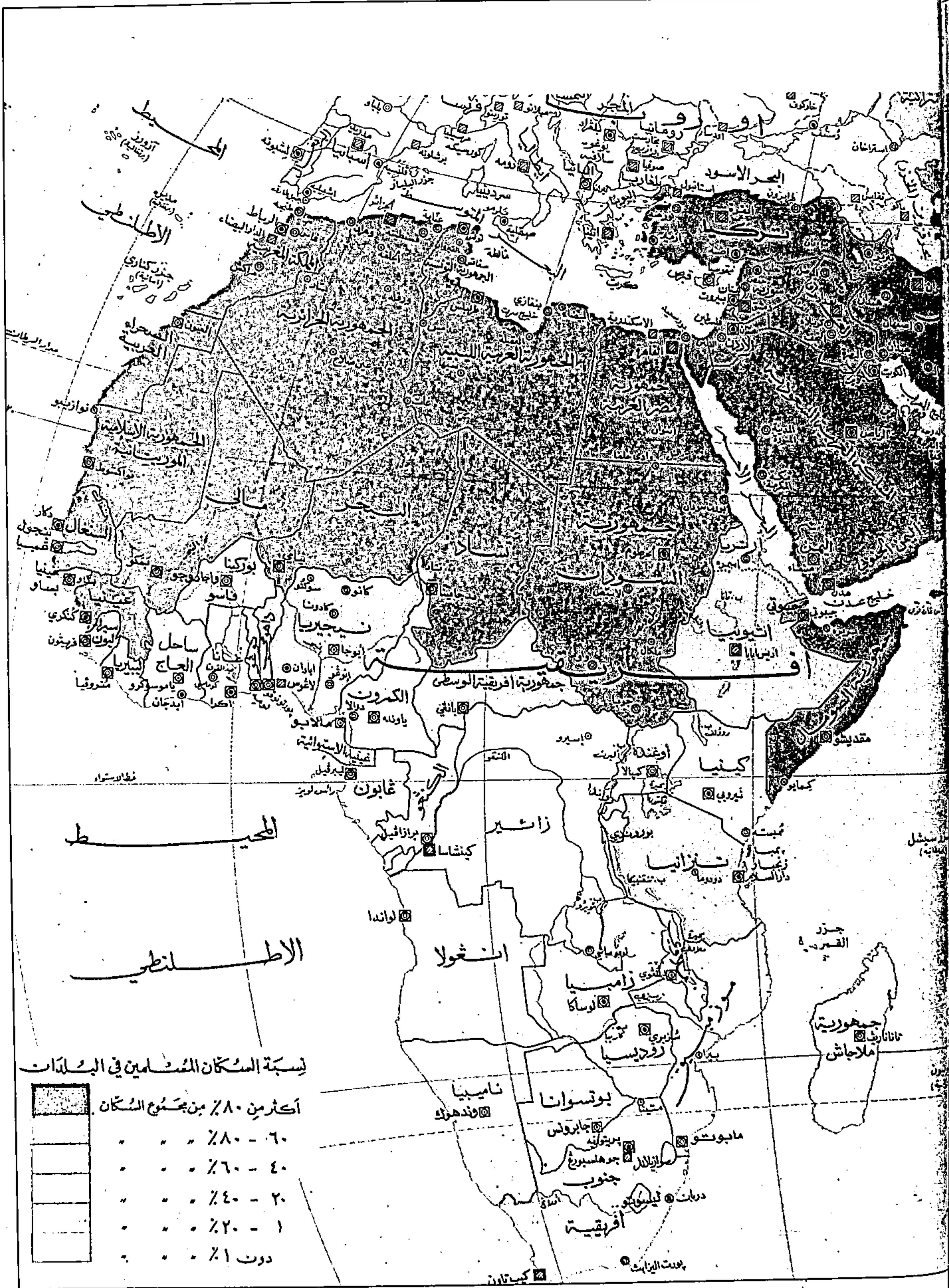
نسبة السكان المسلمين في البلدان

- أكثر من ٨٠٪ من مجموع السكان
- ٦٠ - ٨٠٪ " " "
- ٤٠ - ٦٠٪ " " "
- ٢٠ - ٤٠٪ " " "
- ١ - ٢٠٪ " " "
- دون ١٪ " " "

الوديان

مقياس الرسم ١ : ١٨,٠٠٠,٠٠٠

كلم ٠ ٢٠٠ ٤٠٠ ٦٠٠

المياه الجوفية

مياه وفيرة

مياه متوسطة الوفرة

مياه شحيحة أو معدومة

مقياس الرسم ١ : ١٨,٠٠٠,٠٠٠

كلم ٠ ٢٠٠ ٤٠٠ ٦٠٠
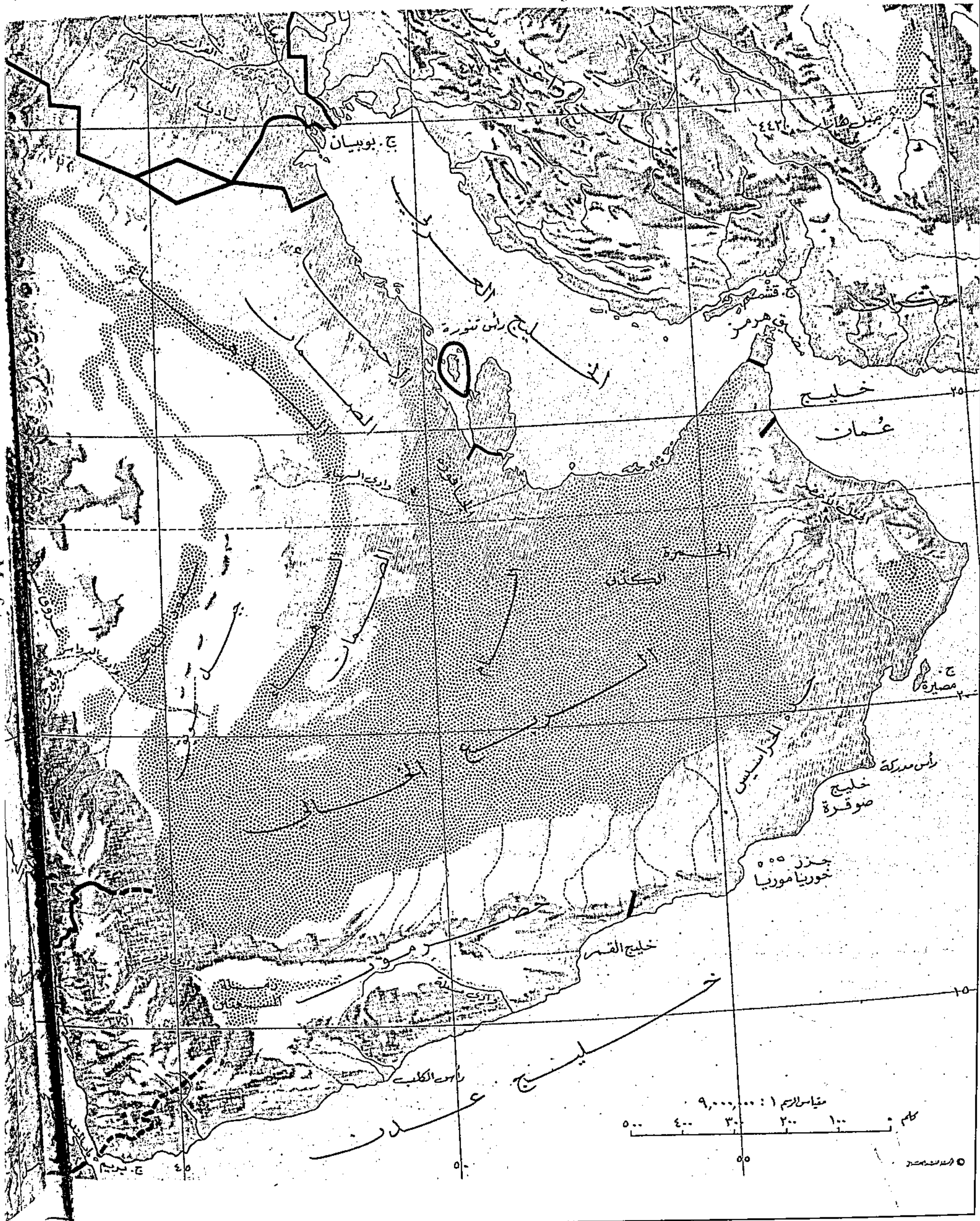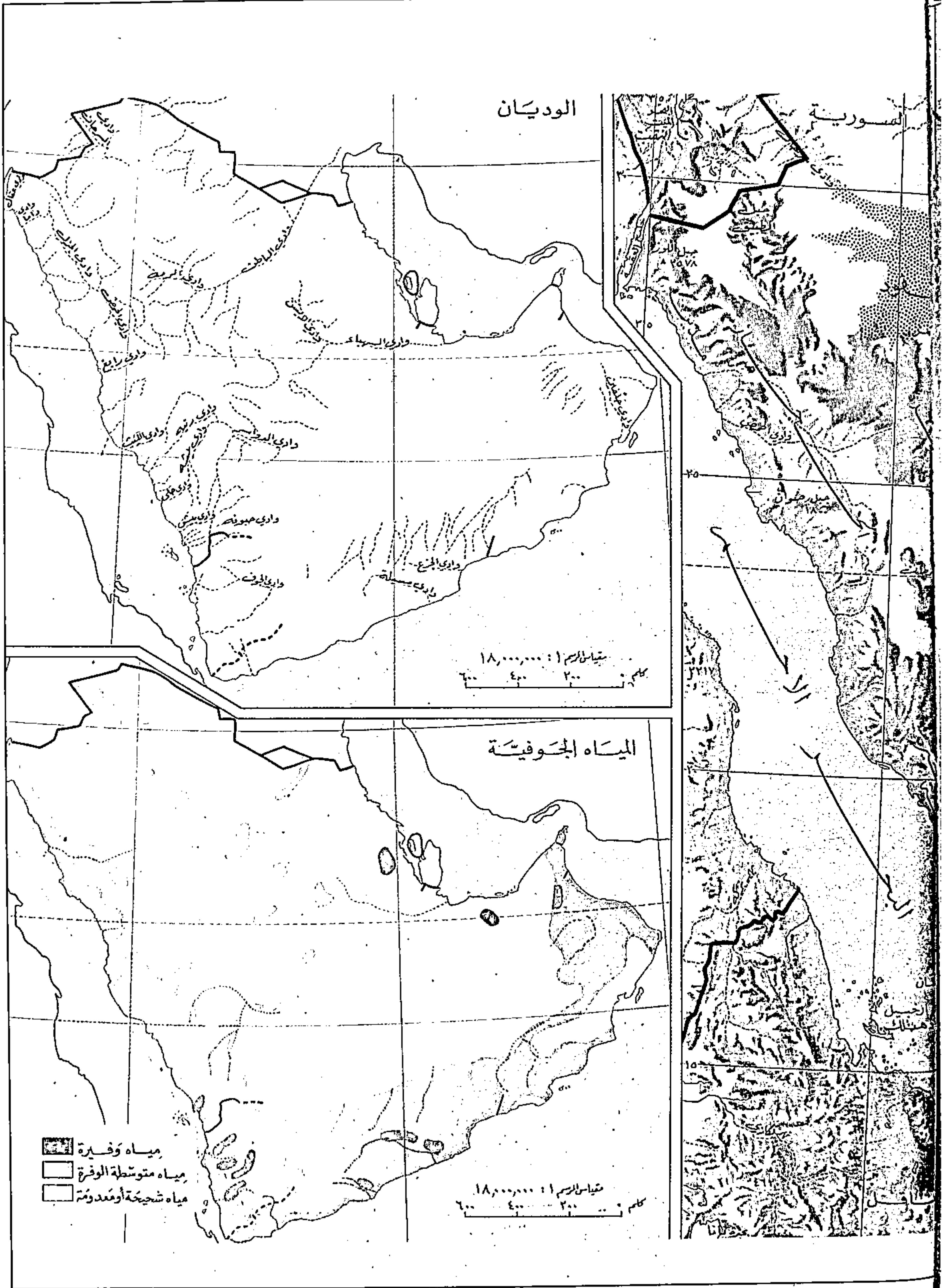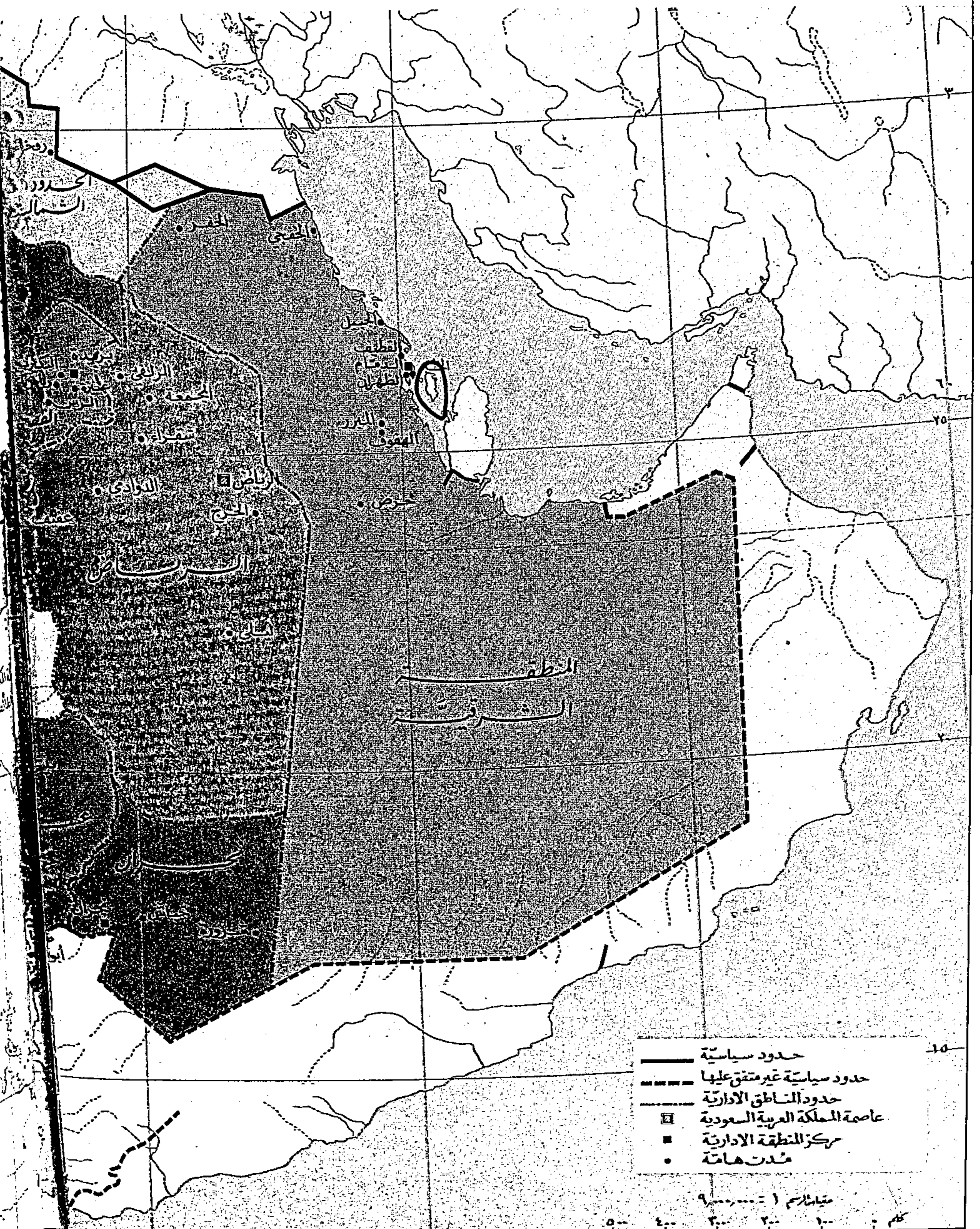
نقشه عرب ممالک
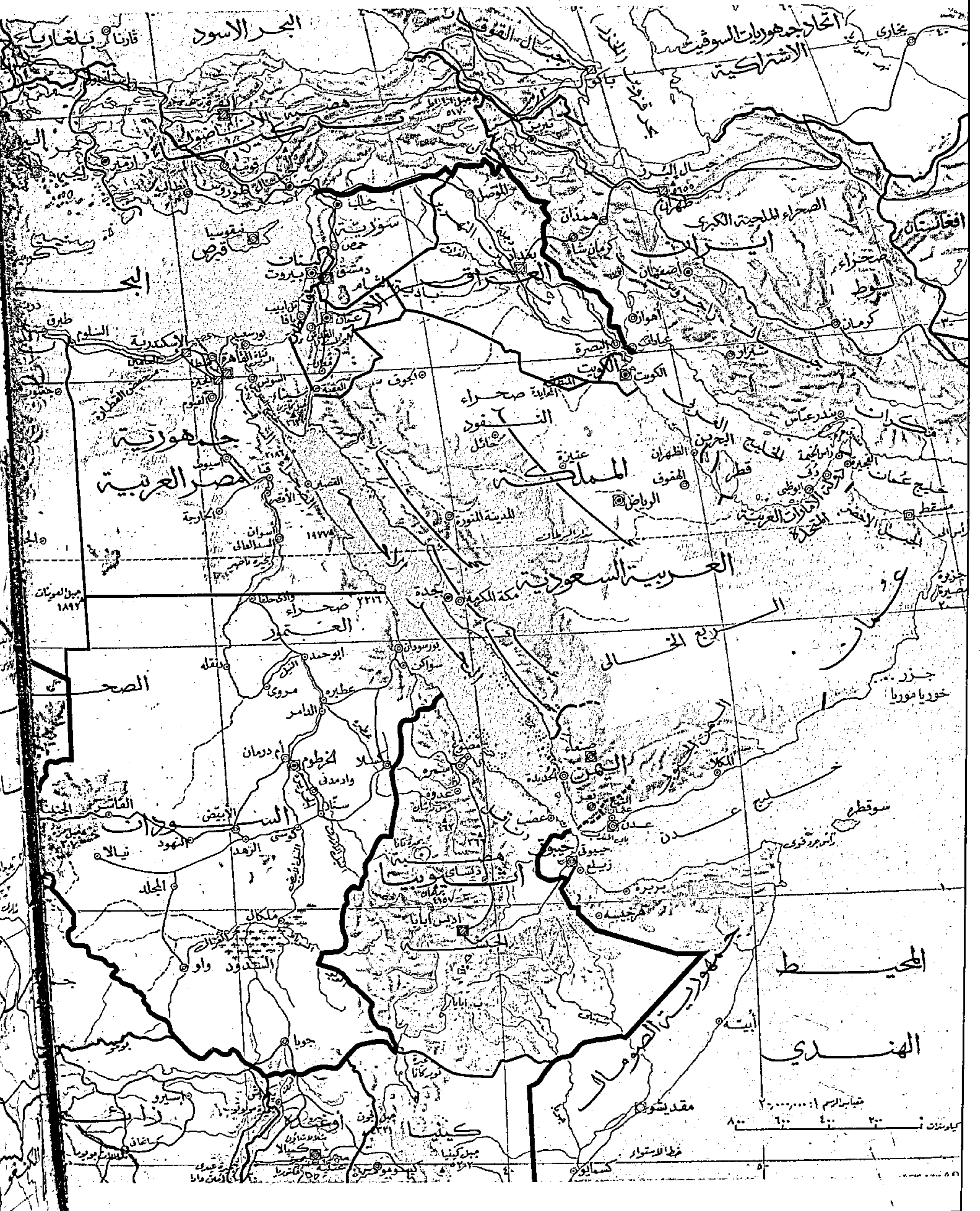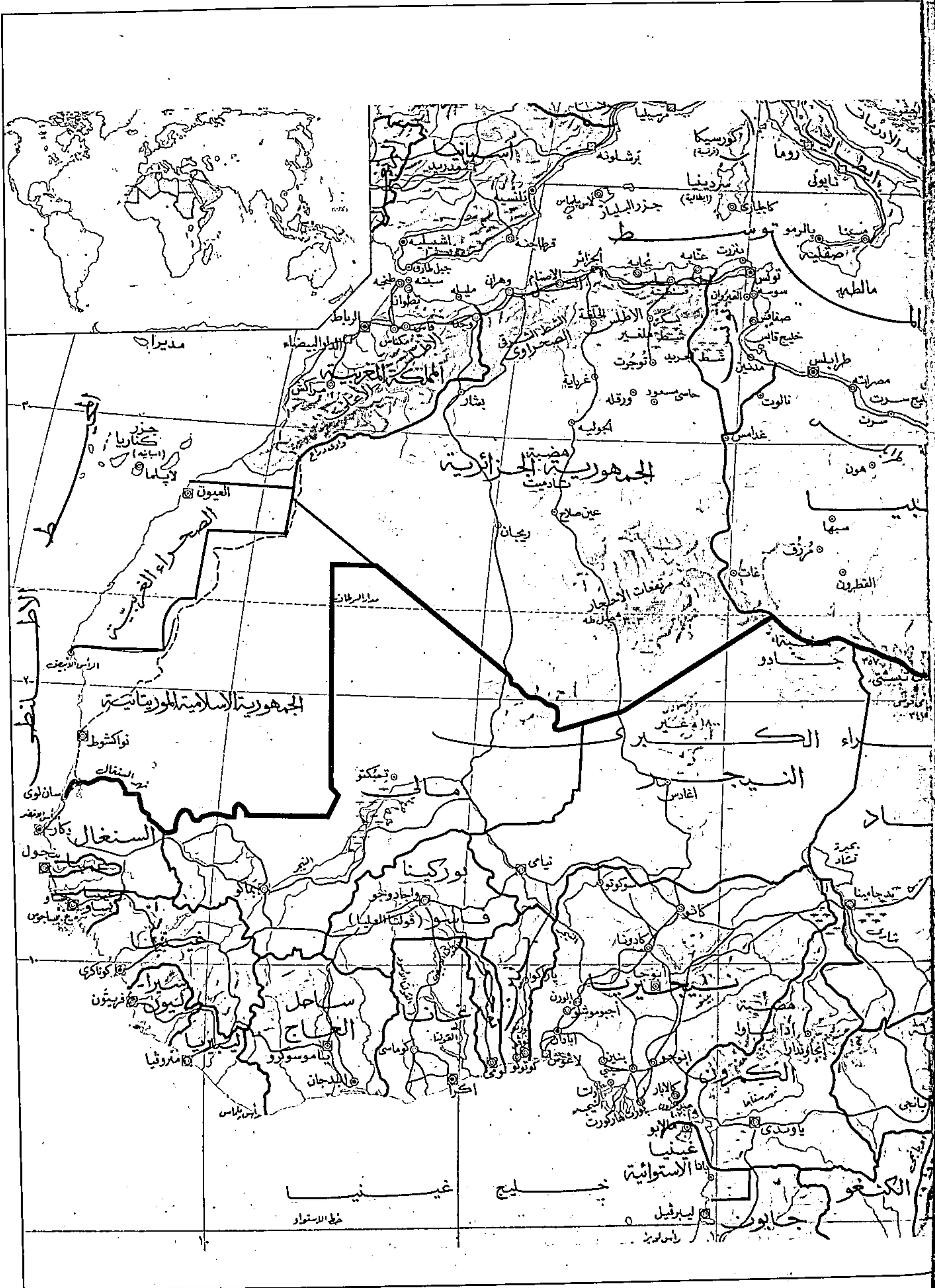
اردن اور فلسطین

استغلال الأرض
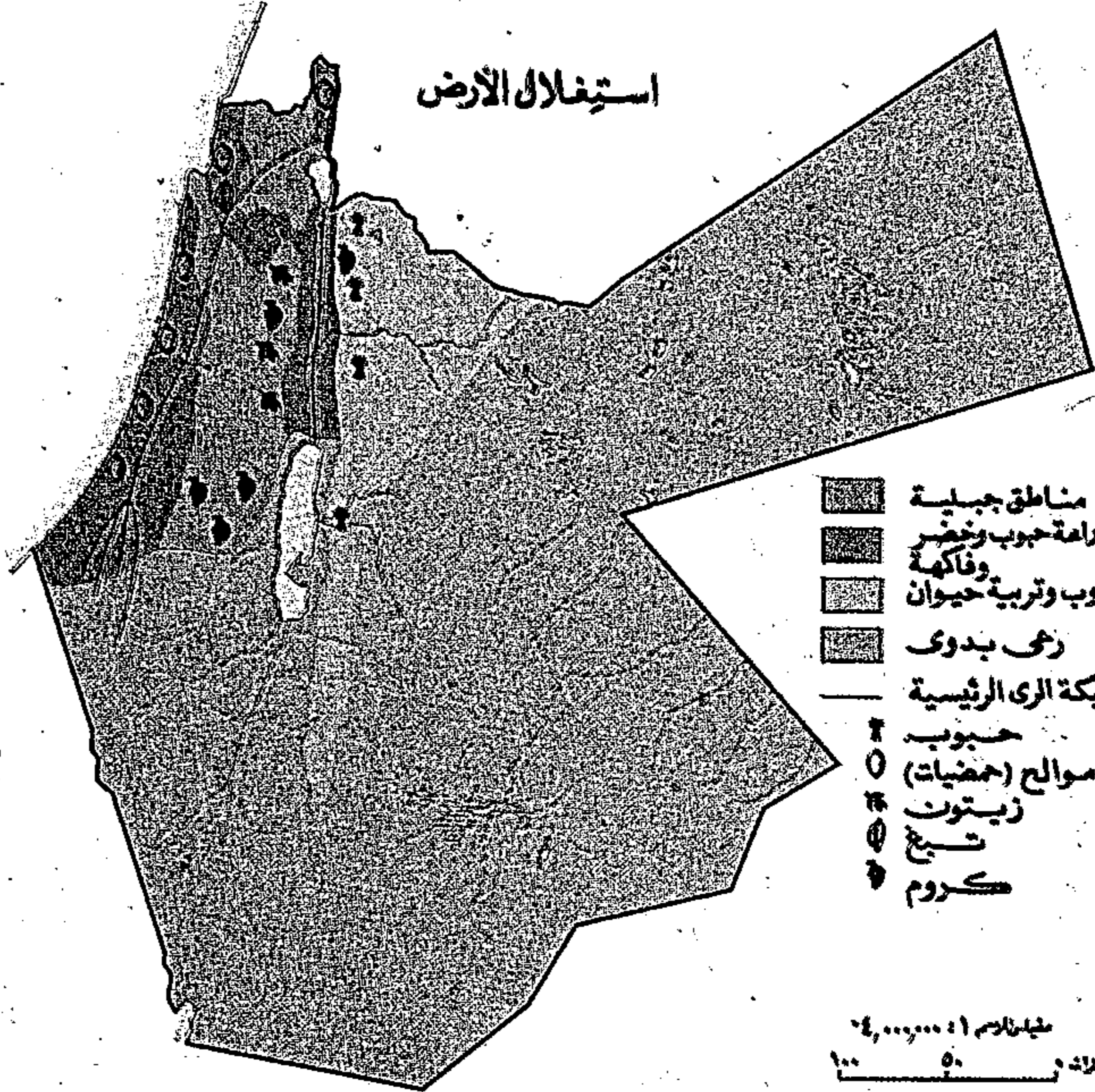
المعادن والصناعات

Marfat.com
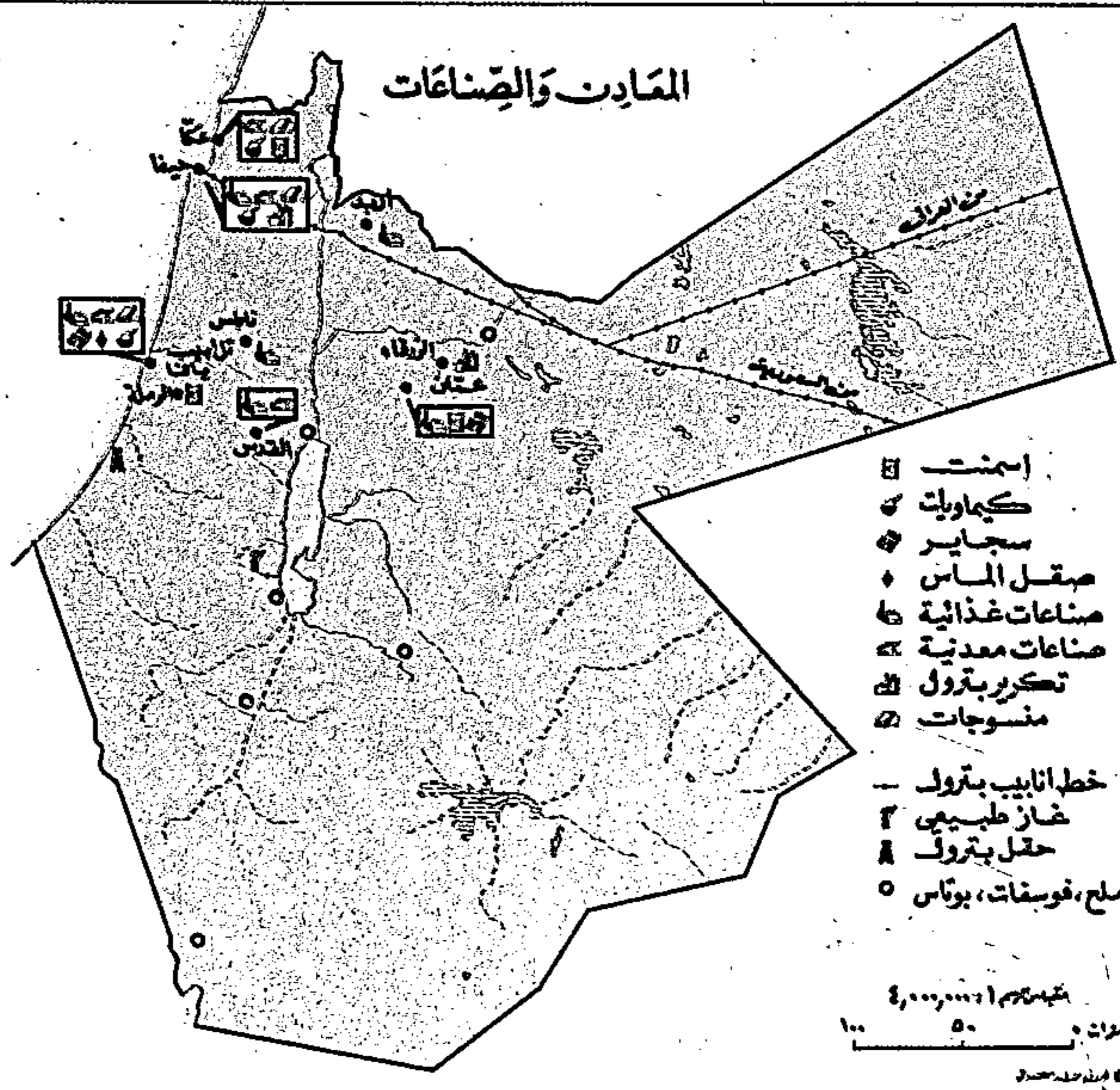
البحرالمیت یعنی بحرلُوط(Dead Sea) کا طول تقریباً پچاس میل اور اوسط عرض آٹھ میل ہے سطح سمندر سے 1290 فٹ نیچے شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔
دریائے اردن کا اس میں ایک ارب تیس کروڑ گیلن پانی روزانہ گرتا ہے لیکن گرمی کی شدت سے بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے اس طرح سطح آب وہیں رہتی ہے
بحیرہ میت میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا اس کے کنارے واقع پہاڑی میں غار دریافت ہوئے ہیں جن میں سے قدیم کتب سماوی کے کچھ مخطوطے ملے ہیں۔
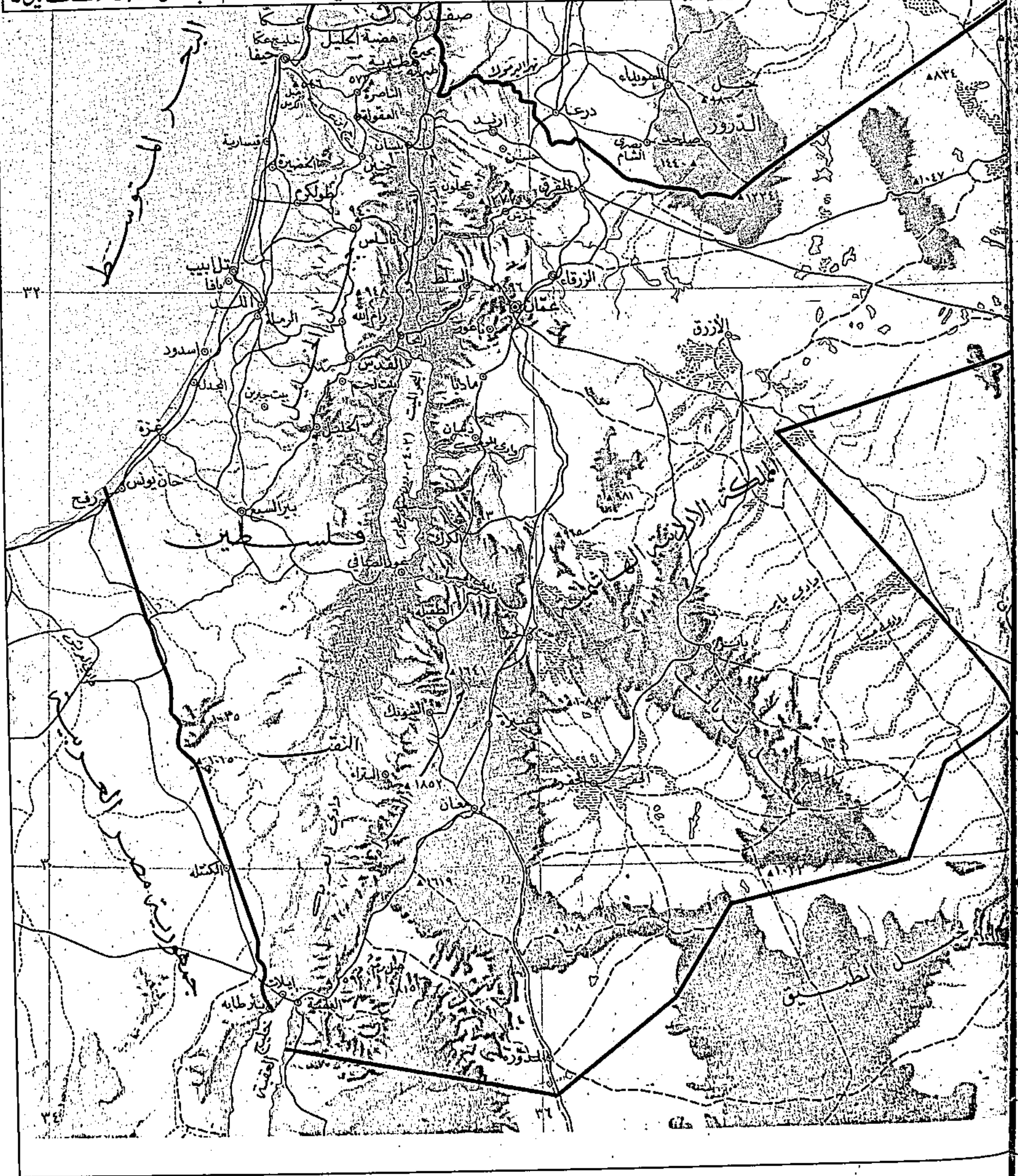
سلطنت کندہ (قبل اسلام کے عربی تمدن کا مرکز)

کندہ کا دارالحکومت الفاؤ جو آج چھوٹی سی بستی ہے، جزیرہ نمائے عرب کے جنوب سے شمال اور شمال مشرق کو جانے والے قافلوں کی اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو سبا، معین، قتبان، حضر موت اور حمیر سے آتے تھے۔ دارالحکومت ہونے کے باعث الفاؤ کی بڑی شہرت تھی۔ یہ سلطنت 500 سال سے زیادہ عرصے تک پھولی پھلی۔ دولت کندہ کے اس عہد عروج میں عظیم شاعر امرؤ القیس نے شہرت پائی۔

جامعہ ریاض کی ایک ٹیم نے الفاؤ کے مقام پر 1972ء سے کھدائی کا آغاز کیا اور بازار، محل، معبد اور رہائشی علاقے کھود نکالے۔ اگرچہ یہ خطہ جغرافیائی طور پر بڑے تہذیبی سرچشموں سے دور تھا، اس کے باوجود اس نے تجارت وسیاست کا ایسا عمدہ نمونہ پیش کیا جس میں اردگرد کی تہذیبوں کے حسین ترین پہلو سمٹ آئے تھے۔
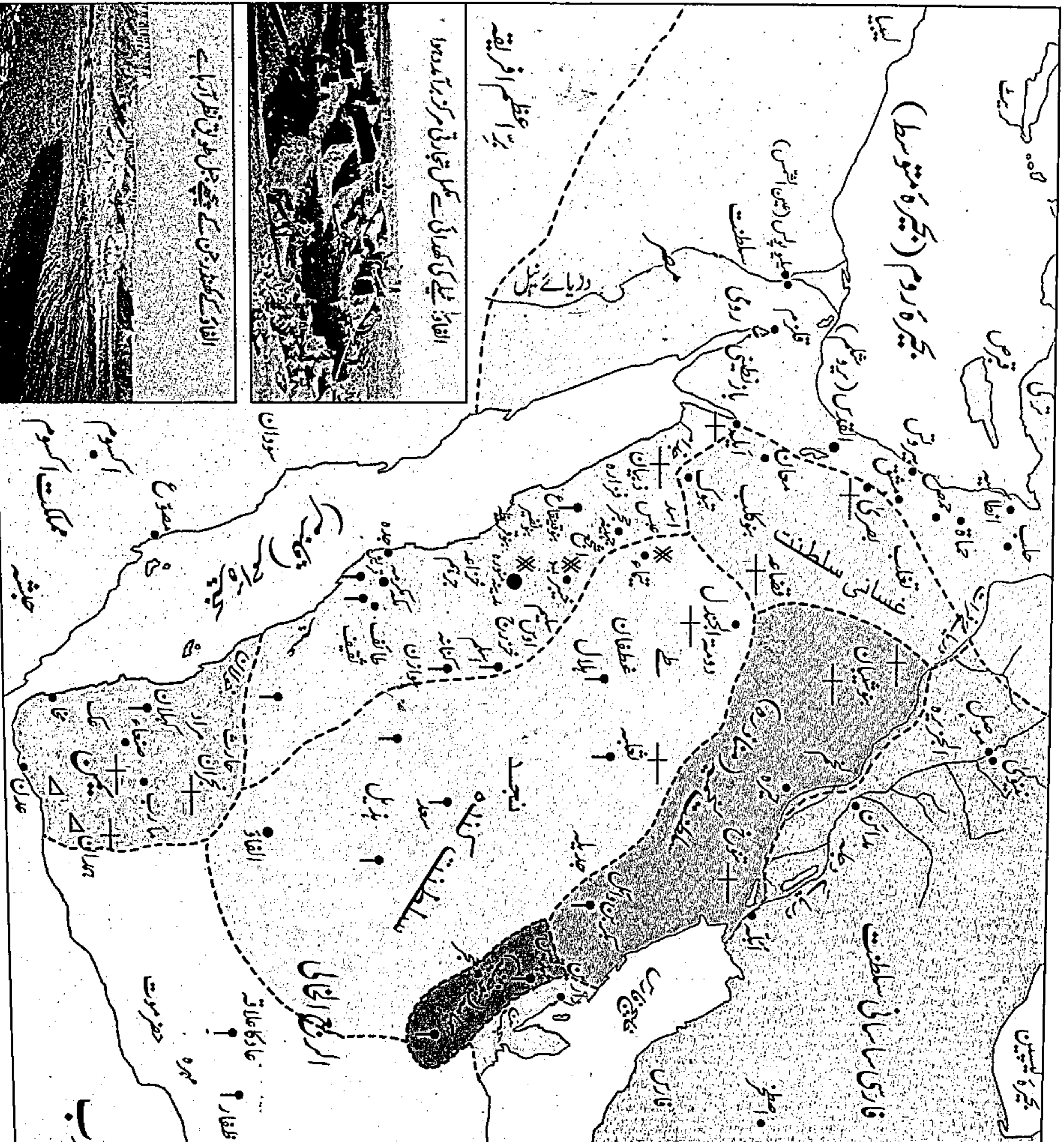
جزیرہ نمائے عرب (قبل اسلام)

سلطنتیں، قبائل اور مذاہب

اصطلاحات

- فارسی ساسانی سلطنت
- یمن اور بحرین (ماتحت فارس)
- بازنطینی رومی سلطنت
- عمان (جلندیہ)
- یمامہ
- غسانی سلطنت (ماتحت روم)
- مناذرہ (ماتحت فارس)

عیسائی — یہودی — مجوسی — بت پرست

بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط)

فارسی ساسانی سلطنت

بحیرۂ عرب

برِّ اعظم افریقہ

الفاؤ: ٹیلے کی کھدائی سے مکمل تجارتی مرکز برآمد ہوا

الفاؤ کے کھنڈر جن کے پیچھے جبل طویق نظر آرہا ہے

(از: اٹلس سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکتبہ دارالسلام الریاض سعودی عرب)

The holy carpet in the interior of the Kaaba.

کعبہ معظمہ بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ کا غلاف ۔1326ھ

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)
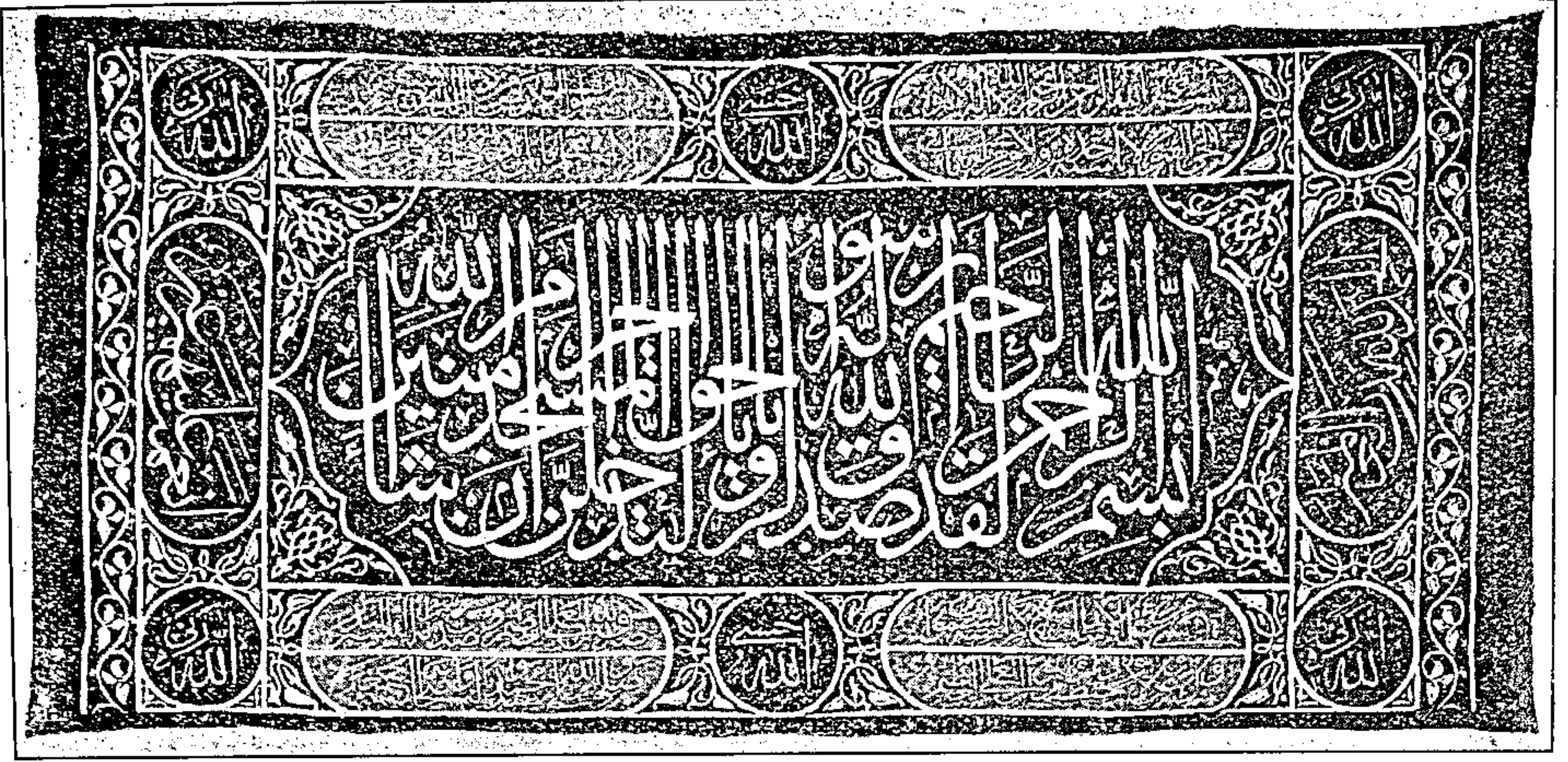
A view of the middle part of the curtain of the door of El Kaaba.

غلاف کعبہ۔ بیت اللہ شریف کے غلاف کا درمیانی حصّہ (1326ھ میں)

(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

The out-clothing of El-Kaaba.

غلاف کعبہ کا ایک حصہ (1326ھ)

(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com
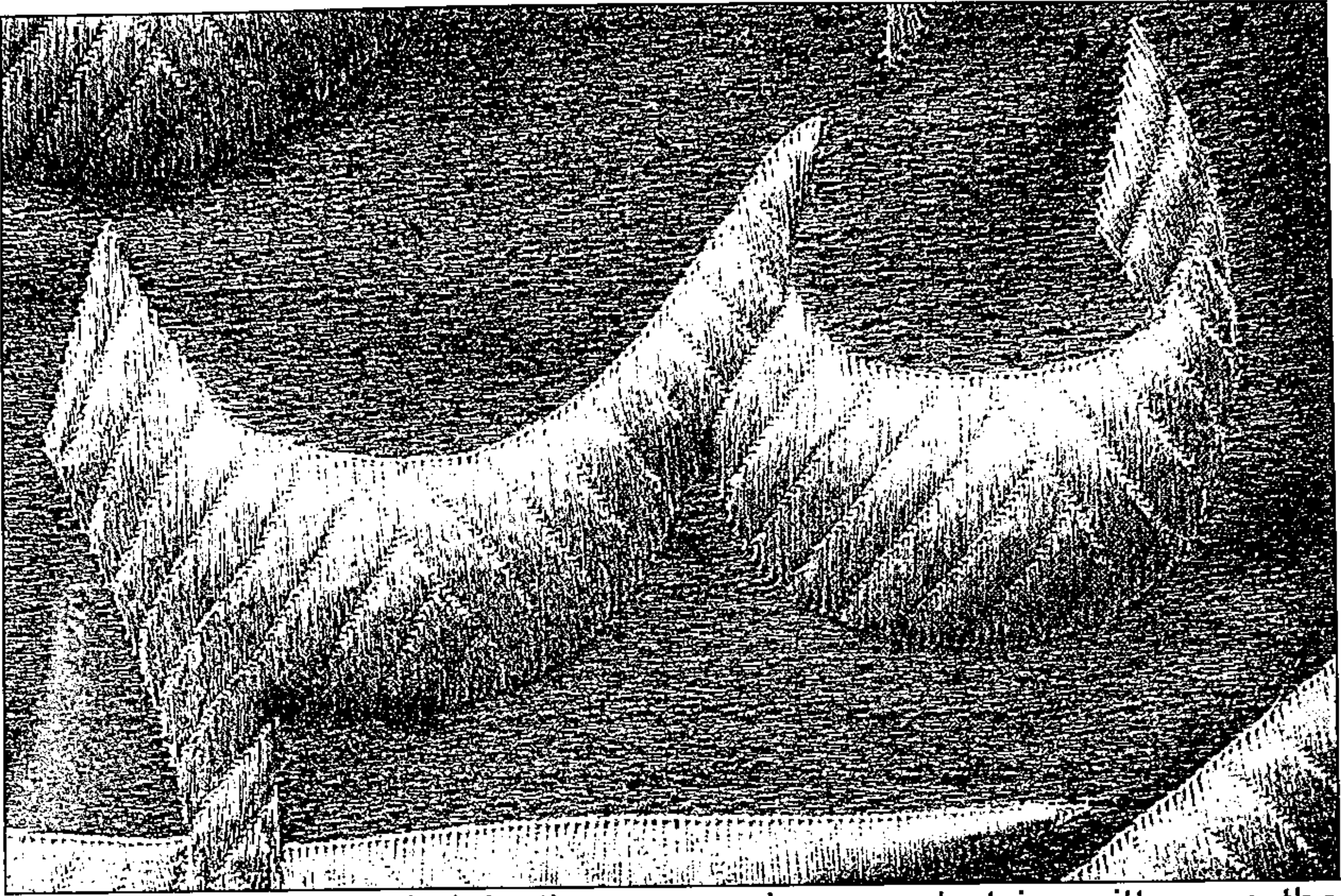
A copy of the letter (س) in the same size as what is written on the Belt of the Kaaba.

غلاف کعبہ پہ کندہ حرف ''س'' یکساں ضخامت میں ۔1326ھ (مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)
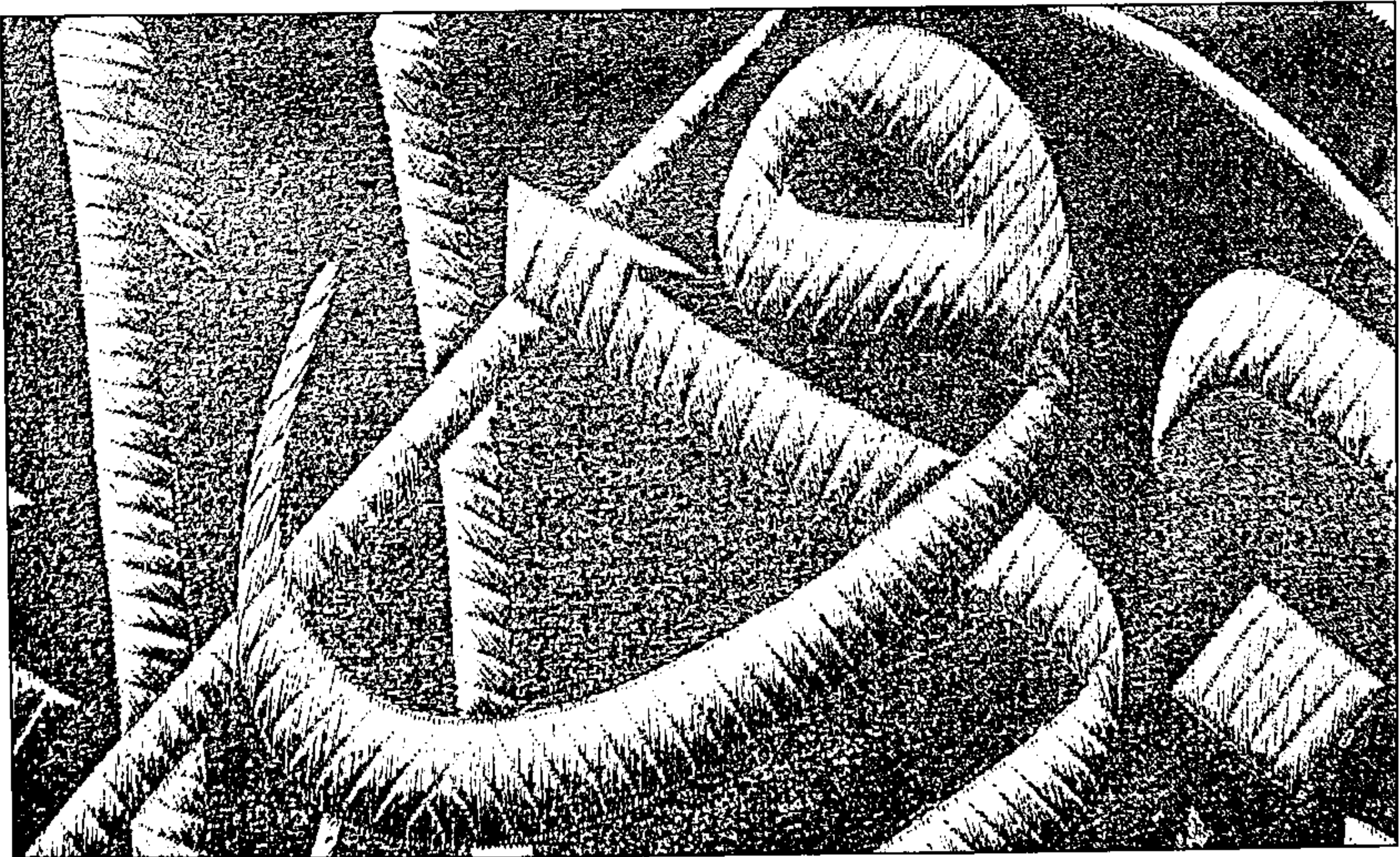
A copy of the letter(و) in the same size as what is written on the Belt of the Kaaba (1326 H)

غلاف کعبہ پر کندہ حرف ''و'' یکساں ضخامت میں (1326ھ) (مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)
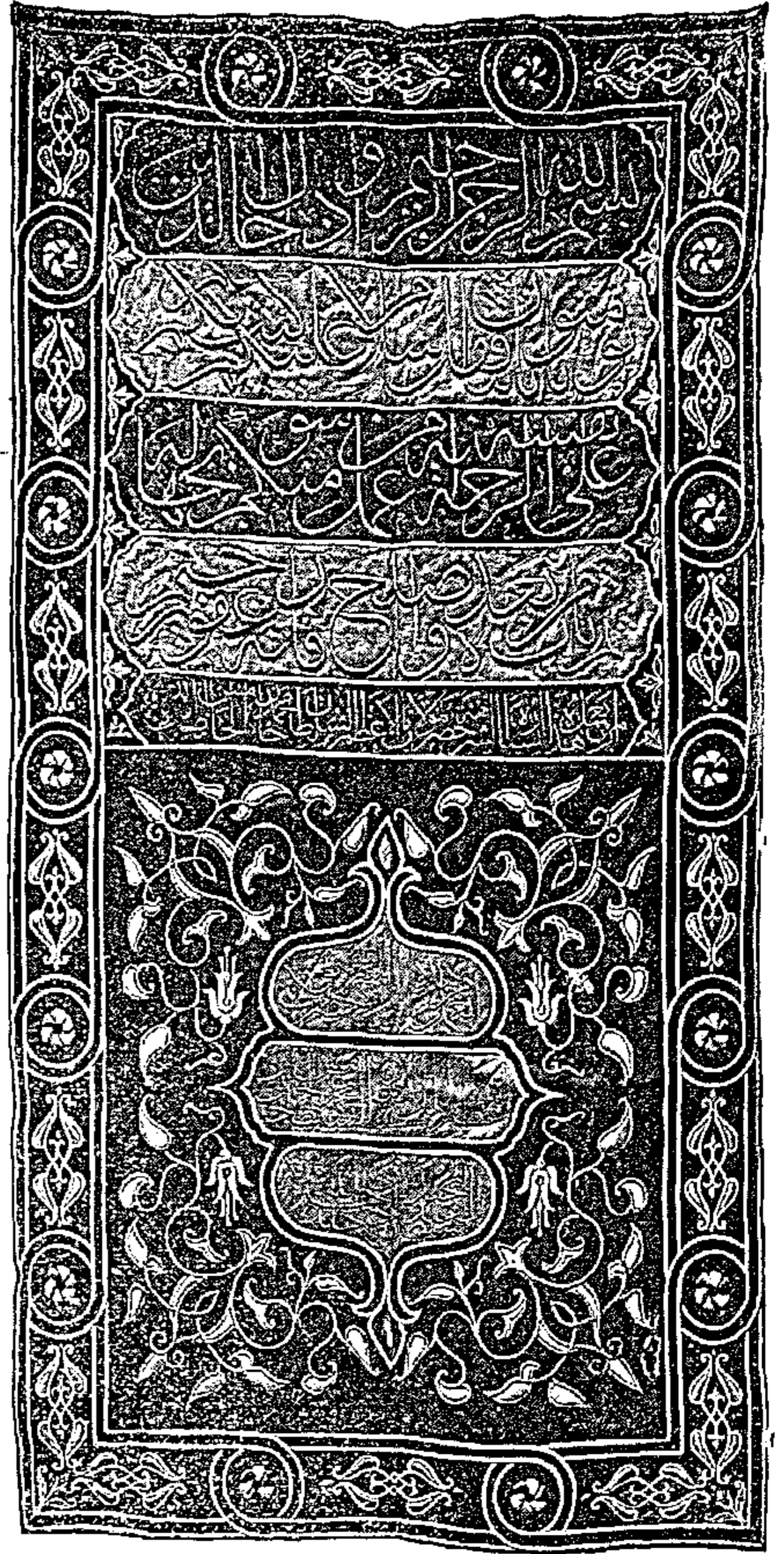
منظر ستارہ بابُ التوبہ داخل الکعبہ

The curtain to the door of El Tawba (repentance) inside the Kaaba.

بیت اللہ شریف میں کعبہ کے اندرونی حصہ میں ''التوبہ''
کے دروازہ کا غلاف 1326ھ میں

(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)
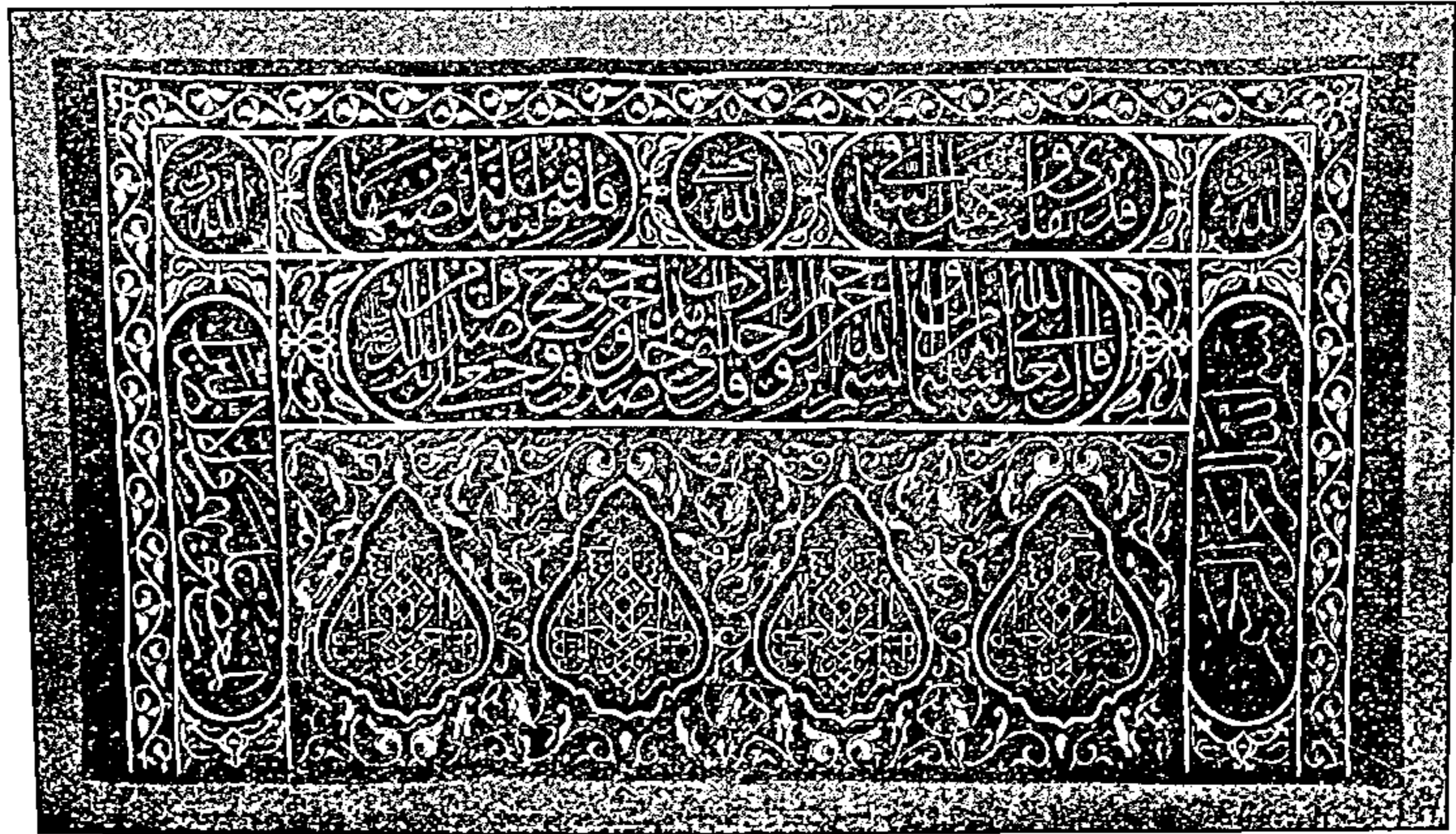
A view of the upper part of the curtain of the door of El Kaaba.

غلاف کعبہ۔ بیت اللہ شریف کے غلاف کا بالائی حصہ (1326ھ)

Marfat.com

A view of the Curtain of the door El Kaaba.

بیت اللہ شریف کے دروازہ کا غلاف
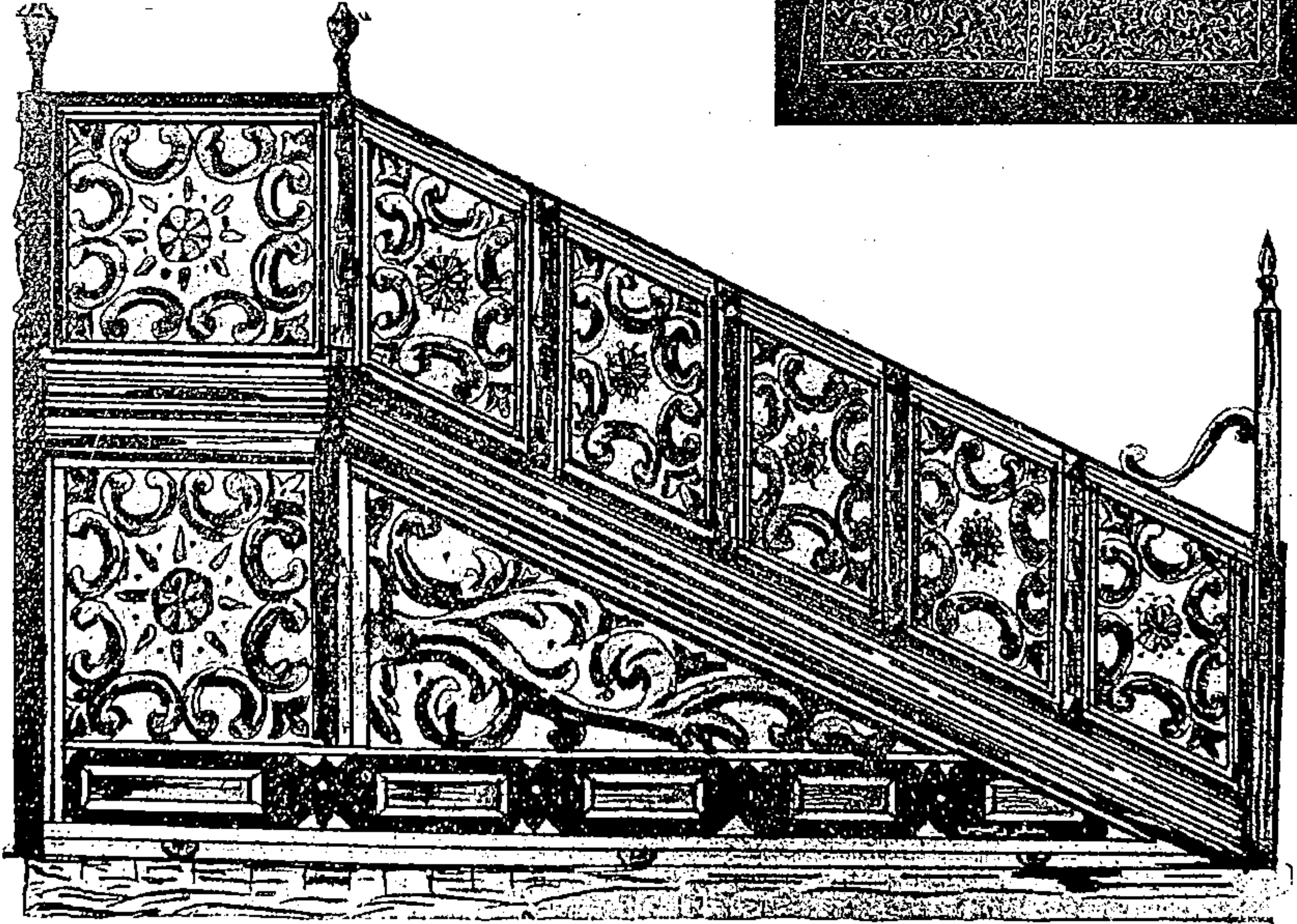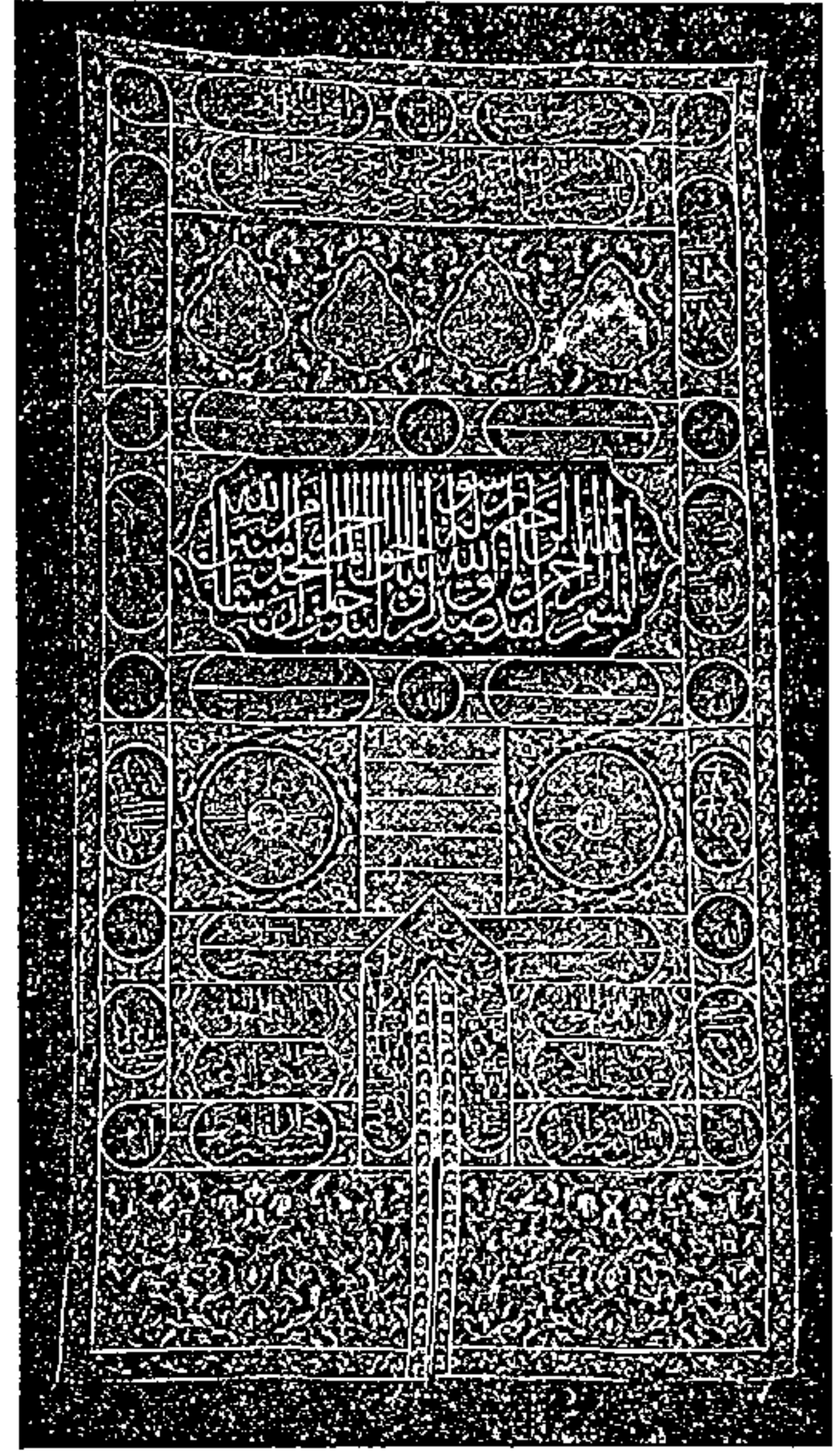
اسلم للصعود علیہ لداخل الکعبہ

Stairs to ascend to the Interior of Kaaba. 1325 H.

بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ تک چڑھنے کے لئے سیڑھیاں (1325ھ)

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com
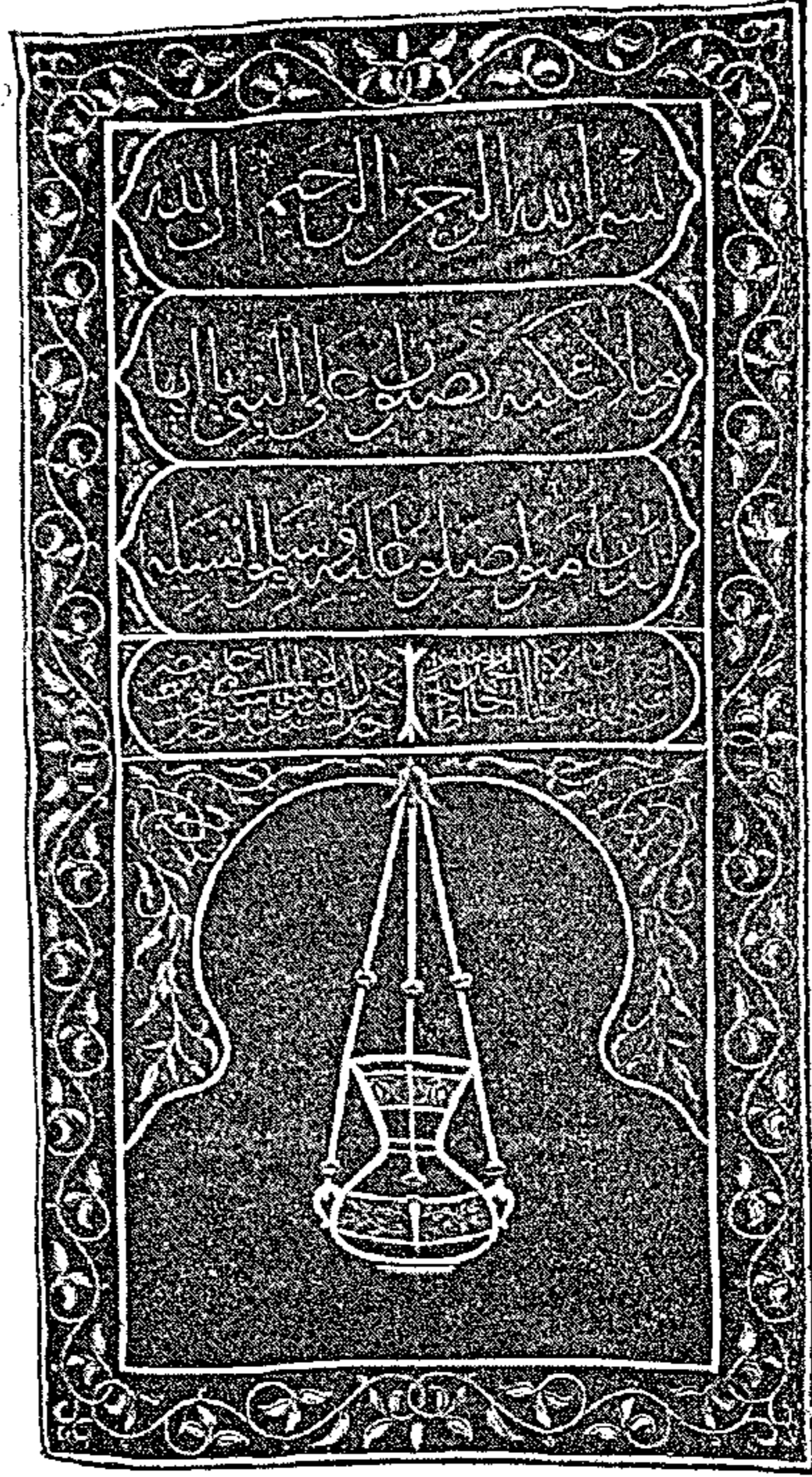
A view of the curtain of the door of the pulpit in the Mosque of Mecca.

مسجد الحرام میں واقع خطبہ کے منبر کے دروازہ کا پردہ

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)
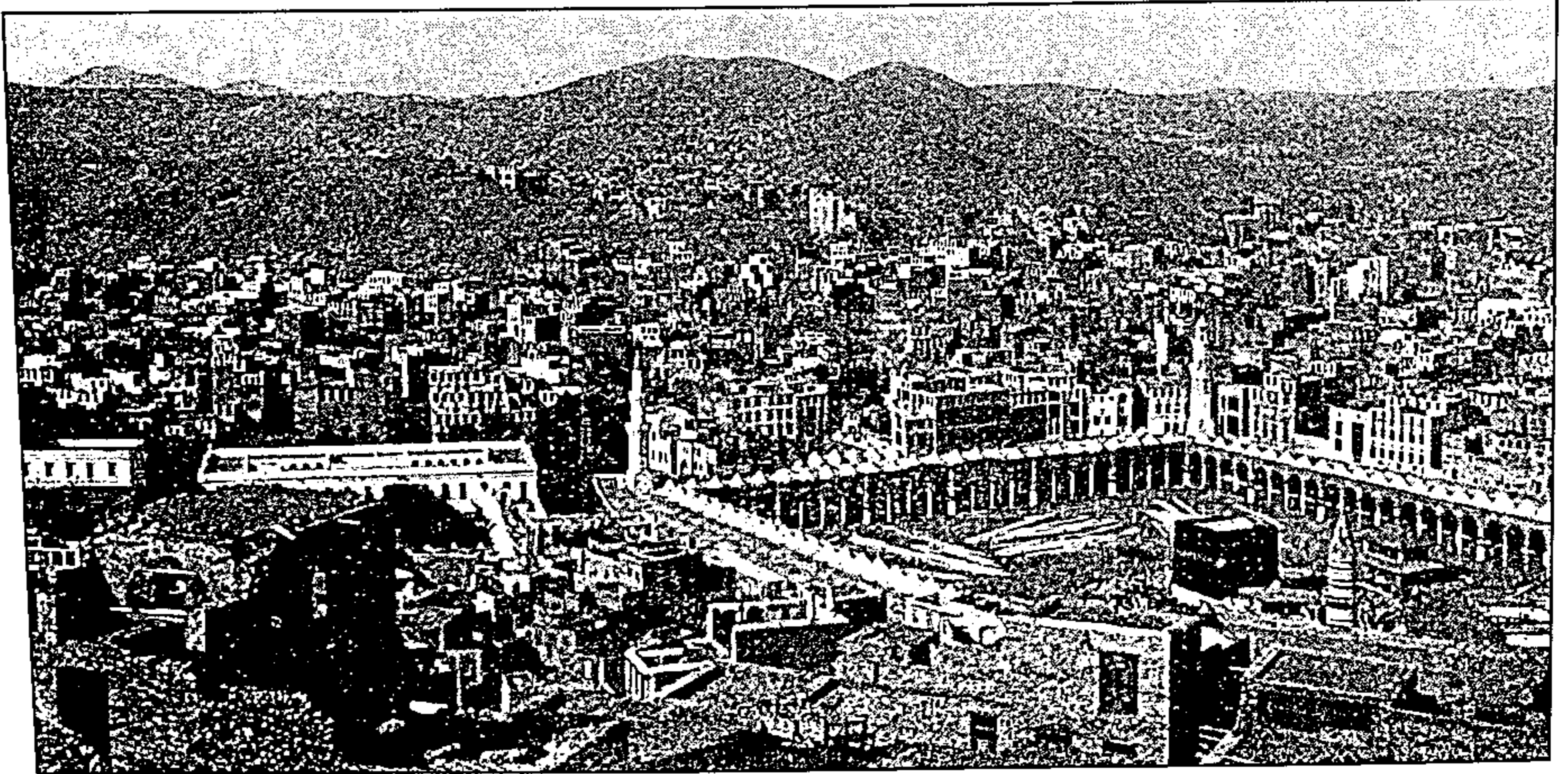
The Southern, Western and Northern view of the Mosque of Mecca.

بیت اللہ شریف کی تصویر 1326ھ میں۔ جنوب مغربی اور شمال کی طرف سے

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com
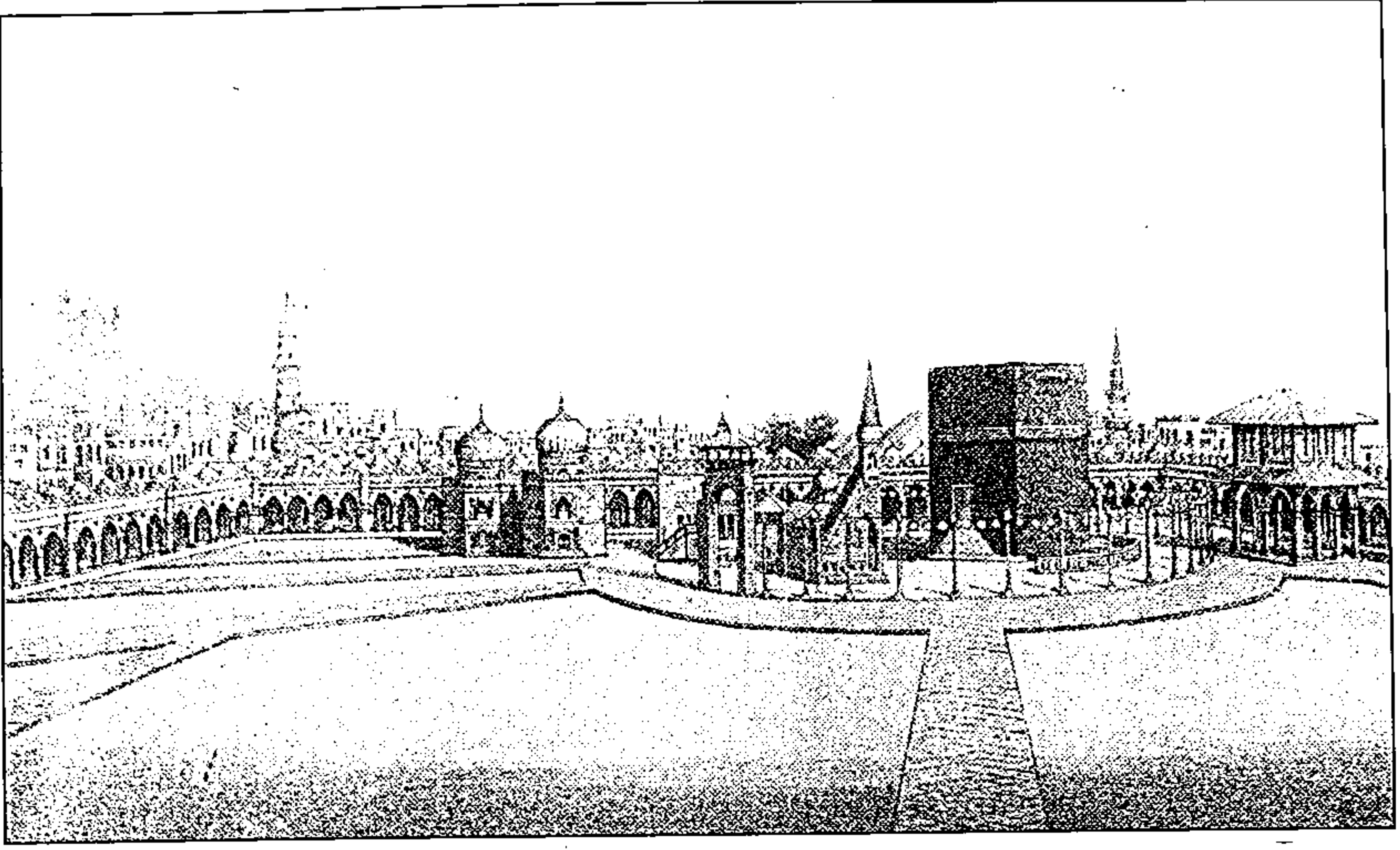
کعبۃ اللہ کی ایک قدیم تصویر
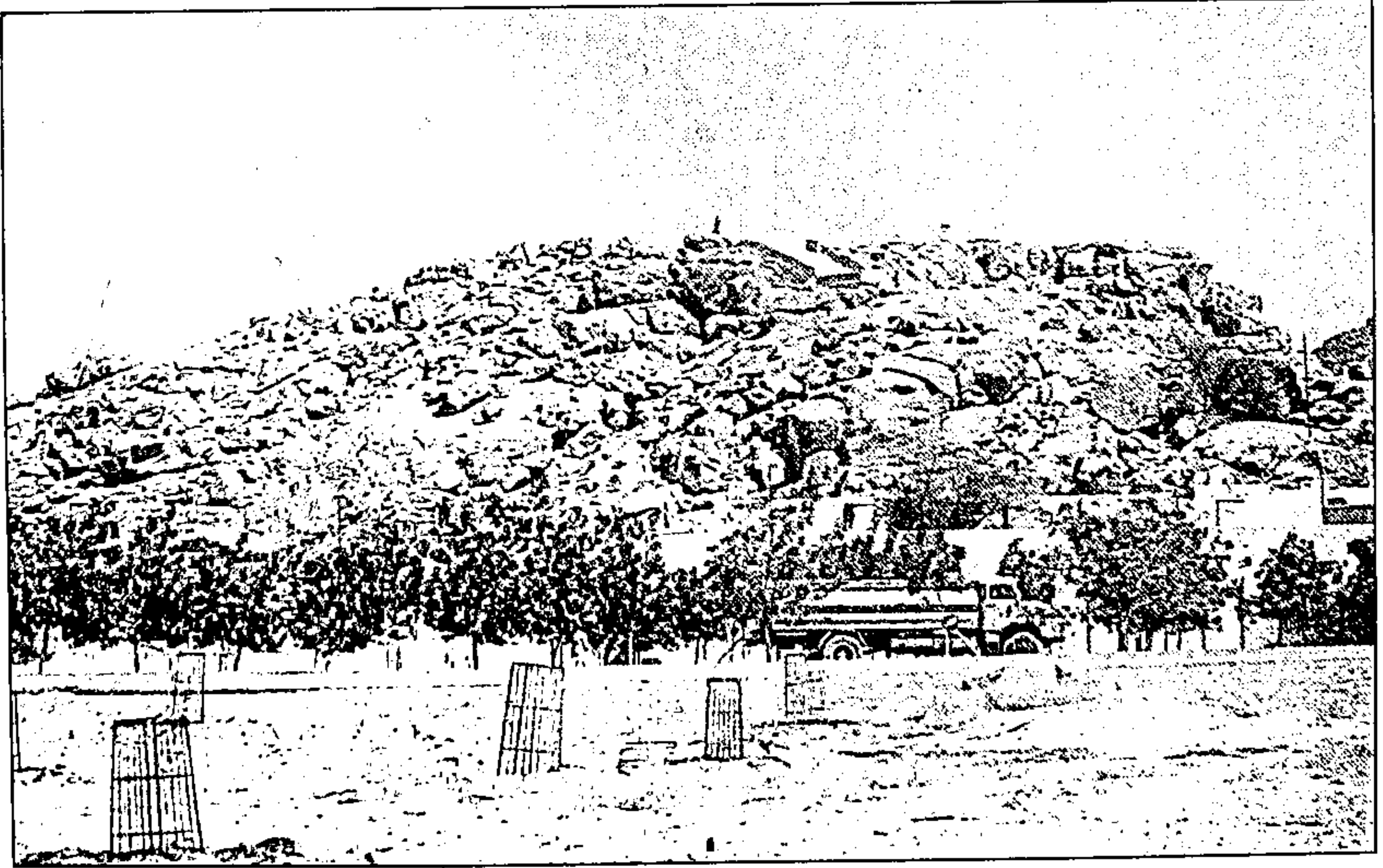
عرفات کے میدان میں تاریخی پہاڑی جبل رحمت
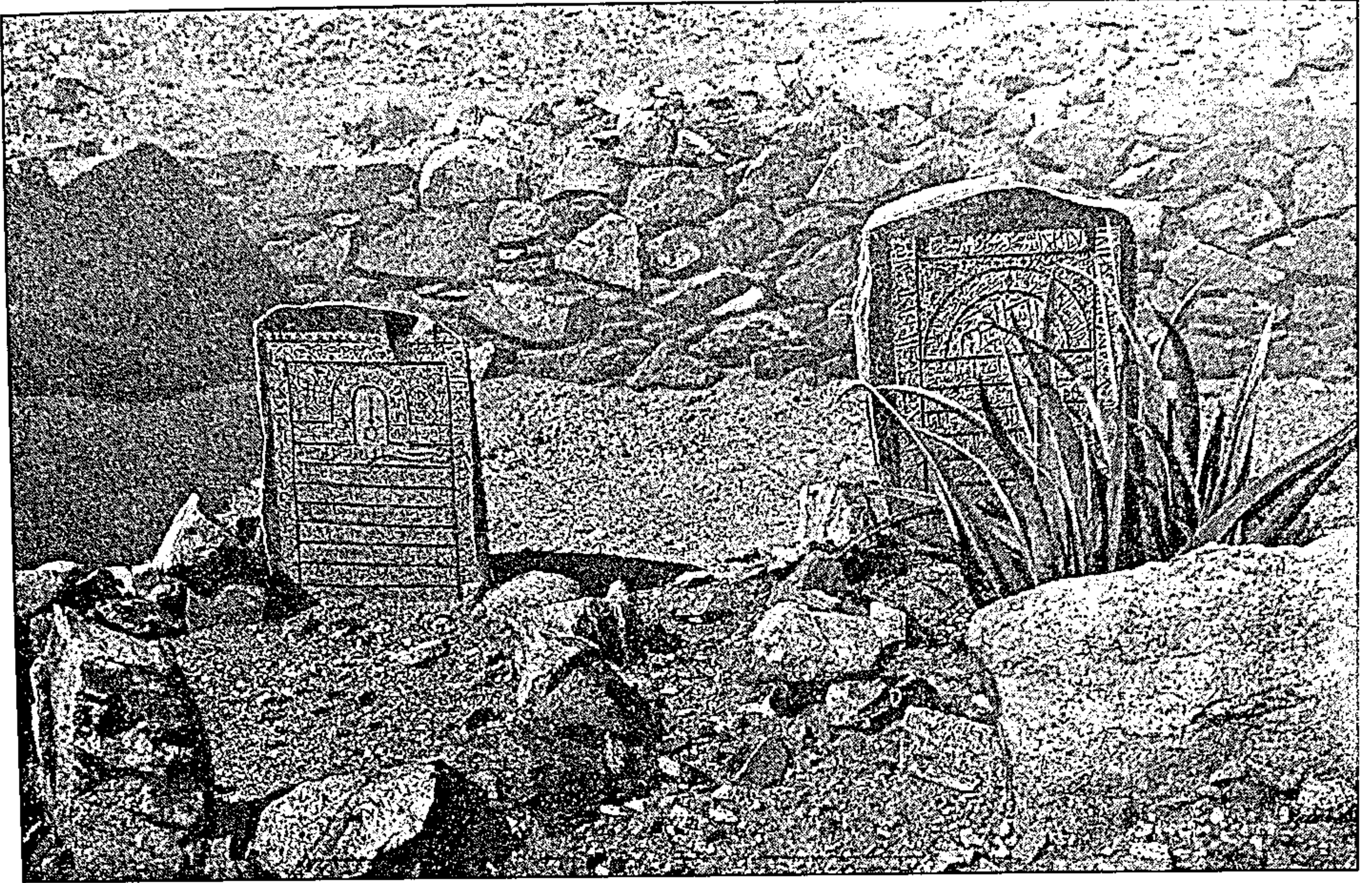
المسجد الحرام بمكة المكرمة

١ باب المعين — ٣ قبر اسماعيل ووالدته — ٥ باب السلام او بنی شیبة

٢ الحجر الاسود — ٤ مقام ابراهیم — ٦ منبر
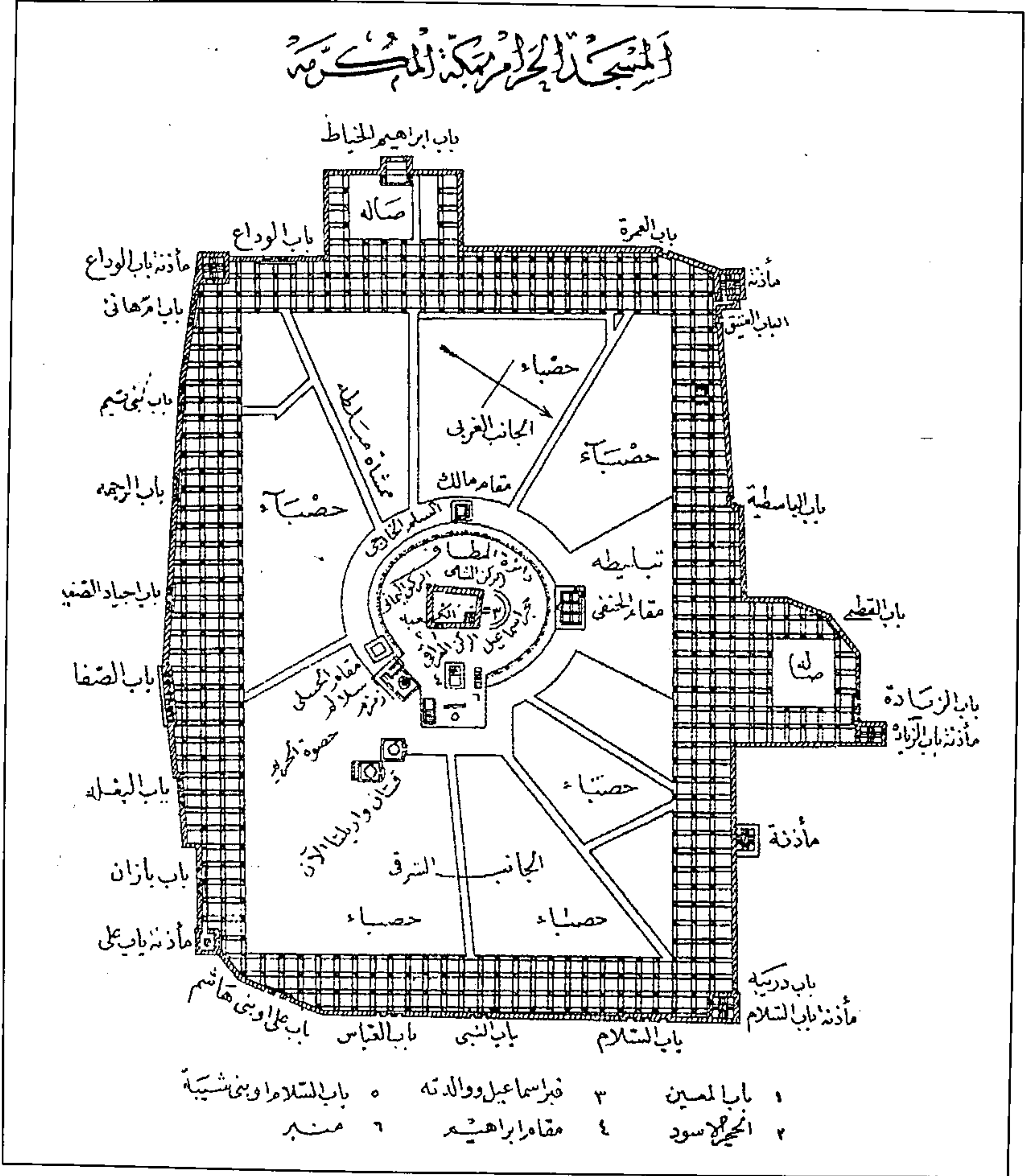
The map of El Haram Mosuqe in Mecca.

نقشہ مسجد الحرام۔ مکہ مکرمہ۔1325ھ(1908ء)

(مرۃ الحرمین اشاعت1344ھ،1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com

رسم تقریبی ۸۲
للمواقیت واعلام الحرم
شمال
شرق — غرب
جنوب

معلومات

۱	المسافة بین مكة والمدینة مسیرة ۱۱۲ ساعة بسیر الابل وفی كتب السیر القدیمة عشر مراحل
۲	من المدینة الی رابغ مسیرة ۶۶ ساعة ومن رابغ الی مكة ۵۱ ساعة محرم ۱۳۴۶
۳	بین كل من ذات عرق وقرن المنازل ویلملم وبین مكة مرحلتان فی الكتب القدیمة
۴	بین مكة والجحفة اربع مراحل تقریبا
۵	من المسجد الحرام الی علمی عرفة ۱۸۴۴۴ متر
۶	" " " " نخلة ۱۴۴۵۴/۵ "
۷	" " " " التنعیم ۶۱۴۸ "
۸	" " " " اضاءة ۱۶۰۰۹/۷۰ "
	والمسافات منقولة عن شفاء الغرام للفاسی بعد تحویلها الی امتار
۹	من مكة الی علمی عرفات مسیر خمس ساعات
۱۰	من مكة لعلمی الحدیبیة مسیر اربع ساعات وربع
۱۱	راجعنا فی عمل هذه الخریطة خریطة صادرة باشارة خریطة المساحة وخریطة وزارة الحربیة وخریطة الجیش الانكلیزی فی نوفمبر ۱۹۱۶ ومعجم البلدان لیاقوت وما دوناه فی رحلتنا عن الطرق
۱۲	○ علامة المیقات
۱۳	▪▪ " اعلام الحرم
۱۴	--- " الطرق
۱۵	الرسم تقریبی بقدر الامكان

المدینة
ذوالحلیفة اوآبارعلی میقات المدنیین
الأبواء
رابغ
۴۰۰ كیلو
میقات الشامیین والمصریین ولكل من حاذاها برا او بحرا
الجحفة
عسفان
الطریق الی المدینة
ذات عرق میقات العراقیین
وادی نخله
علمان
الطریق العراق
قرن المنازل میقات النجدیین
الحدیبیة
علمان
التنعیم
علمان
بئر البارود
مكة
الطریق الی جده
منی
مزدلفه
عرفه
علمان
منبع عین زبیده
الطریق الی الطائف
الطریق الی الیمن
اضاءة لبن
علمان
یلملم

خریتة المواقیت والاعلام
نقشه المواقیت والاعلام الحرم شریف
(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)

Makkah Mukarramah (map 1326 H). Haram Sharif, Mountains, Roads and Places.

مکہ مکرمہ (نقشہ 1326ھ) جبال۔شوارع۔طریق اور مقام وغیرہ

(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ،1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم وبه ثقتي

Inscription on a stone at Arafat of Kait Bey's speech concerning the repairs to the well of Zobeida, under taken by his brother Sunkur El Gamali in the year 875.

جبل عرفات پہ واقع نقش وکتبہ بیان الملک اشرف قائتبائی متعلقہ تکمیل مرمت نہر زبیدہ 875 ہجری۔ مرمت کا کام اس کے بھائی سنقر الجمالی الاشرفی کی نگرانی میں 875 ہجری میں ہوا

(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)

شمال
شرق
غرب
جنوب
مجری عین زبیدہ
مکۃ
المزدلفہ
مزدلفہ
منی
بئر زبیدہ
حوض البقر
المنحر
وادی النار
فم الوبر
جبل النعمان
وادی النعمان
الطائف
حبل کرا

نقشہ نہر زبیدہؒ طائف تا مکہ مکرمہ براستہ جبل الرحمۃ۔ المزدلفہ۔ منٰی۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید (170ھ۔193ھ) کی بیگم زبیدہؒ نے طائف سے مکہ مکرمہ تک حجاج کی سہولت کے لئے تعمیر کرائی۔

The garden of El Sherif Oun El Rafik with a water-fall from the well of (Canal) Zobeidah.

مکہ مکرمہ کے باغ الشریف عون الرفیق پاشا (شریف مکہ) میں آبشار از نہر زبیدہ (1326 ہجری میں)

نقشہ نہر زبیدہؒ طائف تا مکہ مکرمہ

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)

خارطة عرفات
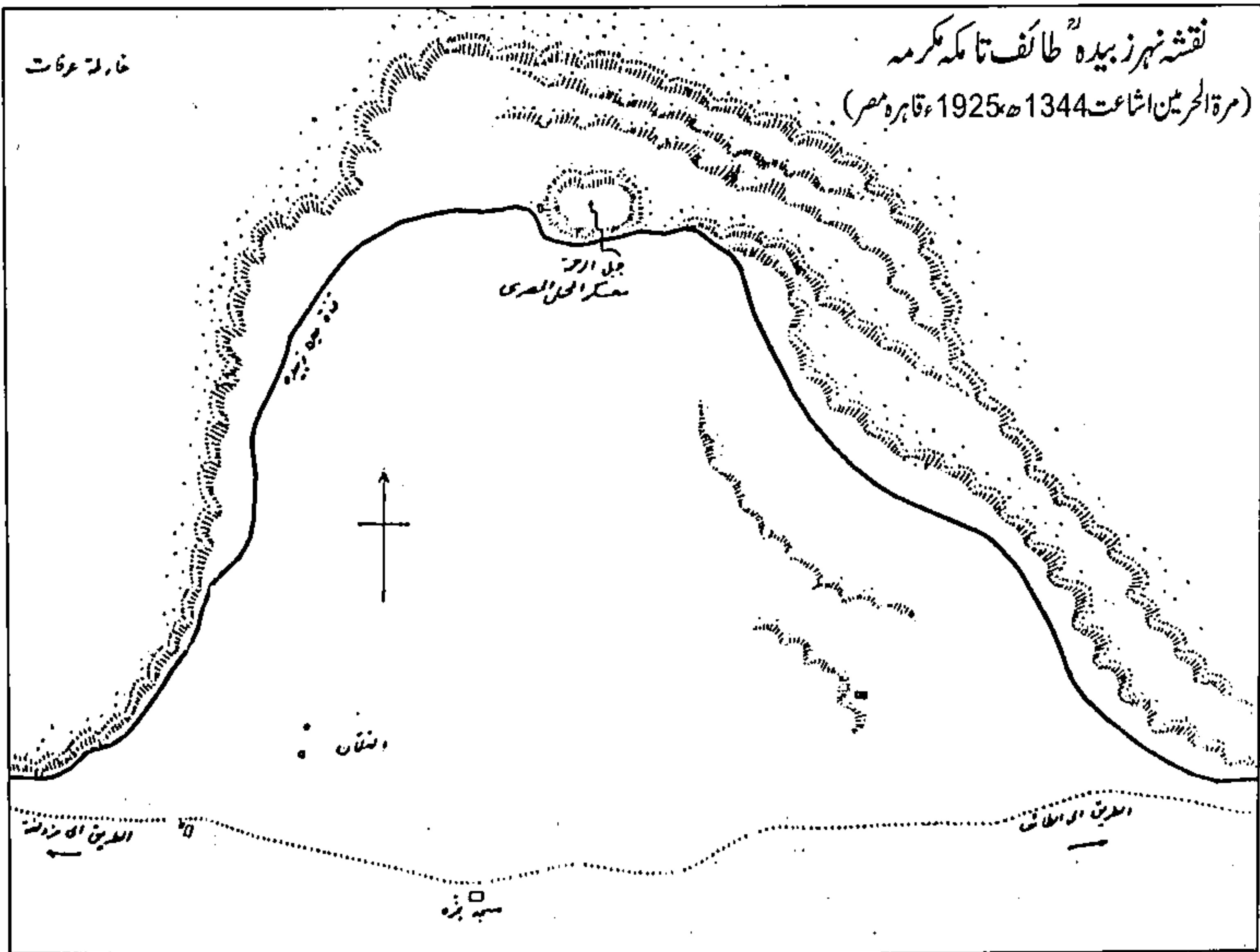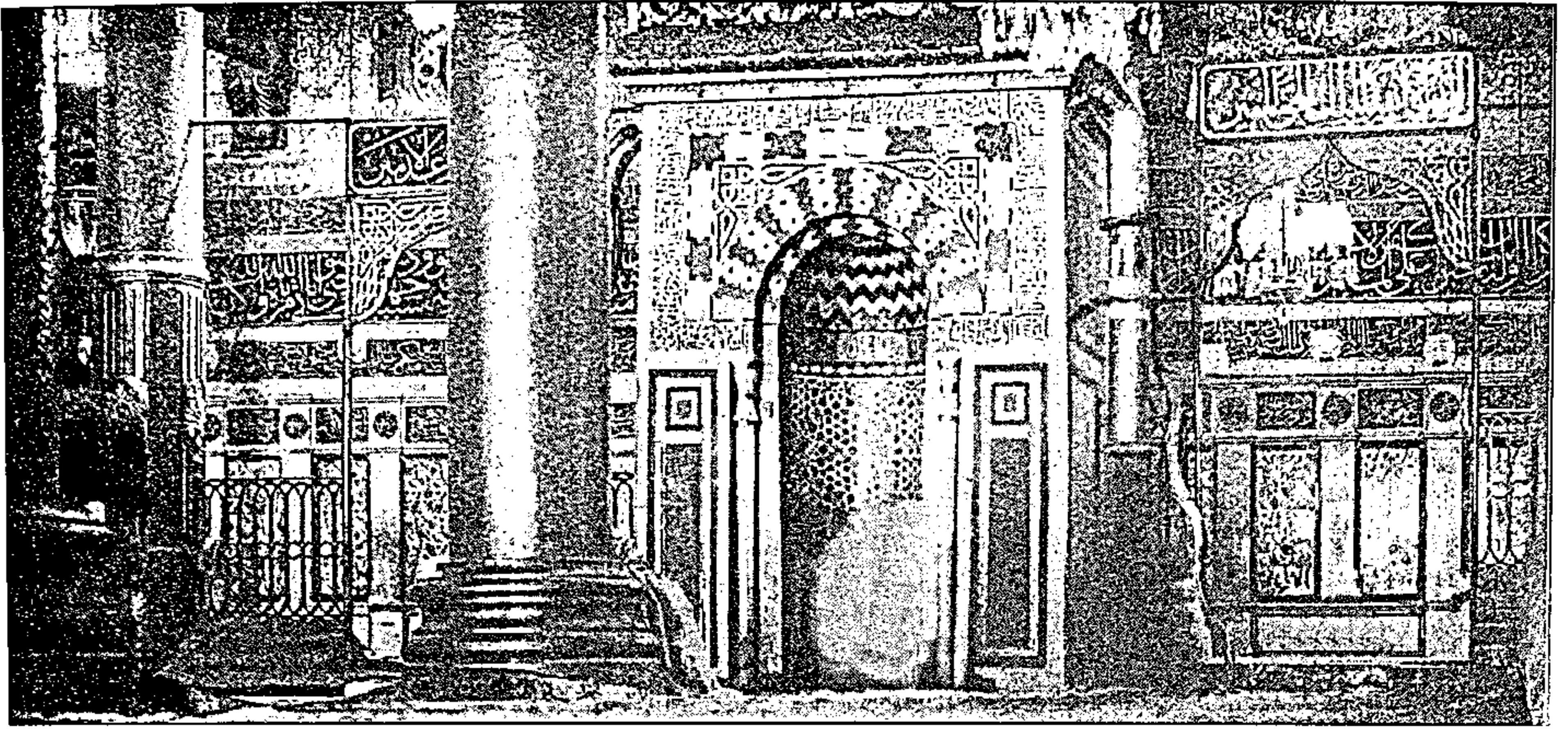
المحراب العثمانی بالمسجد النبوی (المحراب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
A view of the Kibla of Osman Ibn Affan (R.A.T.A.) in the Mosque of Medina.
مسجد نبویؐ میں محراب عثمانی (محراب عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) 1325ھ
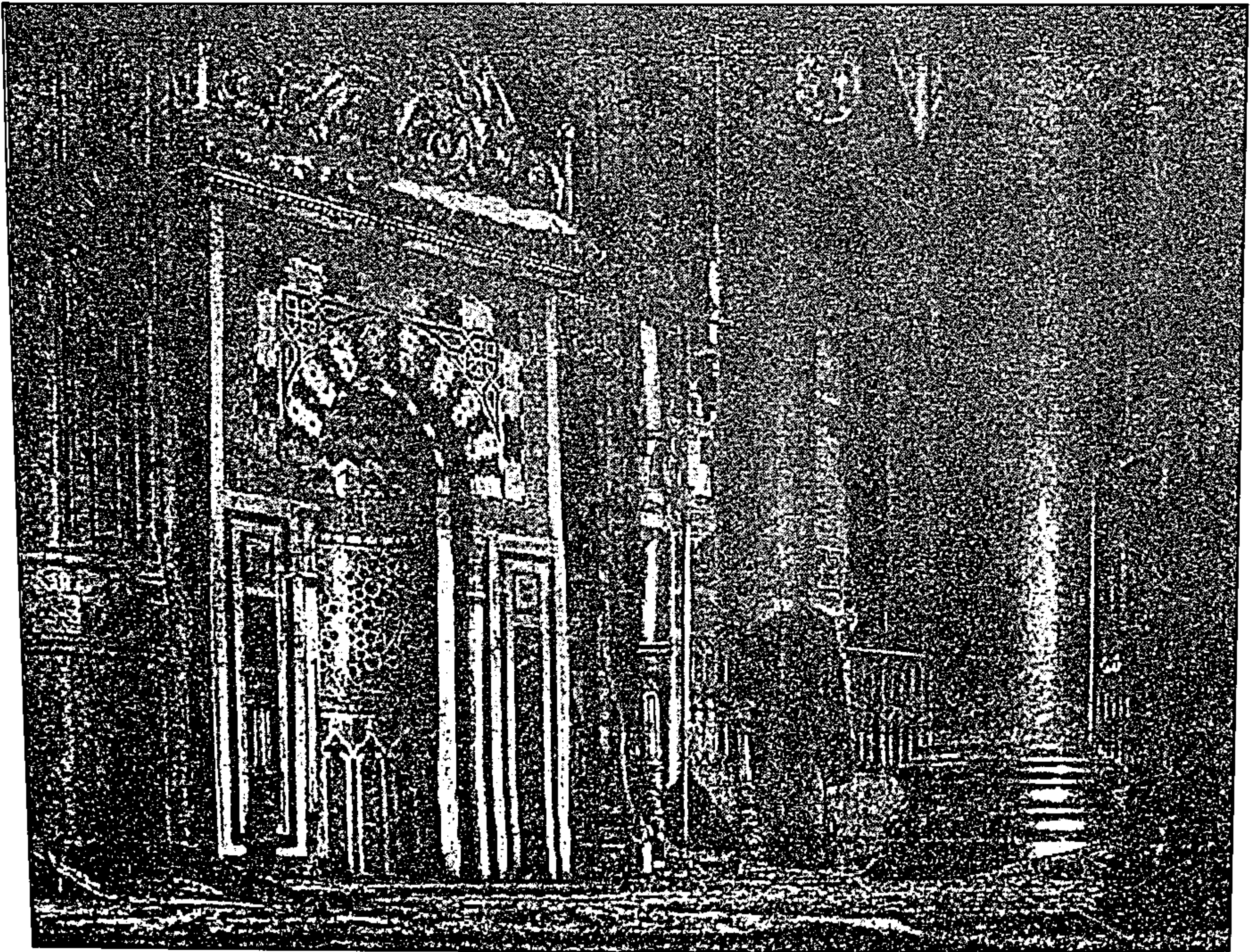
A view of the Soliman Place of Prayer in the Muhammadan Mosque.
مسجد نبویؐ میں محراب سلیمانی۔1325ھ (مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)
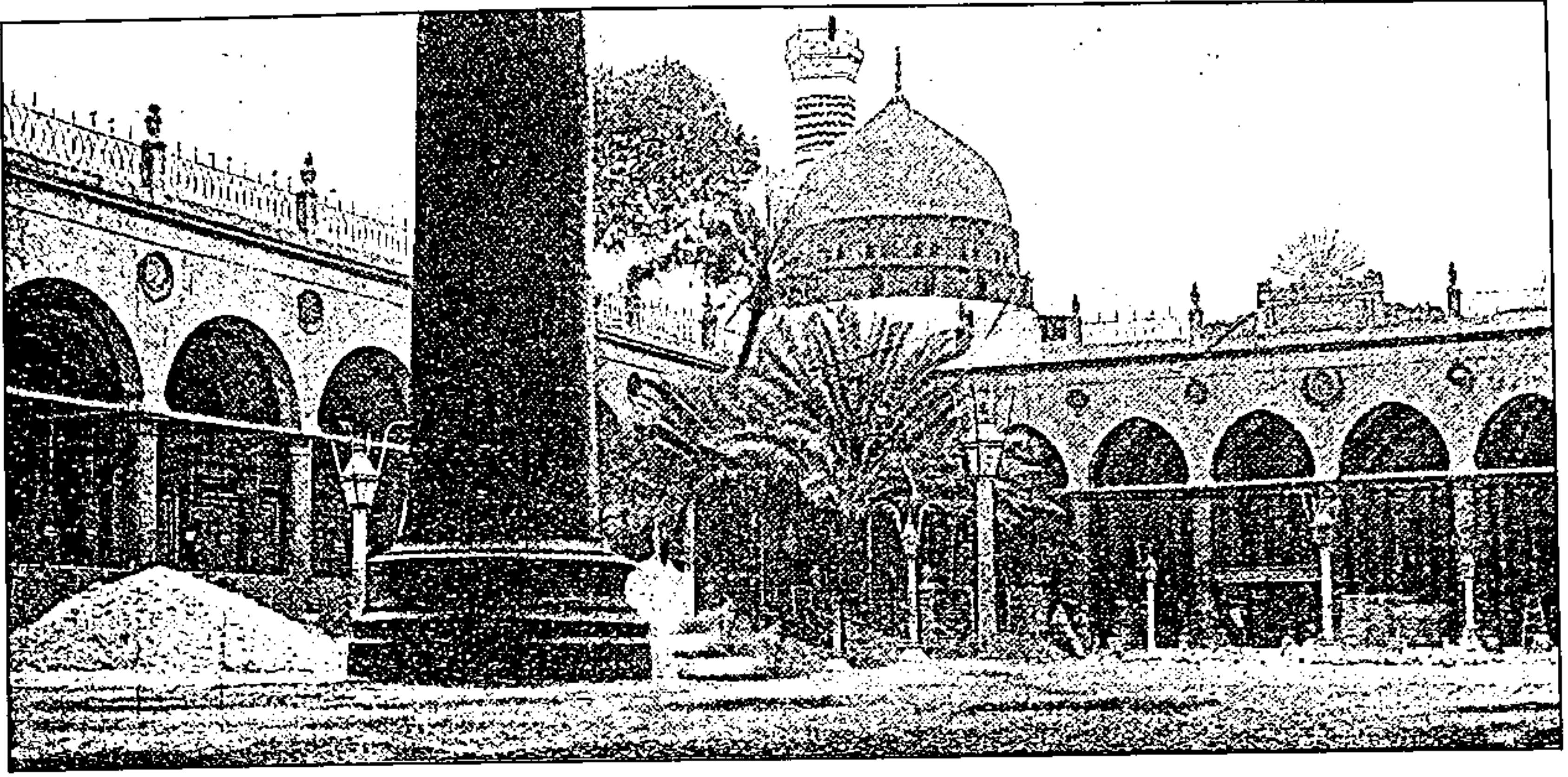
Interior of the Mosque at Medina as seen from the North.
مسجد نبوی کا اندرونی حصہ شمالی جانب سے 1325 ہجری میں
(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)
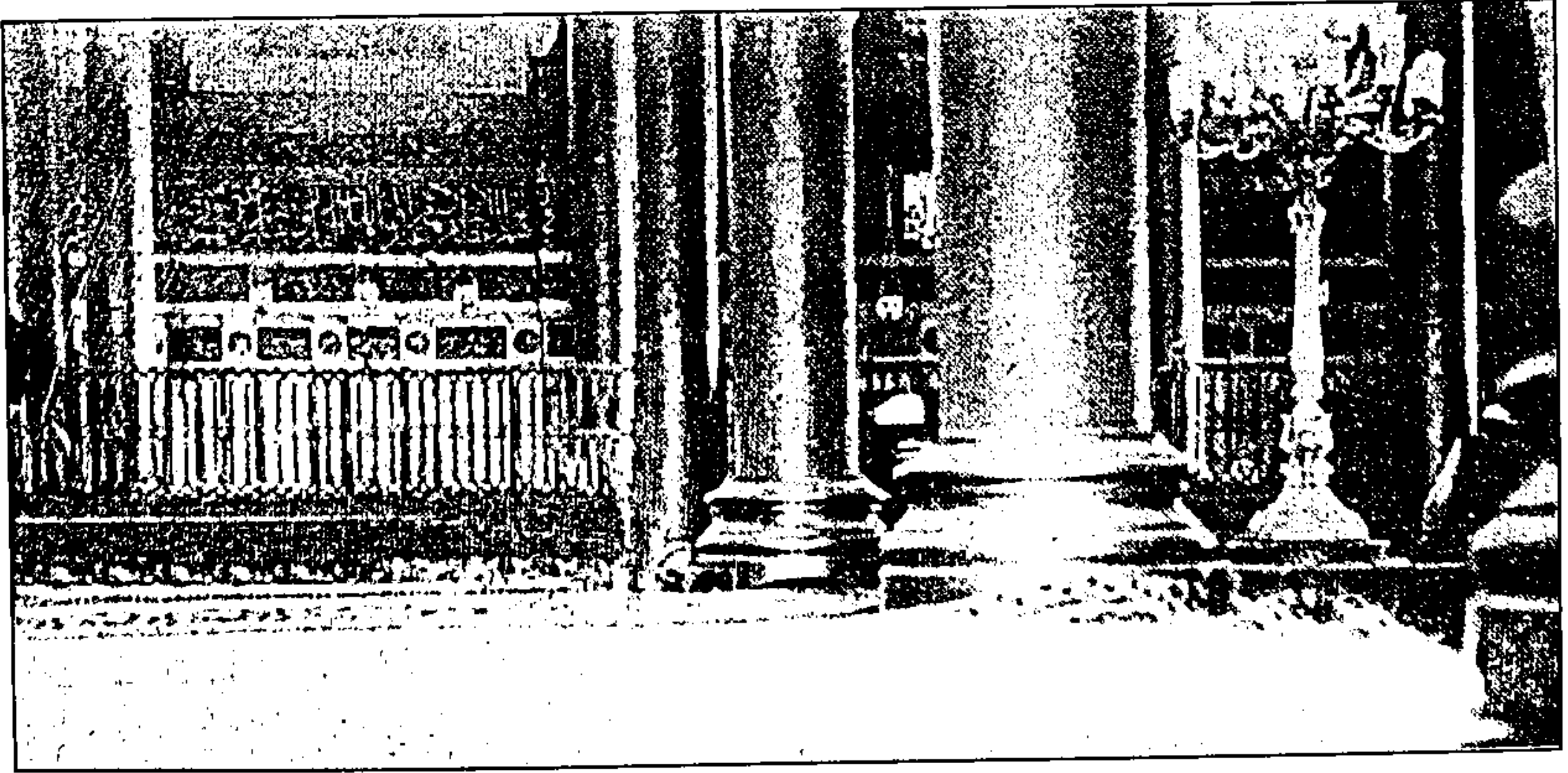
The interior of the Mosque of Medina as seen from the South.
مسجد نبوی کا اندرونی حصہ جنوبی جانب سے 1325 ہجری میں
(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ 1925ء قاہرہ مصر)

Marfat.com
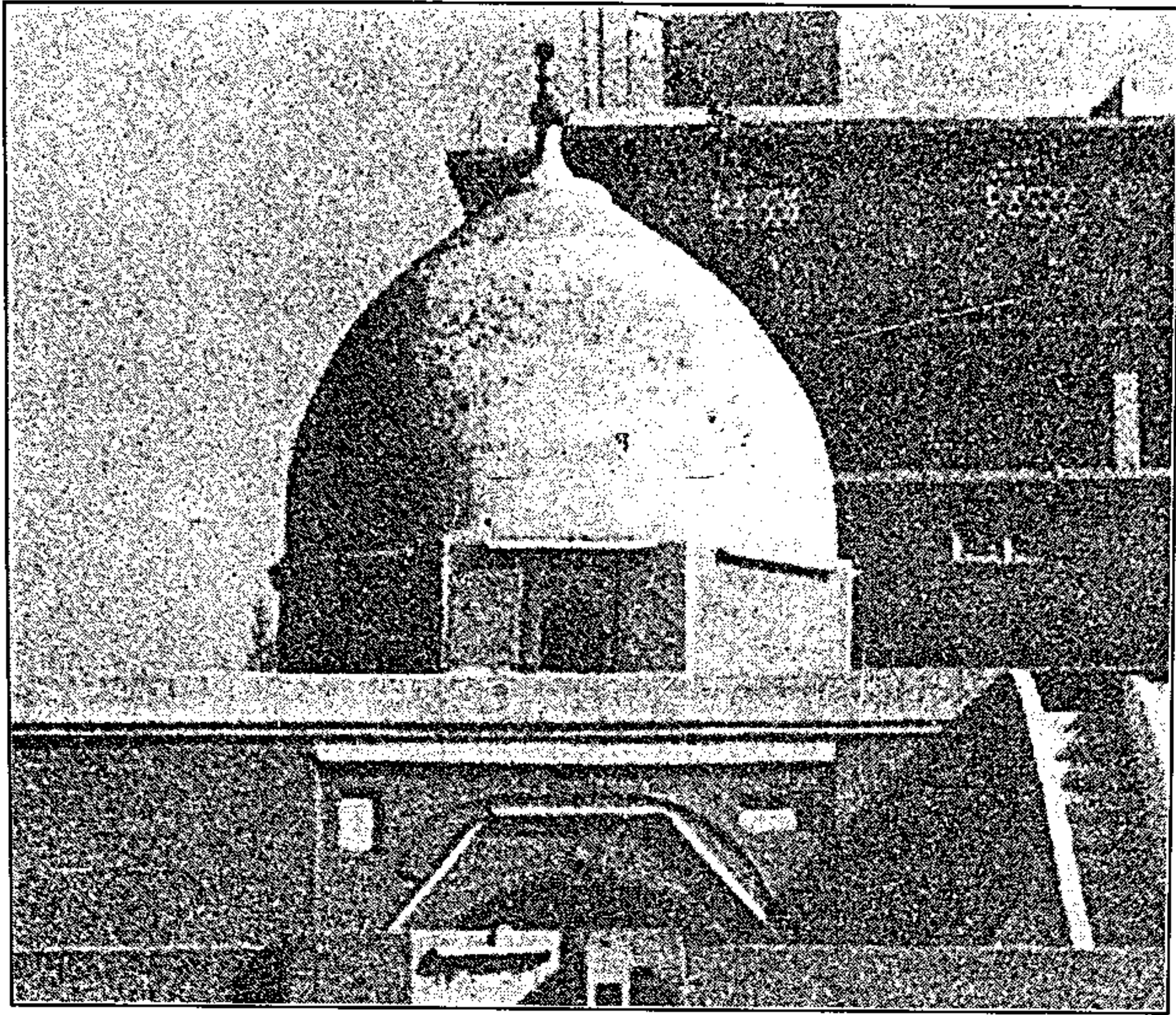
مسجد جمعہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بروز پیر 12 ربیع الاوّل مطابق 24 ستمبر 622ء قباء تشریف لائے اور تقریباً 14 روز قباء میں قیام فرمایا۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز جمعہ قباء سے دن چڑھے 26 ربیع الاوّل 13 نبوی مطابق 8 اکتوبر 622ء مدینۃ المنورہ کے لیے روانہ ہوئے ابھی آپ علیہ السلام قبیلہ بنوسالم بن عوف پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ فرضیت نماز جمعہ کا حکم بھی یہیں نازل ہوا۔ آپ علیہ السلام نے ورود مدینۃ المنورہ کے بعد سب سے پہلا خطبہ ونماز جمعہ ادا فرمائی مسجد جمعہ کو مسجد الوادی اور مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا ہے۔ (قباء سے مدینہ طیبہ کے لیے چند فرلانگ چلنے پر شارع کے بنگلوں کے درمیان دائیں گلی میں مکانات کے پیچھے یہ مسجد واقع ہے)
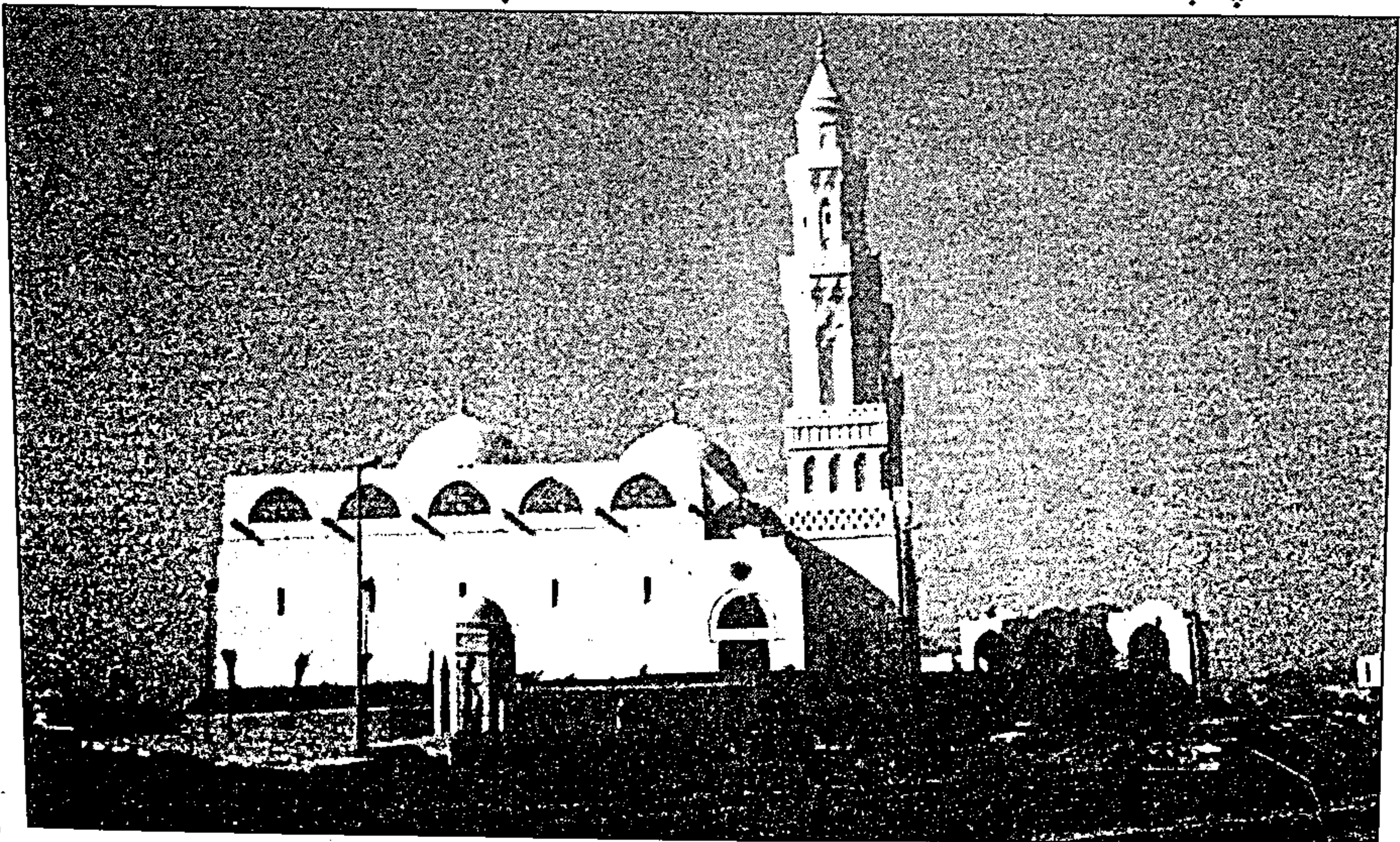
مسجد القبلتین
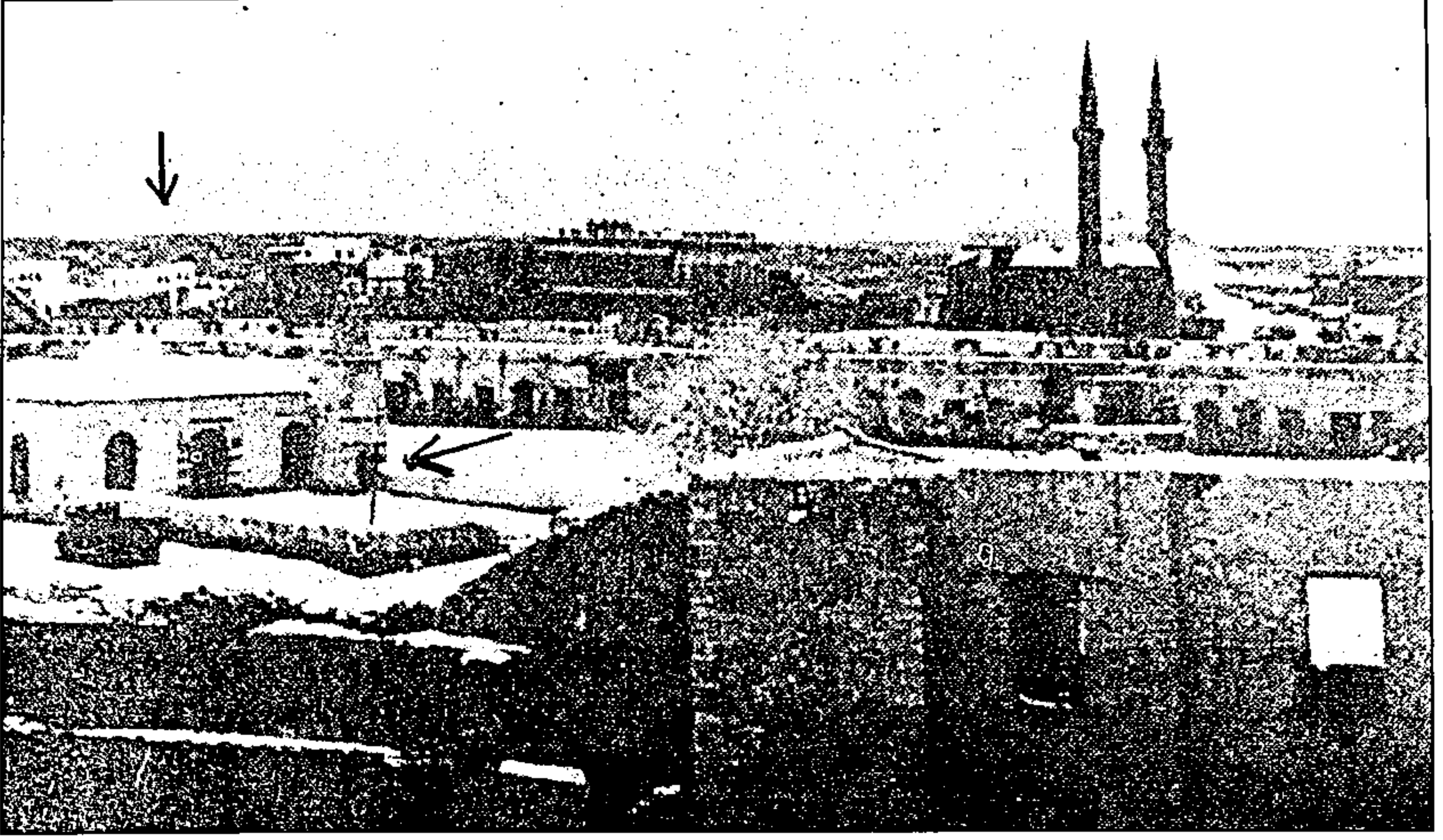
مسجد سيدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
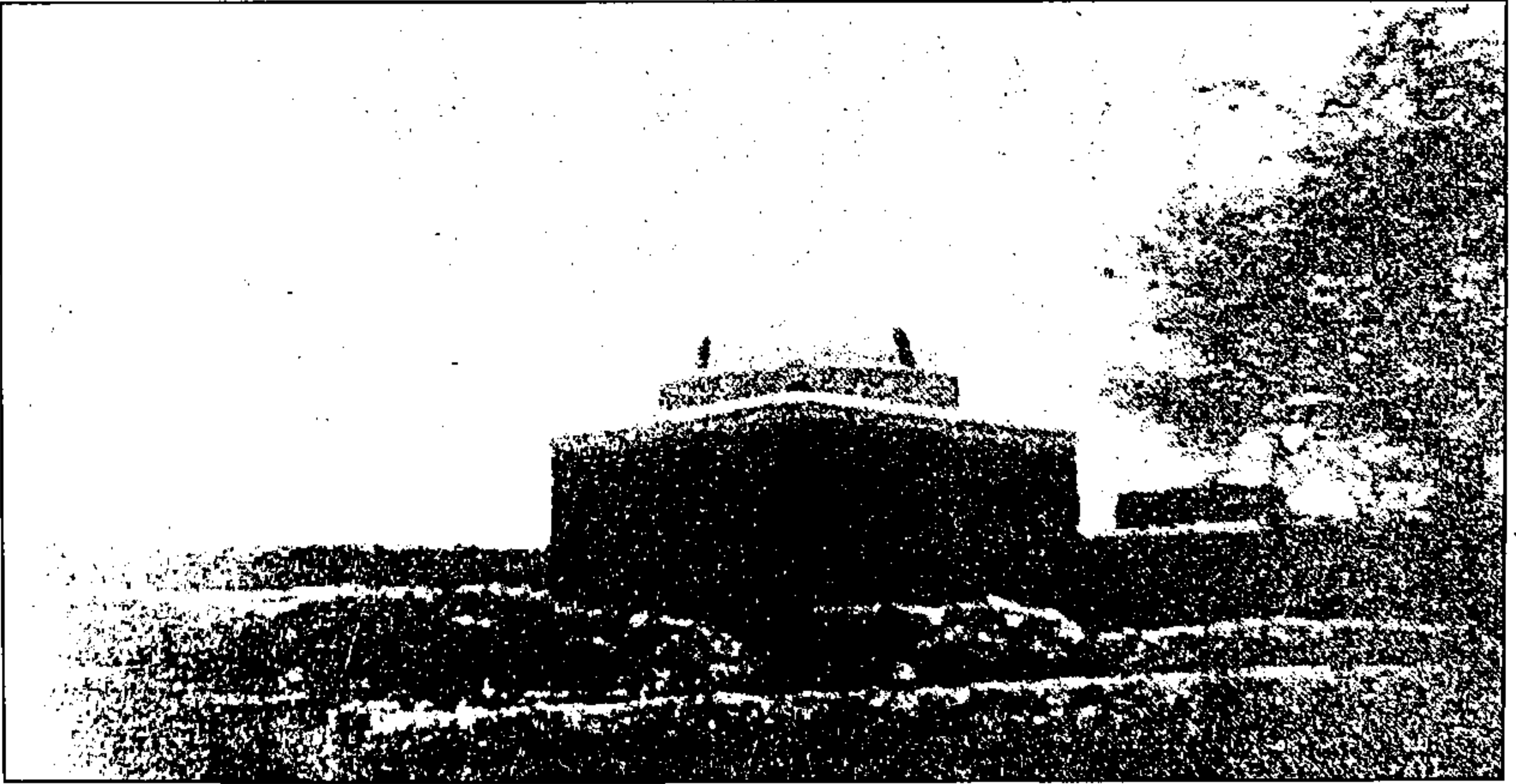
مسـجـد المغصلة (مسجد بنی دينار): روی ان النبی صلی الله علیه وآلهٖ وسلّم كان كثيراً ما يصلی فی هذا المسجد، وورد ان سيدنـا ابـا بكر الصديق رضی الله تعالیٰ عنه تزوج امرأة من بنی دينار فمرض فكان النبی صلی الله علیه وآلهٖ وسلّم يعوده عندهم فكلموه ان يصلی لهم فی مكان يصلون فيه، فصلی فی المسجد الذی بنی دينار عند الغسالين

Masjid al-Maghsala or Bani Dinar Mosque: Where the Prophet (P.B.U.H.) was asked to pray in the course of his visit to Abu Bakr al-Siddiq (R.A.T.A.) who had married a woman from the Bani Dinar and fallen ill.

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری میں مزاج پرسی کے لئے وادی بنی دینار میں تشریف لائے تو اس جگہ آپ علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی۔
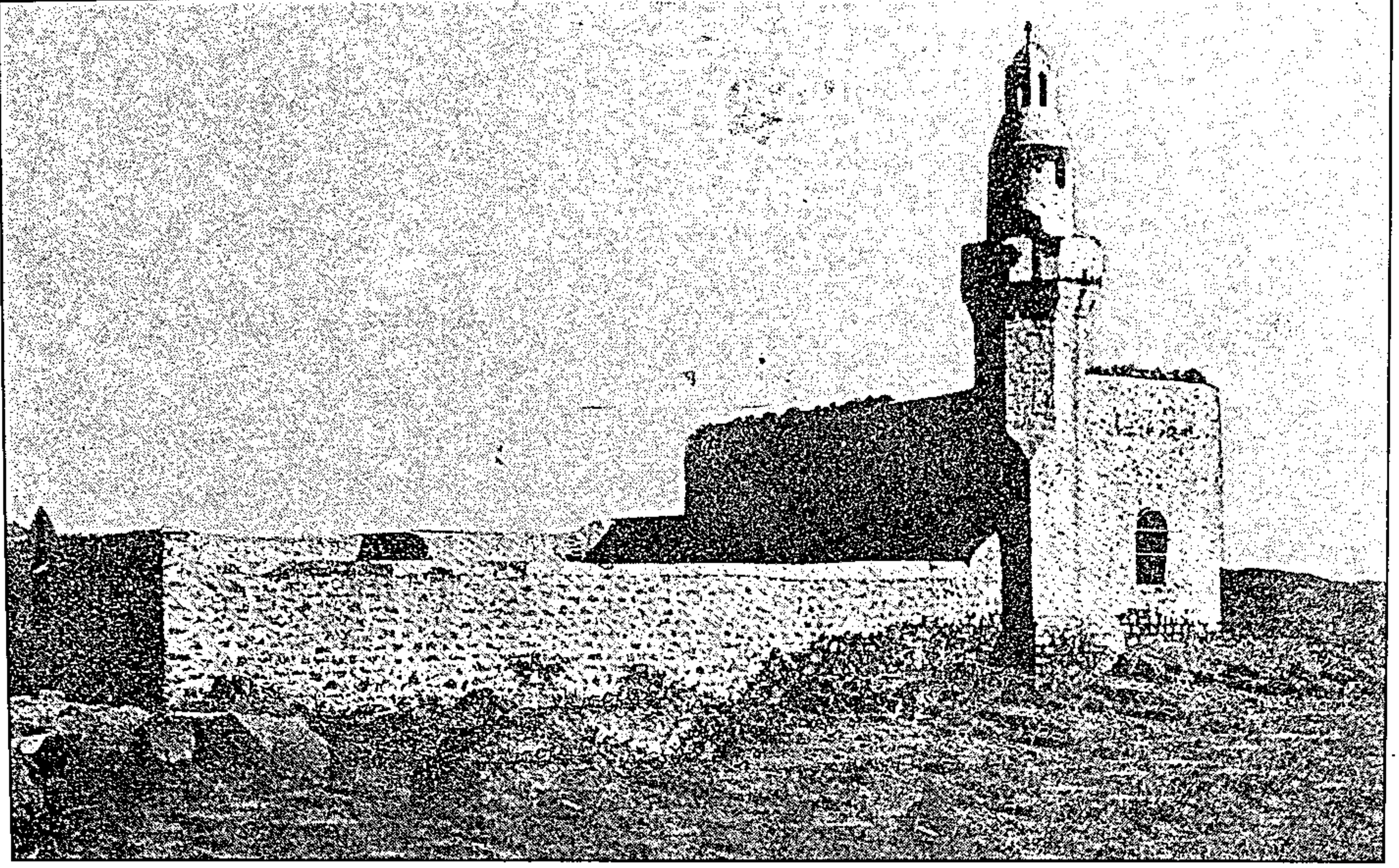
مسجد عروه بالمدينة المنورة
The Mosque of Orwa at Medina.
مسجد حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ 1325ھ
(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

A view in the out of Bab Koba in Medina in 1326H.
بیرون باب قباء سے مدینہ منورہ کا منظر 1326 ہجری میں
(مرآۃ الحرمین اشاعت 1344ھ، 1925ء قاہرہ مصر)

مسجد سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد باب العنبریہ
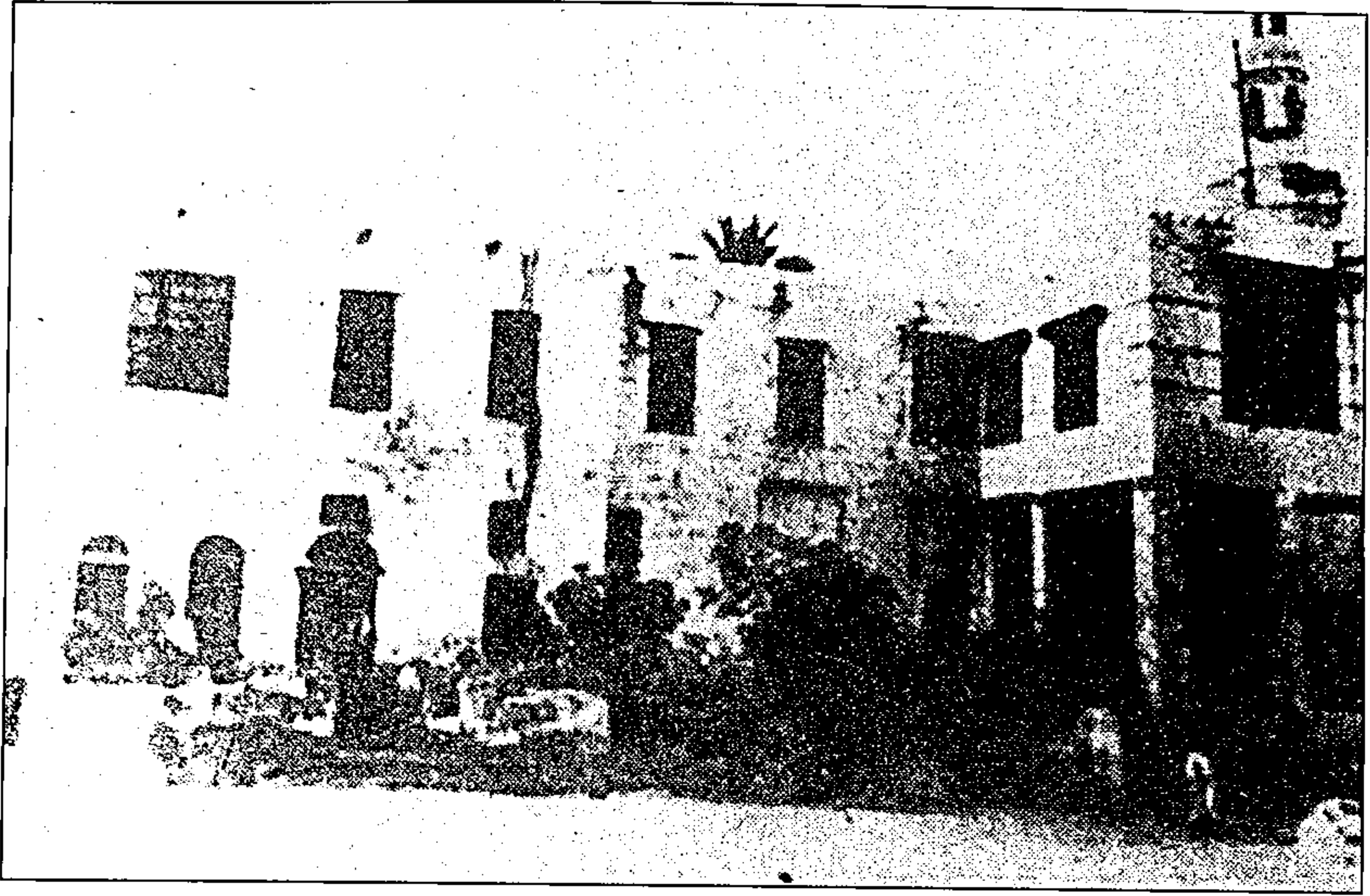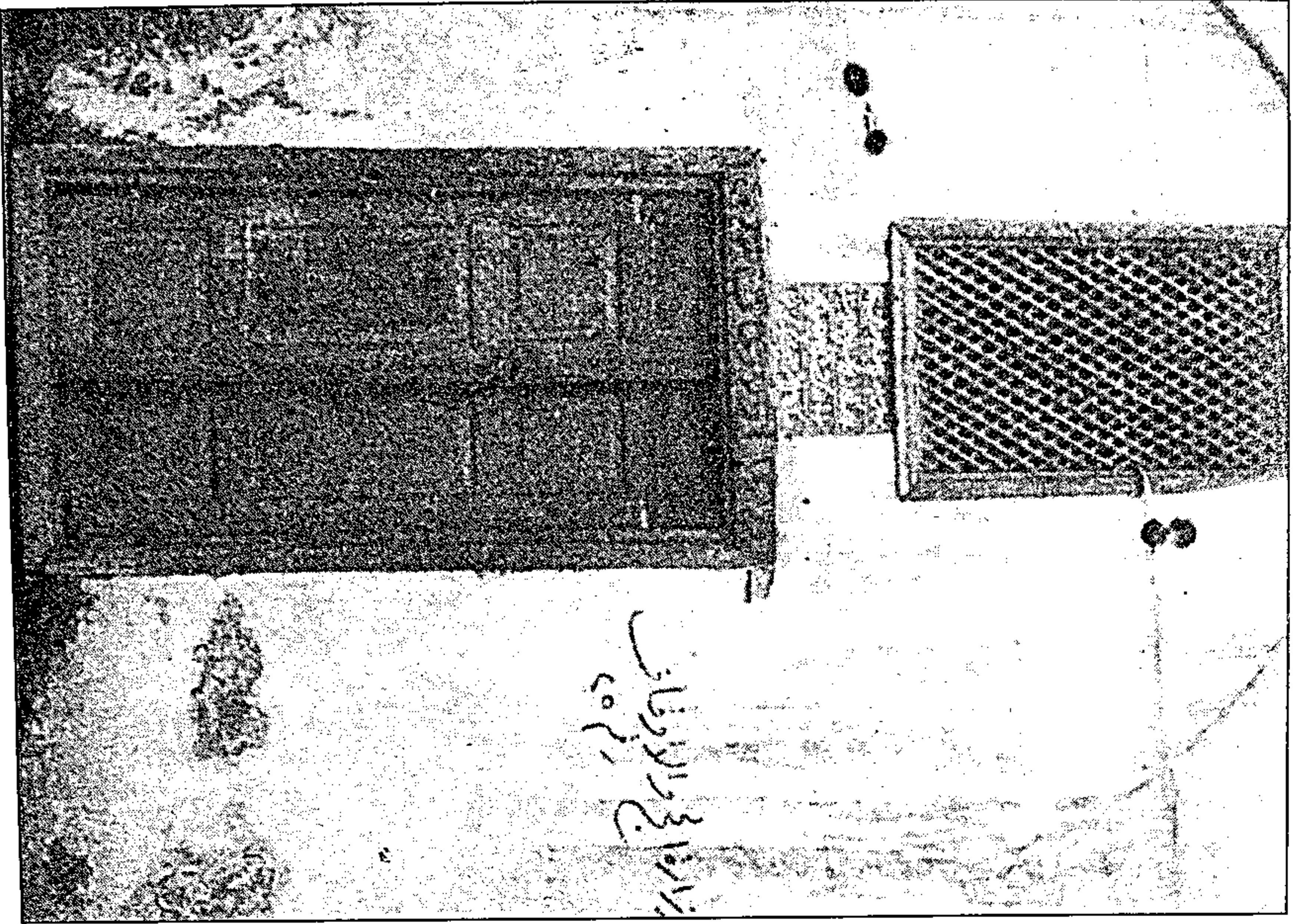
باب مسجد حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
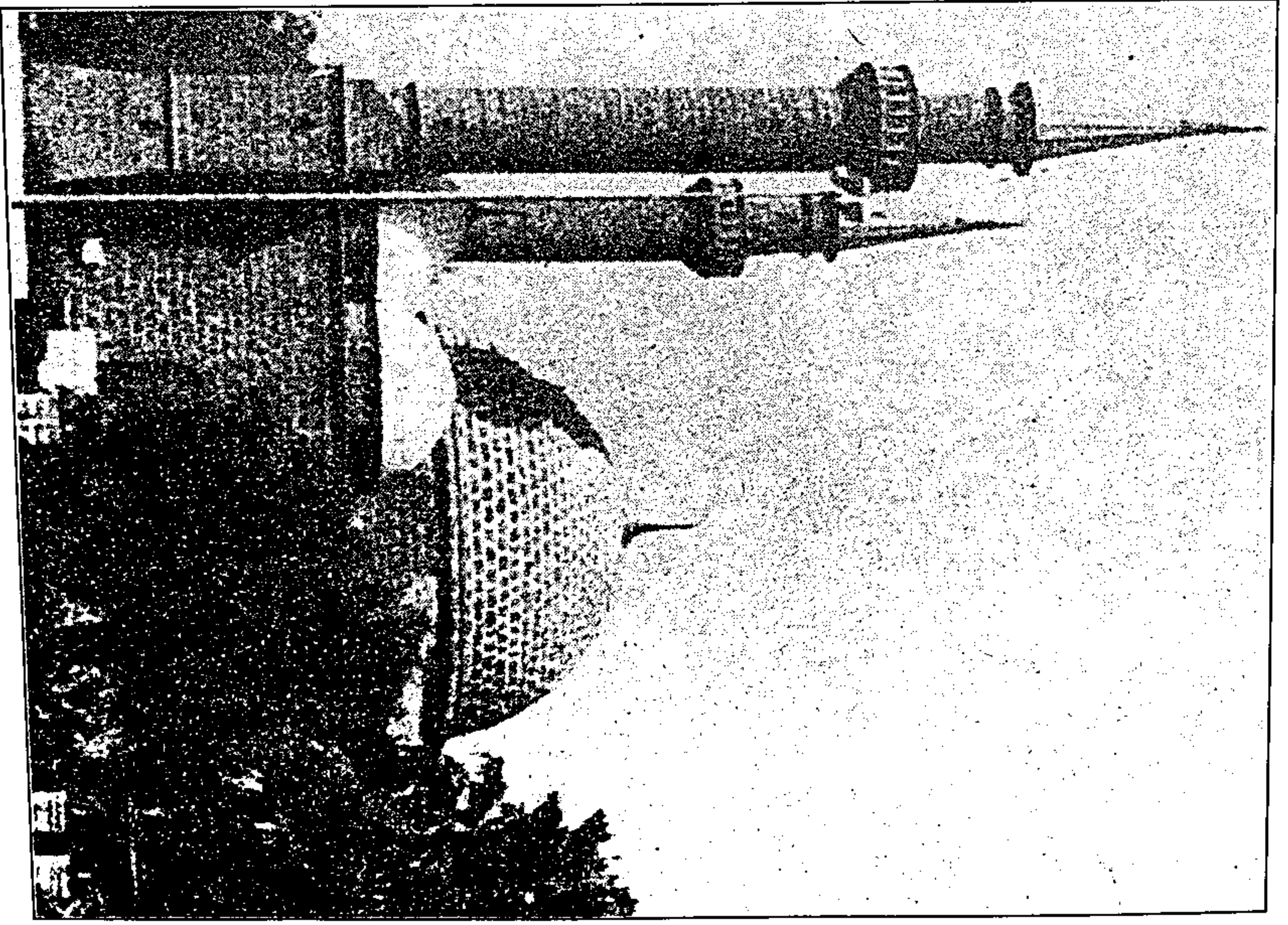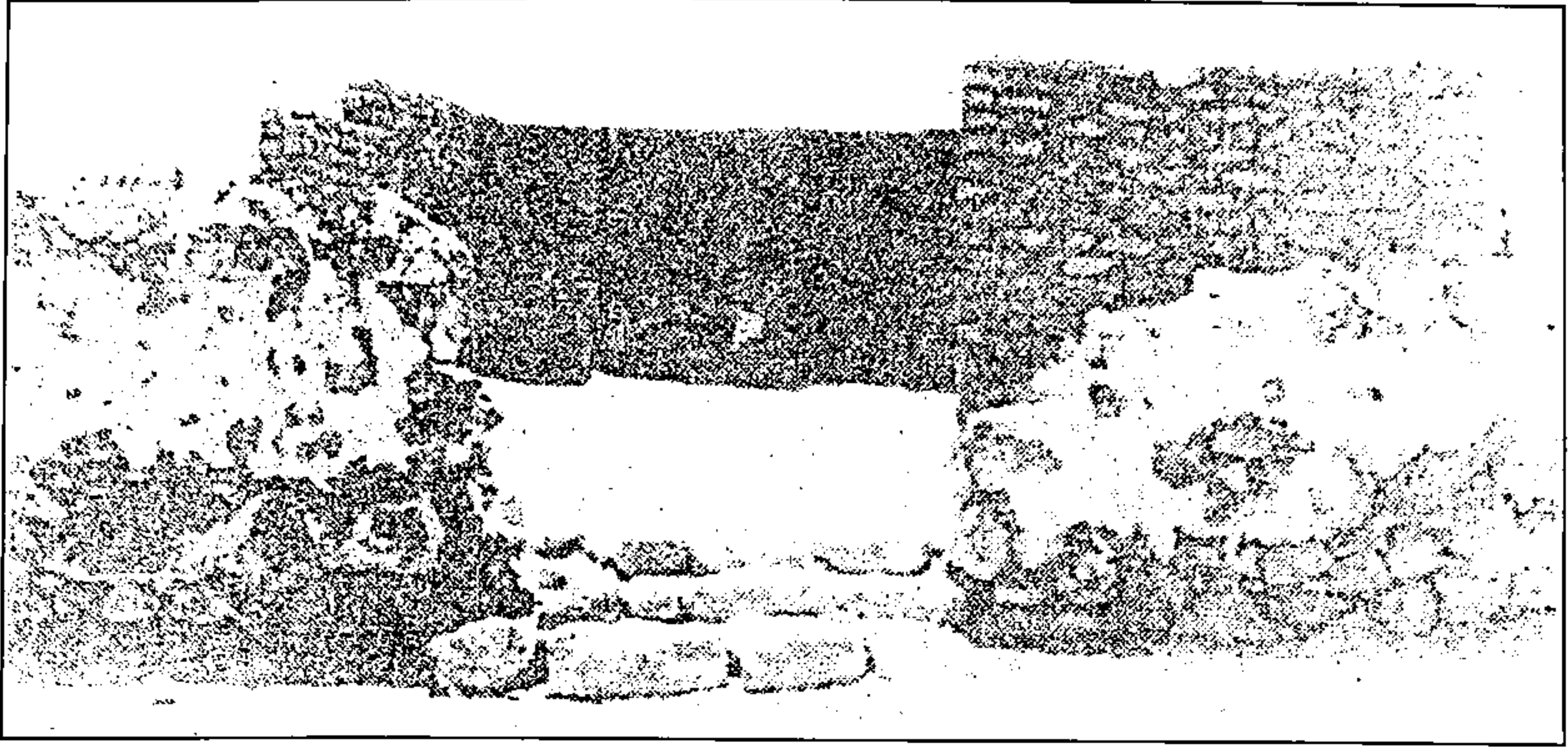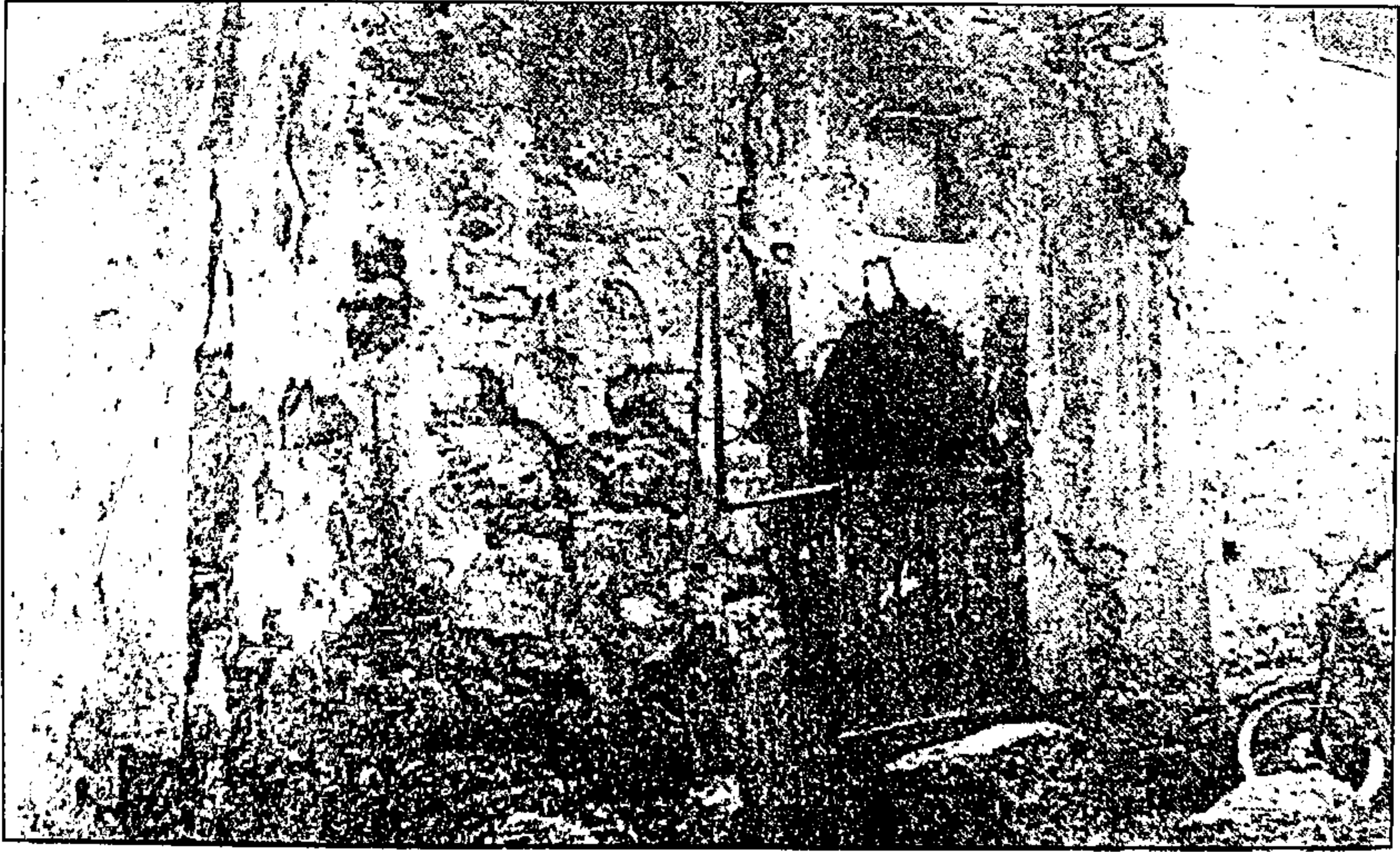
مسجد الکاتبیة

بئـر حاء: شرب منها النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلّم وکانت فی بستان ابی طلحه الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه واحب ماله الیه فلما نزلت الآ یة لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تصدق بها.(سورۃ آل عمران آیت 92)

The well of Ha: From which the Prophet (P.B.U.H.) used to drink and around which was a garden of Abu Talha al-Ansari(R.A.T.A.) who gave it to the Prophet (P.B.U.H.) to dipose of as he saw fit after the following verse was revealed: "You shall not attain to goodness (i.e. paradise) until you spend of that which you love best".(3-92)
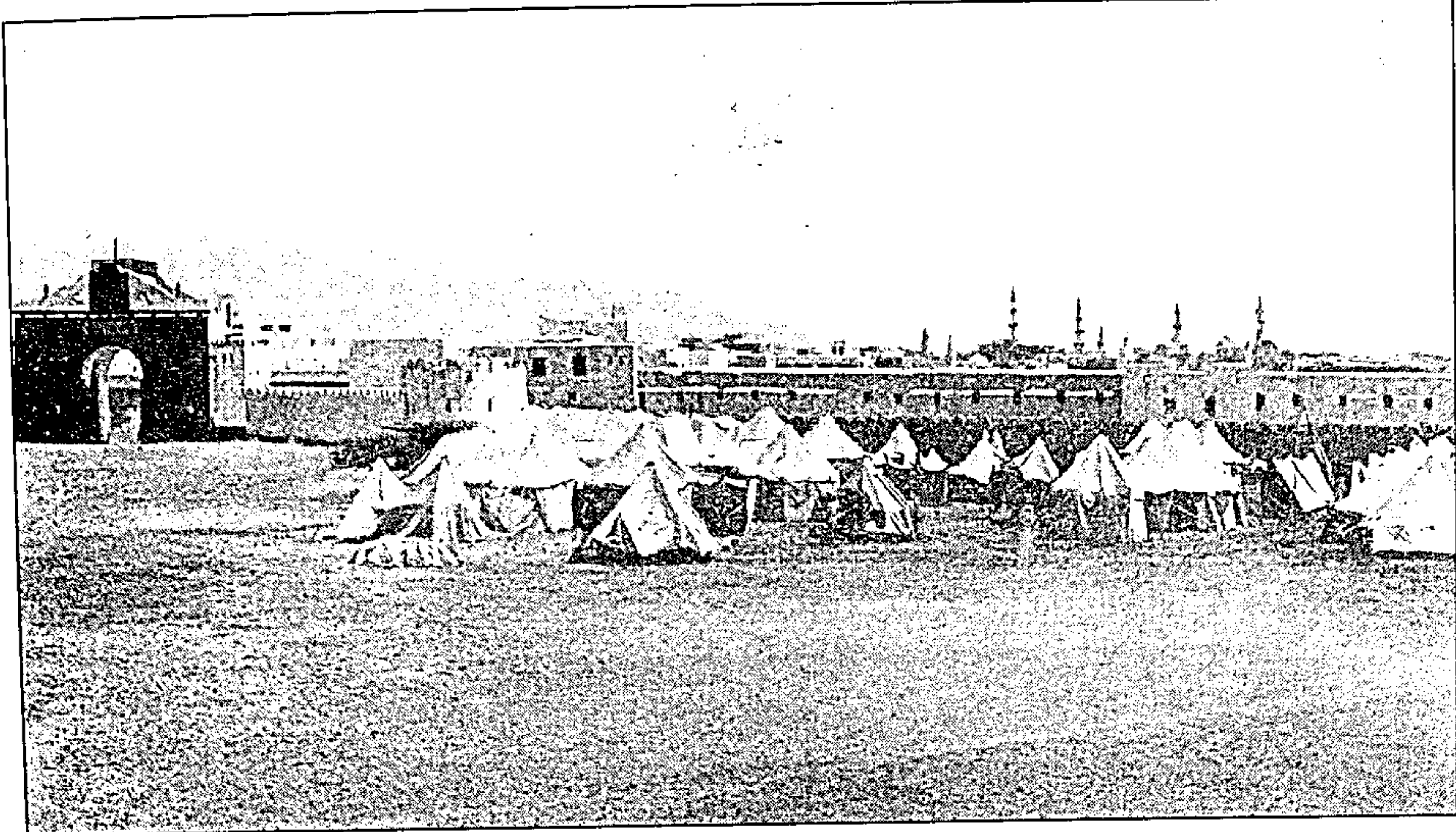
باب العنبریه بالمدینه المنوره
Ambarieh gate at Medina
باب العنبریہ مدینہ منورہ 1320ھ میں
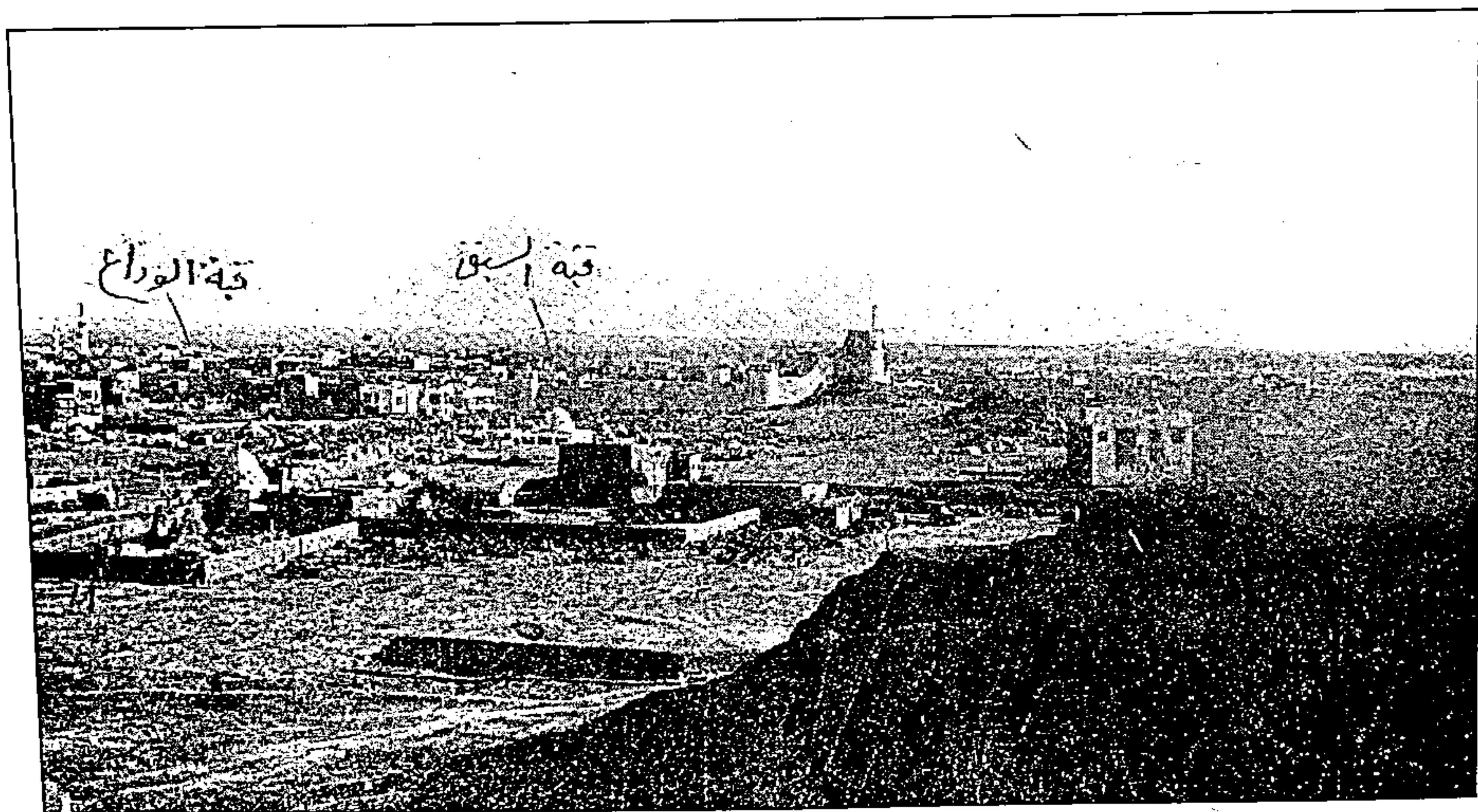
منظر المدينة من الجهة الشمالية اخذ من جهة جبل سلع
The Northern-Western view of Medina Mosque in 1325 H.
1325 ہجری میں شمالی سمت یعنی جبل سلع کی طرف سے مسجد نبوی اور مدینہ منورہ کا منظر
(مرۃ الحرمین اشاعت 1344ھ،1925ء قاہرہ مصر)
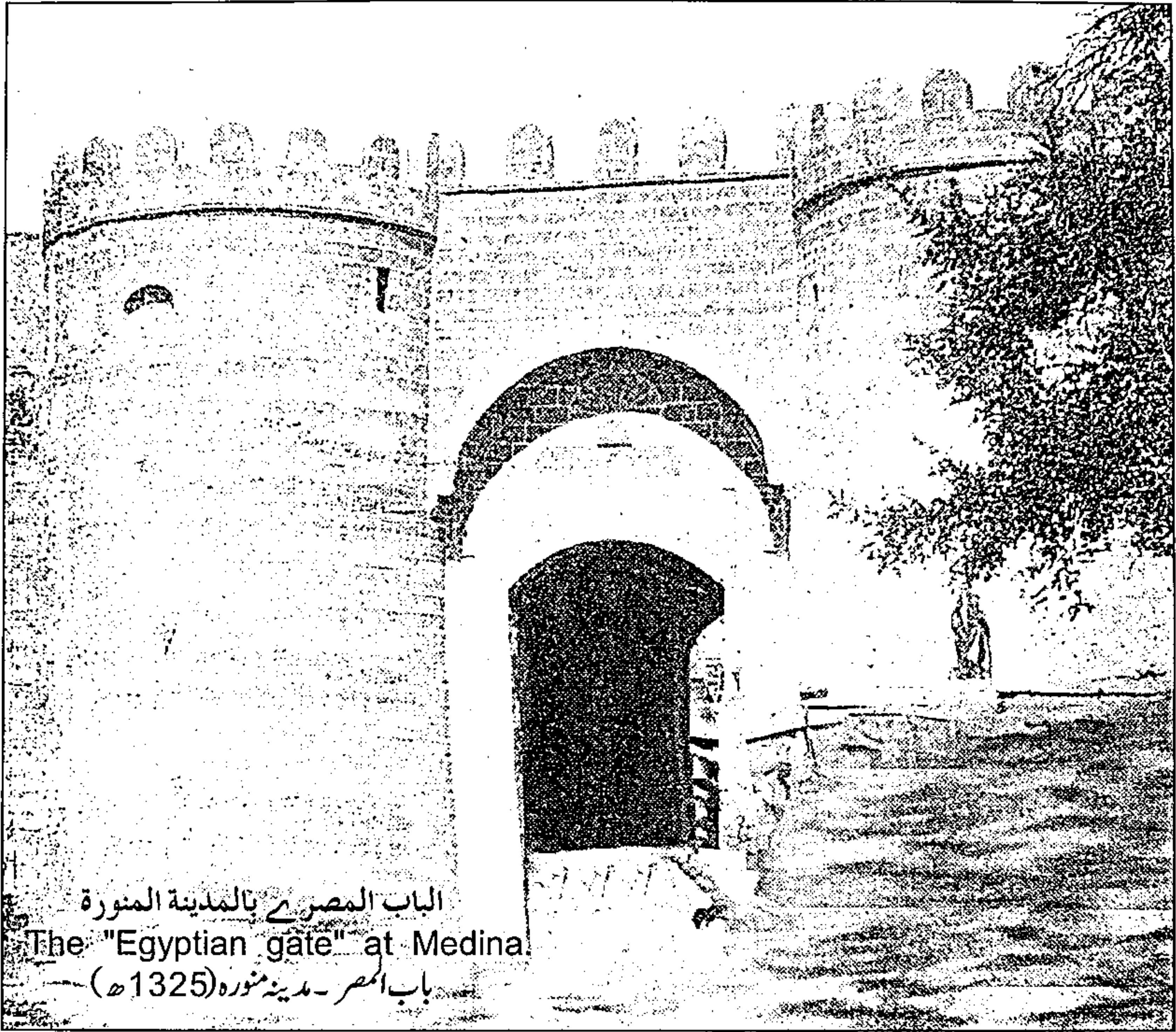
Marfat.com
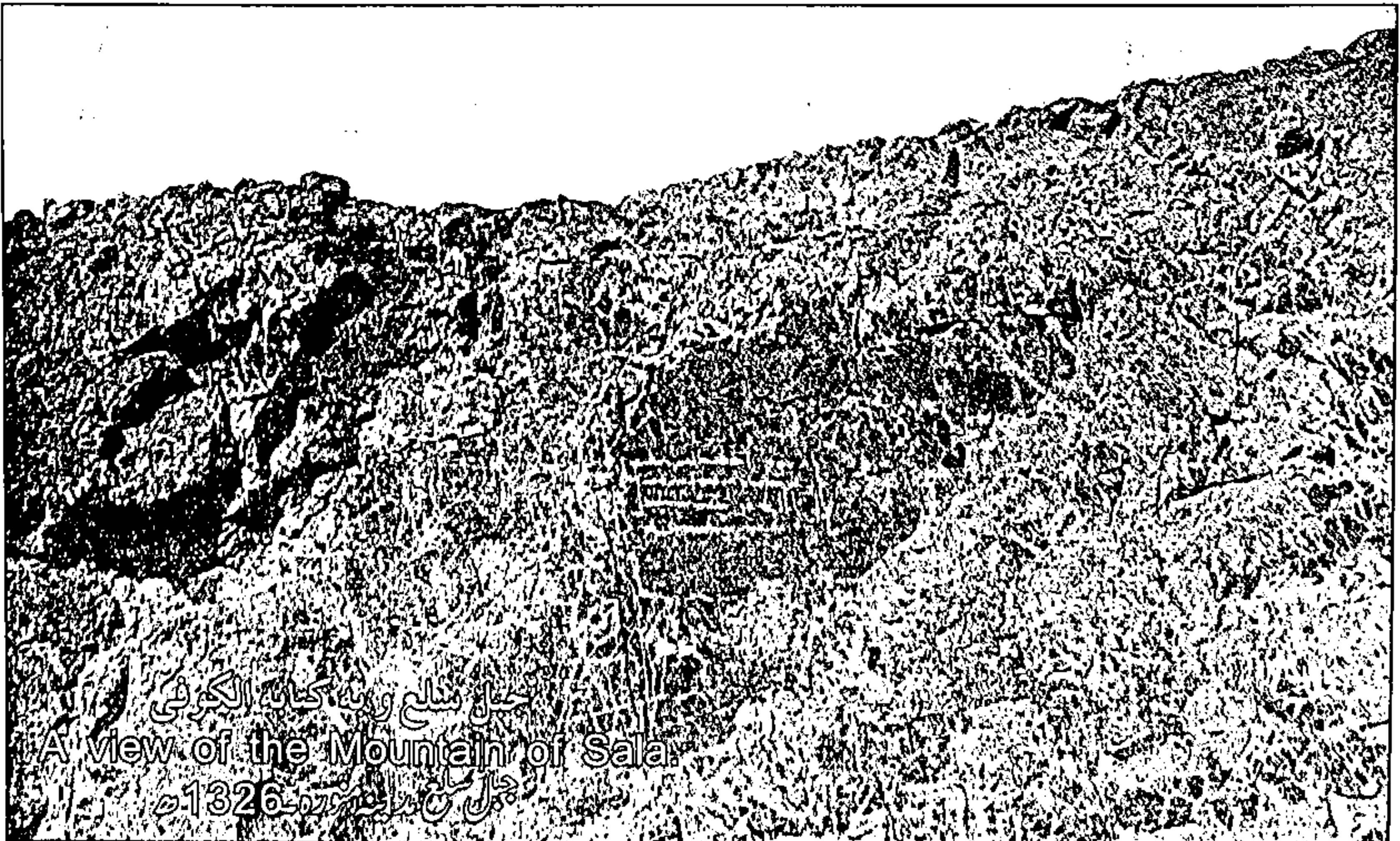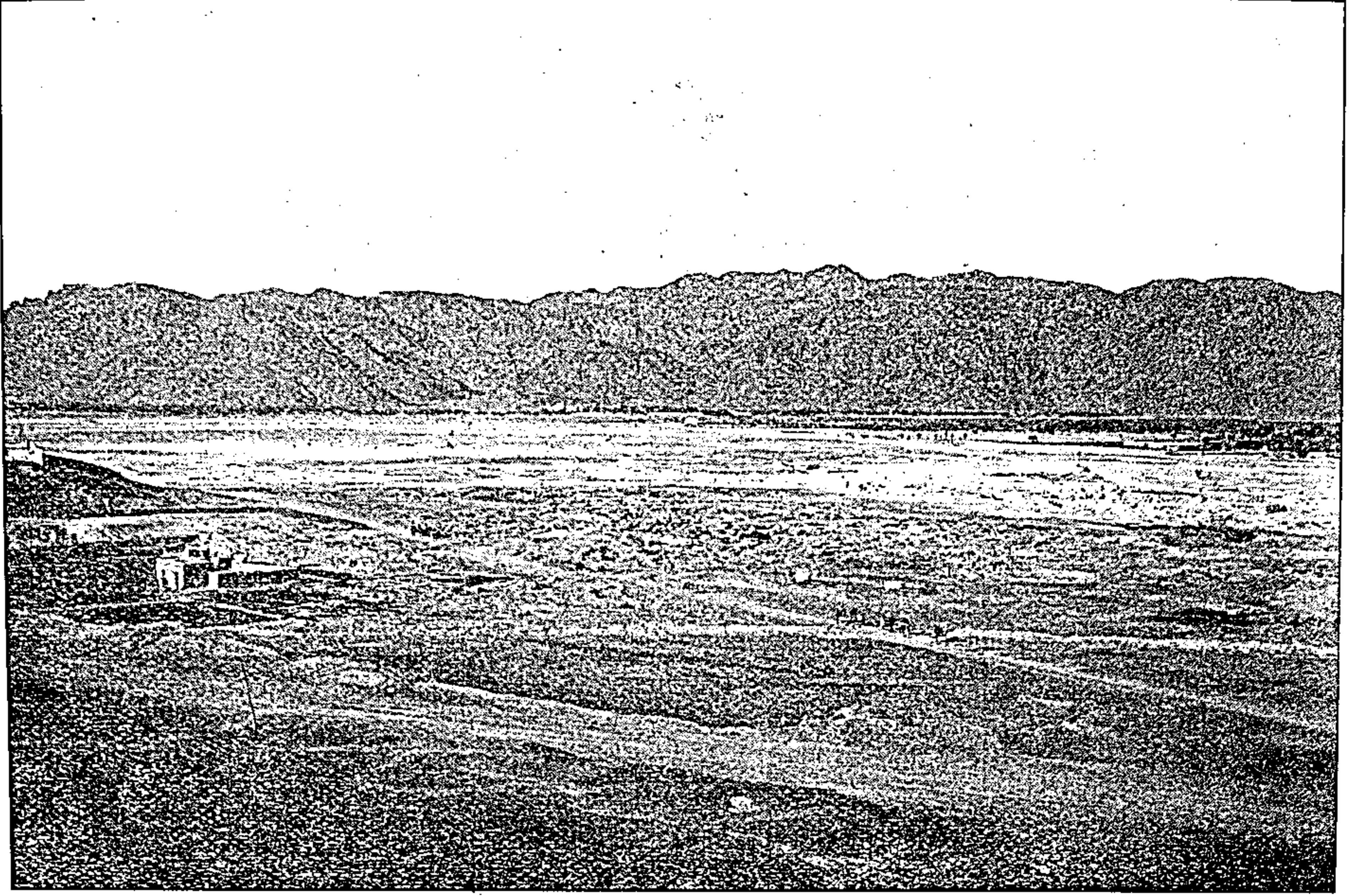
A view of the road from Gebel Sala to Ohod in Medina.

جبل سلع مدینہ منورہ سے جبل احد کو راستہ

(مرۃ الحرمین اشاعت 1320ھ، 1901ء قاہرہ مصر)
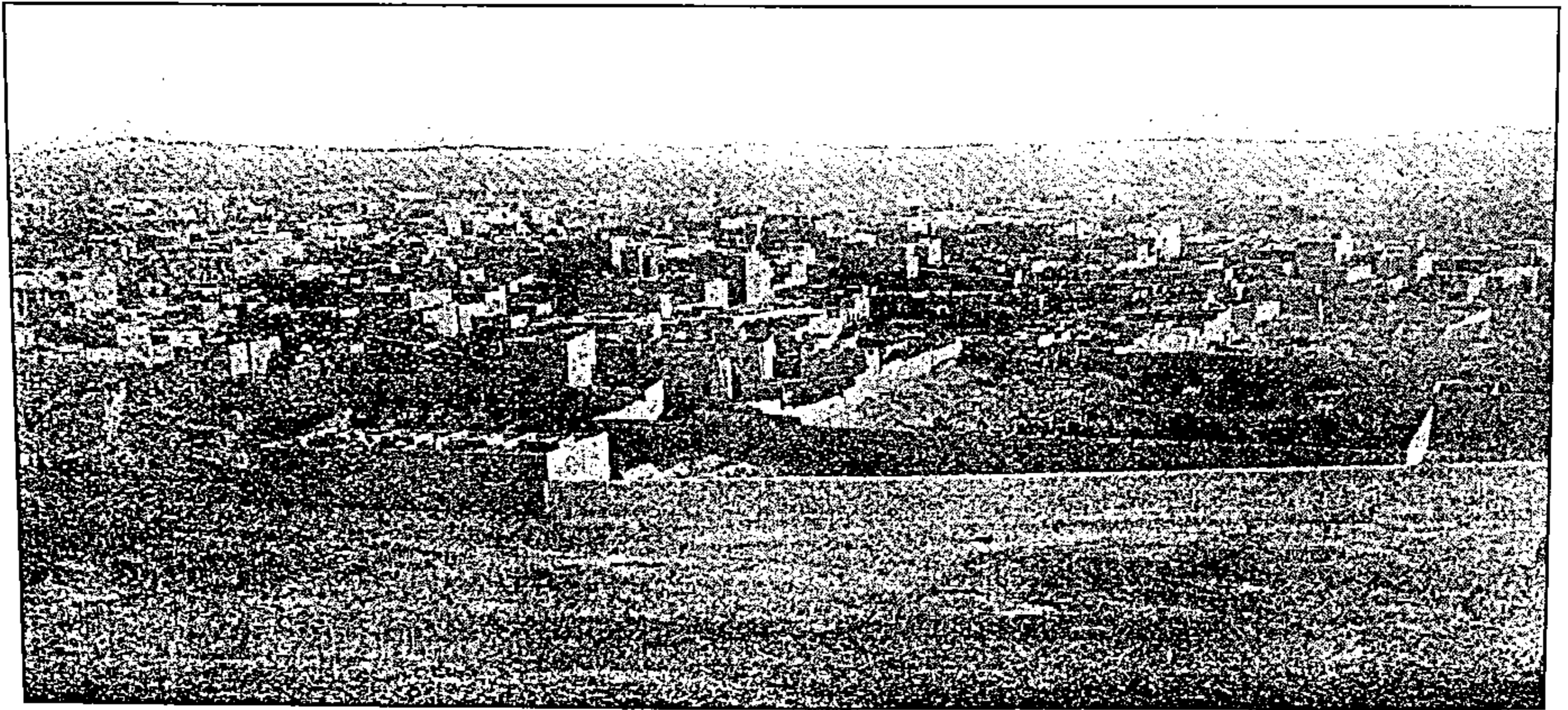
منظر المدينة المنوره من الجهة الغربية الجنوبية سنة 1325ھ

A western and southern view of El Medina.

مدینہ منورہ کا مغربی اور جنوبی سمت سے منظر (1325 ہجری میں)

(مرۃ الحرمین اشاعت 1325ھ، 1908ء قاہرہ مصر)

Marfat.com

منظر المدينة المنورة من جهة الباب الشامي

Medina as seen from the "Syrian gate"

مدینہ منورہ اور مضافات کا باب شامی سے منظر۔1325 ہجری میں

المدينة المنوره وَمَا حَولها

مدینہ منورہ اور گردونواح کے علاقہ جات

(1325ہجری)

المدينة المنورة وماحولها

Marfat.com

نقشہ جنت البقیع
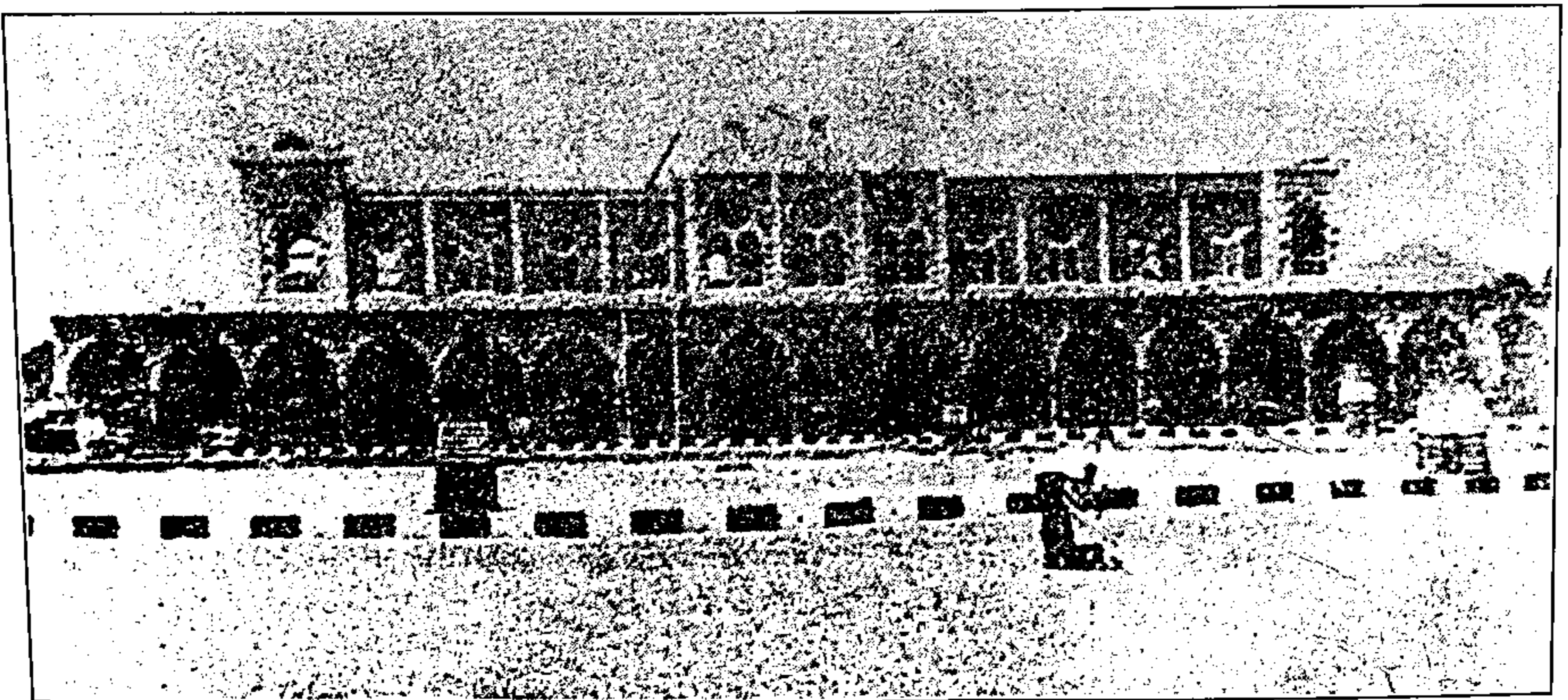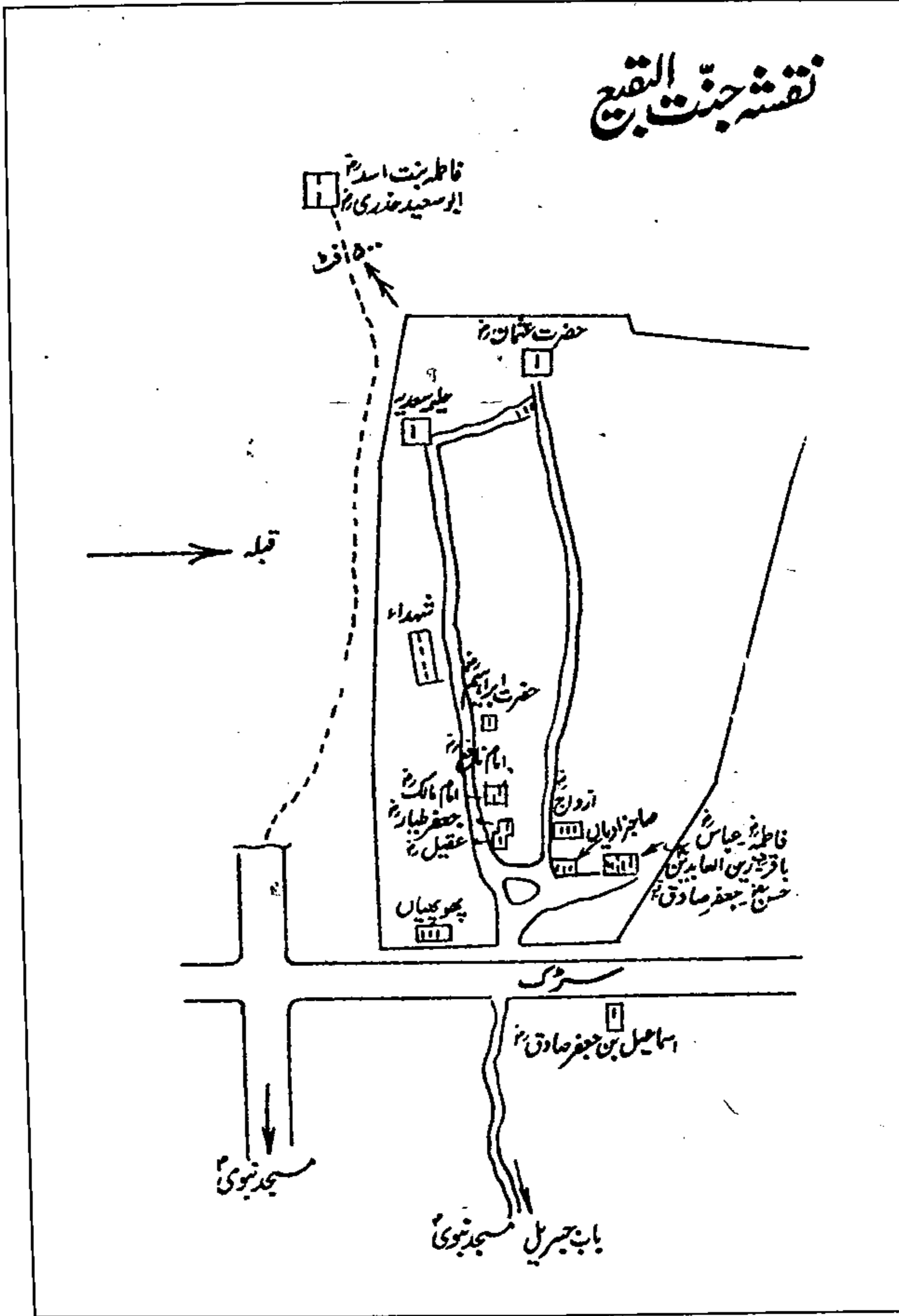
مدینہ منورہ کا قدیم ریلوے اسٹیشن

خريطة المدينة المنوره
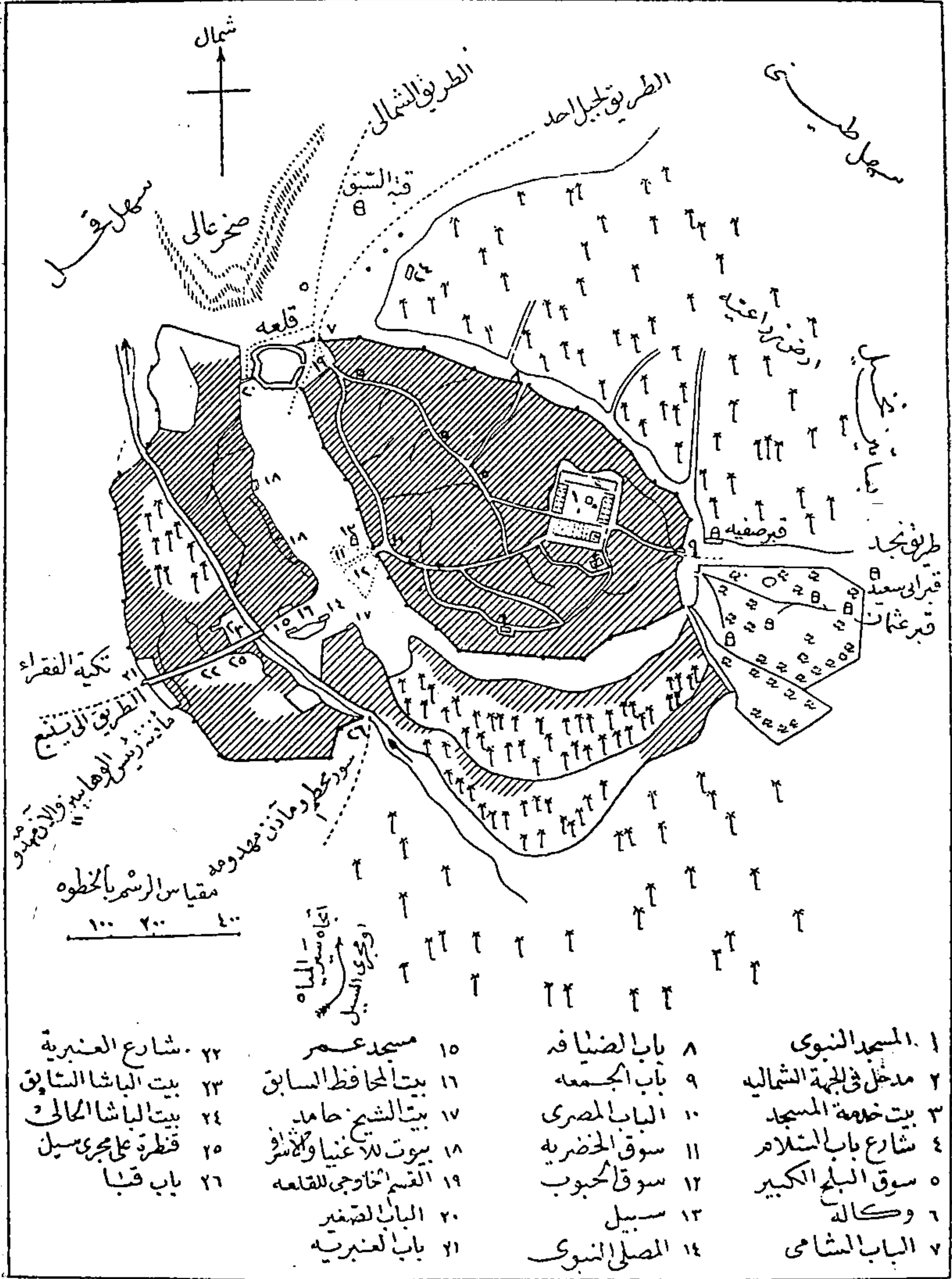
١ المسجد النبوی
٢ مدخل فی الجهة الشماليه
٣ بيت خدمة المسجد
٤ شارع باب السلام
٥ سوق البلج الكبير
٦ وكاله
٧ الباب الشامی
٨ باب الضيافه
٩ باب الجمعه
١٠ الباب المصری
١١ سوق الخضريه
١٢ سوق الحبوب
١٣ سبيل
١٤ المصلی النبوی
١٥ مسجد عمر
١٦ بيت المحافظ السابق
١٧ بيت الشيخ حامد
١٨ بيوت للاغنيا والاشراف
١٩ القسم الخارجی للقاعه
٢٠ الباب الصغير
٢١ باب العنبريه
٢٢ شارع العنبرية
٢٣ بيت الباشا السابق
٢٤ بيت الباشا الحالی
٢٥ قنطرة علی مجری سيل
٢٦ باب قبا

خريطة المدينة المنوّره

مدینہ منورہ اور مضافات (نقشہ 1325ھ)

(مرآۃ الحرمین اشاعت 1325ھ، 1908ء قاہرہ مصر)
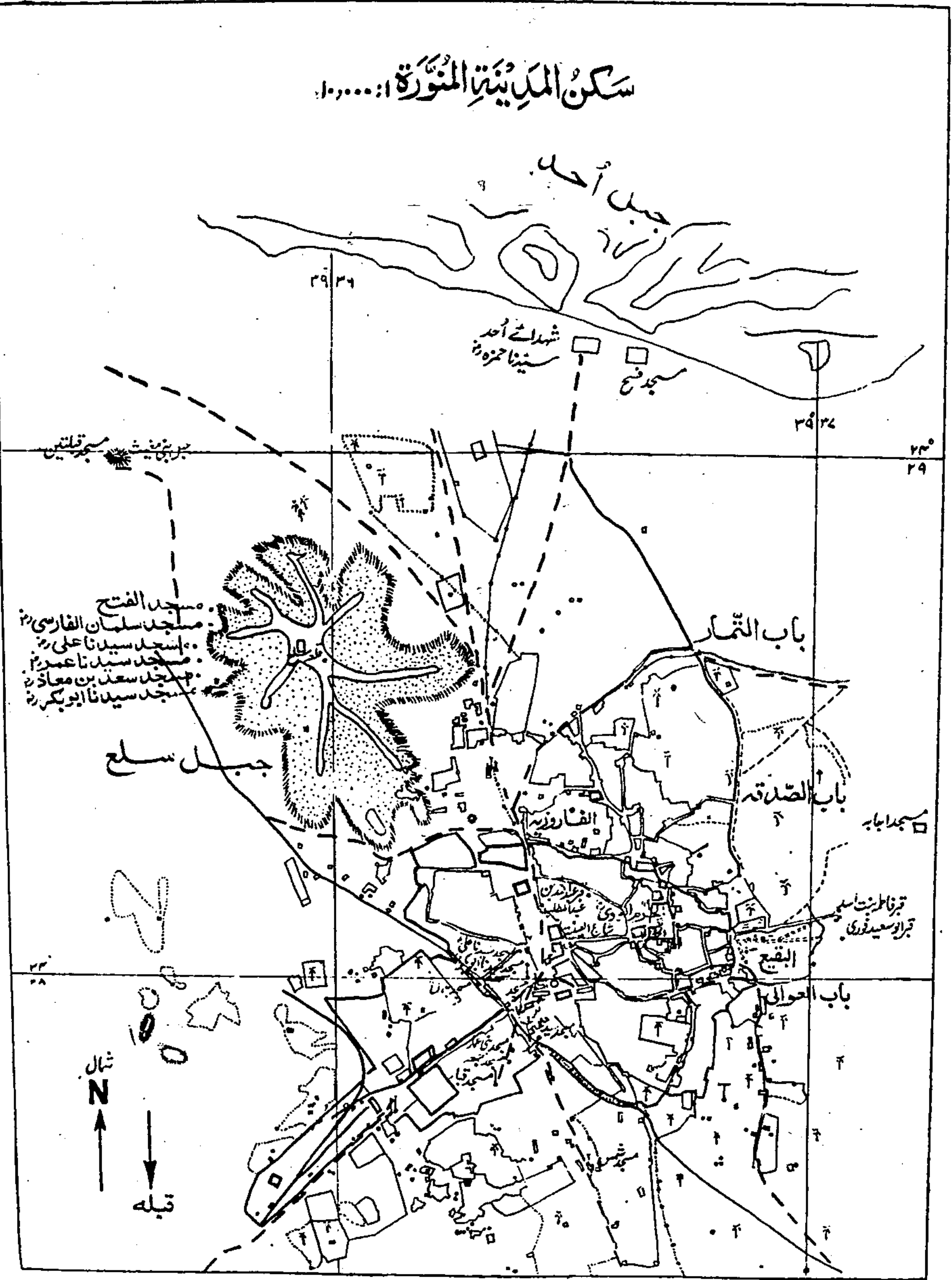
Pre-Islamic
Datelist upto Prophet Muhammad (S.A.A.W.)

زمانہ قبل از اسلام ادوار تا ختم الرسل حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Involving Arabs and Related Peoples of the Near and Middle East

BC	
2350	Sargon builds Akkad
2300	Ascendancy of Ebla (Tell Mardikh)
2270-2233	Reign of Naram-Sin of Sumer
2200	Decline of Pharaonic Old Kingdom
2000	Zenith of civilization of Dilmun in Eastern Arabia
1991-1792	12th dynasty of Middle Kingdom of Pharaohs
1728-1686	Hammurabi reigns (founder of Babylon)
1700	Abraham leads migration to Palestine from Ur
1570-1545	18th Egyptian dynasty founded in Thebes by Ahmose
1545-1525	Amenhotep of Egypt moves capital to Akhetaton (Tell al-Amarna)
1530	Hittites sack Babylon. End of first Amorite dynasty
1502-1448	Egyptian conquest of North Nubia and neighbouring Mediterranean coast under Thutmose III
1397-1360	Amenhotep III
1361-1352	Tutankhamun reigns.
1370-1353	Amenhotep IV
1300-1200	Rise of Sabaeans under the Queen of Sheba in South Arabia
1290-1223	Ramses II
1280	Treaty signed. North Syria recognized as Hittite, South Syria (Palestine) as Egyptian
1234-1215	Hebrews' exodus from Egypt
1200	Damascus gained by Aramaeans
1190-1158	Ramses III
1100-888	Rise of Sidonian state
1020	Saul anointed. First King of the Hebrews
945	Shishak of Libya ousts Pharaohs
936-923	Reigns of Solomon
900-842	Rise of Damascus
884-859	Rise of Ashur-nasir-pal and an initial Assyrian conquest successful
875	Israel becomes a vassal of Damascus

814	Carthage founded by Phoenicians
806-732	Decline of Aramaean Damascus
733	Tiglath-Pileser of Assyria defeats Israel
732	Tiglath-Pileser overthrows Damascus, centre of Aramaean power
727-722	Shalmaneser V of Assyria conquers Tyre
722-705	Sargonid dynasty. Ascendancy of Assyria. Campaigns against "Arab" tribes in N. Arabia.
705	Sargon –II. King of Assyria (721-705 B.C.) founder of the last Assyrian dynasty. He destroyed the Kingdom of Israel (722 B.C.). Captured Sumaria (721-717 B.C.), deported its inhabitants and devastated Armenia
705-681	Sennacherib destroys Babylon
671	Tirhaka of Ethiopian dynasty in Egypt defeated by Assyrians.
668	Ashuebimpal
600-593	Phoenicians under Pharaoh Necho circumnavigate Africa
605-562	Reign of Nebuchadnezzar II. Restoration of Babylon and creation of the Hanging Gardens.
586	Nebuchadnezzar destroys Jerusalem.
572	Nebuchadnezzar conquers Tyre
550-540	Nabonidus adopts Tayma in Arabia as Babylonian royal residence.
550-529	Cyrus of Anshan in Elam founds Achaemenid dynasty in Persia
546	Cyrus overthrows Croesus and seizes Sardis
539	Babylonians under Belshazzar defeated by Persians
539-332	Phoenicia under Persian rule
529-521	Cambyses of Persia conquers Egypt
521-485	Darius I establishes Persepolis
490	Darius loses Battle of Marathon to Athenians
480	Spartans defeat Persians at Thermopylae
480	Xerxes of Persia routed by Greeks at sea battle of Salamis
446	Artaxerxes I makes peace treaty with Greeks
330	Alexander the Great burns Persepolis
323	Alexander the Great conquers Babylon and dies there
312-280	Seleucus I founds the Syrian Kingdom
300	Petra becomes Nabataean capital
226	Parthians defeated by Sassanids
218	Hannibal of Carthage crosses the Alps

202	Hannibal defeated by Romans
169	Antiochus IV of Syria defeats Ptolemy IV of Egypt.
133	Attalid Kingdom creates extensive province of Asia
85	Nabataeans take Coele-Syria from Seleucids
69-83	Tigranes of Armenia makes conquests in Macedonian Kingdom
64	Romans conquer Syria
51-30	Rule of Cleopatra in Egypt
48	Julius Caesar conquers Pompey at Zela
44	Caesar murdered
30	Roman annexation of Egypt
37-4	Rule of Herod the Great of Judaea
6	Birth of Jesus (as calculated by scholars)
CE	
0-100	Himyarites migrate to Axum (Abyssinia)
27	Death of Jesus
70	Titus, Roman Emperor, starves Jerusalem into surrender
106	Romans destroy Nabataean Petra
114-116	Rome at war with Parthia
123	Hadrian renounces Euphrates territory
195-199	Severus conquers Mesopotamia
226	Foundation of the new Sassanid Persian Empire
268-273	Palmyra conquers Syria, Mesopotamia and parts of Egypt
330	Constantinople becomes set of Eastern half of Roman Empire
354-430	Life of Augustine
433-453	Attila, ruler of the Huns
525	Abyssinians conquer Yemen
568-572	Fall of Rome
571	Birth of Muhammad (P.B.U.H.)
575	Khosrau I of the Sassanids expels Abyssinians from the Yemen
596	Muhammad (P.B.U.H.) marries Khadijah of the Quraysh tribe
610	Muhammad's(S.A.A.W.) first revelation outside Makkah
614	Persians conquer Damascus, Jerusalem and Egypt
622	Muhammad(P.B.U.H.) Hijrat (flees) from Makkah to al-Madinah, the hijrah and official beginning of the Muslim era
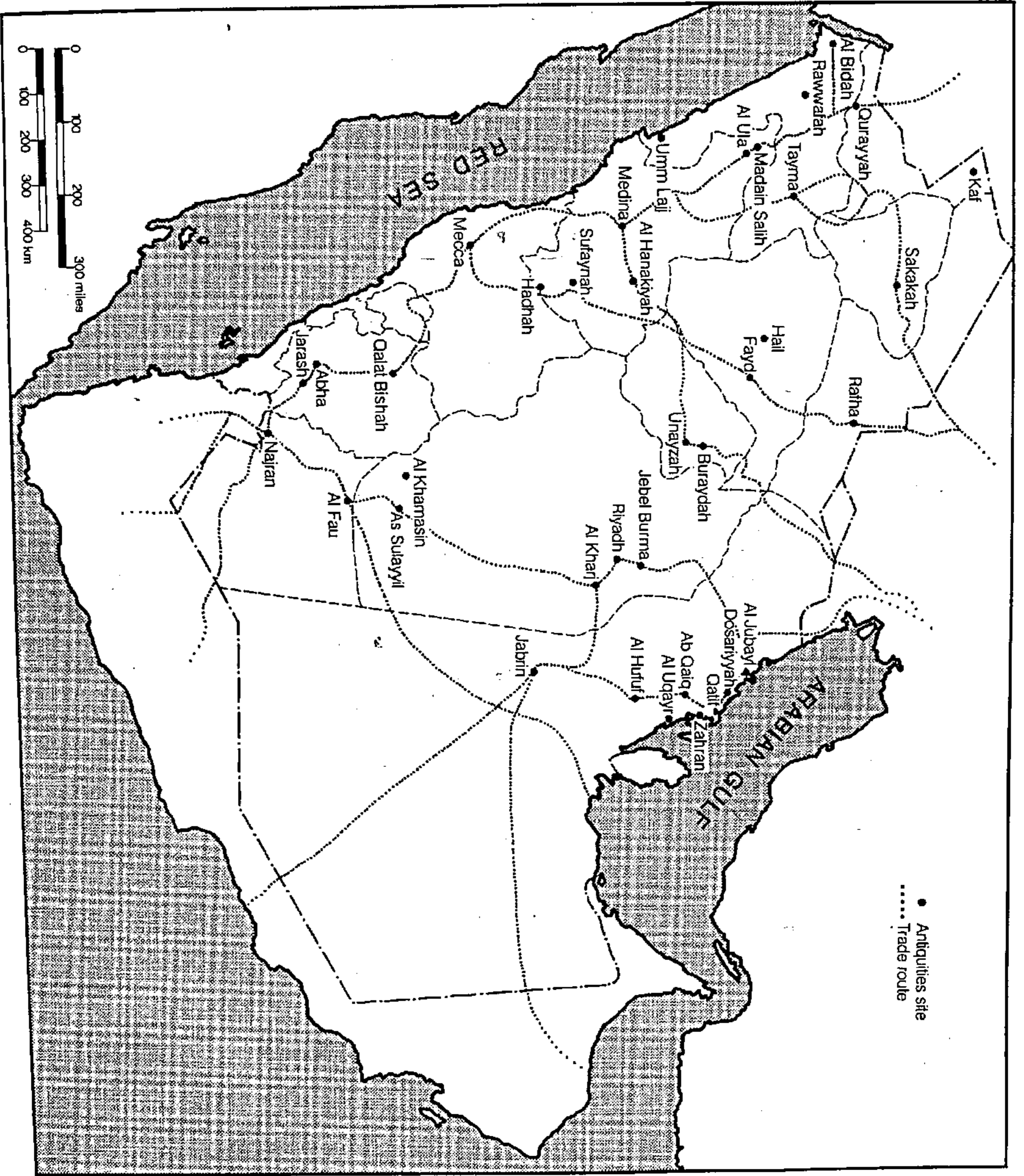
Ancient sites and trade routes.

قدیم مقامات اور تجارتی راستے